بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور

نور العرفان

سوانح و فرمودات

امامِ قطب الاقطاب مولوی محمد امین قریشی اویسی کشمیری

تصنیف و تالیف

جناب محمد نور الدین اویسی جناب ڈاکٹر محمد رمضان اویسی

شعبہ نشر و اشاعت

سلسلہ عالیہ اویسیہ ایبٹ آباد (ہزارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور

نور العرفان

سوانح و فرمودات

الحاج قطب الاقطاب مولوی **محمد امین** قریشی اویسی کشمیری

—— تصنیف و تالیف ——

جناب محمد نور الدین اویسی — جناب ڈاکٹر محمد رمضان اویسی

شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ عالیہ اویسیہ ایبٹ آباد (ہزارہ)

سلسلہ اویسیہ پبلی کیشنز ۱۴

ترمیم و تصحیح شدہ ایڈیشن (چہارم)

طباعت : دسمبر ۲۰۱۰ء

ملنے کا پتہ

شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ اویسیہ

۳۴۰۴ لنک روڈ - ایبٹ آباد (ہزارہ) پاکستان

کتابت : محمد صدیق چشتی - لاہور

فہرست مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدِ باری تعالیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ
سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ
اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا
يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ
الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ
الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ
الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ
الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ
لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

درودِ منظوم

از

رأس التابعین، امام العاشقین

سیّدنا خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى رَأْسِ فَرِيْقِ النَّأْسِ

رحمت نازل کر اے رب اوپر سردار گروہ انسانی کے

مِنْهُ لِلْخَلْقِ اَمَانٌ بِزَمَانِ الْبَأْسِ

اسی سے امان ہے واسطے خلق کے خوف کے زمانہ میں

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى مَنْ هُوَ فِيْ حُرِّ غَدٍ

رحمت نازل کر اوپر اس ذات کے جو قیامت میں شدتِ گرمی میں

كُلُّ مَنْ يَظْمَأُ يَسْقِيْهِ رَحِيْقَ الْكَأْسِ

تمام پیاسوں کو پلائیں گے شراب (کوثر) کے پیالے

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى مَنْ بِرَجَآءِ الْكَرَمِ

رحمت نازل کر اوپر اُس ذات کے جو اُمید کرم پر

خَصَّ مَنْ جَاءَ اِلَيْهِ لِعُمُوْمِ النَّاسِ

خاص کر دیتا ہے۔ جو آئے اُن کی طرف عوام الناس میں سے

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مُؤْنِسِ کُلِّ الْبَشَرِ
رحمت نازل کر اوپر غم خوار تمام بشر کے
مُبْدِلِ الْوَحْشَةِ فِی الْقَبْرِ بِاٰیْنَاسٍ
جو بدلنے والے ہیں وحشت کو بیچ قبر کے ساتھ محبت کے
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رُوْحِ رَئِیْسِ الرُّسُلِ
رحمت نازل کر اوپر روح سردار رسولوں کے
نَقْتَدِیْ نَحْنُ عَلٰی اَرْجُلِهٖ بِالرَّاسِ
ہم اقتدا کرتے ہیں اوپر ان کے قدموں کے اپنے سروں سے
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی ذِیْ نِعَمٍ دَائِمَةٍ
رحمت نازل کر اوپر صاحب نعمت کے جو ہمیشگی نعمتوں کے مالک ہیں
اَنْعَمَ الْیَوْمَ عَلَی الْخَیْرِ بِلَا مِقْیَاسٍ
انعام کریں گے قیامت کے دن بہتر انعام بغیر حساب و پیمانہ کے
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی صَاحِبِ شَرْعٍ حَسَنٍ
رحمت نازل کر اے رب اوپر صاحبِ شریعتِ حسنہ کے
فَرَّقَ النَّاسَ مَتٰی جَآءَ مِنَ النَّسْنَاسِ
علیحدہ کیا گیا لوگوں کو جب آیا (دنیا پر) رذیل لوگوں سے
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی ذِیْ کَرَمٍ اُمَّتَهٗ
رحمت نازل کر اے رب اوپر ذاتِ کریم کے اُس کی اُمّت
تَدْخُلُ الْجَنَّةَ فِی الْحَشْرِ بِلَا وَسْوَاسٍ
داخل ہو گی جنت میں حشر کے دن بغیر وسواس کے

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ لَوْلَاہُ لَمَا
رحمت نازل کر اے رب اُس ذات پر کہ اگر وہ نہ ہوتے
یَشْمُلُ النَّامِیَۃُ الْکَوْنَ مَعَ الْحَسَّاسِ
اکٹھے ہو جاتے کائنات میں جمادات نباتات ساتھ جانداروں کے
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ عِصْمَتِہٖ
رحمت نازل کر اے رب اُس ذات پر جس کی پاکیزگی کے سبب
یَعْصِمُ الْحَقُّ مُحِبِّیْہِ مِنَ الْخَنَّاسِ
بچاتا ہے حق اپنے دوستوں کو شیطانوں کی شر سے
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ عَاذَ بِہٖ
رحمت نازل کر اے رب اُس ذات کے جس نے پناہ لی اس سے
لَمْ تَصِلْ قَطُّ اِلَیْہِ یَدَیِ الْوَسْوَاسِ
نہیں پہنچیں گے کبھی طرف اس کے ہاتھ شیطان وسوسہ ڈالنے والے کے
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ بَارِقَۃِ
رحمت نازل کر اے رب اُس ذات کے جس کی چمک
اَلسَّیْفِ قَدْ اَذْھَبَ قَطْعًا بَصَرَ الشَّمَّاسِ
تلوار کی سی تحقیق اُچک لے جاتی ہے روشنی سورجوں کی
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی صَاحِبِ نَوْعِ الشَّرَفِ
رحمت نازل کر اے رب صاحب اشرف الخلق کے
مَیَّزَ النَّاسَ بِہِ الْفَصْلَ مِنَ الْاَجْنَاسِ
ممتاز ہوئے لوگ ان کے الگ کرنے سے۔ باقی جنسوں سے

---

[1] لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ لِنَخِیْلِ الْکَرَمِ
رحمت نازل کر اَے رَب اِس ذات پر جو بخشش کے درخت

فِیْ رِیَاضِ الْاُمَمِ الْیَوْمَ لَنَا الْغَرَّاسِ
لگائیں گے بیج باغ اُمّت کے واسطے ہمارے قیامت کے دِن

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ بِغِنَآءِ الْکَرَمِ
رحمت نازل کر اَے رَب اپر اس ذات کے جس کی کرم کی دولت سے

مِنْ بُیُوْتِ الْفُقَرَآءِ یَذْھَبُ بِالْاَفْلَاسِ
فقیروں کے گھروں سے چلی جائے گی مُفلسی

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی عِتْرَتِہِ الطَّاھِرَۃِ
رحمت نازل کر اَے رَب اپر آلِ پاک مُحمّد کے

وَ عَلٰی الصَّحْبِ مَعَ الْحَمْزَۃِ وَالْعَبَّاسِ
اور اپر اصحاب مع حمزہؓ و حضرت عباسؓ کے

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ لِاُوَیْسٍ مِنْہُ
رحمت نازل کر اَے رَب اپر اس ذات کے اویسؓ کے اس سے

طَھَرَ الْقَالِبُ وَالْقَلْبُ مِنَ الْاَدْنَاسِ
پاک ہو جائے جسم و قلب تمام میلوں سے

اُردو ترجمہ۔ جناب محمد نُورالدین اویسی امینیؒ

نعت از
امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؓ

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا ۔۔۔ اَرْجُوْ رِضَاكَ وَاحْتَمِيْ بِحِمَاكَ

اے سرداروں کے سردار! میں آپ کے حضور آیا ہوں ۔۔۔ آپ کی خوشنودی کا امیدوار، آپ کی پناہ کا طلب گار

وَاللّٰهِ يَا خَيْرَ الْخَلَائِقِ اِنَّ لِيْ ۔۔۔ قَلْبًا مَشُوْقًا لَا يَرُوْمُ سِوَاكَ

اللہ کی قسم اے بہترین خلائق! میرا دل صرف ۔۔۔ آپ کی محبت سے لبریز ہے وہ آپ کے سوا کسی کا طالب نہیں

اَنْتَ الَّذِيْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ ۔۔۔ كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْلَاكَ

آپ اگر نہ ہوتے تو پھر کوئی شخص ہرگز پیدا نہ کیا جاتا ۔۔۔ اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو یہ مخلوقات پیدا نہ ہوتیں

اَنْتَ الَّذِيْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ ۔۔۔ مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ اَبَاكَ

آپؐ وہ ہیں کہ جب حضرت آدمؑ نے آپ کا توسّل اختیار کیا ۔۔۔ اپنی لغزش پر تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ کے جدِ بزرگوار ہیں

وَبِكَ الْخَلِيْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهٗ ۔۔۔ بَرْدًا وَّقَدْ خَمَدَتْ بِنُوْرِ سَنَاكَ

اور آپ ہی کے وسیلے سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دعا کی تو ۔۔۔ اُن کی آگ سرد ہو گئی، وہ آگ آپ کے نور کی برکت سے بجھ گئی

وَدَعَاكَ اَيُّوْبُ بِضُرٍّ مَسَّهٗ ۔۔۔ فَاُزِيْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِيْنَ دَعَاكَ

اور حضرت ایوبؑ نے اپنی بیماری میں آپ کے وسیلے سے دُعا کی ۔۔۔ تو اُن کی دُعا مقبول ہوئی اور بیماری دُور ہو گئی

وَبِكَ الْمَسِيْحُ اَتٰى بَشِيْرًا مُّخْبِرًا ۔۔۔ بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَادِحًا لِعُلَاكَ

اور آپ ہی کے ظہور کی خوشخبری لے کر حضرت مسیحؑ آئے ۔۔۔ انھوں نے آپ کے حسن و جمال کی مدح و ثنا کی اور آپ کے رتبہ بلند کی خبر دی

وَكَذَاكَ مُوْسٰى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلًا ۔۔۔ بِكَ فِي الْقِيٰمَةِ مُحْتَمِيْ بِحِمَاكَ

اور اسی طرح حضرت موسیٰؑ بھی آپ کا وسیلہ اختیار کیے رہے ۔۔۔ اور قیامت میں بھی آپ ہی کی حمایت کے طالب رہیں گے

وَهُودٌ وَّيُونُسُ مِنْ بَهَاكَ تَجَمَّلَا — وَجَمَالُ يُوسُفَ مِنْ ضِيَاءِ سَنَاكَ

اور حضرت ہودؑ اور حضرت یونسؑ نے بھی آپ ہی کے حسن سے زینت پائی — اور حضرت یوسفؑ کا جمال بھی آپ ہی کے جمال باصفا کا پرتو تھا

قَدْ فُقْتَ يَا طٰهٰ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ — طُرًّا فَسُبْحٰنَ الَّذِي أَسْرَاكَ

اے طٰہٰ لقب! آپ کو تمام انبیاء پر برتری حاصل ہوئی — پاک ہے وہ جس نے ایک رات کو اپنے ملکوت کی سیر کرائی

وَاللّٰهِ يَا يٰسِيْنُ مِثْلُكَ لَمْ يَكُنْ — فِي الْعٰلَمِيْنَ وَحَقِّ مَنْ أَنْبَاكَ

خدا کی قسم، اے یٰسین لقب! آپ جیسا تو تمام مخلوق میں — نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا قسم ہے اُسی کی جس نے آپ کو سربلند کیا

عَنْ وَّصْفِكَ الشُّعَرَاءُ يَا مُدَّثِّرُ — عَجَزُوْا وَكَلُّوْا مِنْ صِفَاتِ عُلَاكَ

اے کملی والے! آپ کے اوصافِ جمیلہ بیان کرنے سے بڑے بڑے شعراء — عاجز رہ گئے، آپ کے اوصافِ عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہو جاتی ہیں

بِكَ لِيْ قُلَيْبٌ مُغْرَمٌ يَا سَيِّدِيْ — وَحُشَاشَةٌ مَحْشُوَّةٌ بِهَوَاكَ

میرے سرکار! میرا حقیر دل آپ ہی کا شیدا ہے — اور میرے اندر تو آپ ہی کی محبت بھری ہوئی ہے

يَا أَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى — جُدْ لِيْ بِجُوْدِكَ وَأَرْضِنِيْ بِرِضَاكَ

اے تمام موجودات سے بزرگ و برتر! اے حاصلِ کائنات! — مجھے اپنی بخشش و عطا سے نوازیے اور اپنی خوشنودی کی مسرت بخشیے

أَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ — لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْأَنَامِ سِوَاكَ

میں آپ کے جود و کرم کا دل سے طلبگار ہوں، کہ — اس جہان میں ابوحنیفہ کیلئے آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے

صَلّٰى عَلَيْكَ اللّٰهُ يَا عَلَمَ الْهُدٰى

اے ہدایت کے عَلَمِ سربلند! مشتاقانِ زیارت کے شوقِ بے حد

مَا حَنَّ مُشْتَاقٌ إِلٰى مَثْوَاكَ

کے مطابق، قیامت تک اللہ کا درود و سلام آپ پر نازل ہوتا رہے

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

نہیں تعریف ممکن انس وجاں سے
کہ وہ محبوبِ ربِّ کبریا ہے

بشر تمثیل یک حرفِ عیاں ہے
وجود ان کا خلق سے ماوریٰ ہے

انہیں کے نُور سے روشن جہاں ہے
کہ وہ وجہِ ظہورِ دو سرا ہے

زمین و آسمان صرفِ ثنا ہے
ہوا جب سے ظہورِ مصطفٰے ہے

مشرّف کر دیا انساں کو جس نے
وہ نُورِ مصطفٰے از ابتدا ہے

مثالِ حُسنِ احمد نیست جز ایں
کہ یُوسف پرتوِ بدرالدّجےٰ ہے

نہیں جز عشقِ احمدؐ کام اپنا
کہ وہ ہر انس وجاں کا مُدعا ہے

فرشتے کیوں نہ دیں سجدہ بشر کو
کہ اِس میں پرتوِ شمسُ الضحیٰ ہے

رضائے حق اِسی پر منحصر ہے
ملی جس کو رضائے مصطفٰے ہے

کشادہ کیجئے اب دستِ رحمت
کھڑا مدت سے در پر یہ گدا ہے

ملی ہے نورؔ کو نسبت اُویسی
کرم اِس پر امینؒ کا یہ ہُوا ہے

فقیر

فَآءُ الْفَقِيرِ فَنَآئُهٗ فِیْ ذَاتِهٖ

وَالْقَافُ قُوَّتُ قَلْبِهٖ بِحَبِيْبِهٖ

فَرَاعُهٗ عَنْ يَعْنِهٖ وَصِفَاتِهٖ

رَجُوْعُهٗ لِلّٰهِ عَنْ مَّرْضَاتِهٖ

وَالْيَآءُ يَرْجُوْرَبَّهٗ وَيُخَافُهٗ

وَالرَّآءُ رِقَّةُ قَلْبِهٖ عَنْ جَيْبِهٖ

وَيُقِيْمُ بِالتَّقْوٰى بِحَقِّ تُقَاتِهٖ

رَجُوْعُهٗ لِلّٰهِ عَنْ شَهْوَاتِهٖ

(جناب شیخ سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ)

شجرہ عالیہ اُویسیہ

میسّر رکھ ہمیں تا حدِّ عالم	الٰہی نسبتِ شاہِ دوعالم
بحقِ حضرت شاہِ ولایت	علی مُرتضٰے شاہِ معظّم
بحقِ واقفِ سرِّ حقیقت	اویسؓ قرن آں عاشقِ مکرّم
بحقِ وارثِ فیضِ اویسیؓ	لطیفِ نکتہ داں مشہُورِ عالم
بحقِ عالم علم لدُنی	فقیرِ لونگ سندھیؒ قبلہ عالم
بحقِ کامل علمِ شریعت	ولیِّ بے بدل عارفؒ مکرّم
بحقِ آفتابِ علم وعرفان	شہِ نُورالزّمانؒ فخرِ دوعالم
بحقِ ماہِ کاملِ قبلۂ ما	متاعِ جاں آمینِ حرزِ جانم
بحقِ تحفۂ شاہِ رسالتؐ	ولی عبدالکریمؒ آں خواجہ عالم
بحقِ او سخیؒ است درولایت	عطیۂ مُصطفٰےؐ و ابنِ مریمؑ
بحقِ وارثِ فیضِ امینیؒ	امین الدّین امانت دارِ دیم
دیا شجرہ مرتّب نُورالدّین نے	بگویدپیرِماہست ایں علامم
الٰہی میرے احبابِ وفا کو!	اویسی سلسلہ پر رکھ تو قائم
ملے عرفانِ حق ہر یک نفس کو	رہیں مسرورسب درعشقِ دائم

شبیہ

حضرت الحاج مولوی **محمد امین** قریشی اویسی کشمیری رح

دیباچہ طبع چہارم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ۔ اللہ کے فضل و کرم اور حضور سرورِ کائنات، آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ عنایت سے "نور العرفان" کا ایڈیشن چہارم آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اولیاء اللہ کی مروجہ سوانح عمریوں میں اکثر ناسوتی کرامات (دل کے حال بتانا۔ بیماروں کو صحت مند کرنا۔ کشف قبور۔ طے مقامات۔ ماضی و مستقبل کے احوال بیان کرنا وغیرہ) تزکیہ و مجاہدہ کے حالات و واردات اور عقیدت و وارفتگی کے واقعات ہوتے ہیں۔ لیکن "نور العرفان" اس مروجہ ڈگر سے ہٹ کر اچھوتے رنگ میں لکھی گئی۔ جس میں ناسوتی کرامات کے بجائے ایک ولی اکمل صاحب فنا و بقا ہستی کے کمالاتِ ملکوتی اور ان کے مریدان کی ملکوتی وارداتوں اور مراتب کا تذکرہ احسن اور دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح ایک ولی اکمل کی سیرت و کردار میں ملکوتی علم کو شامل کر کے ان کی سوانح حیات ترتیب دی گئی ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ حقیقی روحانیت کیا ہے؟

"نور العرفان" کا حصہ دوم نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں حضور قبلہ عالم شیخ طریقت الحاج مولانا محمد امین اویسی رحمۃ اللہ علیہ قطب الاقطاب کے فرمودات کو مختلف موضوعات کی شکل میں ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں آداب انسانیت۔ آداب مجلس۔ آداب معاشرت۔ آداب دوستی۔ آداب پیری و مریدی۔ اصول شریعت و طریقت اور دیگر متعلقہ موضوعات کو جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ فرمودات قرآن و سنت کی روشنی میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گامزن ہونے کے لیے ایک مکمل عملی نمونہ فراہم کرتے ہیں۔

"نور العرفان" میں طریقت کے سربستہ رازوں سے انتہائی خوبصورتی سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ قبلہ و کعبہ حضرت مولائی و مرشدی محمد نور الدین اویسی رحمۃ اللہ علیہ نے "ذالک الکتاب" میں فرمایا کہ "ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ اس صحیفہ کا مطالعہ اپنے ذہن میں تخلیق کردہ عقائد و نظریات

سے علیحدہ ہو کر کیا جائے۔ تاکہ ہر شخص کو کتاب میں دیئے گئے حقائق پر غور و تحقیق۔ میں اصل و فرع کی تمیز کرنے میں حق و باطل کی پہچان ہو سکے "۔ اس کتاب میں پیش کردہ ملکوتی علم آقائے دو جہاں شہنشاہ دو جہاں۔ تاجدارِ ظاہر و باطن۔ منبع و مرکزِ کائنات۔ وجہِ تخلیقِ کائنات حضرت محمد رسُول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور اسوۂ کا مظہر ہے۔ جہاں یہ متلاشانِ حق کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ وہیں یہ گم کردہ انسانیت کے لیے ایک واضح چیلنج کی حیثیت بھی رکھتا ہے کہ اس ملکوتی علم سے استفادہ کر کے بھٹکی ہوئی انسانیت اپنے مقصدِ زندگی (مقصدِ پیدائش) کو پانے میں جستجو کرے تاکہ آخرت میں اللہ کے حضور سرخرو ہو سکے۔

حضور قبلہ عالم حضرت مولانا محمد امین اویسی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ اویسیہ کی خصوصیت میں ارشاد فرماتے ہیں "اَطْرُقُ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ طَرِیْقَۃُ الْاُوَیْسِیَّۃِ۔" اور طریقوں (سلسلوں) میں اللہ کے نزدیک محبوب سلسلہ۔ سلسلہ اویسیہ ہے"۔ بسبب محبوبیت حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کہ آپ کو محبوبیت کا اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے۔ آپ کی محبوبیت کے طفیل سلسلہ اویسیہ نے فقیر کو بلا مجاہدہ و تزکیہ ایک آن میں حضوری حاصل ہو جاتی ہے۔ جس وقت چاہے۔ جتنی بار چاہے۔ بلا اجازت اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو سکتا ہے"۔ یہ فیض دعائے اویسیہ کا نتیجہ ہے کہ قیامت تک طالبانِ حق اِس سلسلہ سے حقیقی فیض و معرفت الٰہی حاصل کرتے رہیں گے۔

"نور العرفان" کا پہلا مختصر ایڈیشن جو چھوٹی تختی کے ۱۶۸ صفحات پر مشتمل تھا ۱۹۷۳ء میں سرینگر سے شائع ہوا۔ دوسرا مفصل ایڈیشن جو کتابت شدہ ۷۰۰ صفحات پر مشتمل تھا ۱۹۸۲ء میں سرینگر سے طبع ہوا۔ تیسرا ترمیم و تصحیح شدہ ایڈیشن جو کمپوٹر کمپوز کیا گیا۔ حضور قبلہ و کعبہ محمد نور الدین اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ عالیہ اویسیہ ایبٹ آباد نے ۱۹۹۴ء میں شائع کرایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ کہ قلیل مدت میں اس کے تمام نسخے طالبانِ حق نے ہاتھوں ہاتھ لیے اور جلد ہی یہ کتاب اسٹاک سے مفقود ہو گئی۔ لہذا سلسلہ اویسی کے عقیدت مند مریدوں کے اصرار پر ایک نئے دیدہ زیب اور دلکش ایڈیشن کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ایڈیشن چہارم جواب قارئین کو پیش کیا جا رہا ہے۔ اس پر کتابت کا کام حضور قبلہ و کعبہ حضرت محمد نور الدین اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ میں ۱۹۹۵ء

میں شروع ہو چکا تھا۔ حضور نے اس نئے ایڈیشن کے لیے چند مقامات پر اضافی تحریریں بھی بطور وضاحت فرمائیں۔ اس ایڈیشن کو جاذبِ نظر اور خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور گذشتہ ایڈیشن میں رہ جانے والی اغلاط اور کمپیوٹر کمپوزنگ میں پائی جانے والی خامیوں کی درستی/ اصلاح بھی کر دی گئی ہے۔ انشاء اللہ اب یہ نیا ایڈیشن اپنی حتمی شکل کو پہنچ چکا ہے۔

دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور یہ کتاب۔ حقیقی طریقت جو شریعت کے عین مطابق ہے کو سمجھنے اور متلاشانِ حقیقت کو صراطِ مستقیم پر لے جا کر حقیقی مقصد "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" پانے یعنی عرفانِ حقیقت کی طرف راہنمائی کرے (آمین)

العارض

(۱) محمد بشیر اویسی

(۲) ریاض احمد خیال اویسی

ازغلامانِ شیخ طریقت قبلہ و کعبہ

حضرت محمد نور الدینؒ اویسی۔ امینی کشمیری

۱۹ نومبر ۲۰۱۰ء

دیباچہ طبع سوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰہِ تَصِیۡرُ الۡاُمُوۡرُ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲-۵۳)

گذشتہ نورالعرفان میں جناب الحاج محمد امین صاحب اویسیؒ قطب الاقطاب۔ ولی اکمل کے اوصاف۔ صفاتِ ولایت کا ذکر ہوا تھا کہ ولی اکمل کی سوانح کے مطالعہ سے۔ ان کے کردار و عمل سے راہِ مستقیم کی نشان دہی حاصل ہو۔ لیکن کسی مستند صحیفہ کے مطالعہ کے لیے ضروری ہے کہ قاری کے ذہن میں۔ صحیفہ کی تنقید و تائید میں۔ قبل از وقت ایک مستند علم محفوظ ہو۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے۔ کہ صحیفہ کی مقبولیت میں کتاب کا وسیع مطالعہ ہو۔ یعنی کتاب میں بجائے افسانوی واقعات کے مدلل حقائق پیش کیے گئے ہوں تاکہ قارئین کو جو کسی بھی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ اپنی علمی حیثیت پرکھنے کا موقع ملے۔ کہ کوئی کس حد تک علمی مواد رکھتے ہوئے اپنے مقصدِ حقیقی پانے میں۔ کامیابی حاصل کرنے میں صحیح راہِ مستقیم پر منزلِ مقصود پر جا رہا ہے۔

اِس سلسلہ میں صحیفہ "نورالعرفان" میں بعضے مقاماتِ معرفت کی ضمناً نشان دہی کی گئی تھی۔ ایک ولی کی سیر میں جو مقامات۔ یا مراتب پیش آتے ہیں۔ اولیاء نے ان مراتب کی درجہ بندی کی ہے۔ جن میں خصوصی طور پر چند مراتب کا ذکر آتا ہے۔ جو (۱) عالمِ ناسوت (۲) عالمِ ملکوت (۳) عالمِ جبروت (۴) عالمِ لاہوت سے متعارف ہیں (ان عالموں کی تفصیل۔ کتاب حقیقت تصوف میں بیان کی گئی ہے)۔

اِن مراتب کی کُلّی تکمیل پر ایک طالبِ حق "ولی اکمل" کی صفت سے پکارا جاتا ہے۔ یعنی ایک ولی اکمل اِن تمام منازل و مراتب کو طے کر کے معرفتِ الٰہی کی تکمیل کر چکا ہوتا ہے ایسا فرد ہی جو اسرارِ الٰہی کے مشاہدہ اور معرفت میں کُلّی طور مراتب طے کر چکا ہو۔ اِس قابل ہو سکتا

ہے کہ اس کی راہنمائی میں منازلِ عرفان طے کر کے۔ مقصدِ حقیقی پا لیا جائے۔

مذکورہ مراتب کا ذکر اس لیے کیا گیا۔ کہ فی زمانہ طریقت میں۔ ایسے شعبدہ باز فقراء پائے جاتے ہیں۔ جن کی اطاعت میں۔ بعض فہمیدہ اور صاحبِ علم لوگ عقیدت میں۔ غلط راستہ پر عمل کرتے ہیں حالانکہ طریقت ایسے عمل کو تسلیم نہیں کرتی۔ ایسے فقراء بد قسمتی سے عالمِ ناسوت کے مراتب میں چند کرامات کے مظاہرہ سے لوگوں کو اپنا مطیع بناتے ہیں۔ جن سے حقیقتاً راہِ حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حقیقتاً اِن منازل میں عالمِ ناسوت ایسا ادنیٰ مقام ہے۔ جس میں ادنیٰ طریق تزکیہ نفس سے کمالات و کرامات کا صدور ہوتا ہے مثلاً دل کے چھپے راز سے آگاہ ہونا۔ قبروں کے حالات بتانا۔ بیماروں کو صحت مند کرنا۔ ہوا میں اُڑنا وغیرہ۔ (جن کا اظہار ایک غیر مذہب۔ ہندو۔ عیسائی وغیرہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ عمل ولایت (فقر) میں شمار نہیں ہوتا) جنہیں دیکھ کر عام۔ سادہ لوگ۔ ناسمجھی میں۔ حقیقی فقیری (طریقت) سمجھ کر قبول کر کے اپنا وقت ضائع کرتے ہیں ضرورت ہے کہ عوام المسلمین کو اصل راہِ حقیقت کی نشاندہی کر کے ایک ایسے علم کو پیش کیا جائے جو فی الواقع قرآن و حدیث سے ماخوذ ہو جس کے لیے ایک پیر اکمل صاحبِ ولایت ہستی کے اوصافِ حمیدہ کے تذکرہ سے راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے یقین کیا جا سکتا ہے۔ کہ نور العرفان میں۔ ایک ولی اکمل کے کردار و اوصاف کی ترجمانی کی گئی ہے۔ کہ طریقت اور ولی اکمل میں راہِ مستقیم میں۔ کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ جن سے مقصدِ حقیقی (معرفتِ الٰہی) کی تکمیل ہو۔

اِس واحد مقصد کو زیرِ نظر رکھتے ہوئے۔ گذشتہ مضامین میں چند اضافی حقائق کی وضاحت کو۔ نور العرفان میں شامل کیا گیا۔ تاکہ قارئین کے لیے حصولِ مقصد میں۔ توجہ۔ دل چسپی سے مقصد پانے میں آسانی میسر ہو۔ نیز کتاب کی اصلاح سے راہِ مستقیم کی صحیح نشاندہی ہو کر مخلوق کے لیے۔ آسان راہِ معرفت حاصل ہونے میں آسانی ہو۔

العارض

محمد نور الدین اویسی امینی کشمیری

محررہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ حال

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ یَفۡتَحُ بِحَمۡدِہٖ کُلَّ رِسَالَۃٍ وَّمَقَالَۃٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہِ الۡھَادِیۡنَ مِنَ الضَّلَالَۃِ ط

اپریل ۱۹۶۸ء میں حضورؒ قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چہلم پر جب کہ خطۂ کشمیر کے مختلف قصبات اور دیہات سے مریدوں کا ایک جمِ غفیر کاشیراہ میں موجود تھا۔ راقم نے حضورؒ قبلہ عالم کی مُبارک زندگی کے کچھ حالات حاضرین کے سامنے پیش کیے۔ جن کو سُن کر سب حاضرین انتہا درجہ محظوظ ہوئے۔ اسی وقت چند حضرات نے یہ خواہش کی کہ حضور قبلہ عالم کی زندگی کے حالات قلمبند کرنا نہ صرف سلسلہ اویسیہ کے مُریدوں کی اشد ضرورت ہے۔ بلکہ عام لوگوں کے لیے بھی ایمان کی تازگی اور حقیقت سے لگاؤ کے سامان فراہم ہوں گے۔ ستم ظریفی یہ کہ بارِ عظیم اپنے سر لے لیا۔

سیرت نگاری ایک بہت بڑا فن ہے۔ جس کے لیے علمی۔ ادبی۔ فنی صلاحیتوں سے ایک مصنّف کا پوری طرح آراستہ ہونا ضروری ہے۔ راقم کو ہر لحاظ سے اپنی کم مایگی اور لاعلمی کا احساس ہے۔ تاہم "مشکلے نیست کہ آساں نہ شود" کے مصداق مَیں نے ایک مُبارک صُبح کو اس کی ابتداء کی! اور پہلی ہی نشست میں چند صفحے لکھ ڈالے۔ راقم حضورؒ قبلہ عالمؒ کی زندگی کے تمام حالات سے آگاہی نہ رکھتا تھا۔ اس لیے اس سلسلہ میں حضورؒ کے بعض مریدوں کے ساتھ جو برِّصغیر (ہندو پاکستان) کے مختلف شہروں میں سکونت رکھتے تھے۔ رابطہ قائم کرکے آپؒ کی زندگی کے متعلق جو واقعات فراہم ہو سکے حاصل کیے۔ اِن واقعات کی چھان بین میں کافی وقت صرف ہُوا۔ اگر وہ سب حالات سپردِ قلم کیے جائیں تو آپ کی سوانح حیات ایک ضخیم کتاب کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اِس لیے حضورؒ کی زندگی کے حالات میں سے چند مختصر واقعات کو منتخب کرکے اِس "تذکرہ" میں شامل کیا گیا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ راقم کو اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہے۔ اِس لیے قارئین سے التماس ہے کہ وہ اِس تذکرہ میں سیرت کے کسی پہلو کو تشنہ دیکھ کر دل برداشتہ نہ ہوں مجھے اُمید ہے کہ حضورؒ قبلہ عالمؒ کے مریدوں میں سے مستقبل قریب میں کوئی اہلِ قلم ہو گا۔ جو حضورؒ کی زندگی کے حالات ہر پہلو سے مکمل کرے گا۔ اور یہ سلسلہ اویسیہ کے ساتھ وابستہ جماعت پر احسانِ عظیم ہو گا۔

حضورؒ کی ولایت عظیم الشّان تھی۔ اِس وقت بھی ہزاروں لوگ ایسے موجود ہیں۔ جو آپؒ کی صحبت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ آپؒ کے تبحرِ علمی کا اندازہ اِس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ کوئی عالم آپؒ کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ ہمہ تن گوش ہو کر آپ کا وعظ سُننا پسند کرتا۔ میں نے اِس تذکرہ کو صرف اِس اُمید پر قلمبند کیا ہے کہ عِنْدَ ذِکْرُ الْاَبْرَارِ تَتَنَزَّلُ الرَّحْمَةِ اللهِ۔ اللہ کے قریب بندوں کا تذکرہ نزولِ رحمت کا باعث ہوتا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری یہ کوشش مقبول ہو۔ اور میرے گناہوں کی مغفرت کا وسیلہ ہو۔ اور اِس کو میرے لیے باقیات الصّٰلحات میں ذخیرہ کرے۔ آمین۔

العارض

محمّد رمضان اویسی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تلاشِ حق

۱۹ فروری ۱۹۵۲ء کی ایک شام کو مَیں ——— "یاربد بدتر بود از ماربد" کی محفل سے گھر پہنچتے ہی اپنے اعمال کا جائزہ لینے لگا۔ تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آیا۔ اور فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ کے پلڑے میں خسارہ ہی خسارہ نظر آیا۔ سخت مایوسی ہُوئی کہ زندگی کے چند روز اگر اِسی طرح لہو و لعب میں صرف ہُوئے تو حشر کے دن نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا مُنہ دکھاؤں گا۔ اِسی غور و فکر اور پریشانی میں مجھ پر غنودگی چھانے لگی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میری رُوح قبض ہو چکی ہے۔ رشتہ دار، احباب اور دیگر لواحقین ماتم کر رہے ہیں۔ اور مجھے آخرت کے سفر کی پہلی منزل کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ جنازہ اُٹھایا گیا۔ اور لحد میں ڈال کر سب لوگوں کے جانے کے بعد دو برقع پوش سامنے نمودار ہُوئے اور مجھ سے متعدد سوالات پُوچھے۔ لیکن مَیں کسی سوال کا جواب نہ دے سکا۔ مجھ پر سخت خوف چھایا تھا اور میرا ذرہ ذرہ کانپ رہا تھا۔ اتنے میں اِن دو حضرات میں سے ایک نے کہا۔ ابھی اِس بدبخت کا وقت نہیں آیا[1]۔ یہ کہہ کر اُس نے میرے شانوں پر ایک زوردار لات ماری اور کہا اِس کو ایک اور موقع دیا جائے۔ اِس کے ساتھ ہی مَیں ہوش میں آ گیا۔ یہ دیکھ کر حیرانی ہُوئی کہ میرا سارا جسم۔ کپڑے اور بستر کی چادر تک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہے۔ گھر پر نوکر کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اُسے آواز دی۔ اُس کی مدد سے کپڑے تبدیل کیئے۔ دیکھا تو رات کے چار بج چکے تھے اُٹھا اور وضو کر کے بارگاہِ ایزدی میں ندامت کے آنسو بہا کر سربسجود ہُوا۔ اور عہد کر لیا کہ آئندہ زندگی کو اسلامی طرز پر ڈھالنے کی کوشش کروں گا۔ اسی روز صبح کے وقت کسی دینی رسالے کا مطالعہ کرتے کرتے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اِس قولِ مُبارک پر نظر پڑی مَنْ دَخَلَ الْقَبْرَ بِلَا زَادٍ فَکَاَنَّمَا رَکِبَ الْبَحْرَ بِلَا سَفِیْنَۃٍ جو شخص بغیر توشۂ عمل قبر میں داخل ہُوا۔ پس اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو بغیر کشتی سمندر میں داخل ہو۔ یہ قول پڑھتے ہی رات کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا سارا بدن کانپ

---

[1] کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہونے پر ایسے مثالی خواب کے ذریعہ تنبیہ کی جاتی ہے۔

اٹھا۔! عاجزانہ دل لے کر پھر سربسجود ہُوا۔ اور گناہوں کی مغفرت مانگی۔ یہ دوسری وارننگ (تنبیہہ) تھی حیران و پریشان تھا کہ اسی کتاب کے دُوسرے صفحہ پر عربی کا یہ شعر نظر سے گذرا۔

اَلْمَوْتُ یَاتِیْ بَغْتَۃً وَالْقَبْرُ صَنْدُوْقُ الْعَمَلِ

دو دن سخت اضطراب میں گذرے۔ تیسرے دن ایک دوست کے ہمراہ حضرت شیخ نورالدینؒ ولی نورانی کی زیارت پر چرار شریف چلا گیا۔ رات وہیں پر قیام کیا۔ اور ہر نماز کے بعد روضہ پاک پر جا کر دُرود پڑھتا رہا۔ نمازِ فجر کے بعد روضہ شریف کے سامنے نیند نے غلبہ کیا۔ اِسی حالت میں جناب نورالدین نورانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں شرفِ حضوری ملا۔ مَیں نے اپنی بے بسی اور بے مائیگی کا رونا رویا۔ جناب علمدارِ کشمیر نے محبت و شفقت سے میرے سر پر دستِ شریف رکھ کر فرمایا۔ کہ مَیں تمہیں ایسی جگہ بھیج رہا ہوں۔ جہاں سے مدینہ شریف "ڈیڑھ قدم" کے فاصلہ پر ہے۔ مَیں نے تعارفی خط کے لیے استدعا کی جو انہوں نے مرحمت فرمایا۔ مَیں بیدار ہُوا۔ تو میرا دل ہشاش بشاش تھا۔ اور ظلمت کی تمام کدورتیں دل سے دُور ہو چکی تھیں۔ شاداں و فرحاں گھر لوٹ آیا۔ چند دن گذرے کہ ڈاکٹر عبدالاحد جان صاحب خان نیازی سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اپنے پیر کا ذکر چھیڑا۔ اور ان کے اوصافِ حمیدہ اور فقیری کے کمالات کا پُرجوش انداز میں ذکر کیا۔ کہ میرا جذبہ شوق بھڑک اُٹھا۔ مَیں نے جان صاحب کو اُسی وقت ہمراہ چلنے کی استدعا کی آپ بھی تیار ہو گئے۔ عصر کی نماز کے وقت حضور پیر صاحبؒ کے درِ دولت پر ہمیں باریابی کا شرف حاصل ہُوا۔ مَیں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر علمدارِ کشمیر کا اشارہ حضور کی طرف ہو۔۔۔ تو ان کو خود تعارفی خط کا تذکرہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ حضورؒ نے پہلی ہی نظر میں میرا نام لے کر فرمایا۔ تیرے بارے میں چرار شریف سے سفارشی خط موصول ہُوا ہے ۔۔۔۔ ! یہ سُن کر مَیں حضورؒ کے قدموں پر گر پڑا۔ مہمان نوازی کے لوازمات کے بعد حضورؒ بھی ہمارے ساتھ سری نگر تشریف لائے۔ رات ڈاکٹر عبدالاحد جان صاحب کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ صبح کے وقت مجھے حاضری کا حکم ہُوا۔ یہ ۲۹ فروری ۱۹۵۲ء کا روزِ سعید تھا۔ اِسی دن میں حضورؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہُوا۔ اور اپنے ظاہر و باطن۔ دین و دُنیا کو ان کی نذر کر دیا۔

ڈاکٹر محمد رمضان اُویسی

گذارشِ احوال

گذشتہ دَور میں ڈاکٹر محمد رمضان صاحب محترم نے مجھے فرمائش کی تھی کہ مَیں حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات سے متعلق جو کچھ واقعات میرے علم میں ہیں ۔تحریراً پیش کروں ۔چنانچہ مَیں نے حضور قبلہ عالمؒ سے متعلق چند واقعات مختصراً تحریر کر کے آپ کی خدمت میں بھیج دیئے ۔موصوف نے حضور قبلہ عالمؒ کی سوانح حیات المعروف "نُورالعرفان" مرتب کی ۔

نُورالعرفان کے مطالعہ سے مَیں نے محسوس کیا کہ یہ سوانح آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہے ۔آپ کی ذات قابلِ تحسین ہے ۔جنہیں یہ سعادت عطا کی گئی ۔ نُورالعرفان میں ایک اولوالعزم ولی سے متعلق آپ کے روحانی کمالات کا تذکرہ کیا گیا ہے ۔عام طور پر اولیاء اللہ کے سوانح حیات میں ان کے ناسوتی (زماری) کمالات کا زیادہ تذکرہ ہوتا ہے جو عام لوگوں کے لیئے کسی حد تک قابلِ یقین ہو سکتے ہیں ۔لیکن ولی کے کمالات ۔کمالات ملکوتی ۔ اصل تذکرہ ہوتا ہے ۔جسے معرفتِ الٰہی یا عرفانِ الٰہی سے تعبیر دیا گیا ہے ۔بغیر ان کمالات کے اظہار کے ولی کی سوانح مکمّل تصوّر نہیں کی جا سکتی ۔اِس لیئے ضروری ہے کہ حضورؒ سے متعلق ۔خصوصیاتِ ولایت کا اِس کتاب میں تفصیلاً ذکر ہو ۔اِس سے قبل جو واقعات حضورؒ سے متعلّق مَیں نے تحریر کیئے ۔نُورالعرفان کے مطالعہ کے بعد مَیں نے محسوس کیا کہ اِن واقعات کو دوبارہ تفصیل کے ساتھ بیان کروں اِس خیال کے مدِنظر مَیں نے ارادہ کیا کہ حضور قبلہ عالم رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ کی صُحبت میں رہ کر جو واقعات میرے علم میں ہیں اِس کتاب میں تفصیل کے ساتھ درج کیے جائیں ۔مَیں محسوس کرتا ہوں کہ میری یہ سعی ڈاکٹر صاحب کی خواہش اور نیک تمنّاؤں کا ثمر ہے ۔اِس سلسلہ میں مَیں نے اوّل سے لے کر اس وقت تک جب مجھے آپ کی مُبارک صُحبت سے حادثاتی طور پر محروم ہونا پڑا ۔ واقعات کو تفصیل سے لکھا ۔اِس حال میں کہ ان واقعات کے بیان میں میری حیثیت "معاون راوی" کی ہو گی ۔

العارض

محمد نُورالدین اُویسی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ذَالِکَ الۡکِتٰبُ

"نور العرفان" کے نام سے موسوم اِس کتاب میں ایک ولی اکمل صاحب طریقت ہستی کے کمالاتِ ملکوتی اور آپ کی ذاتی سیرت میں اسوۂ حسنہ (اوصافِ حمیدہ) کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس کا مطالعہ محض طریقت سے تعلق رکھنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔

_____ لیکن یہ کتاب اہلِ طریقت سے سوِی۔ عام حیثیت میں عام عقلِ انسانی کے لیے بھی حصولِ مقصدِ حقیقی میں کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ اِس لیے اِس کتاب کے مطالعہ کے لیے ہر مکتبِ فکر کی شخصیت کو دعوت دی جاتی ہے۔ کہ یہ کتاب ہر نوعِ فکر کے لیے ایک راہنما اصُول۔ طریقِ عمل۔ اور راہِ عمل کی نشاندہی کرنے میں عالمگیر علمی مواد پیش کرتی ہے۔ اِس لیے کہ اِس صحیفہ میں جُملہ اقسامِ مضامین۔ قرآن و حدیث۔ و فقہ اور دیگر علومِ ظاہری (مادی) کی روشنی میں ترتیب دیئے گئے ہیں۔ جس کا مطالعہ بحیثیتِ عمومی۔ ہر صاحبِ شعور کے لیے بلاتمیز مذہب و فرقہ قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔

درحقیقت جہاں تک طریقت کا تعلق ہے۔ یہ علم شریعتِ اسلامی کی حقیقی بُنیاد ہے۔ جس کی اساس قرآن و حدیث اور فقہ پر ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ قرآن ایک عالمگیر علمِ انسانیت کی راہنمائی و علم کا داعی ہے۔ جو علم۔ آفاقی۔ قانونِ فطرت اور نظامِ کائنات کے فطری قانون (FUNDAMENTAL LAW) سے مطابقت رکھتا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن کے الہامی علم۔ الہامی مضامین کے مواد کے عین مُطابق ہی کائناتِ عالم کے نظام کی ہیئت و ترتیب پائی جاتی ہے۔

قرآن ہو یا حدیث۔ فقہ ہو یا اجتہاد۔ فلسفہ ہو یا سائنس۔ ہیئت ہو یا کوئی اور علم۔ انسان کے لیے اپنی صحت مند نشو و ارتقاء کے لیے زندگی کا لائحہ عمل مرتب کرنے میں ایک حقیقی۔ عالمگیر۔ مستند علم سے استفادہ کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ جس کے لیے قرآن و شریعت ہی عالمِ انسانی

کی راہنمائی کے لیے۔ ایک عالمگیر اصلاحِ انسانی کا مواد فراہم کرتے ہیں۔ اِسی علم کی ایک شق
علمِ طریقت ہے — جو بحیثیت اِنسان ہر انسان کے لیے واجب التسلیم ہے۔ کہ اس علم سے
ہر انسان بلا فرق فرقہ بندی۔ اپنے مقصدِ زندگی میں ایک نتیجہ خیز راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا۔
ذَالِكَ الْكِتٰبُ ۔ نُورالعرفان کا مطالعہ عام حیثیت میں۔ ہر مکتبِ فکر کے لیے صحیح فکر۔ صحیح علم۔
صحیح راہنمائی کی ضامن ہونے میں "لَا رَیْبَ فِیْهِ" — شک نہیں رکھتی۔

اس ضابطہ طریقت میں۔ کائناتی ضابطہ سے ہٹ کر اپنا کوئی فرقہ پرستانہ تصور نہیں بلکہ
طریقت۔ کائناتِ فطرت کے آثار و اسرار کا مشاہدہ و علم حاصل کرنے کا ایک عالمگیر ذریعہ و اصول
ہے۔ جو ہر انسان پر "بحیثیت انسان" ہونے کے حاصل کرنا ضروری ہے۔

بلاشبہ "نُورالعرفان" میں جب کہ اِس کتاب میں ایک ولیِ اکمل۔ صاحبِ طریقت کی سیرت۔
شریعت و طریقت کی اصطلاح میں ہی بیان کی گئی ہے۔ اور عامی حیثیت میں کسی شخص کے
لیے بظاہر اس میں دلچسپی اور مطالعہ کی تحریک نہیں پائی جاتی لیکن یہ جاننا ضروری ہے — کہ
اِسلام میں شریعت و طریقت کا علم تمام کائنات کی تحقیق و مشاہدہ پر محیط ہے۔ اس اعتبار
سے اگرچہ حقائق طریقت کی اصطلاح میں ہی بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن حُسنِ نیت اور طلبِ حقیقت
کے جذبہ کے تحت اِس کتاب کے مطالعہ سے — ہر مکتبِ فکر کے طالب علم کے لیے ان اصطلاحات
کی شکل میں بھی ایک وسیع علمی مواد میسّر آ سکتا ہے۔ جو کسی شخص کی راہنمائی کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

طریقت سے تعلق رکھنے والی شخصیت (ولی) ایک عام انسان کی طرح یکساں جسم و
رُوح۔ یکساں قوائے (ORGANS) علمی۔ حواس و عقل و شعور۔ قلب و ذہن رکھتا ہے۔ انہی عام
قوتوں کو ایک اصُول اور ضابطہ کے تحت استعمال کر کے۔ وہ غیر معمولی قوت حاصل کرتا ہے۔
یہی عمل اسے عام انسانوں میں افضل اور ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ یہ قوتیں اِسی طرح ہر انسان میں
پائی جاتی ہیں۔ اور ہر انسان بلا تمیز مذہب و ملت۔ انہیں اصُولوں اور ضابطوں کے تحت اپنی
قوتیں استعمال کر کے یہ فضیلت و مقام حاصل کر سکتا ہے — مقام حاصل کرنے میں فطری صلاحیت۔
فطری طور — پاتا ہے۔ گویا۔ دین سے تعلق رکھنے سے ہی انسان کی قوتِ علمی۔ یا جسم و رُوح
کی خصوصیت کوئی نئی حیثیت حاصل نہیں کرتی بلکہ ہر انسان فطری تخلیق کے تحت یکساں قوتیں حاصل

کیسے ہوتا ہے۔ اور ان قوتوں کے استعمال کرنے سے جو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ وہ دین کے مرتب کردہ اصُول وضوابط پر عمل کرنے سے خصوصیت پیدا ہوتی ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہُوا۔ کہ ہر دین کے اپنے متعین کردہ اصول وضوابط طے ہوتے ہیں۔ اور اسلام کے اصُول وضوابط۔ قرآن وحدیث اور فقہ سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ جو اللہ۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اُمت۔ اولیائے کاملین کے وضع کردہ ہوتے ہیں۔ اِس نظریہ کے تحت اِس صحیفہ میں اگرچہ اصول وضوابط پر عمل سے حاصل شدہ کمالات طریقت کی اصطلاح میں بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ اصول ہر انسان کے لیے بحیثیت انسان واجب العمل اور واجب التسلیم ہیں۔ کہ اِن سے اپنی نشو و ارتقار، مادی۔ اور روحانی حاصل کرنے کے لیے رجوع کرے۔ تو ہر شخص اِس صحیفہ میں بیان کیے گئے کمالات اور فضائل حاصل کر سکتا ہے۔

الغرض! انفرادی حیثیت میں۔ انسان پر تحقیقِ کائنات میں غور وفکر سے تلاشِ حقیقت کی جو ذمّہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ صحیفہ ہر انسان کے لیے ایک حقیقی راہ اور حقیقی منزل کی نشاندہی کرنے میں۔ تحقیق ومشاہدہ۔ اور صحیح عمل کے ساتھ راہنمائی کرنے میں مکمل مواد فراہم کرتا ہے۔

ضرورت اِس امر کی ہے۔ کہ اِس صحیفہ کا مطالعہ اپنے ذہن میں تخلیق کردہ عقائد ونظریات سے علیحدہ ہو کر کیا جائے۔ تاکہ ہر شخص کو کتاب میں دیئے گئے حقائق پر غور وتحقیق۔ میں اصل و فرع کی تمیز کرنے میں حق وباطل کی پہچان ہو سکے!

العارض
محمدّ نور الدّین اویسی امینی

حصّہ اوّل

سوانح حیات الحاج قطب الاقطاب

مولوی محمّد امین

قریشی، اویسی، کشمیری رحمۃ اللہ علیہ "کردار و عمل" (اسوۂ حسنہ) کے آئینہ میں، جس میں ناری مظاہرات کے بجائے نوری مظاہرات (کمالاتِ ملکوتی) کا ذکر ہے۔

سلسلہ اویسیہ کا اجمالی بیان

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًاط (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۴۳)

ہم نے لوگوں میں ایک جماعت کو مخصوص کر دیا۔ تاکہ وہ لوگوں کے لیے شاہد ہوں۔ اور اس جماعت کے لیے خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہوں۔ حصولِ معرفت میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اللہ نے اپنے احکام کی تعمیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائی اور وہی عمل ایک خاص جماعت کے لیے اُسوۂ حسنۃ نمونہ عمل بنا اور اس جماعت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں حاصل کیا گیا نمونہ عمل۔ جو اس جماعت نے اپنایا۔ دُنیا کے لیے نمونہ عمل مقرر ہوا۔ یہی نمونہ عمل سلسلہ وار قیامت تک جاری رہے گا۔

اُمَّةً وَّسَطًا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں چار خُلفاء کو مرتبہ اعلیٰ حاصل ہوا یعنی خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت عثمان ابنِ عفان جامع القرآن رضی اللہ عنہ، حضرت علی ابن ابی طالب اسداللہ الغالب رضی اللہ عنہ کو خلفائے شریعت و طریقت کا اولوالعزم مقام حاصل ہے۔ اِن چار خلفاء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ عالی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی توجہ فرمائی۔ آپ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

"ہم پوشیدہ اسرار کا گھر ہیں اور اِس گھر کا دروازہ علی رضؓ ہیں" جس دروازہ سے یہ حکمت لوگوں تک پہنچے گی۔ اِس حدیث سے ظاہر ہے کہ قرآنی علم۔ حقیقت و معرفت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وسیلہ سے لوگوں تک پہنچنا مقرر ہے۔ اِس کے علاوہ باقی تین خلفاء میں حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو بھی یہ خلافت عطا ہوئی۔ لیکن اجرائے قرآن

میں جب باطل قوتوں نے مزاحمت کی۔ تو اسلام کو اقتدارِ اعلیٰ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام نے وسیع اقتدارِ اعلیٰ کی بُنیاد ڈالی۔ اور اِس اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ و وسعت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت خلیفۃ المؤمنین۔ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ کیونکہ اب اجرائے قرآن کے ساتھ ساتھ اقتدارِ اسلامی کی وسعت اور تحفظ کی بھی ضرورت تھی۔ جس کے لیے کردار و عمل۔ تقویٰ اور سیاست و تدبر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات عالی اِس مقام کی اہل تصور کی جاتی تھی۔ آپؓ کے زمانۂ خلافت میں اقتدارِ اسلامی کو مزید وسعت ملی۔ جس کے لیے خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔ یہ انتخاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قرآنی آیاتِ الٰہی کے نزول اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق تھا۔ کہ آپ کی تعریف میں خود اللہ تعالیٰ نے آیاتِ قرآنی نازل فرمائیں۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کو "فارُوق" کا خطاب عطا فرما کر فرمایا کہ "ہمارے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔" البتہ ان صفات کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صدیقیت اور محبُوبیت کا مقام اعلیٰ تھا۔ جس بنا پر انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر فوقیت عطا ہوئی۔ اور ان کے بعد اقتدارِ اسلامی کی وسعت و تحفظ کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتخاب بھی آپ کے تقویٰ و تدبر و سیاست کی خصُوصیت پر ہی عمل میں آیا۔ کہ آپ کے زمانہ میں اقتدارِ اسلامی کو حد درجہ وسعت و استحکام عطا ہُوا۔ آپ کے بعد خلفائے اربعہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ مقام حاصل ہوتا تھا۔ لیکن اِس زمانہ پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اقتدارِ اسلامی نے عرب و عجم میں ایک وسیع سلطنت کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اِس کے مقابل باطل قوتیں اقتدارِ اسلامی کو ختم کرنے میں ہر چہار اطراف سے کوشاں تھیں۔ ایسے وقت میں اقتدارِ اسلامی میں جب کہ خلیفۃ المؤمنین کے لیے سب سے زیادہ قرآنی علم میں عالم اور متقی ہونا شرط تھا۔ ایک خلیفہ کے لیے صاحب تدبر و سیاستدان ہونا بھی ضروری ہُوا۔ یہی وہ بُنیادی وجہ پیدا ہُوئی۔ جس "وجہ" نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دُشمنانِ اسلام کو فتنہ پیدا کرنے کا موقع دیا۔ اور یہی وہ وجہ تھی جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ میں اقتدارِ اسلامی کے تحفظ و وسعت کے نظریہ پر اختلاف

پیدا کیا۔ جب کہ حصولِ خلافت میں نہ ذاتی اقتدار حاکمیت۔ نہ ذاتی مالی منفعت کا کوئی تصور موجود تھا جس کے لیے کوئی صحابی حصولِ خلافت کے لیے کوشش کرتا سوائے اِس کے کہ مخلوقِ خدا کو اللہ کی حاکمیت میں لانے کے لیے اسلام میں داخل کر کے۔ ایمان و نجاتِ آخرت کے حصول میں آسانی پیدا کرنا تھا۔ ظاہر ہے اس عمل میں بُنیادی تصور رضائے الٰہی کا ہی تھا جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خصوصی طور پر منتخب فرمایا۔ یہ حقیقت و معرفت کا مقام تھا جو خصوصی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا ہُوا تھا۔ یہی خصوصیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت میں عطا ہُوئی اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ علماء انبیاء کی ولایت و نبوّت کے وارث ہیں۔ اِس اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ عَلِیٌّ بَابُھَا کے مصداق ولایت و معرفت کے خلیفہ اکبر مقرر ہُوئے۔ جن کے ذریعہ مخلوق کو معرفتِ الٰہی حاصل ہونا مقرر ہُوا ــــ یہی خصوصیت درحقیقت طریقت و لایت سے تعبیر ہے۔ اور آپ کی نسبت سے یہ سلسلہ حضرت امام حسن و حسین علیہما السّلام۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ خلفائے طریقت کے ذریعہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ آپ نے اِس طریق کو بحدِ کمال عروج تک پہنچایا۔ آپ کا زہد و ورع مثالی تھا۔ آپ نے علومِ قرآنی کو بھی حد درجہ کمال تک پہنچا کر مخلوق کو اسلام میں داخل کر کے معرفتِ الٰہی عطا کی۔ آپ کی جدّو جُہد مجاہدہ ــــ عشقِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نظیر نہیں ملتی۔ اِس لیے اِس عشقِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور شدید ریاضت و تقویٰ کے صلہ میں آپ کو محبوبیت کا مقام حاصل ہُوا۔ اور زمانہ میں محی الدّین محبوبِ سُبحانیؒ کے لقب سے مشہور ہُوئے۔ اِسی لقب سے آپ کے سلسلہ کو "قادری سلسلہ" کے نام سے شہرت و مقبولیت حاصل ہُوئی۔ اِسی سلسلہ میں حضرت معین الدّین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم المرتبت ولی کا ظہور ہُوا۔ اور آپ کی نسبت سے سلسلۂ چشتیہ کو خصوصیّت حاصل ہُوئی۔ اِسی سلسلہ کی اولوالعزم ہستیوں میں حضرت نظام الدّین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت بابا فرید الدین گنجِ شکر رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستیاں پیدا ہُوئیں جنہوں نے ولایت میں اعلیٰ و ارفع مقام حاصل کیا۔ انہیں مقدّس ہستیوں سے ہندوستان میں اِسلام کا نام روشن ہُوا۔ مخلوقِ خدا کو حقیقی راہ میسّر آئی اور انہیں ہستیوں کے مقدّس قدموں کی برکت

سے ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود قائم ہوا ۔۔۔ بلاشبہ ۔۔۔ دُنیا کے کونہ کونہ پر نظر ڈالو تو معلوم ہو کہ شریعت وطریقت کا جو سلسلہ ان ہستیوں سے ہندوستان میں قائم ہوا جس سے شریعت وطریقت اور کرامات کا اجرا ہوتا رہا ۔۔۔ اور ہو رہا ہے ۔۔۔ دُنیا کے کسی ملک میں نہ اس کا چرچا ہے نہ ایسا عمل موجود ہے۔ اِن ہستیوں کی بدولت آج دُنیا میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ زمانہ قدیم سے آج تک اُن مقدس ہستیوں کے مزارات مرجع خلائق بنے ہیں۔ یہ زندہ جاوید ہستیاں تھیں۔ جن کا فیض اب بھی زندہ جاوید ہے۔ حضرت معین الدین چشتی حضرت نظام الدین اولیاء حضرت بابا فرید الدین گنج شکر۔ حضرت علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مزارات سے آج بھی فیض وبرکات کی روشنی طالبانِ حق کے دلوں کو منوّر کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن رُوحوں کو بیشمار انوار و تجلّیات سے سرفراز فرمائے۔ یہ سلسلہ قادریہ چشتیہ۔ صابریہ کی عظمت کا واضح نشان ہے جو ہمیشہ دُنیا پر قائم رہے گا۔ اِس سلسلہ میں ہندوستان میں سندھ وپنجاب کی وہ اولوا العزم ہستیاں شمار ہیں۔ جن میں پنجاب کے اولیاء ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ۔ اور دیگر پنجاب کے ولیوں کی درگاہیں۔ ہمیشہ مرجع خلائق بنی رہیں۔ اِسی سلسلہ کی ایک شاخ میں سندھ کے اولیاء میں شاہ عبدالکریم بلڑی رحمۃ اللہ علیہ ایک اولوا العزم ہستی کا ظہور ہوا ۔۔۔ اور آپ کے فرزند شاہ حبیب اللہؒ کو آپ سے سلسلہ قادریہ کی خلافت ملی ۔۔۔ شاہ صاحب کا بھی زمانہ کے اولوالعزم اولیاءؒ میں شمار ہوتا ہے۔ شاہ عبدالکریم صاحبؒ کی حیات میں شاہ حبیب اللہؒ کے ایک فرزند شاہ عبداللطیف ہوئے۔ انہیں۔ دونوں۔ دادا اور والد کی تربیت میسّر آئی۔ اور یہ مشہور ہے کہ انہیں اپنے دادا شاہ عبدالکریم بلڑی رحمۃ اللہ علیہ سے قادریہ سلسلہ کی خلافت ملی۔ قادری سلسلہ سے علاوہ شاہ عبداللطیفؒ کو براہِ راست حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے فیض باطنی عطا ہوا۔ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی خلفاء میں سے ہیں انہیں بھی براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت وخلافت باطنی عطا ہوئی۔ جیسا کہ قادری سلسلہ میں خلافت کا سلسلہ ظاہراً جاری ہوا۔ مگر حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں کسی خلیفہ کی شہادت نہیں ملتی۔ سوائے اِس کے کہ آپ سے کسی کو باطنی طور خلافت ملی ہو۔ لیکن یہ امر محقق ومسلمہ ہے کہ حضرت شاہ عبداللطیفؒ کو حضرت اویس قرنیؓ سے باطنی فیض اور خلافتِ اویسیہ حاصل

ہوئی۔ اس لحاظ سے سلسلہ اویسیہ کو "عنقا" کہا گیا کہ یہ سلسلہ ظاہر نہیں۔ نہ کسی کو ظاہراً یہ فیض ملتا ہے۔ حضرت شاہ عبداللطیفؒ کی پیدائش سندھ میں ہوئی۔ جہاں عرصہ دراز تک آپ نے ایک ٹیلہ پر سکونت رکھی۔ اِس نسبت سے آپ سندھ میں شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا مزار مبارک بھی اِسی جگہ پر ہے۔ اور علاقہ سندھ کے اکثر عقیدتمند۔ زائرین مزار پر صبح و شام حاضری دیتے ہیں۔ آپ کا سالانہ عرس بھی بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ آپ کی سلسلہ اویسیہ سے متعلق رُوحانی نسبت تاریخی طور پر منظرِ عام پر نہ آسکی۔ سوائے اِس کے کہ یہ مشہور ہے کہ آپ کی وفات کی مدت گزرنے کے بعد حضرت شاہ لونگ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے رُوحانی طور فیض و خلافت ملی۔ گویا آپ کے خلفاء میں حضرت شاہ لونگ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی نسبت سے فیض اویسی حاصل ہُوا۔ حضرت شاہ لونگ سندھیؒ کی حیات میں حضرت شاہ محمد عارف صاحب اروڑوی کو سلسلہ اویسیہ کی خلافت ملی۔ اور حضرت شاہ محمد عارف رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت سید مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحبؒ موضع کوٹ چاندنہ کالاباغ ضلع میانوالی کی ایک باکمال ہستی کو سلسلہ اویسیہ کی خلافت ملی اور اِسی عظیم و مقدس ہستی سے حضرت الحاج مولوی محمد امین صاحبؒ قریشی (موضع کاشیراہ۔ تحصیل کپواڑہ کشمیر) کی ذاتِ عالی کو سلسلہ اویسیہ کی خلافت عطا ہُوئی۔ یہی وُہ ذاتِ گرامی ہے۔ جن کے رُوحانی کمالات کا اِس صحیفہ میں تذکرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ شجرہ اویسیہ کو اِس طرح ترتیب دیا گیا ہے :

منبع و مخزنِ نبوّت

حضرت محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

|

حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ

|

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ

|

حضرت شاہ لونگ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ محمد عارف صاحب اروڑوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضور کے بعد آپ کے خلفاء میں خلیفہ اکبر

جناب خواجہ عبد الکریم صاحب رح | راجہ سخی ولایت خان صاحب رح

سجادہ نشین جناب امین الدین صاحب

فرزند اکبر حضور قبلہ عالم محمد امین صاحب رح

اِن خلفاء کے علاوہ حضور کے مریدوں میں کثرت سے ایسے ولی ہیں۔ جن کے ذریعہ سلسلہ اویسیہ کا اجراء ہندوپاکستان کے وسیع علاقہ میں بحسن و خوبی تاحال جاری ہے۔ ان مریدوں میں جناب صاحبزادہ امین الدین سجادہ نشین کی معیت میں سلسلہ امینی کے اجراء میں کشمیر میں جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کو بحیثیت خلیفہ ثانی خصوصی مقام حاصل ہے۔ پاکستان میں بھی اکثر لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہیں۔ جن کی کوششوں سے سلسلہ اویسیہ امینیہ پاکستان کے وسیع علاقہ تک پھیلا ہوا ہے[1]۔

---

[1] تعارف روضہ اویسی جناب شبیر شاہین صاحب چنیوٹ

حضور قبلہ عالم جناب محمد نور الدین اویسیؒ نے وصال سے چند ہفتے قبل فرمایا۔ نور العرفان کے آئندہ ایڈیشن میں چنیوٹ میں جناب شبیر شاہین صاحب کے روضہ کی تعمیر اور ان کی نسبت اویسی پر اضافی مضمون شامل کیا جائے۔ لہٰذا اِس حکم کی تعمیل میں درج ذیل مضمون اضافی حاشیہ کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (محمد بشیر اویسی۔ نوری)

پاکستان کے علاوہ برطانیہ امریکہ اور دیگر ممالک میں بھی سلسلہ عالیہ اویسیہ سے وابستہ مرید کثرت سے موجود ہیں۔ حضرت الحاج مولوی محمد امین اویسیؒ کی نسبت سے پاکستان اور دیگر بیرونی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)
ممالک میں اویسی سلسلہ کی داغ بیل ڈالنے اور اجرار کا تمام تر سہرا حضرت قبلہ مولائی و مُرشدی محمدؐ نورالدین اویسی امینی ؒ کے سر ہے۔ آپ کے مُریدوں میں جناب شبیر شاہین صاحب جیسی باکمال ہستی نے سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو کر قلیل مدت میں منازلِ عرفان تا ذاتِ الٰہی طے کر کے سلسلہ امینیہ۔ نوریہ میں منفرد مقام حاصل کیا۔ سلسلہ میں داخل ہو کر اُنھوں نے اپنا ظاہر و باطن پیر اکمل کے حوالے کر کے تا دمِ آخر اجرائے سلسلہ (الدین) جاری رکھا۔ ۲۱۔ مئی ۱۹۹۴ء کو آپ کی اچانک (معجزاتی) وفات پر آپ کا جنازہ بلیک برن (برطانیہ) سے چنیوٹ (پاکستان) میں اُن کے آبائی شہر میں لانے کا فیصلہ ہُوا۔

حضرت مولائی و مُرشدی کے ارشاد کی تعمیل میں چنیوٹ میں جناب شبیر شاہین صاحب کا روضہ (روضہ اویسی) سلسلہ اویسیہ کے نشان کے طور پر تعمیر کیا گیا ہے۔ حضور قبلہ عالم کا فرمان ہے۔ کہ سلسلہ اویسیہ (حضرت اویس قرنی عاشقِ رسُولؐ۔ خلیفہ باطنی۔ کا طریق اویسی۔ دعائے اویسی ـــ فرمودہ رسُولؐ) خفی رہا۔ اب ضروری ہے کہ آپ کے ظاہرًا علم و عمل کا اجرا ہونے کی خاطر۔ مخلوقِ انسانی تک علم پہنچانے کے لیے سلسلہ اویسیہ کا نسبت اویسی سے نشان دُنیا پر قائم ہو سکے۔ دُنیا میں مثلِ روضہ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ روضہ حضرت علی۔ امام حسین و امام حسن علیہم السلام۔ حضرت غوث الاعظمؒ اور سلاسل کے اولیا کے روضے مشہور عام مرجع خلائق، اللہ و رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا علم مخلوق تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ اِسی طرح حضرت اویس رضی اللہ عنہ کا روضہ نہ ظاہر ہے نہ معروف ہے۔ حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے سلسلہ اویسیہ کے اولیا۔ حضرت شاہ لونگ سندھیؒ۔ حضرت شاہ محمدؐ عارف اروڑوی۔ سید مولانا نورالزّمان شاہ صاحبؒ اور خانوادہ کاظمی فخرالزمان شاہ صاحبؒ اور اُن کی اولاد سے سلسلہ اویسیہ جاری ہے۔ مگر ان کی حقیقی ہیئت اویسی معروف نہیں جس وجہ سے مخلوق کو سلسلہ اویسی سے عام حالت میں اجرائے شریعت و طریقت میں۔ سلسلہ اویسی کا فیض میسّر نہیں۔ اِنشاء اللہ شبیر شاہین صاحب سلسلہ اویسیہ (قرنی) کے باسند اولوالعزم ولی کی ذات سے یہ کمی پُوری ہو سکے گی۔ کہ مخلوق کو شریعت و طریقت کا "ملکوتی علم" میسّر ہو گا۔ اور اُمّت کو دُعائے اویسی کا فیض عام میسّر ہو گا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مسئلہ تقدیر

کائنات کی کسی بھی شے پر خواہ وہ جمادات ہوں یا نباتات ہوں۔ حیوانات ہوں یا انسان غور کیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ ہر شے میں کسی مقصد کی تلاش میں جستجو کا مادہ پایا جاتا ہے۔ کسی شے کی جستجو میں حرکت و عمل کا پایا جانا تب تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس میں ایک روح کا وجود موجود نہ ہو۔ اور رُوح کے عمل میں "حس" کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک جامد پتھر سے لے کر انسان تک ہر شے میں قانونِ فطرت کے تحت اپنی ہیئت تبدیل کرنے کا مادہ موجود ہے۔ جسے "فنا" کہا جاتا ہے۔ فنا بغیر رُوح اور حس کے نہیں ہو سکتی ____ ابتدائے آفرینش سے لیکر

یقیہ گزشتہ سے پیوستہ

اگرچہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے روضہ کی نشاندہی میں شکوک پیدا ہیں۔ اس کا سبب عرصہ دراز سے حضرت خواجہؓ کے روضہ کی تعمیر میں تساہل ہو سکتا ہے۔ قدرتی طور پر یہ چیز پوشیدہ رکھی گئی۔ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خواجہ اویسؓ کو اپنی اُمت کی بخشش کی دُعا کے لیے حکم فرمایا ہے۔ اِس حکم (حقیقت) سے واضح ہے کہ حضرت خواجہؓ کا روضہ منشائے الٰہی کے مطابق سلسلہ اویسی سے تعمیر ہُوا ہے۔ جو حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائیؒ کے شجرہ سے واضح ہے۔

اِسلام میں فی زمانہ جو علم جاری ہے۔ وُہ علماء اِسلام کا خود ساختہ ہے۔ دین میں جب تک قرآنی تزکیہ نفس کو شامل نہ کیا جائے۔ تب تک دین کا مقصد پُورا نہیں ہو سکتا لہٰذا حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ابتدائی تعلیم دی۔ اِس مدنی علم کی طرز میں اجرائے دین اور فیضیابی کے لیے چنیوٹ میں مزار (درگاہ) حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے نام سے منسُوب کیا گیا ہے۔ الغرض الحاج مولوی محمد امین اویسیؒ قطب الاقطاب کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ جس کا مرکز ایبٹ آباد میں ہے معرفت الٰہی کی کیا دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ اللہ منتخب آدمی کا سینہ کھول دے۔ اِس مقام پر اللہ کی ذات اور اِس کی کائناتی حکمت کو بغیر دلیل کے قبول کیا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سینہ کشادہ کر دیتا ہے اور قبولیت کا مادہ ڈال دیتا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ____ تا نہ بخشند خدائے بخشندہ را

حال تک کسی وجود میں دائمی بقا ثابت نہیں ــــ بلکہ ہر شے معدوم ہو جاتی رہی ــــ معدوم ــــ عدم سے ہے۔ اور "عدم" میں فنا کو دخل ہے۔ یعنی ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں ظہور کرنا۔ اِس سے مراد کسی شے کا وجود ــــ ماقبل کے کسی وجود کی جز یا اجزاء سے بنتا ہے۔ اس ترکیب میں ماقبل کا وجود باقی رہتا ہے۔ اور اس کی جز یا اجزاء سے مابعد کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ مابعد کے وجود کی فنا یہ ہے۔ کہ یہ وجود عدم ہو کر اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ یعنی اپنی ہیئت معدوم کر کے اصل میں مل جاتا ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ

"ہر شے اپنی جزوی ہیئت میں معدوم ہو کر کل میں سما جاتی ہے"۔ اِسی انتقالِ شے کو "فنا" سے تعبیر دیا گیا۔

اِس عمل میں مختلف اجزاء کا ــــ مختلف ہیئتوں میں ظاہر ہونا۔ اور اپنی ظاہری ہیئتوں میں قائم رہنا ــــ یا اپنی ہیئتوں کو ایک معین مدت تک قائم رکھنے میں۔ سامانِ حیات کا حاصل ہونا یا حاصل کرنا اور اپنی وجودی تاثیرات کا الگ الگ اقسام میں قائم رہنا۔ پیدا ہونا۔ فنا ہو جانا۔ اِس عمل میں ایک "جستجو" کو دخل ہے۔ اس مجموعی عمل کو جس میں ہر شے کا ایک فطری ضابطہ کے تحت پیدا ہونا ــــ فنا ہو جانا ــــ اور اپنی بقا کو قائم رکھنے میں جستجو سے ــــ سامانِ حیات حاصل کرنا۔ ہر شے کی "تقدیر" سے تعبیر کیا جاتا ہے ــــ سونا ــــ لوہا ــــ تانبا ــــ پیتل بظاہر معدنیات میں شامل وجود غیر متحرک۔ غیر ذی رُوح محسوس ہوتے ہیں۔ غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان اشیاء کا مختلف شکلوں میں پیدا ہونا۔ ان میں الگ الگ تاثیر کا پایا جانا۔ اور پھر ان کی ساخت اور ہیئتوں کا ایک معین مدت تک باقی رہنا۔ اور پھر فنا ہو جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اِن اشیاء میں اپنی بقا و فنا کے عمل میں ایک جستجو کا تصور پایا جاتا ہے۔ یہ حرکت و عمل بغیر "حس" اور "رُوح" کے ممکن نہیں۔ اور اِن اشیاء کی بقا و فنا میں حرکت و عمل ایک تقدیر کے تابع ہی مقرر ہے۔ یہ عمل بظاہر بلا ارادہ۔ ایک فطری تحریک کے تابع ہوتا ہے۔ اِس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عمل کسی غالب قوّت کی تحریک پر ہی منحصر ہے۔ جس قوّت کی مرضی کی ہر شے پابند و مجبور ہے۔ یہی نظامِ کائنات میں ہر شے کا کسی امر کے تحت پیدا

ہونا اور ایک متعین ضابطہ کی حدود میں رہ کر اپنی بقا کے لیے ایک عمل جاری رکھنا "تقدیر" سے تعبیر ہو سکتا ہے۔ اسی تقدیر کے نظام کے تحت۔ ہر شے کی بقا و فنا میں جو عمل متحرک ہے۔ اسے "سعی" یا "جستجو" سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اگر چند اجزاء ــــ پارہ ــــ شنگرف ــــ ابرک ــــ گندھک ــــ نیلا تھوتھا ــــ زمین کی نمی ــــ سورج کی تپش باہم ایک دوسرے سے متصل نہ ہوں۔ سونا بن نہیں سکتا ــــ یہ اتصال خواہ کسی تحریک سے ہو۔ یا بغیر کسی تحریک کے۔ تاہم اس اتصال کے عمل میں ایک تحریک ضرور ہے۔ جس میں "جستجو" کا عمل پایا جاتا ہے۔ اس عمل میں اصل تصور ایک کیفیت کا سامنے آتا ہے۔ وہ یہ کہ ایک وجود کا اپنے منبع ــــ اپنی اصل ــــ اپنی علت ــــ سے الگ ہو کر ــــ اپنی تقدیر کے تابع عمل جاری رکھتے ہوئے ــــ اپنی فنا تک پہنچ کر۔ پھر اپنی اصل کی طرف جستجو کر کے لوٹ جانا۔ لہٰذا یہ تصور لازم ہو گا۔ کہ فنا کے بعد کوئی وجود تقدیر کے تحت نہ یکسر معدوم ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اپنی ثانوی ہیئت میں معدوم ہو ــــ نہ ہی کوئی شے کسی غیر جنس ــــ یا کسی دوسری اصل میں انتقال کر کے اپنی ہیئت یکسر معدوم کر سکتی ہے۔ کہ اس کا نام و نشان مٹ جائے اور یہ امر خلافِ فطرت تصور ہوتا ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ اس مخلوق میں انسان پیدائشی اعتبار سے افضل ترین پیدائش ہے لیکن اس کی پیدائش بھی۔ ایک تقدیر کی پابند ہے۔ انسانی وجودی ہیئت مستقل نہیں ــــ بلکہ چند اجزاء کا مرکب ہے۔ انسان ۔ مٹی۔ نار۔ نور کا مرکب ہے۔ اس کی پیدائش بھی۔ تقدیر کے تابع ہے۔ نہ خود مستقل ہے۔ نہ اپنے ارادے سے پیدا ہوتا ہے۔ زمین سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ بشری شکل و صورت میں ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا کسی دوسری ہیئت میں پیدا نہیں ہو سکتا ــــ زمین پر خشکی میں رہ سکتا ہے۔ نہ ستاروں میں رہ سکتا ہے۔ نہ جا سکتا ہے۔ پانی میں اپنی مرضی سے رہنے سے مجبور ہے۔ ہوا (آکسیجن) کے بغیر جی نہیں سکتا۔ اپنی ہیئت کے مطابق وہی شے استعمال کر سکتا ہے۔ جو اس کی نشو و نما کے لیے مقرر ہے۔ اور پھر نہ اپنی حیات پر قادر ہے۔ نہ اپنی مرضی سے مر سکتا ہے۔ گویا انسانی زندگی پیدائش سے لے کر موت تک ایک فطری ضابطہ کی محتاج اور مقید ہے۔ کہ ان ضابطوں پر ہی اس کی بقا کا انحصار ہے۔ یہی اس کی تقدیر ہے۔ جس کا انسان چار و ناچار پابند ہے۔ اور اپنے ارادہ سے اپنی تقدیر بدل نہیں

سکتا ـــــ اس کے بعد تخلیقی اعتبار سے انسان عام مخلوق میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے عام مخلوق اپنی پیدائش میں فنا کی طرف جاتے کے لیئے اپنی حیات میں سامانِ حیات کی فراہمی میں۔ اپنی تقدیر میں پابند ہے۔ کہ فطری طور اسے جس شے کی ضرورت ہے۔ وُہی شے میسّر آتی ہے۔ اور وہی شے حاصل کرتی ہے۔ اس کے سوا وہ خلافِ قانونِ فطرت کسی غیر جنس کی طرف جستجو نہیں کرتی۔ بلکہ قانونِ فطرت کی عمداً قصداً پابند رہتی ہے۔ اس کی دو صوُرتیں ہیں۔ ایک تو ان کی ذہنی قوّتیں محدود ہیں۔ دُوسرے اِن کے ذہن میں کسی غیر جنس کی پہچان کی صلاحیت نہیں۔ کیونکہ ان کی "حس" بھی محدود ہے۔ اس کے مقابل انسان کو اپنی تقدیر میں بہتر حس۔ بہتر ذہنی صلاحیتّ ملی ہے۔ کہ انسان کائنات کی ہر شے کو اپنے استعمال میں لانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اسی ذہنی صلاحیت پر وہ اپنے ارادے کو استعمال کرنے میں آزاد ہے۔ مگر اس کا آزاد ارادہ۔ اور اختیار بھی۔ ایک تقدیر کا پابند ہے کہ فطری حدود سے باہر اپنے ارادے ـــ اپنی طاقت استعمال نہیں کر سکتا۔ فطری حدود کے خلاف اپنا ارادہ استعمال کرنے سے انسان حادثات کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اِس کی بقائے زندگی میں خلل واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان فطری طور۔ اختیار رکھنے کے باوجود ایک اٹل تقدیر میں پابند و محصُور ہے۔ اِس لیے انسان کے لیے ضروری ہے کہ اپنی تقدیر کی حدود میں رہ کر خیر کو قبول کرے۔ اور شر کے لیے جستجو نہ کرے۔ ایک اہم بات یہ کہ عام مخلوقِ حیوانی۔ اپنی ذہنی استعداد کے مطابق مختصر سوچ رکھتی ہے۔ اس کی تُرج صرف سامانِ حیات کی جستجو تک محدود ہے۔ مگر انسان اپنی پیدائشی خصوصیات کے مطابق۔ جب کہ اِس میں دو خصوُصی قوّتیں نار اور نوُر پائی جاتی ہیں۔ اِس اعتبار سے اس کی فکر۔ اس کی سوچ۔ اس کی جستجو۔ بقائے زندگی سے سوا۔ نوری حدود تک وسیع ہو جاتی ہے۔ اِس لیے حصُولِ سامان حیات سے سوا۔ انسان کے لیئے ناری۔ نوری قوّتوں سے استفادہ اور علم حاصل کرنے کی ذمّہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اِس طرح انسانی عمل میں ناری۔ نوری قوّتوں کی تسخیر اور ان کا مشاہدہ و علم حاصل کرنا۔ اس کی زندگی کے مقصد میں شامل ہے۔

اِنسانی زندگی پر غور کیا جائے۔ تو ظاہر ہو گا کہ نوُری رُوح۔ اس کی اصل زمین کی جز نہیں۔ اور ناری رُوح بھی ناری سیّاروں کی جنس ہے۔ نوُری اعتبار سے اِس نوُری قوّت کا

انسانی مرکب میں شامل ہونا۔ اِس کی زندگی کی بقا کے لیے معاون نہیں۔ نہ اس قوت کا جسمانی بقا سے تعلق ہے۔ لہٰذا یہ قوتِ رُوحانی حیثیت میں استعمال کی جائے گی ـــــ اِس رُوح کی اصل عالمِ نوری سے ہے۔ اِس سے اس کا عمل واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اِس کا عمل نوری عالم کی تسخیر اور علم و مشاہدہ تک وسعت رکھتا ہے۔ نوری قوت کا ودیعت ہونا۔ اس امر پہ دلالت کرتا ہے۔ کہ انسان کے ذمّہ نوری قوتوں تک رسائی علم اور مشاہدہ اصل عمل ہے۔

اِس تمام عمل کا ماحصل قانونِ فطرت کے مطابق ـــــ اپنی تقدیر کے تابع اپنی بقا کو قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ۔ اپنی زندگی میں اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا۔ اِس حال میں۔ کہ خاک۔ خاک میں لوٹ جائے۔ نار ـــــ نار میں لوٹ جائے ـــــ اور نور ـــــ نور میں لوٹ جائے۔ جب کہ قانونِ فطرت کے تحت۔ اِس کائنات اور انسان کے وجُود کا منبعِ حقیقی نورِ الٰہی ہے۔ سو انسان کے لیے لازم ہے کہ فطری تقدیر اور ضابطہ کے تابع رہ کر اپنے منبع حقیقی ـــــ وصالِ الٰہی کی جستجو میں اپنے عمل کو وقف کر دے۔ ورنہ انسان اپنی ذمّہ داری سے تغافل اور کوتاہی کی صورت میں اپنی اصل سے دُور۔ اندھیروں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھٹکتا رہے گا۔

کائناتِ خداوندی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مطیع ہے

اللہ تعالیٰ نے انسانی راہنمائی کے لیے ایک خصوصی انتظام کیا ہے کہ اپنی طرف سے ایک کتاب اور ایک راہنما ـــــ "ہادی" بھیجا۔ اِس کتاب اور ہادی کی خصوصیت یہ ہے کہ انسان کے لیے۔ عالم نوری کے اسرار و آثار تک رسائی۔ اور اس کا علم و مشاہدہ۔ حاصل کرنا۔ اِس عمل میں جستجو کرنا۔ انسانی فرائض میں شامل کیا گیا۔ اِسی خصوصیت کے تحت "قرآن" اور ایک "ہادی" محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ظہُور ہوُا۔ یہ طریق جیسا کہ کائنات کی فطری تخلیق (یا خود بخود کیفیات کے ظہُور میں آنے) میں شامل نہیں بلکہ ارادہ الٰہی کے تحت ایک اضافی عمل ہے۔ جو ہر انسان کے لیے بلا تمیز مذہب و ملت یکساں طور پر واجب التسلیم ہے۔ اور اس پہ ہر اس پیدائش کے لیے عمل کرنا ضروری ہے جو زمین پر بحیثیت انسان پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان پر الٰہی کتاب (قرآن) اور محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پہ ایمان لانا ضروری ہے۔

خواہ وہ دُنیا کا بڑے سے بڑا شہنشاہ ہو۔ یا عظیم محقق۔ سائنس دان ہو۔ یا عظیم سیاستدان لیڈر ہو۔ یا قومی قوت کا جرنیل سپہ سالار ہو ـــ اِس کے لیے قرآنی احکام پر ایمان۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازمی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت محض ایک مسلمان تک محدود نہیں۔ بلکہ زمین پر پیدا ہونے والے ہر انسان پر اِس اطاعت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اِسی اصول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن کا دُنیا میں نفاذ ہُوا ـــ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں آپ کے تابعین۔ ایک جماعت اسلامی اور دینِ اسلام کا قیام ہُوا اِسی جماعتِ اسلامی کے ذمہ۔ قرآنی تعلیم اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اجراء و نفاذ ہونا مقرر ہے۔ یہی جماعتِ اسلامی علمائے اُمت سے موسوم ہے۔ جن کی اطاعت ہر انسان کے لیے لازم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں علمائے اِسلام نے قرآن و سُنّت کے اجراء میں راہنمایانہ کردار ادا کیا۔ انہیں علمائے اُمت کو۔ "علمائے شریعت و طریقت" سے موسوم کیا گیا۔ اِس عمل میں جیسا کہ بیان ہُوا کہ ہر عالم اُمت کے لیے اُمَّۃً وَّسَطاً مخصُوص جماعت کی حیثیت میں۔ تسلیم قرآن اور اطاعتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ کے مُطابق اپنا شخصی کردار بطورِ نمونہ عمل پیش کرنا ہے۔ جس میں کراماتِ اولیاء سے سوا۔ اپنی شخصیت اور کردار پیش کرنا ہے۔ اِسی بُنیادی اصول کے تابع جناب الحاج مولوی محمد امین صاحب اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں۔ ان کے کردار و عمل کو آپ کی سوانح کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ کسی ولی کی سوانحِ حیات میں بُنیادی تصوّر۔ ولی کی سیرت سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ بحیثیت انسان۔ سیرت کے تصوّر میں انسانی وجود کی خصُوصیات اور اس وجُودی خصُوصیات کے کیا مظاہر ہوتے ہیں۔

اِس تصوّر کے مطابق۔ گذشتہ صفحات میں انسانی مرکبات، خصوصیات کا تفصیلی ذکر ہُوا کہ انسان تین قوتوں سے مرکب ہے۔ یعنی خاک۔ نار۔ اور نور۔ خاکی مظاہرات مادی اور عقلی ہوتے ہیں۔ جن کا مظاہرہ مادی محققین[۱] سے ہوتا رہتا ہے۔ ان مظاہرات ظاہری کی وسعت مادی حدود تک محدود ہے۔ لہٰذا ایسے محققین

---

[۱] جیسا کہ مادی محققین کائنات کی قوتوں کا علم اور ان قوتوں (آکسیجن۔ ہائیڈروجن۔ برقی قوت۔ ایٹم بم وغیرہ) سے متحیّر کن مظاہرات کرتے ہیں۔

ناری مظاہرات کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ سوائے اس کے کہ ان مظاہرات میں ناری قوت کو کام میں لایا جائے۔ ایسے مظاہرات کی حامل ہستیاں۔ اولیاء میں شامل ہیں۔ جن کے مظاہرات کو کرامات (مافوق العقل مظاہرات) سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ مظاہرات ناری ہیں —— جس میں شریعت کی پابندی سے باہر رہ کر ہر انسان بلا تمیز شریعت ایسے مظاہرات کا اظہار کرسکتا ہے۔ اور ایسے مظاہرات —— غیر ولی بھی کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ مظاہرات طریقت میں شامل نہیں۔ سوائے اس کے کہ حقیقی ولی سے —— نوری قوت کا استعمال ہو۔ اور اس سے نوری (ملکوتی) مظاہرات کا صدور ہو۔ (نوری مظاہراتِ باطنیہ)

اولیا کی سوانح میں اکثر ناری مظاہرات کی خصوصیات کا بیان ہوتا ہے۔ لیکن اِس خصوصیت سے ولی کی تعریف مکمل نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اس کے نُوری مظاہرات (کمالات) کا اظہار نہ کیا جائے۔ اِسی تصوّر کے ساتھ حضوُر پُرنُور جناب الحاج مولوی محمد امین اویسی رحمۃ اللہ علیہ کے نوری مظاہرات میں۔ کمالاتِ ملکوتی کا تذکرہ اِس صحیفہ میں کیا جاتا ہے۔ اِس سلسلہ میں حضورؒ قبلہ عالم جناب محمّد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعارف سے ابتدا کی جاتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سوانح کے مطالعہ میں۔ گذشتہ بیان کیے گئے بنیادی حقائق کی روشنی میں۔ واقعات و کیفیات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یقیناً اس سوانح کے مطالعہ سے ہر مکتب فکر کے طالب علم کو خواہ وہ کسی عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو۔ حقیقت پہچاننے میں تشنگی باقی نہ رہے گی۔

اِس سے پیشتر حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے متعلق آپ کی رُوحانی نسبت (قادری۔ اویسی) کا ذکر ہُوا۔ کہ آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃُ اللہ علیہ سے بہ واسطہ حضرت شاہ عبدالکریم بلھڑی رحمۃُ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ کے فیض کے امین ہیں۔ اور حضرت عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ۔ محبوبِ خدا۔ عاشقِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حقیقی فیضِ نبوّت کے امین ہیں۔

جہاں تک آپ کی شخصیت میں اتباعِ شریعت کا تعلق ہے۔ آپ نے بحیثیت پیر اپنی شرعی عبادتوں میں کسی نمائش کا اظہار (اہتمام نہیں کیا۔ نہ ہی اپنے لباس میں کسی ظاہری نمائش کا اظہار کیا۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ کامل صاحبِ شریعت ہیں۔ آپ اتباعِ شریعت کو ایک

اہم فریضہ سمجھ کر عام آدمی کی حیثیت میں ـــــ سادہ انداز میں نماز ادا کرتے ـــــ اس حال میں کہ اِس عبادت میں نمائش کا احساس نہ ہو۔ نماز کا وقت ہوا ـــــ مجلس میں تشریف فرما ہیں۔ سادگی سے اُٹھے نماز ادا کی ـــــ یہاں تک کہ اہلِ مجلس پر بھی تنقید نہ کرتے۔ کہ تم بے نمازی ہو۔ ہماری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے! ـــــ یا رات میں تہجد کے لیے اُٹھیں تو آہستگی سے اُٹھتے۔ مبادا کسی شخص کی نیند میں خلل واقع ہو۔ آپ نے اپنی صحبت میں رہنے والے مریدوں کو تہجد کے لیے اُٹھنے کے لیے کبھی شدت سے کام نہ لیا۔ سوائے اس کے کہ جس نے چاہا اپنی مرضی سے تہجد میں شرکت کی۔ آپ سادہ۔ عام غریبانہ لباس پہنتے۔ جس سے پیرانہ نمائش محسوس نہ ہوتی۔ جو لباس گھر کی خلوت میں ہوتا ـــــ وہی لباس ہر مجلس میں ہوتا ـــــ اِس میں تخصیص نہ تھی۔ کہ لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے یا اپنی شخصیت کا تاثر دینے کی غرض سے فقیرانہ نمائش کے خیال سے لباس کی وضع قطع میں صفائی کا خاص خیال فرماتے یا جبہ۔ عمامہ۔ تسبیح کے ذریعہ آپ کی فقیرانہ ہیئت محسوس ہو۔ اِس وجہ سے ان کی ظاہری شخصیت۔ ان کے ظاہری لباس کی محتاج نہ رہی ـــــ یہاں تک کہ گھر میں ہوں۔ یا گھر سے باہر دورانِ سفر۔ ان کی شخصیت کو پہچانا نہ جا سکتا تھا۔ دورانِ سفر آپ کی غریبانہ حیثیت کو دیکھ کر کوئی آپ کو حقارت سے دیکھتا۔ تو آپ نے ایسی حقارت کو خاطر میں نہ لایا۔ نہ ان کے قلب و ذہن پر "انا" کا تاثر پیدا ہوا۔ حضورؒ کی شخصیت تو نوری تاثر رکھتی تھی ـــــ ٹھنڈا دل و دماغ پُرسکون ـــــ آپ سوائے "آوازِ دوست کسی آواز سے متاثر نہ ہوتے" ـــــ یہ آپ کی عظیم وسعتِ قلبی کی دلیل تھی ـــــ اپنے احباب کی صحبت میں آپ اپنی رُوحانی برتر حیثیت کو نہ خود محسوس کرتے۔ نہ کسی کو محسوس ہونے دیتے ـــــ اپنی پاک مجلسوں میں آپ ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز سے منزہ تھے آپ کی مجلس و صحبت میں اعلیٰ پایہ کی امیر ترین ہستیاں بھی ہوتیں۔ اور غریب ترین فرد بھی ہوتے۔ عالم بھی ہوتے اور بے علم بھی ہوتے۔ مگر ـــــ واللہ! کسی شخص کو آپ کی مجلس میں اپنی برتری ـــــ یا کمتری کا احساس باقی نہ رہتا۔ امیر۔ غریب۔ عالم۔ جاہل کی تفریق ذہنوں سے محو ہو جاتی ـــــ اور کسی شخص پر یہ احساس یا رعبِ پیری طاری نہ رہتا۔ کہ آپ پیر ہیں۔ اور باقی لوگ مرید ا مجلس میں تشریف فرما ہوں۔ تو یہ سمجھنا مشکل ہوتا کہ ان میں پیر کون ہے۔ جب تک کہ کسی مرید سے آپ کے لیے اظہارِ عقیدت نہ ہوتا ـــــ یا آپ کی

زبانِ مُبارک سے کلامِ حکمت ادا ہوتا ـــــ اِس صورت میں لوگ شش و پنج میں پڑ جاتے کہ آیا یہ شخص ولی ہے ـــــ ! ـــــ آپ کی مجلس میں آدابِ مجلس کا یہ حال تھا کہ اگر آپ پلنگ پر تشریف فرما ہیں تو مرید آپ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے۔ بلکہ بعض اوقات آپ کے گلے میں باہیں ڈال کر اِس حالت میں بیٹھتے جیسے ایک دوست آزادانہ دوسرے دوست سے گلے مل کر بیٹھتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ میں احساسِ برتری کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اکثر ایسے بھی دیکھنے میں آیا کہ محفل میں آزاد خیال بحث شروع ہوتی۔ مرید آپس میں آپ کی موجودگی میں ایک دوسرے سے اُلجھ رہے ہیں۔ آداب کا خیال نہیں ـــــ حضور بھی سُن رہے ہیں۔ آپ کی طرف سے اس تکرار میں کوئی تعرض نہیں ہو رہا ہے۔ درمیان میں خُوش گپی ہو رہی ہے۔ حضورؒ بھی اس ماحول میں شریک ہوتے ہیں۔ خوش کلامی (میں خوش گپی کے لفظ کو آپ کے لیے استعمال نہیں کر سکتا) فرما رہے ہیں۔ مگر آپ کی خوش کلامی میں۔ رسمی مذاق کے انداز میں رموزِ حکمت و موعظت ادا ہو رہے ہیں۔ دورانِ بحث مرید بھی بعض اوقات آپ پر لطیف طنز استعمال کرتے ہیں خوف و جھجک محسوس نہیں کرتے۔ ایسا بھی ہُوا۔ دورانِ گفتگو ہاتھا پائی کی نوبت بھی آئی۔ مرید آپس میں زور آزمائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں ـــــ عملی طور کُشتی لڑنا شروع کرتے ـــــ بینی (کلائی) پکڑنے میں زور آزمائی کرتے تو آپ بھی اس زور آزمائی میں شریک ہوتے۔ حضورؒ کے مُریدوں میں جناب قبلہ راجہ سخی ولایت خان صاحب اور محمدؐ لطیف صاحب ایڈووکیٹ کے درمیان اکثر نوک جھونک رہتی اور کبھی زور آزمائی شروع ہوتی۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب جسیم و قد آور تھے۔ اُنکے مقابلہ میں محمدؐ لطیف صاحب نحیف اور پستہ قد تھے۔ آپس میں بینی پکڑتے ـــــ کبھی لطیف صاحب غالب آتے تو کبھی قبلہ سخی صاحب اس زور آزمائی کا مقابلہ حضور قبلہ عالم کی موجودگی میں ہوتا۔ تو ان میں جیتنے والے خواہ قبلہ سخی صاحب ہوں یا محمدؐ لطیف صاحب۔ تو حضور انہیں دعوتِ مبارزت دے کر ان سے بینی پکڑتے۔ اس کشمکش میں کبھی قبلہ سخی صاحب پیر صاحب کے اُوپر ہو جاتے۔ اور کبھی پیر صاحب اُوپر ہو جاتے اور آخر۔ قبلہ سخی صاحب شکست کھا جاتے۔ سُبحان اللہ! اس ہستی کے ماتھے پر کبھی بل نہیں آیا۔ سوائے مثلِ آفتاب روشن چہرے کے آپ کے رُخِ انور پر کدورت کا کبھی تاثر نہ اُبھرا۔ فِدَاہُ اُمّی وَ اَبِیْ ـــــ حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں سے ملتے تو آپ کا چہرہ مُبارک خوشی سے تمتما اُٹھتا۔ اور مُریدوں کی بھی خوشی کی انتہا نہ ہوتی۔ جیسے ـــــ

کائنات کی سعادتیں مل گئیں۔ آپ ملتے جیسے دوست دوست سے ملتا ہے ــــ ایک شفیق باپ بیٹے سے ملتا ہے ــــ آپ کی موجودگی میں ہر شخص خود کو بھول جاتا۔ ماں باپ کو بھول جاتا۔ بیوی بچوں کو بھول جاتا۔ دُنیا کی ہر لذّت کو بھول جاتا ــــ یہ ایک فطری اثر تھا۔ کہ آپ کی ذات سُنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق اخلاقِ حسنہ کا مجسّمہ تھی ــــ ہر فرد اپنی تمام محبّتوں میں صرف آپ ہی کا شیدا ہوتا ــــ کیوں نہ ہو اس اندازِ شفقت پر کون آپ کی ذات سے سوا ــــ لائقِ محبت ہوسکتا ہے۔ سچ پوچھئے کسی کو علم ملے یا نہ ملے ــــ کسی کو معرفت ملے یا نہ ملے ــــ آپ کی ذات کا ملنا ہی ہمارا مطمحِ نظر ہو کر رہ گیا تھا۔

نہ غرض حرم کے وقار سے ۔۔۔ نہ صنم کدے کی بہار سے
ہمیں کام ہے درِ یار سے ۔۔۔ درِ یار پھر درِ یار ہے

یہ شعر ہمارا وظیفہ بن کر رہ گیا تھا۔ یہی تو بات ہے ــــ ! کہ لوگ فقر اور معرفت کی خواہش لے کر آتے۔ مگر چند صحبتوں میں ہی ــــ وہ اپنا مقصد بھول جاتے۔ پھر کسی نے یہ نہ کہا کہ مجھے کچھ دکھا دیں ــــ ! مجھے کچھ بتا دیں ــــ بس ایک سوز کی جلن ملی ــــ یہی ہمارا مقصد ــــ یہی ہمارا عمل ــــ ! یہی کچھ آپ کی بیعت میں ملا۔ یہی کچھ آپ کی صحبت میں ملا۔ اِسی کی تمنّا ہر اس شخص نے کی ــــ جس نے رمزِ فقیری کو سمجھا۔ خدا گواہ ہے ــــ ! یہ افسانہ نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے۔ آپ کے مواعظِ حسنہ میں حقیقت کے سمندر ٹھاٹھیں مارتے دکھائی دیتے ــــ آپ ہمیں آدابِ طریقت ــــ آدابِ محبت سے آراستہ کرتے۔ کہ محبت ہی طریقت کی رُوح ہے ــــ رات کے تہجّد سے نہیں ــــ تزکیہ و مجاہدہ سے نہیں ــــ فاقہ کشی سے نہیں ــــ صرف محبّت ــــ محبتِ پیر ہی اصل ہے۔ حصولِ معرفت کی ــــ پس جس میں جتنی استعداد ہوئی۔ اس نے معرفتِ حقیقی میں مراتب کا خود بخود اتنا ہی مشاہدہ کیا ــــ ہاں! حضور کی صحبت نے۔ یہ ادب سکھایا کہ کسی فرد کو اپنے مراتب میں "فخرو انا" کا احساس نہ ہوتا ــــ یہی وجہ تھی کہ اویسی سلسلہ میں آپ کی شخصیت نہ عام فقراء کی طرح مشہور ہوئی۔ نہ آپ نے کسی کرامت کا اظہار کیا۔ نہ ان کے مریدوں سے فقیری کا مظاہرہ ہوا کیونکہ آپ کے مریدوں میں بھی کسی پر آدابِ شریعت میں لباس و وضع قطع کی مخصوص پابندی نہ ڈالی گئی۔ خود حضور نے بھی ولی اکمل ہوتے ہوئے فقر کی انکساری کی

ظاہری نمائش نہ کی ــــ ایسے معلوم ہوتا ــــ کہ آپ کو بھی اپنی فقیری کا احساس نہیں کہ میں ولی ہوں ــــ یوں کہا جائے کہ حضور اس عمل کو ایک فریضہ سمجھ کر ادا کرتے جس میں کسی خصوصیت کا احساس نہ پایا جاتا ــــ حضور قبلہ عالم ایک بے پایاں سمندر تھے جس کی وسعت پانا ممکن نہ تھا۔

طریقت میں ایک ولی سے ما فوق العقل کرامات کا صدور۔ ولایت کی دلیل کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ جیسا گذشتہ زمانوں میں انبیاء کو معجزات دیئے گئے۔ لیکن حضور قبلہ عالم نے ایسی کرامات کو نہ اہمیّت دی۔ نہ ان کرامات کا دلیل ولایت میں سہارا لیا باوجود صاحبِ کمال ہونے کے آپ نے ارادۃً کسی کرامت کا اظہار نہ کیا ــــ حالانکہ آپ کے مریدوں سے اکثر کرامات کا صدور ہوتا رہا ــــ برعکس اس کے آپ نے دنیوی معاملات میں مشکل سے مشکل وقت پر بجائے کرامات استعمال کرنے کے ــــ تدبیر و فکر سے کام لیا۔ ظاہری تدبیر میں بھی آپ بحدِ کمال فہم رکھتے تھے۔ گھر کے کاروبار میں اپنی ذات سے محنت کرنے ــــ اور مریدوں کو بھی تدبیر و فہم استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے۔ جب کسی مرید پر مشکل وقت آتا۔ تو فوراً اُس تک پہنچ جاتے ــــ اور اس کی مشکل میں شریک ہو جاتے ــــ حضور اپنی ذات کے لیئے کسی سے مدد کے طلب گار نہ رہتے۔ نہ کسی مرید کے آگے دستِ سوال دراز کرتے۔ اپنی ذات اور محنت سے جو کچھ میّسر آیا ــــ اسی پر قناعت فرماتے ــــ اکثر دیکھنے میں آیا ــــ کہ گھر میں اپنے مہمان مرید کی خود خدمت کرتے۔ جب مہمان رخصت ہوتے۔ تو اس کے ساتھ گاؤں سے اڑھائی میل کے فاصلہ پر بازار تک الوداع کرنے جاتے۔ مہمان کا سامان خود اُٹھاتے ــــ اپنے مریدوں کو خوش آمدید کہنے میں خوشی کا اظہار فرماتے ــــ ایسا کبھی نہیں ہُوا ــــ کہ کسی مہمان ــــ یا کسی مرید کو آپ کے دولت کدہ پر آپ کی ملاقات کے لیے۔ باہر رہ کر انتظار کرنا پڑتا ــــ بلکہ جب تک مہمان گھر پر موجود رہے۔ ہر لمحہ اس کی صحبت میں رہتے۔ اور کسی پر اپنی تکلیف یا ذاتی مصروفیت کا احساس نہ ہونے دیتے۔ تاکہ اسے محسوس نہ ہو۔ کہ میرا آنا ان کے لیے باعثِ تکلیف ہُوا ہے ــــ

حضور قبلہ عالم زمینداری کرتے تھے۔ خود اپنے ہاتھوں ہل جوتنا اور فصل بونا۔ ان کے لیے معیوب نہ تھا۔ فصل سے کچھ بچ جاتا تو وہ اپنے عزیزوں میں تقسیم کر دیتے۔ یہ حقیقت ہے کہ اِس سے بڑھ کر آپ کے اسوۂ حسنہ کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ اصل فقر بھی یہی ہے۔ البتہ

کبھی کبھی کسی نازک مرحلہ پر آپ نے مرید کی مشکل میں (جس وقت تدبیر کی حد سے باہر ہو) کرامات کا اظہار فرمایا ـــــ مگر وہ بھی مصلحت کے تابع ـــــ یا خود بخود اظہار ہُوا۔ ورنہ فقیری کی ضمانت کے لیے آپ نے کبھی کرامت کو وجہ دلیل نہیں بنایا۔

ہجرت حبشہ کے وقت جب مہاجرین مکّہ کا ایک قافلہ حبشہ پہنچا۔ تو ابوسفیان نے شہنشاہِ حبشہ سے مہاجرین کو واپس لینے کی درخواست کی ـــــ شہنشاہِ حبشہ نے ابُوسُفیان کو دربار میں بلا کر پوچھا کہ رسالت کا دعویٰ کرنے والی ہستی تمہیں کیا کہتی ہے۔ ؟ تو ابُوسُفیان نے کہا وہ فرماتے ہیں۔ اللہ ایک ہے۔ وہی قابلِ عبادت ہے۔ اسی کی پرستش کرو۔ بُت پرستی سے منع کرتے ہیں وغیرہ۔ شہنشاہ حبش نے پوچھا۔ اس کے کردار کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ وہ سچا اور شریف ہے ـــــ شہنشاہ حبشہ نے پوچھا اس ہستی کے ساتھیوں میں کیسے لوگ ہیں امیر ہیں یا غریب ؟ ـــــ اس کے اجداد میں کوئی بادشاہ تو نہیں ہُوا ـــــ تو ابُوسفیان نے جواب دیا۔ کہ اُن کے اجداد میں کوئی بادشاہ نہیں ہُوا ـــــ ان کے ماننے والوں میں اکثر غریب اور غلام ہیں۔ شہنشاہ حبشہ نے کہا۔ اِن حالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ رسالت کی یہ دعویدار ہستی ـــــ نہ شہنشاہی چاہتی ہے۔ نہ حکمرانی نہ اقتدار کی ہوس ان میں ہے۔ نہ مال و زر کی خواہش۔ بلاشبہ یہ ہستی رسُول ہے ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں آپ کی ابتدائی چالیس سالہ زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ آپ کو وحی کی راہنمائی ابھی میسر نہ تھی۔ اِسی دور کا کردار آپ کی شخصیت کی ضمانت بنا ـــــ یہ آپ کا اس زمانہ کا کردار تھا جب کہ معاشرے کا کردار پست و ذلیل ہو چکا تھا۔ انسان بداخلاقی۔ فسق و فجور کا مجسمہ تھا ـــــ ماحول میں ـــــ زمین کے ایک ذرہ پر بھی حُسنِ اخلاق ـــــ حُسنِ کردار کی ایک رمق بھی پائی نہ جاتی تھی۔ جس سے کسی انسان کو حسنِ کردار کی تحریک ملتی ـــــ ہاں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عامی زندگی ـ مِنْ أَنْفُسِهِمْ کا ذاتی کردار تھا جو کسی تربیت سے حاصل نہ ہُوا تھا۔ یہی وہ کردار تھا۔ جس پر ـــــ مکّہ کے ان لوگوں نے۔ جو بدکرداری کا مجسمہ تھے ـــــ جن میں شراب۔ جوا۔ زنا۔ بے حیائی اور بدی معیوب نہ سمجھی جاتی تھی ـــــ وہ کسی نیک خصلت کو نہ پسند کرتے تھے۔ نہ نیکی کا ان کے ذہنوں میں کوئی تصور تھا ـــــ ایسی صورت میں ایسے لوگوں کا کسی خوبی سے متاثر ہونا ممکن نہ تھا ـــــ مگر ـــــ انہی لوگوں

نے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِسی کردار سے متاثر ہو کر آپ کا امین و صادق۔ شریف و حلیم ہونا تسلیم کیا ___ جہالت کے تصوّر میں۔ یہ سمجھنا قطعی غلط ہے کہ وہ لوگ عقل و خرد سے خالی تھے۔ نہیں۔ زمانہ کا تصوّر کیا جائے۔ تو یہ وہ لوگ تھے جن میں باکمال ادیب بھی تھے۔ شاعر بھی تھے۔ محقق بھی تھے۔ سپاہ گر بھی تھے۔ جرنیل بھی تھے۔ مدبر سیاست دان بھی تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن تک گذشتہ محققین لقمان۔ ارسطو۔ افلاطون۔ ارشمیدس کے تمام علوم ___ فلسفہ ___ علم ہیئت و نجوم۔ پہنچ چکے تھے۔ کمی تھی تو اخلاق حسنہ کی اور خیر و شر کی تمیز کا فقدان ___ مگر ___ ہاں! ___ یہ وہ آفتاب عالم تاب تھا ___ جس کی تجلّی کی شعاعوں سے کوئی ذہن ___ کوئی قلب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ___ مکّہ کے لوگوں کو یہ علم نہ تھا کہ یہ ہستی رسُول ہے۔ کہ اس رسولی حیثیت پر آپ کا تقدس و جہ شرافت و صداقت ہوتا ___ نہیں ___ صرف آپ کی عامی زندگی کا کردار ___ ہاں! بعدِ رسالت بھی ___ یہی کردار آپ کی رسالت کا ضامن ہُوا۔ کسی نے عمر بن ہشام (ابوجہل) جسے ابوالحکم بھی کہا جاتا ہے۔ ابوالحکم کے معنی "حکمت کا باپ" ___ سے پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ___ کیا تم تسلیم نہیں کرتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ___ سچّا ہے؟ اس نے کہا۔ مَیں تسلیم کرتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچّا ہے۔ تو پھر اس کے قول کو تسلیم کیوں نہیں کرتے۔ اس نے جواب دیا اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مَیں غلام کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہونا گوارا نہیں کرتا۔ یہی وُہ کردار ہے۔ جسے قرآن نے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پارہ ۲۱ سورۃ ۲۳ آیت ۲۱)

کے تصوّر میں بیان کیا ___ یہ عبادت و عمل نہیں ___ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی کا کردار و اسوہ ہے۔ یہی اسوہ حسنہ عالم امّت کے لیے مقرر ہُوا ___ اسی اسوہ حسنہ پر عالم امّت کے کردار کی بُنیاد مسلّم ہو سکتی ہے۔

حضورِ قبلہ عالم رح کی فضیلتِ نسبی

حضُور صلّی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ نبوّت و رسالت میں آپ کی شخصیت کے تسلیم میں اگرچہ کسی حکمرانی یا بادشاہت کا تصوّر نہیں ___ تاہم اس سے انکار نہیں ___ کہ آپ کی شخصیت

میں اعلیٰ نسبی کی خصوصیت کو دخل تھا ـــ کہ آپ کو صداقت وشرافت ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السّلام ـــ ذرّیت اسماعیل علیہ السّلام سے ورثہ میں ملی۔ کہ آپ قریش و ہاشم کے اعلیٰ نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ جس خاندان کی شرافت و نجابت تمام قوم عرب میں مسلّم تھی ـــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جنگِ احد میں پکار کر فرمایا ـــ

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

ہمارے دعوئے نبوّت میں جھوٹ کا شائبہ نہیں ـــ ہماری سچّائی کی دلیل ہماری نسبی برتری بھی ہے۔ ہم نسلِ عبد المطلب سے ہاشمی و قریشی ہیں۔ لہٰذا دعوئے صفاتِ نبوّت و ولایت میں ـــ نسبی شرافت کو بھی دخل ہے ـــ ایک مقتدر ہستی کے لیے اعلےٰ نسب ہونا بھی ضروری ہے۔ اگرچہ کسبی حیثیت میں وہ ادنیٰ درجہ ہی کیوں نہ رکھتا ہو ـــ حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبی شخصیت بھی عظیم تر تھی ـــ آپ کشمیر کے ایک گوجر قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کی اصل قبیلہ قریش سے تھی۔ قبیلہ قریش کے مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا شجرہ ملتا ہے ـــ اور حضرت دحیہ کلبیؓ کا شجرہ نسب پانچ پشتوں سے حضرت کعب علیہ السّلام سے جا ملتا ہے۔ حضرت کعب علیہ السّلام ـــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اجداد۔ قبیلہ قریش۔ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی ذرّیت سے ہیں ـــ

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اعلانِ رسالت کے بعد ـــ دحیہ کلبی بھی آپ پر ایمان لائے ـــ آپ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ کے ایمان لانے کی خوشی میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کی راہ میں ردائے[1] مبارک بچھا دی ـــ حضرت جبرئیل امینؑ اکثر اوقات

(فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا)

دحیہ کلبی کی شکل میں متمثل ہو کر دربارِ اقدس میں حاضر ہوتے تھے ـــ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کا مکہ کی معزز ترین شخصیتوں میں شمار ہوتا تھا ـــ آپ وجیہہ و خوبصورت تھے۔ اور علم و تدبّر میں بھی

---

[1] عرب کے دستور کے مطابق کسی شخص کے لیے اظہارِ عزّت افزائی اور خوشنودی کا مظاہرہ اپنی چادر (رداء) بچھانے سے کیا جاتا تھا۔

مکہ کی مدبر شخصیتوں میں سے تھے۔ آپ کا ایمان لانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعثِ مسرت ہوا ــــ آپ کی کنیت "کلبی" تھی۔ آپ مکہ کے امراء میں سیر و شکار کے بے حد شوقین تھے۔ آپ نے شکار کے لیے کُتّے پال رکھے تھے۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ بعض شخصیتوں کے القاب و کنیت۔ ان کی مخصوص صفات پر رکھے جاتے۔ جیسے حضرت عبدالمطلب ــــ کی کنیت شیبہ تھی۔ شیبہ کے معنی بوڑھا ــــ وہ اس لیے کہ آپ کے سر کے چند بال بچپن سے ہی سفید تھے۔ اِس صفت پر آپ کو شیبہ کے لقب سے پکارا جاتا ــــ اِسی طرح آپ کی کنیت۔ کتوں کے پالنے کی وجہ سے "کلبی" رکھی گئی ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ــــ دحیہ کلبیؓ اپنی شخصیت کے اعتبار سے پسندیدہ تھے۔ اس لیے آپ کے اسلام میں داخل ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفورِ مسرت میں آپ کے آگے اپنی ردائے مبارک بچھا دی۔ یہ آپ کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور عزت افزائی کا اظہار تھا سُبحان اللہ! ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مُبارک کا اعزاز ملنا۔ کائنات کا عظیم ترین اعزاز تھا۔! ــــ آہ! ــــ یہ وہ ردائے مقدس ہے۔ جس کی عظمت عرش ــــ سدرۃ المنتہیٰ ــــ سے بھی بلند ــــ جس کی ہوا کو ملائکہ کی قدسیت بھی نہ پا سکی۔ اس کی ہمسری۔ ملائکہ کے سردار جبرئیل بھی نہ کر سکے۔ جہاں سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جبرئیلؑ کو بڑھنے کی ہمت نہ ہُوئی ــــ کہا:

اگر یک سر موئے برتر پرم　　　فروغِ تجلی بسوزد پرم

وہاں

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ

کے مقام شاہانۂ نبوت پر انوار و تجلیات و تدلیاتِ الٰہی کو اِس ردائے مقدس نے اپنے میں سمیٹا ــــ جہاں تمام انبیاء صاحبِ مزمل صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء سے آگے نہ بڑھ سکے۔ وہاں یہ ردائے مقدس امام الانبیاء کے دوشِ اطہر پر چمک رہی تھی۔ شہنشاہِ کون و مکان کا علَم بن کر لہرا رہی تھی ــــ کہاں انبیاء کے سروں کا سایہ! ــــ کہاں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے لیے فرشِ راہ کا اعزاز ــــ کہاں حاملانِ عرش کا فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی گردِ نعلین کی تمنا! ــــ جب ہی تو حضرت جبرئیل امینؑ سردار ملائکہ کا آپ کی شبیہہ کے متمثل ہونا پسندیدہ ہُوا ــــ

یہ وہ اعلیٰ و ارفع مقام ہے۔ جو خاندان دحیہ کلبیؓ کو ورثہ میں ملا ــــ جس اعزاز پر اس خاندان کو فخر حاصل ہے۔ یہی نسبی فضیلت حضور قبلہ عالم حضرت الحاج مولوی محمد امینؒ کی ذاتِ عالی رحمۃ اللہ علیہ کو نسبی ورثہ میں ملی۔ جس شجرہ مقدسہ کے اشجار حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے فرزندِ اکبر حضرت عبداللہ بن دحیہ کلبی سے سلسلہ وار ــــ جناب عبدالجمال۔ جناب عبدالعارف جناب حافظ کمال۔ جناب حافظ مراد۔ جناب حافظ محمود۔ جناب میاں غازی۔ جناب حافظ رحمان۔ جناب حافظ شمس۔ جناب حافظ سریہ۔ جناب حافظ لکھن۔ جناب حافظ غلام۔ جناب میاں عمر۔ جناب میاں امیر۔ جناب میاں مالک۔ جناب میاں حاجی۔ جناب میاں موسیٰ۔ جناب میاں سنگر۔ جناب حافظ لقمان۔ جناب حافظ خوشحال۔ جناب حافظ شفیع۔ جناب حافظ قائم۔ جناب حافظ الیاس۔ جناب میاں شکر اللہ۔ جناب میاں نظام الدین۔ جناب میاں مراد۔ جناب چوہدری میاں پٹھانہ۔ جناب چوہدری میاں رانہ۔ جناب چوہدری میاں عبداللہ۔ جناب چوہدری محمد اسماعیل۔ جناب چوہدری برخوردار۔ جناب میاں رحمن۔ جناب چوہدری سائن۔ جناب چوہدری جیون۔ جناب میاں نصر۔ جناب میاں جمال۔ جناب میاں سلام۔ جناب میاں سیدا۔ جناب حبیب اللہ۔ جناب میاں تاج محمدؐ۔ جناب میاں کالا۔ جناب امام الدین۔ جناب رحیم الدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ اسی شجرہ مقدسہ کے بار آور ثمر جناب رحیم الدین کے فرزندِ جلیل۔ حضور پُرنور حضرت الحاج مولوی محمدؐ امین صاحب قریشی۔ قادری۔ قلندری۔ اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی ہے۔ جو اپنے خاندان کی وراثتِ خاصہ کے صحیح مظہر ثابت ہوئے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثتِ نبوت و رسالت کے حقیقی مظہر و وارث ــــ قرآن و شریعت و طریقت کے حامل۔ معنوی صوری فرزند اور آلِ عبا (ردا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیضِ حکمت کے بواسطہ قادری سلسلہ وارث ــــ اور ردائے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز یافتہ شہنشاہِ عشاق حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبوبیت کے وارث جنہیں۔ معنوی۔ صوری حیثیت میں ہر سہ جانب سے ردائے نبوت کا اعزاز و راثت میں عطا ہے۔ جنہوں نے مخلوقِ انسانی کے لیے حصولِ علم و عرفان۔ آسان کر دیا۔ جنہوں نے حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیضِ محبوبیت کو جو مدتوں طالبانِ حق کے لیے "عنقا" رہا ــــ عام کر دیا ــــ

حضورِ قبلہ عالمؒ کی ابتدائی تعلیم

حضورِ قبلہ عالم رحمۃُ اللہ علیہ کے آبا و اجداد کشمیر کے کوہستانی علاقہ شاردا۔ دراوہ میں پنجاب سے منتقل ہو کر کشمیر میں وارد ہُوئے۔ یہ قبیلہ زمینداری سے تعلق رکھتا تھا۔ نیز علاقہ دراوہ ایک دُور افتادہ ـــــ پہاڑی علاقہ تھا۔ جسے اس خاندان نے اپنی طبع کے مطابق پسند کیا۔ اور یہاں مستقل سکونت اختیار کی (اس کی تفصیل نہ مل سکی کہ اس خاندان کی کونسی ہستی تھی۔ جو پہلے اس علاقہ میں وارد ہُوئی) علاقہ دراوہ کشمیر کے دُور دراز پہاڑوں میں واقع ہے۔ جہاں انسانی آبادی کے لیئے آمد و رفت میں آسانی نہیں۔ اس اعتبار سے یہ علاقہ معاشی۔ تعلیمی اور تہذیبی حیثیت میں شہری زندگی کے مقابل پسماندہ تھا۔ اِس علاقہ میں یہی ایک خاندان تھا۔ جو اسلامی تہذیب اور اِسلامی تعلیم کو اپنے ساتھ لایا ـــــ حضورِ قبلہ عالمؒ کے والد محترم بھی وقت کے مشائخ صاحب بصیرت فقرا میں سے تھے۔ انہیں بھی یہ خصوصیت اپنے خاندان سے ورثہ میں ملی تھی۔ حضورِ قبلہ عالمؒ کی پرورش اور تربیت اپنے والد کے ہاتھوں ہُوئی۔ ابتدائی تعلیم میں قرآنِ کریم کی تلاوت اور چند فارسی کتب کی تعلیم بھی اپنے والد سے حاصل کی۔ لیکن قدرت نے جس امر کے لیے آپ کو منتخب کیا تھا۔ اِس کے لیے بِاالسِّینِ۔ چین کی حدود تک بادیہ پیمائی مقدر تھی ـــــ یہ ماحول آپ کی علمی تشنگی کو پُورا نہ کر سکا۔ چنانچہ فطری وجدان نے آپ کو کائنات کی وسعتوں میں پرواز پر اکسایا ـــــ آپ نے حصُولِ حق کے لیے مہاجر الی اللہ ہو کر وطن سے ہجرت کا فیصلہ کر لیا۔ اور طلبِ حقیقت پر والدین۔ عزیز و اقارب کی شفقتوں۔ اور زندگی کی آسودگیوں۔ آسائشوں کو قربان کر کے۔ حادثاتِ زمانہ کی مشکلات۔ مصائب و آلام اور حصُولِ علم میں دُشواریوں کو لبیک کہہ کر سفر کا آغاز کیا ـــــ والدین سے اجازت چاہی۔ آپ کے والد بھی صاحبِ علم صاحبِ بصیرت ہستی تھے۔ آپ پہلے ہی اندازہ کر چکے تھے کہ اِس معصُوم ذرّے میں ـــــ آفتابِ عالم تاب کی ضیائیں عالمِ شہود میں جلوہ گر ہونے کے لیے کائنات کی وسعتوں میں پھیلنے کے لیے وسعت چاہتی ہیں۔ جس کے لیے ہجرت اور سفر کے آلام سے جلا پانا لازمی سُنّت ہے۔ انہوں نے امید و بیم۔ غم و مسرّت کے ملے جُلے جذبات سے نکلے ہُوئے آنسوؤں سے الوداع کہی۔ اور آپ نے

کوہستانِ کشمیر کے گمنام پہاڑوں سے نکل کر ہندوستان کی وسیع وادیوں کی طرف سفر کا آغاز کیا۔۔۔۔۔ ابتدائی منزل میں اُتر کر ضلع ہزارہ (صوبہ سرحد) میں قیام فرمایا۔ غالباً یہ ۱۹۲۰ء (انیس سو بیس عیسوی) کا زمانہ تھا۔ صوبہ سرحد۔ پنجاب اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں۔۔۔۔ علومِ اسلامی کی درس و تدریس کے لیے دینی درسگاہیں۔ علمائے اسلام کی زیرِ نگرانی قائم تھیں۔ جہاں طالبانِ علم کو۔ دینی تعلیم سے متعلق۔ قرآن و حدیث۔ فقہ۔ منطق۔ معقول۔ تاریخ۔ حکمت و فلسفہ وغیرہ کا درس دیا جاتا تھا۔ حضورؒ قبلہ عالمؒ نے ضلع ہزارہ سے ہی تعلیم کی ابتدا کی۔ جہاں مسجدوں میں بھی غربار۔ مساکین یتیم طلباءؑ کو تعلیم دی جاتی تھی۔ ابتدائی دَور میں چند عربی فارسی کتب کی تعلیم حاصل کی۔ ضلع ہزارہ کے مدرسوں میں تعلیم محدود تھی۔ چنانچہ آپ نے یہاں قرآن کریم کی تلاوت۔ قرأت۔ تجوید اور مزید چند فارسی کتب سے استفادہ کر کے پنجاب کا رُخ کیا۔ یہاں بھی چند اُستادوں سے استفادہ کر کے وسطِ ہند۔ ریوپی) میں دہلی امروہہ۔ دیوبند اور مختلف شہروں میں مشہور اساتذہ سے سبق لیا۔ اِس زمانہ میں مسلمانانِ ہند اور خصوصاً اکابرین علمائے اسلام میں دینی تعلیم کے اجرار کا پورا جذبہ موجود تھا۔ مسلمانوں میں مخیّر حضرات دینی تعلیم کے اجرا میں درسگاہوں کی مالی امداد بہم پہنچاتے۔ جن میں ہندوستان میں مسلمان والیانِ ریاست خصوصاً نظام حیدر آباد میر عثمان علی خان علیہ الرحمۃ نے اِسلامی درسگاہوں کے لیے اپنی دولت کے خزانوں کے مُنہ کھول رکھے تھے۔ اپنی ذات کے لیے موصوف نے حد درجہ سادگی اختیار کر رکھی تھی۔ سادہ خوراک استعمال کرتے۔ معمولی کپڑے استعمال کرتے۔ یہاں تک کہ موسم سرما میں اوڑھنے کا کمبل تین روپے میں استعمال شدہ خرید کر استعمال کرتے۔ اور جہاں کسی درسگاہ کے عالم نے مدرسہ کے لیے امداد کی فرمائش کی تو یہ رقم لاکھوں روپوں میں ایثار فرماتے۔ ہندوستان کی درسگاہیں ایسی ہی امداد پر چلتی تھیں۔ چنانچہ اِسی امداد پر ہندوستان کے بیشتر شہروں میں۔ جملہ علومِ دینی کی تعلیم عام تھی۔ حضورؒ قبلہ عالمؒ نے ایسی ہی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ جہاں تعلیم کے ساتھ نادار طلبار کے لیے۔ کھانے۔ رہائش کا انتظام بھی میسّر ہوتا۔ حضور قبلہ عالمؒ حد درجہ ذہین تھے۔۔۔۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ درسگاہوں میں ذہنی صلاحیت اور قابلیت پر داخلہ ملتا تھا۔ آپ کی قابلیت پر آپ کو ہر درسگاہ میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا اور خوراک و رہائش کی سہولت مہیا کی جاتی۔۔۔۔ اور وظیفہ بھی دیا جاتا۔۔۔۔ اساتذہ آپ پر خصوصی توجہ دیتے۔ حضورؒ خود اپنی تعلیم

میں پوری دلچسپی اور مشقت و محنت سے کام لیتے ——— ذہن رسا تھا۔ اس لیے آپ کو حصولِ تعلیم میں دقت پیش نہ آئی۔ آپ زیادہ تر وقت تنہائی میں تعلیم پر صرف کرتے ——— دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں جو بھی فراغت کا وقت میسر آیا۔ آپ نے تعلیم میں صرف کیا۔ آپ اکثر راتوں کی تنہائی میں مطالعہ میں مشغول رہتے۔ آپ کی علمی مشغولیت کے مدِ نظر اساتذہ بھی دل کھول کر علمی

لہ حضور قبلہ عالمؒ کے مریدوں میں اکثر تمباکو۔ سگریٹ نوشی کے عادی تھے۔ وہ لوگ حضور کی موجودگی میں بلا جھجک سگریٹ تمباکو استعمال کرتے لیکن آپ کسی شخص سے تعرض نہ فرماتے۔ بعض غیر واقف لوگ اس حرکت کو بُرا محسوس کرتے۔ لیکن حضور ایسی حرکت کو اہمیت نہ دیتے۔ آپ خود بھی نسوار استعمال کرتے تھے۔ دیوبندی حضرات اس پر اعتراض کرتے۔ لیکن حضور ایسی باتوں پر توجہ نہ فرماتے۔ اس سلسلہ میں ایک دن اپنے نسوار استعمال کرنے کا ایک واقعہ سنایا کہ آپ نے نسوار کیسے شروع کی۔ فرماتے ہیں کہ دورانِ تعلیم ایک درسگاہ میں۔ آپ کے ساتھ اور بھی طالب علم تھے جو رات کو مطالعہ میں دیر تک مشغول رہتے۔ لیکن حضور پر نیند غالب آجاتی اور زیادہ دیر مطالعہ نہ کر سکتے۔ آخر ایک طالبعلم سے پوچھا کہ تم لوگ رات کو مطالعہ کرتے رہتے ہو۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ دیر تک مطالعہ کروں مگر مجھ پر نیند غالب آجاتی ہے۔ اس طالب علم نے کہا رات آپ ہمارے ساتھ مطالعہ میں شامل ہوں ——— رات جب حضور ان کے ساتھ شریک ہوئے تو طالب علم نے نسوار کی ایک چٹکی مُنہ میں ڈال دی۔ ——— چٹکی کا مُنہ میں ڈالنا تھا کہ آپ کا سر چکرانے لگا۔ مُنہ کڑوا ہو گیا۔ حضور اس کی اس حرکت سے ناراض ہو گئے۔ طالب علم نے ہنس کر کہا ——— یہی وہ نسخہ ہے ——— جس سے ہم نیند پر قابو پاتے ہیں۔ اب آپ دیر تک نہ سو سکیں گے۔ تھوڑی دیر بعد سر چکرانا موقوف ہُوا ——— اور نیند کا غلبہ بھی نہ ہُوا دوسرے دن پھر نسوار کی چٹکی لی جس سے نیند کا غلبہ کم ہُوا۔ رفتہ رفتہ یہ ترکیب کارآمد ثابت ہوئی۔ اب حضور قبلہ عالم نے بھی نسوار کی ڈبیا رکھ لی۔ ایک چٹکی مُنہ میں ڈالی اور اطمینان سے مطالعہ میں مشغول رہے۔ اِسی طرح آپ نسوار کے عادی ہو گئے۔ ذہن نے ذرا تھکاوٹ محسوس کی۔ آپ نے چٹکی بھر لی۔ ذہن حاضر ہو گیا۔ فرمانے لگے یہ عادت ناقص تو تھی۔ مگر اس ناقص چیز نے ہمیں مطالعہ میں کافی مدد دی۔ ذہن اس کا عادی ہو گیا۔ جب کبھی ذہن پر بوجھ ہُوا۔ چٹکی لے لیتے ہیں تو کسی حد تک (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حقائق سے انہیں آراستہ فرماتے۔ حضور کی استعدادِ علمی کا یہ عالم تھا کہ دقیق مسائل پر آپ کو عبور حاصل ہُوا۔ امتحانی مقابلوں میں آپ اپنے علمی سوالات کا ایسا اجتہادی حل پیش کرتے کہ خود اساتذہ آپ کی ذہانت کی داد دیتے۔ قدرت نے آپ کو القائی قوت عطا فرمائی تھی۔ جیسے آپ کے ذہن میں غیب سے علم آتا ہو۔ اِس وجہ سے اساتذہ آپ سے عزت و شفقت سے پیش آتے۔ حضور کو علم سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا۔ علمی نصاب میں مختلف علوم کی کتابیں ہوتیں۔ جن میں۔ اس زمانہ میں بھر نصاب۔ ہر قسم کے علم کے لیے جلیل القدر ماہرین استاد علیٰحدہ علیٰحدہ کتابیں بھی درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور کو جہاں کسی جیّد عالم کا علم ہُوا۔ آپ اس کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حصولِ تعلیم میں ـــــ اساتذہ طالب علم کو ذہنی استعداد کے مطابق پڑھایا کرتے تھے۔ جس میں کم قوت دیکھی اسے اس کی ذہنی استطاعت کے مطابق علم دیا۔ جہاں کسی طالب علم میں ذہنی وسعت دیکھی تو اُسے اس کی ذہنی وسعت کے مطابق دقیق علمی حقائق سمجھاتے۔ حضور قبلہ عالم کو یہ شرف حاصل تھا کہ آپ کو استاد اس طرح پڑھاتے جیسے ایک عالم دوسرے عالم کے سامنے علمی حقائق پیش کرتا ہو۔

(بقیہ حاشیہ صا۵ :) سکون محسوس ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم نے اس بدعت کو مفید سمجھ کر قبول کر لیا۔ یہ بات ہے کہ سوائے وقتی مفاد کے ہمیں اس سے کوئی مضرت نہیں۔ آپ کے نسوار استعمال کرنے کا ایک خاص انداز تھا۔ کبھی دورانِ گفتگو جب آپ وعظ فرماتے۔ ذہنی تھکاوٹ محسوس کی۔ ایک چُٹکی مُنہ میں سامنے کے دانتوں میں چند منٹ رکھ کر تھوک دیتے۔ اور ساتھ ہی پانی منگا کر دانت صاف کر لیتے۔ نسوار کی آلائش دانتوں میں نہ رہنے دیتے۔ نہ آپ کے دانتوں سے یہ ظاہر ہوتا کہ آپ نسوار استعمال کرتے ہیں۔ حضور اپنے مریدوں کی ایسی ناقص عادتوں پر نہ تعرض فرماتے نہ انہیں اہمیت دیتے آپ کا قول تھا کہ نسبتِ پیر۔ نسبتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "رُوح سے رُوح کا رابطہ" قائم رکھو ــــ فرماتے ہیں۔ یہ اصول ہے کہ نور نار پر غالب ہوتا ہے۔ اور نار خاک پر غالب ہوتی ہے۔ نسبتِ پیر سے نوری رُوح کو تقویت ملتی ہے۔ اگر جسم میں کوئی ناری۔ خاکی قوت داخل ہو تو نور اسے جلا کر اثر باقی نہیں رہنے دیتا۔ نار و خاک مشاہدۂ نوری میں فرق ڈالتے ہیں۔ جس کی نوری نسبت قوی ہو اس کے مشاہدہ میں ایسی ناقص چیزوں سے فرق نہیں آتا ہے ــــ نہ عبادتیں ایسی کیفیتوں سے متاثر ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا نورالزّماں شاہؒ صاحب سے تحصیلِ علم

اس زمانہ میں ہندوستان کے مشہور اکابرینِ اسلام میں مولانا محمدؐ قاسم نانوتوی کے شاگرد، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی مشہور جیّد علماء میں سے تھے۔ جن کی سرپرستی میں ہندوستان کی درسگاہوں میں علومِ دینی کا اجراء ہوتا تھا۔ اِن مقدّس ہستیوں سے حضور قبلہ عالمؒ کو علمی فیض حاصل کرنے کا موقع ملا ـــــ بالآخر مختلف مقامات میں زمانہ کے جیّد علماء سے علم حاصل کرتے۔ آپ دارالعلوم امروہہ تک پہنچے۔ دارالعلوم امروہہ بھی حضرت محمدؐ قاسم نانوتوی رحمۃُ اللہ علیہ کے شاگردوں کے زیرِ نگرانی چل رہا تھا۔ اِس زمانہ میں ہندوستان میں اِسلامی درسگاہوں میں دارالعلوم دیوبند۔ دارالعلوم امروہہ مشہور درسگاہوں میں سے تھے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے دارالعلوم دیوبند میں بھی داخل ہو کر علمی سند حاصل کی۔ یہاں سے فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم امروہہ میں داخلہ لیا ـــــ اِس دارالعلوم میں اِن علماء کے سرِ ـــ مشہورِ زمانہ عالم حضرت مولانا محمد نورُالزّمان شاہ صاحبؒ بھی تھے۔ جن کی زیرِ نگرانی دارالعلوم امروہہ چل رہا تھا۔ آپ کی علمی شہرت سن کر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے آپ کو دارالعلوم کی نگرانی کی دعوت دی۔ جو آپ نے قبول فرما کر اس کی سرپرستی اپنے ذمہ لی۔ آپ کو جملہ علومِ دینی پر کلّی عبور حاصل تھا۔ اعلیٰ حضرت مولانا سیّد نورُالزّمان شاہ صاحبؒ کو علومِ دینی کے علاوہ علومِ باطنی میں یکتائے روزگار علمائے باطنی میں اُونچا مقام حاصل تھا۔ ابتداً آپ علمِ طریقت کے قائل نہ تھے۔ لیکن قدرت نے آپ کو اِس علم کے اجراء کے لیے ازلی طور پر منتخب کیا تھا۔ آپ نے دورانِ مطالعہ قدیم اولیاء کے مکتوبات کا مطالعہ کیا۔ جس میں تزکیہ نفس۔ تصور و مراقبہ کے اشتغال کا ذکر ـــــ اور عالمِ باطنی کے اسرار و معارف کی کیفیات کا ذکر تھا۔ آپ نے فطری تحریک کے تابع اِس علم پر توجّہ دی ـــــ اور بغیر کسی راہنمائی کے تصوّر و مراقبہ شروع کیا ـــــ شرعی اعتبار سے آپ مزکّی قلب رکھتے تھے۔ دورانِ مراقبہ آپ پر کیفیاتِ نوری کا نزول ہونا شروع ہُوا ـــــ اِسی مشاہدہ میں آپ کو حضوریٔ شہنشاہِ کونین حضرت

محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی۔ آپ جاگتی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اِس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک مجذوب ولی نقشبندی شاہ مظفر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا ـــــ حضرت عالی جاہ شاہ صاحب کی سکونت موضع کوٹ چاندنہ" کالاباغ" ضلع میانوالی ـــــ ماڑی انڈس سٹیشن کے قریب تھی۔ یہ جگہ دریائے سندھ کی گذرگاہ تھی۔ اِسی جگہ حضرت شاہ مظفر صاحبؒ کا مسکن تھا۔ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق آپ ـــــ حضرت شاہ مظفر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ مظفر صاحب "چُپ فقیر" کے نام سے مشہور تھے۔ آپ مجذوب حالت میں کسی سے کلام نہ کرتے تھے۔ عالی جاہ شاہ صاحب آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے تھے۔ عالی جاہ شاہ صاحب کو دیکھ کر آگے تشریف لائے۔ فرمایا۔ مَیں آپ کا منتظر تھا ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کے متعلق اطلاع فرمائی ہے۔ آپ کو جھونپڑی میں بٹھا کر توجّہ دی ـــــ جس سے آپ کا مشاہدہ صاف ہوگیا۔ حضرت شاہ مظفر صاحبؒ نے فرمایا ہمارے ذمّہ اتنا ہی کام تھا۔ اب آپ علاقہ سندھ میں قصبہ اروڑ میں حضرت شاہ محمد عارف صاحبؒ کی خدمت میں جا کر سلسلہ اویسیہ کی بیعت لیں۔ چنانچہ عالی جاہ شاہ صاحب۔ حضرت شاہ محمد عارف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ تو آپ کو بھی اپنا منتظر پایا۔ عارف صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ آپ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمیں اطلاع ملی ہے۔ حضرت شاہ محمد عارف صاحبؒ نے انہیں بیعت میں لیا۔ عالی جاہ۔ حضرت شاہ عارف صاحب کی خدمت میں رہ کر ایک غار میں اکثر چلہ کش رہے۔ حضرت شاہ صاحب نے آپ کو اپنی تربیت میں لے کر جُملہ علومِ باطنی سے مزیّن فرما کر۔ آپ کو مراتبِ الٰہی کی فنا و بقا کے ذاتِ الٰہی میں اکمل فرما کر خلافتِ اویسیہ عطا کی۔ اس طرح آپ کو علمِ ظاہری کی کمالیت کے ساتھ علمِ باطنی میں بھی اکملیت کا مقام عطا ہُوا۔ حدیث ہے۔

"جو شخص جس چیز کی طرف ہجرت کرتا ہے۔ وہ اسے پاتا ہے۔"

ابرِ نیساں سے نکلا ہُوا ـــــ ایک قطرہ ـــــ جب پہاڑوں کی چٹانوں سے ٹکراتا ـــــ حادثات کی ندیوں سے ہمکنار ہُوا ـــــ اِس معصوم قطرے میں اپنے منبعِ حقیقی ـــــ بے پایاں سمندر سے ـــــ وصال کی شدّت سے تڑپ تھی ـــــ یہ قطرہ ـــــ ندیوں نالوں ـــــ دریاؤں

سے سر ٹکراتا ـــــ وقت کے دھارے میں بہتا ـــــ کبھی پتھروں سے ٹکراتا ـــــ کبھی دریا کی پہنائیوں میں ڈوبتا ـــــ اُبھرتا ـــــ صحراؤں کے دل چیرتا ـــــ منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ اِس معصوم قطرے میں بلا کا طوفان سمایا تھا ـــــ جو اسے آخر اس صدف تک لایا ـــــ جو اِس قطرے کے انتظار میں۔ مدتوں مُنہ کھولے تھا۔ اِس قطرے نے اپنی آغوش پالی ـــــ جس آغوش نے اِس مضطرب قطرے کو سکون بخش کر اسے گوہر آبدار کی شکل دی۔ یہ صدف اِس بحرِ محیط کا گوہر ساز برتن تھا۔ جس کے بغیر گوہرِ آبدار بننا ممکن نہیں ـــــ بغیر پیرِ اکمل کی فنا کے ـــــ وصالِ حق حاصل نہیں کیا جا سکتا ـــــ حضور قبلۂ عالمؒ اپنے مقصود کے قریب پہنچ گئے۔ جس مقصد کے لیے قدرت نے انہیں پیدا کیا تھا۔ عالی جاہ مولانا محمد نُورالزّمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت نے آپ کی پنہاں خوبیوں کو پہچانا ـــــ اور آپ کی تعلیم پر خصوصی توجہ فرمائی ـــــ حضور قبلۂ عالمؒ کی بصیرتِ پنہاں نے بھی ـــــ اِس خزینۂ عطر بیز کی خوشبو پالی ـــــ آپ نے بھی حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی مصاحبت کا مستقل ارادہ کر لیا۔ حضور قبلۂ عالمؒ کے دل میں تلاشِ حق کی تڑپ مچل رہی تھی ـــــ اِسی تڑپ نے تو ـــــ آپ کو کم سنی کی حالت میں والدین کی شفقتوں ـــــ وطن کی آسائشوں کو خیرباد کہہ کر قریہ قریہ ـــــ شہر شہر ـــــ ملک ملک ـــــ بادہ پیمائی پر اکسایا ـــــ یہاں پہنچ کر اِس آفتابِ عالم تاب کی ایک جھلک نے آپ کے مضطرب قلب میں سکون پیدا کر دیا آپ کو اپنی تمناؤں کے بار آور ہونے کی اُمید بندھی ـــــ آپ حضرت عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں کمربستہ ہو گئے ـــــ اعلیٰ حضرت شاہ صاحب نے نہایت شفقت و محبت سے آپ پر توجہ فرمائی۔ اور حصولِ علم میں کشادہ دلی سے ـــــ آپ کی راہنمائی فرمائی ـــــ

حضرت مولانا نُورالزّماں شاہؒ صاحب سے بیعت

حضور قبلۂ عالم فرماتے ہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ کسی طرح علم ظاہری کے ساتھ علمِ باطنی بھی آپ سے حاصل ہو۔ لیکن دل میں یہ طے کر لیا کہ حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ خود مجھے ارشاد فرمائیں۔ آخر ایسا ہی ہُوا ـــــ ایک دن حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ درس دے رہے تھے۔ مجلس میں بہت سے طلباء درس لے رہے تھے۔ حضور قبلۂ عالمؒ ایک کونہ میں بیٹھ کر درس سُن

رہے تھے۔ درس سے فراغت پاکر۔ عالی جاہ شاہ صاحبؒ نے آپ کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا۔ ایک طالب علم سے فرمایا۔ اِس چھوکرے کو ہمارے پاس لاؤ ___ حضور قبلہ عالمؒ بصد شوق و نیاز خدمت میں پیش ہوئے۔ آپ نے حضور پر نظر ڈالی ___ اور درُود شریف کی تلقین فرمائی ___ ہاں! معرفت کے خزانوں کی کنجی آپ کو سونپ دی ___ یہ وہ وقت تھا جب حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نئے دَور کا آغاز کیا۔ اور تلاشِ حق کی جستجو میں غوطہ زن ہو گئے۔ اس طرح حضور قبلہ عالمؒ نے علمِ ظاہری کے ساتھ تصوّر و استغراق کا شغل جاری رکھا۔ حضُور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں۔ اِس علم میں حد درجہ لذّت تھی ___ تصوّر و استغراق میں ایک سرور حاصل ہُوا ___ اور اب بغیر حصُولِ علم ___ اور مشاہدہِ علم ___ کسی شے پر طبیعت مائل نہ رہی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ بیشتر وقت مسجد کے گوشہ تنہائی میں۔ مراقبہ میں مشغول ہو جاتے ___ اِس کے ساتھ ہی۔ آپ پر اسرارِ باطنی کے دروازے کھُلنے لگے ___ حضور فرماتے ہیں کہ ہم نے حصُولِ طریقت میں ___ شدید محنت کی ___ یہاں تک کہ شدّت کی جھُلسا دینے والی گرمی میں مسجد میں مراقب ہوتے۔ تو گرمی کی شدت سے آپ کے جسم سے پانی کی طرح پسینہ بہتا اور جسم کی کھال اُتر جاتی ___ اِس حال میں بھی مراقبہ سے ہٹنے کو جی نہ چاہتا۔ کھال اُترنے کی وجہ سے جسم پک جاتا ___ اور سخت جلن رہتی ___ لیکن مشاہدہ کی لذت ہمیں اِس طرف رجُوع کرنے پر مجبُور کر دیتی ___

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دَورِ طالب علمی میں انتہائی مشقّت سے علم حاصل کیا ___ کم سنی کا زمانہ ___ غریب الوطنی ___ محتاجی ___ بے سرو سامانی کی حالت میں حصولِ علم کی لگن میں ___ اپنی سعی و جہد میں کبھی فرق نہ آنے دیا ___ لباس بوسیدہ پیراہن میں پیوند ___ فاقہ ___ سفرِ دراز کی صعوبتیں ___ اور حصُولِ معرفت میں محنتِ شاقہ۔ یہ خصوصیات آپ کی بلند ہمتی اور پُرعزم استقلال ___ اور اولوالعزمی کی مظہر تھیں۔ آپ مجسّم محنت تھے ___

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ؕ (پارہ ۳۰ سورہ ۸۴ آیت ۶)

اے انسان تو مجسّمِ محنت ہے۔ طرف اپنے رب کی محنت کرنے کے ___ پس تو نے اللہ سے وصال پاتا ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ اِس آیت کے کامل نمونہ تھے ___

نابینا اُستاد کی مرتے دَم تک خدمت

حضور قبلہ عالم اپنے تعلیمی زمانہ کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں ـــــ غالباً یہ پوٹھوہار (راولپنڈی) کا واقعہ ہے۔ ابتدائی زمانہ میں یہاں ایک اُستاد سے ایک درسی کتاب پڑھنے کے لیے آئے۔ اُستاد علومِ دینی کے عالم تھے۔ ان کے ہاں اور بھی طالب علم درس لیتے تھے۔ اُستاد صاحب مجرد تھے۔ طالب علم ان کا کام کاج بھی کرتے۔ کھانے پینے کے لیے خیرات سے کچھ ملتا۔ گھر پر ہی پکا کر کھا لیتے اور کچھ گھر والوں سے کھانا مل جاتا۔ ایک دن گھر میں کھانا پکانے کے لیے لکڑی موجود نہ تھی۔ اُستاد نے طالب علموں کو ـــــ نزدیک ہی ایک زیارت سے لکڑی کاٹ کر لانے کے لیے حکم دیا۔ طالب علم زیارت سے لکڑی کاٹ کر لائے۔ اور کھانا پکایا۔ دوسرے دن صبح اُستاد اُٹھے تو اچانک ان کی بینائی جاتی رہی ـــــ طلباء نے قیاس کیا کہ زیارت سے لکڑی کاٹنے پر ولی ناراض ہو گئے۔ زیارت میں مدفون ولی نے۔ اُستاد صاحب کی بینائی سلب کی۔ اُستاد صاحب نے اس قیاس پر اتفاق نہ کیا۔ کچھ دیسی دوا استعمال کی۔ چند دن بعد بینائی واپس آگئی ـــــ کچھ دنوں بعد پھر لکڑی کی ضرورت پڑی تو اُستاد صاحب نے پھر زیارت سے لکڑی کاٹ کر لانے کے لیے طلباء سے کہا۔ طلباء نے اُستاد سے کہا کہ زیارت سے لکڑی نہ لائیں۔ ولی ناراض ہوں گے۔ مبادا پھر آپ کی بینائی جاتی رہے۔ مگر اُستاد صاحب اس بات پر بضد رہے۔ طلباء زیارت سے لکڑی کاٹ کر لائے۔ رات کھانا پکایا۔ دوسرے دن اچانک اُستاد صاحب کی بینائی ضائع ہو گئی۔ بہت دوا کی۔ مگر پھر بینائی واپس نہ آئی۔ اُستاد صاحب نے بہت دُعا کی، فاتحہ پڑھی۔ مگر بینائی ایسی گئی کہ اُستاد صاحب مستقل نابینا ہو گئے۔ اور درس دینے سے رہ گئے۔ حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں۔ اس حالت کو دیکھ کر ہم پریشان ہو گئے۔ آہستہ آہستہ سب طالب علم اُستاد صاحب کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے ـــــ یہ حالت دیکھ کر حضور قبلہ عالمؒ نے فیصلہ کر لیا کہ اس بے کسی کے عالم میں اُستاد کو تنہا چھوڑنا ـــــ مناسب نہیں۔ آپ نے خود اُستاد کی خدمت اپنے ذمہ لی ـــــ اور جس طرح بھی ہُوا۔ محنت مزدوری کر کے۔ یا رات گھروں سے کھانا مانگ کر اُستاد کو کھلاتے۔ اور خود بھی کھاتے۔ نابینا اُستاد کو سبق سُنا کر

ان سے شرح پوچھ لیتے۔ اسی حالت میں مہینوں گذرے آپ اُستاد کی خدمت میں مستعد رہے۔ آپ ان کے کپڑے دھوتے۔ جھاڑو دیتے۔ بستر لگا دیتے۔ وضو کراتے پانی لاتے۔ گھر کا تمام کام کرتے۔ کچھ عرصہ بعد اُستاد صاحب بیمار ہو گئے۔ تو حضور پر ان کی تیمارداری کا بھی بوجھ آن پڑا۔ آپ اُستاد صاحب کو اُٹھاتے۔ باہر لے جا کر رفع حاجت کراتے۔ جب نقاہت بڑھ گئی اُستاد صاحب چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے۔ تو حضور حجرے میں ہی انہیں بٹھاتے۔ اور ان کا پاخانہ باہر پھینک آتے۔ رات دن ان کی خدمت میں جاگتے رہتے۔ بیماری طویل ہو گئی۔ مگر حضور قبلہ عالمؒ نے اُستاد صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ قدرت نے آپ کو اس ذمہ داری سے فارغ کر دیا۔ اُستاد صاحب وفات پا گئے۔ حضور نے ان کی تجہیز و تکفین کی اور یہاں سے فارغ ہو کر رخصت ہو گئے۔ بالآخر حضور قبلہ عالمؒ کو عالی جاہ شاہ صاحب کی نسبت میسّر آئی۔ اور آپ نے ان کی مستقل صحبت اختیار کی ــــــ

فراقِ شیخ کی تڑپ

حضور قبلہ عالمؒ نے عالی جاہ شاہ صاحب کی صحبت میں عجیب و غریب واقعات کا ذکر فرمایا ــــــ جس میں آپ کی جبلی صفاتِ علیا۔ آپ کے علمی کمال۔ اور طریقت میں پیر سے نسبت و مصاحبت کا اظہار ہوتا ہے ــــــ حضور فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ تھا جب عالی جاہ شاہ صاحبؒ امروہہ یونیورسٹی کے نگران تھے۔ آپ کی نگرانی کا دائرہ وسیع تھا۔ دہلی دیوبند اور مختلف شہروں کے دینی مدارس کی نگرانی کے سلسلے میں دورہ فرماتے۔ آپ ہر جگہ ان کی خدمت گذاری میں ساتھ رہتے۔ حضور کو حضور عالی جاہ سے والہانہ عشق ہو چکا تھا۔ ایک دفعہ عالی جاہ شاہ صاحب دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی میں ایک جید عالم سے ملاقات ہوئی ــــــ وہ کسی مخصوص مضمون میں درس دیا کرتے تھے۔ حضور عالی جاہ شاہ صاحبؒ نے۔ حضور قبلہ عالمؒ سے فرمایا کشمیری ان دنوں ہم بہت مصروف ہیں۔ تم اِن عالم سے اپنی درسی کتاب کا سبق لو ــــــ یہ اس کتاب کے مضمون میں ہندوستان بھر میں کامل درس دیتے ہیں۔ اس لیے اِن سے اس کتاب کی تکمیل کرو۔ ہم واپس امروہہ جاتے ہیں۔ فارغ ہو کر ہمارے پاس چلے آنا۔ حضور ــــــ عالی جاہ

شاہ صاحبؒ کی صحبت سے علیحدہ نہ ہونا چاہتے تھے۔ مگر پیر کے حکم سے روگردانی کی جرأت بھی نہ کر سکے۔ مجبوراً خاموش ہو گئے۔ اِسی اثنا میں عالی جاہ شاہ صاحبؒ امروہہ تشریف لے گئے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے اُستاد سے سبق لینا شروع کیا۔ مگر آپ کے ذہن نے اُستاد کے ایک حرف کو قبول نہ کیا۔ ایسے لگا جیسے دماغ ماؤف ہو گیا ــــ کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ دل میں بے چینی شروع ہوئی۔ بار بار عالی جاہ کا تصور سامنے آتا۔ سبق پر دھیان نہ لگا۔ گُم سُم ہو گئے۔ تین چار دن دل کو بہلانے کی کوشش کی مگر صبر کا دامن لبریز ہو گیا۔ عالی جاہ کی محبت نے سینہ میں جوش مارا ــــ فیصلہ کر لیا۔ کہ سبق چھوڑ کر ان کی خدمت میں پہنچ جائیں۔ بے قراری میں سٹیشن کی طرف بھاگے۔ اور ریل میں سوار ہو کر امروہہ کا رُخ کیا۔ زادِ سفر سوائے چند پیسوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ چھ پیسوں کے چنے لے کر رکھ لیے۔ ریل روانہ ہو گئی۔ فراق کی شدت اتنی تھی ــــ کہ طویل سفر کا فاصلہ بھی ناقابلِ برداشت ہُوا۔ مجبُوراً ایک شہر میں۔ ریل سے اُتر گئے۔ طبیعت پر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔ شہر کی کسی مسجد میں چلے گئے۔ جیسے برسوں کا بیمار۔ ناتوانی کی حالت میں نڈھال ہو ــــ جوں جوں رات قریب ہوتی گئی۔ حضور کی بے چینی بڑھتی گئی۔ حضور فرماتے ہیں۔ کہ عالی جاہ شاہ صاحبؒ کا فراق ہمارے لیئے ناقابلِ برداشت تھا۔ ہم نے محسوس کیا کہ فورِ جذبہ سے کہیں جسم پھٹ کر خون نہ بہہ نکلے ــــ سر سے پگڑی اُتار کر پھاڑ دی اور اپنے بازو اور سینہ کس کر باندھ دیئے۔ دُوسرے دن پھر ریل میں سوار ہو گئے ــــ ریل منزل کی طرف جارہی تھی۔ ہم امروہہ اسٹیشن پر اُترے۔ اور اِس حالت میں حضور کی خدمت میں پیش ہُوئے ــــ عالی جاہ شاہ صاحبؒ نے آپ کی حالت دیکھ کر فرمایا کشمیری یہ تمہاری حالت کیا ہو گئی۔ تمہیں تو ہم دہلی چھوڑ آئے تھے۔ حضوُر نے عرض کی کہ حضور ہم سے آپ کی جُدائی برداشت نہ ہو سکی مجبوُراً دہلی چھوڑ کر آیا ہوں۔ مَیں آپ کی صحبت کے بغیر نہیں رہ سکتا ــــ مجھے اب علم کی ضرورت نہیں صرف اپنے قریب رہنے دیں۔ اب یا تو مجھے بے حال کر دیں ــــ کہ یہ بار مجھ سے اُٹھایا نہیں جاتا ــــ یا مجھے باحال کر دیں۔ کہ مَیں ''فنا'' ہو جاؤں۔

ویران مقبرے میں خلوت اور تکمیل ولایت کی خوشخبری

اعلیٰ حضرت آپ کا حال دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ فرمایا کشمیری ـــ جنگل میں چلے جاؤ ـــ اور خلوت میں بیٹھو ـــ! حضور قبلہ عالم اسی حالت میں اُٹھے اور سیدھے جنگل کی راہ لی ـــ راستہ میں ایک مسجد سے پانی کا ایک کوزہ بھر کر ساتھ رکھ لیا۔ جنگل میں ایک پُرانا مقبرہ دیکھا۔ جس میں صرف ایک قبر تھی۔ پاس التحیات کی صورت میں بیٹھنے کی جگہ تھی۔ آپ اسی مقبرہ میں داخل ہو گئے۔ غم فراق سے بدن چُور چُور تھا۔ طویل سفر ـــ فاقہ ـــ بے چینی سے نڈھال۔ اِسی حالت میں مراقب ہو گئے۔ شام ہوئی تو بچے ہوئے چنے کھا کر پانی پی لیا۔ اور پھر اسی حالتِ مراقبہ میں رات گذری ـــ دن گذرا ـــ شام افطار کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ کوزے سے پیٹ بھر کر پانی پی لیا۔ اور پھر مراقبہ میں رات گذری ـــ دن گذر گیا۔ پھر پانی سے افطار کیا۔ مگر کئی دنوں کے فاقہ کی وجہ سے نقاہت بڑھ گئی ـــ حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں تقریباً رات کا ابتدائی حصّہ تھا۔ کہ ہم پر یکسر غشی طاری ہونے لگی۔ حواس جواب دے گئے۔ اعضا بھی حرکت چھوڑنے لگے۔ ہم سمجھے کہ جان جسم عنصری سے نکل گئی۔ موت کی غشی میں خود کو نہ سنبھال سکے۔ ایک طرف گرنے لگے اِس عالم میں یہ خیال آیا کہ لاتیں قبر پر آ رہی ہیں کہیں یہ بزرگ ناراض نہ ہوں۔ دل نے کہا جو کرنا ہے کر لے۔ اب تو ہم مر ہی چکے۔ بس ما فیہا سے بے خبر ہو گئے ـــ ہاں! یہ عالم اجل کی موت کا عالم نہیں بلکہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا حقیقی مظاہرہ تھا ـــ حضور فرماتے ہیں ـــ کہ اچانک ہم پر ایک نورانی عالم ظاہر ہُوا ـــ جہاں کی ہر شے سنہری نور میں دمک رہی ہے ـــ اور ہم ایک سنہری ریل کے سٹیشن پر کھڑے ہیں ـــ اتنے میں دائیں جانب سے ایک سُنہری ریل آ کر ہمارے قریب ٹھہر جاتی ہے ـــ اِس ریل سے عالی جاہ جناب حضرت سیّد محمّد نور الزمان شاہ صاحب اُترے۔ اور میرے قریب آ کر تبسّم فرما کر۔ مجھے تحسین فرما کر پھر واپس ریل میں بیٹھ کر تشریف لے گئے۔ ریل جس طرف سے آئی اُسی طرف چلی جاتی ہے۔ کچھ وقفہ ہُوا۔ تو پھر ریل اسی انداز سے آ کر ہمارے قریب ٹھہر جاتی ہے۔ اِس بار ریل سے حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ اُتر کر میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے بھی تبسّم فرمایا ـــ اور تحسین

فرما کر۔ پھر واپس ریل میں تشریف لے گئے۔ ریل اسی انداز میں واپس چلی گئی۔ کچھ وقفہ ہُوا ــــــ
تو پھر ریل میرے قریب آکر رُک گئی۔ ریل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت خواجہ اویس قرنی
رضی اللہ عنہ اور عالی جاہ حضرت سیّد محمد نُور الزمان شاہ صاحب اکٹھے میرے قریب تشریف لائے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت و محبت سے نوازا ــــ اور مجھے تحسین دے کر فرمایا۔ "محمد امین"
تمہاری ولایت کی تکمیل ہوگئی ــــ جاؤ اب علمِ دین کی تکمیل کرو ــــ آپ حضرات تشریف لے گئے۔
تو ہمیں ہوش آگیا۔ محسوس ہُوا کہ ہم واپس عالمِ ظاہری میں آگئے۔ اپنی ذات کو ایسے محسوس کیا کہ
جیسے ہم ابھی پیدا ہُوئے ہیں۔ جسم میں نہ نقاہت تھی۔ نہ درد۔ ذہن پُر سکون ــــ مزار سے باہر
نکلے تو دن چڑھا ہُوا تھا۔ فرماتے ہیں۔ باہر نکلے تو تمام فضا نورانی نظر آ رہی تھی۔ ابھی تک نورانی
تجلّی ذہن پر طاری تھی۔ ہم چلتے تو ایسے لگتا کہ جسم نہیں رُوح چلتی ہے۔ جسم ہلکا ہو چکا تھا۔ جنگل
سے نکل کر عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ امر حضور سے پوشیدہ نہ تھا۔ حضور
نے تبسّم فرمایا ــــ شفقت سے قریب بٹھایا فرمایا ــــ کشمیری ــــ اب تم باحال ہوگئے! ہم نے
عالی جاہ کے قدموں میں سر ڈال دیا ــــ حضرت شاہ صاحبؒ نے سینہ سے لگایا۔ ہمارے کھانے
کے لیے لطیف غذا پکوائی۔ ہم حضور کی خدمت میں رہے۔ یہاں تک کہ طاقت بحال ہوگئی۔ حضور
قبلہ عالمؒ نے۔ عالی جاہ شاہ صاحب سے اجازت چاہی۔ کہ مجھے اجازت دیں۔ کہ میں دہلی جا کر
کتاب مکمّل کر لوں۔ عالی جاہ نے فرمایا ــــ کشمیری اب دہلی جانے کی ضرورت نہیں۔ اب ہم
خود تمہارے علم کی تکمیل کر دیں گے۔ مگر حضور قبلہ عالم نے دہلی جانے پر اصرار کیا۔ کہ ہم دہلی جائیں
گے ــــ تو عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ تمہاری مرضی ــــ جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ ــــ
حضور قبلہ عالم امروہہ سے روانہ ہوگئے۔ دہلی اسٹیشن پر ریل سے اُتر رہے تھے کہ کشف کی حالت
طاری ہوگئی۔ دیکھتے ہیں کہ سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں۔ ساتھ عالی جاہ شاہ صاحب
بھی کھڑے ہیں۔ میں قریب گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــــ محمد امین تمہیں نُور الزمان
صاحب نے اپنے پاس ٹھہرنے کو کہا تھا۔ اور تم دہلی چلے آئے! ــــ فوراً ان کی خدمت میں
حاضر ہو جاؤ۔ اور ان سے علم کی تکمیل کرو ــــ جاؤ ــــ تاخیر نہ کرو۔ حضور قبلہ عالم لرز گئے۔
خیال آیا ــــ کہاں ہم ان کے فراق کو برداشت نہ کر سکے۔ اور کہاں ہم نے خود ان سے دُوری

چاہی۔ دل میں ندامت طاری ہوئی۔ انہی قدموں ریل پر سوار ہو کر امروہہ روانہ ہو گئے۔ امروہہ پہنچ کر حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر — معافی طلب کی۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کشمیری! محبت کی بے قراری بھول گئے ڈانٹ کھائی۔ تو واپس آ گئے۔ ہم نے تو محض تمہارے فائدے کے لیے یہ انداز اختیار کیا تھا۔ کہ تمہیں آتے وقت کھانے کے لیے نہ پوچھا۔ ہم دیکھتے تھے۔ کہ تمہارا تزکیہ کامل ہو چکا ہے۔ وقت غنیمت ہے۔ اِس حالت میں تم جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے کھانا کھاتےلے۔ آرام کرتے۔ تو یہ امر تزکیہ میں فرق ڈال دیتا — یہ تو تمہارے حق میں بہتر تھا — اچھا بیٹھو — جو علم باقی ہے وہ ہم سے پُورا کرو —

اِس کے بعد حضور قبلہ عالم نے اپنی زندگی کو عالی جاہ صاحب کی خدمت کے لیے وقف کر دیا — عالی جاہ جب تک امروہہ میں تشریف فرما رہے۔ حضور ہر لمحہ آپ کی خدمت میں شب و روز مصروف رہ کر انوار و تجلیات سے سیراب ہوتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد عالی جاہ شاہ صاحب نے اپنے خانگی اُمور کی ذمہ داری کے باعث دارالعلوم کی سرپرستی سے فراغت چاہی۔ مستعفی ہو کر اپنے دولت کدہ کوٹ چاندنہ کالاباغ تشریف لائے۔ اور حضور قبلہ عالم بھی آپ کے ساتھ کوٹ چاندنہ شریف آ گئے — کوٹ چاندنہ شریف قیام کے بعد عالی جاہ حضرت سیّد محمّد نُورالزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا۔ کہ عبادات سے فارغ ہو کر طالبانِ علم کو درس دیتے۔ اس کے بعد دینی و علمی مسائل پر بحث فرماتے — اور وعظ فرماتے — اور باقی وقت کا بیشتر حصہ مراقبہ و استغراق میں مشغول رہتے۔ حضور قبلہ عالم اور صاحبزادہ فخرالزمان شاہ صاحب فرزندِ اکبر جناب عالی جاہ شاہ صاحب دونوں بیک وقت عالی جاہ شاہ صاحب سے درس لیتے — درس سے فارغ ہو کر جناب صاحبزادہ صاحب گھریلو مصروفیات میں مصروف ہوتے۔ گھر کے

لہ حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں۔ ہمارے دل میں رنج پیدا ہُوا کہ دہلی سے اتنا طویل سفر فاقہ و پریشانی کے عالم میں طے کیا حضور کو ہم پر ترس بھی نہ آیا۔ نہ ہمیں کھانے کے لیے پوچھا نہ آرام کرنے دیا۔ لاپرواہی میں ہمیں جنگل میں بھیج دیا۔ ہمیں اس بات سے رنج ہُوا اور نادانستگی میں یہ فیصلہ کیا۔ کہ ہم دہلی چلے جائیں گے۔ یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ مگر اس وقت کمسنی کی وجہ سے ہم اِس حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔

انتظاماتِ مہمانداری کے فرائض سرانجام دیتے ـــــ بقیہ وقت امراء وخوانین کی صحبت میں رہتے۔ عالی جاہ شاہ صاحب کے مریدوں میں کالاباغ (ضلع میانوالی) کے امراء وخوانین بھی تھے۔ جو اکثر عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ خصوصاً جناب صاحبزادہ صاحب سے عقیدت و لگاؤ رکھتے ـــــ صاحبزادہ صاحب بھی بیشتر وقت ان سے مجلس کرتے۔ انہیں سیروشکار کا شوق بھی تھا۔ مریدین انہیں سیروشکار کے لیے ساتھ لے جاتے۔ حضور قبلہ عالم کی حیثیت ایک خادم کی سی تھی۔ آپ پر کسی مرید کی نظر نہ پڑتی تھی۔ نہ انہیں کسی امیر کی صحبت میسّر تھی۔ سوائے اس کے کہ آپ درس سے فارغ ہو کر کچھ مختصر وقت مطالعہ میں صرف کرتے۔ باقی وقت عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت گذاری میں رہتے۔

صاحبزادہ فخر الزّماںؒ کے عقیدتمندوں کا حضورؒ سے بدظن ہونا

عالی جاہ شاہ صاحب کے مریدوں میں صاحبِ کمال ولی بھی تھے۔ انہیں مریدوں کے ساتھ آپ کو صحبت کا موقع ملتا۔ ان میں ہر مرید عالی جاہ شاہ صاحب کی مجلس اور توجّہ سے فیض یاب رہتا۔ لیکن عالی جاہ شاہ صاحب کی توجّہ اور شفقت باقی مریدوں کی نسبت حضورؒ قبلہ عالم پر زیادہ رہتی اِس وجہ سے ـــــ صاحبزادہ فخر الزّماں شاہ صاحب سے عقیدت رکھنے والے مریدوں نے یہ محسوس کیا۔ کہ یہ مسکین بچّہ شب و روز کی خدمت گذاری اور قربت و توجّہ کے باعث پیر کی نظروں میں مقبول ہو کر صاحبزادہ صاحب سے سبقت نہ لے جائے کہیں عالی جاہ شاہ صاحب اسے خلافت نہ دے دیں۔ اِس خیال کے مدِّنظر صاحبزادہ صاحب کے عقیدت مندوں نے قبل از وقت صاحبزادہ فخر الزّماں شاہ صاحب کے لیے خلافت حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کر دی ـــــ اور مختلف ذرائع سے یہ تاثر پیش کرنا شروع کیا کہ صاحبزادہ صاحب کو ورثہ میں خلافت عطا کی جائے ـــــ یہ لوگ صاحبزادہ صاحب کی تعریف میں۔ ان کی خدمات اور مریدوں میں قدرومنزلت اور عقیدت کا نقشہ عالی جاہ شاہ صاحب کی نظر میں پیش کرتے ـــــ لیکن شاہ صاحب کسی شخص کو کھُل کر جواب نہ دیتے ـــــ عالی جاہ شاہ صاحب ان کے خیالات اور ان کے طرزِ عمل کو سمجھ چکے تھے۔ کہ یہ سب کاروائی معصوم کشمیری

کی خدمت گذاری کے پیشِ نظر عمل میں آ رہی ہے۔ عالی جاہ شاہ صاحب کی خاموشی سے صاحبزادہ صاحب سے عقیدت رکھنے والوں پر مایوسی طاری ہونے لگی۔ تو انہوں نے حضرت محترمہ مائی صاحبہ کی طرف رجوع کیا۔ کہ وہ ان کے ارادوں کو عالی جاہ شاہ صاحب پر واضح کر دیں۔ اور صاحبزادہ صاحب کو خلافت ملنے کے لیے اپنا اثر استعمال کر کے سفارش کریں۔ لیکن یہ حربہ بھی عالی جاہ شاہ صاحب کی خاموشی کے باعث کامیاب نہ ہو سکا۔۔۔۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔۔۔۔ ہم نے یہ محسوس کیا۔ کہ صاحبزادہ صاحب کی صحبت میں رہنے والے مریدوں میں اندرون لاتعلقی اور نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ اور وہ مجھ سے معمولی باتوں پر اُلجھنے لگے۔۔۔۔ اور صاحبزادہ صاحب کے امراء مرید بھی مجھے حقارت سے دیکھتے اور مجھے بے جا کاموں کا حکم دے کر اُلجھانا چاہتے۔ لیکن مَیں ان کے احکام کو ٹال دیتا۔ اِس طرزِ عمل سے ان کا خیال تھا۔ کہ کشمیری تنگ آ کر یہاں سے بھاگ جائے گا۔ اُنکے اس طرزِ عمل سے مَیں ان کے مقصد کو بھانپ گیا۔ کہ یہ لوگ مجھے اپنے محبوب کی صُحبت و شفقت سے محروم کرنے کے لیے ایسے حربے استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن مَیں یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا۔ کہ یہ لوگ کس بنا پر مجھ سے ایسا سلوک کر رہے ہیں۔ سوائے اِس کے کہ مَیں ان کے حقارت آمیز سلوک کو اپنی کمتر حیثیت ہونے پر محمول کرتا۔۔۔۔ رفتہ رفتہ ان لوگوں کے رویّہ میں شدت آنے لگی۔ اور ہر شخص مجھ سے اُلجھنے لگا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ناشائستہ کلام اور مار پیٹ پر بھی اُتر آتے۔۔۔۔ لیکن میں ہر موقع پر برداشت اور خاموشی اختیار کرتا۔۔۔۔ نتیجتاً۔۔۔۔ مَیں نے ہر شخص سے کلام۔۔۔۔ نشست و برخواست ترک کر کے ہر لمحہ عالی جاہ شاہ صاحب کی صحبت میں رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔۔۔۔ یہ امر مخالفین کے لیے مزید حسد و کدورت کا سبب بنا اور ان کے عزائم خطرناک صُورت اختیار کرنے لگے۔۔۔۔ کبھی صاحبزادہ صاحب مجھے سیر و شکار میں ساتھ لے جاتے۔ مَیں ان کے ساز و سامان اُٹھا کر جنگل میں لے جاتا۔۔۔۔ وہاں ان کی یہ کوشش ہوتی کہ کسی طرح مجھے ٹھکانے لگایا جائے۔ لیکن یہاں بھی مجھے اپنے محبُوب پیر اکمل کی توجہ نے محفوظ رکھا۔۔۔۔ مَیں کسی طرح ان کی زد میں نہ آ سکا۔۔۔۔ اور یہ لوگ کسی طرح بھی مجھے اپنے محبُوب سے جُدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہوتے بھی کیسے؟۔۔۔۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا۔ کہ جس شخص نے کم سنی کے زمانہ میں والدین

کی شفقتوں ـــــ وطن کی آسائشوں کو قربان کر کے ۔ بے وطنی ۔ محرومیت ۔ مسافرت کے کٹھن مراحل میں ۔ فاقہ کشی ۔ مصائب ۔ خود مول لے کر ۔ حصولِ مقصد کا غیر متزلزل عزم کیا ہو ـــــ اِس کے لیے ایسی مشکلات کا مقابلہ کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا ـــــ اور پھر اپنے پیر کو عزیز از جان ـــــ اور اپنی ہر خواہش و راحت سے عزیز رکھا ہو ـــــ وہ کب اپنی جان کی پرواکرتا ہے ۔ اور پھر اپنے محبوب کو چھوڑ کر ۔ وہ کون سا مقامِ امن ہو سکتا ہے ۔ جس کا سہارا لیا جائے ۔ غرض ہر طرح کے مصائب سہتا رہا ـــــ لیکن میں نے ان واقعات کا کبھی عالی جاہ شاہ صاحب سے ذکر نہیں کیا ۔ بلکہ میں نے انہیں یہ محسوس تک نہ ہونے دیا ۔ کہ یہ لوگ مجھ سے کیا سلوک کر رہے ہیں ۔ یہ بھی نہیں ۔ کہ عالی جاہ ان واقعات سے بے خبر ہوں ـــــ مگر عالی جاہ نے کسی شخص سے تعرض نہیں کیا ـــــ

خلافت کا اشارہ

عالی جاہ شاہ صاحب اکثر مجلسوں میں ۔ طالب علم مریدوں میں ۔ دقیق مسائل پیش کرتے ۔ اور ان مسائل کا حل پوچھتے ۔ لیکن بہت کم مسائل ہوتے جن کا ان سے حل پیش ہوتا ۔ تو آخر میں عالی جاہ ۔ حضور سے مخاطب ہو کر فرماتے " کشمیری تم اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو" ـــــ تو آپ معصومانہ انداز میں ـــــ اپنی طرف سے ایک مدلل اجتہادی حل پیش کرتے ـــــ جس پر عالی جاہ آپ کو شاباش دیتے ۔ ایک بار مسجد میں زیرِ بحث ایک مسئلہ پر مریدوں نے کئی دلائل پیش کیے ۔ مگر عالی جاہ شاہ صاحب نے ان کی ہر دلیل کو رد کر دیا ـــــ آخر حضور سے مخاطب ہو کر فرمایا ۔ کشمیری تم اس کے متعلق کوئی حل پیش کر سکتے ہو ؟ آپ نے بھی قرآن و حدیث سے دلائل پیش کیے ۔ مگر عالی جاہ نے آپ کے دلائل بھی رد کر دیئے ۔ بالآخر حضور نے دلائل جاری رکھتے ہوئے زیرِ بحث مسئلہ پر ٹھوس دلائل دے کر اپنے نظریہ کو ثابت کر دیا ۔ عالی جاہ نے بھی تصدیق فرمائی ۔ اِس پر عالی جاہ شاہ صاحب بہت خوش ہوئے ـــــ اور جوش میں آ کر (حضور قبلہ عالم کو خفیف سی محبت آمیز گالی دے کر) فرمایا ـــــ لوگ تو مجھے خلافت دینے کے متعلق مشورے دے رہے ہیں ۔ لیکن یہ تمہارا انداز دکھا رہا ہے کہ خلافت دینے کا

فیصلہ شاید تمہارے حق میں ہو۔ فِدَاہُ اُمِّیْ وَاَبِیْ۔ اِس اعلان سے حضور کے مخالفین کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور پھر انہیں خلافت کے سلسلہ میں عالی جاہ شاہ صاحب پر اثر انداز ہونے کی ہمت نہ رہی۔ لیکن حضور کے خلاف ان کی کدورتیں کم نہ ہوئیں ———

ماڑی انڈس اسٹیشن کے مجذوب کا واقعہ

اِسی طرح ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا ماڑی انڈس سٹیشن پر عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے ایک مُرید پر جذب طاری ہو گیا ——— بے خودی کی حالت میں پھر رہا تھا ——— انگریز حکومت کا زمانہ تھا۔ ادھر سے کسی انگریز افسر کی بیوی (میم صاحبہ) آ رہی تھی۔ مجذوب نے اُسے پکڑ کر سینے سے چمٹا لیا۔ اور اللہ ——— اللہ پکارتا رہا ——— میم صاحبہ خوفزدہ ہو کر چیخنے لگی ——— بمشکل لوگوں نے میم صاحبہ کو مجذوب کی گرفت سے چھڑایا ——— میم صاحبہ نے اپنے خاوند سے جا کر شکایت کی۔ انگریز افسر نے پولیس کو حکم دیا۔ کہ مجذوب کو پکڑ کر حوالات میں بند کر دو، پولیس فوراً موقع پر پہنچی۔ مجذوب کی تلاش کی ——— تو دیکھا مجذوب دریا پر سے دوسرے کنارے کی طرف جا رہا ہے۔ پولیس مجذوب کی کرامت کو دیکھ کر اس کا پیچھا کرنے کی جرأت نہ کر سکی ——— اور انگریز افسر کو ماجرا سنایا کہ وُہ تو مجذوب ہے۔ اور پانی کے اوپر چل کر دریا کے دوسرے کنارے پر چلا گیا ——— انگریز افسر بھی متعجب ہُوا۔ کہ وہ کیسے پانی پر سے گذرا۔ دریافت کیا کہ یہ کون ہے ——— لوگوں نے بتایا ——— کہ یہاں گاؤں میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ یہ ان کا مرید ہے۔ انگریز افسر عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ ادب سے سلام کیا اور اپنی بیوی کا ماجرا سنایا۔ عالی جاہ نے معذرت کی ——— فرمایا ——— اس نے دیوانگی کی حالت میں یہ حرکت کی ہے ہوش مند ہوتا تو ایسا نہ کرتا ——— حضور نے فرمایا ——— یہ فقیر ہے۔ آپ کو معلوم ہُوا۔ کہ یہ دریا پر سے چل کر پار ہُوا ——— آپ محسوس نہ کریں ہم اسے پکڑ کر لاتے ہیں۔ آئندہ ایسا نہ ہو گا۔ انگریز افسر اس واقعہ سے متاثر ہُوا۔ اور حضور کو عقیدت کی نظروں سے دیکھتا واپس چلا گیا۔

عالی جاہ شاہ صاحب نے مریدوں کو حکم دیا کہ مجذوب کو پکڑ کر لے آئیں۔ اتنی دیر میں مجذوب خود عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوا ——— آپ نے حکم دیا کہ اسے پکڑ کر

کمرے میں بند کر دو ۔۔۔ مریدوں نے اسے پکڑ کر مسجد کے حجرے میں بند کر دیا۔ اور دروازے پر قفل لگا دیا۔ مجذوب رات کمرے میں بند رہا ۔۔۔ صبح ہوئی تو دیکھا۔ مجذوب اسی حالت میں باہر پھر رہا ہے۔ عالی جاہ کو اطلاع دی تو آپ نے اُسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ مجذوب کو پکڑ کر عالی جاہ شاہ صاحب کے پاس پیش کر دیا۔ آپ نے صاحبزادہ فخر الزمان شاہ صاحب کو حکم دیا کہ اسے مسجد میں لے جاؤ ۔۔۔ اور توجہ دو ۔۔۔ تاکہ اس کا جذب دُور ہو۔ صاحبزادہ فخر الزمان شاہ صاحب مجذوب کو مسجد میں لے گئے اور توجہ دینا شروع کی۔ لیکن ہُوا یہ کہ خود صاحبزادہ صاحب پر بھی جذب طاری ہو گیا۔ عالی جاہ کو خبر دی گئی کہ صاحبزادہ صاحب پر بھی جذب طاری ہو گیا۔ تو عالی جاہ نے حضور قبلہ عالم سے فرمایا ۔۔۔ کشمیری تم جاؤ اور مجذوب کو توجہ دو۔ حضور گئے۔ اور مجذوب کو پکڑ کر سامنے بٹھا کر توجہ دی۔ مجذوب نے آپ پر بھی توجہ ڈالی ۔۔۔ آپ نے شدت سے توجہ فرمائی۔ تو اس پر سے جذب ہٹ گیا۔ اور صاف باتیں کرنے لگا۔ حضور اسے پکڑ کر شاہ صاحب کی خدمت میں لائے۔ عالی جاہ نے تبسم فرمایا اور حضور کو شاباش دی۔ مریدوں نے مجذوب سے پُوچھا کہ تم حجرے سے کیسے باہر نکل آئے۔ اس نے کہا۔ مَیں نے دروازے پر توجہ ڈالی مگر اس پر عالی جاہ صاحب کا حکم لگا تھا۔ دروازہ نہ کھُل سکا۔ مَیں نے عقب والی دیوار کو حکم دیا کہ مجھے راستہ دے۔ دیوار نے مجھے راستہ دے دیا۔ مَیں نے دیوار کو اپنی جگہ واپس آنے کا حکم دیا۔ وہ اپنی جگہ قائم ہو گئی۔ اِس طرح مَیں حجرے سے باہر آیا ۔۔۔ اِس واقعہ کو صاحبزادہ صاحب کے عقیدتمندوں نے صاحبزادہ صاحب کی تحقیر سمجھی۔ ان کے دلوں میں حضور قبلہ عالم کے خلاف کدورت بڑھتی گئی۔ انہوں نے آپ کو عالی جاہ شاہ صاحب کی قربت سے دُور رکھنے کی تدبیریں کیں لیکن وہ اپنی تدبیروں میں کامیاب نہ ہو سکے ۔۔۔ اس امر کی عالی جاہ شاہ صاحب کو بھی اطلاع تھی۔ لیکن آپ نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کیے رکھی۔ سوائے اس کے کہ آپ کبھی کبھی مریدوں کے درمیان۔ مباحث اور حضور کی رُوحانی حیثیت کے مظاہرہ سے ۔ آپ کی رُوحانی خصوصیت کا مظاہرہ پیش کرتے۔ جن سے حضور قبلہ عالم کی علو مرتبت ظاہر ہو جاتی۔ لیکن صاحبزادہ صاحب کے عقیدت مندوں کی عقیدت و محبت انہیں ۔۔۔ اس امر پر مجبور کرتی تھی۔ کہ وہ طریقت و خلافت میں صاحبزادہ صاحب کو اُونچے مقام پر فائز دیکھنے کے متمنی تھے۔ ان کی عقیدت انہیں حقیقت سمجھنے

اور آدابِ طریقت ملحوظ رکھنے کا موقع نہ دیتی تھی۔

حُب کی اصلیت

دیکھا گیا ہے کہ انسان حصُولِ دین میں بھی فطری طور پر جذباتی ثابت ہُوا ہے۔ یہ انسان کی فطری تخلیق کا تقاضا ہے۔ کہ وہ اپنے مطلوب کی طلب میں۔ قرب و وصالِ مطلوب میں ہر سطح پر پیش قدمی کرنے کا جذبہ رکھتا ہے اس پیش قدمی میں ہر وہ کیفیت جو اسکے محبُوب کے قرب و وصال میں حائل ہو۔ اسے راہ سے ہٹانے میں دیوانگی کی حد تک جذباتی ہو جاتا ہے کہ یہ اس کی جہد و سعی کا ایک لازمی عمل بن جاتا ہے۔ کون شخص تھا ـــــ جو ہادیٔ برحق ـــــ محبُوب رب العٰلمین ـــــ محبُوبِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت و وصال میں سبقت نہ لے جانا چاہتا تھا ـــــ اصحابِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ـــــ کے جان نثار اصحاب میں ہر شخص کی یہی خواہش رہتی تھی۔ کہ "میں" آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قریب سے قریب تر ہو جاؤں ـــــ کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم مجھ پر نظرِ شفقت فرمائیں۔ اِسی جذبہ کے تحت ـــــ ہر شخص نے اپنی جان۔ اپنے ماں باپ۔ اپنی اولاد۔ اپنا مال حضُور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی گردِ راہ پر قربان کرنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کی۔

مسجدِ نبوی میں کوئی شخص علی الصبح جھاڑو دے کر چلا جاتا ـــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اِس کوشش میں ہیں کہ مَیں اِس فضیلت کو حاصل کرنے میں سبقت حاصل کروں۔ مگر ہر بار کوئی دیوانہ محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوشش کے باوجود سبقت لے جاتا۔ یہ سبقت لے جانے کا ہی عمل تو تھا ! ـــــ دیکھا تو یہ یارِ غار رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم صدیق رضؓ ہیں ـــــ ہاں ! اس مقام پر حُب کی نوعیت مختلف نظر آتی ہے۔ ایک ذات ہے۔ جو محبُوب کو محبُوب کے رُوپ میں دیکھنا چاہتی ہے۔ اِس مقام پر اپنا ذاتی تصوّر یکسر معدوم ہو جاتا ہے جب ذات نہ رہی۔ تو طلب کیسی ؟ ـــــ اور سبقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی مرتبہ۔ صدیقیت کا مقام ہے۔ اور ایک ذات ہے۔ جو محبوب کو اپنی ذات میں دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ کا باطن ہے۔ اپنی ذات میں محبوب کو پہچاننا ـــــ یہ مقام فاروقیت کا ہے۔ ہر وجود کو ہر ذات میں قائم رکھنا ـــــ فاروقیت نے فرق کو قائم رکھا ـــــ جو اَنَا اَعْرِفُ (میں پہچانا جاؤں) میں فرقِ مراتب کا لحاظ رکھتا ہے ـــــ یہی دو نوعیتیں ہیں۔ جن پر "حُب" کی اساس ہے ـــــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم جہاد

کے لیے صحابہ سے مدد طلب فرماتے ہیں ــــ مسجد نبوی میں مال جمع کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ صحابہ مال لاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دکھا کر ڈالتے جا رہے ہیں۔ عثمانِ غنی رضؓ بھی ہیں۔ عمر فاروق رضؓ بھی ہیں ــــ مگر ابوبکر صدیق رضؓ کو کسی نے نہیں دیکھا ــــ نہ انہیں مال ڈالتے دیکھا ــــ سب ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی میں سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ مگر صدیق رضؓ ــــ! اپنا مال چھپا کر ڈالتے ہیں ــــ انہیں بدل (اجر) کا خیال ہی نہیں ــــ انہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے۔ کہیں محبوب کی قلبِ اطہر پر احسان مندی کا تاثر پیدا نہ ہو ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے صحابہ رضؓ سے مال طلب کرتے ہیں۔ اعلان فرماتے ہیں۔ کہ آج جس نے سب سے زیادہ مال دیا۔ اُسے جنت کی بشارت دی جاتی ہے۔

صدیق رضؓ کے لیے ہے خُدا کا رسُول صلی اللہ علیہ وسلم بس

آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش نظر آ رہے ہیں۔ آج مَیں سب پر سبقت لے جاؤں گا۔ معلوم نہیں ان کے ذہن میں کیا منصوبہ ہے۔ حضرت عمر رضؓ اونٹوں پر مال لاد کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لاتے ہیں ــــ مال جمع ہُوا تو سب صحابی خوشنودی کے اعلانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر ہیں۔ آج اللہ کا رسُول ہم سے راضی ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا ــــ عمر رضؓ تم اپنے مال سے کیا لائے ہو؟ آپ نے عرض کی اے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم مَیں اپنی جائیداد کا نصف حصّہ اللہ کی راہ میں لایا۔ اور آدھا اپنے اہل و عیال کے لیے رکھا۔ اِس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہیں۔ چہرۂ اطہر پر بشاشت و مسرت ہے۔ شاید عمر رضؓ سمجھے ہوں کہ یہ اظہارِ مسرت میرے لیے ہے۔ ہاں یہ بھی دُرست ہے۔ مگر واقعہ اصل میں یوں ہے کہ جبرئیل امین علیہ السّلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ــــ ایک کھردرے کمبل میں ملبوس ــــ جو کانٹوں سے جوڑا گیا ہے حاضر ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے ہیں۔ آج اس لباس میں آنے کا سبب کیا ہے۔؟ جبرائیل علیہ السّلام عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم۔ مجھے اللہ کی طرف سے یہ لباس پہننے کا حکم ہُوا ہے۔ اور آسمان کے تمام ملائکہ کو ایسا ہی لباس پہننے کا حکم ہُوا ہے۔ مجھے اللہ جلّ شانہ نے حضور کی طرف بھیجا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر کو میری طرف سے

اور تمام ملائکہ کی طرف سے سلام پہنچا دو۔ مَیں ابوبکر سے راضی ہُوا ـــــ وہ بھی مجھ سے راضی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اِسی لباس میں آتا دیکھ رہے ہیں۔ ابوبکر نہایت حلم و عجز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے پُوچھا ـــــ اے یارِ غار آپ نے مال سے کیا کچھ دیا۔ عرض کی مَیں نے بھی کچھ دیا۔ مگر ہمیں بھی بتائیں کیا دیا ؟ عرض کی مَیں نے اپنے گھر کا تمام اثاثہ دے دیا۔ باقی یہی ایک لباس ہے جو زیبِ تن ہے ـــــ فرمایا اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے ـــــ عرض کی کہ

پروانے کو چراغ ہے بُلبل کو پھُول بس   صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسُولؐ بس

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے اللہ اور اس کا رسُولؐ کافی ہے ـــــ یہ حقیقی حُبّ کی اصل رُوح ہے ـــــ حُبّ کا دوسرا درجہ ـــــ محبُوب سے قرب و وصال کے جذبہ کا پایا جانا ـــــ کہ محبُوب مجھ سے خوش ہو تاکہ اس کا قرب و وصال نصیب ہو ـــــ یہ عام انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ فطرتِ انسانی کی اِسی جذبہ پر تخلیق ہوتی ہے۔ یہ صفت بھی احسن ہے۔ کہ محبُوب کے وصال کی تڑپ دل میں موجزن ہو ـــــ اِسی تمنائے قرب میں ہر شخص دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ اِسی جذبہ میں انسان دوسرے کے مقابل اپنی ذات کو تقدم (سبقت میں دُوسرے سے آگے ہونا) دینا چاہتا ہے۔ یہی جذبہ جب ایک دوسرے سے متصادم ہو۔ تو انسان میں ایک موہوم کدورت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ عمل صرف حصولِ حق کے لیے ہوتا ہے۔ اِس لیے اِس جذبہ میں وہ تاثر نہیں ہوتا ـــــ جو ایک دشمن کو دوسرے دشمن سے ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی شخص محض اپنی مادی منفعت کے لیے کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچائے۔ حُبّ میں اگرچہ کدُورت کا تاثر پایا جاتا ہے۔ لیکن اس میں حصولِ حق میں جہدوسعی کا اصل تصوّر قائم ہو تو ایسی صفت مذموم نہیں ہوتی اِسی نسبت سے ایک ولی اپنے مُرید کے کسی غلط اقدام کو قابلِ مواخذہ قرار نہیں دیتا۔ سوائے اِس کے کہ ایسے شخص کی یہ صفت اس کے مراتب میں پیش قدمی میں رکاوٹ کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے۔ ولی خود مُرید کی اصلاح کر کے ایسی عادت سے باز رکھتا ہے۔

عالی جاہ شاہ صاحب کی نظر اس کیفیت پر تھی۔ کہ یہ لوگ صاحبزادہ صاحب کی خلافت

حاصل ہونے میں نیک ارادہ رکھتے ہیں۔ اس میں ان کی اپنی ذاتی منفعت یا برتری کو دخل نہیں سوائے اس کے کہ ان سے آدابِ طریقت کی خلاف ورزی ہو ــــ دوسرے ایسے لوگ ابھی طریقت کی حقیقت سے آگاہی نہ رکھتے تھے۔ اسی لیے آپ مجلس میں مباحثہ میں مسائل پیش کرتے کہ لوگوں کے دلوں پر حضور قبلہ عالم کی خصوصیت اثر انداز ہو۔ تاہم یہ انداز ذاتی طور پر قابلِ افسوس تھا۔ لیکن اس امر میں بھی حضور قبلہ عالم کے لیے وسعتِ قلبی عزم و استقلال۔ صبر و تحمل کا ایک اصلاحی سبق تھا۔ جس سے آپ خلافت کے اہل ثابت ہوئے ہوتے۔

حجِ بیتُ اللہ کا واقعہ

یہ حقیقت ہے کہ حضور قبلہ عالم پر ایسے ابتلا کا مقدر ہونا قدرت کی مصلحت کے تابع تھا۔ کہ ولی کے لیے حصولِ ولایت میں ابتلا کا وارد ہونا لازمی ہوتا ہے۔ اب اس دورِ ابتلا کا خاتمہ ہونا تھا کہ حضور پر ایک اور آزمائش وارد ہوئی ــــ عالی جاہ شاہ صاحب نے حجِ بیت اللہ کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ سفرِ حج کے انتظامات مکمل کر لیے گئے۔ آپ کے مُریدوں میں چند امراء بطور منتظمین سفرِ حج شامل ہوئے ــــ عالی جاہ شاہ صاحب مع اپنے مصاحبین کے سفرِ حج پر روانہ ہو گئے۔ حضور قبلہ عالمؒ چونکہ ہر وقت عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت گذاری میں رہتے۔ اس لیے آپ نے حضور قبلہ عالم کو اپنے ساتھ رکھا۔ اندرون حضور قبلہ عالمؒ کی شاہ صاحب کی رفاقت پر کوئی راضی نہ تھا۔ لیکن انہیں روکنے میں کسی شخص کی مزاحمت ممکن نہ تھی۔ حضور بھی شاہ صاحب کے ہمراہ سفر پر روانہ ہو گئے۔

اِس زمانہ میں کراچی کی بندرگاہ سے بھی جہاز کے ذریعہ سمندری سفر ہوتا تھا۔ کراچی پہنچ کر منتظمین کو ٹکٹ خریدنے کا حکم ہُوا۔ انہوں نے ہر مُرید کے لیے ٹکٹ خریدا۔ مگر حضور قبلہ عالم کے لیے ٹکٹ نہ لیا گیا۔ بہانہ یہ بنایا گیا کہ اتنے ہی آدمیوں کے لیے ٹکٹ مل سکا۔ حضور قبلہ عالم کو جب یہ معلوم ہُوا ــــ کہ مجھے اپنے محبوب سے جُدا کرنے کا شدید حربہ استعمال کیا گیا ــــ تو آپ پر شدید رنج و غم طاری ہُوا ــــ یہ ایک شدید صدمہ تھا۔ جس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ اِس غم و اندوہ کو وہی جان سکتا ہے جس کا محبوب اس سے جُدا کیا جائے ــــ کہاں آپ اپنے

محبوب سے ایک لمحہ بھی فراق برداشت نہ کرسکتے تھے ــــ اور کہاں آپ کو دردِ فراق کے سمندر میں پھینکا گیا ــــ حضور قبلہ عالم بے چین ہوگئے۔ عالی جاہ شاہ صاحب کو بھی حضور کے رنج والم کا احساس ہُوا۔ آپ نے فرمایا۔ کشمیری ہم تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ مگر ابھی تمہاری آزمائش ختم نہیں ہُوئی۔ خیر تم صبر کرو۔ ہم تجھے بیتُ اللہ میں اپنے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اس کی دو تعبیریں تھیں۔ ایک یہ کہ تم دریائے توحید میں بیتُ اللہ کے باطن میں ہمارے ساتھ ہو۔ دوسرے یہ کہ تم کسی صورت میں ہم تک پہنچ جاؤ گے۔ صرف درمیانی وقت میں تمہیں رنج وغم کے دَور سے گذرنا پڑے گا ــــ عالی جاہ شاہ صاحب معہ اپنے مُریدوں کے بیتُ اللہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور حضور قبلہ عالم سکتہ کے عالم میں شکستہ دل چشم پُرنم آپ کو الوداع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا محبُوب آپ کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اور آپ نالاں وگریاں واپس ہوئے۔ رات شہر کی ایک مسجد میں ٹھہرے۔ اور اپنے محبُوب کے تصوّر میں دل کی آنکھوں سے گریاں فریاد کرتے رہے۔ عشاء کی نماز ہوئی ــــ ایک نمازی نے آپ سے پُوچھا ــــ مُسافر ہو ــــ رات مسجد میں ٹھہرنا ہے؟ آپ نے کہا مُسافر ہوں ــــ وہ شخص آپ کو گھر لے گیا۔ کھانا دیا ــــ مگر بھُوک کہاں۔ دیارِ محبّت کے راہی کو منزل سے جُدا ہونے کی فکر میں جسم کی کب پرواہ ہوتی ہے۔ حضور سے کچھ کھایا نہ گیا۔ اس شخص نے حضور کی حالت کا اندازہ کیا۔ کہ آپ غمزدہ ہیں۔ پوچھا تم پر کیا مصیبت ہے۔ جو اس قدر غم زدہ ہو ــــ آپ نے اپنا قصّہ بیان کیا ــــ کہ مَیں اپنے ساتھی سے سفر پر جانے میں بچھڑ گیا ہوں ــــ اس نے تسلّی دی پُوچھا تم حکمت جانتے ہو۔؟ میرے پیٹ میں مستقل دَرد رہتا ہے۔ کوئی دوا تمہیں معلوم ہے۔؟ حضور نے فرمایا۔ ہم پیٹ کے دَرد کے لیے دوا بنادیں گے۔ اس نے پوچھا کتنی رقم خرچ آئے گی۔ حضور نے چھ پیسے اس سے لیے۔ صبح بازار گئے۔ سنڈھ۔ کالی مرچ اور مصری لاکر سفوف بنا دیا۔ کہ کھانا کھانے کے بعد اس دوا کی چٹکی کھا لینا۔ حضور دوا دے کر رخصت ہوگئے۔ اس شخص نے دن کو ایک خوراک کھائی۔ قدرت نے اُسے شفا بخشی۔ ایک خوراک استعمال کرنے سے اس نے تکلیف میں کافی کمی محسوس کی۔ رات حضور پھر اسی مسجد میں قیام کرنے آئے۔ تو یہ شخص پہچان کر انہیں اپنے گھر لے آیا ــــ اور مشکور ہُوا ــــ کہ مجھے تمہاری دوا سے

کافی آرام ہُوا۔ اس نے کہا۔ کہ جب تک تمہارے ساتھی حج سے واپس نہیں آتے۔ تم میرے گھر پر رہو۔ مَیں تمہیں صبح و شام کھانا دوں گا۔ حضور نے منظور فرمایا۔ محلہ کے لوگوں کو بھی علم ہُوا۔ کہ مسجد میں کوئی طالب علم رہتا ہے۔ وہ دوا بھی دیتا ہے۔ محلہ کے لوگ بھی حضور سے دَوا لینے لگے۔ حضور فرماتے ہیں کہ ہم ہر مریض پر ایک ہی نسخہ استعمال کرتے رہے۔ اللہ کی قدرت۔ ہر شخص کو اسی نسخہ سے شفا ہوتی رہی ــــ محلہ کے لوگوں کی آمد سے ذہن مصروف ہوگیا۔ اور ہمارے قلب سے غم کا اثر کسی قدر کم ہُوا۔ اس حکمت میں لوگوں نے ہمیں پیسے بھی دیئے۔ اب ہمارے پاس کچھ رقم بھی جمع ہو گئی ــــ ایک دن ایک بُڑھیا ہمارے پاس آئی ــــ اسے اچانک جوڑوں میں درد پیدا ہُوا۔ کہ چلنے پھرنے سے معذور تھی کہنے لگی بیٹا مجھے سخت تکلیف اور پریشانی ہے۔ مَیں نے حج پر جانا تھا۔ مگر اس بیماری سے مجبور ہو گئی۔ ایسی حالت میں، مَیں حج پر جانے سے مجبُور ہوں۔ ایسی دوا دو کہ مَیں جلدی ٹھیک ہو جاؤں ــــ میرے ساتھ میرا بیٹا بھی جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم نے اسے بھی یہی دوا دی۔ کہ رات کو سوتے وقت کھانا ــــ وہ دوا لے کر چلی گئی۔ دوسرے دن علی الصبح وہ بڑھیا ہمارے پاس آئی۔ خوش تھی۔ ایک خوراک سے اس کا درد جاتا رہا اور وُہ چنگی بھلی ــــ چل رہی تھی ــــ وہ بہت مشکور ہُوئی۔ اور کچھ روپے بھی مجھے دیئے۔ پوچھا تم کہاں رہتے ہو۔ یہاں کیسے آتے ہو۔ مَیں نے اپنی ساری داستان اُسے بتائی۔ کہ مَیں حج پر جانے سے رہ گیا ہوں۔ میرے پیر صاحب حج پر چلے گئے ہیں۔ اس وجہ سے مَیں بہت پریشان ہوں۔ واپس گھر جانے کے لیے خرچہ نہیں۔ حج پر جانے کے لیے بھی ذریعہ نہیں۔ اس بُڑھیا نے کہا "مَیں نے دو ٹکٹ لیے ہیں۔ مَیں بیماری کی وجہ سے مایوس تھی۔ اب تمہاری مہربانی سے ٹھیک ہو گئی ہوں۔ مَیں کوشش کروں گی کہ تمہیں گھر جانے کے لیے کرایہ دوں" یہ وعدہ دے کر وہ چلی گئی۔ دو تین دن گزرے وہ بُڑھیا نہ آئی۔ ہم مایوس ہو گئے۔ کہ شاید وُہ حج کو چلی گئی ہوگی۔ چوتھے دن وُہ بُڑھیا اچانک آگئی بیٹا مبارک ہو۔ تم بُہت نیک آدمی ہو۔ مَیں حج پر جا رہی ہوں۔ میرا بیٹا آ گیا۔ مگر وہ حج پر جانے کے لیے تیار نہ ہو سکا۔ اب تم بیٹے کی جگہ اس کے ٹکٹ پر میرے ساتھ چلو گے ــــ چلو میرے ساتھ ــــ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مَیں فوراً تیار ہو گیا۔ بڑھیا مجھے اپنے ساتھ جہاز پر لے گئی۔ غالباً اتنی خوشی مجھے عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے ساتھ جانے میں نہ ہوتی۔ جتنی مجھے بڑھیا کے ساتھ

جانے میں ہوئی۔ بڑھیا نے مجھے کھانے پینے کی ہر سہولت دی۔ جیسے اپنے ہی بیٹے کو ساتھ لے جا رہی ہے۔ بیت اللہ پہنچ کر ہم نے بڑھیا سے اجازت چاہی ـــــ کہ ہم عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں جانا چاہتے ہیں۔ بڑھیا نے ہمیں خوشی سے اجازت دی۔ اور ہم شاہ صاحب کی تلاش کرتے ان کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ مجھے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ لیکن باقی مریدوں کے لیے خلافِ توقع میرا ـــــ بیت اللہ پہنچ جانا حیران کن تھا۔ وہ حیران رہ گئے۔ کہ کشمیری یہاں بھی پہنچ گیا۔ حضور عالی جاہ کی خدمت میں پہنچ کر ہم نے اپنا منصب سنبھالا۔ اور خدمت گذاری میں مصروف ہو گئے۔ حضور عالی جاہ باہر تشریف لے جاتے تو ہم ان کے ساتھ ایک بڑا چھاتا لے کر آپ کے پیچھے پیچھے چلتے۔ جہاں آپ ٹھہرتے ہم چھاتا ان کے سر پر کر دیتے۔ ڈیرے پر ہم ان کے کھانے پینے۔ بستر لگاتے۔ وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے۔ اسی دوران مناسکِ حج شروع ہو گئے۔ سب نے احرام باندھے تھے۔ مگر ہمارے پاس احرام نہ تھا۔ ہم انہیں کپڑوں میں عالی جاہ کے ساتھ مناسک میں شامل رہتے۔ ایک دفعہ اچانک ایک عجیب واقعہ پیش آیا ـــــ کہ عالی جاہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ میں ان کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ آپ کے آگے ایک عورت طواف میں سعی کر رہی تھی ـــــ اچانک پیچھے سے بھیڑ کا دباؤ پڑا عالی جاہ کو دھکا لگا۔ اور عورت سے ٹکرا گئے ـــــ عورت پیچھے پلٹی اور عالی جاہ کے سینہ پر گھونسا مار دیا۔ آپ خاموش دیکھتے رہے۔ لیکن یہ حرکت میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ میں غصّہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ غصّہ کی حالت میں ہم نے اس عورت کے چھاتا زور سے مارا۔ عالی جاہ نے ہمیں غصّہ کی نگاہوں سے دیکھا۔ میں سہم گیا۔ مگر مقام ادب تھا۔ بیتُ اللہ کی حرمت کا مقام تھا۔ کسی نے مجھے کچھ نہ کہا۔ صرف غصّہ کی حالت میں دیکھتے رہے۔ باقی سب مرید بھی عالی جاہ کے ساتھ طواف میں مشغول تھے۔ انہوں نے بھی شدید غم و غصّہ کا اظہار کیا ـــــ کہ مناسکِ حج کے آداب کے خلاف بیت اللہ میں فساد کرنا گناہ تصوّر ہوتا تھا۔ طواف سے فارغ ہو کر عالی جاہ ڈیرے پر پہنچے تو تمام مرید ہم پر برس پڑے۔ کہ تم نے آدابِ حج کے خلاف اقدام کیا۔ بیتُ اللہ میں لڑائی منع ہے۔ تم نے کیوں عورت کے چھاتا مارا۔ عالی جاہ کے پاس میری شکایت کی۔ میں نے اِس سلسلہ میں لاپرواہی برتی۔ جیسے میں نے کوئی قصور نہ کیا ہو ـــــ

مُریدوں نے عالی جاہ سے شکایت کی کہ کشمیری کا حج فسق ہُوا۔ اور ان پر حد واجب آتی ہے۔ عالی جاہ نے فرمایا۔ اِس کے متعلق کشمیری سے پُوچھو کہ اُس نے ایسی حرکت کیوں کی ـــــ عالی جاہ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ تم نے بیتُ اللہ میں فساد کیا۔ یہ امر خلافِ شریعت ہے۔ دُوسرے تمہارا حج بھی فسق ہُوا۔ اِس کی حد تم پر لازم آتی ہے۔ تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟ ہم نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ میرا فعل مجھ سے تعلق رکھتا ہے۔ انہیں مجھ سے پوچھنے کا کوئی حق نہیں۔ میرا فعل از روئے شریعت جائز ہے۔ مَیں قابلِ مواخذہ نہیں ہو سکتا ـــــ سب مُریدوں نے مذاق اُڑایا۔ کہ تمہارے پاس نئی شریعت آئی ہوگی۔ جس سے تمہارا فعل جائز ہو سکتا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا" ہمارا فعل از رُوئے شریعت جائز تھا۔ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو ہم تارکِ فرض قرار دیئے جاتے" عالی جاہ شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ کشمیری تم اپنے فعل کو جائز قرار دیتے ہو۔ قرآن سے ثبوت پیش کرو ـــــ حضور نے عرض کی۔ قرآن میں واضح حکم ہے:

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِۚ
فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ

(پارہ ۲، سورہ ۲، آیت ۱۹۱)

کہ بیتُ اللہ میں فساد حرام ہے ـــــ اور اگر کوئی بیتُ اللہ میں فساد کرے تو اس سے تم بھی لڑو ـــــ عورت نے اِس حکم کے خلاف بیتُ اللہ میں فساد کیا۔ وہ قابلِ مواخذہ ہے۔ اور جب بیتُ اللہ میں تم پر کوئی حملہ آور ہو ـــــ تو تم اس کی مزاحمت کرو۔ بیت اللہ میں حملہ سب سے بڑا جرم ہے۔ عالی جاہ نے سوال کیا۔ عورت نے بیتُ اللہ پر حملہ نہیں کیا؟ ـــــ یہ تو بدلہ ہے! ـــــ حضور نے کہا ـــــ ہمارا تعلّق طریقت سے ہے یہ تعلق حقیقی ہے۔ از روئے طریقت پیر بمنزلہ بیتُ اللہ ہے جس کا طواف جائز ہے۔ ہم نے احرام نہیں باندھا ہم پر بیت اللہ کا طواف واجب نہیں۔ لہٰذا ہم بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے تھے۔ سوائے اس کے کہ ہم بیتُ اللہ کے تصوّر میں پیر کا طواف کرتے تھے۔ جب عورت نے ہمارے بیتُ اللہ پر حملہ کیا۔ اگر ہم مزاحمت نہ کرتے تو ہم مجرم ہوتے۔ لہٰذا ہمارا فعل جائز ہے۔ حضور نے اس کے ثبوت میں

مثنوی مولانا رُوم سے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ پیش کیا۔ اور مثنوی سے یہ اشعار پیش کیے:

حق آں حقیکہ جانت دیدہ است	کہ مرا بر بیت خود بگزیدہ است
کعبہ ہر چندے کہ خانہ برّ اوست	خلقت من نیز خانہ سرّ اوست
تا بکرد آں خانہ را در وے نرفت	اندریں خانہ بجز ایں شے نرفت
چوں مرا دیدی خدا را دیدۂ	گردِ کعبہ صدق بر گردیدۂ
خدمتِ من طاعتِ و حمدِ خدا است	تا نہ پنداری کہ حق از من جدا است

پھر مثنوی مولانا روم میں سے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک بار حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ حج پر جا رہے تھے۔ دورانِ سفر جہاں آپ قیام کرتے۔ تو شہر میں پھرتے کہ کہیں کوئی مردِ کامل مل جائے۔ ایک شہر میں مردِ حق کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ کہ ایک موچی کو دیکھا۔ جُوتے سی رہا ہے۔ اس کے قریب چھ سات بچے بیٹھے ہیں۔ موچی نے حضرت بایزیدؒ کو دیکھا تو ان سے پُوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔ آپ نے کہا مَیں حج کو جا رہا ہوں۔ موچی نے پُوچھا کہ پاس کچھ زادِ راہ ہے! آپ نے کہا ایک تھیلی اشرفیوں کی ہے۔ موچی نے کہا کہ بہتر ہے کہ آپ تھیلی مجھے دے دیں۔ مَیں اپنے بچوّں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اور تم میرے گرد طواف کرو۔ تمہارا حج ہو جائے گا۔ حضرت بایزیدؒ نے تھیلی موچی کو دے دی۔ اور موچی کے گرد طواف شروع کیا۔ ایک طواف پورا کیا۔ تو آپ پر باطن کا ایک عالم کھُلا —— دوسرا طواف پُورا ہُوا۔ تو دوسرا عالم باطن کا کھُلا۔ اِسی طرح دورانِ طواف آپ پر باطن کے سات عالم کھُل گئے۔

حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ از رُوئے طریقت پیرِ اکمل بمنزلہ کعبہ ہوتا ہے۔ تم لوگ حج کی نیت سے آئے ہو۔ تم پر مناسک واجب ہیں۔ مَیں حج کی نیت سے نہیں آیا —— مَیں بیتُ اللہ کا طواف نہیں کر رہا تھا۔ مَیں تو اپنے کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ عورت کی حرکت میرے نزدیک میرے کعبہ پر حملہ کے مترادف تھی۔ تو مجھ پر واجب تھا۔ کہ اپنے کعبہ پر حملہ کرنے والے سے لڑوں —— مَیں نہیں جانتا تمہارا کعبہ بیتُ اللہ ہے۔ یا عالی جاہ کی ذات لائقِ طواف! —— یہ دلیل سُن کر سب مُریدوں نے شرم و ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کچھ زبان سے نہ کہہ سکے —— آخر حج سے فارغ

ہو کر ـــــ حضور عالی جاہ شاہ صاحب بمعہ اپنے مُریدوں کے وطن واپس پہنچ گئے۔ اِس کے بعد کسی مُرید کو آپ کے متعلق کوئی غلط حرکت کرنے کی جرأت نہ ہُوئی ـــــ اور حضور قبلہ عالم کو اپنے محبوب کی صحبت میں رہنے کا بہتر موقع میسر ہُوا۔

عطائے خلافت

حضور قبلہ عالم شب و روز عالی جاہ کی خدمت میں مصروف رہے ـــــ علی الصبح حضرت صاحبزادہ فخر الزّمان شاہ صاحب کے ساتھ عالی جاہ سے علوم دینی کا درس لیتے۔ درس کے بعد ـــــ کچھ وقت مطالعہ میں مصروف رہتے۔ بقیہ وقت عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت گذاری میں ـــــ کھانا لانا ـــــ کھلانا ـــــ وضو کے لیے پانی لانا ـــــ وضو کرانا ـــــ دیگر امور انجام دینا ـــــ کام سے فارغ وقت میں حضور عالی جاہ کے پاؤں دبانا ـــــ عالی جاہ باہر کہیں تشریف لے جائیں تو آپ کی خدمت میں ساتھ رہنا ـــــ رات میں بھی اسی طرح خدمت میں مستعد رہنا ـــــ اِس قریبی صُحبت میں پیرِ اکمل کی توجّہ سے آپ نے تمام مراحل عرفان طے کر کے۔ اپنے مقصدِ زندگی کو پا لیا ـــــ یہاں تک کہ وقت آیا ـــــ جب آپ کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا ـــــ عالی جاہ شاہ صاحب علیل ہو گئے ـــــ حضور قبلہ عالم نے تمام علمی مصروفیات، عبادت و مراقبہ ترک کر دیا ـــــ آپ ہی تھے۔ جو صبح و شام۔ رات دن عالی جاہ شاہ صاحب کی تیمارداری اور خدمت گذاری میں مصروف رہے۔ آپ نے محسوس کیا کہ شاید عالی جاہ شاہ صاحب کی زندگی کے یہ آخری لمحات ہیں ـــــ احساسِ فراق سے آپ پر شدید رنج و غم طاری تھا۔ کہ میرا محبُوب داغِ مفارقت نہ دے جائے۔ آپ۔ اپنا کھانا۔ پینا۔ سونا۔ آرام کرنا بھُول گئے۔ بس ہر لمحہ آپ کی خدمت میں مستعد رہتے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے پاؤں دبا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کشمیری تمہاری قمیض بوسیدہ ہو چکی ہے۔ جاؤ اسے اُتار کر دریا میں پھینک دو۔ حضور اُٹھے اور قمیض اتار کر دریا میں پھینک دی۔ ننگے بدن حضور عالی جاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنی قمیض اُتار کر دے دی۔ فرمایا۔ کشمیری لو یہ قمیض پہن لو ـــــ یہ تمہاری خدمت کا صلہ ہے۔ تم نے مرا دبا لی ـــــ "جاؤ تم کشمیریوں کے پیر ہو" ـــــ تمہارے

"تین پھل ہوں گے" ــــ حضور قبلہ عالم نے حکم کی تعمیل کی ــــ قمیض پہن لی۔ اور زار و زار رونے لگے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا ــــ میں آپ کے بغیر کیسے رہ سکوں گا ــــ!

حضور عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا ــــ کشمیری ــــ ولی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ صاحبِ نسبت۔ صاحبِ مشاہدہ کے لیے۔ ولی کی موت۔ موت نہیں بلکہ حضوری قائم رہتی ہے ــــ میرا تصور قائم رکھو۔ تو تم میری صحبت سے دُور نہ رہو گے ــــ ہاں یہ وعدۂ الٰہی ہے۔ جو ہر حال میں پورا ہونا ہے۔ اِس پر صبر کرو ــــ تمہارا حصولِ علم و عمل پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اب تمہیں کسی کی راہنمائی کی ضرورت نہیں۔ ہم اس حال میں بھی تمہارے قریب ہیں۔ عالی جاہ شاہ صاحبؒ نے نہایت شفقت و محبت سے آپ کی تسکین فرمائی۔ اس کے چند دن بعد عالی جاہ حضرت سیّد محمد نُور الزّمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عہدۂ قطب الاقطاب پر مقامِ فنا و بقا میں اپنے مَنبعِ حقیقی سے وصال فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

سب عزیز و اقربا ــــ مُرید دوڑے آئے۔ مگر فیصلہ ہو چکا تھا:

قسمت کیا ہر چیز کو قسّامِ ازل نے ــــ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

حضور قبلہ عالمؒ کا وطن کو مراجعت

حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب۔ عالی جاہ شاہ صاحب کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر ــــ چند دن قیام کے بعد عظیم الشان انعامات سے مالا مال ــــ ولایت نامہ لے کر اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سند کی فوٹو سٹیٹ شامل ہے۔ (اس کتاب کے آخر میں)

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝

"اور پہاڑوں کے سینوں میں مختلف اقسام کے جواہر اور مونگے سیاہ رنگ کے چھپے ہیں۔ (پارہ ۲۲۔ سورۃ ۳۵۔ آیت نمبر ۲۷)

کشمیر کی پہاڑیوں میں ــــ چھپا ہُوا ــــ ایک انمول گوہر ــــ مٹی اور پانی کی دلدل (رحماں منون) میں گھرا ہُوا ــــ اپنی جلا ــــ اپنی تابانی کی طلب میں ــــ مضطرب و بے قرار تھا۔ تو جنون کی طوفانی

بارش اسے وادیوں کی پہنائیوں کی طرف بہا کر لے گئی — یہ گوہر بے بدل — منزل کی طرف رواں دواں — سفر کی طویل مسافت میں آلام و مصائب جھیلتا سر پٹکتا — صحراؤں ریگزاروں کے سینے چیرتا — سمندر کے کنارے جا لگا — ! تو یہ گوہر ایک عظیم جوہر تراش ماہر بے بدل جوہری کے ہاتھ آیا — اس جوہر شناس — جوہر تراش نے تیز دھار آریوں تیشوں سے — اس کے جسم کو تراش کر — اس میں وہ آب و تاب پیدا کر دی — جس کی ضیاء نے ایک عالم کو نور بخشا — اب یہی گوہر آبدار — مثلِ آفتابِ عالم تاب — کوٹ چاندنہ کی منور سرزمین سے نکل کر — کشمیر کے ظلمت کدہ کو منور کرنے کے لیے — وادیٔ کرناہ (شاردا) کی پہاڑیوں سے طلوع ہوا — مگر آہ! اس نیرِ تاباں کی آس میں — راتوں جاگنے والی آنکھیں — اپنے نورِ نظر کے انتظار میں — برسوں گذار کر اس وادی میں داخل ہو گئیں — جہاں قیامِ قیامت تک اپنی اُمیدوں کو سینے سے لگائے وہ منتظر و بے تاب رہیں گی — مگر نہیں! — ان کی اُمیدیں بھر آئیں جس حسرت سے ایک دن انہوں نے اپنے لختِ جگر کو ایک مقصد کی تکمیل کے لیے اپنے سے جُدا کیا تھا — اُن کا وہ مقصد آج پُورا ہو گیا — وہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ان کی قبروں پر وہ نور آ گیا — جس سے ان کی رُوحیں شادماں ہیں — وہ اسے مشاہدہ کر رہی ہیں — وہ دل وہ رُوحیں جو اپنے نُورِ نظر کی جُدائی میں سوختہ تھیں — آج حوضِ کوثر کی تراوت اپنے میں محسوس کر رہی ہیں! — کہ اُن کا نُورِ نظر کوثر و تسنیم اپنے ہاتھوں میں لے کر ان کے سامنے کھڑا ہے — ان پر بارشِ نُور برسا رہا ہے۔ اور وہ ویران گھر جو کسی وقت ایک نُورِ چشم کی جُدائی میں تاریک ہو چکا تھا — اسی گھر سے ایک نیا سُورج طلوع ہو رہا ہے جس نے سارے عالم کو منور کرنا ہے۔

زَادَهَا اللّٰهُ تَعْظِيْمًا وَّتَكْرِيْمًا

حضور عالی مقام حضرت محمد امین صاحبؒ — وطن پہنچے تو ان کے والد انتقال کر چکے تھے۔ آپ کے دو بھائی — محمد سلیمان — اور محمد اسماعیل بقیدِ حیات تھے۔ والد کی غیر موجودگی نے آپ کو بے حد قلق پہنچایا — والد کی تربت پر فاتحہ پڑھی۔ ان سے باطنی طور پر ملاقات کی۔ گھر پر قیام فرما کر۔ دونوں برادرانِ محترم کو سلسلہ اویسیہ میں داخل فرما کر۔ انہیں بیعت کیا۔ انہیں

اصول طریقِ اویسیہ کے مُطابق درود شریف کی تلقین فرمائی ــــ اِس طرح آپ نے

وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ

کے حکم کی تعمیل میں اپنے رشتہ داروں سے اجرائے دین میں شریعت وطریقت کا اجراء فرما کر ــــ سلسلہ اویسیہ امینیہ کی بُنیاد ڈالی ــــ رفتہ رفتہ آپ نے باقی قریبی عزیزوں کو بھی سلسلہ میں داخل کیا ــــ مزید بر آں ۔ گاؤں کے لوگوں نے بھی آپ کے دست حق پرست پر بعیت کی ــــ ذہن وقلب پر ابھی کوٹ چاندنہ کے درو دیوار کا تصوّر ــــ اور اپنے محبوب کے فراق کی کسک باقی تھی ــــ دوبارہ اپنے محبوب کی زیارت کی تڑپ دل میں اُٹھی ــــ چنانچہ کچھ عرصہ قیام کے بعد دوبارہ کوٹ چاندنہ کے سفر کا ارادہ کر لیا ــــ وادی شاردا سے اُتر کر ــــ ضلع ہزارہ سے ہوتے ہوئے حسن ابدال ۔ کیمبلپور ــــ ضلع میانوالی ــــ داؤد خیل ۔ عیسیٰ خیل ہوتے ہوتے ماڑی انڈس کالاباغ پہنچ کر ۔ کوٹ چاندنہ عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے مزار پُرانوار پر حاضری دی ۔ قلب کو سکون میسّر ہُوا ۔ اب وہ صورت نہ تھی کہ آپ کو "نادار کشمیری" سمجھ کر کم نگاہی سے دیکھا جاتا ۔ کیونکہ یہ امر سب پر آشکار ہو چکا تھا ۔ کہ عالی جاہ شاہ صاحب نے انہیں مکمّل ولایت عطا فرمائی ہے ۔ سب نے حضور قبلہ عالم کی عزّت افزائی کی ۔ حضور عالی جاہ شاہ صاحب کی وفات کے بعد جناب صاحبزادہ فخر الزّمان شاہ صاحب کی اپنے والد کے قائم مقام خلافت کی دستار بندی کی گئی ۔ صاحبزادہ صاحب نے اپنے والد کے قائم مقام سجّادہ نشین کی حیثیت سے ــــ درس وتدریس اور علمِ ولایت ۔ بعیت وارشاد کا سلسلہ شروع کیا ــــ آپ کی ذات محتاج تعریف نہیں ۔ آپ کو بھی وہ تمام علم جو آپ کے والد کے سینۂ قدس میں جمع تھا ۔ علمِ ظاہری کی اکملیت اور علمِ باطنی کی اکملیت ورثہ میں عطا ہُوئی ۔ آپ کو بھی علوم دینی میں مثل اپنے والد کے انتہائی درک حاصل تھا ۔ اور مرتبہ ولایت میں بھی ولی اکمل کا مقام حاصل تھا ۔ آپ کے مُریدوں میں علم دینی سے مزیّن جید علماء کا وجود ہوا ۔ اور علوم باطنی میں آپ کے مُریدوں میں صاحب کمال ولی ــــ ولی اکمل ــــ مقام فناء وبقائے الٰہی میں یکتائے روزگار کثرت سے پائے گئے ــــ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں ۔ اپنے والد کے قائم مقام ــــ اپنے منصبِ عالی کو بطریقِ احسن قائم رکھا ۔ حضور قبلہ عالم کی آمد پر صاحبزادہ صاحب نے آپ کی عزّت سے پذیرائی فرمائی ــــ اور حضور قبلہ عالم نے بھی آپ کے مقام ومنصب اور

نسبتِ والد کے اعتبار سے قدم بوسی کی ـــــ حضور قبلہ عالم نے حضرت محترمہ مائی صاحبہ کی قدم بوسی حاصل کی۔ آپ نے حضور پر حد درجہ شفقت فرمائی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا ـــ کہ ان کا اپنا کوئی عزیز گھر میں وارد ہُوا ـــ کچھ عرصہ قیام میں حضور قبلہ عالم اپنے محبُوب کی مرقد پر قربت و باطنی ملاقات سے فیضیاب ہوتے رہے۔ اور پھر اپنے وطن کی طرف مراجعت کا ارادہ فرمایا ـــ حضرت محترمہ مائی صاحبہ اور صاحبزادہ صاحب سے اجازت حاصل کر کے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ سب احباب نے نہایت شفقت و عزّت افزائی سے الوداع کہی ـــــ وطن واپسی پر حضور قبلہ عالم نے بجائے اپنے گھر جانے کے اپنے قریبی عزیزوں کے ہاں جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ضلع ہزارہ پہنچ کر علاقہ مظفر آباد کی راہ سے کشمیر میں داخل ہو کر قصبہ بارہ مولہ پہنچے۔ انگریز حکومت کی سرحد گڑھی حبیب اللہ خان قصبہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر موضع برار کوٹ پر ختم ہو کر کشمیر کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ مظفر آباد سے لے کر قصبہ بارہ مولہ تک تمام علاقہ دُشوار گذار پہاڑوں سے بھرا ہے۔ یہ سلسلہ بارہ مولہ تک برابر چلا آتا ہے۔ بارہ مولہ سے آگے سری نگر شہر کی وادی شروع ہوتی ہے۔ سری نگر شہر بارہ مولہ سے بتیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بارہ مولہ سے شاہراہ سری نگر وادی کے بیچ میں سے گزرتی ہے۔ بارہ مولہ سے تقریباً دس میل شاہراہِ سری نگر پر بائیں طرف ایک راستہ علاقہ لولاب کی طرف جاتا ہے۔ اِسی راستہ پر قصبہ سوپور اور تحصیل ہندواڑہ ــــ اور راستہ کے آخر پر پھر شمالی پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اِسی مقام پر قصبہ کپواڑہ واقع ہے۔ قصبہ کپواڑہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں موضع کاشیراہ زانگلی واقع ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ کے عزیز قصبہ کپواڑہ سے تقریباً سات یا آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں سکونت رکھتے تھے۔

حضور قبلہ عالمؒ اِسی راستہ سے اپنے عزیزوں کے ہاں پہنچے۔ عرصہ دراز کے بعد حضور اپنے عزیزوں کے ہاں تشریف لائے۔ آپ کی آمد پر سب نے بے حد مسرّت کا اظہار فرمایا ـــــ انہیں معلوم ہُوا کہ حضور قبلہ عالم ایک ولی کی حیثیت حاصل کیے ہیں۔ آپ نے اپنے حصُول علمِ ولایت کی داستان سُنائی۔ یہ لوگ بے حد متاثر ہوئے ـــــ اور آپ کی خدمت و قدر و منزلت شایانِ شان ہوئی۔ یہ زمانہ بھی حضور کی کم سِنی کا تھا۔ ابھی ان کے داڑھی۔ مونچھ۔ چہرہ پر اُبھری نہ تھی۔ حضورؒ نے کچھ عرصہ یہاں قیام فرمایا ـــ اِس علاقہ کی فضا ساز گار محسوس ہوئی ـــ عزیزوں نے بھی مشورہ دیا۔

کہ آپ اس علاقہ میں آئندہ سکونت اختیار کریں۔ حضور نے یہ مشورہ پسند کیا ـــــ اور اس علاقہ میں مستقل سکونت کا ارادہ فرمایا ـــــ چنانچہ عزیزوں کی وساطت سے کاشیراہ گاؤں میں زمین کا کچھ حصّہ منتخب کرلیا۔ اپنے عزیزوں کے پاس کچھ دن قیام کے بعد آپ نے دوبارہ سفر کا ارادہ فرمایا۔

حاجی فتح محمّد خاں کے گھر مولانا سید رسُول صاحب سے تحصیل علم

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی ایام میں گھر سے نکل کر ضلع ہزارہ ـــــ پنجاب ـــــ یوپی ـــــ سی پی ـــــ وسط ہندوستان تک سفر اختیار کیا ـــــ اور اس زمانہ میں جہاں کہیں بھی۔ علوم دینی کے جید علماء کا پتہ چلا۔ آپ نے ان سے اکتساب فیض کیا ـــــ دیوبند میں تعلیم حاصل کر کے سند حاصل کی بالآخر اپنے پیر اکمل حضرت سید محمّد نور الزّمان شاہ صاحبؒ سے تمام علوم دینی کی تکمیل کی۔ حضور قبلہ عالم کو علم سے عشق تھا۔ اپنی زندگی میں سوائے حصولِ علم۔ تکمیلِ علم۔ اور حصُولِ علمِ معرفت کے ایک لمحہ ماسوا علم ضائع نہیں کیا ـــــ حضور علم کے ایک عمیق سمندر تھے۔ جس کی پہنائی کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ اور علم وہ جس کا باطن بھی آپ کے ادراک میں تھا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے مطابق

اُطلُبُ العِلمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ

"علم حاصل کرو اگرچہ چین تک جانا پڑے" ـــــ حصُولِ علم کے لیے ہندوستان کا کونہ کونہ چھان مارا اور علم کی خوشہ چینی کی۔ یہاں تک کہ کوئی علم ایسا نہ تھا جو اس زمانہ میں علماء سے میسّر تھا۔ آپ نے نہ حاصل کیا ہو ـــــ اِس زمانہ میں ضلع ہزارہ ـــــ تحصیل ایبٹ آباد کے گاؤں سرچھنہ میں علم معقول کے ایک مشہور عالم تھے ـــــ جن کا شہرہ ہندوستان بھر میں تھا۔ ہندوستان اور بیرون ممالک کے طالب علم درس حاصل کرنے ان کے پاس آتے۔ حضور قبلہ عالم نے دَورِ طالب علمی میں اس علم پر زیادہ توجّہ نہ فرمائی ـــــ کیونکہ آپ نے کامل ذہن رسا پایا تھا۔ آپ خود اجتہادی مسائل پر عبور رکھتے تھے۔ اور پھر آپ کو رُوحانی علم لدنی (القائی) بھی عطا تھا۔ آپ نے مولانا صاحب کی شہرت سنی تو ارادہ فرمایا کہ ان سے معقول منقول میں درس لیا جائے۔ چنانچہ آپ اس سفر میں موضع

سرپھنہ میں مولوی سید رسول صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اِس علاقہ کے خوانین امرا میں ایک متموّل زمیندار حاجی فتح محمد خان صاحب تھے۔ جنہوں نے اپنے مصارف پر ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔ اِسی مدرسہ میں مولانا سید رسول صاحب بھی درس دیتے تھے۔ موصوف نے گاؤں میں ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ اِسی مسجد میں یہ علمی درسگاہ تھی۔ حضور قبلہ عالمؒ نے مولانا سے اپنی خواہش ظاہر کی ـــــ بظاہر حضور قبلہ عالم کی شخصیت نمایاں محسوس نہ ہوتی تھی۔ اِسی انداز سے مولانا انہیں ادنیٰ طالب علم سمجھ کر سادہ تعلیم دیتے ـــــ ایک دن حاجی فتح محمد خان صاحب کے پوتے عبداللہ خان۔ ایک اُستاد سے گلستان کا سبق پڑھ رہے تھے۔ حضورؒ بھی قریب بیٹھے تھے۔ استاد، عبداللہ خان کو کسی شعر کے معنی غلط بتا رہے تھے۔ حضور سن رہے تھے۔ آپ نے اُستاد کو غلطی کی نشاندہی کی کہ شعر کے معنی غلط بتا رہے ہیں ـــــ اُستاد کو یہ ناگوار گذرا کہ ایک معمولی کم سن لڑکا اسے ٹوک رہا ہے۔ اُستاد نے انہیں جھڑک دیا کہ بڑوں کے معاملہ میں دخل نہیں دیتے۔ مگر حضورؒ نے پھر اس کی غلطی کی نشان دہی کی اور شعر کے معنی بتا کر اس کی غلطی ظاہر کی۔ مولانا نے بھی تائید کی تو اُستاد خاموش ہو گئے۔

حاجی فتح محمد خان صاحب نے حضور قبلہ عالم سے فرمائش کی کہ آئندہ آپ لڑکے کو فارسی کا سبق دیں۔ آپ نے منظور فرمایا۔ اب عبداللہ خان حضورؒ سے سبق پڑھنے لگے۔ حضورؒ کے طرزِ تعلیم سے مولانا صاحب اور حاجی صاحب بہت متاثر ہوئے ـــــ ایک دن سبق کے دوران عبداللہ خان نے حضورؒ سے ایک حُبّ کے تعویذ کے لیے کہا۔ کہ مجھے حُبّ کا تعویذ دیں۔ عبداللہ خان بہت کم عمر۔ معصوم لڑکا تھا۔ اس کا سوال کرنا تھا۔ کہ حضورؒ بات کی تہہ تک پہنچ گئے۔ کہ اس سوال کے پسِ پشت اُستاد کی تحریک ہے۔ حضور نے فرمایا۔ ہم تمہیں ایک کلام دیں گے۔ اسے پڑھو۔ اس کلام کا موکل ہے۔ وہ تمہیں خود تعویذ بتا دیں گے۔ حضور نے عبداللہ خان کو درود شریف دیا کہ مسجد کے حجرے میں تنہائی میں آنکھیں بند کر کے پڑھو ـــــ رات عبداللہ نے مراقبہ میں درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ تو مشاہدہ ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ اور اجلاس محمدی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو گئی۔ معصوم تھا۔ اس کیفیت کو سمجھ نہ سکا۔ صبح حضور قبلہ عالمؒ سے سبق پڑھنے آیا۔ تو رات کا واقعہ بیان کیا۔ حضورؒ نے فرمایا۔ کہ ہمارے پاس تعویذ نہیں یہی درود شریف ہے۔ اور یہ مقام روضہ مدینہ منورّہ ہے جہاں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے۔ اور جس ہستی کو تم نے تخت پر بیٹھا دیکھا۔ یہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ بس یہی کچھ ہمارے پاس ہے۔ جو تمہیں حاصل ہُوا۔ بس اسے جاری رکھو۔ اور کسی سے ذکر نہ کرو۔ حضورؒ نے پوچھا ــــ تمہیں کس نے بتایا میرے پاس حُب کا تعویذ ہے۔ اس وقت عبداللہ خان نے بتایا۔ مجھے اُستاد نے کہا کہ آپ سے حُب کا تعویذ مانگوں۔ دراصل اُستاد صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ کہ اس بچّہ کی طرف سب کا رجوع کرنا اور اس کی عزّت کرنا ــــ کسی عمل کے تحت ہے۔ شاید اس کے پاس کوئی عمل ہو جس سے یہ سب کی توجّہ اپنی طرف کرتا ہے۔ خیر حضورؒ نے اس بات کو اہمیت نہ دی۔ اور اپنا سلسلۂ تعلیم جاری رکھا۔
عبداللہ خان رازدارانہ انداز میں اکثر وقت مسجد کے حجرے میں مراقبہ و مشاہدہ میں مشغول رہتے۔ ایک دن دورانِ سبق عبداللہ خان نے کہا۔ کہ یہ عجیب بات ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں ــــ ادھر اجلاس میں بھی آپ دکھائی دیتے ہیں۔ ادھر باہر مجلس میں بھی آپ باتیں کرتے سُنائی دیتے ہیں! حضورؒ نے فرمایا اجلاس میں رُوحانی وجُود ہے۔ یہ وجود ہمارا رُوحانی جسم ہے۔ اور ادھر ہمارا خاکی وجود ہوتا ہے۔ تمہارے بھی دو وجود ہیں۔ ایک اجلاس میں ہے۔ دوسرا حجرے میں۔ ان مشاہدات میں عبداللہ خان کو ایسی لذّت محسوس ہُوئی کہ اس نے دن رات حجرے میں داخل ہو کر مراقبہ میں رہنا شروع کیا ــــ ایک دن مسجد میں مولانا سید رسُول صاحب حاجی فتح محمدؒ خان صاحب۔ عبدالعزیز صاحب (عبداللہ خان کے والد) اور دیگر طلباء بیٹھے دینی مسائل پر گفتگو کر رہے تھے۔ اِسی اثنا میں عبداللہ خان حجرے سے نکلے ــــ وقت دوپہر کا تھا۔ حاجی فتح خان نے اسے حجرے سے نکلتے دیکھا تو پوچھا لڑکے یہ کونسا وقت ہے حجرے میں بیٹھنے کا۔ اب تم اکثر حجرے میں بیٹھے رہتے ہو ــــ گھر کا کام کاج بھی تم نے چھوڑ دیا ہے۔ آخر تم حجرے میں کیا کرتے ہو ــــ؟ تمہارے چہرے کا رنگ بھی بدلا ہُوا ہے۔ سچ بتاؤ تم حجرے میں کیوں بیٹھے رہتے ہو۔ حاجی صاحب دراز قد۔ بارعب شخصیت تھے۔ عبداللہ خان ان کے لہجہ سے مرعوب ہو گئے۔ کچھ زبان سے نہ کہہ سکے ــــ یہ حالت دیکھ کر حضور قبلہ عالم بول اُٹھے۔ حاجی صاحب اسے ہم نے حجرے میں بیٹھنے کو کہا ہے ــــ تاکہ علم کی طرف زیادہ توجہ ہو ــــ حاجی صاحب نے پوچھا۔ کہ اتنی دیر حجرے میں بیٹھنا آخر کس غرض سے ہے۔ باہر بھی مطالعہ ہو سکتا ہے۔ تو حضورؒ نے فرمایا ــــ حاجی صاحب جانے دیں۔ بچّہ صحیح راہ

پر جا رہا ہے۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ حاجی صاحب مصلحتاً خاموش ہو گئے۔ شام پھر عبداللہ خان حجرے میں آئے۔ حضورؒ بھی حجرے میں تشریف فرما تھے۔ عبداللہ خان نے مراقبہ شروع کیا۔ اسی اثنا میں حاجی صاحب بھی حجرے میں داخل ہوئے۔ تو تحقیقی انداز میں حضورؒ سے پوچھا آپ اس لڑکے کو کیا بتا رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ یہ تنہائی کا موقع ہے۔ اب آپ پر یہ امر افشا کر رہا ہوں ــــ کہ عبداللہ خان اس وقت مراقبہ میں دربارِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ بے شک اس حالت میں آپ اس سے سوال کریں۔ یہ اسی طرح بتا دے گا۔ حاجی فتح خان صاحب پر سناٹا چھا گیا۔ کیا یہ حقیقت ہے۔ عبداللہ خان نے مراقبہ چھوڑ دیا۔ تو اپنی ساری داستان بیان کی۔ حاجی صاحب چیخ چیخ کر رونے لگے۔ کہنے لگے میں نے اپنی عمر عبادت میں گذاری۔ راتیں بیداری میں گزاریں۔ دائمی روزے رکھے۔ اس تمنا میں کہ مجھے دیدار حاصل ہو۔ مگر آج تک کامیاب نہ ہو سکا۔ مگر میرا بچہ بغیر محنت یہ مقام حاصل کر گیا۔ پوچھا کہ آپ کو یہ سعادت کیسے نصیب ہوئی۔ حضورؒ نے فرمایا ــــ میں صرف معقول کا طالب علم نہیں ہوں۔ میں جملہ علوم دینی مکمل کر چکا ہوں۔ صرف ضرورت کے تابع یہ سبق لے رہا ہوں۔ اور عالی جاہ مولانا سید محمد نور الزّمان شاہ صاحبؒ کالاباغ کے مریدوں میں سلسلہ اویسیہ سے نسبت رکھتا ہوں۔ حاجی صاحب جیسے آسمان سے زمین پر گرے۔ آپ پر حیرت طاری ہوئی۔ کیا زمانہ میں ایسا کوئی ولی ہے جو آنکھ جھپکنے میں حضوری کرا دے۔ اور تعجب ہے۔ یہ کم سن بچہ ولایت کا شہباز! یہ تو کسی کے وہم و گمان میں آنے والی بات نہیں ــــ!

حاجی صاحب نے ــــ دفورِ جذبات سے حضورؒ کے ہاتھ چومے۔ کھڑے ہو گئے۔ عرض کی۔ میں آپ کو نہ پہچان سکا۔ آپ کی شان کے مطابق تکریم نہ کر سکا۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں ــــ حضورؒ نے تسلّی دی ــــ فرمایا۔ اس میں آپ قصور وار نہیں۔ میں آپ کے پاس طالب علم کی حیثیت سے آیا۔ آپ نے میرے حصولِ علم میں مدد کی۔ گھر سے کھانا دیتے ہیں۔ اس کے لیے ہم آپ کے مشکور ہیں۔ یہ راز ہے جسے پوشیدہ رکھنا لازم ہے۔ اس لیے آپ پر کوئی حرف نہیں آتا ــــ حاجی فتح خان نے عرض کی للہ مجھے بھی اس نعمت سے نوازیں۔ حضورؒ نے درود شریف بتایا ــــ حاجی فتح خان نے ساتھ ہی یاد کیا۔ حضور نے مراقبہ کا حکم دیا۔ حاجی صاحب نے اسی وقت مراقبہ شروع کیا ــــ ابھی ایک سو کی تعداد پوری نہ ہوئی تھی۔ حاجی صاحب کا مشاہدہ جاری ہوا ــــ اسی آن مدینہ منورہ کا روضہ شریف نظر آیا ــــ حضورؒ انہیں اجلاس

میں لے گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کر کے حضوری کر دیا ـــ دیکھا تو عبداللہ خان بھی اجلاس میں موجود ہے۔ حاجی صاحب زیارت کر رہے ہیں۔ اور زار و زار رو رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام ہوا ـــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرمائی ـــ آخر حضور قبلہ عالم نے انہیں مراقبہ سے ہٹایا۔ فرمایا۔ اب یہ تحقیق ہوگئی کہ آپ نے پوتے کو بھی اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھا۔ حاجی صاحب سوائے رونے کے اور کچھ نہ کہہ سکے ـــ فراغت کے بعد حاجی صاحب نے حضور کی پہچانی شان کے مطابق آپ کی عزت و تکریم کی ـــ اور حضور کے کھانے۔ رہائش کے لیے خصوصی انتظام کرنا چاہا ـــ مگر حضورؒ نے منع فرمایا۔ اور کہا کہ ہم طالب علم کی حیثیت میں گمنام رہنا چاہتے ہیں۔ اِس طرح لوگ محسوس کریں گے۔ حضور کے اس طرزِ عمل سے حاجی صاحب بہت متاثر ہوئے۔ لیکن خوشبو چھپ نہیں سکتی۔ حاجی صاحب حضورؒ کی عزت و تکریم پر مجبور تھے۔ حضور مسجد میں تشریف لائے۔ تو حاجی صاحب ادباً اُٹھ کھڑے ہوتے۔ لوگوں نے دیکھا کہ حاجی صاحب خود صاحبِ عزت ہیں اور وہ ایک کم سن طالب علم کے آنے پر کھڑے ہوگئے۔ مولانا سید رسُول صاحب آخر محقق تھے سمجھے کہ اِس بچے میں کوئی خصوصیت ہے۔ پہلے تو وہ انہیں بچہ سمجھ کر سادہ معانی بتاتے۔ اب انہوں نے دقیق انداز میں بیان شروع کیا۔ تو دیکھا حضورؒ اِس علم پر احاطہ کر رہے ہیں۔ دورانِ سبق حضور پر سوال کرتے۔ تو حضور باتوں باتوں میں جواب دیتے۔ مولانا صاحب نے پوچھا پہلے کہیں درس لیا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ ہم نے ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند۔ امروہہ میں حضرت سید مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحب کی زیرِ سرپرستی علم حاصل کیا ہے۔ مولانا صاحب نے عالی جاہ شاہ صاحب کی تعریف سُنی تھی۔ پوچھا تم ان سے بیعت بھی ہوئے ہو۔ حضور نے اثبات میں جواب دیا۔ تو مولانا نے فرمایا۔ تو پھر تم میرے پاس کیوں آئے ہو۔ اس وقت حاجی صاحب بھی تشریف لائے۔ انہوں نے مولانا صاحب پر حقیقت واضح کی۔ تو آپ حیران رہ گئے۔ فرمایا ـــ لڑکے تم نے اپنے آپ کو ہم سے چھپائے رکھا۔ حضورؒ نے انکساری برتتے ہوئے فرمایا۔ مَیں کم سن۔ کم عمر ہوں ـــ آپ جیسی ہستیوں کے آگے ہم ہمسری کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ مَیں بہر حال آپ کا احسان مند ہوں۔ مَیں آپ کے سامنے بڑائی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔

مَنْ تَعَلَّمَ حَرْفًا فَهُوَ مَوْلٰی (حدیث)

جس نے تمہیں ایک حرف سبق دیا۔ وہ تمہارا مولیٰ ہے۔

مولانا صاحب بے حد خوش ہوئے۔ اِس دوران حاجی صاحب نے عبداللہ خان کا اور اپنا واقعہ سنایا۔ تو آپ پر مزید حیرت طاری ہوئی۔ مولانا نے بھی حضورؒ کی عزّت افزائی کی۔ اِس کے بعد مولانا نے اندازِ تعلیم بدل دیا ـــــ اور اپنے سینہ میں خزانہ کئے ہوئے علم کو دریا کی روانی کے ساتھ آپ پر کھول دیا۔ اور حضورؒ ان کے علمی حقائق کو سینہ میں آسانی سے سمیٹتے رہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ایک عالم دوسرے عالم کے ساتھ بحث کر رہا ہو۔ حاجی فتح خان صاحب کے خاندان پر حضور قبلہ عالمؒ کی حیثیت واضح ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس خاندان کے مرد عورت سب حضور سے بیعت ہو گئے۔ اب سب لوگ حضورؒ کو عزّت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اِس طرح حضور قبلہ عالم نے معقول میں حضرت مولانا سید رسُول صاحب سے نہایت آرام و سکون سے علم و حکمت کے موتی حاصل کیئے۔ علم سے فراغت پانے کے بعد حضورؒ نے اپنے محبّوں، محسنوں سے وطن جانے کی اجازت چاہی۔ اور حضور قبلہ عالم ان کے احسان کے عوض انہیں باطن کی نعمتوں سے مالا مال کر کے اپنے وطن کی طرف رخصت ہو گئے۔

علاقہ پٹھوہار کے اُستاد کا حضوری ہونا

حضور قبلہ عالم نے اپنے دَورِ تعلیمی کا ایک ایسا ہی واقعہ سنایا۔ آپ حضور عالی جاہ شاہ صاحبؒ سے بیعت ہو چکے تھے۔ آپ کا ابھی کم سنی کا زمانہ تھا۔ حضورؒ کسی کام سے علاقہ پوٹھوار (راولپنڈی) تشریف لائے تھے۔ حضورؒ کی عادت تھی۔ آپ دورانِ سفر اکثر مسجد میں قیام فرماتے۔ یا کسی مدرسہ یا درسگاہ میں قیام فرماتے۔ ایک مسجد میں آپ کا قیام تھا۔ مسجد میں درس بھی ہوتا تھا۔ دورانِ درس ـــــ یہ ذکر اٹھا ـــــ استاد کہنے لگے۔ سنا ہے۔ کالاباغ میں کوئی عالم ہیں۔ جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کراتے ہیں۔ ان میں ایک اُستاد نے طنزیہ انداز میں کہا ـــــ ہاں کوئی نیا ولی پیدا ہُوا ہوگا۔ یہ تو قطعی خلافِ شریعت ہے۔ ایسا ہونا ممکن نہیں ـــــ یا کسی نے ویسے ہی گپ اُڑائی ہو گی ـــــ یہ سُن کر حضور کو غصہ آیا ـــــ اور اس اُستاد کی

حماقت پر افسوس کیا۔ کہ بلا سوچے سمجھے ایک ولی کی شان کا مذاق اُڑایا۔ لیکن وہ خود کو ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے۔ خاموش ہو گئے۔ اور موقع کی تلاش میں رہے۔ اُستاد صاحب درس دینے لگے۔ تو حضور قبلہ عالمؒ نے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ اُستاد کسی سوال کا جواب نہ دے سکے۔ حضور نے فرمایا۔ آپ تو معمولی سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔ آپ کیسے ایک عالم پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اُستاد نے کہا۔ یہ بات تو قابلِ تسلیم نہیں کہ کوئی شخص حضورؐ کی زیارت کرانے کا دعویٰ کر سکے۔ حضور نے فرمایا یہ تو معمولی بات ہے۔ وہ تو ایک بڑے عالم ہیں۔ یہ تو میرے جیسا بچّہ بھی کر سکتا ہے۔ اگر یقین نہیں تو آئیں مَیں اِس کی دلیل دُوں گا ـــــ اُستاد صاحب حضورؒ کی باتوں سے مرعوب ہو گئے۔ اور خاموش ہو گئے۔

حضور کا قیام مسجد ہی میں تھا۔ رات اُستاد صاحب حضور کے پاس آئے۔ اور کہا آپ نے حضوری کرنے کا دعویٰ کیا۔ مَیں آیا ہوں۔ مجھے آپ کر کے دکھائیں۔ حضور نے اسے مراقبہ میں بٹھایا۔ اور دُرود شریف (عام) پڑھنے کو دیا۔ کہ روضہ شریف کا تصوّر کرے۔ اُستاد نے روضہ شریف کے تصوّر کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں روضہ شریف کا مشاہدہ ہُوا ـــــ استاد نے کہا روضہ شریف نظر آرہا ہے۔ حضور نے اور توجّہ دی۔ تو دیکھا حضور نے خود اسے روضہ شریف کے اندر لے جا کر حضور صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی زیارت کرائی ـــــ اور اجلاس میں ہوش وحواس کے ساتھ کلام کیا۔ اور سُنتا رہا۔ مراقبہ سے فارغ ہوئے تو اُستاد نے حضور کے ہاتھ چومے اور اپنی غلطی اور گستاخی کی مُعافی مانگ لی ـــــ

مصنوعی پیر کی فقیری کا حقیقی رُوپ اختیار کرنا

حضور قبلہ عالم اِسی طرح کا ایک اور واقعہ سناتے ہیں۔ کہ اِسی علاقہ پوٹھوار میں ایک پیر صاحب تھے۔ لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔ مگر فقیری سے قطعی نابلد ـــــ حضور نے اس سے پوچھا۔ آپ لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ اُنہیں کیا دکھاتے ہیں؟ آخر طریقت میں دیدارِ الٰہی کے لیے بیعت کی جاتی ہے۔ آپ کو خود مشاہدہ ہے۔؟ جو لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ کم از کم انہیں حضور صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی زیارت ہی کرائیں۔ پیر صاحب نے کہا یہ امر مشکل ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔

سوائے اس کے کہ یہ لوگ نماز پڑھیں۔ اور وظیفہ پڑھیں ــــ یہ سُن کر حضورؒ نے فرمایا۔ آپ لوگوں کو بیعت کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ محض اِس لیے کہ آپ ان لوگوں سے نیاز وصُول کرتے ہیں ــــ پیر صاحب خاموش ہو گئے۔ حضورؒ نے بھی خاموشی اختیار کی ــــ پیر صاحب کو خیال آیا کہ اس لڑکے نے جس انداز سے بات کی ممکن ہے کہ یہ لڑکا اِس حقیقت سے واقف ہو ــــ رات حضور کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور پوچھا تم نے جو باتیں کہی ہیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اِس بارے میں کچھ علم ہے۔ کیا تم زیارت کرا سکتے ہو؟ ــــ حضورؒ نے فرمایا۔ آپ چاہیں تو ہم تمہیں زیارت کرا سکتے ہیں ــــ پیر صاحب کو درود شریف بتایا۔ اور مراقبہ میں بیٹھ کر پڑھنے کو کہا ــــ پیر صاحب نے درُود شریف مراقبہ میں پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں پیر صاحب کا مشاہدہ ہُوا ــــ اور اجلاس میں داخل ہو کر زیارتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے۔ پیر صاحب زار و زار رونے لگے۔ اور اپنے فعل پر سخت ندامت ہوئی۔ کہنے لگے بلاشبہ مَیں لوگوں کو دھوکہ دیتا رہا۔ عرض کی مَیں اس حقیقت سے قطعی لاعلم تھا۔ کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ حضور سے عرض کی۔ کہ آپ یہاں قیام رکھتے ہیں میرے پاس مُرید آتے رہیں گے۔ انہیں معلوم ہو گا تو ہو سکتا ہے۔ وہ مجھ سے متنفر ہو کر بھاگ جائیں۔ اور میری بے عزّتی ہو گی۔ مہربانی فرما کر آپ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں ــــ البتہ آئندہ مَیں ــــ اپنے مریدوں کو یہی درود شریف اویسی بتایا کروں گا۔ حضور نے فرمایا۔ زیادہ لالچ نہ کرنا ــــ اور اس درود شریف کو دولت کے حصُول میں استعمال نہ کرنا۔ حضور نے ترکیب بتائی[1] تو اسے درود شریف دے کر خود مراقبہ میں عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے پیش ہو کر مرید کو بھی پیش کرنا ــــ جیسا وہ حکم دیں ویسا کرنا ــــ اس طرح اس پیر صاحب کی مصنوعی فقیری حقیقت کا رُوپ اختیار کر گئی ــــ ایسا ہی ایک واقعہ عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے متعلق حضور قبلہ عالم

---

[1] بلاشبہ اصُولِ طریقت میں یہ واقعات مبالغہ سمجھے جا سکتے ہیں۔ البتہ طریقِ طریقت میں ــــ ایک ولی کی حیثیت اور مقام ــــ اور رُوحانی قوّت کا اندازہ بھی زیرِ نظر رکھنا ہے۔ کسی طالب کو مشاہدہ کے ساتھ۔ زیارتِ رسُول اللہ کرانا بھی۔ اصُولِ طریقت میں واقع ہونا۔ طریقت میں شامل ہے؟ ــــ اِس مقام پر ایک طالب ــــ ایک ولی کی خصوصیّت کو زیرِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے سُنایا۔ حضور عالی جاہ شاہ صاحب کی شہرت پنجاب تک پھیلنے لگی۔ اور اس بات کا چرچا عام ہونے لگا۔ یہ راولپنڈی کا ہی واقعہ ہے۔ کہ ایک مجلس میں عالی جاہ شاہ صاحب کی ولایت کا ذکر ہو رہا تھا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہیں۔ ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا۔ آپ بھی مجھے زیارت کرائیں ــــ یہ زمانہ تھا کہ کسی پیر کے وہم و گمان میں نہ تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ سوائے اِس کے کہ کسی پیر سے معمولی قسم کے ناسوتی عمل کا مظاہرہ ہو ــــ باقی پیری فقیری اِسی حد تک محدود تھی کہ مرید بیعت کرے۔ نماز پڑھے یا ذکر کرے۔ یا کوئی وظیفہ پڑھے ــــ پیر صاحب نے اپنی ساکھ رکھنے کے لیے مرید کو چالیس روز چلّہ کرنے کا حکم دیا ــــ مرید نے چالیس روز کا چلّہ پُورا کیا۔ لیکن اُسے کچھ دکھائی نہ دیا ــــ پیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹)

طریقت میں ایک طالب کیلئے ایک عمل کرنا لازم ہے جیسے فقرا۔ اولیا طالب کو ارشاد (وظیفہ) پڑھنے کو دیتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی تزکیہ نفس کی ہدایت بھی کی جاتی ہے ــــ جاننا چاہیئے کہ طریقت میں ایک طالب کے لیے دو مقصد ہوتے ہیں۔ ایک مقام ــــ مرتبہ (منزل) حاصل کرنا ــــ کہ طالب کی اصُولِ طریقت پر گامزن ہو کر مقامِ معرفت (روحانی مقام ــــ عالم) تک رسائی ہو۔ یہ معرفت کی اصل ہے۔ کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (ترجمہ) نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر عبادت کے ذریعہ معرفت (معرفتِ الٰہی) حاصل کرنے کے لیے۔ ظاہر ہے۔ اگر ولی (پیر) طالب سے کہہ دے۔ کہ تمہارا مقام عرش پر ہے۔ تو بغیر مشاہدہ طالب اپنے مقام پر شبہ کر سکتا ہے۔ کہ مَیں واقعی عرش پر ہوں۔؟ تو اِس کے لیے ضروری ہے۔ کہ مرتبہ کے ساتھ مقام کا مشاہدہ بھی دیا جائے۔ تاکہ طالب کیلئے یقین کی صُورت پختہ ہو جس کے لیے ضروری ہے۔ کہ ولی خود صاحبِ معرفت۔ صاحبِ مشاہدہ ہو۔ تاکہ طالب کو اس کے مقام کا مشاہدہ کرا سکے ــــ یہ صُورت طریقت میں ایک طالب کے لیے ضروری ہے کہ ولی اکمل کی بیعت حاصل کر کے۔ اوّل۔ ارشاد۔ وظیفہ۔ حاصل کرے ــــ دوسرے ارشاد کے ساتھ تزکیہ نفس ایک ضروری۔ لازمی عمل ہے۔ تزکیہ نفس کس غرض کے لیے؟ یعنی طریقت میں۔ عمل کے لیے جسم اعضا۔ کو استعمال کیا جاتا ہے یعنی عبادت۔ نماز۔ قیام۔ رکوع و سجُود۔ دُوسرے مشاہدہ کے لیے جسم سے ماسوا۔ انسانی رُوح استعمال کی جاتی ہے۔ یہ اس لیے کہ مقام عالم روحانی۔ (غائب)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صاحب نے کہا چلہ میں کچھ نقص ہوا ہے۔ دوبارہ چالیس روز چلہ میں بیٹھو۔ اس بار بھی کچھ حاصل نہ ہوا — پیر صاحب نے تیسری بار چلہ کرایا۔ لیکن مرید پر ذرّہ بھر روشنی کا انکشاف نہ ہو سکا۔ آخر مرید نے مایوس ہو کر پیر صاحب سے کہا۔ کہ بہتر ہے آپ مجھے انہیں بزرگ کے پاس جانے کی اجازت دیں۔ جو حضوری کرتے ہیں۔ پیر صاحب نے اجازت دی۔ اور وہ عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کیسے آئے ہو؟ مرید نے اپنی تمام داستان بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ حضور مجھے بھی اس نعمت سے سرفراز فرمائیں۔ آپ نے انگلی سے اسے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ جاؤ! مسجد میں بیٹھ کر روضہ شریف کا تصور کر کے جو درود شریف پڑھتے رہے ہو۔ وہی پڑھو۔ یہ شخص اسی وقت اُٹھ کر مسجد میں گیا۔ اور مراقبہ میں مشغول ہو گیا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ درود شریف پڑھا ہو گا۔ اسے مشاہدہ ہوا — اور اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰)

کے مشاہدہ کے لیے رُوح (رُوحانی وجُود) سے۔ رُوح کی رسائی کے ساتھ۔ مقام کے مشاہدہ سے تصدیق حاصل کی جاتی ہے۔

حقیقتاً۔ طریقِ طریقت میں۔ اصل عمل رُوح سے ہوتا ہے۔ (اسکی وضاحت "حقیقتِ تصوّف" میں کی گئی ہے) — اس عمل میں یہ سمجھنا ضروری ہے۔ ایک فقیر۔ اگر خود مقام حاصل نہ کر چکا ہو وہ کسی طالب کی رُوح کو کسی رُوحانی مقام تک پہنچانے کا حامل نہیں۔ نہ اس مقام کا مشاہدہ کرا سکتا ہے لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک پیر — ولی — معرفت کے مقامات طے کر چکا ہو۔ اور پھر ان مقامات کا مشاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے۔ کہ مشاہدہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔

ایک ولی مقرب بارگاہ۔ رُوحانی حیثیت میں۔ ولی کی رُوح۔ عالمِ معرفت میں مقام حاصل کرتا ہے۔ سو جس مرتبہ تک رسائی حاصل کی اسے یہ قدرت حاصل ہے۔ کہ وہ ایک طالب کی رُوح اٹھا کر بغیر عمل کے کسی مقام تک پہنچا کر اس کی رُوح پر مقام کے احوال و ماحول کا عکس ڈال کر مشاہدہ کرا دے۔ لیکن طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ تجلیاتِ نوری کا متحمّل ہو۔ بغیر قوت ایک طالب نوری تجلیات برداشت نہ کرنے کی صُورت میں لَنْ تَرَانِی۔ پر جذب اگر طالب مجذوب ہوتا ہے — اس کی ایک صُورت یہ بھی ہے۔ کہ بغیر تزکیہ نفس۔ ایک طالب بغیر صفائی آئینہ قلب۔ اپنے مقام کا مشاہدہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں داخل ہوکر زیارتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مشرف ہُوا۔ مراقبہ سے فارغ ہوکر عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر شکر گزار ہُوا۔ اور آپ سے بیعت بھی حاصل کی —— یہی عالم حضُور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ کہ آپ توجّہ سے آناً فاناً ایک طالب کو حضوری کرتے تھے۔ حاجی فتح خان صاحب نے اپنی عمر کا بیشتر حصّہ۔ عبادت و شب بیداری۔ اور مسلسل روزے رکھنے میں گذارا۔ مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ حضُور قبلہ عالم کی توجّہ سے چند لمحوں میں حضوری میسّر آئی —— آپ نے انہیں ذرّہ بھر علم کے حصُول میں معاونت کے عوض نعمتِ عظیم سے سرفراز فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱)

نہیں کرسکتا۔ ایسے موقع پر۔ یہ شک۔ یہ گمان نہ کیا جائے کہ ولی۔ میں قوت موجُود نہیں۔ ایسا نہیں! صرف اصول وضابطہ کے تحت کسی نااہل کو مشاہدہ کرانا۔ اصُولی طور منع ہے۔ جب تک کہ طالب کا قلب وشعُور تجلّیات کا متحمّل نہ ہو۔ اس کا مجذُوب ہونا۔ ناقص اور کمزوری تصوّر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ ایک ولی ایک طالب کی رُوح کو معرفت کے کسی مقام تک اُٹھا کر لے جانے کی قدرت رکھتا ہے۔ البتہ یہ ایک ولی کے ارادہ پر منحصر ہے۔ کہ جب تک ایک طالب تزکیہ نفس۔ اور مُجاہدہ سے اپنی رُوح کو اس قابل کردے کہ وہ۔ ایسے مقام پر مشاہدہ روحی سے آسانی سے مقام کی ہیئت کو دیکھ سکے۔ البتہ ایک ولی۔ ولی اکمل —— یہ قدرت رکھتا ہے۔ کہ وُہ ایک طالب کی رُوح کو کسی مقام و مرتبہ (یا ذاتِ الٰہی) تک لے جاسکتا ہے۔ اِس حال میں۔ کہ ولی میں یہ قدرت ہے۔ کہ طالب کی رُوح پر مقام کی ہیئت کا عکس ڈال کر مشاہدہ کرائے۔ اِس حال میں کہ اس پر جذب وارد نہ ہو۔

حضُور عالی جاہ سیّد محمّد نُورالزّمان ایک ولی مقرّبِ خداوند کو یہ خصُوصیت حاصل تھی۔ کہ جسے عالمِ معرفت میں۔ بحیثیت ولی اکمل۔ اُٹھا کر مقام دے۔ اور اس مقام کا مشاہدہ دے سکتے تھے۔ یہ خصوصیّت ولی اکمل کی ہوتی ہے۔ کہ اپنے اختیار سے جس طالب کو چاہے مقام عطا کرے۔

حضُور قبلہ عالم جناب محمّد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ والا میں یہ اہم خصُوصیّت تھی کہ کسی کے گالی دینے پر بھی آپؒ ایک شخص۔ یا غیر مذہب کو بھی دربارِ رسُول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) میں پیش کرتے۔ ہاں ضرورت اور اصُول کے تابع۔ طالب کے لیے۔ مرتبہ تک رسائی۔ اور مشاہدہ کیلئے۔ تزکیہ نفس ضروری عمل ہے۔ تاکہ ایک طالب اپنی زندگی کے آخر تک معرفت میں کامل رہے۔

موروثی جائیداد بھائیوں کو بخشنا

حضور قبلہ عالمؒ نے اپنے عزیزوں کے ہاں قیام کے دوران زانگلی کا شیراہ گاؤں میں اپنی پسند کی زمین منتخب کی ــــ اور زمین کا انتقال اور تعمیرِ مکان کے لیے سامان مہیا کرنا آئندہ پر چھوڑ دیا۔ ابھی عمر بھی کم تھی۔ طبیعت آزاد تھی ــــ بے فکری کا عالم تھا۔ دُنیا داری کی طرف رجحان نہ تھا ــــ اور یوں بھی دُنیاوی معاملات میں خود کو پابند نہ کرنا چاہتے تھے۔ قلب میں شرابِ معرفت کی مستی تھی۔ اِس لیے طبیعت کو آزاد رکھنا چاہتے تھے۔ البتہ تعمیرِ مکان کے لیے سامان کی فراہمی کے لیے منصوبہ بنایا۔ کہ اپنے وطن جا کر والدین کے ورثہ سے حصّہ حاصل کریں۔ چنانچہ آپ اپنے وطن تشریف لے گئے ــــ اور اپنے برادران سے اپنے ارادہ کا اظہار فرمایا۔ کہ آپ کا شیراہ میں مستقل سکونت کے لیے زمین لے چکے ہیں۔ اور اب مکان کی تعمیر کے لیے والد کے ترکہ میں سے کچھ دیں ــــ بھائیوں کو آپ کا وطن سے دُور جا کر سکونت کرنا ناگوار گذرا ــــ مگر حضور اب اِس سلسلہ میں عملی قدم اُٹھا چکے تھے۔ بھائیوں نے جائیداد کے سلسلے میں بتایا۔ کہ والد نے موروثی جائیداد فروخت کر کے نئی جائیداد بنائی ہے۔ جس میں بھائیوں نے محنت سے اس میں توسیع کی ہے۔ اور والد نے ہمیں خود حصّہ کر کے تقسیم کر دی ہے۔ طویل عرصہ گذرا ــــ اب اِس جائیداد میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ آپ کو دے سکیں۔ لیکن حضورؒ کے پاس ذاتی وراثت سے سوا اور کوئی ذریعہ بھی میسّر نہ تھا۔ جس سے مکان کی تکمیل ہو سکتی۔ حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں ــــ کہ والد وفات پا چکے تھے۔ اِس سلسلہ میں ہم بھائیوں سے اُلجھنا نہ چاہتے تھے۔ اِس لیے ہم نے اپنے والد سے رجوع کیا۔ انہوں نے ہمارے بھائیوں کے حق میں حمایت کی۔ تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں دعویٰ دائر کر دیا۔ اور ہمارے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے حضور پیش ہوئے۔ والد نے اپنی طرف سے بھائیوں کے حق میں ان کی عیالداری۔ اور مجبوری پیش کرتے ہوئے دلائل پیش کیے۔ لیکن ہم نے بھی اپنی طرف سے دلائل پیش کیے۔ انہیں ہمارے دلائل کو تسلیم کرنا پڑا ــــ والد ہمارے دلائل سُن کر بہت خوش ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم

نے بھی ہمارے دلائل کو پسند فرما کر اظہارِ خوشنودی فرمایا۔ آخر ہم نے فیصلہ دے دیا کہ ہم اپنے حصّہ وراثت سے کچھ نہیں لیں گے۔ یہ معاملہ ہم نے اپنے بھائیوں پر بھی ظاہر کر دیا۔ آخر چند دن ہنسی خوشی رہ کر ہم اپنے بھائیوں سے رخصت لے کر واپس کاشیراہ روانہ ہوگئے۔

مولانا عبدالرّزاق بخاری سے مُلاقات

دورانِ سفر دل نے پھر عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ کہ اِس بے کسی کے زمانے میں وہی میرے ملجا و ماویٰ تھے۔ وہی میرے باطنی والد و سرپرست تھے۔ اب ان کے در پر جاکر اپنی حاجت طلب کریں گے۔ چنانچہ آپ کوٹ چاندنہ شریف کی طرف روانہ ہوگئے۔ کوٹ چاندنہ شریف پہنچ کر اپنے دستگیر کی تربت پر فاتحہ پڑھی اور ان سے اپنی حاجت طلب کی۔ عالی جاہ شاہ صاحبؒ نے تسلّی فرمائی۔ اور حضور مطمئن ہو کر آپ کو سلام بھیجتے رہے۔ اور آپ کے فیض سے مسرور ہوتے رہے۔ اِس بار آپ دنیوی حصُول کی بارآوری کے تصوّر میں۔ شاداں فرحاں واپس لوٹے۔ چند دن صاحبزادہ فخرالزمان شاہ صاحب کی صحبت میں رہ کر لطف اٹھایا۔ آخر اجازت لے کر پھر وطن کی طرف روانہ ہوگئے۔ اِس بار کوٹ چاندنہ شریف میں حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے مریدوں میں ایک جید عالم جناب عبدالرزاق بخاری صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حضرت عالی جاہ شاہ صاحب کی حیات میں ان سے تعلق تھا۔ عبدالرزاق بخاری صاحب نے اپنے مراتب کی تکمیل کے لیے عالی جاہ شاہ صاحب سے استدعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کے مراتب جاری ہیں اور اگر کچھ باقی رہ گئے۔ تو کشمیری تمہارے مراتب پورے کر دے گا۔ اور آپ کو اس کے علم میں اگر ضرورت پڑی تو ان کی مدد کرنا ـــــ بخاری صاحب نے حضور قبلہ عالم کو عالی جاہ شاہ صاحب کا وعدہ یاد دلایا۔ حضورؒ نے منظور فرمایا۔ بخاری صاحب نے حضور قبلہ عالم کی رفاقت اختیار کی اور آپ کے ساتھ کشمیر کی طرف روانہ ہوگئے۔ بخاری صاحب امیر کبیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کثیر دولت سے نوازا تھا۔ دورانِ سفر بخاری صاحب نے سفر کے تمام اخراجات خود پورے کیے۔ کوٹ چاندنہ شریف سے روانہ ہو کر حضور قبلہ عالم ضلع ہزارہ ایبٹ آباد پہنچے۔ تو سرپھنہ گاؤں جانے

کا ارادہ کیا ـــــ چنانچہ آپ سرپھنہ چلے گئے ـــــ سرپھنہ وادی کی سڑک سے تقریباً چار میل اُوپر پہاڑ میں واقع ہے۔ بخاری صاحب پہاڑ پر چڑھنے کے عادی نہ تھے۔ اس لیے حاجی فتح خان صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔ حاجی فتح خان صاحب بمعہ گاؤں کے لوگوں کے استقبال کو نیچے اُترے۔ بخاری صاحب کو گھوڑا پیش کیا مگر حضور قبلہ عالم کے ادب کے مدِنظر آپ نے گھوڑے پر چڑھنے سے انکار کر دیا۔ اور پیدل پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ حاجی فتح خان صاحب نے حضور قبلہ عالم اور بخاری صاحب کے شایانِ شان خدمت گذاری کی۔ حضور قبلہ عالم نے بخاری صاحب کا اپنے کامل استاد مولانا سید رسول صاحب سے تعارف کرایا۔ دونوں عالم ایک دوسرے سے مل کر حد درجہ مسرور و محظوظ ہوئے۔ یہ صحبت ایک پُرلطف صحبت تھی جس میں علم کے موتی بکھرتے تھے۔ اور ساتھ ہی باطن کی تجلیات سے سیرابی ہوتی تھی ـــــ سب ہی مسرور تھے۔ بڑی پُرلطف مجلسیں ہوتی رہیں۔ جی سیر ہو گیا۔ تو حضور قبلہ عالم نے رخصت چاہی۔ سب ہی لوگ آپ کو الوداع[1] کہتے نیچے سڑک تک آئے۔ اور سب نے خوشی و غم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔

بارہمولہ کی مسجد میں مناظرہ پر حضورؒ کی تنبیہ

سرپھنہ سے روانہ ہو کر مظفر آباد ہوتے ہوئے بارہمولہ پہنچے ـــــ یہاں بھی حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں ایک شخص مستری عبدالخالق نامی تھا ـــــ ان سے ملاقات ہوئی۔ مستری عبدالخالق نے رات کھانا کھلایا۔ حضور نے رات بجائے عبدالخالق کے گھر قیام کرنے کے مسجد میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ آپ بمعہ بخاری صاحب مسجد میں تشریف لائے۔ مستری عبدالخالق بھی ان کی صحبت میں رہے ـــــ رات عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد میں لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ دیکھا

---

[1] یہ واقعہ مجھے حاجی عبداللہ خان صاحب نے ایبٹ آباد سکونت رکھنے کے دوران سنایا، کہ بخاری صاحب حد درجہ امیر تھے۔ امیرانہ صفت رکھتے تھے۔ کہتے ہیں راستہ چلتے چلتے بخاری صاحب کی ہمیانی سے روپوں کی تھیلی گری۔ آپ نے جھک کر تھیلی اٹھانا گوارا نہ کیا۔ اور سیدھے چلے گئے۔ لوگوں کو اشارہ کیا کہ تھیلی اٹھا کر آپس میں تقسیم کر لو۔

تو دو مولوی صاحبان بحث و مناظرہ کے لیے اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ جمع ہو رہے ہیں۔ لوگ ایک دُوسرے پر آوازے کس رہے ہیں۔ دونوں فریق مشتعل نظر آ رہے تھے۔ معلوم ہُوا کہ دونوں فریقوں کے مولوی صاحبان کا حاضر و ناظر اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ پر اختلاف ہے۔ مولوی صاحبان نے بحث شروع کی۔ مناظرہ شروع ہُوا۔ آپس میں دلائل پیش کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اختلاف میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے۔ حضور قبلہ عالم یہ ناٹک دیکھ رہے تھے۔ اور مولویوں کے بے معنی اور لغو بحث و دلائل سن کر افسوس کر رہے تھے۔ قریب تھا کہ دونوں فریق آپس میں ایک دوسرے پر لاٹھیوں سے حملہ کر دیں۔ حضور قبلہ عالم اُٹھ کر منبر پر تشریف لائے۔ اور دونوں فریقوں کے مولویوں کو خاموش رہنے کو کہا۔ کسی شخص کا اچانک منبر پر آنا ــــ اور وُہ بھی ایک کم عمر لڑکے کا مولویوں کو خاموش رہنے کی تلقین کرنا ــــ کار آمد ثابت ہُوا ــــ سب لوگ خاموش ہو گئے۔ حضور قبلہ عالم نے۔ دونوں فریقوں کے علماء سے مختلف سوالات کیے۔ مگر ان میں سے کوئی ایک بھی جواب نہ دے سکا۔ تو فرمایا آپ لوگ بغیر علم کے ایسے نازک مسئلوں پر مناظرہ کر کے لوگوں میں فتنہ پھیلا رہے ہو۔ اللہ کے نزدیک تمہاری باز پُرس ہو گی۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو گا ــــ اور تم سزا کے مستحق ہو گے۔ بیچارے سادہ لوح عوام کو آپس میں ٹکرا کر کشت و خُون کرنا۔ شریعت کے خلاف ہے۔ حضور نے حاضر و ناظر اور حیات النبی پر سادہ طریقہ پر دلائل دے کر انہیں سمجھایا ــــ دلائل سمجھ میں آ گئے۔ سب نے تسلیم کیا۔ اِس طرح دونوں فریقوں کے درمیان فساد ہوتے ہوتے ٹل گیا۔ لوگ حضور کو دیکھ کر متعجب تھے۔ کہ ایک کم سن لڑکے نے کتنے سہل طریقہ سے مسئلہ کو سمجھایا۔ لوگ حضور کے وعظ سے بہت متاثر ہوئے۔ اور حضور کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ حضور انہیں مسائل سمجھاتے رہے۔ رات کو حضور کے لیے کھانا لائے۔ انھوں نے حضور کی بیحد عزت کی ان میں ملا قسم کا ایک سکول ماسٹر بھی تھا۔ حضور قبلہ عالم کا حُلیہ اور لوگوں کی عزت افزائی کرنا بھی اُسے محسوس ہُوا۔ کہ ایک کم سن لڑکے کی اتنی عزت افزائی ــــ ہو نہ ہو۔ اِس لڑکے کے پاس کوئی عمل ہو جس وجہ سے ہر شخص اِن کی عزت کرنے لگا۔ حضور قبلہ عالم نے رات مسجد میں گذاری۔ صبح لوگ حضور کے لیے ناشتہ بھی لائے۔ حضور مسجد سے جانے لگے تو ماسٹر صاحب

بھی آپ کی خدمت میں پیش ہوتے۔ کہا مجھے بھی کوئی وظیفہ پڑھنے کو بتائیں۔ حضور نے اُسے درُود شریف پڑھنے کو دیا ــــ اور وہاں سے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بارہمولہ سے سات میل کے قریب شاہراہِ کشمیر (سری نگر) چھوڑ کر قصبہ سوپور کی طرف روانہ ہو گئے ــــ

ارسلان خان کا بیعت ہونا

سوپور سے اپنے عزیزوں کے گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔ تو تقریباً چار میل سفر طے کیا تھا۔ کہ ایک شخص راستہ میں ملا ــــ اس نے حضور کے قریب آکر السلامُ علیکم کہا۔ اور عرض کی کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں۔ اس نے کہا۔ یہاں سے قریب ہی میرا گاؤں (گاؤں کا نام یارو تھا) ہے۔ مَیں آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضور قبلہ عالم نے پوچھا۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہُوا۔ کہ مَیں بیعت کرتا ہوں؟ ــــ اُس نے جواب دیا۔ کہ میرے گاؤں میں ایک فقیر رہتا ہے۔ مَیں اکثر اُس کی خدمت میں رہتا تھا۔ مَیں اُسے بیعت کرنے کیلئے کہتا مگر وہ مجھے بیعت نہیں کرتے ــــ دو دن قبل فقیر نے مجھ سے کہا ــــ کہ میرا وقت قریب آچکا ہے۔ مَیں اس دُنیا سے جانے والا ہوں۔ میری وفات پر ایک لڑکا اس طرف سے گذرے گا۔ اس نے مجھے آپ کا حلیہ بھی بتایا۔ اور کہا وہی میرا جنازہ پڑھائے گا۔ تم اس سے بیعت کرنا۔ اس کے بتائے ہوئے نشان مَیں آپ میں دیکھتا ہوں۔ وہ فقیر قریب المرگ ہے۔ لہٰذا آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں ــــ حضور قبلہ عالم بمعہ بخاری صاحب اس شخص کی فرمائش پر اس کے ساتھ گاؤں گئے۔ وہ شخص انہیں فقیر کے پاس لے گیا۔ حضور فقیر کے گھر پہنچے تو دیکھا وہ اپنے آخری سانسوں پر رختِ سفر باندھ چکا تھا۔ حضور اس کے قریب گئے تو وہ فقیر جاں بحق ہو گیا۔ حضور قبلہ عالم اس کی تجہیز و تکفین میں شامل ہو گئے۔ خود جنازہ پڑھا۔ اور اسے دفن کر دیا۔ فارغ ہو کر وہ شخص انہیں اپنے گھر لے گیا۔ رات کھانا دیا۔ خدمت گذاری کی۔ حضور قبلہ عالم نے اُسے بیعت کیا اور سلسلہ اویسیہ میں داخل کیا۔

یہ شخص ارسلان خان صاحب تھے۔ جو حضور کے مریدوں میں اُونچا مقام رکھتے تھے۔ آفریدی پٹھان قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ زمیندار تھے۔ سادہ قسم کی زندگی گذارتے۔ بیعت

کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔ زیارتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ہر لمحہ عبادت و مشاغلِ طریقت میں مشغول رہنے لگے ــــ آپ کثرت سے درُود شریف پڑھتے۔ اکثر راتوں میں دائمی شب بیداری کرتے ــــ دن رات میں ایک لاکھ سے زائد درُود شریف پڑھتے۔ اکثر آپ کو رات میں سویا نہیں دیکھا گیا۔ ہر وقت تسبیح میں رہتے ــــ بیعت کے بعد آپ نے بستر پر سونا ترک کر دیا۔ طبیعت جلالی تھی۔ ان کی توجہ میں شدت کا اثر تھا۔ مجیب الدعوات تھے ــــ آپ پر اکثر جذب طاری رہتا۔ لیکن اس کے باوجُود آپ ہوش مند رہتے تھے۔ اور زمینداری کا کام بھی کرتے ــــ بعض اوقات مہینوں خلوت گزیں رہتے۔ گھر میں۔ ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ حکم دیا۔ کہ میری اجازت کے بغیر کوئی دروازہ نہ کھولے۔ تو دو دو ہفتے خلوت میں بغیر کھائے پیئے گذار دیتے۔ اپنی مرضی سے باہر آتے اور کاروبار میں مصروف ہو جاتے۔ اِس حال میں آپ کی صحت طویل فاقہ سے متاثر نہ ہوتی ــــ اِس تزکیہ سے اُنہیں مافوق الفطرت کرامات حاصل تھیں۔ زبان سے جو بات کہی۔ اسی آن پوری ہو جاتی ــــ گاؤں کے اکثر لوگ ان سے رجوع کرتے۔ اور فیض پاتے ــــ علاقہ ہندواڑہ کے اکثر لوگ ان کی نسبت سے سلسلہ اویسیہ میں داخل ہوتے۔ آپ بھی کسی کو توجہ دیتے۔ تو وہ حضوری ہو جاتا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ تحصیل ہندواڑہ کے گاؤں اودی پورہ میں حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں سمندر میر ذیلدار اور کبیر ملک مخلص عقیدت مند تھے۔ سمندر میر ذیلدار امیر آدمی تھے ــــ آدابِ طریقت میں بعض اوقات کوتاہی کرتے۔ لیکن پیر سے حُب اور عقیدت قائم تھی کبیر ملک کی ہمشیرہ سمندر میر کے گھر بیاہی تھی ــــ کبیر ملک نہایت شریف النفس اور پرہیز گار آدمی تھے۔ سمندر میر اور ان کے درمیان کبھی تنازعہ بھی ہو جاتا ــــ وہ اس وجہ سے کہ سمندر میر دُنیادار ہونے کی وجہ سے آداب کو ملحوظ نہ رکھتے۔ تو کبیر ملک ان سے ناراض ہو جاتے ــــ نفس کی شرارت تو انسان میں رہتی ہے۔ دُنیادار قسم کا آدمی کبھی اس شرارتِ نفس سے متاثر ہو جاتا ہے۔ ایک دن سمندر میر نے اپنے گھر میں ختم دلوایا۔ اور کشمیری طرز کی دعوت دی جس میں گاؤں اور شہر کے چند متمول لوگوں کو بھی مدعو کیا۔ کبیر ملک سے کسی تنازعہ کے سبب نہ اسے مدعو کیا۔ نہ حضور قبلہ عالم کو مدعو کیا۔ اِسی دن ارسلان خان صاحب کبیر ملک کے گھر آئے۔ انہیں معلوم

ہوا کہ سمندر میر نے حضور قبلہ عالم کو مدعو نہیں کیا۔ سمندر میر کو معلوم ہوا کہ ارسلان خان کبیر ملک کے گھر آئے ہیں۔ اُس نے نوکر کو بھیجا کہ ارسلان خان کو دعوت میں بلائے۔ یہ حرکت انہیں ناگوار گذری۔ انہوں نے جواب دیا جس میں میرے پیر شامل نہ ہوں۔ ہم اس دعوت میں شریک نہیں ہوتے ــــ سمندر میر نے ان کی اس بات پر اظہار ناراضگی کیا۔ اور غلطی سے حضور قبلہ عالم کی شان میں اس کی زبان سے گستاخانہ کلمات نکلے۔ ارسلان خان کو معلوم ہوا۔ تو جلال میں آگئے۔ غصہ میں کہنے لگے۔ سمندر میر کی یہ طاقت کہ حضور کی شان میں بے ادبی کرے! میں اسے خاک میں ملا دوں گا۔! زبان سے الفاظ نکلتے تھے کہ سمندر میر کا مکان زلزلہ کی زد میں آ گیا۔ زمین پنگوڑے کی طرح ڈولنے لگی۔ ہمسایہ لوگ گھبرا کر گھروں سے باہر نکل آئے۔ دیگیں الٹ گئیں ــــ وہاں سے دھواں اُٹھنے لگا ــــ سمندر میر گھر سے باہر بھاگا ــــ کبیر ملک کا مکان سمندر میر کے قریب ہی تھا۔ دیکھا ارسلان خان غصہ میں غضبناک ہو رہے ہیں۔ بات سمجھ گیا۔ دوڑ کر قدموں میں گر پڑا۔ مُعافی مانگنے لگا۔ کہ مجھ سے نادانستہ غلطی ہو گئی۔ میں برباد ہو گیا میری خطا مُعاف کریں۔ سمندر میر کی عاجزی سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ سمندر میر کو ملامت کی کہ تم نے حضور قبلہ عالم کی شان میں گستاخی کی۔ تنبیہ کی کہ مُرید ہوتے ہوئے حضور قبلہ عالم کی شان کو نہیں سمجھتے۔ اور اپنی دولت کے نشہ میں مست ہو گئے۔ مرید نہ ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا۔ اب جاؤ اپنی دعوت کا بندوبست کرو۔ سمندر میر واپس گھر لوٹا ــــ دیگیں اُٹھائیں ــــ آگ جلائی ــــ تو دیکھا کچھ نقصان نہیں ہوا ــــ تھوڑی دیر میں دعوت تیار ہو گئی۔ ارسلان خان کو خود آ کر دعوت میں شریک ہونے کے لیے کہا۔ مگر وہ شریک نہ ہوئے۔ ارسلان خان حضور قبلہ عالم پر دل و جان سے فریفتہ تھے۔ اکثر وقت ان کی خدمت گذاری میں گھر اور سفر میں ان کے ساتھ رہتے ــــ شہر میں کبھی اپنے درود خوان دوستوں میں آتے۔ تو ہر شخص ان کی عزت کرتا ــــ آپ سے اپنی مہموں سے متعلق استدعا کرتے۔ آپ ان کے معاملات حضور میں پیش کرتے۔ اور ان کی مشکلیں حل کرا دیتے۔ جب بھی کسی مرید کو مشکل پیش آتی تو ارسلان خان کے پاس دوڑا آتا۔ اور مدد طلب کرتا۔ حضور قبلہ عالم کے مُریدوں میں ارسلان خان (مثل سابقون الاولون) معرفتِ الٰہی میں کامل اکمل ولی تھے۔ اکثر لوگوں کو توجہ دے کر حضوری

کرتے — آپ کا ایک خادم حجام آپ کی خدمت میں اکثر رہتا۔ ایک دن حجام نے استدعا کی کہ مجھے بھی کچھ فیض عطا ہو۔ طبیعت اس وقت سرور میں تھی۔ جلال آگیا۔ قریب بلایا۔ توجہ دی اسی وقت حجام اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو کر زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہُوا — توجہ میں نور کی شدت تھی۔ حجام پر جذب طاری ہوگیا۔ اور پھر یہ جذب اس پر تمام عمر رہا۔ اس سے بھی کرامات کا ظہور ہونے لگا — لوگ حجام سے بھی فیض پاتے رہے۔ یہ شخص گاؤں میں فقیر "عمہ صاحب" (احمد نام تھا) یا رو کے نام سے مشہور ہوگیا۔ جناب ارسلان خان اپنے پیر کے ان مریدوں میں سے تھے۔ جو خود ایک پیر اکمل کی ولایت کی دلیل بنتے ہیں۔ آپ نے اپنے پیر اکمل کی صحبت میں اپنا مقام و مقصود پا لیا — اور ۱۹۶۱ء میں مادی برزخوں سے نکل کر ابدی زندگی کے راحت و سرور میں داخل ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

ایک وَلی موت پر قادر ہے۔

بس انسانی زندگی کی حیات و موت کا قصّہ یہاں آکر ختم ہو جاتا ہے — کہ جسم سے روح جُدا ہو کر یا تو بھٹک جاتی ہے۔ یا واصلِ حق ہو جاتی ہے۔ ہاں! کسی کی رُوح "جُدا کی جاتی ہے" اور کوئی خود نکل کر الگ ہو جاتی ہے۔ دُنیا سے محبت رکھنے والے۔ دُنیا کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ انہیں مجبوراً برزخ میں جانا پڑتا ہے — وہ موت پر راضی نہیں ہوتے۔ مگر ولی دُنیا کو سِجْنُ الْمُؤْمِنِ (قیدخانہ) محسوس کرتا ہے — اس کی نظر میں جنّت کی شادابیاں — مراتب کے لطیف و خوش آئند تجلیات و انوار ہوتے ہیں۔ اِس کی رُوح اپنے مراتب میں جانے کے لیے بے چین رہتی ہے — وہ موت کا بے چینی سے منتظر رہتا ہے — وہ تمنائے موت میں ہر لمحہ اجل کو لبیک کہنے کا منتظر رہتا ہے — کیوں کہ "اجل" ہی اس کے دائمی وصال میں حائل ہونے کا سبب ہوتی ہے —

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

موت کی تمنّا کرنا صدیقیت کی صفت میں شامل ہے — ایمان کی اصل شرط موت کی تمنّا

رکھنا ہے — اس حال میں کہ اس کی رُوح مراتب کی تجلیات کا مشاہدہ کرتی ہے — ان تجلیات میں ایک لذت ہے — ایک سرور ہے — یہی سرور درحقیقت "حُب" اور "عشق" سے تعبیر ہے۔ یہی سرور استغراق پیدا کرتا ہے — یہی استغراق ولی کی اصل ہے۔ کہ وہ اس سرور سے علیٰحدہ ہونا نہیں چاہتا — اور "موت" اس رکاوٹ کو ختم کر دیتی ہے — یہی وہ مقام ہے۔ جہاں مومن۔ ولی۔ شہید۔ موت کو ایک نعمت سمجھ کر اس کی طرف دوڑتا ہے۔ اس کے سامنے موت کی تلخی کی کوئی حقیقت نہیں — بلکہ اس تلخی — میں بھی اُسے ایک لذّت محسوس ہوتی ہے — اور وہ خوش — خوش — موت کو دعوت دیتا ہے — ہاں! — ولی مجبور نہیں — وہ موت و حیات پر قادر ہے — مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْتَ مُوْتُوْا — ولی اپنی زندگی میں بھی موت کی لذّت سے آشنا ہوتا ہے — ولی اجل سے قبل برزخ میں داخل ہونے کی قدرت رکھتا ہے — برزخ دراصل عالمِ ناسوت کا ایک مقام ہے۔ عالمِ ناسوت میں داخل ہُوا — گویا برزخ میں داخل ہُوا۔ یہی مراد اس قول کی ہے۔ کہ اجل سے پہلے ہی تم برزخ میں داخل ہو جاؤ — ولی اپنی حیات میں ہی اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انسان جسم سے انسان نہیں کہلاتا — بلکہ اصل انسان تو اس کی رُوح (روح حیوانی) ہے جو جسم کے لباس سے "حیات" کا جامہ پہن لیتی ہے۔ حیات سے مراد صرف رُوح کا جسمانی حالت میں متحرک و محسوس ہونا ہے۔ ورنہ روح جسمانی لباس سے قبل بھی موجود ہے۔ یہی رُوح اصلاً انسان سے موسوم ہے۔ اور موت سے مراد — رُوح کا جسم سے الگ ہو کر غیر محسوس ہونا — یا اپنی پہلی حالت میں آنا — رُوح جیسی حیات سے قبل ہے۔ ویسی ہی حیات میں ہے اور ویسی ہی بعدِ حیات — رُوح کے لیے تینوں دَور یکساں ہیں۔ رُوح کا پہلا مقام عالمِ امر[1] ہے — درمیانی مقام عالمِ اجسام ہے — اور آخری مقام عالمِ برزخ — عالمِ برزخ کی وسعت عالمِ نور[2] سے لے کر عالمِ ظلمت تک ہے۔ اور

---

[1] عالمِ امر سے مراد روح کی ہیئت کے مطابق عالمِ ناری۔ [2] علیین اور سجین

عالمِ اجسام میں داخل ہونا ـــــ اِنسان کی آزمائش گاہ ہے ـــــ

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

(پارہ ۲۹ - سورہ ۶۷ - آیت ۲)

تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے تم کو کہ عالمِ اجسام کی حیاتی میں تم میں کون نیک عمل کرتا ہے ـــــ

پھر اللہ تعالیٰ اِس رُوح کو حیاتی سے (عالمِ اجسام سے) علیحدہ کر کے ـــــ عالمِ برزخ میں داخل کرتا ہے ـــــ اور (عالمِ برزخ میں انسانی عمل کے مطابق ـــــ نور و ظلمت میں مقام ملتا ہے ـــــ اور موت ہی ایک ذریعہ ہے۔ جو اس رُوح کو عالمِ اجسام سے نکال کر عالمِ برزخ کا راستہ کھول دیتی ہے ـــــ لہٰذا ولی عالمِ اجسام میں، ہی جسم کی موجودگی میں یہ قوّت حاصل کرتا ہے۔ کہ وہ عالمِ برزخ میں اپنی حیاتی میں اپنے ارادے سے داخل ہو ـــــ فرق صرف یہ ہے کہ وعدہٗ الٰہی کے مطابق رُوح جسم سے ملحق رہتی ہے۔ اور وعدہ اجل پر وہ یکسر عالمِ اجسام سے علیحدہ ہو کر برزخ میں داخل ہو جاتی ہے۔ ولی جب عشقِ الٰہی کی آگ میں اپنی رُوح کو جلا دیتا ہے۔ تو اپنے عمل میں۔ اِس امر پر قادر ہوتا ہے ـــــ کہ وہ اپنی مقرر کردہ اجل (الیٰ حین) پر بھی قادر ہو کر جب چاہے ـــــ جسم سے علیحدہ ہو کر عالمِ برزخ میں داخل ہو اور پھر جسم میں واپس نہ آئے ـــــ اور اپنے آپ پر موت طاری کر دے ـــــ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْتَ مُوْتُوْا میں خیالی تصوّر نہیں ـــــ کہ تصوراً اپنے آپ کو مُردہ تصوّر کرے ـــــ نہیں ـــــ بلکہ ـــــ جسم سے علیحدہ ہونے کی قدرت رکھتا ہو ـــــ اِس حال میں کہ عالمِ اجسام سے اس کا رشتہ یکسر ٹوٹ جائے ـــــ اور پھر اس پر بھی قادر ہو ـــــ کہ اپنی مرضی سے چاہے تو جسم میں دوبارہ داخل ہو ـــــ چاہے تو اپنے ارادے سے عالمِ برزخ میں مستقل قیام کر کے اجل کی موت میں داخل ہو ـــــ گویا ولی اپنے عمل سے۔ اپنی حیات و موت پر قادر ہوتا ہے۔ جتنی مدّت چاہے عالمِ اجسام (جسم) میں قرار کرے۔ اس حال میں کہ وعدہ کی اجل اس کے ارادے پر غالب نہ ہو ـــــ اور جب چاہے۔ وعدہ اَجل کے بغیر عالمِ اجسام (جسم) کو چھوڑ کر عالمِ برزخ میں چلی جائے ـــــ کیونکہ ولی کی رُوح صاحبِ اختیار ہوتی ہے۔ اور ارشادِ الٰہی کے مطابق ـــــ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَکُنْتُ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَکُنْتُ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا۔ اللہ کا اپنے بندے

سے ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے ـــــ کہ جب میرا بندہ اپنی عبادت و حُب سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ـــــ تو مَیں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے ـــــ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ حرکت کرتا ہے۔ لازم ہے کہ "مَیں اس کا ارادہ بن جاتا ہوں جس سے وہ عمل کرتا ہے" یہی وہ مقام ہے۔ جہاں ایک مقربِ بارگاہِ خداوندی اپنے ارادہ و اختیار کو استعمال کر سکتا ہے ـــــ موت۔ ایک وعدہِ الٰہی ہے ـــــ سنّتِ الٰہی ہے۔ جو انسان کے لیے مقرر کی گئی ہے۔

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

جب ان پر موت آتی ہے۔ تو وہ اس میں تاخیر کر سکتے ہیں۔ نہ پہلے جا سکتے ہیں۔

اِس امر کو ملحوظ رکھنا لازم ہے ـــــ مگر جہاں ایک صاحب بقاء و فنا ولی ـــــ اپنی زندگی میں بقائے دائمی ـــــ بقائے روحی ـــــ حاصل کر لیتا ہے ـــــ وہاں برزخ میں جانے کا تصوّر باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ برزخ حقیقتاً عالم ناسوت ہی کا ایک مقام ہے۔ جو ولی کی ولایت کی ادنیٰ منزل ہے۔ اِس اعتبار سے ولی کی اجل میں ملک الموت کا دخل نہیں ـــــ سوائے اس کے کہ وہ ایک پیامبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ حکم حضور ہے۔ سنّتِ الٰہی ہے ـــــ ولی خود جسم چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ بس قصّہ ختم ہوا ـــــ

انسان ملائکہ سے افضل بن سکتا ہے۔

ہاں! ـــــ موت کے بعد انسان ـــــ ولی ـــــ کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝

انسان پیدائشی اعتبار سے ملائکہ سے افضل مقام رکھتا ہے۔ لیکن انسان اپنی سفلی خلقت کے زیرِ اثر اس مقام پر قائم نہیں رہتا۔ ولی کو یہ مقام بدرجہ اولیٰ حاصل رہتا ہے۔ کہ رُوحانی اعتبار سے وہ ملائکہ سے افضل رہتا ہے ـــــ ولی اس صفت سے متصف ہوتا ہے ـــــ حدیث میں ہے:

مَنْ غَلَبَ الْعَقْلَ عَلٰی شَہْوَتِہٖ فَھُوَ اَعْلٰی مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ [۱]

جس نے اپنی رُوح کو شہوت پر غالب کر دیا وہ ملائکہ سے افضل مقام کا حامل ہوتا ہے۔

جس نے اپنے جہد و عمل۔ تزکیہ نفس سے اپنی روحانیت کو جلا دی ـــــ وہ رُوحانی اعتبار سے ملائکہ سے افضل صفات و قوت کا حامل ہوتا ہے۔

اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً

رات کا جاگنا کٹھن عمل ہے۔ اِس سے شہوانی قوتیں کچلی جاتی ہیں ـــــ وہ ملائکہ سے افضل حیثیت رکھتا ہے ـــــ ملائکہ نوری حیثیت میں مستقل زندگی کے حامل ہیں۔ ان پر موت وارد نہیں ہوتی ـــــ ملائکہ انتقالِ مکانی میں آناً فاناً طے مقام پر قادر ہوتے ہیں۔ اِسی اعتبار سے ان کا ادراک بھی وسیع ہوتا ہے۔

آسمانوں سے کائناتِ ارضی کا ادراک رکھتے ہیں ـــــ ملائکہ عالمِ باطن (آسمان) سے عالمِ ظاہری (دُنیا) میں داخل ہونے کی قدرت رکھتے ہیں ـــــ قرآن خود اس کی شہادت دیتا ہے۔

---

[۱] حدیث: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ الْمَلٰٓئِکَۃَ وَرَکَّبَ فِیْھِمُ الْعَقْلَ وَخَلَقَ الْبَھَآئِمَ رَکَّبَ فِیْھِمُ الشَّھَوَاتَ وَخَلَقَ الْاِنْسَانَ رَکَّبَ فِیْھِمُ الْعَقْلَ وَالشَّھَوَاتَ فَمَنْ غَلَبَ الْعَقْلَ عَلٰی شَھْوَتِہٖ فَھُوَ اَعْلٰی مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَمَنْ غَلَبَ الشَّھَوَاتَ عَلٰی عَقْلِہٖ فَھُوَ اَدْنٰی مِنَ الْبَھَآئِمِ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ملائکہ خلق کیے انہیں نور سے بنایا۔ اور بنائے حیوان ان کا مرکب شہوت (نار) سے بنا ـــــ اور بنایا انسان کو اس کے مرکب میں نور اور شہوت (نار) بھر دیا۔ پس جس نے اپنے نور کو شہوت پر غالب کر دیا وہ انسان ملائکہ سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اور جس نے اپنی شہوت کو نور پر غالب کر دیا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ وہ حیوانوں سے بدتر ہے۔ حضرت مولانا روم نے اپنی مثنوی میں اس حدیث کی شرح بیان کی ہے۔

در حدیث آمد کہ یزدانِ مجید ـــ خلق عالم را سہ گونہ آفرید

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا - پارہ ۳۰ - سورہ ۹۷ - آیت ۴

ملائکہ زمین پر اُترتے ہیں۔ ملائکہ انتقال ہیئت پر قادر ہیں۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ○ پارہ ۱۶ سورہ ۱۹ - آیت ۱۷

پس ہم نے حضرت مریم علیہ السّلام کی طرف اپنا رُوح (ملائکہ) بھیجا - جس نے بشر کی شکل میں انتقال کیا ـــــ ملائکہ اپنی قوت کے اعتبار سے مافوق الفطرت عمل کے حامل ہوتے ہیں ـــــ جیسا کہ واقعہ حضرت لوط علیہ السّلام میں قرآن نے بیان کیا ـــــ

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ○ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ○ (پارہ ۲۷ سورہ ۵۱ آیت ۳۱ تا ۳۳)

پس کہا ابراہیم علیہ السّلام نے تمہارا کیا ارادہ ہے اے فرشتو ـــــ وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم (قوم لوط) کی طرف تاکہ ہم برسائیں ان پر پتّھر زمین سے ـــــ

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ○ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۸۲)

پس جب آگیا ہمارا حکم تو ہم نے اسی بستی کو زیر و زبر کر ڈالا اور برسائے ان پر پتّھر۔ یہ صفت ایٹمی قوت کی حامل ہے۔ کہ رُوح ایک بستی کو تہہ و بالا کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے جو زمین سے لاکھوں میل دُور ہے۔ یہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نوری قوت کی صفت تھی کہ آپ کی نوری توجہ سے چاند شق ہو گیا ـــ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۴ آیت ۱ - ۲)

قریب آگئی قیامت ـــــ چاند پھٹ گیا ـــــ اور اگر وہ دیکھ لیں کوئی معجزہ تو مُنہ موڑ لیں اس سے اور کہیں گے کہ یہ جادو ہے۔

کفّار مکّہ نے چاند دو ٹکڑے ہوتا دیکھا۔ تو ایسے ناممکن الوقوع حادثہ کو دیکھ کر گھبرا اُٹھے۔ سمجھے کہ قیامت آگئی ـــــ اور جن کفّار نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے معجزہ

طلب کیا تھا۔ کہ اگر آپ "نبی" ہیں تو آپ کی صفت یہ ہونی چاہیئے کہ آپ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ٹکڑے کیے تو پھر بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلیم نہ کیا۔ بلکہ کہنے لگے کہ یہ جادو کے ذریعہ کیا گیا۔

اِن آیاتِ قرآنی میں واضح کیا گیا کہ نوری وجود کی صفات کیا ہیں — اور ان صفات و کمالات کا صدور ملائکہ سے ہونا بیان کیا گیا — اور پھر ملائکہ کے مقابلہ میں قرآن نے انسان کو ملائکہ سے افضل قرار دیا —

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ ط

اور جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے۔ کہ آدم (انسان) کو اپنے سے افضل ہونا تسلیم کرو — تو

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُوْنَ ٥

تمام ملائکہ آدم کو اپنے سے افضل تسلیم کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے — یہ افضلیت کس خصوصیت کی بنا پر تھی؟ — قرآن نے تخلیق آدم میں اس خصوصیت کا ذکر کیا —

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ ٥

فَإِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ٥ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۲۸-۲۹)

اور جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے کہ میں ایک بشر بناؤں گا۔ مٹی کے لیسدار جوہری کیچڑ سے۔ پس جب میں نے اسے سنوارا۔ اور اس کے مرکب میں اپنا نور ڈالا۔ تو تم اُسے اپنے سے افضل تسلیم کرو — پس جب ملائکہ نے آدم علیہ السّلام کی تخلیق میں نور کو دیکھا۔ تو انہوں نے آدم کو اپنے سے افضل تسلیم کیا —

اس مقام پر قرآن نے انسانی مرکب کی پوری نشاندہی کی کہ اس کے مرکب میں زمین کی تمام جوہری قوتوں کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اِس جوہری قوت کا خاصا وہی ہے جو زمین کی جوہری قوتوں (ہائیڈروجن۔ ایٹم۔ برق وغیرہ) سے ظہور ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب اس مرکب میں ملائکہ نوری سے افضل نور ڈالا گیا۔ تو لازم ہے کہ اس وجود سے ہر اس صفت و کمال کا ظہور ہو گا۔ جو ملائکہ سے ہوتا ہے — لہٰذا انسان اپنی ناری قوت سے مافوق العقل

کمالات کے اظہار میں پہاڑوں اور زمین میں زلزلہ پیدا کر سکتا ہے ـــــ اپنی ناری (رائیٹی) قوت سے زمین کو تہہ و بالا کر سکتا ہے۔ اپنی ناری توجہ سے (جب کہ یہ قوت روحِ حیوانی سے موسوم ہے) غیر جاندار اشیاء میں زندگی پیدا کر سکتا ہے۔ ہوا میں اُڑ سکتا ہے۔ ناری کروں تک جا سکتا ہے۔ ان کی ہیئتوں کو پہچان سکتا ہے۔ یہ تو اس قوت کا فطری عمل ہے جس اصول کو دُنیا کا کوئی محقق۔ مفکر۔ سائنسدان جھٹلا نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ انسان میں وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کی ایک نوری رُوح بھی اس کے مرکب میں شامل ہے۔ یہ قوت نوری ملائکہ کی نوری قوت سے افضل ہے ـــــ ملائکہ نوری حیثیت میں مستقل زندگی رکھتے ہیں۔ موت اس زندگی میں فرق پیدا نہیں کر سکتی ـــــ ملائکہ نوری قوت کے اعتبار سے انتقالِ مکانی میں آناً فاناً آسمان سے زمین تک انتقال کرتے ہیں ـــــ انسان بھی اپنی روحانی حیثیت میں زمین سے آسمانوں تک (روحانی طور) انتقال کر سکتا ہے۔ ملائکہ اسرار و آثار عالم نوری کا ادراک نہیں کر سکتے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط

ملائکہ نے کہا ہماری نوری صلاحیت اس قدر وسیع نہیں کہ ہم عالمِ نوری کا ادراک و پہچان کر سکیں۔ مگر انسان ملائکہ سے افضل نوری قوت رکھتا ہے۔

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ

انسان نے اس علم کی خبر دی۔ جو ملائکہ کے احاطۂ ادراک سے باہر ہے ـــــ ملائکہ کی وسعتِ پرواز محدود ہے۔ وہ آسمانوں کی مخلوق ہے۔ اس لیے ملائکہ محدود دائرہ تک زمین سے سات آسمانوں تک پرواز کر سکتے ہیں۔ مگر انسان نوری (رُوح رحمانی) اعتبار سے زمین سے ماورائے عالم ملکوتی۔ تمام عالمِ نوری تک پرواز کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسان۔ ناری۔ نوری اعتبار سے آناً فاناً انتقالِ مکانی کی قدرت رکھ سکتا ہے۔ جبکہ ملائکہ آسمان سے زمین تک آناً فاناً انتقال کرتا ہے۔ ملائکہ نوری حیثیت میں زمین کو تہ و بالا کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ انسان ملائکہ کے مقابلہ میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہے ـــــ انسان یہ تمام مظاہرات اپنی ناری اور نوری قوت سے عمل میں لا سکتا ہے۔

جبکہ انسانی پیدائش میں اس کی ناری اور نوری قوت کے مرکب ہونے میں۔ عدم تسلیم کی فطری طور گنجائش نہیں ــــ یہ تمام کمال ایک ولی کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔ خواہ وہ عالمِ اجسام میں ہو ــــ یا عالمِ برزخ میں۔ انسان کے جملہ کمالات اس کے ناری۔ نوری وجود سے وابستہ ہیں۔ اِس لیے عالمِ برزخ میں ناری رُوح (روحِ حیوانی) میں ان خصوصیات کا پایا جانا لازمی ہے۔ جبکہ عالمِ برزخ میں رُوح حیوانی ــــ منتقل ہوتی ہے۔ ناری وجود بذاتِ خود انسان کہلاتا ہے۔ رُوح حیوانی ہی انسانی ہیئت میں ــــ علم و کمال حاصل رکھتی ہے۔ ظاہر ہے برزخ میں انتقال کی صورت میں رُوح حیوانی میں علم و کمال باقی رہتا ہے۔ اور جیسے وہ عالمِ اجسام میں اپنا علم و کمال استعمال کرتی ہے۔ برزخ میں بھی استعمال کر سکتی ہے۔ انسان کی نوری رُوح کا مقام عالمِ برزخ نہیں ــــ ایک ولی جب عالمِ اجسام میں قانونِ الٰہی کے مطابق عبادت و تزکیہ کرے۔ تو عبادات کے صلہ (ثواب) میں اس کی نوری روح (روح رحمانی) عالمِ نوری میں مراتب پاتی ہے۔ چونکہ نوری رُوح مجسم نور ہے اس لیے بعد موت اس کا مقام اپنے مراتب میں عالمِ نوری میں ہوتا ہے۔ اور جس انسان نے قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کی۔ اس کی دونوں رُوحیں تنزّل پذیر ہو کر ــــ اپنے عمل کے مطابق عالمِ برزخ میں ظلمت (اندھیروں) میں مقید ہوتی ہیں ــــ پھر اس سے کوئی کمال سرزد ہوتا ہے نہ مافوق الفطرت کمالات کا صدور اس سے ہو سکتا ہے۔ نہ وہ کسی کے حاضر کرنے سے (حاضرات ارواح کی صورت میں) کسی کے پاس آ سکتی ہے۔ نہ کلام کر سکتی ہے۔ نہ ایسی رُوح کو بعد موت عالمِ برزخ میں کوئی سکون و آرام و راحت میسّر آتی ہے۔

ایک ولی کی خصوصیت میں یہ کمال بھی ہے کہ وہ عالمِ برزخ میں اپنے عمل کے مطابق نوری مقام پاتا ہے اس کا کمال رُوح میں قائم ہوتا ہے۔ اور وہ صاحبِ اختیار اِسی طرح ہوتا ہے جس طرح عالمِ اجسام میں کہ وہ برزخ میں رہ کر عالمِ اجسام میں جس سے چاہے بات کر سکتا ہے۔ اور اپنی طاقت استعمال کر کے اس کی مدد کر سکتا ہے۔ ولی کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی مرضی و ارادہ سے عالمِ اجسام میں داخل ہو ــــ خواہ وہ

رُوحانی ہیئت میں داخل ہو یا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا مثل ملائکہ بشری ہیئت اختیار کر کے اپنے عزیزوں سے ملاقات کرے۔ جن اولوالعزم ہستیوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہیں بعد موت جسمانی حالت میں دیکھا گیا۔ ایسی ہستیوں میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہمہ صفات موصوف ہے۔ آپؐ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ وَ عَلٰی بَابُهَا۔ سردارِ اولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور دوسرے اولوالعزم اولیاء شمار ہوتے ہیں۔ مکتوباتِ اولیاء ــــ میں مکتوباتِ صابری میں۔ حضرت علی احمد صابر کلیری کا ایک واقعہ صحیح سند سے درج کیا گیا ہے کہ حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موت کے متعلق فرمایا کہ ہماری میت کو ایک مقام پر رکھا جائے تو ایک نقاب پوش آئے گا۔ جو میرا جنازہ پڑھائے گا ــــ چنانچہ آپ کی وفات پر آپ کے حکم کے مطابق ایک جگہ جنازہ رکھا گیا۔ تمام فقراء اور عقیدت مندوں نے نماز کے لیے صفیں باندھیں۔ اتنے میں ایک نقاب پوش گھوڑے پر سوار تابوت کے قریب پہنچا اور اس نقاب پوش نے حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کی میت پر کھڑے ہو کر نمازِ جنازہ ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر بغیر مُنہ دکھائے تیزی سے آگے نکل گئے۔ اس وقت حضرت علی احمد صابر کے خلیفۂ اکبر حضرت شمس پانی پتی نے دوڑ کر ان کے گھوڑے کی رکاب پکڑی اور ساتھ ساتھ دوڑنے لگے۔ پوچھا اے حضرت مجھ پر انکشاف کریں کہ آپ کون ہستی ہیں۔ تو نقاب پوش نے چہرہ سے نقاب اُٹھا کر فرمایا۔ ولی خود اپنا جنازہ پڑھتا ہے۔ دیکھا تو یہ خود حضرت علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی تھی ــــ

اِس واقعہ میں شک نہیں۔ حضرت علی احمد صابر حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ اکبر تھے۔ آپ کا تزکیہ نفس انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی مریدی میں چھ سال تک آپ نے کھانا نہیں کھایا ــــ پھر کلیر کی خلافت کے وقت۔ ایک گولر کے درخت کے نیچے بارہ سال ذاتِ الٰہی کے دیدار میں کھڑے رہے۔ اس دَور میں آپ عالمِ اجسام میں تھے۔ مگر جسمانی بقا سے لا احتیاج تھے۔ اس تزکیہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کی رُوح موت وحیات کی واردات سے آزاد ــــ اپنی موت پر قادر ــــ جب

اجل کو لبیک کہا ــــ تو جسم کو عالمِ ظاہری میں چھوڑ کر ــــ خود عالمِ برزخ میں داخل ہو گئے۔ اور آپ کی رُوحِ رحمانی فنائے الٰہی حاصل کر کے واصل بحق ہو گئی ــــ آپ نے جانا کہ اس وقت فقیر کا جنازہ پڑھانے والا کوئی ایسا نہیں جو میرا جنازہ پڑھائے۔ لہٰذا آپ کی رُوح (رُوح حیوانی) نے برزخ سے نکل کر فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا کی ہیئت بشری اختیار کر کے خود اپنی میت (جسم) کا جنازہ پڑھایا۔ بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے ــــ اور فطرت کا تخلیقی عمل ہے ــــ جسے طالبِ حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا ــــ

حضور قبلہ عالم جناب الحاج مولوی محمد امین صاحب کے مریدوں میں جناب ارسلان خان صاحب مرحوم کی ذات ایسی تھی۔ جنہوں نے انتہائی تزکیہ نفس اور کثرتِ مجاہدہ سے یہ مقام حاصل کیا تھا کہ آپ اپنی موت وحیات پر قادر مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا کا کامل نمونہ تھے ــــ اور عالمِ برزخ میں بھی آپ صاحبِ اختیار ولی کی حیثیت میں تجلّیاتِ الٰہی سے مسرور ہیں ــــ اور آپ کی رُوحِ رحمانی واصل بحق۔ فنا و بقا کا مقام رکھتی ہے۔ حضور پُر نور جناب الحاج محمد امین صاحب اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ والا۔ بلاشبہ اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابرین اولیاء میں شمار ہے ــــ اور کمالاتِ ولایت میں آپ کو اعلیٰ و ارفع مقام حاصل تھا۔ لیکن نے آپ نے کمالاتِ ناسوتی کو اہمیت نہ دی ــــ سوائے اس کے کہ کمالاتِ ملکوتی میں طالبِ حق کو بہمہ صفات متصف کر کے واصل الی اللہ کر دیتے ــــ

حضور قبلہ عالم۔ عبدالرزاق بخاری کی معیت میں۔ اپنے عزیزوں کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ اِس دوران آپ نے مکان کی تعمیر کے لیے جستجو شروع کی جس میں عبدالرزاق بخاری صاحب نے حق دوستی ادا کرتے ہوئے اپنی طرف سے مدد کی اسی دوران بخاری صاحب کو بھی اپنی صُحبت میں رکھ کر آپ کے تمام مراتب طے کرا کے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ بخاری صاحب اپنا مقصد پا کر حضور سے اپنے وطن رخصت ہو گئے۔ بخاری صاحب کی رخصت کے بعد حضُور نے مکان کی تعمیر پر توجّہ فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا مکان تیار

ہُوا ــــ اور آپ نے اپنے مکان میں سکونت اختیار کی ــــ

خواجہ عبدالکریمؒ زرگر کا بیعت ہونا

ایک دفعہ آپ کاشیراہ گاؤں سے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ غالباً ارسلان خان صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔ کپواڑہ قصبہ سے تقریباً بارہ میل پر تحصیل ہندواڑہ میں بہرام پورہ ایک گاؤں سڑک سے ایک میل دُور واقع ہے۔ یہاں درمیان میں ایک دریا بہتا ہے۔ اس مقام پر ایک شخص راستہ میں کھڑا منتظر تھا ــــ جونہی حضور قریب سے گزرے۔ تو اُس شخص نے السلامُ علیکمُ کہا ــــ اور عرض کی جناب آپ میرے گھر تشریف لے چلیں مَیں آج آپ کو اپنا مہمان رکھنا چاہتا ہوں ــــ حضور قبلہ عالم اس شخص کی استدعا پر اس کے گھر گئے۔ مکان کے اندر داخل ہوئے ــــ تو ایک کمرہ نہایت پاکیزگی سے سجایا ہُوا تھا۔ شاہ نشین میں ایک سفید چادر بچھی ہُوئی۔ ارد گرد تکیے لگائے ہوئے تھے۔ حضور نے خیال فرمایا۔ شاید صاحبِ خانہ نے ختم دلوایا ہے۔ اِس لیے ہمیں مُسافر سمجھ کر مدعو کیا ہے۔ حضور کمرے میں ایک کونہ میں بیٹھنے لگے۔ تو اس شخص نے حضور کا ہاتھ پکڑ کر شاہ نشین پر بٹھایا ــــ عرض کی یہ جگہ آپ ہی کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ آپ اس مسند پر تشریف رکھیں۔ صحن میں کشمیری دعوت کا اہتمام ہو رہا تھا ــــ رفتہ رفتہ اور بھی لوگ کمرے میں داخل ہوئے۔ اور باادب بیٹھتے گئے ــــ کھانا شروع ہُوا۔ سب لوگوں نے کھانا کھایا دُعا کی اور ان میں سے کچھ لوگ چلے گئے۔ صرف چند لوگ کمرے میں بیٹھے رہے ــــ اسی اثنا میں صاحبِ خانہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے باادب بیٹھا اور ساتھ کچھ شیرینی اور ایک سفید لوئی (کشمیری چادر) حضور کے سامنے پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ حضور مجھے بیعت کریں ــــ اس شخص نے عرض کی کہ یہ سب انتظام محض آپ کی تشریف آوری کے لیے کیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ مدّت سے میری خواہش تھی کہ راہِ حق کی تلاش میں مجھے کوئی راہبر ملے۔ قدرت نے میری راہنمائی کی ــــ مَیں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ بتایا گیا کہ اس لڑکے سے فیض حاصل ہو گا۔ مَیں آپ کی تلاش میں مدّت سے سرگرداں رہا۔

آج رات پھر مجھے یہ منظر دکھایا گیا کہ آپ سڑک سے گزریں گے۔ مجھے اس اطلاع پر پُورا یقین تھا کہ آپ مجھے مل جائیں گے —— چنانچہ صبح سے ہی مَیں نے یہ انتظام شروع کیا۔ اور دریا کے پار آپ کی آمد کا منتظر رہا۔ آپ تشریف لائے تو مَیں سمجھا —— کہ میرا خواب سچا ہے۔ اِس لیے حضور کو اپنے غریب خانہ پر آنے کی تکلیف دی۔ براہِ کرم مجھے بیعت فرمائیں —— اور یہ شرینی بطور نیاز قبول فرمائیں۔ کیونکہ ہمارے رواج کے مطابق ہم لوگ پیر حاصل کرنے میں یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں —— ہم اس شخص کی باتیں تعجب سے سن رہے تھے۔ ابھی ہم نے اس شخص کی بیعت کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ معاً حافظہ سے گذشتہ زمانے کا ایک واقعہ اُبھرا۔ حضور فرماتے ہیں کہ عالی جاہ شاہ صاحب کی معیت میں جب ہم حج پر تھے۔ تو ایک دن ہم مدینہ منورہ کی ایک پہاڑی پر بیٹھے شہر اور روضہ کا نظارہ کر رہے تھے۔ اچانک ہم پر غنودگی طاری ہوئی —— دیکھتے ہیں ایک شخص سُرخ داڑھی رکھے میرے پاس آیا —— اور ایک چھوٹی سی گٹھڑی اور ایک چادر پیش کرتے ہُوئے کہا کہ مجھے بھی روضہ شریف میں لے جائیں —— ہم نے اُس شخص کو اُٹھا کر گنبدِ خضرا پر دے مارا۔ وہ شخص سیدھا گنبد پر گرا۔ اور اندر چلا گیا۔ گنبد سے ایک نُور کا شعلہ آسمان کی طرف چلا گیا۔ بس ہم پر سے غنودگی رفع ہو گئی۔ ہم حیرت میں تھے کہ یہ کیا واقعہ ہے۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا —— اور عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرنے کی جرآت نہ ہُوئی —— مبادا اس میں کسی بے ادبی کا تاثر ہو —— کچھ دن بعد یہ واقعہ ذہن سے اُترا۔ پھر کبھی یاد نہ آیا —— سفید چادر۔ گٹھڑی۔ اور اس شخص کا حلیہ یاد آیا —— تو اس وقت ہمیں اس واقعہ کی تعبیر نظر آئی۔ بغیر لیت و لعل ہم نے اس شخص کو بیعت کر لیا —— اور شرینی اور چادر ہم نے رکھ لی —— رات ان کے گھر قیام کیا۔ دوسرے دن صبح یہاں سے رخصت ہو کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے —— یہ شخص (شجرہ میں دیئے گئے خلیفہ اکبر)

"بحق تحفۂ شاہِ رسالتؐ ولی عبدالکریم آں خواجہ عالم"

جناب خواجہ عبدالکریم صاحب زرگر کی ذاتِ گرامی تھی۔ بیعت کے ساتھ ہی ——

ایک رات کی صحبت میں اجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہو کر زیارتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کیوں نہ ہو آپ کی ذاتِ ازل سے مخصوص و منتخب تھی ۔۔ اِس انتخاب کا عمل میں آنا ضروری تھا۔ حضرت خواجہ صاحب کو پیر سے عشق تھا۔ ذاتی طور پر خواجہ کریم جو صاحب عبادات و مجاہدات میں اکثر مشغول رہتے آپ کے حقیقت سے لگاؤ اور پیر سے محبّت اور عزّت افزائی کے سبب حضور قبلہ عالم آپ پر بے حد مہربان تھے۔ عمر کے لحاظ سے آپ کی قدر کرتے ــــ اس توجّہ کا اثر یہ تھا کہ خواجہ صاحب نے تیزی کے ساتھ تھوڑی مدّت میں منازلِ فقر طے کر کے مشاہدہَ ذاتِ الٰہی میں مقام پایا ــــ اور حضور قبلہ عالم نے انہیں خلافتِ اویسیہ۔ امینیہ عطا کی ــــ آپ کی نسبت سے علاقہ ہندواڑہ سوپور۔ اودی پورہ لنگیٹ کے مضافات میں کثرت سے لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہوئے۔ اس طرح لوگوں کو علم ہوا کہ اصل فقر کی کیفیت کیا ہے ۔اِن مضافات میں فقیر بہت تھے۔ کچھ مجذوب فقیر بھی تھے۔ جن سے لوگ ــــ حصولِ فیض میں رجوع کرتے تھے۔ لیکن اجلاسِ محمدی میں داخل ہو کر زیارتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حاصل کرنا۔ ان کے وہم و گمان میں نہ تھا۔ کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ یا ہو سکتا ہے ــــ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر فقرار عالمِ ناسُوت کی اکتالیس منزلیں بمشکل طے کر پاتے۔ ان منزلوں کو طے کرنے میں کٹھن مجاہدات سے انہیں گزرنا پڑتا۔ اِن منازل کے اثرات و آثار میں بھی مافوق العقل مظاہرات کا ظہور ہوتا تھا۔ دوسرے فقرار کو اپنے مجاہداتِ تزکیہ سے کرامات کا ملکہ حاصل ہوتا۔ تو لوگ انہی کرامات کو اصل سمجھ کر ان کی طرف رجوع کرتے۔ اور چند ے مشاہدات و مظاہرات کی بنار پر اسی عمل کو اصل فقیری (طریقت) سمجھتے ــــ فقرار کو اِن منازل کے طے کرنے میں کرامات کی قوت حاصل ہوتی اور مراتب میں حضرت غوث الثقلین حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار تک رسائی اور زیارت ہوتی۔ ان کے نزدیک اتنا مقام پانا ــــ عظیم مرتبہ پانے کے مترادف تھا ــــ البتہ عالمِ ناسوت کی بالائی منزلوں میں نسبتِ غوث الاعظم کے توسّل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوتی لیکن یہ زیارت اجلاسِ محمدیؐ سے نہیں ۔ بلکہ عالمِ ناسُوت کی بالائی

منازل میں ہی میسر آتی۔ ایسا فقیر بھی ولی کہلانے کا مستحق نہیں۔ تاہم ایسے فقراء کا مقصد بھی معرفتِ الٰہی ہو ــــ تو ایسے فقراء بھی اولیاء کے زمرہ میں شامل ہوتے ہیں۔ ایسے فقراء بھی ان منازل ناسوتی کو طے کر کے عالم ملکوت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں عالم جبروت۔ لاہوت کے مقامات سے گزر کر معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ کشمیر میں گزشتہ دَور میں ایسے ولی بھی پائے گئے جو معرفتِ الٰہی میں یکتا ہوئے ہیں۔ مگر بہت کم ــــ حضور قبلہ عالم کے ورودِ کشمیر سے قبل ایسے ہی عالم فقراء سے رجوع کیا جاتا ــــ اور بجائے خود ایسے فقیر کے تصوّر میں یہ کیفیت آنا ممکن نہ تھا کہ بغیر کثرتِ مجاہدہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہو سکتی ہے اور اِس کیفیت سے بھی بہت کم فقراء واقف تھے کہ باطن میں اجلاسِ محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی ہے ــــ اور جب حضور قبلہ عالم کی نسبت سے طریق اویسیہ کا اجراء ہوا ــــ لوگوں نے اِس سلسلہ کی طرف رجوع کرنا شروع کیا۔ جناب خواجہ عبدالکریم صاحب کی سعی سے علاقہ لنگیٹ میں کثرت سے لوگ اویسی سلسلہ میں داخل ہو کر تھوڑی ہی محنت سے حضوری ہوئے۔ اس طرح اس علاقہ میں سلسلہ اویسیہ وسعت سے پھیلا۔ خواجہ عبدالکریم صاحب کو حضور نے بیعت خلافت عطا فرمائی تھی۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے اور حضوری ہو جاتے۔ لیکن خواجہ صاحب بہت کم لوگوں کو اپنی بیعت میں لیتے ــــ اکثر لوگ جو آپ کی توجّہ سے حضوری ہوتے انہیں حضور قبلہ عالم سے بیعت کراتے ــــ اِس زمانے میں جب لوگوں نے سلسلہ اویسیہ کے کمالات کا مشاہدہ کیا ــــ رفتہ رفتہ ان کی توجّہ کشمیر کے فقراء اور مجذوب فقراء سے ہٹنے لگی ــــ بہت کم لوگ جو حقیقی علم سے ناواقف تھے۔ محض فقراء کی کرامات دیکھ کر ان کی طرف رجوع کرتے اور وہ بھی محض حصولِ دُنیا میں ان سے دُعا و امداد کی خاطر تھا ــــ اس سے قبل کشمیر میں ــــ اکثر مجذوب فقیر دیکھنے میں آتے تھے۔ جن کی طرف لوگ محض حصولِ دُنیا میں حاجت روائی کی خاطر ان کے آستانوں پر جاتے ــــ فقیر تو خود جذب میں ہوتا ــــ دُنیا اور دُنیا کے لوگوں کی طرف کم ہی دھیان ہوتا تھا۔ مگر فقیر کے چیلے لوگوں کی نذر و نیاز سمیٹتے رہتے۔ البتہ اگر مجذوب کسی وقت جذب سے خالی ہوتا ــــ تو وہ کسی کے دل کا حال کہہ دیتا۔ یا کسی کرامات کا

اظہار کر کے کسی بیمار پر توجہ ڈالتا جس سے وہ صحت یاب ہو جاتا ــــ یا مجموعی طور ظاہراً دعا کرتے ــــ یا باتوں باتوں میں لوگوں کے پوشیدہ واقعات دہراتے یا کسی کو اس کی مشکل حل ہونے کی بشارت دیتے۔ جس سے لوگ مطمئن ہو کر چلے جاتے۔ لیکن ایسے فقراء سے بہت کم باطنی فیض میسّر ہوتا ــــ وہ بھی اس حال میں ــــ کہ فیض حاصل کرنے والا بھی مجذوب ہو جاتا ــــ حضور کے ظاہر ہونے کے بعد کشمیر میں مجذوب فقراء کا وجود آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا۔ آپ کے بعد بہت ہی کم مجذوب فقراء کو دیکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور قبلہ عالم کو ولایتِ اویسیہ کے عطا ہونے کے بعد باطنی طور مجذوبیت کا سلسلہ بند ہو گیا اور جیسا کہ عالی جاہ شاہ صاحب کا فرمان تھا کہ "کشمیری اب تم کشمیر جاؤ ــــ تم کشمیریوں کے پیر ہو" ــــ حضور قبلہ عالم کو باطنی طور مقامِ قطبیت[1] پر فائز کر کے کشمیر کے سربراہ کی حیثیت سے ہندوستان اور کشمیر کے متعلق جملہ اُمور باطنی ان کے سپرد کئے گئے۔ خصوصاً ظہورِ امام مہدیؑ سے متعلق جملہ انتظامات آپ ہی کے ذریعہ طے ہونا مقرر کیا گیا ــــ ان اُمور میں حضور قبلہ عالم بحیثیت منتظم اعلیٰ حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے ظہُور سے متعلق تمام امور آپ ہی کے ذریعہ انجام پاتے رہے۔ اِس سلسلے میں آئندہ فقراء میں عالم اور مبلّغ کی حیثیت سے سالک ہونا ضروری تھا۔ اس لیے آئندہ مجذوبیت کا سلسلہ بند ہو گیا۔ چنانچہ اسِ سلسلہ میں حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں اکثر مریدوں کو ــــ اجلاسِ محمّدی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی مجلسِ مشاورت (SUPREME COUNCIL) میں شامل کیا گیا جو سلسلہ ظہُور مہدی میں اپنی ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ اور اب حضور قبلہ عالم کے ظہور کے بعد اس سلسلہ اویسیہ کو جو عنقا تصور کیا جاتا تھا۔ کاملاً ظاہر ہو کر طریقِ اویسیہ کا اجراء ہونے لگا۔ جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس سلسلہ میں ابتدائی قدم پر بغیر عالمِ ناسوت کی منازل طے کئے طالب سیدھا اجلاسِ محمّدی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم میں داخل ہو جاتا تھا۔

درحقیقت تاریخِ اسلام میں طریقت کے حقیقی تصوّر سے متعلق تاریخی مواد بہت محدود

---

[1] قطب الاقطاب

ملتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن نے طریقت سے متعلق آثار کو متشابہات سے متعلق کرکے اِس علم کو فقہِ قلبی اور مشاہدۂ شعوری سے متعلق کردیا۔ جس وجہ سے قرآنی آیات میں طریقت سے متعلق واضح تفصیل نہیں ملتی ــــ اِسی سبب سے تاریخِ اسلامی طریقت سے متعلق مظاہرات کا واضح مواد پیش نہیں کرسکی اور پھر ابتدائے اسلام طریقت کا کوئی علیحدہ تصوّر قائم نہیں تھا کہ طریقت سے متعلق واقعات و کیفیات کا بیان سامنے آتا ــــ سوائے اس کے کہ قرآن کے اصل مقصد کے پیشِ نظر۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں عام عقولِ انسانی کے مطابق محکمات۔ یعنی اصلاحی احکام کا نفاذ ہوتا ــــ یہ اصلاح انسانی کی بنیادی ضرورت تھی کہ عمومی حیثیت میں حقیقت علم سے انسانوں کو سہل العمل احکام کے ذریعہ اسلام میں داخل کیا جائے اور اِس عمل سے انہیں جسمانی ــــ رُوحانی پاکیزگی حاصل ہو ــــ احکام کی تعمیل سے جسمانی ــــ رُوحانی پاکیزگی۔ انسان کے بنیادی مقصد میں شامل نہیں ــــ بلکہ انسان کا بنیادی مقصد۔ اپنی اصلاح کے بعد نتیجۂ عمل حاصل کرنا ہے۔ اس نتیجہ عمل میں ایک باطنی تصوّر بھی پایا جاتا ہے۔ جو متشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نتیجۂ عمل کو "مراتب" سے تعبیر دیا گیا۔ مثلاً ایک شخص کو اس کے بنیادی مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اپنی اقتدار میں لیا جائے۔ اقتدار سے مراد۔ اسلام کو تسلیم کرنا ــــ اور رسُول کی اتباع کرنا ــــ یہ ایک ذریعہ ہے۔ اتباع کے بعد احکام کی تعمیل کرانا ــــ یہ اصلاحی عمل ہے کہ اللہ کو معبود سمجھو ــــ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ اس عمل سے انسان کو جسمانی ــــ رُوحانی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ لازمی ہے ان احکام کی تعمیل میں ایک نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ نیک اعمال کے صلہ میں جنّت ملتی ہے۔ لہٰذا انسان کا بنیادی مقصد حصُولِ جنّت ہے اور جنّت کا تصوّر متشابہ ہے۔ اس لیے ضروری ہُوا کہ جسمانی ــــ رُوحانی پاکیزگی سے جنّت کا مشاہدہ کیا جائے۔ احکام کی تعمیل میں اصل تصوّر "ثواب" کا ہے۔ یہی نتیجہ عمل ہے۔ نتیجہ عمل جنّت ہے۔ جو مراتب میں شمار ہے۔ یہی نتیجہ عمل طریقت سے تعبیر ہے۔ نتیجہ عمل میں مراتب کا پانا اور ان مراتب کا مشاہدہ کرنا ہے۔ اس کے متعلق قرآن نے اجمالاً ذکر کیا لیکن چونکہ یہ کیفیت متشابہات سے تعلق رکھتی ہے۔ اور متشابہات کی دلیل ولی کامل کی اتباع سے

ہی مل سکتی ہے ــــ دوسرے یہ کہ یہ عمل ایک مخصوص جماعت سے تعلق رکھتا ہے جو فقہ قلبی اور مشاہدہ شعوری سے ان کیفیتوں کا علم و ادراک کرسکتی ہے۔ لہٰذا ایسی کیفیتوں کے لیے قرآن و حدیث سے دلیل حاصل کرنا شرط نہیں ــــ اِس مصلحت کے تابع ایک یہ کہ یہ عمل مخصوص ہے۔ دوسرے یہ عمل عام انسانوں کے لیے سنّت قرار دیا جائے تو انسان عمومی حیثیت میں اس عمل کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ احتمال ہے کہ ایسے اعمال کی شدّت (کٹھن مجاہدات) برداشت نہ ہونے کے سبب انسان۔ احکام عبادتوں سے بھی دل برداشتہ ہو جیسے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے خاص حکم ہے۔

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ

کہ رات کو جاگیں اور نماز پڑھیں ــــ یہ عبادت ہی ہے۔ مگر صرف حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے مخصوص کی گئی اور خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِسی مصلحت کے تابع کہ انسانی قوت کے مدّنظر امّت پر بار نہ ہو ــــ نوافل کو دائمی صورت میں ادا نہیں کیا۔ اور بعض اوقات ترک کیا ــــ کہ یہ عمل سنّت قرار نہ پا جائے ــــ اور یہ عمل وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ۔ ایک مخصوص جماعت نے اس عمل کو اپنایا سو لازم ہے کہ جو شخص متشابہات کے لیے دلیل چاہے۔ اسے چاہیئے کہ اس طائفہ میں شامل ہو کر تہجد و نوافل اور تزکیہ نفس پر مداومت کرے تو مراتب ہر شخص کو عطا ہوں گے۔ اگرچہ وہ ان کا مشاہدہ نہ کرسکتا ہو۔ کیونکہ شریعت پر عمل سے مراتب حاصل کرنا ہی انسانی مقصد ہوتا ہے ــــ البتہ۔ اسلام۔ طریق محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں ــــ حصُولِ مقصد ــــ حصُولِ مراتب میں ایک ضابطہ متعین کیا گیا ــــ کہ اوّل بنائے اسلام ــــ تسلیم کرنا ــــ اللہ معبُود ہے۔ اس کے بعد احکام کی خالص تعمیل نماز ــــ روزہ ــــ زکوٰۃ۔ حج۔ ان احکامات کی کاملاً تعمیل و تکمیل کے بعد۔ زائد عبادات (نوافل) یہ عبادت خالص ہے۔ قربِ الٰہی کے لیے ــــ جیسا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ــــ

تَقَرَّبُوْا اِلَى اللهِ بِالنَّوَافِلِ

قربِ الٰہی حاصل کرو نوافل عبادات سے ــــ

انسان تعمیل احکام کے بعد خود بخود۔ اِن عبادات کا عامل ہو جاتا ہے۔ جس کے لیے قرآن نے تفصیلاً اس عمل کا نہ ذکر کیا۔ نہ انسان پر واجب آتا ہے۔ جبکہ انسانی استطاعت کے مطابق۔ اس کے تعمیل احکام میں اسے جنّت کے مراتب مل جائیں ـــ اِس عمل سے اس کے مقصد کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ جب کہ شریعت کی رُو سے یہ امر انسانی مقصد میں شامل ہے۔ کہ وہ معرفتِ الٰہی حاصل کرے ـــ یہ امر انسانی عظمت کی نشاندہی کرتا ہے۔ مگر انسانی زندگی میں ـــ اِس کی جہد وسعی ـــ اس کی عدمِ استطاعت۔ بسبب اس کی کمزوری کے قدرت کی طرف سے یہ رعایت (فَتَابَ عَلَيْهِ) روا رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن نے خود اس رعایت کا ذکر کیا ـــ

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ

(سورہ مزمل پارہ ۲۹۔ آیت ۲۰)

تحقیق آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا رب جانتا ہے کہ آپ اُٹھتے ہیں (نماز کے لیے) قریب دو تہائی رات نصف رات ـــ یا ایک تہائی رات ـــ اور ایک مخصوص جماعت بھی لوگوں (صحابہ) میں سے (اس عبادت میں آپ کے شریک ہوتی ہے) اللہ رات اور دن کی کیفیت جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم (اتنی محنت و مجاہدہ کی) استطاعت نہیں رکھ سکتے۔ پس میری طرف سے رعایت دی جاتی ہے ـــ پس پڑھو جتنا تمہاری حد استطاعت میں ہو قرآن سے ـــ اور اللہ جانتا ہے کہ تم بیمار بھی ہو گے۔ اور تم کاروبار دینوی کی مصروفیت کے باعث بھی استطاعت نہ رکھ سکو گے اور کبھی تم جہاد کی جہد میں بھی تھک

کر چور ہو جاؤ گے ــــ (یہ صورتیں انسانی زندگی میں لازم آتی ہیں) پس پڑھو (عبادت کرو) جتنا تم سے میسّر ہو سکے ــــ (البتہ اس کے عوض) نماز مستقل قائم رکھو ــــ اور زکوٰۃ دو ــــ اور نادار لوگوں کو ان کی ضرورتیں اس صورت میں دو۔ کہ ان کی عدمِ ادائیگی کی صورت میں قرض واپس لینے کی اُمید نہ رکھو۔ تو یہ عمل تمہاری نفلی عبادات کا متبادل تصوّر ہو گا۔ اِس سے اتنا ہی ثواب (نتیجہ عمل) ہو گا جتنا ایک شب بیدار عمل کرنے والے کا ہو گا ــــ

قرآن کی اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ حصُولِ معرفت میں انسانی زندگی کی جدوجہد میں اس کی مصروفیات و مشکلات کے سبب انسان کو رعایت دی گئی کہ اس کے لیے ان حالتوں میں شرعی احکام کی تعمیل اس کے حصول معرفت و قربِ الٰہی کے لیے کافی ہو سکتی ہے ــ کہ اس حال میں اسے مراتب مل جائیں گے۔ سوائے اس کے کہ اسے اپنے مراتب کا مشاہدہ نہ ہو سکے گا۔ جب تک کہ طریقت کے مطابق زائد عبادت سے قوتِ مشاہدہ نہ حاصل کر سکے۔

جانو! ــــ یہ حکم آدم سے لے کر نسلِ آدم کے آخری فرد تک لاگو (واجب) ہے۔ اِسی اصول کے تابع گزشتہ انبیاء کو اصلاحِ انسانی کے لیے شریعت (اصلاحی احکام) دے کر بھیجا گیا؛ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی ۔ یہ اصلاحی احکام ہیں جو انبیاء کے ذریعہ بھیجے گئے ــــ اس ہدایت میں بھی حصولِ مراتب کے لیے عمل مقرر ہوُا ــــ انبیاء نے اجرائے کلامِ الٰہی کے ساتھ۔ ہادی و مُرشد کی حیثیت سے ۔ مشاہدہ اسرارِ الٰہی میں جیسا کہ اصولِ طریقت ہے ۔ اپنا تصوّر (تصوّرِ پیر) دیا۔ اسی طریق سے لوگوں کو مشاہدہ اسرارِ الٰہی ہوتا رہا۔ اور یہ طریق ابتداً حضرت آدم علیہ السّلام سے ہی شروع ہُوا کہ مشاہدہ اسرارِ الٰہی و معرفتِ الٰہی کو انسانی مقصد قرار دیا گیا ــــ اِسی مشاہدہ پر آدم کو نبی یا خلیفہ کہا گیا ــــ کیونکہ نبی کے معنی ہی ــــ اسرارِ الٰہی سے آگاہ صاحبِ مشاہدہ شخصیت ہے ۔ یہی عمل ہر نبی کے لیے مقرر ہُوا ــــ نبی کے گزر جانے کے بعد ــــ اس کے تابعین میں یہی عمل جاری ہُوا کہ نبی کے تصوّر کے ساتھ مشاہدہ و معرفت حاصل کریں ــــ یہ تابعین علمائے اُمّت میں شمار ہیں۔ ان علماء کو رھبان

(راہب) کے لقب سے پکارا گیا۔ یہ راہب بھی قائم مقام نبی ـــــ صاحب مشاہدہ و صاحب معرفت تھے ـــــ مگر زمانہ گزرنے کے ساتھ۔ اِن علماء میں تزکیہ و مجاہدہ کی صلاحیت باقی نہ رہی ـــــ علمائے اُمّت نے اپنی نفسانی خواہشات کی ہوس میں۔ الٰہی کلام میں تحریف کی ـــــ لہٰذا ان میں مشاہدہ و معرفت کی صلاحیت باقی نہ رہی۔ ان علما نے طریقِ شریعت و طریقت میں۔ بسبب اپنی کمزوریوں کے من گھڑت طریقے اختیار کیے جن میں یہ طریقہ شامل تھا کہ انھوں نے لوگوں کو ایک طرف دُنیا سے لاتعلق[1] ہونے کی ترغیب دی۔ اِس حال میں کہ اس گوشہ نشینی میں ایک نبی کا حقیقی علم و عمل استعمال نہ کیا گیا نہ اِس گوشہ نشینی سے مراتبِ مشاہدہ حاصل ہُوا۔ دوسری طرف مال و دولت اور دنیوی عیش و امارت کے سامان حاصل کرتے رہے۔ اور یہی من گھڑت طریق لوگوں میں جاری رہا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ لوگوں کو نہ حقیقی طریقِ مشاہدہ میسّر آیا۔ نہ انہیں مشاہدہ حاصل ہو سکا۔ چنانچہ لوگوں نے تصوّرِ نبی۔ تصوّرِ پیر قائم رکھنے کے لیے انبیاء کی تصویریں بنا کر۔ تصوّرِ خیالی کے ذریعہ تصوّرِ حقیقی حاصل کرنا شروع کیا۔ اِس عمل میں سادہ لوح لوگوں کی عقیدت شامل رہی کہ وہ اپنے مرشد کو کاملیت کے تصوّر میں ـــــ اپنا ناصر و راہبر سمجھ کر ان تصویروں سے مدد مانگنے لگے اِسی طریق نے آخر بُت پرستی کی شکل اختیار کی شریعتِ محمّدی (قرآن) نے ایسے ہی راہبوں کی مذمّت کی اور ان کے خود ساختہ من گھڑت عقائد کی رد کی ـــــ اس لیے اسلام نے اسی خطرے کے مدِّ نظر تصویر کشی کی ممانعت کر دی ـــــ تاکہ اُمّت محمّدی میں سابقہ اُمّتوں کی طرح تصوّرِ خیالی سے مدد لینے کا سلسلہ جاری ہو کر بُت پرستی کی نوبت نہ آئے۔ سوائے اس کے کہ احکامِ شریعت پر

---

[1] لاتعلق ہونے سے مراد۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انسان کو حصُولِ سامانِ زندگی میں وسیع حصُول کی ضرورت نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ حقیقی مقصدِ انسانی یعنی ہمہ وقت مشاہدۂ اسرارِ الٰہی میں منہمک رہ کر گوشہ نشینی اختیار کرنا ایک لازمی عمل قرار دیا جاتا۔ ایسے زمانہ میں انبیاء اور انبیاء کے علماء (راہب) زیادہ تر گوشہ نشینی میں مراقبہ میں ہمہ وقت مشاہدات میں مستغرق رہتے۔ جبکہ یہ عمل ضابطۂ الٰہی کی جز قرار دیا جاتا تھا اور احسن عمل تصوّر کیا جاتا تھا۔

خالصتاً عمل پیرا ہو کر ـــــ شریعت کی رُوح باقی رہے یہی عمل اصلاحِ انسانی کا ضامن بنے اور انسان کو جسمانی ـــــ روحانی تزکیہ حاصل ہو۔ دوسری طرف علمائے اُمّت صحیح اصولِ قرآنی پر عمل پیرا ہو کر اپنی روحانی قوت کو بہرحال قائم رکھیں تاکہ امّت کو صحیح راہنمائی میں حقیقی مشاہدہ اسرارِ الٰہی اور معرفت حاصل ہو۔ البتہ یہ طریق مخصوص رہا ـــــ جس کے لیے علمائے اُمّت میں اولیاء کو خصوصیت دی گئی ـــــ اس عمل کو ثانوی حیثیت اِس لیے دی گئی کہ اُمّت کو اولاً احکامِ شریعت کی تعمیل پہ لانا مقدم تھا اور علمِ طریقت کو مخصوص جماعت سے متعلق کر کے اس کے ظاہراً اجرا کو ضروری قرار نہیں دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخِ اسلام میں مؤرخین نے جب کہ انہیں مشاہدہ و معرفت کے اصول سے آگاہی نہ تھی۔ اِس علم کو تاریخ میں جگہ نہ دی۔ اور نہ ہی قرآن و حدیث سے اس عمل سے متعلق شواہد کو پیش کر سکے ـــــ لیکن اس امر سے انکار نہیں کہ طریقت شریعت کی جز با اعتبار نتیجہ عمل ـــــ اور کیفیات کے متشابہات ہونے کے۔ یہ طریق قابلِ یقین و تسلیم ہے ـــــ

یہ امر محقق ہے کہ قرآن نے ماورائے ادراک علم کی نشاندہی واضح الفاظ میں کی ہے۔ مگر اس علم کو متشابہات سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہی علم طریقت سے تعبیر دیا گیا ـــــ اس کے مقابل اجرائے قرآن و حدیث کو عام عقول کے لیے لازم قرار دیا۔ تاریخِ اسلام کا تجزیہ کیا جائے ـــــ تو ظاہر ہو گا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بنا کردہ اسلام کی بنیاد قرآن و سُنّت کے اجراء پر ہی قائم کی گئی۔ جس کی ابتداء ـــــ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ کی صورت میں حضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ابتدائی تبلیغ سے ہوتی ہے ـــــ جس کا مقصد انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبدیت میں لانا اور قرآنی احکام کی تعمیل کے ساتھ۔ انسان کی جسمانی ـــــ رُوحانی پاکیزگی ـــــ اور نجاتِ آخرت کا تصوّر دلانا تھا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ اللہ کے نزدیک دین کا تصوّر سوائے اسکے نہیں کہ اس کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ قرآن کریم نے تعمیلِ احکام سے متعلق جو بھی احکام پیش کیے ـــــ ان کا تعلّق انسان کے کسی شعبۂ زندگی سے بھی ہو ـــــ ان تمام احکام میں بنیادی تصوّر صرف۔ نجاتِ آخرت یا خوفِ قیامت ثابت ہے ـــــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تئیس سالہ دَورِ تبلیغ میں جو بھی واقعات ـــــ جو بھی معاملات پیش آئے ـــــ

یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ دین میں جو بھی اقدام کیے اِن سب کا نتیجہ — یا ماخذ صرف یومِ حشر — نجاتِ آخرت کا حقیقی تصوّر تھا۔ قُمْ فَاَنْذِرْ کا حکم اس تصوّر کی نشاندہی کرتا ہے — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنیاد پر ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل دے کر — ایک پاکیزہ کردار جماعت قائم کی — جن کا عمل احکاماتِ الٰہی کی تعمیل — اور نجاتِ آخرت کا سامان مہیّا کرنا تھا۔ چنانچہ تابعین رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی معیت میں تبلیغِ دین میں جو کام سرانجام دیا۔ اِس میں مخلوقِ خدا کو — اللہ تعالیٰ کی عبدیّت میں لانا — اور قرآنی احکام کی تعمیل کے ساتھ خود جسمانی — اور رُوحانی پاکیزگی حاصل کرنا — اور مخلوق کا تزکیہ کرنا — اور یومِ آخرت کے لیے بہتر نتیجہ عمل حاصل کرنے کے سوا — نہ اُمورِ دنیوی میں سامانِ زندگی کی فراہمی کی ذمّہ داری یا کفالت نہ کسی حکومت یا حکمرانی یا حاکمیت کا کوئی جذبہ کارفرما تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت کا جائزہ لینے سے معلوم ہوگا کہ لوگوں کی ضروریاتِ زندگی کے انتظامات کا کوئی ضابطہ پیش نہیں کیا گیا — ہر شخص اپنی ذات کا خود کفیل تھا۔ خود ذمّہ دار تھا۔ سوائے اس کے مروجہ معاشرہ میں۔ معاشرتی اصلاح کے لیے احکام نازل ہوئے۔ جو دین کی حیثیت میں واجب العمل تھے۔ عدمِ تعمیل میں بھی کوئی تعزیر نہ تھی۔ سوائے وعید کے کہ ایسے اعمال کی تعزیر میں عذابِ آخرت حاصل ہوگا۔ البتہ چند ایک ایسے افعالِ قبیح جن سے بدی۔ گناہ کو فروغ ملتا تھا۔ ان میں بھی اکثر کی سزا عذاب آخرت کی صورت میں تھی۔ اور بعض کی روک تھام کے لیے۔ تعزیر[1] ظاہری مقرر کی گئی — یہ ایک فطری اصول ہے جس پر غور کرنا ضروری ہے کہ انسان معاشرتی برائیوں سے۔ دین سے دُور نہیں ہوتا — بلکہ دین سے دُور ہونے کے سبب معاشرتی بُرائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اِن برائیوں سے دُور ہونے کے لیے۔ بنیادی طور۔ احکام کی صورت میں۔ لوگوں کے دِلوں کو پاکیزہ بنایا جائے تاکہ وہ خود بخود معاشرتی برائیوں سے اجتناب کریں۔ اِس کے لیے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں ایک مبلّغ کی ذاتی پاکیزہ شخصیت کا تاثر

---

[1] یہ تعزیر ابتدائی دَورِ اسلام میں نہیں بلکہ اقتدارِ اسلامی کے بعد جاری ہوئی۔

اور نفوذ ـــــ دوسرا خوفِ قیامت کا تاثر دینا ـــــ لازم تھا ـــــ کہ جب قوم مدتوں ـــــ ایک پاکیزہ کردار شخصیت ـــــ اور الٰہی احکام کے نفاذ سے محروم رہی ـــــ تو ان کی برائیاں ان کی عادتِ ثانیہ بن گئیں۔ اور وہ اپنی خواہشاتِ نفسانی کی لذتیں کسی طرح بھی ترک کرنے پر تیار نہ تھے۔ کیونکہ اس طرح دین برحق کے نفاذ سے انہیں اپنی خواہشات کی محرومی سے انکے مفادات پر کاری ضرب لگتی تھی۔ جنہیں ترک کرنے پر وہ کسی طرح آمادہ نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اغراض پرست لوگوں نے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں مزاحمت کی ـــــ اور جوں جوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغِ دین میں کامیابی ہوتی رہی ـــــ کفارِ مکہ کی مزاحمت نے دشمنی کی شکل اختیار کی ـــــ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام میں داخل ہونے والوں پر تشدد کرنا شروع کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قُمْ فَاَنْذِرْ اور بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ کی تبلیغ میں سوائے ـــــ صبر وضبط ـــــ عزم واستقلال۔ تحمل وبردباری کے اور کوئی فروعی ذریعہ اختیار نہ کیا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اللہ کا دین جاری کرنے میں کفارِ مکہ انکار کی صورت میں کشت وخون پر اتر آئیں گے۔ تو لازم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان مزاحمتوں کے پیشِ نظر قبل از وقت اپنی قوت پیدا کرکے۔ بنی ہاشم قریش کو اپنی حمایت میں لے کر ایک قوی اقتدار حاصل کرتے۔ جب کہ مکہ کی تمام قوتیں۔ پیشتر ہی آپ کو امین وصادق کا لقب دے کر مکہ کا ہر شخص آپ کی عزت وتکریم کرتا تھا۔ لیکن قُمْ فَاَنْذِرْ میں یہ طریق واجب نہ تھا۔ برعکس اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلامِ معجز بیان نے یہ اثر دکھایا کہ آپ کے گرد تین سو تیرہ نفوس کی ایک پاکیزہ جماعت وجود میں آگئی ـــــ کفارِ مکہ نے محسوس کیا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا یہی انداز برقرار رہا اور یہ جماعت اس طرح بڑھتی گئی۔ تو ایک دن ہمیں غلامی اور تباہی کا منہ دیکھنا ہوگا ـــــ چنانچہ کفارِ مکہ نے ـــــ جماعتِ اسلامی کو ختم کر ڈالنے کا منصوبہ تیار کیا ـــــ اس طرح تبلیغ دین میں ایک نئی صورت پیدا ہوگئی۔ کفارِ مکہ نے جماعتِ اسلامی پر لشکر کشی کی۔ اور بدر کے مقام پر کفر واسلام کا پہلا معرکہ ہوا ـــــ نظریہ کیا تھا؟ ـــــ کہ جماعتِ اسلامی کے خاتمہ سے اسلام کا خاتمہ[1] ہوگا اور کفار کے غلبہ سے کفر کو فروغ ملے گا ـــــ یہ ایک نئی

---

[1] جنگِ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ اگر آج یہ جماعت ختم ہوگئی تو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صورتِ حال تھی جو تبلیغِ دین میں پیش آئی۔ جس کے لیے اسلام کو جماعتِ اسلامی کے تحفظ کی ضرورت پیش آئی۔ جس "تحفظ" نے۔ اقتدارِ اسلامی کا ایک نیا تصور پیدا کیا ـــ اِس تصور میں ایک طرف بنیادی مقصد ـــ یعنی تعمیل احکامِ الٰہی اور نجاتِ آخرت کا بنیادی تصور قائم رکھنا ـــ اور اِس بنیادی تصور کو قائم رکھنے کے لیے جماعتِ اسلامی کا تحفظ کرنا ـــ دوسری طرف اقتدارِ اعلیٰ حاصل کرنے کے لیے مادی ذرائع حاصل کرنا ـــ کیونکہ کفار کے مقابلہ میں مادی ذرائع حاصل کرنا لازمی ہو گیا ـــ اِس صورتِ حال نے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعتِ اسلامی کو کفار کی چیرہ دستیوں کے سبب اپنے تحفظ کے لیے۔ تبلیغِ دین میں مادی ذرائع[1] سے مدد لینے پر مجبور کر دیا ـــ ورنہ تبلیغِ دین میں مادی ذرائع سے مدد لینا تبلیغ کے مقاصد میں شامل نہ تھا ـــ سوائے اِس کے کہ باطل قوتوں کی مزاحمت ختم کر کے تبلیغِ دین کے لیے راہ ہموار کرنا ـــ یہ امر قابلِ غور ہے۔ کہ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ۔

اور اپنے رشتہ داروں۔ قوم سے ابتداء کیجیے۔ انہیں خوفِ قیامت سے ڈرائیں۔

آپ نے تبلیغ میں سوائے ـــ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ کے حکم کے مطابق لوگوں کو اسلام میں لانے کے لیے کوئی فروعی ذریعہ اختیار نہیں کیا ـــ باوجود اس کے کہ آپ کو بُرا بھلا کہا گیا۔ آپ کو تکلیفیں پہنچائی گئیں ـــ آپ پر پتھر برسائے گئے ـــ آپ کا خونِ اطہر بہایا گیا ـــ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی گئی ـــ میں کہتا ہوں۔ زمانہ میں ازل سے ابد تک ایسا مفکر ـــ ایسا جرنیل ـــ ایسا سیاستدان۔ ایسا صاحبِ عقل فہم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے مقابلہ میں ہونا۔ قطعاً ناممکن ہے۔ ایسی صورت میں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل از وقت کفارِ مکہ کے مظالم کا سدِّباب نہ کر سکتے تھے؟ ـــ ایسا نہیں بلکہ تبلیغِ دین کا وہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳) دُنیا پر اسلام کا وجود قائم نہ ہوگا۔ اِس دُعا سے ظاہر ہوا کہ اسلام جماعت کے وجود سے تعبیر ہے۔ لہٰذا جماعتِ اسلامی ہی سے اسلام کا تصوّر باقی رہتا ہے۔ گویا جماعتِ اسلامی کا تحفظ اسلام کا تحفظ متصوّر ہے [1] مادی ذرائع سے مراد تلوار اور طاقت۔

اصول ہے۔ جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اختیار فرمایا ——

تاریخ شاہد ہے —— انبیاء کی الہامی کتابیں شاہد ہیں —— قرآن خود شاہد ہے ——

اصولِ اسلام کے مطابق —— ہر رسول کو —— اس کی نبوت میں محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ (زیارت) عالمِ ملکوت میں دیا گیا۔ جس مشاہدہ پر انہوں نے ایک رسُول خاتم النبیین کی ہر زمانہ میں بشارت دی۔ کہ ایک رسُول آنے والا ہے۔ جو مخلوق کو اس کے خالق کے قریب کرنے والا —— معبُود و عبد کا رشتہ جوڑنے والا —— جو مخلوقِ عالم کو ظلم و جبر کے ستم سے نجات دلانے والا ہو گا —— انبیاء نے اِس مقدس ہستی کو دیکھا —— اس کی عزت و تکریم کی —— اور ہر زمانہ میں نصرت دینے کا وعدہ کیا —— قرآن خود اس کی شہادت دیتا ہے ——

وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّ حِکۡمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنۡصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡہَدُوۡا وَ اَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰہِدِیۡنَ ۝

(پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۸۱)

اور جب لیا اللہ نے عہد انبیاء سے کہ جو کچھ مَیں دُوں کتاب و حکمت سے۔ پھر آئے تمہارے پاس (ایک) رسُول جو تصدیق کرے اِس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم ضرور اس پر ایمان لانا —— اور اس کی مدد کرنا —— کہا کیا تم نے اقرار کیا؟ —— اور قبول کیا اس پر میرا عہد؟ —— کہا انہوں نے —— اقرار کیا ہم نے —— اور کہا (اللہ تعالیٰ نے) اب تم گواہ رہو —— اور مَیں بھی تمہارے گواہوں میں ہوں ——

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے میثاق لیا۔ کہ حضور محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کو بحیثیت نبی و رسُول تسلیم کرو —— اور ان کے ظہور پر ان کی نصرت (مدد) کرو —— لہٰذا —— ہر نبی کے لیے یہ لازم رکھا گیا —— کہ ہر نبی اس رسُول کو پہچانے اور ہر نبی۔ اپنی اور —— ہر آئندہ آنے والی اُمّت کو وصیت کرے۔ کہ جس قوم میں اس رسُول کا ظہور ہو —— وہ انہیں تسلیم کرے —— اور ان کی مدد کرے۔ قرآن نے اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو

خطاب کیا۔ یہ اس لیے کہ یہ عہد ہر زمانہ میں نبیوں نے پورا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہا — کہ فاران کی چوٹیوں سے ایک نور ایک لاکھ چوبیس ہزار مشعلوں کو لے کر نکلے گا۔ جو نُور تمام رُوئے زمین پر پھیل کر دُنیا کو منوّر کر دے گا — حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے بھی اُمّت کو بتایا —

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۱ آیت ۶)

اور جب کہا عیسٰی ابنِ مریم نے۔ اے بنی اسرائیل مَیں تمہاری طرف رسُول بھیجا گیا ہوں مَیں تصدیق کرتا ہوں تورات کی (جس میں موسٰی علیہ السّلام کا عہد اور ایک رسُول کی آمد کی بشارت دی گئی ہے) مَیں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ وُہ رسُول آنے والا ہے — ان کا اسمِ مقدّس احمد ہے۔ (اس پر ایمان لانا۔ اس کی مدد کرنا) اور پھر اسی بشارت پر یہود و نصاریٰ کہتے آئے۔ وُہ رسُول ہم میں سے ہو گا۔ ہم اس پر ایمان لائیں گے ہم اس کی مدد کرینگے۔ اور جب وہ آیا — تو اسے ایسا پہچانا۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ

"وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی (یہود و نصاریٰ) پہچانتے ہیں۔ اس (نبی) کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔" (پارہ ۲۔ سورۃ ۲۔ آیت ۱۴۶)

سوال یہ ہے کہ اگر اس رسُول کی آمد پر ہر قوم "عہدِ میثاق" کے مطابق اس رسُول کو تسلیم کرتی — اور اس کی مدد کرتی — یہ تو یہود و نصاریٰ تھے — ان کے مقابل کفارِ مکہ میں بنی اسماعیل — قریش کو بھی علم تھا کہ ایک رسُول آنے والا ہے۔ تمام انبیاء نے اس رسُول کی بڑائی کی — یہ ایک عظیم المرتبت رسُول ہے۔ یہ جان کر کہ یہ رسُول ہم میں پیدا ہوا اور یہ اعزاز و فخر اس قوم کو عطا ہوا — اور عرب کا کوئی فرد۔ اس رسُول کی مخالفت نہ کرتا (بلکہ یوں کہا جائے کہ انہیں مخالفت نہ کرنی چاہیئے تھی) اس حال میں کہ یہ قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو پہچان چکی تھی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عزّت و تکریم کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین و صادق کے لقب سے پکارتے تھے۔ اس صورت میں ! ــــ اگر سب لوگ آپ کی تبلیغ میں مزاحمت نہ کرتے۔ بلکہ آپ کا ساتھ دیتے ــــ آپ کو تسلیم کرتے۔ آپ کی مدد کرتے ــــ تو جماعتِ اسلامی اور کفارِ مکہ کے درمیان قتال و جنگ کی نہ نوبت آتی نہ اس کا تصور پایا جاتا ــــ تو ایسی صورت میں نہ جنگ ہوتی نہ جہاد کی فرضیت لازم آتی ــــ ہر شخص اسلام میں داخل ہو کر اپنی اپنی ــــ سادہ زندگی گزارتا ــــ تو اسلام کو اقتدارِ اعلیٰ کی نہ ضرورت پڑتی۔ نہ اپنے تحفظ کے لیے مادی ذرائع کے لیے جستجو کرنی پڑتی۔ نہ تبلیغِ دین میں اقتدارِ اعلیٰ کو شامل کرنے کی ضرورت رہتی۔ تو پھر تبلیغِ دین میں ــــ سوائے اجرائے قرآن ــــ بہ طریقِ نبوی ــــ صرف اجرائے قرآن میں احکام کی تعمیل ــــ خوفِ قیامت کا ایک واحد تصور باقی رہتا۔ پھر نہ اسلحہ کی ضرورت تھی۔ نہ اقتدار کے ذریعہ زمین پر قبضہ کرنے کی ضرورت رہتی۔ نہ کسی فرد کی ضروریات کی ذمہ داری کا احساس باقی رہتا ــــ نہ کسی حکومت کا تصور قائم ہوتا ــــ لیکن یہ امر بھی مصلحتِ الٰہی کے تحت تھا ــــ کہ حق کے ساتھ باطل کا وجود بھی ہوتا ہے۔ اور حق و باطل کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔

خوفِ آخرت اسلام کا بنیادی مقصد ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں جماعتِ اسلامی ــــ اور اقتدارِ اعلیٰ کو وسعت ملی ــــ تو اقتدارِ اعلیٰ نے حکمران حیثیت حاصل کی۔ مگر اس کا بنیادی تصور وہی تھا کہ کائنات کا خالق اللہ ہے ــــ اور انسان اللہ کا بندہ ــــ عبد ــــ غلام ــــ زمین پر انسان کے ذمہ ــــ ایک مقصدِ حقیقی کا تعین ــــ معرفتِ الٰہی ــــ اور اپنی مرضی سے ــــ ہاں اپنی مرضی سے ــــ تسلیم کرنا۔ احکامِ الٰہی کی تعمیل کرنا۔ معرفت حاصل کرنا ــــ اور رعایت میں حسبِ استطاعت تعمیلِ احکام کرنا ــــ جس پر نہ اللہ کا جبر ہے۔ نہ رسول کا جبر ہے۔ نہ جماعتِ اسلامی کا جبر ہے۔ انکار کی صورت میں بھی ــــ اللہ اور بندے کا معاملہ یومِ حشر پر موقوف کیا گیا۔ بس دنیا میں انکار کی صورت میں سزا کا حکم نہیں۔ چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو اس کے انکار پر کوئی سزا ــــ نہ قرآن سے۔ نہ اپنی ذات سے

دی ـــ سوائے اس کے کہ کفارِ مکہ کے اِسلام (مراد جماعتِ اسلامی) کی مزاحمت کے سبب ـــ یہ ضرورت پیش آئی ـــ کہ تبلیغِ دین میں کفار کی مزاحمت میں "دفاع" کرنا ـــ اور ہر اُس "وجہ" کو دُور کرنا جو تبلیغِ اسلامی میں جماعتِ اسلامی کو مزاحم ہو ـــ اور مخلوقِ خدا کے لیے دین میں داخل ہونے میں رکاوٹ کا سبب ہو۔ اس کے لیے ـــ قرآن نے معاشرہ کو بدی و انکار سے محفوظ رکھنے کے لیے۔ ایسے جرائم کو پنپنے نہ دینے کے لیے جو مخلوقِ خدا کو ماحول و معاشرہ کی شکل میں دین سے دُور رکھے۔ یا بدی کے مرتکب ہونے کا سبب بنیں۔ چند تعزیریں پیش کیں۔ یہ تعزیریں اصلاحِ معاشرہ کے لیے تھیں۔ مگر گناہ کی سزا کے تصور میں نہیں تھیں ـــ ایک عورت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے ـــ کہ مجھ سے زنا سرزد ہوا ـــ مجھے اللہ کے حکم کے مطابق رجم کیا جائے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس عورت کی طرف توجہ نہ دی مُنہ پھیر لیا۔ عورت دوسری طرف سے آئی پھر عرض کی کہ اے اللہ کے رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مجھے رجم کا حکم دیں۔ تین بار حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مُنہ پھیرا تیسری بار ـــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پُوچھا تمہارے ہاں حمل تو نہیں؟۔ عورت نے کہا حمل ہے ـــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ جاؤ۔ حمل سے فارغ ہو ـــ وہ عورت حمل سے فارغ ہو کر پھر دربارِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم میں حاضر ہُوئی ـــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بچّہ دیکھ کر فرمایا ـــ ابھی بچّہ کو رضاعت کی مدّت تک دُودھ پلاؤ ـــ رضاعت کی میعاد ختم ہوئی۔ تو عورت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بچّہ کو لے کر آئی۔ بچّے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دیا تھا۔ مبادا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کوئی اور وجہ درمیان میں لا کر مجھے واپس کر دیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بچّے کو روٹی دی (شاید اس وجہ سے خود دی ہو کہ اس بہانہ سے مزید ٹالنے کا موقع ملے) بچّہ نے روٹی کھائی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (بادلِ نخواستہ) عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا ـــ چنانچہ صحابہ نے عورت کو رجم کر دیا ـــ یہاں تک کہ اس کی رُوح قفسِ عنصری سے نکل کر عالمِ برزخ میں چلی گئی۔ کہتے ہیں جب عورت کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش کیا گیا تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم خاموش تھے۔ کسی صحابہ نے کہا۔ یہ عورت بدکار تھی ـــ تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُسے جھڑکا ایسا مت کہو۔ یہ عورت ایسی ہے جیسا ماں سے

پیدا ہونے والا بچہ پاک ہوتا ہے ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عورت سے منہ پھیرنا ـــــ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا۔ کہ یہ عورت گناہ سے پاک ہے۔ اس امر میں یہ مصلحت تھی کہ عورت نے خوفِ قیامت کے احساس پر خود کو تعزیر کے لیے پیش کیا ـــــ کہ اگر میں اس گناہ کو چھپاؤں تو قیامت کے دن مجھے عذاب دیا جائے گا۔ اِس خوف کے احساس نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ اِس کے دل میں احساسِ جُرم ـــــ اور اقرارِ جرم اضطراب پیدا کر رہا تھا۔ اس کی نظر میں تعزیر سے جرُم کی سزا پانے سے آخرت کے عذاب سے نجات پاتا۔ اِس کے لیے باعثِ اطمینان تھا۔ جس کے لیے وہ جان دینا۔ یا جانی عذاب قبول کرنا بہتر سمجھتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توجہ نہ کرنا ـــــ اور عورت کو بازگشت کا موقع دینا اس غرض سے تھا کہ عورت پر عذابِ قیامت۔ اور خوفِ خدا کی ہیبت اس قدر طاری تھی کہ اس حال میں وہ کسی وقت اپنی جانی تکلیف کا احساس کر کے توبہ کر تی تو اس کے جرُم کی سزا (عذابِ قیامت) معاف ہو جاتی ـــــ اور وہ جانی عذاب سے بھی بچ جاتی ـــــ خوفِ خدا ـــــ اور خوفِ قیامت کے احساس سے خود کو مجرم گردان کر اعترافِ گناہ کرنا اور سزا قبول کرنا ـــــ ایک عظیم اسلامی اخلاقی پہلو ہے۔ جو توبہ کے برابر ہے۔ لہٰذا یہ عورت اس احساس کے سبب گناہوں سے پاک ہو گئی ـــــ درحقیقت یہ اخلاقی مظاہرہ اسلام کی حقیقی رُوح ہے ـــــ ثابت ہُوا ـــــ اسلام کا تبلیغی مقصد۔ انسان میں ـــــ صرف ـــــ اور صرف انسان کے دل میں خوفِ قیامت جاگزیں کرنا ہی ہے۔ خوفِ قیامت بُنیاد ہے۔ ہر گناہ ہر بُرائی کو ختم کر دینے کی ـــــ انسان کے دل میں اگر خوفِ قیامت ہو۔ تو انسان ہر گناہ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس امر سے یہ واضح بھی ہُوا ـــــ کہ قرآنی تعزیرات محض ایک جرُم کی سزا نہیں۔ بلکہ انسان کے گناہوں کا کفارہ اور خوفِ قیامت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو اسی تصوّر کے ساتھ پیش کیا۔ جس میں سوائے خوفِ حشر کے اور کسی اقتدار و حکمرانی کا تصوّر موجود نہ تھا ـــــ سوائے اِس کے کہ کفّار کی مزاحمت نے تبلیغِ دین میں اقتدارِ اعلیٰ کی ضرورت پیدا کی ـــــ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اقتدارِ اسلامی کو عرب کی وسیع حدود تک وسعت ملی۔ تو ضروری ہُوا ـــــ کہ اِن

مفتوحہ علاقوں پر اقتدارِ اعلیٰ قائم رہے۔ اور اس اقتدارِ اعلیٰ کو زمین کی وسعتوں تک پھیلا کر تبلیغِ دین میں۔ انسان کو جابر خداؤں۔ جابر حکمرانوں کی غلامی سے نجات دلا کر ان کے لیے حصولِ دین و ایمان آسان کر دیا جائے ــــ اس تصوّر کے ساتھ۔ کہ مخلوقِ خدا کو تعمیلِ احکامِ الٰہی کے ساتھ نجاتِ آخرت حاصل ہو نہ یہ کہ مخلوق کو جابر قوتوں کی غلامی سے نجات دلا کر ان کے حصولِ دنیوی کو آسان کیا جائے ــــ اسلام نے اس مقصد کو اس لیے قبول کیا ــــ کہ اسلام کو حکمران حیثیت حاصل نہیں ــــ انسان پیدائشی طور ــــ ہر حال میں اللہ کی حاکمیت میں۔ پابند و غلام ہے۔ لیکن اللہ کی حاکمیت ہر حال میں انسان پر مسلّط ہے۔ لہٰذا ــــ اسلام میں حاکمیت کا یہ تصوّر نہیں ــــ کہ جابر حکمرانوں کی غلامی میں انسان اللہ کی حاکمیت کا مطیع نہیں تھا۔ اور اب اسے اللہ کی حاکمیت میں لایا جائے ــــ ایسا نہیں۔ بلکہ انسان کو باطل قوتوں کی حاکمیت سے نجات دلانا۔ اس غرض سے ہے کہ اسے اقتدارِ اسلامی کے تحفّظ میں لا کر اس کے لیے حصُولِ معرفت۔ نجاتِ آخرت اور تعمیلِ احکام کے لیے راہ ہموار کی جائے۔ اور پھر جب انسان اقتدارِ اعلٰے میں محفوظ ہوا ــــ تو انسان ہر حاکمیت اور تسلّط سے آزاد تصوّر ہوتا ہے ــــ اس حال میں بھی ــــ انسان اپنا ارادہ استعمال کرنے میں آزاد ہے ــــ خواہ وہ دین پر عامل رہے یا نہ رہے۔ اس پر نہ اللہ کی حاکمیت کا جبر ہے نہ رسُول اور اقتدارِ اعلیٰ کی حاکمیت کا جبر ہے۔ سوائے اس کے کہ تسلیم و انکار ــــ تعمیل و انحراف کی جزا و سزا کا فیصلہ قیامت پر موقوف رکھا گیا ــــ ہاں! انسان کو باطل قوتوں سے آزاد کر کے۔ اس کو ارادہ و اختیار میں آزاد رکھا گیا۔ اقتدارِ اعلیٰ کے لیے سوائے اس کے نہیں کہ وہ انسان کیلئے ــــ اسلام کی طرف رغبت پانے۔ تعمیلِ احکام پر مائل ہونے۔ اور دل میں خوفِ قیامت کا جذبہ پیدا کرنے کا ذمّہ دار ہے۔ ایسی صورت میں انسان کے انحراف کی نوبت نہیں آتی ــــ لیکن اقتدارِ اعلیٰ کسی انسان کو ــــ بالجبر یا تعزیر کے ذریعہ اسلام کی طرف مائل کرنے کا حق رکھتا ہے نہ مجاز ہے ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں اقتدارِ اسلامی میں۔ یہود بھی موجود تھے۔ نصاریٰ بھی موجود تھے۔ اور کفّار بھی موجود تھے۔ اقتدارِ اسلامی کا ان پر کوئی تسلّط نہیں تھا۔ ہر شخص اپنے ارادہ و اختیار میں آزاد تھا۔ یہاں تک کہ منافقین سے بھی بازپرس

نہ کی جاتی تھی۔ وہ اسلام دشمنی میں بھی آزاد تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود اہلِ ایمان کو ہدایت کی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج (پارہ ۱۔ سورہ ۱۔ آیت ۸-۹)

"اور لوگوں میں جو کہتے ہیں۔ ہم ایمان لائے اللہ پر۔ اور یوم حشر پر[1] کہ ہم بھی حشر کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں) وہ ایمان نہیں لائے۔ وہ اپنے مافی الضمیر کو اللہ سے اور تم سے چھپاتے ہیں۔" اس کے باوجود۔ نہ اللہ نے ان پر جبر کیا۔ نہ رسول نے۔ نہ اقتدارِ اعلیٰ (مومنین) نے اور وہ اپنے ارادہ و اختیار میں آزاد تھے۔ اِس کے باوجود اقتدارِ اعلیٰ نے ان کے تحفظ کی ضمانت دی ـــــ یہ وہ وقت تھا جب اقتدارِ اعلیٰ میں حکمرانی کا تصوّر نہیں تھا ـــــ کہ وہ محکوم بن کر اقتدارِ اعلیٰ کے تسلّط میں محبوس رہیں ـــــ نہ اقتدارِ اعلیٰ کے ذمہ حصول دُنیا میں لوگوں کی ضروریات پُوری کرنے کا تصوّر تھا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ رسالت میں ـــــ ایک نبی و رسُول ـــــ باقی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر ادنیٰ اصحابی تک سب مومن کہلاتے تھے۔ ان میں نہ سربراہ کا تصوّر تھا۔ نہ لیڈر کا ـــــ نہ جرنیل کا نہ کسی حاکم کا ـــــ نہ کسی منتظم کا ـــــ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم رسُول تھے۔ باقی تابعین ـــــ یہی تابعین جماعتِ اسلامی ـــــ اقتدارِ اعلیٰ سے تشبیہہ تھی ـــــ جن میں نہ دار الخلافہ تھا۔ نہ کوئی انتظامیہ نہ عدلیہ ـــــ ایک قرآن تھا۔ اور قرآن کی تعمیل ـــــ جماعتِ اسلامی میں۔ جماعت بندی کا تصوّر نہ تھا۔ سب اپنے کاروبار میں مصروف۔ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پکارا سب آپ کی پکار پہ جہاں تھے۔ وہیں سے دوڑ کر رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گرد جمع ہو گئے ـــــ یہ اجتماع صرف جہاد کے لیے تھا۔ اِس جماعت میں ادنیٰ و اعلیٰ کی تخصیص نہ تھی۔ ان کے پاس بس ایک قرآن اور ایک تلوار تھی۔ یہی اقتدارِ اعلیٰ کی واحد ہیئت تھی۔ اِس اقتدارِ اعلیٰ کی اساس۔ قرآن۔ تعمیلِ قرآن۔ جذبۂ ایمانی اور تلوار ـــــ

---

[1] اس آیت سے بھی اِسلام کا نکتہ نظر واضح ہے۔ اللہ کی معبودیت تسلیم کرنا اور خوفِ قیامت کا احساس۔

اِسلام میں خلافت کا تصوّر

الغرض ـــــ جب حضورؐ کے زمانہ میں اقتدارِ اعلیٰ کو وسعت ملی۔ تو اس غرض سے کہ باطل قوتیں اقتدارِ اعلیٰ کو ختم کرنے کے لیے انہیں ہلاک کرکے پھر اقتدارِ اعلیٰ میں آئے ہوئے علاقہ کو پھر سے اپنے تسلّط میں لے کر مخلوق کو اپنا محکوم بنا کر ان کے لیے ہدایت کے راستے بند کرکے انہیں اسلام کی نعمت سے محروم کریں۔ تو اِس حیثیت میں خطۂ زمین کو اپنے زیرِ تسلط محکوم رکھنا لازمی تھا ـــــ جس کے لیے ضروری تھا کہ ساکنینِ ارض کے لیے ان کی ضروریات کا پُورا کرنا اقتدارِ اعلیٰ کے ذمّہ ہُوا تا کہ وہ دینوی حیثیت میں اقتدارِ اعلیٰ کے آگے مجبور و محکوم تصوّر نہ ہوں۔ اور اس کی بھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ رسالت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ضرورت محسوس ہُوئی ـــــ خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ رسالت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایسا تصوّر قائم نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ تبلیغ دین میں اقتدارِ اسلامی کے قیام و بقا کے لیے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد۔ قائم مقام نائبِ رسُول کی ضرورت ضرور تھی۔ صرف تبلیغِ دین کے تصوّر میں خلیفہ کی ضرورت تھی ـــــ اور اقتدارِ اسلامی کے تحفّظ کے لیے ایک ایسے امیر کی ضرورت تھی۔ جو اُمورِ ملکی میں تدبّر و سیاست سے باطل قوتوں کے خاتمہ اور ان کے حملوں سے اقتدارِ اعلیٰ کا تحفّظ کر سکے۔ جس میں خلیفہ کے تقرر کے لیے ـــــ اللہ اور رسُول کے وضع کردہ ضوابط مقرر تھے کہ

(۱) کائنات اور انسان پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مسلّط ہے۔ جس کے لیے مخلوق کو اللہ کے مقابلہ میں کسی حاکم کے منتخب کرنے کا اختیار نہیں۔ ہر انسان نے اللہ کے احکام کے تحت چلنا ہے۔ اِس حکم کی تعمیل میں غالب عنصر انسانی فلاح کا ہے۔ یہ حکم۔۔۔ بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ تم ایک دُوسرے کے دشمن بنو گے ـــــ انسان ـــــ انسان کو محکوم بنا کر ظلم ڈھائے گا۔ میری تعمیل کے راستے تمہارے لیے بند کر دے گا۔

فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝ (پارہ ۱۔ سورہ ۱۔ آیت ۳۸)

"پس میں اصلاحِ انسانی کے لیے اِصلاحی احکام بھیجوں گا پس ہر شخص اِن احکام کو قبول کرنے میں آزاد ہے۔ مَیں اس پر جبر نہیں کروں گا۔"

وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ٥

"اور جس نے میری ہدایت کی اتباع کی اُسے قیامت کے عذاب کا نہ خوف ہو گا نہ غم"۔۔۔۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥

(پارہ ۱۔ سورہ ۲۔ آیت ۳۹)

"اور جو میرے اِسلامی احکام پر تعمیل کرنے سے انکار کرے اور میری آیتوں کو جھٹلائے۔ اس پر بھی جبر نہیں ۔۔۔۔ البتہ ان کے اعمال کے نتیجہ میں ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا قیامت کے دن اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہیں گے"۔۔۔۔

یہ ہے الٰہی انتخاب ۔۔۔۔ دوسرا ۔۔۔۔ دوسرے مرحلہ پر بھی انتخاب ۔۔۔۔ انسان کا نہیں۔ بلکہ اللہ کا ہے ۔۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔ (پارہ ۵۔ سورہ النسا۔ آیت ۶۴ - ۵۹)

"نہیں بھیجا مَیں نے رسُول ۔۔۔۔ مگر اطاعت کے لیے ۔۔۔۔ یہ میرے حکم سے بھیجا جاتا ہے۔ اس کے انتخاب کا کسی انسان کو حق نہیں ۔۔۔۔ پس تم میرے حکم کے ساتھ اسکی اطاعت کرو ۔۔۔۔" یہ رسُول منجانب اللہ منتخب ہوتا ہے ۔۔۔۔ اِسی رسُول کے ذریعہ اللہ کے اصلاحی احکام کا نفاذ ہوتا ہے ۔۔۔۔ ہاں! یہ منتخب نبی ہے۔ جو کچھ یہ تم کو اپنی طرف سے بھی حکم دے اس کی بھی تعمیل کرو ۔۔۔۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۔

"جو کچھ رسُول تمہیں حکم دے اس حکم کو بھی قبول کرو"۔۔۔۔ تیسرے "اولی الامر"۔۔۔۔ لوگوں میں سے رسُول کی تعلیم پر عمل کرنے والے ۔۔۔۔ نائبِ رسُول ۔۔۔۔ اس سے اول اللہ اشارہ کرتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کرو۔ دوسرے جسے رسُول منتخب کرے اس کے حکم کی تعمیل کرو ۔۔۔۔ اس حکم میں ایک حکم اللہ کے اصلاحی احکام۔ پھر رسول کے اپنے وضع کردہ

دین سے متعلق اصلاحی احکام — پھر رسُول کے منتخب کردہ۔ خلیفہ کی اتباع میں اللہ کے اصلاحی احکام کی تعمیل — چونکہ یہ بھی اللہ و رسُول کا منتخب کردہ خلیفہ ہے۔ اسلیے اس کے وضع کردہ دین سے متعلق احکام کی تعمیل کرنا لازم ہے۔ ان تینوں حیثیتوں میں انسان کو انتخاب کا حق نہیں دیا گیا — بس یہی تین مدارج ہیں حاکمیت کے اور انتخاب کے۔ لہٰذا عوام کو کسی حیثیت میں انتخاب کا حق حاصل نہیں — اب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت۔ (مِنْکُمْ) میں سے کسی شخصیت کے انتخاب کی شرط مقرر کی جو اولی الامر کے زمرہ میں آتا ہے۔

اِسلام میں خلیفہ کے لیے خصُوصی شرائط

(۱) خلیفہ صرف تبلیغِ دین اجرائے قرآن کے لیے منتخب ہوگا۔

(۲) خلیفہ کا قرآنی علم پر بدرجہ اولیٰ عبور ہو۔

(۳) خلیفہ کا — قرآنی علم — احکامِ الٰہی — اور اسوۂ رسُول پر بدرجہ اولیٰ تقویٰ کے ساتھ عامل اور پابند ہونا لازمی ہے۔ نیز یہ شرط بھی ہونا لازم ہے کہ قرآنی متشابہات کے علم میں صاحبِ مشاہدہ ہونا — صاحبِ معرفت ہونا افضل ہے۔

(۴) قرآنی علم کے نفاذ میں۔ صاحب القا — صاحبِ حکمت و تدبر۔ صاحبِ اجتہاد ہو۔ تاکہ وقت کے تقاضوں کے مطابق — ہر ذہن کی تسکین و آمادگی کے لیے اپنے اجتہاد سے لوگوں تک علم پہنچائے — جس میں کسی انحراف کی گنجائش نہ رہے۔ یہ شرائط اس حد تک ہونا لازمی ہیں جس حد تک دین خالص طریقہ سے جاری ہو۔

(۵) اس کے بعد جب اقتدارِ اسلامی کی بقار و وسعت دین میں شامل ہو۔ تو ان شرائط کے ساتھ — باطل قوتوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں اقتدارِ اسلامی کی بقار و وسعت میں سربراہی کی اہلیت میں۔ تدبر و سیاست میں صاحبِ فراست ہو۔ اِن شرائط کے بغیر کسی فرد کو نہ خود خلیفہ ہونے کا حق ہے۔ نہ امت کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی کا انتخاب کریں — سوائے اس کے کہ خلیفہ (یا امت کے صاحبِ علم افراد) کے منتخب کردہ مومنین میں سے

ایک جماعت (جو قرآن و حدیث و فقہ اور اجتہاد میں بدرجہ اولیٰ کامل ہو) تشکیل دی جائے اور اسی جماعت کی مشاورت سے آئندہ خلیفہ کا انتخاب ہونا مقرر ہو۔

رسُول کے بعد ایک خلیفہ کا کسی دوسرے شخص کو اقتدارِ اعلیٰ سپرد کرنا۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ تم اپنے معاملات میں اللہ اور رسُول اور اولی الامر[1] کی طرف رجوع کرو ــــ اور اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ آپس میں معاملات طے کرو۔ جماعتِ اسلامی کے باقی مومنین جو تقویٰ و عبادت اور فہم و تدبّر میں کامل درک رکھنے والے ہوں ــــ انہیں شرائط پر سب سے اعلیٰ شخصیت کا انتخاب کریں گے۔ اس میں یا تو خود خلیفہ ایسی شخصیت کا انتخاب کرے جو امّت کے لیے قابلِ قبول ہوگا ــــ اس میں بھی اُمّت کو انتخاب کرنے کی اجازت نہیں۔ سوائے مجلسِ شوریٰ کے۔ جو اعلیٰ صاحبِ قرآن جماعتِ اسلامی پر مشتمل ہو ــــ اِس امر میں (شُوْرٰی بَیْنَھُمْ) مجلسِ شوریٰ کے ذمّہ ایک اجتہادی فکر لازم ہے۔ وہ یہ کہ جب تبلیغِ دین میں اقتدارِ اعلیٰ[2] کی بقاء لازم قرار دی گئی ہے۔ تو ایسی صورت میں دین سے متعلق شرائط (نمبر ۱-۲-۳-۴) میں کمی یا نقص کی صورت میں ایسے فرد کا انتخاب لازمی ہے۔ جو اقتدارِ اعلیٰ کی بقاء و وسعت میں تدبّر و سیاست میں اعلیٰ فہم و فراست رکھتا ہو ــــ لیکن اس کے لیے بھی دین سے متعلق چار شرائط کا ہونا۔ لازمی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ سیاست و تدبّر میں کامل ہو اور دین کی تکمیل میں قطعی ناقص ہو۔ ایسے شخص کا انتخاب جائز نہیں ــــ

---

[1] اولی الامر سے مراد خلیفۃ المومنین۔

[2] کیونکہ اسلام کی بقاء اقتدارِ اسلامی کی بقاء پر منحصر کی گئی۔ تاریخ الخلفاء کا پُرغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ حضرت عثمان رضؓ بھی کسی حد تک حضرت امیر معاویہؓ کے نظریہ سے متفق تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے اس نظریہ کے تحت بعض اجتہادی اصلاحیں کیں لیکن اس وقت یہ قباحت پیدا ہوئی کہ صحابہ میں ــــ مجلسِ شوریٰ سے سوا عمومی حیثیت میں لوگوں نے اُمورِ خلافت میں دخل دینا شروع کیا۔ جبکہ سوائے مجلسِ شوریٰ کے کسی عامی کو دخل دینا مناسب نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت سے لے کر خلفائے اربعہ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر بن الخطاب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت تک۔ دینِ اسلام۔ اور اقتدارِ اسلامی میں خلافت کا یہی اصول قائم رہا ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کا انتخاب فرمایا ـــــ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا ـــــ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے عہدِ رسالت میں اقتدارِ اسلامی کو عرب و عجم کی وسیع سرزمین تک وسعت ملی ـــ اور اقتدارِ اسلامی نے ایک حکمران حیثیت حاصل کی۔ لہٰذا اتنی وسیع سرزمین پر اندرونی معاشی نظام کی ایک نئی ذمہ داری اقتدارِ اسلامی کے سپرد ہوئی۔ اِس لیے اندرونی نظام کی تکمیل اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵) مجلسِ شوریٰ کی اپنی حیثیت برقرار نہ رہ سکی۔ عام لوگوں نے خلیفہ پر نکتہ چینی شروع کی۔ ایسے موقع پر یہود و نصاریٰ۔ منافقین کو فتنہ اٹھانے کا موقع ملا۔ انہوں نے مومنین کی صفوں میں گھس کر فتنہ بھڑکایا ـــــ جو حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کا اصل سبب تھا۔ دیکھا جائے تو مؤرخین نے اس فتنہ کے بنیادی سبب کو نظر انداز کیا۔ الٰہی حکم کے تابع۔ سوائے رسُول۔ صحابہ اور مجلسِ شوریٰ کے عام اہلِ اسلام کو امورِ خلافت میں دخل دینا جائز نہ تھا۔ ان کے دخل دینے سے منافقین کو فتنہ پیدا کرنے کا بہتر موقع ملا۔ جس وجہ سے حضرت عثمان رضؓ کے خلاف جو بھی فتنے پیدا کیے گئے وہ یہود و نصاریٰ کے سوچے سمجھے منصوبہ اور سازش کے تحت بنائے گئے جن کی دراصل کوئی حقیقت نہ تھی۔ ورنہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب اور تربیت یافتہ اولوالعزم صحابی سے اس قسم کی لغزشیں کسی صورت بھی منسوب کرنا صحیح نہیں ہو سکتیں ـــــ اس حال میں کہ حضرت عثمان رضؓ کے دَورِ خلافت میں مجلسِ مشاورت کے بہت سے ارکان موجود تھے جن سے حضرت عثمان رضؓ مشورہ و رائے حاصل کر کے ہر کام کرتے تھے ایسا نہیں تھا کہ امورِ خلافت میں حضرت عثمان رضؓ محض اپنے ذاتی اجتہاد سے بغیر مجلسِ مشاورت کی رائے پوچھے کوئی کام کرتے جو خلاف قرآن و حدیث ثابت ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اقتدارِ اسلامی میں وقت اور حالات کے مطابق ضروری تھا کہ اقتدارِ اسلامی کی وسعت۔ قوت اور تحفظ کے لیے اجتہاد سے کام لے کر اصلاحات کی جائیں۔ جن میں مجلسِ مشاورت کی آراء شامل تھیں۔

بیرونی باطل طاقتوں کی معرکہ آرائی سے تحفظ اور وسعت کو اولیت دینے کی بھی ضرورت محسوس ہوئی ـــــ اس لیے ضروری ہُوا کہ خلیفہ کے انتخاب میں دینی شرائط کے ساتھ ـــــ اقتدارِ اسلامی کے تحفظ و بقار کے لیے ایک اعلےٰ صاحبِ تدبّر و سیاست کی اہم ضرورت کو بھی لازم رکھا گیا۔ اِس سلسلہ میں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب محض اجرائے دین۔ الدین الاسلام کی بقار دوام کے لیے۔ خلیفہ کا شرائطِ دینی کے مطابق۔ کہ اُمّت میں ایک فرد۔ قرآن و حدیث کا اولیٰ علم رکھنے والا ہو ـــــ اُمّتِ مسلمہ میں بدرجہ اولیٰ صاحبِ علم اور عمل میں اکمل ہو ـــــ اجرائے دین الاسلام۔ قرآن و حدیث میں۔ صاحب علم و فقہ و اجتہاد میں تمام اُمّت میں کامل اکمل ہو۔ الدین کے اعمال پورے کرنے والا۔ اکمل صاحبِ عمل ہو ـــــ جس کا انتخاب۔ خود ایک خلیفہ سے ہو۔ باقی اُمّت مسلمہ ایک شخص کی تمام صلاحیتوں کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ اِس لیے اُمّت کے ذریعہ کسی خلیفہ کا انتخاب جائز نہیں۔ بلکہ خلافِ شرع ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا خلیفہ کے لیے انتخاب ہونا۔ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ سے انتخاب ہُوا۔ آپؓ کے انتخاب پر حضرت عمرؓ کو خلافت کے لیے چُنا گیا ـــــ اور آپ کی وفات کے بعد ـــــ اُمّت مسلمہ میں ـــــ ایک تو کئی ایسے افراد (صحابہ) موجود تھے۔ جو خلافت کے لیے منتخب ہو سکتے تھے لیکن ان کا انتخاب ایک ساتھ بیک وقت نہ ہو سکتا تھا۔ کہ حضرت عمرؓ خود ایسے اصحاب میں کسی ایک کا انتخاب کرتے۔ لہٰذا آپؓ نے انتخابِ خلیفہ میں ایک نئی طرح ڈالی کہ اُمّت کے چیدہ اصحاب کی ایک جماعت میں اجرائے الدین الاسلام ـــــ اجرائے قرآن و حدیث ـــــ اجرائے شریعت اسلامی کے لیے خلافتِ اسلامی ـــــ یا اقتدارِ اسلامی (جو کسی حد تک ایک حکومت کی ہیئت اختیار کر چکی تھی) تشکیل دی ـــــ یہ جماعت قرآنی آیت کے مطابق اللہ کے حکم کے مطابق لازم تھی کہ

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اللہ کی اطاعت کے بعد۔ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اطاعت اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اطاعت کے بعد اُمّت میں (خلافت کے لیے) انتخاب۔ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں۔ صاحبِ علم و عمل۔ متقی۔ دانشمند۔ صاحبِ تدبّر اشخاص کی ایک جماعت میں سے۔ اعلیٰ

صلاحیتوں کے مالک فرد کی اطاعت کی جائے۔ چنانچہ اِسی قرآنی حکم کے بعد۔ خلافتِ اسلامی یا اقتدارِ اعلیٰ میں پانچ اصحاب کا انتخاب حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جو مجلسِ شوریٰ کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ اسی مجلسِ شوریٰ میں خود مجلسِ شوریٰ نے اپنے میں سے حضرت عثمانؓ کا انتخاب فرمایا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ رسالت و نبوت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا کردہ۔ خلافتِ اسلامی کے لیے۔ ایک خلیفہ (خلیفۃ المومنین) اور خلیفہ اسلام کا ہونا لازم و ضروری ہُوا۔ جو شرائط کے ساتھ ــــ منتخب کیا جائے گا۔ یعنی گزشتہ واقعات کے مطابق۔ خلافتِ اسلامی میں ایک خلیفہ کا انتخاب۔ یا منتخب ہونا شرائطِ دینی کے ساتھ مقرر ہوگا۔ یعنی

(۱) الدین الاسلام کے لیے ایک النبی۔ کا بحیثیت الرسول۔ خود اللہ انتخاب کرتا ہے۔

(۲) الدین الاسلام۔ اجرائے قرآن و حدیث کے لیے ایک امتِ مسلمہ کے ایک فرد کا انتخاب ایک خلیفہ کے ذریعہ ہوگا۔ اِس حال میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب فرمایا۔

(۳) الدین الاسلام۔ اور خلافتِ اسلامی کے لیے۔ بُنیادی مقصد اجرائے الدین قرآن و حدیث کے ساتھ۔ اقتدارِ اعلیٰ کی وسعت اور استحکام کے لیے ایک خلیفہ کے ذریعہ ہی نئے خلیفہ کا انتخاب ہو سکتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بحیثیتِ خلیفہ ــــ اپنی زندگی ــــ دَورِ خلافت میں حضرت عمرؓ کو بحیثیت خلیفہ منتخب فرمایا ــــ علیٰ ہذا القیاس ــــ وقت کے حالات کے مطابق حضرت عمرؓ نے امتِ مسلمہ میں مجلسِ شوریٰ کو تشکیل دیا اور اِسی مجلسِ شوریٰ کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کا بحیثیت خلیفہ انتخاب ہُوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند مخصوص شخصیتوں کی نشاندہی فرمائی۔ جن میں حضرت علیؓ۔ عثمانؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سعد بن ابی وقاصؓ قابلِ انتخاب شخصیتیں قرار دی گئیں۔ اس انتخاب میں اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ و وسعت کا خصوصی خیال رکھا گیا۔ اِس انتخاب میں بھی بحیثیت عمومی امت کو انتخاب کا حق حاصل ہونا از رُوئے شریعتِ اسلامی جائز قرار نہیں دیا گیا ــــ چنانچہ جماعتِ اسلامی کی مجلسِ شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ــــ بدیں وجہ کہ انہیں قرب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل تھا۔ اور خُود صاحب تدبّر و سیاست تھے۔ منتخب کیا۔ آپ کے عہدِ خلافت میں دین کی حیثیت برقرار رہی ــــ اور اقتدارِ اسلامی کو

بھی تحفظ و وسعت میسّر آئی۔ مگر۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کے تابع۔ دین اسلام میں صرف الدین الاسلام کی شکل میں قرآن و حدیث کے سوا۔ کسی طریق کو الدین الاسلام میں شامل رکھنا لازم نہ تھا۔ اِس لیئے۔ اِسی الدین الاسلام کے تصور پر۔ خلیفہ کے لیے۔ کسی اجتہادی عمل پر اصلاحات وضع کرنا جائز تصوّر نہ ہوتا تھا۔ یعنی —— فی الحال —— اشاعتِ دین میں۔ قرآن و حدیث کے احکام۔ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول کا نفاد الدین کی سطح تک مختصر نفاذ (نفاذ الدین) جاری رہے۔ اس حال میں کہ حکومتی حیثیت میں۔ اجتہادی عمل الدین شامل نہ کیا۔ لیکن اِس دَور میں بعض صحابہ کبار جن میں حضرت امیر معاویہؓ حضرت عمرو ابن العاصؓ اور بعض دیگر صحابہ عظیم مدبّر سیاست دان ہستیاں شامل تھیں۔ انکے نزدیک ایک عظیم و وسیع خلافتِ اسلامی کی بقا و تحفظ کے لیے۔ جبکہ اقتدارِ اسلامی میں مادی وسائل کو بروئے کار لانا ضروری تھا۔ ایک خلیفہ کے لیے۔ شرائطِ خلیفہ کے ساتھ ایک مدبّر سیاست دان کی خصوصیت کا شامل ہونا لازمی تھا۔ یا خلیفہ کا مدبّر سیاست دان ہونا ضروری سمجھا گیا۔ اِن شخصیتوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اِس امر کا زیادہ احساس کیا —— اِن کے اِس احساس کو اس امر سے بھی تقویت ملتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا امیر مقرر کیا گیا۔ آپ دین کے اعتبار سے حد درجہ متقی و پرہیزگار —— قرآن و سنّت پر عامل ہونے کے علاوہ تدبر و سیاست میں اعلیٰ فہم و فراست کے مالک تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے کاتبِ وحی بھی رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کے لیے دُعا بھی فرمائی کہ "اے اللہ معاویہ کے علم میں زیادتی کر"۔ آپ نے تبلیغ دین میں اقتدارِ اسلامی کے عمل میں آسانی کے مدِّ نظر ایک اجتہادی طرز وضع کی۔ کہ اپنے لیے ایک محل بنایا —— اور شاہانہ لباس استعمال کیا —— وہ اِس نظریہ کے تحت کہ آپ نے گزشتہ دَورِ باطل کا جائزہ لے کر اندازہ کیا —— کہ لوگ مدّتوں سے باطل کے جابر حکمرانوں کی دہشت سے مرعوب ہو کر ان کے محکوم رہے۔ ان کے ذہنوں پر ابھی تک دہشت زدگی کے آثار موجود ہیں لہٰذا اقتدارِ اسلامی میں شاہانہ رعب و جلال قائم ہونے سے لوگ متاثر ہو کر دینِ اسلام —— یا اقتدارِ اسلامی کی طرف رجوع کریں گے۔ اِس طرح لوگوں کو دین میں داخل ہونے میں آسانی

ہو گی۔ دُوسرے اقتدارِ اسلامی کے شاہانہ رعب و جلال کو دیکھ کر باطل قوتوں کو خلافتِ اسلامی پر یلغار کرنے کی جرآت پیدا نہ ہو سکے گی۔ اِس طرح تحفظِ اقتدارِ اسلامی میں آسانی ہو گی۔ جبکہ کسی شخص کا دین میں داخل ہونا محض اس کی اصلاح کے لیے تھا۔ نہ کہ محکومی کے لیے ـــــ مگر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع دی گئی کہ حضرت امیر معاویہؓ نے محل تعمیر کیا ہے۔ اور شاہانہ لباس پہنا ہے۔ تو آپ نے اس محل کو مسمار کرا دیا۔ اور حضرت امیر معاویہؓ کا شاہانہ لباس اُتروا دیا۔ لیکن یہ طریق حضرت امیر معاویہؓ کے نزدیک مناسب تھا۔ مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بعض اصحاب الدین الاسلام میں کسی فروعی طرز کو شامل رکھنے پر راضی نہ تھے۔ کہ الدین الاسلام دین اسلام کی ہیئت ایک شہنشاہیت یا حکومت کی سی ہو۔

کیونکہ آپ نے اپنی خواہشِ نفس کے زیرِ اثر نہ محل بنایا تھا۔ نہ ایسا لباس وہ خود پسند کرتے تھے۔ یہ اقتدارِ اعلیٰ کی مادی حیثیت قائم کرنے کا ایک نیا انداز تھا ـــــ اور اس خیال سے بھی ـــــ کہ آئندہ آنے والے زمانوں میں اہلِ اسلام میں کسی طور تعمیلِ دین میں فرق آنے سے وہ جذبۂ ایمانی معدوم نہ ہو جائے۔ جو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء رسُول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں تھا۔ اِس خیال کے مدِ نظر جب کہ اقتدارِ اسلامی میں بے شمار دولت اور سرمایہ وسیع خطۂ ارضی اور اقتدارِ اسلامی کی فتوحات سے۔ دُنیا پہ رُعب و جلال طاری ہو چکا تھا۔ انہوں نے مادی اقتدارِ اعلیٰ کو ذریعہ ہدایت بنانا ضروری سمجھا کہ یہ حیثیت اہلِ اسلام میں بہر طور طویل زمانہ تک قائم رہ سکے گی۔ اِس طرح اقتدارِ اسلامی کو طویل زمانہ تک استحکام میسّر ہو گا ـــــ لیکن چونکہ حضرت عمر فاروقؓ کا حکم تھا۔ اِس لیے اس حکم کے خلاف نہ آواز اُٹھانے کی جرآت ہُوئی نہ اپنی رائے پیش کرنے کی جرآت ہُوئی۔ کیونکہ یہ اصحاب سُنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ذرّہ بھر قدم باہر رکھنے کو پسند نہ کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلافت پر فائز ہونے کے ساتھ ہی ـــــ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر منافقین نے بغاوت شروع کی تو صحابہؓ نے بلکہ خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہُوئے لشکر کو مدینہ میں روکنے کی رائے دی۔ تو حضرت ابوبکرؓ

نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا ۔ بدیں وجہ یہ لشکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا لشکر ہے۔ اس لیے اس لشکر کو کسی طرح بھی روکا نہ جائیگا ۔۔۔ اس وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ کو اپنا منصوبہ روبہ عمل لانے کا موقع نہ ملا ۔۔۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں چند ایسی اصلاحیں کیں جو حضرت معاویہؓ کے نظریہ سے ملتی تھیں ۔ اس وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ نے قطع نظر اس کے کہ اقتدارِ اعلیٰ میں خلیفہ کے انتخاب کے لیے دینی شرائط (جو گزشتہ ۱-۲-۳-۴ میں بیان کی گئیں) کا پابند رہ کر خلافت پر مامور رہونا تھا ۔ مادی ذرائع کے استعمال ۔۔۔ اور خلیفہ کے لیے ۔ مدبّر سیاست دان ہونے کو اولیت دینا لازمی سمجھا ۔۔۔ جس میں سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق خالص شرعی اصولوں پر اقتدارِ اعلیٰ کے قیام کو ثانوی حیثیت ملتی تھی ۔ اس اصول کے مطابق اس سے قبل ۔۔۔ بیت المال کی دولت صرف غربا و مساکین اور چندے اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ کے لیے سامانِ حرب اور دیگر ضروریات کی فراہمی پر ہی خرچ کی جاتی ۔۔۔ لیکن اب بیت المال کی رقم کو ایسی مدّوں میں خرچ کیا جانے لگا ۔ جن پر طریق سُنّت کے مطابق خرچ کرنا جائز تصوّر نہ کیا جاتا تھا ۔ نہ از رُوئے قرآن ایسی مدّوں پر بیت المال کی رقم خرچ کرنے کا کوئی قرآنی حکم جاری ہوا تھا ۔ ان مدّوں میں ۔۔۔ قبیلہ کے سرداروں کو بیت المال سے دولت دی گئی ۔۔۔ تاکہ مختلف قبائل کی اقتدارِ اسلامی کو حمایت حاصل رہے ۔ اسی طرح بعض ایسے لوگوں کو روپیہ دیا گیا جو اقتدارِ اسلامی میں خلیفہ کے معاون وحامی تھے ۔ ان میں اکثر لوگ خلیفہ کے رشتہ داروں میں سے تھے کیونکہ عزیز ہونے کی صورت میں ان سے معاونت وحمایت کی زیادہ توقع کی جاتی تھی ۔۔۔ البتہ اس عمل میں کنبہ پروری کا جذبہ کارفرما نہ تھا ۔ بلکہ اجرائے دین میں اقتدارِ اعلیٰ کی تحفظ و سالمیّت کا جذبہ پایا جاتا تھا ۔ ایسے ہی واقعات سے جب عامۃ المسلمین نے اعتراضات شروع کیے کہ یہ طریق سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے ۔ چنانچہ تاریخ طبری اور تاریخ ابنِ خلدون میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نظریہ کے خلاف حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا احتجاج اسی نوعیت کا تھا کہ خلافت کو طریق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم طریق صدیقیؓ اور طریق فاروقیؓ کے سوا کسی اجتہادی طریق کو اجرائے دین وخلافت میں شامل نہ کیا جائے ۔۔۔ تو حضرت عثمانؓ نے آپ کے احتجاج کو خلیفہ وقت کے عملی منصوبہ میں رخنہ اندازی اور دخل اندازی کے مدِّنظر

شہر بدر کر دیا۔ کہ یہ امر خلافتِ اسلامی میں فتنہ کا سبب بن سکتا تھا۔ جبکہ موقع اور وقت کی نزاکت کے تحت۔ خلیفہ کا امورِ خلافت میں اجتہاد کرنا اشد ضروری تھا۔ تو صورت یہ پیدا ہوئی ــــ کہ اقتدارِ اعلیٰ سے منسلک قریبی حلقوں ــــ اور معترضین کے درمیان دلی رنجش اور اختلافات پیدا ہو کر اُمّت دو نظریوں کی صورت میں دو جماعتوں میں بٹ گئی ــــ ان میں ایک جماعت مومنین کی تھی ــــ جو طریقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق خلافت کو چلانے کی شدّت سے حامی تھی۔ دوسری جماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ کی حمایت میں اقتدارِ اعلیٰ کے قیام میں وقت کی نزاکت کے تابع اجتہادی صورت میں بعض اصلاحیں کرنے کی حامی تھی۔ اور اس اختلاف میں جمیعت المسلمین نے بحیثیت مجموعی حصّہ لینا شروع کیا ــــ جبکہ اصولِ شریعت کے تابع۔ ایسے امور میں صرف خلیفہ اور مجلسِ مشاورت کے ارکان کے سوا ــــ جمیعت المسلمین کو اعتراضات و اختلافات پیدا کرنے کا حق نہیں تھا۔ اِس طرح مجلسِ شوریٰ کی حیثیت برقرار نہ رہ سکی اور ہر شخص نے خلیفہ پر اعتراضات کرنا شروع کیے۔ ایسے موقع پر منافقین نے (جو ظاہراً خود کو مومن جتلاتے تھے) اِس فساد میں شامل ہو کر واقعات کو گھناؤنے رُوپ دے کر دو جماعتوں کے درمیان سازش کر کے فساد کی آگ کو بھڑکا دیا ــــ دیکھا جائے۔ جہاں تک دینِ اسلام اور اقتدارِ اسلامی کے تحفّظ کا تصوّر تھا ــــ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ صحیح نظریہ پر قائم تھے۔ مگر منافقین نے ایسے واقعات پیدا کر دیئے کہ ہر دو فریق کے درمیان اختلاف کی خلیج وسیع ہو گئی۔ یہاں تک کہ منافقین نے دونوں فریقوں کو کشت و خون تک پہنچایا ــــ یہی اسباب تھے جن پر شہادتِ عثمان رضؓ کا اندوہناک واقعہ پیش آیا ــــ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے نظریہ کو تقویت دینے کے لیے عملی اقدام شروع کیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ــــ نہ خلیفہ کی حیثیت باقی رہی۔ نہ مجلسِ شوریٰ کی ــــ دونوں فریقوں میں دو مخالف جماعتوں کی صورت میں خلافت کے انتخاب پر نزاع پیدا ہُوا ــــ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد از رُوئے سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم ــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی مقررہ شرائط کے مطابق خلافت کے لائق تھے۔ مگر دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضؓ کی حمایت میں بھی صحابہؓ اور عامۃ المسلمین کی جماعت ان کے نظریہ کی حامی تھی ــــ

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جن کے نزدیک خلافت کے لیے ایک مدبر سیاست دان ہونے کی حیثیت میں حضرت امیر معاویہ رضؓ
کو خلافت سپرد کرنا ـــــ اقتدارِ اسلامی کے تحفظ و وسعت کے لیے زیادہ بہتر تصور کیا جاتا تھا ـــــ
اِس خیال سے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ـــــ ایک تو خلافت کو طریق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرائط
پر چلانے کے حامی تھے۔ دوسرے تدبر و سیاست کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضؓ کو حضرت علیؓ کے
مقابل زیادہ اہل سمجھا جاتا تھا۔ یہی وہ بنیادی اختلاف تھا۔ جو حصولِ خلافت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ
اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان۔ جنگ صفین کا سبب بنا۔ اِس کے علاوہ حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک عظیم سانحہ تھی ـــــ اِس شہادت میں پس پردہ یہود کی سازش
کارفرما تھی۔ ادھر اس واقعہ کی شہادت میں ـــــ دو فریق میں سے ایک فریق کو مجرم گردانا جاتا تھا۔
اِس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے ـــــ جن میں حضرت امیر معاویہ رضؓ پیش پیش تھے۔
اِس قتل کو جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین میں سے تھے ـــــ
ازروئے شریعت ناجائز قرار دے کر۔ قصاص کا مطالبہ کیا ـــــ اور جب عامۃ المسلمین میں ایک
جماعت نے حضرت علی رضؓ کو خلافت کا حقدار قرار دیا ـــــ اور انہیں خلافت کے لیے مجبور کیا گیا ـــــ
اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا ـــــ بلکہ یہ کہا جائے کہ انہوں
نے حضرت علی رضؓ کو خلیفہ تسلیم کرنے سے پہلے آپ سے حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس
وقت جب دونوں فریق۔ دینِ اسلام کے دعویدار تھے۔ اور عامۃ المسلمین میں پیدا کیے ہوئے
غیض و غضب میں یہ ممکن نہ تھا۔ کہ جماعتِ اِسلامی میں مزید فتنہ کو فروغ دینے کے مدنظر فوری
طور پر قاتلانِ حضرت عثمان رضؓ کا محاسبہ کیا جاتا حضرت علی رضؓ کی اطاعت سُنّتِ نبوی اور مصلحت بینی نے منافقین کو یہ موقع دیا ـــــ

(حاشیہ گزشتہ صفحہ ۱۴۲)

لہ یہاں تک کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ بھی جو ایک عظیم محدثہ اور مجتہدہ کا مقام رکھتی
تھیں۔ نظریۂ معاویہ رضی اللہ عنہ کی حامی تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضؓ کے
درمیان اِسی بنیادی نظریہ پر اختلاف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے محض حضرت امیر معاویہ رضؓ کے
اِسی اجتہادی نظریہ کی حمایت میں معرکۂ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ کی۔ ورنہ بلاوجہ حضرت عائشہ
صدیقہ رضؓ کا دو اصحاب کے درمیان جنگ میں کسی فریق (حضرت علی رضؓ) کے خلاف جنگ میں شامل ہونا لازمی نہ تھا۔

دوسرے حضرت عثمانؓ کے حامیوں نے اس تاخیر کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عدم توجہ کا تاثر دیکر آپ کے خلاف بھی آواز اُٹھائی ــــ چنانچہ اِس انتقامی کاروائی نے خلافت کے مسئلہ کو درمیان میں لاکر۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اطاعت سے انحراف کیا۔ جب یہ صورت پیدا ہوئی۔ تو حضرت امیر معاویہؓ نے بھی حضرت علیؓ کی اطاعت سے انحراف کرکے خود اقتدارِ اسلامی کو اپنے ہاتھ میں لینے کا اقدام کیا ــــ جبکہ سُنّتِ نبویؐ کے مُطابق۔ الدین الاسلام کی خلافت میں شرائطِ خلافت کے تحت۔ خلیفہ کے لیے۔ قرآن وحدیث کے احکام کے تحت کسی فروعی شرط کو داخل نہ کیا جانا۔ اور خلیفہ کے انتخاب میں۔ سوائے خلیفہ۔ یا مجلسِ مشاورت۔ خود۔ یا کسی فرد سے انتخاب ہونا خلافِ شرع۔ خلافِ دین تصور ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اِن واقعات کا آخری نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں رُونما ہُوا ــــ

اِس مقام پر چند حقائق کا بہ نظرِ عمیق تجزیہ کرنا ضروری ہے ــــ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر جنگ صفین کے واقعات پر از رُوئے قرآن اور سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں تحقیق کی جائے ــــ اِس مقام پر مؤرخین نے جو تاریخ ترتیب دی ہے۔ اُنہوں نے تاریخ کی تدوین کی سطحی نظر سے تحقیق میں لاکر بُنیادی اسباب پر نظر نہیں ڈالی ــــ وُہ ہے خلافت کا بنیادی تصوّر ــــ کہ آیا ــــ خلافتِ اسلامی کا حقیقی تصوّر کیا ہے؟

وہ ہے ــــ کائنات ــــ یا مخلوق پر کسی شخصیت کو حاکمیت کا حق حاصل ہونا۔ قرآن نے واضح الفاظ میں بیان کیا ــــ کہ کائنات کا حاکم اعلےٰ احکم الحاکمین۔ اللہ ہے۔

وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ

اللہ خالق ہے۔ باقی سب مخلوق۔ عبد ــــ اِس اعتبار سے حاکمیت اللہ کو لازم ہے ــــ اِس کی حاکمیت میں کسی بندے کو انتخاب کا حق حاصل نہیں ــــ اِس حال میں کہ انسان عبدیت (غلامی) کی حیثیت سے کسی موقع پر باہر نہیں ہو سکتا۔

دوسری نوعیت رسُول کی ہے ــــ

اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف سے ایک رسُول کو منتخب کرکے حاکم بنا کر بھیجتا ہے ــــ اِس انتخاب میں بھی ــــ کسی بندے ــــ عبد ــــ کو انتخاب کا حق حاصل نہیں ــــ لہٰذا بندے کے لیے

رسُول کی اطاعت لازم ہے۔ جس میں بندہ رسُول کے کسی فعل پر ـــ نہ سوال کر سکتا ہے نہ اعتراض ـــ لازم ہُوا ـــ کہ ایسے حاکم پر۔ بندے کو۔ اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں۔

تیسری نوعیت رسُول اپنی اُمّت میں ـــ اپنے تابعین میں سے کسی فرد کو بحیثیت حاکم منتخب کرتا ہے۔ لہٰذا ـــ ایسے حاکم پر ـــ بندے کو نہ اعتراض کا حق حاصل ہے نہ انتخاب کا حق حاصل ہے ـــ اب رہا سوال حاکمیت کا کیا تصوّر ہے؟

اللہ کی حاکمیت ـــ وہ خالق ہے ـــ اور بندہ مخلوق ـــ خالق کو مخلوق پر فطری طور حاکمیت کا حق حاصل ہے۔ کہ بندہ اِس کی ملکیت ہے ـــ یہ حاکمیت کا حقیقی پہلو ہے اور دوسرا پہلو "ھُدیٰ" یعنی ہدایت کا ـــ یعنی حاکم کا حکم بھیجنا ہے ـــ اِس حکم میں ذات کا واسطہ نہیں ـــ "کہ میرا حکم مانو" ـــ نہیں ـــ بلکہ۔ کائناتِ فطرت میں جو نظام اس نے پیدا کیا ـــ اِس کے بگاڑنے میں اپنی طرف سے کوئی غلط اقدام نہ کرو ـــ اِس اقدام کا نتیجہ یہ ہوگا ـــ جیسے ایک انسان ایک مضبوط چٹان سے سر ٹکرا کر "خود کو" پاش پاش کر دیتا ہے ـــ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایسے اقدام سے باز رکھنے کے لیے ـــ ایک اصلاحی ضابطہ مرتب کر کے "حکم" دیا ـــ کہ اس "ضابطہ کی پیروی کرو" ـــ یہ بھی حکم ہے۔ مگر اِس حکم میں ذات کا واسطہ نہیں ـــ بلکہ اِس حکم میں فلاحِ انسانی مقصود ہے۔ البتہ اس مقام پہ انسان کو بھی ایک اختیار دیا ـــ کہ اس حکم کی تعمیل میں تمہیں اختیار ہے۔ قبول کرو یا نہ کرو ـــ مگر اس مقام پر اللہ کے حکم کو فوقیت حاصل ہے۔ کہ "حکم مانو" ـــ عدولِ حکمی میں خود انسان کے لیے تباہی ہے۔ جو اس کے اپنے ارادہ و عمل سے اُسے حاصل ہوگی۔ گویا اللہ کے احکام (حکم) اصلاحِ انسانی کے لیے ہیں۔ اِس کی ذات سے کوئی واسطہ نہیں۔ جیسا کہ ایک آقا کے غلام کی خدمت صرف اس کے آقا کے لیے وقف ہوتی ہے۔ اللہ کی حاکمیت میں یہ تصوّر نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی ذات کے لیے استعمال کرے۔ کیونکہ وہ اس صفت سے منزہ و پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہدایت بھیجتا ہے۔ وہ بھی حکم ہے۔ مگر انسان کی اپنی فلاح کے لیے اِس مقام پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق وہ خود انسانوں میں سے ایک انسان کا انتخاب کرتا ہے۔ کہ وہ اللہ کے احکام کا نفاذ کرے۔ اور اس منتخب انسان (رسُول) کو احکام کے نفاذ

کے لیے حاکم بنایا جاتا ہے۔ یہ حاکمیت بھی اِسی نوع کی ہے۔ کہ اِس کی اطاعت۔ رسُول کی ذات کے لیے نہیں۔ بلکہ انسان کی اپنی فلاح کے لیے کہ —— جس میں رسُول کی ذات کے لیے کوئی مفاد —— یا خدمت کا تصوّر نہیں۔ سوائے اِس کے کہ رسُول۔ مخلوقِ انسانی کی فلاح وسعادت کے لیے خود محنت کرتا ہے۔ تکلیفیں اُٹھاتا ہے۔ مصائب جھیلتا ہے۔ اور پھر یہ تصوّر اہم ہے کہ یہ حاکم —— یہ رسول دینی تعمیل ارشاد و تبلیغ میں اللہ کے نزدیک ذمہ دار ہے کہ آیا اِس نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنا کردار پُورا کیا۔! —— یہی وہ اہم نکتہ ہے جس میں اللہ کی حاکمیت —— اور اللہ کے منتخب کردہ رسُول کی حاکمیت کے مقام کو بنیادی طور نظر میں رکھنا ہے —— کہ جہاں بندے کو انتخاب کا حق حاصل نہیں —— اور جب اللہ تعالیٰ —— انسانوں میں کسی فرد کو منتخب کر کے حاکم بناتا ہے۔ تو اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے ؟ —— ایک طرف حکم ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ —— وَاَطِیْعُو الرَّسُوْلَ —— اور وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ —— اللہ تعالیٰ خود رسُول کا انتخاب کرتا ہے۔ رسُول کے بعد۔ رسُول کی ہدایت انسانوں تک پہنچانے کے لیے اولی الامر۔ علمائے اُمّت۔ قائم مقام خلیفہ کی حیثیت میں حاکم ہوتے ہیں۔ رسُول فلاحِ انسانی کے لیے محنت مصائب —— تکالیف —— قتل —— اور دل سوزی مُول لیتا ہے۔ اور وہ اللہ کے محاسبہ کے لیے ذمّہ دار ہے —— یہی ہے۔ حاکمیت الٰہی کی اصل۔ اور دینِ اسلام کے اجراء کی ذمّہ داری میں حاکمیت حاصل کرنا —— اس امر سے ظاہر ہے —— کہ دینِ الٰہی کے نفاذ میں —— کسی بندے کو انتخاب کا حق حاصل نہیں۔ دوسرے حاکمیت کی ذمّہ داری نبھانے میں "محاسبہ کا خوف"، یعنی عوام الناس کو بہرصورت فلاح تک پہنچانے کی ذمّہ داری پُوری کرنا۔ یہی ضابطہ اصحاب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلفاء کے لیے بھی مقرر ہے۔ جس میں کسی خلیفہ کے لیے۔ نہ ذاتی منفعت۔ نہ احساس حکمرانی کی لذّت اور نہ ہی اقتدارِ اعلیٰ میں —— مال وزر کے حصُول کی خواہش تھی۔ برعکس اس کے سُنّتِ نبوی ؐ کے مطابق محنت۔ مصائب۔ تکالیف۔ دل سوزی۔ راتوں کی نیند حرام کرنا۔ فاقہ —— اور اللہ

تعالیٰ کے آگے اپنی ذمہ داری نبھانے میں اللہ تعالیٰ کے لرزہ خیز محاسبہ کا تصور ـــــ تاریخ میرے اِس بُنیادی تصور کی دلیل پیش کرتی ہے ـــــ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں۔ آپ کی محنت۔ دل سوزی ـ مصائب و مشکلات سے ٹکرانا ـــ اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے رات دن رونا ـــ کہ "کاش میں زمین میں اُگنے والی گھاس ہوتا تو اللہ کے محاسبہ سے بچ جاتا" ـــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خود پھٹے کپڑوں میں رہنا۔ فاقوں رہنا ـــ خود سر پر اناج کی بوریاں اُٹھانا ـــ اور محاسبہ کے خوف سے۔ اتنے جلیل القدر صحابی اور جرنیل۔ جو عشرہ مبشرین میں سے ہیں۔ خوفِ محاسبہ سے ایسے خوف زدہ ہوتے۔ جیسے کسی نے زمین پر پٹخ دیا ہو ـــ ہفتوں لرزہ سے بخار رہتا ـــ اور اس جہد وسعی میں شہید ہونا ـــ یہ خلافت کا انتخاب ـــ اور حاکمیت کا اصل مظہر ہے ـــ حضرت عثمانؓ کا محصور ہونا اور تلاوتِ قرآن میں شہید ہونا ـــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عبادت میں شہید ہونا ـــ اس شخص کی عقل پر ماتم کیا جائے ـــ جو یہ نہ سمجھے۔ کہ شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا کے عظیم مدبّر ـــ صاحب فہم و فراست۔ عالم الغیب کے دوستوں ـــ اور مقرب منتخب کردہ حاکموں سے کبھی غلطی یا لغزشوں کا احتمال ہو سکتا ہے! ـــ

اِس بیان کو مدِّ نظر رکھ کر خلافتِ عثمانیہ کا تجزیہ کیا جائے ـــ اور حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی خلافت کے حصُول میں واقعہ جنگ صفین کے حالات کو مدِّ نظر رکھ کر۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ کہ ان حضرات کی جنگ اِس غرض سے تھی کہ دیوانگی کے عالم میں (نعوذ باللہ) وہ خود مصائب۔ مشکلات۔ دل سوزی۔ قتل ہونا ـــ اور اللہ تعالیٰ کے محاسبہ کو اپنے ذمہ لینے کے لیے خلافت حاصل کریں۔ جبکہ اِس خلافت میں ذاتی منفعت یا احساس حکمرانی کی لذت کو دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ ان ہر دو فریق کا مطمعِ نظر۔ مخلوق انسانی کی خیر و فلاح دارین کی ذمہ داری کی تکمیل کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ خلفائے راشدین۔ اکثر حضرت علیؓ سے امُورِ خلافت میں مشورے اور رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیدر کا خطاب فرمایا۔ اور اَنَا دَارُ الْحِکْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا کی بشارت میں آپ کو آسمانوں کی بادشاہت عطا کی گئی۔ کیا ایسی ہستی کے سر ہزاروں اصحاب کا خون تھوپا جانا ـــ شرارتِ

نفس اور بے دینی کی علامت نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے ــــــ

المختصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "خلافت" قرآن و حدیث کے اجرا ــــــ شریعت و طریقت اور اقتدارِ اعلیٰ کے مجموعہ سے تشبیہ ہوتی ہے۔ کہ خلیفہ بحیثیت نائب رسول خلیفۂ رسول علم شریعت۔ علم طریقت۔ اور اقتدارِ اعلیٰ کا جامع امام تھا۔ اسی تصور پر دین اسلام قائم ہوا۔ البتہ یہ امر واضح ہے کہ اجرائے قرآن و سنت میں ــــ جبکہ اجرائے قرآن میں۔ بطریق سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ خالص تبلیغ کا ذریعہ استعمال ہوتا تھا ــــ اقتدارِ اسلامی کا تصور ثانوی حیثیت میں ــــ تبلیغ میں شامل کیا گیا۔ اگر باطل قوتیں تبلیغ دین میں مزاحم نہ ہوتیں ــــ تو اقتدارِ اسلامی کی ضرورت نہ رہتی ــــ لہذا۔ اقتدارِ اسلامی کو تبلیغ دین میں شامل کرنے سے ــــ تبلیغِ دین کا ایک نیا تصور قائم ہو گیا ــــ وہ یہ کہ ــــ اولاً سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تبلیغِ دین کو جاری رکھنے کے لیے ــــ باطل قوتوں کی مزاحمت کر کے۔ تبلیغِ دین کے لیے راہ ہموار کر کے۔ مخلوقِ انسانی کو اقتدارِ اسلامی کے حصار میں لا کر محفوظ کیا جائے۔ اِس مقام پر اقتدارِ اسلامی کی ہیئت میں تین اجزا پائے جاتے ہیں۔

اوّل ــــ خلافتِ اسلامی میں ــــ جماعتِ اسلامی ــــ یعنی جمیع اُمتِ مسلمہ خلیفہ اور جملہ اصحاب مومن جماعت ــــ جو جہاد کے ذریعہ اقتدارِ اسلامی کو بقاء اور وسعت دیکر ایک پاکیزہ ماحول پیدا کرتے ہیں۔ اور مخلوقِ انسانی کو تعمیلِ شریعت کے لیے ایک پُر امن ماحول فراہم کرتے ہیں (یعنی اسلامی اقتدارِ اعلیٰ)۔

دوسرا اقتدارِ اعلیٰ کے اِس اسلامی ماحول میں لا کر ایک جماعت (علماء اُمت) لوگوں کی اصلاح کر کے انہیں دین پر عامل بنا دیں۔ (یعنی عاملان قرآن و سُنت علمائے اُمت)

تیسرا ــــ ایک خاص جماعت (وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ) عامل شریعت لوگوں کو علمِ طریقت میں راہنمائی کرتے ہیں ــــ تزکیہ مجاہدہ سے انہیں معرفت میں کامل کر دیتے ہیں ــــ (یہ جماعت علمائے امت میں طریقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق راتوں کی عبادات میں شامل ہونے والی جماعت جسے قرآن نے وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ کے خطاب سے خاص الخاص جماعت قرار دیا)۔

انہیں تین اجزاء پر خلفائے اربعہ میں دینِ اسلام کی ہئیت قائم رہی —— اس حال میں کہ طریقِ نبوی کے مطابق —— شریعت پر خالص عمل —— تزکیہ مجاہدہ سے معرفت کا حاصل ہونا —— اور اسی صفت پر اقتدارِ اسلامی کی بقاء و وسعت کو قائم رکھنا —— جب کہ اقتدارِ اسلامی کی وسعت و تحفظ میں —— مادی ذرائع[1] کو ثانوی حیثیت حاصل رہی ——

البتہ حضرت معاویہ کے بعد۔ یزید بن معاویہ کے دَور میں علمِ شریعت و طریقت کو ثانوی حیثیت دی گئی۔ بلکہ خلافت کی حقیقی شرط۔ یہ کہ خلیفہ کا صاحبِ علم قرآن و حدیث ہونے کے ساتھ صاحبِ عمل متقی ہونے کی شرط کو لازم نہ رکھا گیا۔ اور نہ ہی اصولِ قرآن کے تحت مجلسِ شوریٰ کا وجود ضروری سمجھا گیا۔ بلکہ مادی ذریعہ سے اقتدارِ اعلیٰ کو تحفظ و وسعت دینا مقدم سمجھا گیا —— یزید بن معاویہ کی بادشاہت کے بعد باقی اموی دَور میں حضرت معاویہؓ کے نظریہ کے مطابق۔ خلیفہ نے محلّات شاہی تعمیر کیے۔ اور اپنی شان شاہانہ وضع کی بنائی۔ یہ تمام اخراجات بیت المال سے حاصل کیے گئے۔ اِس سے قبل اقتدارِ اسلامی نے ہر چہار دانگ عالم میں اپنی رُوحانی ہیبت و جلال سے عالمگیر فتوحات حاصل کیں۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہی اقتدارِ اسلامی میں۔ عجمی شہنشاہوں کی دولت کے انبار لگ گئے۔ تو کوئی زکوٰۃ لینے والا بھی باقی نہ رہا —— تو یہ تمام دولت اقتدارِ اسلامی میں شاہانہ جلال۔ محلّات شاہی خلفاء کے لباس فاخرہ۔ اور لشکر پر صَرف کی جانے لگی۔ یہاں تک کہ خلفاء اسلام میں دولت کی فراوانی کے باعث۔ امارت و عیش سے دلچسپی اور لگاؤ بڑھنے لگا نتیجتہً ان میں تقویٰ و تزکیہ میں کوتاہی آنے لگی۔ اِس کے نتیجہ میں لوگوں میں بھی آرام طلبی۔ عیش پرستی کے آثار پائے جانے لگے —— یہاں تک کہ لوگوں میں جذبۂ ایمانی کی کمی آئی۔ لوگوں نے تعمیلِ احکامِ شریعت میں کوتاہی شروع کر دی۔ اس کا اثر زیادہ تر خلیفۂ وقت پر پڑا۔ اِس کی وجہ یہ بھی تھی کہ شرائطِ سنّتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو انتخابِ خلافت میں ملحوظ نہ رکھا گیا —— سوائے اِس کے

---

[1] مادی ذرائع سے مراد۔ خلیفہ کے انتخاب میں بجائے تقویٰ کے عقلی فہم و تدبّر کو بھی شرطِ خلافت میں لازم قرار دیا گیا جن میں مادی وسائل شامل رکھے گئے۔

کہ خلیفہ کا انتخاب یا تو تدبیر و سیاست اور شجاعت پر منحصر رکھا گیا ـــــ یا خلیفہ خود کسی کا انتخاب کرتا۔ خواہ وہ اس کا لڑکا ہی ہوتا ـــــ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب اقتدارِ اسلامی نے مکمل شہنشاہیت کا رُوپ دھار لیا۔ البتہ ابھی۔ ابتدائی دَور تھا۔ خلفاء و رعایا میں ابھی جذبۂ ایمانی باقی تھا۔ اس لیے قرآن و حدیث پر عمل جاری رہا۔ اس کے علاوہ خلافتِ اسلامی میں ابھی ایسے لوگ موجود تھے جو بحیثیت عالم اُمت قرآن و حدیث کا اجرا کرتے تھے۔ اِس وجہ سے اِس شہنشاہیت میں خلافتِ اسلامی کا تصوّر قائم رہا۔ جب خلفاء نے شرعی احکام کے ضابطہ کے خلاف عمل شروع کیا۔ تو علمائے اِسلام نے ان کی شدید مخالفت کی ـــــ لیکن خلفاء کے پاس اقتدارِ اسلامی تھا۔ اُنہیں زیر کرنا آسان نہ تھا۔ تو نتیجہ یہ ہُوا کہ علمائے اُمّت نے اقتدار سے الگ ہو کر مسجد کو اپنا مسکن بنا کر مسجد سے ہی قُرآن و حدیث کا اجرا کیا۔ اِس طرح اقتدارِ اسلامی کے ساتھ قرآن و حدیث کی تعلیم اور اُمّت کی اصلاح کا کام بھی جاری رہا۔ اِس مقام پر خلافتِ اسلامی کی تین حیثیتیں ہوگئیں ـــــ ایک "اقتدارِ اسلامی" (خلافت) دُوسرا "علمائے اُمّت" کی جماعت جنھوں نے طریقِ نبوی پر الدین الاسلام قرآن و حدیث کی تعلیم کو علیٰ حالہٖ برقرار رکھا ـــــ زمانہ گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ علمائے اُمّت بھی لذّتِ دنیوی سے متاثّر ہونے لگے۔ اِن میں تزکیہ مجاہدہ کی قوّت کم ہوتی گئی ـــــ ایک طرف وہ حصُولِ دُنیا کی لذّت سے متاثر ہو کر تعمیلِ احکام میں تزکیہ مجاہدہ سے عاری ہو گئے۔ دوسری طرف انہوں نے اقتدارِ اعلیٰ میں داخل ہونا شروع کیا۔ یہ جماعت علماء اسلام "علمائے سُوء" کے نام سے موسوم کی گئی اور جب شریعتِ اسلامی میں رفتہ رفتہ تزکیہ کم ہُوا ـــــ تو ان کے عمل سے حقیقت کی رُوح ۔ تزکیہ ۔ مجاہدہ ۔ اور مشاہدات و معرفتِ اسرارِ الٰہی کی قوّت کم ہونے لگی ۔ جب علماء میں طریقت کا تصوّر کم ہونے لگا۔ تو ان کے پاس قال ہی قال رہا ـــــ حال اِن میں کم ہو گیا ۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ صاحبِ

معرفت علماء مسجد کا مسکن چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر کے لوگوں کو علمِ شریعت کے ساتھ علمِ طریقت سے بھی آگاہی دیتے رہے ـــــ یہ زمانہ خلافتِ عباسیہ کا تھا۔ کہ اِس زمانہ میں اقتدارِ اسلامی کا سُورج نصف النہار پر تھا۔ خلفاء بھی خود اگرچہ بطریقِ سُنّت نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم و صحابہ تقویٰ میں کامل نہ تھے۔ مگر قُرآن شریعت کے اجراء میں حددرجہ مستعد تھے۔ علمائے شریعت نے قرآنی علم کے فلسفہ و حقائق کو کھول کھول کر بیان کیا۔ لیکن علمائے طریقت نے اِن دونوں فریقوں سے علیحدگی اختیار کر کے گوشہ نشینی اختیار کی اور اِسی گوشۂ عافیت میں طالبانِ راہِ معرفت کی راہنمائی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خلافتِ عباسیہ کے بعد خلافتِ عثمانیہ کا دَور شروع ہُوا ـــــ اِس طرح خلافتِ اسلامی مدینہ سے لے کر ترکی کی حدوں تک پہنچی ـــــ

درحقیقت ابتدائے اسلام میں شریعت و طریقت کا الگ الگ تصوّر نہیں پایا گیا۔ بلکہ اِس کا ایک ہی تصوّر تھا۔ کہ قُرآنی احکام کی تعمیل کی جائے جسے شریعت کہا گیا۔ اِس عمل میں زائد عبادات تہجّد و نوافل شب بیداری کو شریعت ہی کی جز قرار دیا گیا۔ جس میں "طریقت" کا کوئی علیحدہ تصوّر قائم نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ زائد عبادات سے قربِ الٰہی، معرفتِ الٰہی۔ معرفتِ اسرارِ الٰہی حضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جماعتِ صحابہ میں ایک خاص جماعت کو حاصل ہوتا رہا ـــــ اِس عمل کو شریعت میں شامل رکھا گیا۔ صحابہ کے زمانہ کے بعد خلافتِ اسلامی میں بھی ـــــ جب دین تین اجزاء میں تقسیم ہُوا ـــــ یعنی اوّل خلافت (اقتدارِ اعلیٰ) جس میں حکومت بھی تھی۔ اور شریعت پر عمل بھی تھا۔ خلافتِ اسلامی سے موسوم ہُوئی ـــــ دوم اقتدارِ اعلیٰ سے غیر متعلق علمائے اُمّت۔ جن سے اجرائے قرآن و حدیث اور تعمیلِ احکام میں راہنمائی جس میں نہ حکومت تھی ـــــ نہ تزکیہ نفس۔ نہ زائد عبادت کا عمل شامل تھا۔ شریعت یا علمائے شریعت سے موسوم ہُوا ـــــ تیسرے اِس جماعت کا عمل جن میں علمائے

اُمت نے قرآن و حدیث کی تعلیم کے ساتھ ـــــ زائد عبادات۔ نوافل۔ تزکیہ۔ مجاہدہ کو ایک الگ حیثیت دی ـــــ اِس حال میں اِس عمل کو شریعت کی جز کی حیثیت میں پورا کیا گیا ـــــ اور جب خلافتِ اسلامی۔ ترکی میں قائم ہوئی ـــــ اس وقت علمائے اُمت کی خاص الخاص جماعت نے ایران میں سکونت اختیار کی ـــــ تو اِس عمل کا عربی تصوّر یکسر عجمی۔ ایرانی تصوّر میں بدل گیا ـــــ بہ الفاظ دیگر قدیم عربی رواج و تہذیب نے ایرانی۔عجمی تہذیب کے اثرات قبول کر لیے۔ تو یہاں پر ایرانی تصوّرات اور عربی تصوّرات نے ایک مخلوط ہیئت اختیار کی ـــــ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب اقتدارِ اسلامی (خلافتِ اسلامی) میں۔ بوجہ شریعت پر کامل عمل نہ ہونے کے ـــــ ضعف پیدا ہو چکا تھا۔ اور اقتدارِ اسلامی منتشر ہو کر مختلف حکومتوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ اِسی طرح شریعتِ اسلامی میں بھی ـــــ رُوحانیت کی حقیقی رُوح کا تصوّر مٹ چکا تھا۔ سوائے اِس کے کہ علمائے اُمت میں مختصر جماعت نے طریقِ مجاہدہ۔ تزکیہ نفس اور رُوحانیت کی تعلیم کو ـــــ اقتدارِ اسلامی اور علمائے شریعت سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی کی صُورت میں اِس عمل کو جاری رکھا۔ اور جب اس عمل میں ایرانی تصوّر شامل ہُوا۔ تو یہ طریق ایک علیحدہ عمل تصوّر کیا جانے لگا۔ جس کو "طریقت" سے موسوم کیا گیا۔ جبکہ اس سے پہلے زائد عبادت کو طریقت کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا۔ سوائے اِس کے اس طریق کو ـــــ طریقِ حصُولِ معرفت میں تصوّر کیا گیا ـــــ اور طریق سے ہی "طریقت" اخذ کیا گیا۔ ہُوا یہ کہ ایران ـــــ اگرچہ قدیم زمانہ سے قدیم آرین قوموں کا مسکن رہا۔ ان قوموں میں بھی ـــــ نبی ـــــ رسُول ان کی تہذیب و زبان میں آتے رہے۔ جن کا علم ـــــ قوموں میں جاری تھا۔ وہ یہ کہ اکثر علمائے اُمت۔ جنگلوں کی تنہائیوں میں ـــــ تزکیہ مجاہدہ ـــــ مراقبہ سے رُوحانی قوت حاصل کرتے ـــــ یہی عمل ـــــ ایران میں ـــــ قدیم سلسلوں سے جاری آتا رہا۔ یہی عمل اس وقت ایران کے لوگوں میں جاری تھا ـــــ یعنی اس عمل میں خالص شریعت کا عمل۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کا علم و عمل شامل نہ تھا۔ صرف تزکیہ مجاہدہ سے (بغیر عمل شریعت) انہیں کچھ کمال حاصل ہوتا تھا۔ جس پہ الدین الاسلام کا طریق ـــــ قوموں میں جاری تھا اور

اِسی عمل کو ـــ الدین الاسلام سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ الدین الاسلام کی تکمیل۔ عمل شریعت سے ہی ہوتی تھی۔ اِسی حالت میں۔ قدیم قوموں میں علمائے اُمّت نے۔ جنگلوں کی تنہائی میں۔ گوشہ نشینی اختیار کی ـــ اور انہیں جنگلوں میں اپنے عمل کو جاری رکھا ـــ اور طالبانِ حقیقت نے اِسی مقام پر علمائے اُمّت سے فیض حاصل کرنا شروع کیا ـــ اِسی طرح یہ عمل علیحدہ حیثیت میں جاری ہُوا ـــ صاحبِ علم عالمِ اُمّت نے جنگل میں گھاس کی جھونپڑی میں سکونت اختیار کی ـــ اِسی نسبت سے گھاس کی جھونپڑی کو فارسی میں "خانۂ کاہ" پکارا گیا ـــ اِسی "خانۂ کاہ" کو خانقاہ کے نام سے شہرت ملی ـــ اور آئندہ ایک ولی کے مسکن کو خانقاہ کے نام سے پکارا جانے لگا ـــ اور ایک ولی کی وفات کے بعد ـــ ولی کی خانقاہ کو طریقت کا مرکز قرار دیا جانے لگا۔ چونکہ اِس طریق میں ولی کی وفات کے بعد ایک قائم مقام ولی کا ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ اِسی ترتیب پر ایک ولی کے بعد اس کے جانشین۔ قائم مقام۔ خلیفہ نے ـــ ولی کی جگہ سنبھال کر خانقاہ کو اپنی تحویل میں لے کر یہ سلسلہ جاری رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فطری بات ہے۔ جبکہ خانہ کاہ (خانقاہ) کے مقام پر ماحول تنہا و خاموش ہو۔ تو قدرتی طور۔ ایسے مقام پر۔ تزکیہ مجاہدہ کا موقع میسّر آتا ہے۔ ایسے ماحول میں ایک صاحبِ شریعت انسان (عالم) میں۔ علم و مشاہدہ۔ اور کرامات کا صدور ہوتا ہے۔ ایسے مجاہدات میں شریعت حقّہ کی پُوری اطاعت نہ بھی ہو۔ تو بھی کرامات و ولایت کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر۔ چندے۔ ایک خلیفہ (جانشین ولی) میں کرامات کے اظہار سے طریقت و ولایت کا اظہار ہونے کی وجہ سے طالبانِ حقیقت اِسی خانقاہ سے رجوع کرتے رہے۔ چونکہ شریعت میں۔ خانقاہ ـــ اور طریق طریقت نے ایک علیحدہ حیثیت اختیار کی ـــ اس وجہ سے یہ سمجھا جانے لگا کہ طریقت شریعت سے ایک علیحدہ عمل ہے۔ خانقاہ کی صورت یہ تھی۔ چونکہ جنگل کی تنہائی میں۔ ضروریاتِ زندگی میسّر نہ تھیں۔ اِس لیے خانقاہ کی طرف رجوع کرنے والے شہروں سے ضروریاتِ زندگی کا سامان لاکر دیتے۔ جس سے خانقاہ کے طالب علموں کے خورد و نوش کا ذریعہ مہیّا ہو جاتا۔ ظاہر ہے۔ خانقاہ کے علماء سے تزکیہ نفس اور مجاہدات سے کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ اِس لیے عامۃ المسلمین انہیں عزّت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور عقیدت کی وجہ سے ہر شخص نے خانقاہ کیلئے۔

نذرانے اور تحائف بھیجنے شروع کر دیئے اور جب ان تحائف میں کثرت ہونے لگی۔ تو یہ تحائف بحق خانقاہ۔ خزانہ ہونے لگے۔ جب تحائف و نذرانہ کی کثرت ہونے لگی تو بعض طالبانِ علم کے ذہنوں میں ان تحائف کے تصوّرات شامل ہوگئے۔ اور غریب طلبار اب نذرانوں پر توجّہ کرنے لگے۔ اس توجّہ نے طلبار میں حرص پیدا کر دی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ان کے تزکیہ میں فرق آنے لگا۔ اِس مسلسل عمل سے ایک ولی کی وفات پر اس کے جانشین میں وہ خصوصیت تزکیہ مجاہدہ اور کرامت باقی نہ رہی۔ بلکہ اِس پر حرص غالب آنے لگی۔ چنانچہ ایک ولی کی وفات پر۔ اس کے قائم مقام خلیفہ نے تصنّع کا لباس پہنا۔ اور بغیر خصوصیت ولایت۔ خود کو ولی ظاہر کیا۔ تاکہ ایک طرف سے خانقاہ کی سرپرستی اسے حاصل ہو اور دوسری طرف اسے جاہ و مال حاصل ہو ـــ اِس مقام پر خانقاہ اور نام نہاد ولی سے طالبانِ حقیقت کو حقیقی علم میسّر نہ ہُوا۔ تو خانقاہ کے جانشینوں نے ـــ اصل حقیقت سے ہٹ کر۔ تزکیہ کے چند فروعی طریقے اختیار کیے ـــ علمِ طریقت میں طریقِ مجاہدہ لازم تھا۔ جس میں مراقبہ ـــ تہجّد ـــ نوافل ـــ فاقہ ـــ رات جاگنا اور خصوصاً خواہشاتِ نفسانی سے پاک ہوکر ـــ تصوّرِ پیر ـــ تصوّرِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم ـــ تصوّرِ ذاتِ الٰہی کو خالص کرنا تھا۔ اور جب قلب میں نذرانہ کی ہوس نے طلب پیدا کی تو اِس عمل سے وہ نتائج حاصل نہ ہوسکے۔ کیونکہ اِس طریق میں مشاہدہِ اسرارِ الٰہی ہونا لازم تھا ـــ چنانچہ خانقاہ کے خلفار نے فروعی عمل اختراع کیے جس میں ـــ ذکر ـــ ذکر اللہ ھُو ـــ حبسِ نفس ـــ چلہ کشی کا عمل شامل تھا۔ یہ عمل محض تزکیہ قلب کی صفائی کے لیے اختراع کیے گئے تاکہ اِس عمل سے قوتِ مشاہدہ حاصل ہو۔ یہ طریق درحقیقت شریعت و طریقت کی اصل نہیں۔ چنانچہ اِس عمل سے مشاہدہ کی قوت حاصل ہوتی رہی لیکن یہ امر ضروری تھا کہ خلیفہ کو خود صاحبِ مشاہدہ۔ اسرارِ الٰہی ـــ مشاہدہ ذاتِ الٰہی سے آراستہ ہونا چاہیئے تھا۔ جس کے لیے شریعت کی پابندی لازم تھی لیکن خلفار کی کمزوری کے سبب طالبانِ حقیقت کو یہ مقام حاصل نہ ہوسکا۔ یہ مقامات عالمِ ملکوت سے متعلق تھے۔ اس کے برعکس اِس عمل سے انہیں عالمِ ناسوت کے مقامات کا مشاہدہ ہُوا جو بغیر پابندیٔ شریعت حاصل ہُوا ـــ اور یہ عمل مسلسل مدّتوں جاری رہا ـــ اور طالب کو عالمِ ملکوت کا مشاہدہ حاصل نہ

ہو سکا۔ تو عالمِ ناسوت کے مشاہدات و کرامات کو اصل طریقت سمجھا جانے لگا۔ اور یہی طریق مستقل ہیئت اختیار کر گیا ــــ یہی طریق سلطنتِ عثمانیہ ــــ یا خلافتِ عثمانیہ کے بعد جب ہندوستان پر یورش کر کے ہندوستان میں اسلامی اقتدار حاصل کیا گیا۔ تو ان کے ساتھ علماء شریعت۔ اور علمائے طریقت نے بھی ہندوستان میں داخل ہو کر اسلام پھیلایا۔ تو علمائے طریقت نے اِسی نوع کا علم ہندوستان میں جاری کیا۔ جس میں ذکر اللہ ھُو ــــ کلمہ توحید کا ذکر نفی اثبات (سانس کے ساتھ کلمہ شریف کا وِرد کرنا) حبسِ نفس ــــ اور دیگر اذکار کا علم طالبانِ حق کو دیا ــــ اس علم سے صرف عالمِ ناسوت کا مشاہدہ حاصل ہوتا رہا ــــ اِس وقت حقیقی علمِ شریعت کا خاص عمل نہ استعمال ہُوا۔ نہ انسانی ذہنوں کو اس کا سراغ ملا ــــ اور پھر ہر زمانہ میں یہی عمل مستقلاً طریق طریقت کی اصل سمجھا جانے لگا۔ البتہ بعض علمائے امت کو شریعت کا حقیقی علم حاصل تھا۔ انہوں نے بھی۔ اِس علم کو ہندوستان میں داخل ہو کر پھیلایا۔ لیکن یہ علم مختصر رہا ــــ جسے بہت کم وسعت ملی ــــ اور بہت کم لوگوں نے اِس علم سے استفادہ کیا ــــ اِن علماء میں حضرت معین الدین چشتی ــــ حضرت بابا فرید الدین گنج بخش ــــ عبدالقدوس گنگوہی ــــ حضرت علی احمد صابر کلیری ــــ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہم اور پنجاب کے بعض مشہور فقراء ہوئے ہیں۔ اور زمانہ کے ساتھ ساتھ جب عہدِ مُغلیہ میں۔ سلطنت مغلیہ کشمیر تک وسیع ہُوئی۔ تو اس زمانہ میں کشمیر میں بھی فقراء کا ورود ہُوا۔ انہوں نے زیادہ تر وہی علم پیش کیا جس میں عالمِ ناسُوت کے کمالات کا مشاہدہ و مظاہرہ ہوتا تھا۔ اور یہی علم کشمیر کے فقراء کو حاصل ہُوا جبکہ اِس علم کے سوا۔ عالمِ ملکوت ــــ اور حقیقی مشاہدہ اسرارِ الٰہی معرفتِ الٰہی کا بہت کم لوگوں کو میسّر ہُوا۔ جنہیں۔ خواب میں زیارتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہُوئی ــــ اور یہ تصوّر قطعی مشکل تھا۔ کہ کسی طالب کو ایک ولی سے۔ تھوڑی محنت اور آسانی سے مراتبِ ملکوتی اور مشاہدہ اسرارِ الٰہی یا مشاہدہ ذاتِ الٰہی میسّر ہو سکتا ہے۔ یہی کیفیت حضور قبلہ عالم کے زمانہ سے قبل کشمیر میں تھی۔ کہ فقراء کو جنگلوں کی تنہائیوں میں تزکیہ نفس۔ ذکر۔ اور وظائف سے عالمِ ناسوت کے مقامات کا مشاہدہ۔ اور کرامات حاصل تھیں۔ مگر عالم ملکوت اور اسرارِ الٰہی کے مشاہدات سے بہت کم فقراء آگاہ تھے ــــ یہی زمانہ تھا جب حضور قبلہ عالمؒ ــــ ولایت تامہ لے کر وارد کشمیر

ہوئے ـــــ بلاشبہ آپ قرونِ اولیٰ کے علمائے اُمّت کے قائم مقام علمِ شریعت بحدکمال تحصیل کیے ہوئے تھے۔ اور علمِ طریقت میں آپ ولی اکمل صاحبِ معرفت یکتائے روزگار اولیاء میں شامل تھے۔

حضور قبلہ عالم جناب الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کو یہ خصوصیت حاصل تھی۔ کہ آپ کے مُریدوں کو کثرت کے ساتھ منازل اعلیٰ حاصل تھیں ـــــ اور خود آپ کے مریدوں کو بھی یہ خصوصیت حاصل تھی۔ کہ وہ ایک طالب حق کو حضوریِ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کرکے زیارتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرّف کر دیں۔ اِن مریدوں میں جناب خواجہ عبدالکریم صاحب کو خاص مقام حاصل تھا ـــــ چنانچہ آپ کی بیعت کے بعد علاقہ لولاب۔ تحصیل ہندواڑہ۔ سوپور۔ بارہمولہ تک آپ کی وساطت سے کثرت سے لوگ سلسلۂ اویسیہ میں داخل ہوئے۔ اِن میں بھی بیشتر لوگوں کو زیارتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی۔

راجہ سخی ولایت خانؒ کا قبولِ اِسلام اور ولایت سے مشرّف ہونا

یہ زمانہ تھا جب حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے موضع کاشیراہ زانگلی میں مستقل سکونت اختیار کی ـــــ اِسی دوران حضور قبلہ عالم کو کاشیراہ کی زمین کے انتقال کے لیے سٹیٹ سبجیکٹ (ریاستی باشندہ ہونے کی سند) حاصل کرنے کے لیے۔ اپنے آبائی وطن وادیٔ کرناہ (شاردہ) جانے کا اتفاق ہُوا ـــــ حضور شاردہ تشریف لے گئے ـــــ اور وہاں ایک نمبردار کے گھر قیام کا ارادہ فرمایا۔ نمبردار آپ کے مُریدوں میں سے تھا۔ موسم شدید سردی کا تھا۔ نمبردار کے گھر پہنچے تو وہ بہت خوش ہُوا۔ حضور کو ایک کمرے میں بٹھایا۔ کمرے میں انگیٹھی جل رہی تھی۔ حضور اسی کمرے میں تشریف فرما ہوئے۔ تھوڑی دیر آرام کے بعد نمبردار نے آپ کے لیے ایک اور کمرے کا بندوبست کیا۔ حضور سے عرض کی کہ آپ دوسرے کمرے میں

تشریف لے چلیں ـــ حضور قبلہ عالم تھکے ہوئے تھے۔ کمرے میں آرام ملا تھا۔ فرمایا۔ ہم اِسی کمرے میں رہیں گے۔ نمبردار نے عرض کی۔ کہ حضور اس میں ایک عیسائی رینجر ٹھہرا ہُوا ہے۔ مبادا اس سے آپ کی شان میں بے ادبی ہو ـــ حضور اِسی کمرے میں بیٹھنے پر مصر ہوئے فرمایا ـــ بے شک اِس افسر کو آنے دو ہم اس کی کوئی حرکت خاطر میں نہ لائیں گے۔ چنانچہ شام کے قریب رینجر صاحب آئے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا ـــ یہ کون آدمی یہاں بیٹھا ہُوا ہے۔ نمبردار نے اس خیال سے کہ کہیں رینجر صاحب کوئی گستاخانہ کلام نہ کر بیٹھیں۔ کہا۔ یہ میرے پیر صاحب ہیں۔ لیکن ہُوا وہی جس کا نمبردار کو خدشہ تھا ـــ رینجر صاحب نے چھوٹتے ہی کہا ـــ "یہ تمہارے پیر ٹھگ ہوتے ہیں" نمبردار پر گویا بجلی گری اِس پر شدید غصہ طاری ہُوا۔ ممکن تھا کہ وہ رینجر صاحب کو اُٹھا کر باہر پھینک دیتے۔ مگر حضور قبلہ عالم نے ہنستے ہُوئے خاموشی کا اشارہ کیا۔ نمبردار خاموش ہو کر باہر چلا گیا ـــ رینجر صاحب کپڑے اُتار کر کُرسی کو انگیٹھی کے قریب لا کر بیٹھ گئے ـــ حضور قبلہ عالم بھی خاموش بیٹھے رہے۔ رینجر صاحب نے دیکھا کہ حضور نے ان کی بات پر اظہارِ ناراضگی نہ کیا۔ سمجھے کہ یہ کوئی معمولی آدمی ہے۔ خود ہی سلسلہ کلام شروع کیا ـــ ان کے طرزِ کلام میں بے ادبی کا تاثر ظاہر ہوتا تھا۔ پوچھا۔ آپ کے کتنے مرید ہیں۔ نذر و نیاز کتنا ملتا ہے؟ حضور نے نہایت نرمی سے جواب دیا۔ کہ مرید بہت ہیں۔ فقیر لوگ نذر و نیاز بھی لیتے ہیں۔ آپ کے پادری بھی تو نذر و نیاز لے کر عیش کی زندگی گزارتے ہیں ـــ وہ امیر لوگ ہیں۔ اِس لیے ٹھگی نہیں کرتے ہیں۔ مگر وہ تمہیں کیا دیتے ہیں؟ ـــ رینجر صاحب نے کہا کہ وہ ٹھگ نہیں وہ دُعا دیتے ہیں۔ اور ہمارے گناہ معاف کراتے ہیں۔ ہمارے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف سے ان کے نمائندے ہیں۔ انھوں نے سُولی چڑھ کر ہمارے گناہ معاف کرائے۔ مُسلمانوں میں نہ کوئی ایسا آدمی ہے۔ نہ تمہارے گناہ معاف ہونے کی کوئی ضمانت ہے۔ حضور نے فرمایا ـــ تو معلوم ہُوا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو آپ سے پیار ہے۔ کیا کبھی تمہارے پادریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو دیکھا ہے۔ جو وہ اپنے آپ کو ان کا نمائندہ بتاتے ہیں؟ کیا تم نے بھی کبھی عیسیٰ علیہ السّلام کو دیکھا ہے۔ انہیں تم سے پیار ہے۔ تو پھر تمہیں ان کو دیکھنا چاہیئے۔ رینجر صاحب بات سمجھے نہیں ایسے ہی کہہ دیا۔ ہم ان سے پیار کرتے ہیں۔ اور

انہیں دیکھتے بھی ہیں۔ تو حضور نے فرمایا۔ تو رینجر صاحب اگر آپ اپنے قول کے سچے ہیں کہ مسلمانوں کے پیر ٹھگ ہیں ـــــ اور تم ہی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے سچے پیرو اور پیارے ہو۔ تو پھر فیصلہ اِس بات پر ہو گا۔ یا تو آپ مجھے دکھا دیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام مجھے دکھائی دیں اور کہیں آپ کا دین سچّا ہے۔ تو مَیں اپنے مریدوں کے ساتھ عیسائی دین قبول کروں گا۔ اور اگر خود حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تم سے کہہ دیں کہ اسلام کا دینِ قابلِ قبول ہے تو تمہیں اسلام میں داخل ہو کر ہمارا مرید بننا ہو گا۔ کہو شرط منظور ہے! ـــــ رینجر صاحب تعلیم یافتہ تھے۔ یہ بات سُن کر سناٹے میں آ گئے۔ اپنی "انا" کو پست دیکھ کر کہہ اُٹھے شرط منظور ہے ـــــ حضور نے فرمایا۔ تو آپ کوشش کیجئے ـــــ ہم عیسائی ہونا قبول کریں گے۔ چنانچہ اس وعدے کو آئندہ وقت پر چھوڑا گیا ـــــ بات معمولی نہ تھی ـــــ رینجر صاحب نے محسوس کیا کہ ایسا سوال کرنا کسی معمولی شخصیت سے نہیں ہو سکتا۔ ان میں کچھ خصوصیت ہے ـــــ تو رینجر صاحب متاثر ہوئے اور گفتگو کا انداز بدلا ـــــ اور شریفانہ انداز میں سلسلہ کلام شروع ہُوا ـــــ دورانِ گفتگو حضور قبلہ عالم نے دینِ اسلام کی حقیقت پر تفصیلاً حقائق بیان کیے۔ جس سے رینجر صاحب حضور کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور ان سے آداب کے اثرات ظاہر ہونے لگے ـــــ رات اسی خوش آئند ماحول میں گزری ـــــ علی الصبح حضور قبلہ عالم تحصیلدار سے سرٹیفکیٹ لینے تشریف لے گئے۔ ادھر رینجر صاحب کو جنگلات میں دَورہ پر جانے کا حکم ملا۔ رینجر صاحب نے نمبردار سے کہا۔ کہ ہم دورہ پر جا رہے ہیں۔ اب پیر صاحب سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ اِس لیے تم پیر صاحب کو میرا اسلام دینا۔ مجھے افسوس ہے کہ مَیں دوبارہ ان کی صُحبت حاصل نہ کر سکا۔ یہ سوا روپیہ انہیں میری طرف سے نذرانہ پیش کرنا اور کہنا میرے لیے دُعا کریں۔ اب موقع ملا۔ تو پھر آپ سے ملاقات کی کوشش کروں گا۔ یہ پیغام دے کر رینجر صاحب دورے پر روانہ ہو گئے۔ بعد دوپہر حضور قبلہ عالم نمبردار کے ہاں تشریف لائے۔ تو نمبردار نے رینجر صاحب کا پیغام دیا۔ اور ان کی طرف سے نذرانہ پیش کیا۔ حضور نے نذرانہ لے لیا ـــــ دُعا فرمائی۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے رینجر صاحب کے لیے دُعا کی۔ کہ اے اللہ! جو کچھ مَیں اپنے ایمان کے لیے مانگتا ہوں۔ وہی اِس شخص کے لیے مانگتا ہوں ـــــ یہاں سے رخصت ہو کر

گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اثنائے راہ معاً یہ خیال گزرا ــــ یہ شخص اسلام سے متنفر ــــ کیا یہ وعدہ پورا ہو سکے گا۔ جس کا ہم نے دُعائیہ الفاظ میں اظہار کیا۔ حضور کے قلبِ مُبارک پر بوجھ محسوس ہُوا ــــ کیونکہ ایک عیسائی کے لیے معرفت کا حصُول ہمارے لیے ایک امانت کا درجہ رکھتا تھا ــــ اِسی فکر میں سارا سفر طے ہُوا اللہ کا فضل ہُوا ــــ گھر پہنچ کر اس شخص کے اسلام قبول کرنے کی بشارت مل گئی۔ عرصہ گزرا پھر رینجر صاحب سے ملنے کا اتفاق نہ ہُوا ــــ

ایک سال گزرا ــــ ایک دن حضور قبلہ عالم موضع لنگیٹ میں اپنے ایک مرید سمندر میر ذیلدار کے گھر تشریف لائے تھے۔ رینجر صاحب بھی اسی علاقہ میں تبدیل ہو کر آئے تھے ــــ انہیں حضور کی آمد کا عِلم ہُوا ــــ تو آپ بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ــــ اور عرض کی۔ کہ حضور آپ ہی اپنی شرط پوری کریں ــــ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام مجھے بشارت دیں۔ تو مَیں اسلام قبول کروں گا ــــ اصولِ طریقت کے تحت یہ لازم ہے کہ حصُولِ معرفت کے لیے اوّل دین قبول کرنا شرط ہے۔ ایمان لانے کے بعد ہی ــــ معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر حضور نے فرمایا ــــ کہ مسجد میں بیٹھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا تصوّر کریں۔ رینجر صاحب مسجد میں چلے گئے۔ اور آنکھیں بند کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا تصوّر شروع کیا۔ تھوڑی دیر گزری۔ آپ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اِس عالم میں دیکھتے ہیں۔ ایک بہت وسیع باغ ہے۔ آپ باغ میں داخل ہوتے ہیں۔ وہاں پر ایک پُر نُور بزرگ ملتے ہیں ــــ انہوں نے اپنا نام ــــ شاہ لُونگ بتایا ــــ وُہ مجھے اس باغ میں لے گئے۔ اور سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ لُونگ سندھی نے ان سے تعارف کرایا ــــ مَیں بہت خوش ہُوا۔ کہ اتنے میں سامنے نظر پڑی وہاں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم جلوہ فرما تھے۔ جلال کی وجہ سے مجھ پر ہیبت طاری ہُوئی ــــ میری زبان گنگ ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے میری بے بسی پر تبسّم فرمایا ــــ اور فرمانے لگے۔ کہ آپ ہی نبی آخر الزمان محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں ــــ

لے یہ واقعہ خود سخی ولایت خاں صاحبؒ اور حضور قبلہ عالمؒ کی زبانی سُنا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے ــــ آپ پر ایمان لاؤ ــــ اِن کا دین قبول کرو۔ یہی ایمان باعثِ نجات ہے۔ پھر میرا نام لے کر فرمانے لگے ــــ سخی ولایت! گواہ رہو ــــ! مَیں نے اپنے آپ کو کبھی خدا کا بیٹا نہیں کہا۔! اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں۔ وہ ہم سے نہیں مشرک ہیں۔ دینِ اسلام سچّا دین ہے۔ اِسے قبول کرو ــــ رینجر صاحب مراقبہ سے فارغ ہو کر حضور قبلہ عالم کے قدموں میں گر پڑے ــــ اور کلمہ شریف پڑھانے کی استدعا کی حضور قبلہ عالم نے انہیں کلمہ پڑھایا ــــ اِسی وقت رینجر صاحب حضور کے دستِ حق پر بیعت بھی ہو گئے۔ یہ خوش نصیب ہستی ــــ شجرۂ اویسیہ کا ایک ثمر شیریں۔

بحق او سخی است در ولایت عطیۂ مُصطفیٰ[۱] و ابنِ مریم[۴]

جناب سخی ولایت خان صاحب کی ذات گرامی تھی ــــ آہ! جنہیں آگ کی طلب بھی نہ تھی۔ مگر تجلّی ان کا پیچھا کرتی رہی۔ یہ بھی خوش بختی کی علامت ہے۔ کہ ایک ولی اکمل سے گستاخی کا یہ صلہ ــــ تجلّیات ذاتی کی صورت میں عطا ہُوا ــــ یہ افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے جس کا ثبوت خود۔ عالی جناب سخی ولایت خان صاحب مرحوم کی زندہ شخصیت تھی۔ ولیٔ اکمل کی ــــ ولایت کی خصوصیت یہی ہے کہ ایک شخص کو بغیر دین میں داخل کیے بغیر اتباع شریعت۔ بغیر تزکیۂ مجاہدہ کے ــــ صرف ایک تصوّر پر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کی زیارت کرا کر۔ اسلام کی حقیقی دلیل باالثبوت پیش کی گئی ــــ حضور قبلہ عالم نے جناب سخی ولایت خان صاحب کو نصیحت فرمائی۔ کہ فی الحال آپ قبولِ اسلام کا ظاہراً اعلان نہ کریں۔ بلکہ تنہائی میں نماز ادا کرتے رہیں۔ کیونکہ آپ کے خاندان کے بیشتر افراد اس وقت عیسائی مشنری سے منسلک ہیں ــــ ہو سکتا ہے ــــ تم ان کی مخالفت برداشت نہ کر سکو ــــ مبادا تمہیں اُلجھن کا شکار ہونا پڑے ــــ کچھ دن تو جناب سخی ولایت خان صاحب خاموشی۔ تنہائی میں نماز و درود شریف ادا کرتے رہے۔ لیکن انہیں ایسا کرنا پسند نہ آیا ــــ قلب میں آتشِ عشق نے سوز پیدا کر دیا تھا ــــ تابِ ضبط نہ رہی ــــ اعلانیہ نماز ادا کرنی شروع کی۔ عیسائی مشنری کو جب جناب سخی ولایت خان صاحب کے مسلمان ہونے کا علم ہُوا ــــ تو ان میں کہرام مچ گیا ــــ کیونکہ آپ عیسائی مشن کے مبلغ بھی تھے ــــ اور آپ کے والد محترم

بھی عیسائی مشن کے سرگرم مبلغ تھے۔ انہیں عیسائی مشنری میں ایک باعزت اور اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ یہ امر عیسائی مشنری کے لیے پریشانی کا باعث ہُوا! ـــــ کشمیر میں اس وقت پادری بسکو C.E. TENDALE BISCO عیسائی مشنری کے سربراہ تھے ـــــ پادری صاحب سے سخی صاحب کے گہرے تعلقات تھے ـــــ اس نے سخی صاحب کو بلا کر پوچھا ـــــ کہ تمہیں کس چیز نے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا؟ ـــــ جب کہ ہماری طرف سے تمہیں ہر سطح پر عزت و آسودگی حاصل تھی۔ قبلہ سخی صاحب نے صاف صاف حضور قبلہ عالم سے ملاقات کا واقعہ بیان کیا ـــــ کہ ایک بزرگ ہستی نے یہ شرط پیش کی۔ کہ آپ یا تو مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو دکھا دیں۔ اور وہ مجھے کہہ دیں کہ عیسائی دین قبول کرو تو مَیں مع اپنے مُریدوں کے عیسائی ہو جاؤں گا۔ مَیں تو ایسا کر نہ سکا۔ انہوں نے مجھے مسجد میں بٹھایا۔ اور مَیں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو دیکھا اور ان کے ساتھ حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی دیکھا ـــــ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی شکل ہمارے گرجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے مجسّمہ سے ملتی جلتی تھی۔ انہوں نے مجھے حکم دیا۔ کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دین قبول کرو ـــــ اس لیے اس حقیقت کو سمجھ کر مَیں نے اسلام قبول کیا۔ یہ واقعہ سُن کر پادری بسکو حیران ہُوا ـــــ کچھ کہہ نہ سکا۔ ویسے پادری بسکو نہایت نیک نفس پادری تھا۔ یہی وہ ہستی ہے جس نے ابتدائی دَور میں۔ کشمیر میں انگریزی سکول کا اجراء کیا۔ اور کشمیر کے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے آراستہ کر کے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں تک ان کو رسائی کے مواقع فراہم کیے۔ پادری بسکو سمجھدار تھا۔ جناب سخی صاحب کے اسلام قبول کرنے پر ناراضگی یا نفرت کا اظہار نہ کیا (حالانکہ انہوں نے خود عیسائی مشنری میں عیسائی تبلیغ کا مشن قائم کیا تھا)۔ پادری نے آپ کے اسلام قبول کرنے پر اظہارِ خوشنودی کیا کہا۔ سخی مَیں بہت خوش ہوں۔ تمہارا اقدام بالکل صحیح ہے۔ ہم بھی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ دینِ اسلام کے پیغمبر کو رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم مانتے ہیں۔ یہ دونوں دین سچے دین ہیں۔ مجھے تمہارے اسلام قبول کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ مَیں تمہیں اسلام قبول کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ البتہ میرا ایک مشورہ قبول کرو ـــــ کہ اس واقعہ کی جو تم نے مجھے سنایا ـــــ عام تشہیر نہ کرو۔ اِس سے عیسائی لوگ مشکوک ہو جائیں گے۔ جو ہمارے لیے حد درجہ پریشانی اور نقصان کا

باعث ہوگا ــــ میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی اس واقعہ کی نزاکت کو سمجھ گئے ہوگے ۔ جناب قبلہ سخی صاحب نے وعدہ کر لیا۔ ابتدائی دَور میں عیسائی مشنری نے جناب قبلہ سخی صاحب کو ورغلانے کی کافی کوشش کی مگر وہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے۔ البتہ سخی صاحب کی اہلیہ کو عیسائی ننوں نے اپنے گھیرے میں لیے رکھا۔ مبادا بیگم صاحبہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کریں۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آپ کی اہلیہ فوری طور اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔

جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب خاندانی مُسلمان تھے۔ ان کا تعلق کشمیر کے راجپوت (گکھڑ) خاندان سے تھا۔ آپ کا آبائی وطن میرپور کشمیر تھا۔ آپ کے والد راجہ داؤد خان صاحب فوج میں ملازم تھے۔ چنانچہ پہلی جنگِ عظیم میں آپ انگریزی فوج میں جرمنی کے خلاف محاذ پر لڑائی میں شریک رہے۔ جنگ ختم ہوتے پر آپ نے کشمیر (سری نگر) میں سکونت اختیار کی ــــ جہاں آپ کا تعلّق عیسائیوں سے رہا ــــ عیسائی مشنری نے خان صاحب موصوف کو عیسائی بنالیا ــــ چنانچہ آپ اپنے خاندان میں سے اپنے اہل وعیال کو میرپُور سے سری نگر لے آئے۔ جن میں آپ کی اہلیہ اور بچے۔ جناب راجہ سخی صاحب۔ احسان اللہ۔ نذیر احمد۔ بشیر احمد۔ اور دُختر نوشابہ بیگم تھیں۔ خان صاحب کا عیسائیوں نے مشنری میں رہائش کا انتظام کر دیا۔ اور آپ کے فرزندوں کو مشن سکول میں داخل کر دیا۔ جہاں راجہ سخی صاحب اور احسان اللہ نے تعلیم مکمل کر کے ملازمت اختیار کی۔ راجہ سخی ولایت خان صاحب محکمہ جنگلات میں رینجر کے عہدے پر متعیّن ہو گئے ۔ احسان اللہ کو ملٹری میں بھرتی کیا گیا۔ باقی بچوّں میں اس وقت نذیر احمد (مظفر شائق) بشیر احمد ابھی زیرِ تعلیم تھے ۔ اسی زمانہ میں جناب سخی ولایت خان صاحب کو حضور قبلہ عالم سے ملنے کا اتفاق ہُوا ۔ اور آپ نے دوبارہ اسلام قبول کیا ــــ رفتہ رفتہ قبلہ سخی صاحب نے اپنے خاندان کو دوبارہ اسلام میں لانے کی کوشش کی۔ جس کی ابتدار آپ کی ہمشیرہ نوشابہ سے ہُوئی ــــ آپ نے اپنی ہمشیرہ کو حضور قبلہ عالمؒ کے پیش کیا۔ اور وہ بھی قبلہ سخی صاحب کی طرح کلمہ پڑھنے کے ساتھ ہی حضوری ہو گئیں۔ آپ نے بھی حضور قبلہ عالمؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اس کے ساتھ ہی۔ احسان اللہ اور نذیر احمد نے بھی اسلام قبول کیا۔ احسان اللہ ملٹری ملازمت کی وجہ سے گھر سے باہر رہے۔ نذیر ان دنوں غالباً چھٹی جماعت میں

مشن سکول میں تعلیم لے رہا تھا۔ اس نے بھی حضور قبلہ عالم سے بیعت حاصل کی۔ اور زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو کر اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوا ــــ محترمہ نوشابہ اکثر حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوتی رہیں۔ اور خلوت کرتی رہیں۔ انہیں معرفت کے اعلیٰ مراتب عطا ہوئے ــــ آپ شادی شدہ تھیں آپ کے شوہر مسلمان تھے۔ انہوں نے بھی حضور قبلہ عالم سے بیعت حاصل کی۔ جناب سخی صاحب کے والد عیسائی مشنری میں پادری تھے۔ اور عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے ــــ ویسے آپ کو اسلامی علوم پر کافی عبور حاصل تھا۔ عیسائیت قبول کرنے کے بعد انجیل پر بھی عبور حاصل کر کے پادری کا درجہ حاصل کیا۔ اور عیسائیت میں مبلغ کی حیثیت سے سکول میں انجیل پڑھاتے رہے ــــ چونکہ عیسائیت میں مبلغ کا مقام آپ کو حاصل تھا۔ اِس لیے آپ کو علی الاعلان اسلام قبول کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ بظاہر آپ عیسائی مشنری سے ہی وابستہ رہے۔ آپ کے خاندان کے عیسائی مذہب سے منسلک ہونے پر آپ کے بقیہ خاندان سے تعلقات منقطع ہو گئے تھے۔ مگر قبلہ سخی صاحب اور باقی افرادِ خانہ کے اسلام قبول کرنے پر ان کے درمیان صلح ہو کر تعلقات بہتر ہو گئے۔ اور اس کے بعد اپنے وطن میرپور آنے جانے کا سلسلہ جاری ہوا۔ خان صاحب اور باقی عزیزوں نے اپنے وطن سے رابطہ قائم کیا۔ اور میرپور میں بھی سکونت شروع کی۔ آخر داؤد خان صاحب نے میرپور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ نوشابہ نے بھی میرپور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ جناب قبلہ سخی صاحب نے عیسائی مشنری میں ہی شادی کی تھی۔ نیز ملازمت کی وجہ سے آپ نے سری نگر میں مستقل سکونت اختیار کی۔ احسان اللہ ملٹری میں ملازمت کی وجہ سے سفر میں ہی رہے۔ نذیر احمد نے اور بشیر صاحب نے میرپور میں اپنے والد کے ساتھ سکونت اختیار کی۔ آپ کی والدہ[1] کا عیسائیت کے زمانہ میں ہی انتقال ہوا۔ اور آپ سری نگر میں شیخ باغ (امیراکدل) میں عیسائی قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ جناب قبلہ سخی صاحب کو والدہ کے عیسائی حالت میں فوت ہونے کا بے حد قلق تھا۔ کہ وہ اس عظیم نعمت سے محروم رہ گئیں۔ سخی صاحب کی اہلیہ بھی عیسائی تھیں۔ آپ کے

---

[1] غالباً یہ آپ کی سوتیلی والدہ تھیں۔

اِسلام قبول کرنے پر عیسائی مشنری نے آپ کی اہلیہ کو اسلام میں داخل ہونے سے باز رکھنے کی سرتوڑ کوشش جاری رکھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آپ کی اہلیہ نے فوری طور اسلام قبول نہ کیا۔ قبلہ سخی صاحب نے اہلیہ کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے اہلیہ کو علیحدہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضورؒ قبلہ عالم کو اس کا علم ہُوا۔ تو آپ نے قبلہ سخی صاحب کو اِس ارادے سے باز رکھا۔ فرمایا بیوی پر جبر نہ کریں۔ وقت آئے گا یہ خود ہی اسلام قبول کریں گی۔ جناب قبلہ سخی صاحب کی ایک لڑکی بھی تھی۔ اس کا نام زینت تھا۔ پیار سے اُسے "جوائے" کہتے تھے۔ یہ بچّی حضور قبلہ عالم سے بے حد اُنس رکھتی تھی۔ جب بھی حضور قبلہ عالم سخی صاحب کے گھر تشریف لاتے۔ تو زینت بے حد خوش ہوتی۔ اور حضور قبلہ عالمؒ اسے اپنی گود میں بٹھاتے۔ جس کا اثر یہ ہُوا کہ آپ کی توجّہ سے زینت کم سنی کی حالت میں ہی اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم کا مشاہدہ کرنے لگی۔ اس کا مشاہدہ حقیقی تھا۔ مشاہدہ میں ذرّہ بھر خیال کو دخل نہ تھا۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اُسے اُونچے مراتب کا مشاہدہ بھی ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے مشاہدہ کی وسعت عرش کا احاطہ کر لیتی تھی ـــــ قبلہ سخی صاحب اکثر اوقات زینت سے مراقبہ کراتے۔ اور زینت عالمِ باطن کے حالات بیان کرتی۔ کہ رات بستر پر سوتے وقت مراقبہ کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اور نیند طاری ہونے کے ساتھ ہی جنّت میں چلی جاتی۔ جہاں سفید لباس میں ملبوس عورتیں (حوُریں) اسے خوش آمدید کہتیں۔ اس کے لیے ایک خوبصورت باغ مخصوص کیا جاتا۔ جہاں اسے لٹایا جاتا۔ اور اس پر نیند غالب آجاتی ـــــ اسی حالت میں رات بسر ہو جاتی۔ صبح اُٹھ کر رات کے مشاہدات قبلہ سخی صاحب سے بیان کرتی۔ اس کے مشاہدہ کی کیفیت یہ ہوتی کہ زینت کھُلی آنکھوں سے اجلاس کی کیفیت دیکھتی ـــــ یا جو کیفیت قبلہ سخی صاحب اس سے پوچھتے تو زینت کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے کھیلتے کھیلتے حالات بیان کرتی ـــــ ایک دن قبلہ سخی صاحب کو اپنی والدہ کا خیال آیا ـــــ انہیں والدہ کی حالت معلوم کرنے کی فکر تھی ـــــ زینت کو بلا کر کہا ـــــ جوائے ذرا اپنی دادی کو دیکھو کس حالت میں ہیں۔ زینت نے مراقبہ کی کیفیت بیان کرتے ہُوئے کہا۔ کہ دادی ایک سنسان جگہ پر بوسیدہ لباس میں غمزدہ حالت میں بیٹھی ہیں۔ یہ سُن کر جناب قبلہ سخی صاحب کو شدید غم ہُوا کہ والدہ عالمِ برزخ

میں تکلیف میں مبتلا ہیں۔ آپ حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور والدہ کی کیفیت بیان کی۔ حضور قبلہ عالم نے تسلی دی۔ اور فرمایا کہ والدہ کی مغفرت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار بار دُرود شریف پڑھ کر انہیں ثواب بھیج دیں ــــ چنانچہ قبلہ سخی صاحب نے حضور قبلۂ عالمؒ کے دولت کدہ پر فاتحہ خوانی کا بندوبست کیا۔ گاؤں سے دُرود خوان اکٹھے کیے ــــ سوا لاکھ درود پڑھا۔ اور اللہ کی راہ میں کھانا دیا۔ رات حضور قبلہ عالمؒ نے فاتحہ پڑھی اور دُعا فرمائی ــــ اور ساتھ ہی بشارت دی۔ کہ آپ کی والدہ کو جنّت کے باغوں میں داخل کیا گیا۔ یہ بشارت جناب قبلہ سخی صاحب کے لیے انتہائی خوش کن تھی۔ آپ دوسرے دن حضور سے رخصت ہو کر گھر پہنچے۔ آپ بہت خوش تھے۔ رات پھر زینت کو بلا کر مراقبہ میں بٹھایا۔ کہا۔ زینت تم نے دادی کے متعلق کیا دیکھا تھا۔ ذرا پھر دیکھو۔ ان کا کیا حال ہے۔ اِس پر ظاہر نہیں کیا کہ انہوں نے ان کے لیے فاتحہ پڑھی ہے ــــ زینت نے مراقبہ میں دیکھا۔ کہا پاپا آج تو دادی ایک خوبصورت باغ میں ہیں۔ آج تو دادی سفید خوبصورت لباس میں ہیں۔ اور وہ بہت خوش ہیں۔ اِس مشاہدہ سے جناب قبلہ سخی صاحب کو یقین ہو گیا کہ پیرِ اکمل کی شفاعت سے ان کی والدہ کو مغفرت کی سند عطا ہو گئی۔ ان کے دل سے ایک عظیم بوجھ ہلکا ہو گیا۔ مگر ابھی اپنے والد اور بیوی کا بوجھ باقی تھا۔ اِس سلسلہ میں حضور قبلہ عالم کی نصیحت تھی کہ اہلیہ پر جبر نہ کریں۔ بلکہ ان سے پیار و محبّت سے پیش آئیں۔ چنانچہ اِس سلسلہ میں جناب قبلہ سخی صاحب نے اہلیہ کو اسلام قبول کرنے کا کئی طریقوں سے حیلہ کیا۔ کئی بار آزمائشی طور پر اپنی کرامات کا اظہار کیا۔ لیکن انہوں نے اسلام کی طرف آمادگی کا اظہار نہ کیا ــــ یہ عجیب بات تھی کہ آپ کی اہلیہ اگرچہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔ لیکن حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری پر کبھی ناپسندیدگی کا اظہار نہ کیا ــــ بلکہ خود آپ کی خدمت کرتیں۔ کپڑے دھو کر دیتیں۔ جُوتے صاف کر کے دیتیں اور نہایت عزّت و احترام سے پیش آتیں۔ اور کبھی اپنی طرف سے حضرت اقدس محترمہ مائی صاحبہ کے لیے تحائف پیش کرتیں۔ اِس عمل سے قبلہ سخی صاحب کو گونہ تسلی رہتی۔ دراصل میم صاحبہ[1]

---

[1] اہلیہ قبلہ سخی صاحب

کو اپنے شوہر سے بے حد محبت تھی ـــــ اور اپنے مقام پر قبلہ سخی صاحب کی وفاداری اور خدمت گزاری میں حد درجہ مستعد رہتی تھیں۔ اِس محبت کی وجہ سے انہوں نے باوجود عیسائی مشنری کی ننوں کی سازشوں کے۔ اپنے شوہر کا ساتھ نہ چھوڑا۔ عیسائی مشنری کی ننیں۔ اکثر اوقات میم صاحبہ پر اپنا اثر ڈالتی رہتی تھیں۔ دوسرے ان کی والدہ کا ایک بڑا ہسپتال تھا ـــــ اس کی کافی جائیداد تھی ـــــ یہ تمام جائیداد اس نے میم صاحبہ کے لیے وراثت میں چھوڑی تھی۔ میم صاحبہ (سخی صاحب کی بیگم) کا خیال تھا۔ اِسلام میں داخل ہونے کے اظہار پر۔ اسے اپنی والدہ (مالک ہسپتال) کی جائیداد سے محروم ہونا پڑے گا۔ میم صاحبہ پر قبلہ سخی صاحب کی شخصیت کا کافی اثر پڑ چکا تھا۔ مگر وہ اسلام قبول کرنے میں گومگو کی حالت میں مبتلا تھیں ـــــ نہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ تھیں۔ نہ شوہر کی رفاقت چھوڑ سکتی تھیں ـــــ

ایک دن حضور قبلہ عالم اچانک شہر تشریف لائے۔ آپ بے حد فکر مند تھے ـــــ محمد حنیف صاحب کے گھر پہنچے ـــــ پوچھا نور الدین کہاں ہے میں کہیں باہر گیا ہُوا تھا۔ حضور بغیر انتظار کیے واپس چلے گئے ـــــ فرمایا ہم سخی کے پاس جا رہے ہیں۔ معلوم ہُوا سخی صاحب کے ہاں میم صاحبہ کے لڑکا پیدا ہُوا ہے۔ اور وہ زنانہ مشن ہسپتال محلہ رعنا واری میں داخل ہیں ـــــ ہم بھی ہسپتال کی طرف دوڑے۔ ہمیں معلوم نہ تھا۔ کہ میم صاحبہ بیمار ہیں ـــــ حضور قبلہ عالم شہر سے نکل کر سیدھے۔ عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کے گھر پہنچے۔ ان کا گھر قلعہ ہری پربت کے دامن میں تھا۔ یہاں سے ہسپتال نزدیک تھا۔ اِس سے قبل نہ حضور قبلہ عالم انہیں جانتے تھے نہ ہی عبدالکریم صاحب آپ سے واقف تھے۔ مکان پر پہنچے۔ تو دروازہ پر عبدالکریم صاحب کے چھوٹے بھائی نظام الدین آپ کے منتظر تھے۔ حضور کو دیکھتے ہی نظام الدین آگے بڑھے۔ حضوؐر کو السلام علیکم عرض کی ـــــ اور نہایت عزّت و احترام سے خوش آمدید کہہ کر اپنے مہمان خانہ میں لے گئے۔ مہمان خانہ نہایت صاف ستھرا سجایا ہُوا تھا۔ حضور کو آتے ہی چائے پلائی۔ چائے سے فارغ ہو کر فرمایا۔ نظام الدین۔ ہم نے زنانہ ہسپتال جانا ہے ـــــ وہاں سخی ولایت خان صاحب کی اہلیہ داخل ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں ـــــ نظام الدین حضور کو ساتھ لے کر ہسپتال پہنچے دیکھا قبلہ سخی صاحب بے حد مضطرب و پریشان تھے۔ حضور کو اچانک دیکھ کر حیران رہ گئے۔

حضور نے پوچھا بچے کا کیا حال ہے۔ سخی صاحب کے لیے آپ کا ایسے موقع پر تشریف لانا باعثِ مسرت تھا۔ عرض کی حضور بچہ قریب المرگ ہے۔ ڈاکٹر نے اُسے لاعلاج قرار دے دیا ہے۔ بچہ کو ایک شدید مرض (SINUSITIS) لاحق ہو گیا۔ پیدا ہوتے ہی اُسے یہ مرض لاحق ہو گیا۔ اس کا سانس بند ہے۔ اور دودھ بھی نہیں پی سکتا۔ ڈاکٹر اس کی زندگی سے قطعی مایوس ہو کر علاج سے دست بردار ہو کر گھر چلا گیا ہے۔ ڈاکٹر ہندوستان کا ایک مشہور ڈاکٹر رولنس تھا۔ اس نے قبلہ سخی صاحب کے آگے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہُوئے کہا۔ کہ بچہ کی جان خطرے میں ہے۔ چند گھنٹوں میں اس کی زندگی ختم ہو جائے گی ــــ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ سخی ڈاکٹر اپنا علاج کر چکا ہے۔ اب ہم خود اس کا علاج کریں گے۔ فکر نہ کرو۔ بچہ مجھے دے دو ــــ اور ایک کمرہ خالی کرو ہم بچے کو لے کر کمرے میں بیٹھیں گے۔ تم سب انتظار کرو۔ کسی کو کمرے میں داخل نہ ہونے دینا۔ ہم خود کمرے سے باہر آجائیں گے۔ حضور قبلہ عالم بچے کو لے کر کمرے میں داخل ہو گئے۔ اسی وقت ہم بھی ہسپتال پہنچے۔ تو ہمیں حالات کا علم ہُوا۔ ہم بھی حضور کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ ایک گھنٹہ کے قریب وقت گذرا حضور قبلہ عالم کمرے سے باہر تشریف لائے۔ اور بچہ میم صاحبہ کو دے دیا۔ فرمایا میم صاحبہ بچے کو دودھ پلاؤ۔ کہاں بچہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تڑپ رہا تھا ــــ دیکھا تو بچہ پُرسکون تھا۔ میم صاحبہ نے اُسے دُودھ پلایا۔ بچہ نے دُودھ پیا اور آرام سے سو گیا۔ ہم سب خوش ہو گئے۔ قبلہ سخی صاحب میم صاحبہ بہت مسرور تھے۔ میم صاحبہ حضور قبلہ عالم کو مشکور نگاہوں سے دیکھتی رہی ــــ صبح ڈاکٹر رولنس صاحب مغموم انداز میں کمرے میں داخل ہُوئے۔ تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ کہ سب لوگ خوش و خرم بیٹھے ہیں۔ اس کے اندازے کے مطابق بچہ کا زندہ رہنا صبح تک ممکن نہ تھا۔ پوچھا رات کیسے گزری۔ سخی صاحب نے کہا کہ بچہ خیریت سے ہے ــــ اسے یقین نہ آیا۔ خود بچہ کو زندہ حالت میں دیکھا ــــ نبض دیکھی۔ سانس دیکھا۔ تو سکتے میں آ گیا۔ کہ بچہ بالکل صحت مند تھا ــــ پوچھا رات میں کوئی واقعہ پیش آیا ــــ قبلہ سخی صاحب نے فرمایا ــــ ہاں ــــ میرے پیر صاحب آپ کے جانے کے بعد ہندواڑہ سے تشریف لائے۔ انہوں نے دُعا کی بچہ اسی وقت صحت یاب ہو گیا۔ ڈاکٹر نے حضور قبلہ عالم سے

ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ حضور قبلہ عالم نے اجازت دی ـــــ ڈاکٹر آیا۔ اور عیسائی عقیدہ کے مطابق آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر جھک گیا۔ حضور قبلہ عالم سے حد درجہ عقیدت کے ساتھ ملا ـــــ کہنے لگا۔ میں آپ کو بزرگ تسلیم کرتا ہوں۔ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اِسی طرح بیماروں کو اچھا کرتے تھے۔ ڈاکٹر ردلنس نے میم صاحبہ کو گھر جانے کی اجازت دی ـــــ قبلہ سخی صاحب اور میم صاحبہ ہسپتال سے فارغ ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس اور اُن کے خاندان کا بیعت ہونا

حضور قبلہ عالم کو نظام الدین نے گھر آنے کی دعوت دی ـــــ حضور نے دعوت قبول فرمائی ـــــ اور نظام الدین کے گھر تشریف لے گئے۔ نظام الدین کے بڑے بھائی ـــــ عبدالکریم صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی آپ سے ملے۔ وہ حیران تھے کہ حضور قبلہ عالم کیسے بغیر واقفیت کے ان کے گھر تشریف لائے۔ اِس کی تفصیل خود نظام دین نے بیان کی کہ میں کئی دِنوں سے دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک بزرگ یہاں تشریف لا رہے ہیں۔ اور میں انہیں اِسی بیٹھک میں بٹھا رہا ہوں۔ آج رات بھی میں نے حضور قبلہ عالم کو دیکھا آپ تشریف لائے۔ مجھے یقین تھا۔ کہ آج آپ ظاہراً تشریف لائیں گے۔ اِس لیے میں نے بیٹھک کو ان کے لیے سجا رکھا تھا۔ اور خود گیٹ پر کھڑا آپ کی راہ دیکھ رہا تھا۔ جونہی حضورؐ سامنے آئے میں نے انہیں پہچان لیا ـــــ اور بغیر کسی تعارف کے انہیں خوش آمدید کہا ـــــ یہ وہی ہستی تھیں۔ جنہیں میں خواب میں دیکھتا رہا۔ آپ کی تشریف آوری پر واقعات خود بخود سامنے آگئے ـــــ عبدالکریم صاحب نے حضور قبلہ عالم کی عزت افزائی کی ـــــ اور سلسلہ اویسیہ میں داخل ہونے اور بیعت ہونے کی خواہش کی۔ چنانچہ عبدالکریم۔ نظام الدین اور ان کا خاندان حضورؐ قبلہ عالم سے بیعت ہوا ـــــ حضور سے استدعا کی گئی کہ کسی وقت ان کے ہاں تشریف لائیں۔ حضور نے آئندہ آنے کا وعدہ کیا۔ اور واپس گھر تشریف لے گئے۔

محترمہ سارہ بیگم کا قبولِ اسلام

بچّے کا واقعہ میم صاحبہ کے حضور قبلہ عالم سے عقیدت و تشکّر کے لیے اہم تھا۔ مگر آپ نے میم صاحبہ کو اسلام قبول کرنے پر اصرار نہ فرمایا ۔۔ سخی صاحب نے میم صاحبہ سے کہا کہ اب تم کو اسلام قبول کرنا چاہیئے۔ میم صاحبہ نے کہا ۔۔ سخی۔ مَیں تو تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے ساتھ رہوں گی۔ بچّے بھی تمہارے ہیں۔ مَیں مصلحت کے تابع ابھی قبولِ اسلام کا اظہار کرنے سے مجبور ہوں۔ میم صاحبہ پر "مشنری کی ننیں" اثر ڈالتی رہیں۔ ایک دن ننوں نے میم صاحبہ کے خیالات کا اندازہ کرنے کے لیے۔ اس سے پوچھا۔ بتاؤ۔ اسلام قبول کرنے میں تمہارا کیا خیال ہے؟۔ اس نے یہی جواب دیا۔ کہ مَیں اپنے شوہر سے علیحدہ نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا میرا بھی وہی دین ہو گا۔ جو میرے شوہر کا ہے۔ اس کے بعد ننیں۔ میم صاحبہ سے مایوس ہو گئیں۔ اور انہوں نے آئندہ ان سے ملنا ترک کر دیا ۔۔ کیونکہ وہ بھی میم صاحبہ کی بیماری۔ اور بچّہ کے معجزانہ طور صحت مند ہونے کا واقعہ دیکھ چکی تھیں ۔۔ میم صاحبہ کی والدہ کو بھی ان واقعات کا علم ہُوا۔ تو اس نے بھی۔ میم صاحبہ کے خیالات کی حمایت کی۔ کہ سارہ (میم صاحبہ کا اصل نام) اپنے لیے جو کچھ پسند کرتی ہے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس طرح میم صاحبہ کو اسلام کے قریب آنے کا بہتر موقع فراہم ہُوا۔

مَیں پیلیس[۱] میں کام کر رہا تھا۔ کہ قبلہ سخی ولایت خان صاحب کا پیغام ملا۔ کہ مَیں فوراً ۔۔ گاندربل ان کے گھر پہنچوں۔ اچانک پیغام ملنے پر مَیں پریشان ہُوا۔ کام چھوڑ کر قبلہ سخی صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ دیکھا تو آپ بے حد پریشان تھے ۔۔ مَیں نے خیریت پوچھی ۔۔ فرمانے لگے۔ میم صاحبہ دو دن سے شدید بخار میں مبتلا ہیں۔ چوبیس گھنٹے۔ درد کی شدت سے تڑپ رہی ہیں۔ انہیں شہر لے جا کر ڈاکٹر رولنس[۲] کو دکھانا ہے۔ لہٰذا تم یہاں گھر پر رہو ۔۔ اور بچّوں کی نگرانی کرو۔ ہم بچّوں کو گھر پر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ قبلہ سخی صاحب میم صاحبہ

---

[۱] مَیں ان دنوں مہاراجہ ہری سنگھ کے محل میں رنگ سازی کا کام کرتا تھا۔
[۲] ڈاکٹر رولنس ان کا خاندانی ڈاکٹر تھا اس نے میم صاحبہ کو اپنی لڑکی بنایا تھا۔

کو شہر لائے۔ اور ڈاکٹر رولنس کے مشن ہسپتال (واقع گیگار) میں داخل کر دیا۔ ڈاکٹر رولنس میم صاحبہ کی تکلیف دیکھ کر خود فکر مند ہوئے۔ اس نے میم صاحبہ کا معائنہ کیا۔ کہا کہ انہیں مالٹا بخار ہو گیا ہے۔ یہ مرض شدید صورت اختیار کر گیا ہے۔ اِس کے لیے طویل علاج کی ضرورت ہے۔ میم صاحبہ کو کم از کم دو ماہ ہسپتال میں زیرِ علاج رہنا پڑے گا۔ اس کے علاج میں ذرا سی کوتاہی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔ اس خبر سے سخی صاحب کے اوسان خطا ہو گئے۔ اِتنا طویل عرصہ بچوں اور گھر کو چھوڑنا۔ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ میم صاحبہ کے علاج کے لیے ہسپتال میں رہائش کی فیس اور قیمتی ادویات فراہم کرنا۔ پریشان کن مسئلہ تھا۔ کہ قبلہ سخی صاحب ہسپتال کی فیس ادا کرنے کے متحمل نہ ہو سکے۔ ارادہ کیا۔ کہ ہسپتال کے قریب کرایہ پر مکان لیا جائے۔ قبلہ سخی صاحب کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایک طرف گھر ہے۔ گھر آ کر بچوں کو دیکھنا ملازمت پر حاضری دینا۔ پھر میم صاحبہ کی خود تیمارداری کرنا۔ علاج میں ابھی ہفتہ بھی نہ گزرا تھا۔ کہ اچانک وہ کشتی بان آ پہنچا۔ جس نے اپنے محبوں کا غم اپنے سر لیا ——— ہاں! ——— وہ! جسے ہم "یا پیر مددی" کہہ کر پکارتے ہیں ——— وہ مددگار آ پہنچا ——— ہاں وہی پیر ——— جنہیں سخی صاحب نے کہا تھا ——— "یہ پیر ٹھگ ہوتے ہیں"۔ جس ذات کی "ٹھگی" کی قدم قدم پر سخی صاحب کو شہادت ملتی ہے ——— کہ پیر دین و دُنیا میں حامی و ناصر ہوتا ہے ——— لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ اِس میں کسی قسم کے شک و انکار کی گنجائش نہیں ——— وہ حاضر و ناظر ہوتا ہے ——— جو اپنے چاہنے والوں کے ظاہر و باطن سے آگاہ رہتا ہے ——— ان کی ہر مشکل میں ساتھ دیتا ہے ان کی مدد کرتا ہے۔ اور عاقبت سنوارتا ہے۔ مختار و شفیع ہوتا ہے ——— بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یہ قوت اللہ اپنے خاص بندوں کو عطا کرتا ہے ——— یہ وہ لوگ ہیں۔ جن سے اللہ نے وعدہ کیا ———

وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (پارہ ۱۱۔ سورۃ ۹۔ آیت ۱۱۱)

جس نے اللہ کے ساتھ اپنا وعدہ پُورا کیا۔ اپنی جان۔ مال۔ اولاد اللہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔ تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اُسے اپنا محبوب بناتا ہے ——— محبوبیت کا مقام کیا ہے۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اللہ اپنی صفات سے اپنے بندے کو متصف کر دیتا ہے ——— اُسے اختیار دے دیتا

ہے۔ وہ جسے چاہے اس کے بندوں کو ان کی مصیبت کے وقت نصرت کرے۔ وُہ جسے چاہے ـــــ اس کے بندوں کے لیے عذابِ آخرت سے بھی نجات کا سبب بنے ـــ شفاعت کرے ـــــ وہ محبوبِ خدا ـــــ وہ محبوبِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ اپنے دوست کی مدد کو سرپر آن پہنچا ـــ پوچھا سخی۔ تم غمزدہ نہ ہو ـــ مَیں تیری مدد کو آپہنچا ـــ حضور قبلہ عالم سیدھے۔ میم صاحبہ کے پاس پہنچے ـــ میم صاحبہ نے حضور کو دیکھا۔ تو چیخ چیخ کر رونے لگی حضور آپ پہنچ گئے ـــ مَیں شدید عذاب میں مبتلا ہوں ـــ مجھے بچائیے۔ واللہ مَیں اب آپ کی غلام بنے بغیر ایک سانس بھی نہ لوں گی۔ میرے لیے دُعا فرمائیں ـــ میم صاحبہ نے واویلا کیا۔ حضور میرا گھر برباد ہوگیا۔ میرے بچے یتیم حالت میں پہنچے ہیں۔ میرا مرض طویل ہے۔ بِللہ مجھے بچائیے۔ حضور قبلہ عالم ـــ ان کی اضطرابی کیفیت سے متاثر ہوئے جلالی کیفیت طاری ہوگئی ـــ پکارے ـــ سخی میم صاحبہ کو گھر لے چلو۔ میم صاحبہ ٹھیک ہیں ـــ انہیں کوئی تکلیف نہیں ـــ فوراً گھر جانے کا بندوبست کرو ـــ ! سخی تو حق الیقین کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ شبہ کی یہاں گنجائش نہ تھی ـــ عرض کی حضور میرے ماں باپ آپ پر فدا ـــ ابھی انتظام کرتا ہوں۔ حضور نے میم صاحبہ سے فرمایا ـــ ڈاکٹر آئے تو اس سے چھٹی لے لو۔ کہو کہ مَیں گھر جاؤں گی۔ یہ ایک غیبی ندا تھی ـــ جسے سُن کر میم صاحبہ کی حالت بدل گئی ـــ بستر پر اُٹھ بیٹھی ـــ جیسے کوئی مرض تھا ہی نہیں ـــ ڈاکٹر آیا ـــ میم صاحبہ نے کہا ـــ ڈاکٹر مَیں گھر جانا چاہتی ہوں ـــ مجھے اجازت دیں ـــ ڈاکٹر متعجب ہُوا۔ کہ میم صاحبہ کیا کہہ رہی ہیں۔ سمجھے شاید بحرانی کیفیت طاری ہوگئی۔ کہنے لگا ـــ حوصلہ رکھو ـــ گھبراؤ نہیں۔ ابھی تمہیں علاج کی ضرورت ہے۔ جلدی نہ کرو ـــ ڈاکٹر نے اپنی عادت کے مطابق دیکھنا شروع کیا۔ نبض دیکھی ـــ نبض میں فرق محسوس کیا۔ تھرمامیٹر لگایا ـــ تو حیران رہ گیا۔ میٹر صحت مند حالت بتا رہا تھا۔ غور سے دیکھا۔ تو بخار کا ذرہ بھر اثر نہ پایا۔ گھبرا گیا واپس آیا ـــ سخی سے پوچھا۔ سارہ تو اس وقت بالکل صحت یاب ہے۔ سخی صاحب کے قریب حضور قبلہ عالم تشریف فرما تھے ـــ ڈاکٹر نے انہیں پہچانا ـــ ڈاکٹر کچھ سوچ نہ سکا ـــ سمجھ میں بات آگئی ـــ حضور قبلہ عالم کے آگے جھک گیا ـــ پوچھا جناب کب تشریف لائے ہیں ـــ سخی صاحب نے کہا ـــ ابھی آدھ گھنٹہ گزرا ہوگا۔ اس کے

بعد۔ زبان سے کچھ نہ بولا ــــ دفتر جا کر میم صاحبہ کو ہسپتال سے خارج کر کے گھر جانے کی اجازت دے دی ــــ اور گھر چلا گیا ــــ سخی صاحب شہر آئے لاری میسر نہ آ سکی ــــ کشتی مہیا کی ــــ اور اسی دن کشتی میں سوار ہو کر میم صاحبہ کو گھر لے آئے۔ گھر پہنچتے ہی میم صاحبہ صحت مند حالت میں گھر کی صفائی ــــ اور بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ تو میم صاحبہ نے حضور قبلہ عالم کے قدموں میں سر رکھ دیا ــــ اور اعلانیہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا کلمہ بصمیم قلب پڑھ کر تصدیق بالقلب کا اظہار کیا اور بیعت ہو گئیں۔ آپ جانیں! یہ تو حضور قبلہ عالم کے ادنیٰ غلام کا ذکر ہے۔ ابھی اور بھی ذِکر باقی ہیں ــــ جن کا اس صحیفہ میں اپنے اپنے موقع پر ذکر ہوتا رہے گا۔

سخی صاحب کے والد کی وفات

ولی کے ناسوتی کمالات اس کی ولایت کی دلیل سمجھے جاتے ہیں ــــ ایک نبی کے معجزات ــــ کمالات نبوت ــــ رسالت ــــ اور من جانب اللہ مامور ہونے کی دلیل سمجھے جاتے ہیں ــــ اب ایک ایسا ہی واقعہ بیان ہوتا ہے۔ جو ظاہراً ناسوتی عمل ہے لیکن نتیجہ ملکوتی تصور ہوتا ہے۔ جناب قبلہ سخی صاحب کو حق الیقین کی حد تک اپنے پیر اکمل پر یقین ہو چکا تھا۔ یہ سب کچھ حادثاتی طور پر ظہور ہوتا رہا ــــ حضور قبلہ عالم نے ایسے واقعات کو خود کوئی اہمیت نہ دی ــــ نہ آپ نے اپنی کمالیت کی دلیل میں ایسے واقعات کا ذکر کرنا ضروری سمجھا ــــ یہ صرف ہمارے چشم دید واقعات ہیں۔ جن کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب خود اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جو ہو بہو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ــــ کہ ایک دن گھر (میرپور) سے خط آیا۔ کہ والد صاحب شدید بیمار ہیں ــــ آپ کے والد اگرچہ ظاہراً عیسائی مشنری سے قطع تعلق کر چکے تھے اور اپنے آبائی گاؤں میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ اور ان کے خاندان کے تمام افراد دولتِ ایمان سے سرفراز ہو چکے تھے۔ لیکن ان کے دل میں اپنے والد کے متعلق خدشہ باقی تھا۔ کہ انہوں نے

پیر صاحب کی بیعت نہیں کی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ان پر عیسائیت کا اثر باقی ہے۔ خط ملنے پر انہیں فکر لاحق ہوا۔ کہ واللہ اعلم والد کے ایمان کی کیا کیفیت ہے ــــ اسی خیال سے اپنی بیٹی زینت کو بلا کر کہا بیٹی تمہارے دادا کی بیماری کا خط آیا ہے۔ انہیں پیش کرو۔ دیکھو ان کا کیا حال ہے۔ زینت نے مراقبہ کیا ــــ کہنے لگی ــــ پاپا گھر میں چارپائی پر لیٹے ہیں۔ (ساتھ ہی گھر کا پورا نقشہ بیان کیا) کہتی ہے۔ ان کے پاس نوشابہ ــــ چچا بشیر وغیرہ بیٹھے ہیں۔ پاپا ("پاپا" دادا خان صاحب مرحوم کو کہتی ہے) سے کہتے ہیں۔ کلمہ پڑھو ــــ مگر وہ کلمہ نہیں پڑھتے ــــ قبلہ سخی صاحب نے پوچھا ــــ کہ وہاں اور کون موجود ہے۔ زینت نے کہا۔ کہ ایک اجنبی شخص پاپا کے قریب کھڑا ہے۔ اس کی شکل ڈراؤنی نظر آتی ہے۔ وہ پاپا سے کہتا ہے۔ کلمہ نہ پڑھنا یہ سُنکر قبلہ سخی صاحب بے حد پریشان ہو گئے ــــ زینت سے کہا۔ پیر صاحب کا تصور کرو ــــ تصور کے ساتھ ہی پیر صاحب موجود ہوئے ــــ پیر صاحب نے اس اجنبی کو دیکھ کر تھپڑ مارا ــــ اور وہ چیختا ہوا بھاگ گیا۔ پیر صاحب نے پاپا پر توجہ ڈالی تو پاپا نے کلمہ پڑھنا شروع کیا ــــ اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ سب لوگ رونے لگے۔ قبلہ سخی صاحب نے زینت کو مراقبہ سے ہٹا لیا ــــ اور اللہ کا شکر کیا۔ کہ ان کے والد ایمان کے ساتھ اِس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ بعد میں قبلہ سخی صاحب نے گھر تعزیتی خط لکھا اور والد کی وفات کے متعلق واقعات پُوچھے۔ تو زینت کے مراقبہ میں مشاہدہ کی گئی کیفیت حرف بحرف دُرست ثابت ہوئی (سوائے اس کے کہ انہیں شیطان کا والد صاحب پر توجہ ڈالنے کا علم نہ تھا۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ــــ شیطان۔ عمر ابن الخطابؓ سے بھاگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا۔ کہ تُو میرے بندوں میں سے۔ جنہیں مَیں پسند کروں بہکا نہ سکے گا۔ بلاشبہ۔ اللہ کے محبوب بندے۔ علمائے اُمت میں شامل ہیں ــــ علمائے اُمت ہر باطل شیطان قوت پر غالب ہوتے ہیں ــــ انہیں یہ قوت حاصل ہے۔ کہ انسان کو بھی ــــ شیطان کے غلبہ سے محفوظ کر سکیں ــــ یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے تمام انبیاء کو مخلوقِ انسانی کی ہدایت اور آخرت کے عذاب سے نجات کا سبب بنا کر بھیجا ــــ کہ مخلوقِ انسانی کی مدد کریں ــــ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ افضل الانبیاء کی حیثیت میں مخلوق انسانی کی نجاتِ آخرت کے لیے مبعوث ہوئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں علماء اُمت ــــ اولیائے کاملین بھی مخلوقِ انسانی کی نجاتِ آخرت کے لیے مامور ہوئے ــــ سو ــــ مرضی الٰہی کے تابع۔ ہر انسان کے لیے نجاتِ آخرت میں مددگار ہوں ــــ یہ ایک حقیقی عمل ہے۔ جس میں کسی قسم کا مبالغہ تصور نہیں کیا جا سکتا ــــ قبلہ سخی صاحب کے والد کا واقعہ ایک حقیقت ہے۔ کہ ولی اکمل۔ صاحب فنا و بقا ــــ محبوبِ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں یہ خصوصیت شامل ہے۔ کہ وہ کسی مرید کے پکارنے پر ــــ اپنی "باطنی خصوصیات" کے ساتھ اپنی رُوحانی قوت سے اس کی نجاتِ اخروی میں اس کی مدد کرے ــــ اِس حقیقت کو سمجھنے اور یقین کرنے کے لیے قرآنی آیات کی روشنی میں ــــ ایک ولی کی خصوصیاتِ ولایت کو سمجھنا ــــ ضروری ہے ــــ کہ ولی اکمل کی حیثیتِ باطنی میں کیا خصوصیات پنہاں ہوتی ہیں۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں ــــ

پیر باشد مثلِ پیرِ من عیاں
نے چو پیرِ عرض کیسہ درنہاں
ایں سُخن پایاں نہ دارد اے امین
حصّہ کو دارد کہ ہست حق الیقین
حاصل ایں آید کہ اے محصل کمال
تا بیابی حکمت از صنعے جلال
کہ روی در پیش کامل راہنما
پر کنی کاسہ زِ خمِ اُو چون گدا

اِن انعامات کی روشنی میں۔ یہ سمجھنا آسان ہے۔ کہ قبلہ سخی ولایت خان صاحب کے نزدیک حضور قبلہ عالم کی ذات ایک محبوب کی تھی۔ جن کے قدموں میں آپ اپنی جان و مال اولاد قربان کرنے پر ہر لمحہ مستعد رہتے تھے۔ آپ کو اپنے پیر سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا۔

اور خود قبلہ سخی صاحب کا حضور کے نزدیک کیا مقام تھا۔؟ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں ـــ کہ تم سب میرے مرید ہو ـــ اور سخی میرا دوست ہے۔ یہ مقام وہی جان سکتا ہے۔ جو دوستی کے آداب سے واقف ہو ـــ جو قرآنی آیات کی تفسیر کا حامل ہو ـــ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ ـــ کی تفسیر جانتا ہو ـــ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو "صاحب" (یعنی دوست) کے خطاب سے پکارا ـــ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعین کو "صحابی" کہہ کر پکارا۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ

میرے دوست میرا پرتو ہیں ـــ جیسے ستارے سورج کا پرتو۔ ان کی اقتدار کرو ـــ تو تمہیں حقیقت کا راستہ مل جائے گا ـــ تم نجات یافتہ ہو جاؤ گے ـــ

اِنَّ مَثَلَ اَهْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ السَّفِیْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ

میرے اہل ـــ مانند کشتی نوح ہیں۔ جس نے ان کی اقتدار کی اس نے نجات (نجاتِ آخرت) پائی ـــ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ ـــ جس نے ان سے اختلاف کیا وہ قعرِ ذلت میں غرق ہوا ـــ

قرآن نے ایک خاص مقام کی طرف اشارہ کر کے "صاحب" کا خصوصی تصوّر دیا ـــ

اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے "دوست" سے کہا یہ ڈر کا مقام نہیں۔ دو دوستوں کی معیت میں اللہ خود ساتھ ہوتا ہے۔ یہ دوست کی تفسیر ہے ـــ!

ولی اللہ کا دوست ـــ اور ولی کا دوست بھی اللہ کا دوست ـــ قرآن نے ولی کی واضح خصوصیت بیان کی۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ

اللہ دوست رکھتا ہے ایمان والوں کو ـــ نکالتا ہے۔ اندھیرے سے نور کی طرف ـــ نور اِس کے اسرارِ باطنی سے ہے ـــ اس کے دیدار و معرفت سے ہے ـــ "ولی" اور "صاحب" کے معنوں میں ایک ہی "دوست" کا مادہ ہے۔

جناب قبلہ سخی صاحب اپنے پیرِ اکمل کی محبت میں مقامِ فنا و بقائے ذاتِ الٰہی پا چکے

تھے۔ آپ اپنے پیر اکمل کے "صدیق" ـــــ دلیل۔ تھے۔ ولی اکمل۔ آپ کی نسبت سے ہزاروں لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو کر زیارتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے حضور قبلہ عالم سے نسبت کے بعد قبلہ سخی صاحب نے مبلغ کی حیثیت سے سلسلہ اویسیہ کو بہت وسعت دی ـــــ شہر (سری نگر) میں کثرت سے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے ـــــ

میم صاحبہ کا پاکستان جانے سے اِنکار اور سخی صاحب کی وفات

تقسیمِ ہندو پاکستان کے ابتدائی زمانہ میں (غالباً یہ ۱۹۴۸ء اکتوبر کا زمانہ تھا) محمد حنیف کے چھوٹے بھائی محمد شریف قریشی ـــــ بمعہ اپنے چھوٹے بھائی محمد عبدالحفیظ۔ والدہ۔ ہمشیران اور چند چھوٹی بچیوں کے پاکستان جانے کے لیے تیار ہو گئے ـــــ قبلہ سخی ولایت خان صاحب کو پاکستان سے بے حد اُنس تھا ـــــ آپ بھی بمعہ عیال پاکستان جانے کے لیے تیار ہو گئے ـــــ آپ کی دیکھا دیکھی مَیں بھی آپ کے ہمراہ جانے پر تیار ہو گیا ـــــ میرے ساتھ عبدالقادر لون بھی تیار ہو گیا۔ قبلہ سخی صاحب نے میم صاحبہ سے اپنے پاکستان جانے کا ذکر کیا ـــــ کہ آپ بھی پاکستان جانے کے لیے تیار ہوں ـــــ مگر میم صاحبہ نے پاکستان جانے سے انکار کر دیا ـــــ اِسی اثنا میں حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے ـــــ قبلہ سخی صاحب نے حضور سے اپنے پاکستان جانے کا ذکر کیا ـــــ اور کہا کہ میم صاحبہ پاکستان جانے پر رضامند نہیں ـــــ آپ اسے سمجھائیں۔ کہ وہ بھی میرے ساتھ جانے پر آمادہ ہو ـــــ حضور قبلہ عالم گاندربل تشریف لے گئے اور میم صاحبہ کو قبلہ سخی صاحب کے ساتھ پاکستان جانے کے لیے کہا ـــــ میم صاحبہ نے کہا ـــــ میں پاکستان جانے پر تیار ہوں۔ مگر گستاخی معاف ـــــ پہلے میرے سوالات کا جواب دیں ـــــ حضور نے سوالات پوچھے تو عرض کی ـــــ

پہلا یہ کہ پاکستان جا کر ہمیں روزی تلاش کرنی ہو گی۔ اگر اس لیے جانا ہے۔ تو جیسے وہاں خدا رزاق ہے۔ ویسے ہی یہاں بھی وہی رزاق ہے۔ پاکستان میں اس کی رزاقی میں کوئی

اضافہ نہیں۔ جس کے لیے ہم پاکستان جانے کے لیے مجبور ہوں۔
دوسری بات۔ ہم عقیدت کی خاطر پاکستان جانا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں سب سے زیادہ عقیدت کس سے رکھنی واجب ہے؟۔ ہم نے اپنی زندگی کے مقصد کا تعیّن کر رکھا ہے۔ وہ یہ کہ آپ کی صحبت میں رہ کر ـــــ اللہ کی رضا حاصل کریں ـــــ ہم آپ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں ـــــ آپ کشمیر میں رہیں گے۔ اور ہم خدا ڈھونڈنے پاکستان جائیں۔

کایں راہ تو مے روی بہ ترکستان است

پاکستان جا کر ہم ـــــ آپ سے دُور ہو جائیں گے۔ آپ کو کھو بیٹھیں گے ـــــ جب ہمارا دعوٰے آپ سے محبّت کا ہے ـــــ تو بے شک سخی پاکستان جائے۔ مَیں تو وہاں رہوں گی۔ جہاں میرا پیر ہو گا! ـــــ حضور قبلہ عالم، میم صاحبہ کا یہ ـــــ استدلال سُن کر خاموش ہو گئے ـــــ سخی صاحب سکتہ میں آ گئے۔ یہ سکتہ ایسا تھا جیسے کسی نے خواب سے جگا دیا ہو ـــــ اپنے فعل پر نادم ہو گئے۔ کہنے لگے جس بیوی کو مَیں پیر کی محبّت میں حائل سمجھتا تھا۔ وہی میری ناصح ثابت ہوئی۔ اس نے مجھے حق کا راستہ دکھایا ـــــ وہ مجھ سے سبقت لے گئی۔ مَیں پاکستان جانے سے توبہ کرتا ہوں ـــــ اِس کے بعد جناب قبلہ سخی صاحب مجسّم محبّت کا نمونہ بن گئے ـــــ اور پوری زندگی حضور قبلہ عالم کی رفاقت میں رہے۔ ان کے اہل و عیال نے حقِ دوستی ـــــ حقِ وفاداری پُورا کر دکھایا ـــــ حضور قبلہ عالم کے اس دَورِ کرب و ابتلا میں۔ جب زمانہ کے حالات بدترین صورت اختیار کر گئے۔ آپ نے حقِ رفاقت ادا کیا ـــــ جس سے حضور کو کافی ڈھارس ملی۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۶ء میں ماہِ رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا۔ قبلہ سخی صاحب شہر تشریف لائے ـــــ اور فرداً فرداً ہر دوست سے ملے ـــــ فرمایا ـــــ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ ہم آپ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت[لہ] ہوتے ہیں۔ تو وعدہ الٰہی پُورا ہُوا ـــــ آپ نے

لہ جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب کے بھائی بشیر احمد سے جب میں پاکستان آنے کے بعد ملا ـــــ اس وقت آپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس نے کہا لالہ (سخی صاحب) نے مجھے آخری خط میں حالات اور نصیحتیں لکھیں۔ اور خط میں لکھا تھا۔ یہ میرا آخری خط ہے۔ اِس کے بعد مَیں اس دُنیا سے کُوچ کر جاؤں گا۔

اپنے محسن اور جان سے عزیز محبوب کو اس دار المحن میں چھوڑ کر ــــ دار القرار کا سفر اختیار کیا ــــ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے ــــ

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

حصولِ حقیقت میں "حب" کا ایک اہم مقام ہوتا ہے ــــ قرآن و حدیث سے بھی اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے۔ کہ ایمان کی تصدیق بغیر حُب کے نہیں ــــ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ کے فرمان میں حُب کو عمل کا اصل قرار دیا گیا ــــ اور حدیث سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے ــــ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ

کے فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حُب کو ایمان کی اصل قرار دیا گیا ــــ اور "حب" کی تکمیل "معیت" سے کامل ہوتی ہے۔ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا جب کہا آپ نے اپنے دوست سے ــــ ڈرو نہیں۔ ہم دو میں تیسرا ــــ اللہ ہمارے ساتھ (مددگار) ہے ــــ دو دوستوں کی حُب میں "معیت" کا تصور خود قرآن نے پیش کیا ــــ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ اور آپ کے ساتھ دینے والوں میں سے ایک خاص الخاص جماعت زائد عبادت میں آپ سے اشتراک کرتی ہے۔ دونوں صورتوں میں معیت کا تصور پایا جاتا ہے۔ کہ حُب کی صورت میں رسُول کی زندگی میں اس کے خیر و شر میں اس کا ساتھ دینا ــــ یہی عمل ایک قائم مقام ــــ نائبِ رسُول ــــ عالم اُمت کے حصولِ معرفت میں۔ لازم آتا ہے۔ کہ ولی کی حُب کی تصدیق اس کی رفاقت و معیت سے پیش کی جائے۔ یہ عمل کا احسن تصور ہے۔ اسی معیت پر حصولِ معرفت کا مدار ہوتا ہے ــــ درحقیقت یہی عمل ــــ یہی تصور حصولِ حقیقت حصولِ معرفت کی حقیقی رُوح ہوتی ہے ــــ ہاں! حُب اور معیت میں ــــ مقصُودِ نظر راہبر کامل ہوتا ہے۔

پنڈت شری دھر (ڈی۔ایف۔اُو) کی درُود خوانوں میں شمولیّت

حضور قبلہ عالم، قبلہ سخی صاحب مرحوم کے گھر تشریف لاتے ___ قبلہ سخی صاحب کی شخصیت سے جنگلات کے ہندو افسر بھی متاثر تھے۔ تو ہندو افسر حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش کرتے ___ ایک ہندو افسر محکمہ جنگلات کے کنزرویٹر۔ پنڈت شری دھر کو علم ہُوا ___ کہ حضور تشریف لائے ہیں۔ پنڈت صاحب نے قبلہ سخی صاحب سے حضور کی خدمت میں پیش ہونے کی خواہش ظاہر کی ___ آپ اسے حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ وہ شخص بھی حضور کے کلام سے متاثر ہُوا ___ عرض کی پیر صاحب میرے لیے دُعا فرمائیں۔ محکمہ کے بالا افسر مجھ سے عداوت رکھتے ہیں۔ میرے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ کسی وقت وہ میرے خلاف سازش کر کے نقصان نہ پہنچائیں ___ مجھے کوئی وظیفہ بھی دیں۔ جو پڑھا کروں جس سے مَیں محفوظ رہ سکوں۔ حضور قبلہ عالم نے اُسے ایک درُود شریف پڑھنے کو دیا۔

ھَا[1]۔ ھُوَ۔ ھِیَ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

فرمایا۔ یہ وظیفہ ہر وقت پڑھا کریں ___ پنڈت صاحب نے وظیفہ یاد کیا ___ اور پڑھنا شروع کیا ___ اب تو پنڈت صاحب بھی عام مریدوں کی طرح قبلہ سخی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عقیدت کا اظہار کرتے ___ حالانکہ قبلہ سخی صاحب اس وقت پنڈت صاحب کے ماتحت بحیثیت رینجر تھے ___ اللہ کا کرنا ایسا ہُوا ___ کہ فی الواقع مخالفین نے پنڈت صاحب کے خلاف غبن کا مقدمہ بنا لیا۔ مقدمہ عدالت میں گیا۔ مخالفین نے ٹھوس ثبوت فراہم کیے۔ لہٰذا

---

[1] ھا۔ ھُوَ۔ ھی۔ کلمہ شریف کا مخفف ہے۔ لَآ اِلٰہَ سے ھا۔ اِلَّا اللّٰہُ سے ھُوَ۔ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ سے ھی۔ باقی ساتھ درُود شریف۔

پنڈت صاحب کے خلاف فیصلہ ہُوا ــــ اور انہیں ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ پنڈت صاحب پریشان حال قبلہ سخی ولایت خان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہا کہ آخر مخالفین میرے خلاف سازش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں ہمیشہ وظیفہ پڑھتا رہا ــــ پیر صاحب نے بھی دُعا کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا ــــ قبلہ سخی صاحب نے انہیں تسلّی دی کہ فکر نہ کریں یہ وقتی ابتلا ہے۔ آپ بری ہو جائیں گے۔ آپ اپیل کریں ــــ پنڈت صاحب نے اپیل دائر کی ــــ لیکن اپیل کا فیصلہ بھی پنڈت صاحب کے خلاف ہُوا ــــ پنڈت صاحب مایوس ہو کر قبلہ سخی صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ آپ بھی متفکر ہو گئے۔ اسی اثنا میں حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے ــــ قبلہ سخی صاحب نے پنڈت صاحب کو حضور کے پیش کر دیا اور سارا واقعہ سنایا ــــ حضور نے فرمایا ــــ پنڈت صاحب۔ اب کوئی اور جگہ ہے۔ جہاں آپ اپیل کریں۔ پنڈت صاحب نے عرض کی کہ اب اور کوئی جگہ نہیں یہ فیصلہ آخری تھا۔ حضور نے فرمایا آپ براہِ راست مہاراجہ کو درخواست دیں۔ فیصلہ آپ کے حق میں ہو گا۔ پنڈت صاحب نے با دلِ نخواستہ مہاراجہ کو درخواست دی۔ قبلہ سخی صاحب پنڈت صاحب کی مایوسی سے متاثر تھے ــــ اور باطنی طور پر خود بھی اس امر میں کوشاں تھے۔ کہ پنڈت صاحب کو بری ہونا چاہیئے۔ انہیں یقین تھا۔ کہ پنڈت صاحب کا وظیفہ پڑھنا بے سُود ثابت نہ ہو گا ــــ ایک دن حضور قبلہ عالم کے مرید راجہ علی اکبر صاحب۔ جو محکمہ جنگلات میں فارسٹر تھے۔ قبلہ سخی صاحب سے ملاقات کے لیے آئے ــــ دورانِ گفتگو پنڈت شری دھر کی برطرفی کا ذکر آیا۔ قبلہ سخی صاحب نے راجہ علی اکبر سے اس بارے میں مراقبہ میں حالات مشاہدہ کرنے کو کہا۔ راجہ صاحب نے مراقبہ کیا۔ اجلاس میں پیش ہوئے تو اجلاس میں اِس معاملہ کے متعلق فیصلہ سنایا گیا ــــ کہ پنڈت صاحب درُود پڑھتے ہیں۔ اِس لیے انہیں بحال کیا جاتا ہے۔ یہ خبر راجہ صاحب نے قبلہ سخی صاحب کو سنائی۔ انہیں اطمینان ہو گیا ــــ چنانچہ جب پنڈت صاحب کی اپیل مہاراجہ کے پاس پہنچی۔ تو انہیں معلوم ہُوا کہ محکمہ نے پنڈت صاحب کے خلاف غبن کا مقدمہ بنایا ہے۔ اور انہیں برطرف کیا گیا ہے۔ درخواست پڑھ کر مہاراجہ بہت غصّہ ہوئے۔ کہ ایسے شریف دیانتدار افسر پر الزام بے بنیاد

ہے۔ یہ محض سازش ہے۔ انہوں نے غصّہ میں آکر مثل پھاڑ دی ـــــ اور پنڈت صاحب کو باعزّت طور بحال کر دیا۔ اور محکمہ کو تنبیہہ کی کہ آئندہ پنڈت صاحب کے خلاف کوئی ایسا مقدمہ بنایا گیا۔ تو ہم محکمہ کے افسران کو برطرف کر دیں گے۔ بظاہر پنڈت صاحب ہندو تھے۔ مگر اِس واقعہ سے وہ بے حد متاثر ہوئے۔ اِن کی عقیدت میں اور اضافہ ہُوا ـــــ یہ بات واضح ہے۔ کہ ایک شخص نہ دینِ اسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ طریقت سے اسے لگاؤ ہے۔ محض عقیدتاً دُرود شریف پڑھنا ـــــ اور حضور قبلہ عالم کی صُحبت سے فیض پانا ۔بیکار ثابت نہ ہُوا ـــــ یہ تو قرآنی فیصلہ ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ

جو ایک مثقال بھر عمل نیک کرے۔ اسے وہ نتیجہ مل جائے گا۔ یہ ایک الٰہی اصُول ہے ـــــ ایک ہندو پیر اکمل کے فیض و نصرت سے محروم نہ رہا ـــــ اسے بھی بارگاہِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم سے فیض عطا ہُوا۔ یہ مقام رحمۃ للعلمینی ہے۔ اور پیر اکمل کی محبوبیت کا مقام۔ ان کی سفارش غیر مُسلم کے حق میں بھی قبول ہوتی ہے۔ ہاں!

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔

یعنی آں تا وقتیکہ جوشد از کرم
میشوند ایں جملہ در دے منعدم
آں کے از سیر گیرد ایں مقام
غالب فہمد رحمتِ حق بر عوام
پس بداند او کہ از رحمت رحیم
کس نمی سوزد زِعصیاں در جہیم

ایک ولی مقام معرفت میں ذاتِ الٰہی کی صفات[۱] کا جب مشاہدہ کرتا ہے۔ تو اس پر یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ اگر اللہ کا "بندہ" ـــــ اس میں مُسلم۔ غیر مُسلم کی تخصیص

---

[۱] حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم۔

نہیں ۔ صرف "بندہ" اپنے معبود کو تسلیم کرتے ہوئے کسی بھی حالت میں۔ اس سے عفو طلب کرے۔ تو اللہ اسے عفو کر دیتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا۔ کسی حالت میں بھی ضائع نہیں ہو سکتا ــــ اور جب ایک پیر اکمل کی محبوبیت اس عمل میں شامل ہو ــــ تو جانو! درود شریف پڑھنا۔ اور اس کا فیصلہ اللہ کے نزدیک "محفوظ" ہے کہ آخرت میں۔ نامۂ اعمال میں لکھا ہُوا۔ یہ عمل۔ بندے کی مغفرت کا یقیناً سبب بن سکتا ہے ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ایک بندہ تمام عمر عبادت کرتا ہو ــــ آخر وقت اس سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو ــــ تو اس کی تمام عمر کی عبادت ضائع ہو سکتی ہے ــــ اور ایک بندہ تمام عمر گناہ کرتا ہو۔ آخر وقت اس سے کوئی ایسی نیکی سرزد ہو۔ تو اس کے عمر بھر کے گناہ محو ہو سکتے ہیں۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ

نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں ــــ انسان کے ظاہری عمل پر ــــ جنّت دوزخ کا مدار نہیں ــــ نہ معلوم اس میں کوئی ایسی نیکی پائی جاتی ہو۔ جس سے صرف اللہ باخبر ہو۔ اس نیکی کے بدلے میں وہ بخش دیا جاتا ہے۔ انسان ــــ انسان کے باطن سے باخبر نہیں ہو سکتا۔ شاید باطن میں اس کے عمل میں کوئی نیکی پائی جائے۔ جو اس کی بخشش کا سبب بن جائے ــــ اور پھر ایک شخص کو ایک ولی اکمل کی صحبت میں ایک حرف بھی میسّر آئے۔ جو اس کے قلب کو متاثر کرے۔ بہتر نتیجہ سے خالی نہیں ہو سکتا ــــ

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ اتری کا قبلہ پیر صاحب سے مجادلہ

ایک دن حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے ــــ آپ کے ہمراہ خواجہ عبدالکریم صاحب بھی تھے۔ خواجہ صاحب نے عینک خریدنی تھی ــــ حضور قبلہ عالم۔ خواجہ صاحب اور چند مرید ــــ بازار میں ڈاکٹر اتری کی دکان سے عینک لینے کے لیے گئے۔ ڈاکٹر اتری کٹر مہاسبھائی ہندو تھا۔ اپنے علم میں ماہر تھا ــــ حضور قبلہ عالم نے ڈاکٹر اتری سے کہا ــــ ڈاکٹر صاحب خواجہ صاحب کے لیے ایک عینک دیں۔ ان کی بصارت کمزور ہے۔ یہ بات ڈاکٹر اتری کو بُری لگی کہنے لگا۔ آپ کیا جانیں ــــ آنکھ میں کیا تکلیف ہے۔ ایسے ہی کہہ دیا۔ "بصارت کمزور ہے"۔

بصارت کا لفظ عربی تھا۔ تو اسے عربی لفظ سے چڑ تھی۔ کہا۔ تم نہیں جانتے کہ کس طرح دیکھا جاتا ہے ـــــ یہ بصارت وصارت غلط بات ہے۔ ہم اس کا معائنہ کریں گے۔ پھر عینک دیں گے۔ حضور کے مریدوں کو ڈاکٹر کی یہ گستاخی ناگوار گزری ـ ڈاکٹر سے الجھنے والے ہی تھے کہ حضور نے آنکھ کے اشارے سے منع فرمایا۔ پوچھا۔ ڈاکٹر صاحب بصارت کچھ نہیں۔ تو پھر انسان کیسے دیکھتا ہے؟ ـــــ ڈاکٹر نے کہا انسان دماغ سے دیکھتا ہے۔ حضور نے فرمایا ٹھیک ہے۔ پھر دماغ کی عینک بنا دیں۔ ڈاکٹر کو یہ بات بھی بُری لگی۔ درشت لہجہ میں بولا۔ عینک لینی ہے۔ یا بحث کرنی ہے جب تم جانتے نہیں۔ پھر بولتے کیوں ہو! یہ حرکت بھی آپ کے مریدوں کے لیے باعث رنج تھی۔ مگر حضور کے منع کرنے پر سب خاموش ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے خواجہ صاحب کا ٹسٹ کیا ـــــ اور نمبر بتایا ـــــ کہا کل عینک بنا کر دوں گا۔ کل آنا ـــــ حضور قبلہ عالم کو مذاق کی سوجھی۔ پوچھا دماغ کی عینک دیں گے یا آنکھ کی۔ ہم تو سب کو آنکھ پر ہی عینک لگائے دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر سمجھدار تھا۔ اِس سوال پر کچھ سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا۔ دراصل دیکھنے کا نظام دماغ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ دقیق مسئلہ ہے۔ تم اسے سمجھ نہیں سکتے ـــــ حضور نے فرمایا ـــــ اگر آنکھ سے نہ دیکھا جائے۔ تو کیا دماغ بغیر آنکھ کے دیکھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ـــــ ایسا نہیں ـــــ آنکھ سے ہی عکس حاصل ہوتا ہے۔ حضور نے فرمایا ـــــ دماغ آنکھ کا محتاج ہے۔ اِس لیے آنکھ کا دیکھنا اصلی ہے۔ البتہ جس بات پر آپ جھگڑ رہے ہیں وہ غلط فہمی کے باعث ہے۔ جس عمل سے آنکھ دماغ کو عکس فراہم کرتی ہے۔ ہم اِسی عمل کو بصارت کہتے ہیں۔ آپ آنکھ کی بصارت کے لیے عینک دیں گے ـــــ ڈاکٹر کو خیال آیا ـــــ مریدوں سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں۔ مریدوں نے کہا یہ پیر صاحب ہیں۔ اس وقت ڈاکٹر کو اپنے رویئے کا احساس ہُوا۔ کہنے لگا۔ خیر جو کچھ بھی ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ آپ پیر صاحب ہیں۔ مَیں معذرت چاہتا ہوں کہ مَیں آپ سے اُلجھا۔ خیر کل تشریف لائیں۔ عینک تیار ہو گی۔ حضور اُٹھے تو ڈاکٹر صاحب بھی کُرسی سے اُٹھ کر باہر تک ساتھ آیا ـــــ اور سلام کیا ـــــ یہ ایک رسمی واقعہ تھا۔ مگر خالی از مصلحت نہیں۔

نورالدّین کی کہانی خود اُن کی زبانی

غالباً یہ ۱۹۳۹ء کا زمانہ تھا ـــــ قبلہ سخی ولایت خان صاحب کی بیعت کے بعد سری نگر کے شہر کے بہت سے لوگ حضور قبلہ عالم سے بیعت ہو کر سلسلہ اویسیہ میں داخل ہوتے۔ اِن میں محمّد حنیف قریشی بھی حضور سے بیعت ہوئے۔ آپ بھی محکمہ جنگلات میں رینجر تھے۔ قبلہ سخی صاحب سے پہلے ہی راہ و رسم تھی۔ اس کے توسّل سے بیعت ہو گئے۔ اِن دنوں آپ گاندربل سے سات میل دُور وائل گاؤں میں ڈیوٹی دے رہے تھے۔ محمّد حنیف صاحب میرے ہم جماعت تھے۔ ایک دن گھر آئے۔ تو میری ان سے ملاقات ہو گئی۔ باتوں میں حضور قبلہ عالم کا ذکر ہُوا ـــــ کہنے لگے ـــــ گاندربل میں ایک مولوی صاحب تشریف لائے ہیں وہ سخی ولایت خان صاحب کے پیر ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کراتے ہیں۔ مَیں نے پوچھا ـــــ وہ مجذوب فقیر ہیں۔ یا باتیں بھی کرتے ہیں۔ کہنے لگے۔ نہیں وہ عالم ہیں۔ ہوش مند ہیں۔ اِس سے قبل مَیں بچپن ہی سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی تڑپ رکھتا تھا۔ اِسی تڑپ میں۔ مَیں اکثر خوابوں میں ـــــ سمندری جہاز پر حج کے لیے جاتا ـــــ کبھی مدینہ شریف کے کسی مدرسہ میں داخل ہوتے دیکھتا۔ کبھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پہاڑی پر وعظ کرتے دیکھتا۔ ایسے موقع پر مجھ پر دیوانگی طاری رہتی۔ اور مَیں فراقِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میں زار و زار روتا رہتا ـــــ جب بلوغت کی حد کو پہنچا اسی زمانہ میں میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد مَیں پابندیوں سے آزاد ہو گیا۔ مَیں فقراء کی تلاش میں گھومتا رہا۔ اِس زمانہ میں کشمیر میں مجذوب فقراء کا دَور تھا۔ شہروں۔ دیہاتوں۔ پہاڑوں میں فقراء عزلت نشین تھے۔ مَیں ہر فقیر کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ بظاہر فقراء مجھ سے ہمدردی کرتے مگر ان سے فیض حاصل نہ ہوتا ـــــ تقریباً دس سال اِسی بادہ پیمائی میں گزرے۔ مجذوب فقراء سے مجھے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ آخر اچانک محمّد حنیف صاحب نے یہ نوید سنائی۔ میرے دل میں حضور قبلہ عالم سے ملاقات کی شدید تڑپ پیدا ہوئی۔ مَیں نے محمّد حنیف صاحب سے کہا کہ مجھے بھی ان مولوی صاحب سے ملا دو۔ کہنے لگے کل ہم واپس ڈیوٹی پر جا رہے ہیں۔ تم وائل

گاؤں میرے پاس آئے میں ان سے ملادوں گا۔ رات میں نے بے چینی سے گزاری۔ دوسرے دن میں صبح ہی ـــ وائل کی طرف روانہ ہوگیا۔ محمد حنیف صاحب سے ملا۔ تو انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب کل ہی واپس گھر تشریف لے گئے۔ میرے لیے یہ ایسی اطلاع تھی۔ کہ جیسے میرا جسم شل ہوگیا۔ دل پر شدید غم طاری ہوگیا ـــ میں نے محمد حنیف صاحب سے پُوچھا۔ کہ مولوی صاحب کہاں رہتے ہیں؟ کہنے لگے وہ لولاب میں رہتے ہیں۔ میں نے اِسی وقت فیصلہ کیا۔ کہ میں اِسی حال میں اُن کے گھر جاؤں گا۔ میرا ارادہ جنگل کی راہ سے جانے کا تھا۔ محمد حنیف صاحب کہنے لگے جلدی مت کرو۔ یہ راستہ کٹھن ہے انتظار کرو ـــ وہ پھر کبھی آئیں گے تو ملاقات ہو جائے گی۔ مگر مجھ پر اضطراب طاری تھا۔ میں نے کہا۔ میں ہر صورت ان کی خدمت میں پہنچنا چاہتا ہوں۔ جب تک میں ان کی خدمت میں نہ پہنچوں گا۔ مجھے چین نہیں ہوگا۔ انہوں نے بمشکل مجھے جانے سے روکا۔ کہنے لگے۔ کل تم سوپور کے راستہ سے جاؤ۔ میں ان کے گھر کا صحیح پتہ کر لوں گا۔ رات میرے پاس رہو۔ اِس امید پر کہ کل مجھے پتہ دیں گے۔ میں رات محمد حنیف صاحب کے ہاں ٹھہر گیا۔ صبح محمد حنیف صاحب کہنے لگے کہ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ میں نے راجہ سخی ولایت خان کے گھر جا کر اپنا ایک پارسل لانا ہے۔ وہاں سے واپسی تک میرا انتظار کرو۔ میں ان سے پیر صاحب کے صحیح ٹھکانے کا پتہ لے کر آؤں گا۔ محمد حنیف صاحب گاندربل گئے۔ دوپہر کے قریب واپس آئے تو کہنے لگے۔ لو تمہارا کام یہیں پر ہوگیا ـــ میں نے سخی صاحب سے تمہارا ذکر کیا انہوں نے کہا۔ اسے میرے پاس بھیج دو ـــ تم اب سخی صاحب کے پاس جاؤ ـــ وہ تمہاری راہنمائی کریں گے۔ میں جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ـــ مقصد پوچھا۔ میں نے کہا میں مولوی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا پتہ دیں ـــ انہوں نے کہا۔ کہ اگر ان سے بیعت کرنا چاہتے ہو۔ تو میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ مولوی صاحب نے مجھے درُود شریف دینے کی اجازت دی ہے۔ بہتر ہے کہ تم درُود شریف مجھ سے لے لو۔ پھر جب وہ تشریف لائیں۔ تو بیعت کر لینا۔ جناب قبلہ سخی صاحب کی نصیحت سے مجھے گونہ تسلّی ہوگئی۔ انہوں نے دو طرح کا درُود شریف بتایا ـــ ایک درُود خضری ـــ پانچ ہزار ـــ اور دوسرا

دُرودِ حضوری گیارہ سو ۔۔۔ مَیں نے پانچ ہزار درود شریف پڑھنے کی اجازت لی۔ آپ نے دُرود شریف "خضری"

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمْ

پڑھنے کی اجازت دی۔ دُرود شریف لے کر مَیں بے حد مسرور ہُوا۔ گویا مجھے کائنات کے خزانے مل گئے۔ بلاشبہ آج مجھے میری خوابوں کی تعبیر مل گئی۔ میری تمناؤں ۔۔۔ آرزوؤں کے بارآور ہونے کی اُمید مل گئی ۔۔۔ قبلہ سخی صاحب سے رخصت ہو کر مَیں شاداں و فرحاں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر گاندربل سے تیرہ میل کے فاصلے پر تھا۔ ارادہ کیا۔ کہ یہ راستہ پیدل طے کروں گا ۔۔۔ راستہ میں درود شریف یاد کرتا جاؤں گا۔ اور آج رات سے ہی پڑھنا شروع کروں گا۔ اِس خیال سے مَیں گھر کی طرف پیدل روانہ ہُوا ۔۔۔ اور چلتے چلتے درود شریف یاد کرتا گیا ۔۔۔ تقریباً دو میل طے کیے ہوں گے۔ درود شریف زبانی یاد ہو گیا ۔۔۔ لیکن چلتے چلتے تھکان محسوس ہونے لگی۔ دل میں خیال آیا ۔۔۔ چلو آج پہلی آزمائش کرتے ہیں۔ عصر کا وقت قریب تھا۔ خیال کیا کہ کوئی تانگہ ملے۔ جو مجھے گھر تک لے جائے۔ تھوڑی دُور چلا تھا۔ کہ سامنے سے ایک تانگہ آتا دکھائی دیا۔ گاندربل سے شہر تک تانگہ ہی چلتا تھا۔ جو سواریاں شہر چھوڑ کر شام واپس گاندربل آجاتا۔ تانگہ شہر سواریاں چھوڑ کر واپس گاندربل جا رہا تھا۔ میرے قریب پہنچ کر تانگہ رُک گیا۔ تانگہ بان نے پُوچھا کہاں جا رہے ہو۔ مَیں نے کہا شہر جا رہا ہوں۔ اس نے بغیر بات کیے واپس شہر کے رُخ تانگہ موڑ لیا۔ مجھے کہنے لگا۔ بیٹھو میں شہر چھوڑ آتا ہوں۔ مَیں تانگہ پر بغیر کرایہ طے کیے سوار ہو گیا۔ اور اس نے مجھے شہر پہنچا دیا ۔۔۔ مَیں نے کرایہ دینا چاہا۔ مگر اس نے کرایہ لینے سے انکار کیا۔ کہنے لگا مَیں تو اپنی خوشی سے آیا ہوں۔ میرا یہاں آنے کا وقت نہیں تھا۔ بس رخصت چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ واپس گاندربل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اِس واقعہ سے میرے یقین کو قدرتی طور تقویت ملی ۔۔۔ اور مَیں پُراُمید ہو گیا ۔۔۔ گھر پہنچا تو رات سے ہی دُرود شریف پڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی وقت ایک دوست نے سینما جانے کی دعوت دی۔ مَیں نے سوچا۔ چلو سینما چلتے ہیں ۔۔۔ واپس آکر ایک گھنٹہ میں پانچ ہزار پورا کر لوں گا ۔۔۔ سینما سے واپس آئے تو تقریباً گیارہ بج چکے تھے۔ جلدی سے

وضو کیا۔ عشاء پڑھی اور مراقبہ شروع کیا۔ ایک سو درود شریف پڑھنے میں کافی وقت لگا۔ دو تین سو درُود پڑھا تو نیند نے غلبہ شروع کیا۔ دیکھا تو ایک ہزار درُود شریف ایک گھنٹہ میں پُورا ہُوا۔ اُدھر نیند بھی غالب ہونے لگی۔ کبھی سر پر پانی ڈالتا ہوں۔ کبھی چائے کی پتی چباتا ہوں۔ اِسی جدوجہد میں درُود شریف پانچ ہزار پورا کیا۔ اور ساتھ ہی صُبح کی اذان ہو گئی۔ جسم میں شدید تھکان محسوس ہُوئی۔ دِل میں گھبرایا کہ درود شریف پورا کرنا کافی وقت لیتا ہے۔ صبح ہوتے ہی مہاراجہ کے محل سے کام پر آنے کے لیے آدمی آیا۔ کہ کام پر چلو۔ مَیں نے کام پر جانے سے انکار کر دیا۔ لیکن جانا بھی مجبوری تھا۔ اب صورت یہ ہُوئی کہ کام سے واپس آکر کھانا کھایا ـــــ اور عشاء کی نماز مسجد میں پڑھی اور ساتھ ہی درود شریف شروع کیا۔ دو بجے رات تک مسجد میں مشغول رہا اور یہ سلسلہ اِسی طرح جاری رکھا۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب نے ہدایت فرمائی تھی۔ کہ چالیس روز تک مسلسل پڑھتے رہو۔ چالیس دن پوری محنت سے درُود شریف پڑھا۔ لیکن ذرّہ بھر مشاہدہ نہ ہُوا۔ سخی صاحب سے عرض کی کہ مَیں چالیس روز پورے کر چکا ہوں۔ اب کوئی مزید وظیفہ بتائیں۔ باوجود دس سال فقراء کی صحبت کرنے کے مَیں اصُولِ طریقت سے بے خبر تھا۔ انہوں نے فرمایا۔ چالیس دن کی شرط عارضی تھی۔ یہی درود شریف مستقلاً جاری رکھو۔ مَیں حسب الحکم تعمیل میں مشغول رہا۔ آخر وہ ساعت آئی۔ جس کے لیے مَیں مدّتوں جنگلوں۔ ویرانوں کی خاک چھانتا رہا۔ اس رحیم و کریم نے مجھ پر احسان کیا۔ مجھے وہ خضرِ راہ میسّر کر دیا۔ جس کے بعد کسی خضر کی ضرورت باقی نہ رہی ـــــ وہ محبوب عطا ہُوا۔ جس کے بعد کسی محبُوب کا تصور قلب و ذہن نے قبول نہ کیا۔ وہ وسیع خزانوں کا شہنشاہ ملا ـــــ کہ اگر ابراہیم ادھم رح کو نصیب ہوتا ـــــ تو شہنشاہی چھوڑ کر جنگلوں کی خاک چھاننے کی اسے نوبت نہ آتی ـــــ فداہ امی وابی ـــــ ایک دن دوپہر کے وقت میں مسجد میں مراقبہ میں مشغول تھا ـــــ کہ مسجد میں جناب قبلہ سخی صاحب تلاش کرتے پہنچے۔ مجھے حضور کی تشریف آوری کی نوید سنائی ـــــ گویا سکندر کو آبِ حیواں کا پتہ مل گیا۔ آپ ہوٹل میں ـــــ تشریف فرما تھے ـــــ ایک سادہ سی غیر معروف ہستی ـــــ دیدار ہُوا ـــــ السّلامُ علیکم عرض کی۔ آپ نے شفقت سے مصافحہ کیا۔ قریب بٹھایا۔ حضور میری طرف دیکھتے رہے ـــــ مَیں خاموش

سر جھکائے بیٹھا رہا — آپ کے چہرہ مبارک پر نظر جمانے کی جرأت نہ ہوئی:

وہ رُعبِ حُسن تھا غالب بوقتِ دیدِ جمال
ہم اپنا حال اشاروں میں بھی سنا نہ سکے

قبلہ سخی صاحب نے سفارش فرمائی — نُورالدین کافی دنوں سے آپ کی ملاقات کا خواہشمند ہے۔ درُود شریف پڑھتا ہے۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہے — حضور قبلہ عالم نے پوچھا — کیا چاہتے ہو؟ مَیں نے عرض کی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

فرمایا ایسا ہی ہوگا — مراقبہ — درُود شریف جاری رکھو — میرا تصوّر قائم رکھو — اِس حقیر ذرّہ کو آغوش میں لیا — بیعت فرمائی — تھوڑی دیر ہوٹل میں قیام کے بعد قبلہ سخی صاحب کے ساتھ گاندربل تشریف لے گئے۔ طبیعت میں بے حد سرور و مستی پیدا ہوئی — مَیں خود کو بھُول گیا — میں اس کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مَیں کچھ سوچ بھی نہ سکا مَیں کیا ہوں؟ کہاں ہُوں؟ — یہ ایک ایسی ساعت تھی۔ جو میری لطیف ترین ساعتوں میں ایک ساعت تھی۔ جس کی لذّت میں بیان نہیں کر سکتا — مَیں بہت خوش تھا — خوش نصیب تھا — مجھے ایک ایسا محبوب مِلا — جو میری رُوح کے ذرّہ ذرّہ میں چھا گیا۔ بس جی یہی چاہیے۔ کہ مَیں تصوّرِ محبُوب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو جاؤں — اسی محبُوب کے تصوّر میں۔ دِن رات مراقبہ کرتا رہا۔ ہاں! مَیں نے — زیارتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خواہش کی تھی — فنا فی اللہ کی خواہش کی تھی۔ لیکن ایک سال کا عرصہ گزرا — مجھے اس قسم کا مشاہدہ ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ہُوا — مَیں آدابِ محبّت سے بے خبر تھا — کہ محبّت کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔ مَیں سمجھ نہ سکا محبّت کیسے کی جاتی ہے — ہاں! جب کسی ذات کو محبوب بنایا جائے۔ تو محبّت خود سکھا دیتی ہے — کہ محبُوب کے تصوّر کے سوا کسی دوسری شے کی طلب کو قلب و ذہن سے دُور رکھا جائے۔ مَیں کیفیات نوری کی جستجو کرتا رہا مَیں زیارتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ذہن میں رکھتا رہا — مگر وہ نہ ہو سکی۔ مَیں غلطی پر تھا۔ میری سوچ نے مجھے اصل راہ سے ہٹا دیا۔ بھلا تصوّرِ شیخ کے سوا — معرفت کی راہ مِل سکتی ہے! — اس

نے تو کہا تھا "میرا تصور قائم رکھو" ـــ یہی تو اصل راہ ہے! جس سے معرفت کی راہ ملتی ہے۔!
مَیں نے بغیر تصورِ پیر کے اللہ کو پانے کی کوشش کی۔ مگر یہ جستجو لاحاصل ـــ

مَیں رات دن مراقبہ و درُود شریف میں مشغول رہا ـــ راتوں کو اِسی جدوجہد میں رہا مگر مشاہدہ نہ ہو سکا ـــ مَیں حضور قبلہ سخی صاحب سے بار بار گلہ کرتا رہا۔ کہ جناب! زینت بہن مشاہدہ کرتی ہے۔ راجہ علی اکبر صاحب ان کے بچے۔ بیوی مشاہدہ کرتے ہیں۔ اجلاس دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ نہ رات جاگتے ہیں۔ نہ محنت کرتے ہیں۔ مَیں باوجود راتوں جاگنے کے ذرّہ بھر نُور نہیں دیکھ پاتا ـــ جناب سخی صاحب مجھے دلاسہ دیتے ـــ اور صبر کی تلقین فرماتے ـــ ابتدائی زمانہ تھا ـــ ایسا ملکوتی علم ہم نے پہلے کہیں سنا تھا۔ نہ دیکھا تھا۔ ہمارے لیے یہی کافی ہوتا۔ کہ ایک فقیر بجائے خود صاحبِ کشف ہو ـــ اور ہم اس سے اپنی حاجاتِ دینوی پُوری کرنے کی استدعا کریں۔ کسی مرید کے صاحبِ کشف ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا ـــ لیکن رفتہ رفتہ قبلہ سخی صاحب کی صُحبت اور سلسلہ کے مریدوں کے حالات سامنے آتے رہے۔ تو اس سلسلہ کی حقیقت واضح ہوتی گئی ـــ قبلہ سخی صاحب نے فرمایا۔ کہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش ہو کر۔ خلوت میں بیٹھنے کی استدعا کرو۔ خلوت میں زیارت ہو جائے گی ـــ حضور قبلہ عالم تشریف لاتے ـــ تو آپ کے سامنے تو سوال کرنے کی جرأت نہ ہوتی ـــ نہ ادب ہی اجازت دیتا کہ ہم آپ سے اپنی طرف سے کوئی فرمائش کریں ـــ شاید۔ یہ اِس قلبی حُب کا اثر تھا۔ جو آپ کے لیے ہمارے وجود میں پیدا ہو رہا تھا۔ سوائے اِس کے کہ آپ کی تشریف آوری پر ہم خوشی سے پھُولے نہ سمائیں ـــ آپ کی صُحبت میں رہ کر صرف ہم آپ کا دیدار کرتے رہیں حضور کی تشریف آوری پر۔ چند مختصر ساعتوں کی صُحبت میں۔ اچانک آپ کا تشریف لے جانا ـــ ہمارے لیے آنے والے فراق کا احساس قلب پر ایک عجیب دَرد کی لذّت پیدا کرتا ـــ تو ہم بے چین ہو جاتے۔ کہ پیر صاحب تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہم آپ کی قلیل صُحبت غنیمت جان کر ـــ اپنے تمام کاروبار سے کنارہ کش ہو کر تمام وقت آپ کی صحبت میں گزارتے ـــ لیکن یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ اِس کے ساتھ ہی رفتہ رفتہ یہ کیفیت پیدا ہونے لگی ـــ کہ جب حضور شہر تشریف لائیں تو ہمیں بے حد خوشی ہو۔ مگر نہ خوشی

اب بار ہونے لگی۔ کہ کچھ دیر صحبت میں رہ کر طبیعت مکدر ہو جائے۔ استخواں مضمحل ہونا شروع ہوں۔ جی چاہے۔ کہ اس صحبت کو چھوڑ کر باہر گھومنا شروع کریں۔ زیادہ دیر صحبت میں رہنا بار محسوس ہو ـــــ دل یہی چاہے۔ کہ اب حضور جلد واپس تشریف لے جائیں۔ اور جب آپ تشریف لے جائیں۔ تو پھر وہی فراق کی کسک محسوس ہونے لگے۔ اور پھر حضور کے تشریف لے جانے کے بعد دیر تک ہمارے قلب پر مستی کے آثار رہیں مگر اب طبیعت میں بے چینی اور اضمحلال پیدا ہو ـــــ ایک دن جب حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ تو میں نے آپ سے اپنی یہ کیفیت بیان کی ـــــ فرمانے لگے۔ نورالدین علم سیکھو۔ یہ طریقت سے بے خبری کے سبب ہے ـــــ ہم سمجھتے ہیں ـــــ کہ تم ہم سے محبت رکھتے ہو ـــــ اصل بات یہ ہے۔ کہ ابھی تمہارا مجاہدہ کامل نہیں ـــــ یہ امر "نفسِ امارہ" کی شرارت سے تعبیر ہے۔ نفسِ امارہ کی غذا دُنیا کی لذت ہوتی ہے۔ تمہارا مجاہدہ۔ اور پیر کی صحبت نفسِ امارہ کے لیے۔ سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ نوری توجہ سے اِس کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔ تو یہ نوری زد سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ تمہاری بے چینی اور اضمحلال نفسِ امارہ کی بے چینی ہے۔ عبادت و مراقبہ اور صحبتِ پیر میں۔ رحمت (نور) کا نزول ہوتا ہے۔ جس سے نفسِ امارہ مُردہ ہو جاتا ہے۔ یہی مُردنی کی کیفیت تمہیں بے چینی کی شکل میں محسوس ہوتی ہے۔ نفسِ امارہ کی قوت ہی ـــــ مشاہدہ میں حائل رہتی ہے۔ تمہارا میری طرف متوجہ رہنا۔ میری صحبت کا خواہاں رہنا۔ رُوح کی طلب ہے۔ اِسی اثر کے تابع تم میری قربت کے خواہاں رہتے ہو۔ ہماری قربت میں ہماری نوری توجہ تم پر پڑتی ہے۔ اِس توجہ سے نفسِ امارہ پر ضرب پڑتی ہے۔ تو یہ تلملاتا ہے۔ توجہ سے بھاگنا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں میری صحبت کی زد سے نکال کر ـــــ بازاروں میں لے جانا چاہتا ہے۔ حقیقتاً صحبتِ پیر طریقت کی اصل ہے۔ تصورِ پیر سے یہ عمل کامل ہو جاتا ہے۔ تصورِ پیر صحبتِ پیر سے تعبیر ہے۔ اس سے رُوح قوی اور نفسِ امارہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ اِسی عمل سے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے ـــــ اسی عمل سے ایک طالب کو معرفت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہو ـــــ یہ کیفیت بُری نہیں بلکہ رُوح و جسم کی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ یہ اچھی علامت ہے۔ لیکن مجاہدہ کی کمی ـــــ نورالدین علم سیکھو ـــــ تصور و مراقبہ سے اپنے نفس امارہ کو مغلوب کرو ـــــ کہ اس طرح یہ نُور

کی زد میں رہ کر پاک ہوجاتا ہے۔ اس کا فرار اور شرارتِ نفس ختم ہوجاتا ہے" ـــ گو مجھ میں اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی۔ مگر اس نصیحت کے بعد مشاہدہ کی تڑپ کم ہوتی گئی۔ جوں جوں ہمیں حضور قبلہ عالم کے صحبت و مواعظِ حسنہ سُننے کا موقع ملا ـــ ہم آداب طریقت سے باخبر ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ ہم اصولِ طریقت میں سنجیدہ ہوتے گئے۔ اِس دوران حضور قبلہ عالم کے وُہ روشن باب ہم پر کُھلے۔ جس نے ہمیں آپ کا گرویدہ بنا کر ہر خواہشِ نفس سے بے نیاز کر دیا ـــ ہمیں اصل طریقت کا علم ہونے لگا۔ کہ اصل طریقت کتنی وسیع اور ما فوق العقل ہے۔

اِس دوران مجھے قبلہ سخی صاحب کی مستقل صحبت میسّر رہی۔ کیونکہ آپ میرے صُحبتی پیر تھے۔ آپ کی نصیحتوں سے مَیں نے بہت کچھ سیکھا ـــ مگر جب مَیں دیکھوں کہ لوگ بغیر محنت چند ساعتوں میں صاحبِ مشاہدہ حضوری ہوجاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچّے بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اجلاسِ محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں زیارتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کرتے ہیں۔ تو مجھ میں بھی زیارتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تڑپ جاگ اُٹھتی کیونکہ یہ تڑپ بچپن ہی سے میرے اندر موجود تھی ـــ مَیں قبلہ سخی صاحب سے کھلنے کی التجا کرتا ـــ مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس قدر ارزاں فقیری کے باوجود میرا مشاہدہ نہ ہونا ـــ ایک مصلحت کے تابع تھا۔ اس کی چند وجوہ تھیں ـــ اوّل یہ کہ مَیں بھی ان خوش نصیبوں میں تھا۔ جن کو حضور قبلہ عالم کی خاص عنایت و شفقت حاصل تھی ـــ حضور میری کثرتِ درود خوانی ـــ اور محنت سے بہت خوش تھے۔

دُوسرے آپ کی تشریف آوری پر مَیں اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے جب تک حضورؒ ہم میں موجود رہتے میں ہر جگہ آپ کی خدمت میں ساتھ رہتا ـــ حضورؒ میری حُب کو دیکھ کر مجھے ہر مجلس میں ساتھ رکھتے۔ اِس وجہ سے آپ مجھ پر شفقت فرماتے۔ ظاہر ہے اِس شفقت میں توجّہ کارفرما رہتی ـــ تو مجھ پر اکثر نوری توجّہ کا نزول رہتا ـــ لیکن اِس توجّہ کا میرا قلب متحمل نہ ہوتا ـــ تو مجھ پر قبض رہتا ـــ دوسرے پیر کی حُب نے جب مجھے خواہشِ دُنیا سے بے نیاز کر دیا ـــ اِس کا نتیجہ ظاہر تھا کہ میرا رجحان زیادہ تر باطن کی طرف رہنے لگا ـــ لازم تھا۔ کہ مشاہدہ باطن سے ـــ مَیں تارک الدنیا ہوجاتا۔ مگر یہ کیفیت میرے لیے مناسب نہ تھی۔ کیونکہ سلسلہ اویسیہ میں ـ جذب کو جائز قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ اِس سلسلہ کے فقیر کو سالکانہ

حیثیت میں رہنا لازم قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ سلسلہ کے اجراء کو وسعت دی جائے ــــ ان وجوہات کی بنا پہ باوجود محنت کے مجھ پر قبض طاری رہا ــــ لیکن مَیں مشاہدہ کے لیے اکثر سخی صاحب سے استدعا کرتا رہا۔ آپ مجھے خلوت کرنے کا مشورہ دیتے کہ تمہارا قلب انوار کا متحمل نہیں۔ اِس کے لیے خلوت ضروری ہے۔ آپ بھی مجھ سے حد درجہ شفقت روا رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے حضور قبلہ عالم سے مجھے خلوت میں بٹھانے کی استدعا کی ــــ حضور نے مناسب وقت پر مجھے خلوت میں بٹھانے کا وعدہ فرمایا ــــ حضورؒ بعض مریدوں کو ان کی استدعا پر خلوت کی اجازت مرحمت فرماتے تھے۔ گو آپ کسی کو خلوت میں بٹھانا ضروری نہیں سمجھتے تھے ــــ یہ محض کسی مرید کی تسلّی کے لیے ہوتا ــــ ورنہ کسی مرید کو کھلنے کے لیے آپ کی ایک توجّہ کافی ہوتی ــــ اور اکثر مرید بغیر خلوت صاحبِ مشاہدہ ہو جاتے۔ آخر ایک دن قبلہ سخی صاحب گاندربل سے شہر تشریف لائے۔ حضور قبلہ عالم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ فرمانے لگے۔ حضور کچھ عرصہ کے لیے بمعہ محترمہ مائی صاحبہ کے میرے مہمان ہیں۔ گاندربل میں کچھ عرصہ قیام فرمائیں گے۔ یہ موقع غنیمت ہے۔ تم خلوت کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم حضور سے سفارش کریں گے۔ چنانچہ مجھے حضور کے پیش کر کے خلوت کے لیے اجازت چاہی۔ حضور نے منظور فرمائی۔ فرمایا کل تم گاندربل آؤ۔ اور خلوت میں بیٹھو۔ یہ امر میرے لیے انتہائی مسرّت کا تھا۔ اِن دنوں میں مہاراجہ کے پیلس (محل) میں کام کر رہا تھا۔ کام بھی زوروں پر تھا۔ مَیں نے کام چھوڑ دیا ــــ دوسرے دن علی الصبح میں حضور کی خدمت میں گاندربل پہنچا ــــ آپ گاؤں میں ایک ٹھیکیدار کے مکان میں فروکش تھے۔ حضورؒ کی خدمت میں پیش ہُوا تو میری مایوسی کی انتہا نہ رہی۔ حضور فرمانے لگے۔ نورالدّین! آج کل تم محل میں کام میں مصروف ہو۔ یہ موسم کام کا ہے۔ فی الحال تم کام نہ چھوڑو ــ جب فارغ ہو جاؤ گے اس وقت خلوت کرنا ــــ یہ آواز مجھ پر برق بن کر گری ــــ مَیں نے بے ساختگی میں عرض کی ــــ کہ حضور مَیں نہ کام پر جاؤں گا نہ واپس جاؤں گا۔ خلوت نہ ہوئی تو مَیں جنگل کی راہ لوں گا۔ ساتھ ہی قبلہ سخی صاحب سے منت کی کہ حضور کو اجازت دینے پر آمادہ کریں ــــ قبلہ سخی صاحب نے سفارش کی ــــ تو حضور نے فرمایا ــــ اچھا ــــ جاؤ ــــ وہ سامنے مسجد ہے۔ اس میں داخل ہو کر خلوت کرو۔ دیکھو یا کامیاب ہو کر نکلو ــــ یا مر کر نکلو۔ اِس فرمان سے میری جان میں جان آئی۔

مَیں مسجد کی طرف دوڑا — نہر میں غسل کیا۔ اور مسجد میں داخل ہُوا — یہ موسم اگست کی بہار کا تھا۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ مسجد میں داخل ہُوا۔ تو مسجد کو دیکھ کر وحشت طاری ہوئی۔ مسجد ویران تھی۔ نمی کی وجہ سے لاوا اجما ہُوا — حبس اور بُو آ رہی تھی۔ چٹائیاں نمی سے بوسیدہ بودار ہو چکی تھیں۔ مسجد میں اندھیرا تھا۔ باہر نظر ڈالی۔ تو ساون کی پُر فضا بہار دیکھ کر دل دھڑکنے لگا۔ جیسے کسی قید خانے میں محبوس ہُوا — شدید بے چینی و اضطراب طاری ہُوا — آخر فیصلہ کیا کہ اِس ویران جگہ ٹھہرنا مشکل ہے۔ پیر صاحب نے کہا ہی تھا — فی الحال کام کرو — یہی بہانہ رکھ کر بغیر اطلاع دیئے بھاگ جاؤں گا۔ یہ فیصلہ کر کے ظہر کی نماز ادا کی فارغ ہُوا۔ تو پھر باہر کی فضا پر نظر پڑی۔ جی بہت گھبرایا۔ کہ فوراً یہاں سے بھاگ جاؤں۔ پھر خیال آیا کہ بھاگ کر حضور قبلہ عالم کو کیا مُنہ دکھاؤں گا۔ اِسی کشمکش میں نیند نے غلبہ کیا پھر فیصلہ کیا کہ فی الحال سو جاتا ہوں۔ نیند سے فارغ ہو کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ عصر کے قریب جاگا — خیال ہُوا نمازِ عصر پڑھ کر جاؤں گا۔ نہر پر وضو کیا۔ اور عصر کی نماز شروع کی۔ نماز سے فارغ ہُوا سلام پھیرا۔ تو اچانک اضطراب یکسر ختم ہو گیا۔ مسجد میں کچھ سکون محسوس ہُوا۔ مَیں نے موقع غنیمت جانا۔ مراقبہ شروع کر دیا۔ آنکھیں بند کر کے سر پر چادر ڈال دی۔ اور بیرون ماحول سے علیحدہ ہو گیا — رفتہ رفتہ محویت طاری ہو گئی اور مَیں درُود شریف میں مشغول ہو گیا۔ مغرب کے قریب مچھروں کی اتنی بھنبھناہٹ سنائی دی۔ جیسے کوئی مشین چل رہی ہو۔ فکر مند ہُوا کہ مچھروں کے کاٹنے سے رات گزارنا مشکل ہو گا۔ مگر مغرب کی نماز سے فارغ ہُوا۔ تو اچانک بھنبھناہٹ ختم ہو گئی۔ دیکھا تو مسجد میں مچھر بالکل ختم ہو گئے۔ بعد مغرب حضور قبلہ عالم نے اپنے گھر سے کھانا بھیجا۔ حکم تھا — کہ محلہ میں کسی گھر سے روٹی نہ کھاؤں۔ مَیں نے عرض کی تھی۔ کہ حضور مَیں نے کھانے کا اپنا بندوبست کیا ہے۔ پوچھا کیا بندوبست ہے۔ مَیں نے عرض کی کہ مَیں نے گھر اطلاع دے رکھی ہے۔ کہ میرے لیے ڈاک لاری میں روزانہ کھانے کا سامان۔ چائے۔ ڈبل روٹی۔ مکھن اور دوسری اشیاء گوشت سبزی بھیجنا۔ مَیں اپنا نوکر رکھ کر روٹی پکوا لوں گا۔ حضور نے فرمایا۔ یہاں خلوت کے لیے آئے ہو یا سیر و تفریح کے لیے خلوت میں کھانا وغیرہ سے پرہیز ہو گا۔ فاقہ میں رہنا ہو گا۔ لہٰذا یہاں محلہ میں اکثر لوگ بے نماز ہیں۔ ان کے گھر سے کھانا منع ہے۔ ہم خود اپنے

کھانے سے شام ایک وقت کھانا بھیجیں گے۔ تمام دن روزہ سے رہو گے۔ بغرض شام حضور قبلہ عالم نے اپنے برادرِ اصغر۔ محمد اسماعیل صاحب کے ہاتھ کھانا بھیجا۔۔۔ کھانا کھا کر نمازِ عشاء ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر مراقبہ میں مشغول ہُوا۔۔۔ رات گہری ہونے لگی۔۔۔ تو اندھیرے میں ایسا محسوس ہُوا کہ کوئی مسجد میں اِدھر اُدھر دوڑ رہا ہے۔ مَیں خوفزدہ ہُوا۔۔۔ مبادا یہ ویران جگہ ہے۔ کہیں جنّات کا مسکن ہو۔۔۔ اسی خوف میں کچھ وقت گزارا۔ مراقبہ میں یکسوئی نہ رہ سکی۔ اچانک میری پیٹھ سے کوئی چیز ٹکرائی۔ تو مَیں نے محسوس کیا کہ مسجد میں کثرت سے چوہے اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہیں۔۔۔ خوف دل سے نکل گیا۔ مراقبہ میں پھر یکسوئی ہونے لگی۔ مگر اس کے بعد مَیں نے چوہوں کے بھاگنے کی آواز نہ سُنی۔ چوہے بھی مسجد چھوڑ کر بھاگ گئے اور فضا بھی خوشگوار ہو گئی۔۔۔ دوسرے دن صبح چاشت کے وقت حضور قبلہ عالم مسجد میں تشریف لائے۔۔۔ اندر داخل ہوتے ہی فرمانے لگے۔ "ہاں اب مسجد میں نُور بھر گیا ہے۔" مَیں نے السلام علیکم عرض کی۔ کہا کہ حضرت مجھے رات کو اندھیرے میں۔ دیوار کے تنکے تک نظر آنے لگے۔ فرمایا ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ تم نے تو مسجد سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہم دیکھتے تھے۔ تم مسجد میں داخل ہو گئے۔ اِس وقت باہر شیطان بھی آگیا تھا۔ تم پر بھاگنے کے لیے توجہ دے رہا تھا۔ ہم تمہارے اضطراب کو دیکھ رہے تھے۔ اور تم بھاگنے والے تھے۔ ہمیں تمہاری حالت دیکھ کر ترس آگیا۔ ہم نے شیطان کو بھگایا۔ عصر کی نماز کے بعد تم بھاگ جاتے۔ مگر ہم نے توجہ سے تمہیں سکون دلایا۔ مَیں بے حد شرمندہ ہُوا۔ کچھ کہہ نہ سکا۔ فرمایا شاباش تمہارے دل میں حقیقت کی طلب ہے۔ اب محنت کرو اور کامیاب ہو کر نکلو۔۔۔ پھر توجہ دی اور تشریف لے گئے۔۔۔ مَیں پھر مراقبہ میں مشغول ہُوا۔ شروع مراقبہ میں ہی مجھے روضہ شریف کا تصوّر آیا تھا۔ اب جو مراقبہ کیا تو گھپ اندھیرا تھا۔۔۔ بہت زور لگایا۔ مگر اندھیرا غالب تھا۔۔۔ خیر۔۔۔ اسی حالت میں مغرب کا وقت آیا۔۔۔ محمد اسماعیل صاحب کھانا لائے۔ افطار کیا۔ کھانا کھایا اور پھر مراقبہ میں مشغول ہُوا۔۔۔ درمیانِ خلوت کبھی حضور قبلہ عالم تشریف لاتے۔ توجہ دے کر تشریف لے جاتے۔ یہاں تک کہ پُورا ایک ہفتہ اسی حالت میں گزرا۔ مگر عجیب بات یہ کہ اس دوران نُور کا ایک ذرہ بھی دیکھنے میں نہ آیا۔۔۔ مجھ پر مایوسی طاری ہو گئی۔ حضور تشریف لائے تو مَیں نے عرض کی کہ حضور۔

"تہی دستاں قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل"۔ شاید میری قسمت میں زیارت نہیں۔ بہتر ہے میں خلوت ترک کر دوں۔ حضور نے فرمایا۔ اب تم خلوت چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ خلوت ترک کرو گے تو نقصان اُٹھاؤ گے۔ اِس لیے خلوت جاری رکھو۔ آئندہ کھانا نہیں ملے گا۔ صرف ایک پیالی چائے کی روزہ کھولنے کے لیے ملے گی ــــــ دورانِ خلوت حضور نے مجھے اور بھی درود پڑھنے کو بتائے۔ چنانچہ میں نے خلوت جاری رکھی۔ حضور رات آکر مجھے توجہ دیتے۔ اسی حالت میں مزید پانچ دن گزرے اس دوران میں بمشکل حضور قبلہ عالم کا تصور پا سکا ــــــ پانچ دن گزرنے کے بعد رات حضور تشریف لائے۔ اور فرمایا نورالدین۔ اب بہت دن تمہاری خلوت میں گزرے۔ تم سے پہلے ایک آدمی اسی مسجد میں ٹھہرا تھا۔ اور ایک رات میں حضوری ہو گیا۔ تمہارا نفس بہت موٹا ہے۔ اچھا آج رات سونا بالکل نہیں۔ خوب ڈٹ کر مراقبہ کرو۔ دیکھو آج تمہیں کچھ نظر آئے۔ حضور تشریف لے گئے۔ میں مراقبہ میں مشغول ہو گیا۔ آدھی رات کے قریب میری کیفیت صاف ہونے لگی۔ اور اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو گلاس شربت کے تھے۔ مجھے ایک گلاس پینے کا اشارہ ہوا۔ ایک گلاس میں سفید شربت تھا۔ دوسرے میں سُرخ۔ میں نے سُرخ گلاس اُٹھا کر دو گھونٹ پیئے تھے کہ حضور قبلہ عالم نے اشارہ دوسرے گلاس کی طرف کیا۔ میں نے سُرخ گلاس رکھ دیا۔ اور سفید گلاس کا شربت پی لیا۔ پھر مجھے ایک جگہ بیٹھنے کا حکم ہوا ــــ کچھ دیر اسی عالم میں رہا۔ کہ مراقبہ کی کیفیت ہٹ گئی۔ صبح قریب ہو چکی تھی۔ نماز ادا کی اور پھر مراقبہ میں مشغول ہوا۔ دن چڑھنے پر حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ حالانکہ اس سے قبل آپ صبح کے وقت نہیں آئے تھے۔ پوچھا۔ نورالدین۔ بتاؤ کچھ دیکھا۔ میں نے رات کی کیفیت عرض کی۔ فرمایا۔ بوریا بستر اُٹھاؤ۔ گھر جانے کی تیاری کرو۔ مُبارک ہو تمہاری کامیابی پر ــــ میں حضور قبلہ عالم کے ساتھ مسجد سے نکلا ــــ اور حضور کے دولت خانہ پر پہنچا۔ وہاں قبلہ سخی صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ آپ خوش تھے۔ مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ میں بہت خوش تھا۔ قبلہ سخی صاحب نے اجلاس کی کیفیت پوچھی میں نے بیان کی۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ نورالدین نے سُرخ شربت پیا۔ مگر ہم نے اسے باز رکھا۔ ورنہ

یہ مجذوب ہو جاتا تاہم دو گھونٹ کا اثر باقی رہے گا۔ حضور بھی میری محنت پر خوش ہوئے ـــ حضور اپنے مریدوں میں میری تعریف فرماتے کہ سلسلہ میں نورالدین نے خلوت میں سب سے زیادہ محنت کی ہے۔ حضور حسن ٹھیکیدار کے مکان میں فروکش تھے۔ اُسے رات حکم دیا تھا کہ صبح کھانا اچھا پکانا ـــ کل صبح اس مجاور کو خلوت سے فارغ کرنا ہے۔ ٹھیکیدار نے مرغ پکایا تھا۔ مجھے کھانا کھلایا۔ مَیں نے ٹھیکیدار سے پوچھا یہ مُرغ کس لیے پکایا۔ کہنے لگا۔ رات مجھے پیر صاحب نے حکم دیا تھا کہ کل صبح آپ خلوت سے فارغ ہوں گے۔ آپ کے لیے کھانا پکانے کے لیے کہا تھا۔ معلوم ہُوا۔ کہ کل حضور قبلہ عالم کے گھر سے پیغام آیا تھا۔ کہ کسی ضروری امر کی وجہ سے آپ جلد واپس گھر تشریف لائیں۔ کل آپ نے گھر جانا ہے۔ مَیں نے اندازہ کیا۔ کہ قدرت نے یہ سبب کر دیا کہ حضور کو فوری طور گھر جانا پڑا ـــ تو مجھے بھی ایک رات میں فارغ کر دیا۔ ورنہ ممکن تھا۔ کہ اگر مزید قیام ہوتا تو نہ معلوم اور کتنے دن مجھ پر محنت ڈالنا مقصود ہوتا ـــ اللہ و رسُول اور پیر اکمل کی کرم نوازی سے مَیں اپنی مہم میں کامیاب ہو کر واپس گھر لوٹا ـــ

محمّد لطیف قریشی اور اُن کے خاندان کا بیعت ہونا

جناب قبلہ سخی صاحب کے توسّل سے محمّد حنیف صاحب نے حضور قبلہ عالم سے بیعت کی۔ محمّد حنیف صاحب کا دولت خانہ وسط شہر (امیرا کدل) میں تھا۔ آپ نے حضور قبلہ عالم کو گھر آنے کی دعوت دی۔ حضور ان کے گھر تشریف لائے تو گھر کے تمام افراد۔ درود خوان ہوگئے۔ اور سب نے حضور قبلہ عالم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ ان میں حنیف صاحب کے چھوٹے بھائی۔ محمّد لطیف صاحب ایڈووکیٹ ـــ محمّد شریف صاحب۔ ڈاکٹر محمّد عبد الحفیظ صاحب۔ ان کی والدہ۔ ہمشیرہ۔ اور دیگر چھوٹے بچّے تھے۔ جو سب سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں تک کہ گھر کے ملازم بھی درود خوان ہوگئے۔ ان میں غلام قادر لون بھی تھا۔ جسے اسی گھر میں ملازمت کی بدولت ایک لازوال نعمت اور مرتبہ اعلیٰ میسّر ہُوا ـــ محمّد حنیف صاحب کے گھر میں غلام قادر لون کی حیثیت ملازم جیسی نہیں تھی۔ بلکہ اُسے گھر کا ایک فرد جیسا سمجھا جاتا تھا۔

بیعت ہونے کے بعد محمد حنیف صاحب کی والدہ اُسے بیٹوں کی مانند سمجھتی تھیں۔ جیسا حفیظ بیٹا۔ ویسا ہی غلام قادر بیٹا۔ ڈاکٹر حفیظ کے ساتھ تو اُسے بے حد لگاؤ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہتے۔ بعض اوقات غلام قادر۔ ڈاکٹر حفیظ سے جھگڑا کرنے میں بھی کسر نہ چھوڑتا۔ مگر آپس میں غیریت کا قطعی احساس نہ پایا جاتا۔ چنانچہ سلسلہ کی نسبت سے غلام قادر اس گھر کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ سلسلہ یگانگت طویل عرصہ تک قائم رہا۔

محمد حنیف صاحب اور گھر کے اکثر افراد حضوری ہو چکے تھے۔ خصوصاً آپ کی والدہ محترمہ اور محمد شریف صاحب مشاہدہ حضوری تھے۔ محمد عبدالحفیظ صاحب اس زمانہ میں کمسن تھے۔ حضور قبلہ عالم سے بے حد محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ اس عمر میں بھی آپ کو حقیقت سے حد درجہ لگاؤ رہا ــــ کمسنی میں ہی چونکہ گھر میں بنیادی طور عبادات کا شغل رہا ــــ آپ کے والد والدہ دائمی عبادت گزار۔ تہجد گزار تھے۔ گھر کا تمام ماحول مومنانہ تھا۔ ڈاکٹر حفیظ صاحب نماز کے پابند تھے۔ حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری کے بعد۔ درود خوانی کا سارے گھر میں چرچا ہُوا ــــ تو حفیظ صاحب بھی درود پڑھتے بلکہ آپ نے کمسنی میں ہی حضور قبلہ عالم کی بیعت کی ــــ آپ سلیم القلب تھے۔ حق و باطل کی تمیز بچپن ہی میں پائی تھی۔ حق کی حمایت میں شدید تھے۔ حق کا ساتھ دینے میں کسی ذاتی مصلحت کو درمیان میں نہ آنے دیتے۔ آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور پیر سے عقیدت مثالی تھی۔ آپ کلاس (جماعت) میں سبق پڑھنے کے دوران جب سامنے تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) پر سوال دیکھتے۔ تو آپ پر کیفیت طاری ہو جاتی۔ دیکھتے دیکھتے کھُلی آنکھوں سے۔ تختہ سیاہ کی جگہ روضہ مدینہ منورہ دکھائی دینے لگ جاتا۔ جب اس کیفیت کو حضور قبلہ عالم کے آگے بیان کیا تو آپ نے کثرت سے درُود پڑھنے اور مراقبہ کرنے سے روک دیا ــــ حضورؐ نے تعلیم پر زیادہ توجہ دینے کی تلقین فرمائی ــــ اور حکم دیا کہ دن میں صرف گیارہ مرتبہ درُود شریف پڑھا کریں۔ باقی وقت تعلیم میں صرف کریں۔ لیکن قدرت نے جب ایک انسان کو اپنی محبوبیت کے لیے مخصوص کر دیا ــــ اس حال میں کہ ایک عظیم المرتبت ہستی کی محبت اس کے قلب و ذہن پر طاری ہو ــــ تو بسا مشکل ہے۔ کہ اس کا قلب و ذہن حق کے سوا کسی اور شے کی طرف مائل ہو ــــ باوجود کوشش کے بھی آپ

کے قلب سے حق سے لگاؤ کا جذبہ کم نہ ہُوا ــــ آپ نے تعلیم کے ساتھ ـ نماز دُرود شریف پر بھی مداومت رکھی ـ حضور قبلہ عالم عبدالحفیظ صاحب کو تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ہمیشہ تلقین فرماتے ـ حضور قبلہ عالم اس گھر کے درود خوان ہونے کے بعد جب شہر تشریف لاتے ــــ تو محمد حنیف صاحب کے گھر ہی قیام فرماتے ـ اِس طرح اِس گھرانے کو حضور قبلہ عالم کی صحبت و توجہ میسّر رہی ــــ ان ہیں حفیظ صاحب آپ کی تشریف آوری پر زیادہ تر وقت آپ کی قربت میں گزارتے ـ حضور قبلہ عالم ڈاکٹر حفیظ صاحب کی عقیدت دیکھ کر آپ سے بیحد شفقت فرماتے ـ اِس نوازش کا نتیجہ یہ ہُوا ـ کہ یہ گھرانہ حضور کی فیض یابی کا مرکز بن گیا حضور کی تشریف آوری پر شہر کے لوگ ہجوم در ہجوم یہاں آکر حضور سے بیعت ہو جاتے ــــ ڈاکٹر صاحب کی خدمت اور پیر سے عشق نے انہیں پیر کی قربت و توجہ میں خاص مقام دیا ــــ

حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں حرم میں صرف تین اشخاص کو حضرت اقدس محترمہ مائی صاحبہ کے حضور حاضر ہونے کی رسائی نصیب تھی ـ ان میں آپ کے محبوب جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب کو خصوصی درجہ حاصل تھا ـ دوسرے خواجہ عبدالکریم صاحب ـ اور تیسری خوش نصیب شخصیت ڈاکٹر محمد عبدالحفیظ صاحب کی ـ حضرت محترمہ مائی صاحبہ بھی آپ پر بیحد شفقت فرماتی تھیں ـ ڈاکٹر صاحب باوجود اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ـ اور ملک کی اعلیٰ تعلیم یافتہ سوسائٹی (مجلس) سے تعلق رکھنے کے مغربی تعلیم و تہذیب سے قطعاً متاثر نہیں ـ علومِ مغربی سے آگاہ ہونے کے باوجود ــــ آپ کا طرزِ زندگی مشرقی انداز کا حامل ہے مغربی تہذیب میں رہ کر آپ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور پیر اکمل کے اسوہ پر شدّت سے پابند رہتے ہیں ــــ اور عقائد میں کٹّر ملّا دکھائی دیتے ہیں ـ مادی نظریات کو سمجھنے کے باوجود حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کے مطابق عمل کرتے ہیں ـ اور اسلامی عقائد پر پورا ایمان رکھتے ہیں ــــ دنیوی مصروفیات میں بھی نماز وروزہ اور درود و مراقبہ کی شدّت سے پابندی کرتے ہیں ــــ غرض آپ اپنے پیر اکمل کی خصوصیتِ ولایت کی ایک اعلیٰ دلیل ثابت ہیں ـ

محمد حنیف صاحب کے دولت خانہ پر حضور قبلہ عالم کے مسلسل قیام کی وجہ سے شہر میں آپ کی شہرت عام ہونے لگی ــــ کہ ایک بزرگ ہستی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کراتے

ہیں۔ کیونکہ اویسی سلسلہ میں اوّلین دعوئے زیارتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کا تھا۔ لوگ جوق در جوق حضور کی طرف رجوع کرنے لگے۔ بہت سے لوگ زیارتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کی تمنا رکھتے تھے۔ مگر ان کی نظر میں ——یا فقرا٫ کی نظر میں —— زیارتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم۔ بغیر کثرتِ مجاہدہ ہونا ممکن تصوّر نہ ہوتا تھا۔ لوگوں کی دانست میں یہ ایک نئی بات تھی۔ کہ بغیر مجاہدہ چند ساعتوں میں حضوری ہونا —— کیسے ممکن ہے۔ کشمیر میں فقرا٫ تو تھے —— مگر اس سے قبل اِس قدر —— اعلانیہ زیارتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ فقیر کسی گھر میں مریدوں کے ہاں مدعو ہو —— تو لوگوں کا ہجوم ہو جاتا —— دعوتیں پکائی جاتیں۔ لنگر جاری ہوتے۔ قوالیاں شروع ہو جاتیں —— اور لوگ فقیر سے صرف دینوی حاجات کے لیے رجوع کرتے۔ بہت کم لوگ حصولِ معرفت کے لیے فقیر سے رجوع کرتے اس حصُول میں بھی صرف فقیر سے وظیفہ حاصل کرنا —— اور پھر محنت و مجاہدہ کرنا —— ایک طالب کے لیے فقیر سے وظیفہ لینا ہی فقیری کے لیے کافی ہوتا —— کہ وہ ایک فقیر کا مرید وظیفہ پر عامل ہے۔ یا رات کو جاگتا ہے۔ اور اگر اس مریدی میں کسی کو کمال حاصل ہُوا —— وہ اسی حد تک تھا۔ کہ اسے کشف حاصل ہو —— وہ کسی کے دل کی بات کشف سے کہہ دے۔ یا کسی بیمار کو جھاڑ پھونک سے تندرست کر دے۔ ان میں بہت کم فقرا٫ ایسے ہوتے۔ جنہیں عالمِ ناسوت کی ابتدائی چند منازل کا مشاہدہ حاصل ہو —— بلاشبہ یہ کیفیت تعجب خیز تھی۔ کہ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں معمولی قسم کے لوگ حضوری ہونے کا دعویٰ کریں —— یہ امر لوگوں کے لیے شبہ کا باعث تھا۔ کہ حضور کے مریدوں میں۔ اکثر لوگ۔ دُنیا دار۔ افسر وضع قطع میں۔ کوٹ پتلون پہننے والے۔ داڑھی مونچھ منڈائی ہوئی —— نہ فقیرانہ ہیئت نہ مجاہدہ و تزکیہ —— اور پھر خود حضور قبلہ عالم کی ذات سے نہ فقیرانہ وضع۔ نہ دعویٰ نہ نمائش نہ لوگوں کا ہجوم —— نہ قوالی اور نہ دعوتوں کا چرچا۔ ایک سادہ سی غیر معروف ہستی۔ جس کے بشرے سے فقیری کی کوئی علامت محسوس نہ ہو۔ ان حالات میں زیارتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کا یقین کرنا مشکل تھا۔ لیکن جو شخص بھی حضور قبلہ عالم کی مجلس میں حاضر ہوتا —— آپ کی چند ساعت کی صحبت سے متاثر ہو کر بیعت کر لیتا۔

حضور قبلہ عالم کی عادت شریفہ میں۔ یہ ایک اہم بات تھی۔ کہ آپ نے گو اجرائے شریعتؐ طریقت میں اپنی مقدس زندگی کو وقف کر رکھا تھا۔ تاہم آپ نے نہ کبھی فقیری کا چرچا کیا نہ خود لوگوں کو سلسلہ میں دانستہ طور پر داخل کرنے کی کوشش کی۔ لوگ آپ کے مریدوں کے حالات سن کر خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ شہر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز وزرا و امرا بھی آپ کی شہرت سُنکر ملاقات کی خواہش کرتے۔ مگر حضورؒ خود کسی کے گھر جانا پسند نہ فرماتے نہ یہ خواہش رکھتے کہ سلسلہ میں اعلیٰ افسر یا وزرا، و امرا۔ صرف نمائش کے لیے شامل ہوں۔ جیسا کہ اکثر فقرا، اپنی فقیری کی شہرت کے لیے خود ایسے لوگوں کو سلسلہ میں داخل ہونے کے لیے۔ ان کے گھروں تک پہنچتے ہیں۔ تاکہ لوگ متاثر ہوں۔ کہ فلاں فقیر کے مریدوں میں بڑے بڑے افسر بھی شامل ہیں۔ گویا وزرا، و امرا، کی سلسلہ میں شمولیت ہی ایک فقیر کی فقیری کی سند تصوّر کی جاتی ہے۔ کئی بار شہر کے امرا، نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ مگر حضور قبلہ عالمؒ نے ہمیشہ ایسی دعوتوں کو قبول نہ کیا — تاوقتیکہ کوئی شخص خود حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر مطمئن نہ ہو — اور بہ رضا و رغبت سلسلہ میں داخل ہو کر شریعت کی پابندی اختیار کر کے درود شریف پر مداومت کرے۔ اِس حال میں کہ اس پر سلسلہ کی حقیقت واضح ہو۔ یا اسے زیارتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم حاصل ہو۔ حضورؒ کے مریدوں میں اُونچے طبقہ کے امرا، و وزرا بھی شامل تھے۔ لیکن ان کا شامل ہونا صرف رجسٹر میں نام درج کرانا۔ یا بیعت ہونے تک محدود نہ تھا۔ بلکہ حسبِ معمول اپنے نماز۔ تہجدؔ۔ اور درود و مراقبہ کا پابند رہ کر حضوری اجلاس محمدّی صلّی اللہ علیہ وسلّم ہوتا۔ اِس حال میں کہ اس پر فقیرانہ وضع قطع اختیار کرنے کی پابندی نہ ہوتی — بلکہ حسبِ معمول اپنے پسندیدہ لباس اور طریقِ معاشرت اختیار کرنے میں آزاد ہوتا — خواہ وہ داڑھی مونچھ منڈا کر انگریزی وضع میں ہی رہنا پسند کرتا ہو — ایسا طرزِ عمل اس کے حصولِ معرفت میں مانع نہ ہوتا — یہ ایک ایسا طریقِ فقر تھا۔ جو عام فقرا، کے طریقِ طریقت میں ملنا مشکل تھا۔ کہ بغیر تزکیہ مجاہدہ۔ اور فقیرانہ صورت اختیار نہ کرنے کے باوجود لوگ حضوری ہوں — یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم نے لوگوں پر فقیری کا تاثر دینے میں کبھی ظاہری نمائش کو داخل نہ کیا — آپ کا لباس عام آدمیوں جیسا سیدھا سادہ

تھا۔ کاروبارِ زندگی میں۔ آپ نے عام آدمیوں کی طرح سادہ زندگی اختیار کر رکھی تھی جیسے ایک عام دُنیادار آدمی ہو ـــــ ایسی حالت میں آپ کی شخصیت کو پہچاننا مشکل امر تھا۔ آپ نے اپنے مریدوں کے ساتھ تعلق رکھنے میں نہ برتری کا احساس رکھا۔ نہ کسی مرید کو مرید سمجھ کر کمتر حیثیت میں اِس کے ساتھ برتاؤ رکھا ـــــ اکثر دیکھا گیا ـــــ گھر ہو یا بازار۔ آپ اپنے مریدوں سے گھل مل کر رہتے۔ آپ اپنے مریدوں میں کبھی بڑھ کر آگے آگے چلنے میں سبقت نہ کرتے نہ اپنے لیے کوئی خاص برتر مقام شہ نشین یا مسند، تکیہ پر بیٹھنا پسند فرماتے۔ سوائے اِس کے کہ آپ کے محب مرید آپ کو پلنگ پر بیٹھنے کے لیے مجبور کرتے۔ ایسا بھی اخلاقاً محض اپنے محبّوں کی دلجوئی کے لیے قبول فرماتے۔ آپ کی مجلس میں امیر و غریب۔ اعلیٰ و ادنیٰ کی کوئی تمیز نہ ہوتی ـــــ بلکہ آپ کے مریدوں میں بھی۔ یہ تاثر پایا نہ جاتا۔ کہ ان میں کون امیر ہے۔ اور کون غریب۔ نہ ہی کسی مرید کو بذاتِ خود اپنی برتری یا کمتری کا احساس رہتا۔ بلاشبہ آپ کے تابعین کُلُّ مُؤْمِنٌ اِخْوَۃٌ کا کامل نمونہ تھے۔ یہ سب حضور قبلہ عالم کی ذاتی صفتِ کمالیت کا اثر تھا۔ ہاں! یہ قانونِ فطرۃ کے عین مطابق تھا۔ کہ کائنات کی وسعت میں تمام اجسام ستاروں سے معروف ہیں۔ البتہ حسبِ قدر اپنی تابانی کے باوصف کوئی شمس کہلاتا ہے۔ کوئی قمر ـــــ اور باقی سب ایک جنس کے سیارے محسوس ہوتے ہیں۔ غرض ہے۔ تو مراتب ہی کا ہے۔ حضور قبلہ عالم محبت و شفقت۔ عجز و فروتنی کا ایک اعلیٰ شاہکار تھے۔ اپنے مریدوں کی خود عزت کرتے۔ اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو "آپ" کہہ کر پکارتے ـــــ سوائے بعض مصاحبوں کے۔ جو حبِّ پیر میں کامل درجہ رکھتے انہیں سادہ نام سے پکارتے۔ جس میں صاحب کا اعزاز نہ ہوتا۔ لیکن پیر کی نظر میں محبوب ترین شخصیتیں ہوتیں ـــــ جیسے اکثر حضور قبلہ عالم فرماتے ـــــ سخی کی عزت کرو ـــــ تم سب میرے مرید ہو ـــــ اور سخی میرا دوست ہے ـــــ یہی انداز کسی شخص کی پیر کے نزدیک مقبولیت و محبوبیت کی نشاندہی کرتا تھا۔ اس کے باوجود آپ اپنی نشست و برخاست میں فرقِ مراتب کا لحاظ نہ فرماتے۔ کسی غیر کے لیے یہ امر مشکل ہو جاتا کہ وہ جان سکے ان میں پیر کون ہے اور مرید کون۔ ایک روز حضورؒ اور سخی صاحب ڈاکٹر صاحب کے ہاں تشریف فرما تھے۔ ایک سکھ نجومی وارد ہوئے اس کی کچھ

گھریلو مشکلات تھیں۔ وہ سخی صاحب کو پیر سمجھ بیٹھے۔ کیونکہ ان کی ریش مُبارک پیر صاحب کے مقابلے میں زیادہ سفید تھی۔ جب آپ مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ تو آپ کے مریدوں میں بھی یہ احساس نہ پایا جاتا کہ آپ ایک پیر کی حیثیت میں تشریف فرما ہیں۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ــــ جیسے ایک شفیق والد اپنے عزیز بیٹوں میں بیٹھا۔ اپنے لاڈلے بیٹوں کی پیار بھری بولیاں سُن کر خوش ہوتا ہو۔ حضور اپنے مریدوں کے ساتھ بحث میں شریک ہوتے۔ ان کی کسی غیر معقول کلام و حرکت سے مکدر نہ ہوتے ــــ یہاں تک کہ مرید حضور کی موجودگی میں آزادانہ مذاق بھی کرتے۔ اور آپ بھی اِس مذاق میں شامل ہوتے۔ اپنے عزیز مریدوں سے مذاق فرماتے۔ بعد عشاء رات کے ابتدائی حصّہ میں آپ آرام فرماتے۔ آپ کی نیند غفلت کی نیند نہ ہوتی ــــ بلکہ دنیوی شور سے علیحدہ ہو کر مراتب کی سیر میں مشغول ہوتے۔ یہ عالم بھی بیداری کا عالم ہوتا۔ ایسے وقت میں جب حضور آرام فرماتے ــــ تو مرید آپس میں مذاق اور خوش گپیاں شروع کر دیتے۔ اثنائے کلام کوئی کھل کھلا کر ہنس دیتا تو حضور جاگ جاتے۔ آپ ناراض نہ ہوتے بلکہ اُٹھ بیٹھتے۔ اور پوچھتے کیا مذاق ہو رہا ہے۔ ایسی مجلسوں میں کبھی کبھی جناب قبلہ سخی صاحب اور عبداللطیف صاحب ایڈووکیٹ کے درمیان مذاق ہوتا ــــ یا کوئی اور مرید ہوتا۔ اور خاص کر یہ خاکسار تمسخر کا نشانہ بنتا ــــ تو حضور قبلہ عالم اس مذاق میں شریک ہو جاتے۔ پھر سونا ــــ آرام کرنا بھول جاتے ــــ بس مجھے آڑے ہاتھوں لینا ــــ اور مذاق فرمانا ــــ مگر سبحان اللہ! ــــ ایسے وقت میں مذاق کیا تھا۔ ــــ حضور پر نیند سے بیدار ہونے پر جلالی کیفیت طاری ہوتی ــــ اِسی کیفیت میں جو مذاق آپ فرماتے ــــ اِس میں حقیقت کے رموز پائے جاتے ــــ آپ عشق و محبت کے رموز بیان فرماتے ــــ کبھی آیاتِ قرآنی تلاوت فرماتے اور کا ہے۔ مثنوی مولانا روم ــــ یا میاں محمد بخش کی سیف الملوک یا ہیر رانجھا کے عشقیہ اشعار میں آدابِ محبت بیان فرماتے۔ اِس بیان میں وہ آثار حقیقت اور عشق و محبت کی داستانیں اور لطائف ہوتے مجلس کا ہر فرد سرور و مستی سے سرشار ہو کر۔ مجلس میں وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ــــ اِسی مستی میں ہر شخص آپ کی ذات پر دل و جان سے نثار ہو جاتا ــــ یہی وہ اندازِ گفتگو تھا۔ یہی وہ لطیف تاثر تھا۔ یہی وہ کیفیت مستی کا

جذبہ آفرین تاثر تھا ـــــ جس نے آپ کے مریدوں کو حُبِ پیر میں کامل بنایا ـــ جس کے بعد کسی تزکیۂ مجاہدہ ـــــ اور کثرتِ عبادت اور اصلاحِ نفس کی ضرورت باقی نہ رہتی ـــــ یہی علم آپ نے اپنے مریدوں کو عطا کیا۔ جس میں اللہ و رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور پیر اکمل سے محبت کے سوا ـــ انسان کے دل میں ـــ دُنیا کی کسی لذیذ شئے کی خواہش باقی نہ رہتی ـــ یہی مجلس تھی۔ جس میں ہر مرید سرشار ہو کر ایک کیفِ بے خودی میں خود کو بھُول جاتا۔ یہی وہ حقیقت ہے۔ جو فقر کی اصل ہے۔ کہ سرور و مستی میں ـــ اپنے پیر اکمل کی محبت و فنا میں ـــ اپنی ذات کو گم کرنا ـــ اِسی سرور و مستی میں ہر شخص اپنے پیر کا پروانہ بن جاتا ـــ اور پیر ہی اس کی زندگی کا مقصود بن کر رہ جاتا۔ آپ کو دیکھا۔ گویا کائنات مل گئی ـــ پھر کونسی شے ہے۔ جس کی طلب باقی رہ جاتی ہے ـــ یہ نہ سمجھو کہ ایسی مجلس میں آدابِ طریقت میں فرق آجاتا ہے ـــ نہیں ـــ آداب میں دیوانگی ـــ بے خودی طاری ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ قلب میں رقت نہ ہو ـــ تو اظہارِ محبت ہو نہیں سکتا ـــ رقتِ قلب۔ ہی مستی و بے خودی کا نام ہے۔ بے خودی۔ دیوانگی سے تعبیر ہے۔ دیوانگی طاری نہ ہو۔ تو محبت میں تصنع آتا ہے۔

حضرت امام مہدی علیہ السّلام اور مہدیت

زمانہ غالباً ۱۹۴۲ء کا تھا۔ حضور قبلہ عالم کی شہرت کشمیر کی وادی میں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ کثرت سے سلسلۂ اویسیہ میں داخل ہو رہے تھے۔ اِسی زمانہ میں اچانک حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے ظہور کا ملک میں چرچا ہونے لگا۔ کشمیر کے بعض فقراء نے جنوب سے شمال کی طرف سرہانے بدل ڈالے۔ کہ کشمیر کے شمالی پہاڑوں سے ایک نور طلوع ہوتا نظر آتا ہے۔ جناب قبلہ سخی صاحب نے اپنی خود نوشت میں ایک خواب تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کشمیر کی شمالی پہاڑیوں کی سمت سے وائل گاؤں کی طرف سے ایک جلوس کی شکل میں کثرت سے لوگ آ رہے ہیں۔ جلوس میں ایک بزرگ ہستی نمایاں طور نظر آ رہی ہے۔ جس نے کاندھے پہ ایک شیر خوار نورانی بچہ اُٹھایا ہُوا ہے۔ لوگ اس کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے ہیں۔ یہ حضرت امام مہدی علیہ السّلام ہیں۔ قبلہ سخی صاحب بھی جلوس کے ساتھ ساتھ

چل رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جلوس دُور نکل گیا۔ اور آپ جاگ گئے۔ اِسی دوران اچانک حضورؒ قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ خواجہ عبدالکریم صاحب ہیں۔ تھوڑی دیر محمد حنیف صاحب کے ہاں قیام کے بعد۔ گاندربل تشریف لے گئے۔ گاندربل میں قبلہ سخی صاحب کے ہاں پہنچے ـــــ تو سخی صاحب سے فرمانے لگے۔ کہ خراسان کی جانب سے۔ ایک قافلہ کشمیر میں داخل ہو چکا ہے ہم نے اس قافلہ کو دیکھنا ہے ـــــ دوسرے دن حضورؒ قبلہ عالمؒ خواجہ عبدالکریم صاحب کو لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے ـــــ یہ قافلہ وائل گاؤں سے آگے پہاڑ کے دامن میں اُتر چکا تھا۔ یہ قافلہ چینی ترکستان سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ روسی کمیونسٹ حکومت نے محض اس بنا پر کہ ان لوگوں نے اسلام سے تعلق اور اسلامی تمدن ترک کرنے سے انکار کر دیا۔ ان پر شدید مظالم ڈھائے۔ یہاں تک کہ یہ مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے ـــــ یہ قافلہ تقریباً چالیس ہزار مسلمانوں پر مشتمل تھا ـــــ جو اپنا وطن چھوڑ کر ہمالیہ کے پہاڑوں کے طویل سلسلہ میں سرگرداں پھرتا رہا ـــــ جگہ جگہ روسی اُن پر حملہ آور ہوتے رہے ـــــ روسی حملوں۔ اور دشوار گزار راستوں میں سفر کی وجہ سے قافلہ کے ہزاروں مسلمان ہجرت کے دوران شہید ہو گئے۔ اور قافلہ کے اکثر قبیلے منتشر حالت میں بکھر گئے۔ ان میں چند قبیلے بچ کر کشمیر کی حدود تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ کشمیر کی حدود میں داخل ہونے پر ـــــ ریاست کی ڈوگرہ حکومت نے انہیں سرحد پر روک دیا۔ مبادا ـــــ یہ مسلمان کشمیر میں داخل ہو کر مستقل سکونت اختیار کریں۔ جس سے انہیں خطرہ محسوس ہُوا۔ مسلمانانِ کشمیر ان کی شمولیت سے قوت میں آ کر حکومت کا تختہ الٹ نہ دیں۔ اس وقت کشمیر میں تحریک آزادی چل چکی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ نے حکومت سے کشمیریوں کے حقوق کا مطالبہ کیا تھا۔ دوسرے حکومتِ برطانیہ کو بھی علم ہو چکا تھا۔ کہ یہ لوگ روسی حکومت کے باغی باشندے ہیں۔ انہیں ریاست میں پناہ دینے ـــــ یا حکومت ہند میں پناہ دینے پر رُوسی حکومت ناراض نہ ہو۔ ڈوگرہ حکومت نے قافلہ کو واپس بھیجنے کی کوشش کی ـــــ مگر قافلہ نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ حدود کشمیر میں داخل ہونے پر بضد ہو گیا ـــــ احتمال تھا کہ اس صورت میں ڈوگرہ حکومت کی سرحد پر فساد پیدا ہو جاتا ـــــ اِس لیے ڈوگرہ حکومت نے اِس شرط پر کہ اپنے تمام ہتھیار حکومت کے حوالے کر دیں۔ انہیں کشمیر کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ قافلہ کے لوگوں کے

پاس۔روسی ساخت کی بندوقیں۔اور اُونٹ۔بھیڑیں۔گھوڑے اور گھریلو سامان میں قالین اور دوسرا سامان ساتھ تھا۔چنانچہ قافلہ والوں نے اپنی رائفلیں حکومت کے حوالے کر دیں۔ کشمیر کی حدود میں داخل ہو کر ان کا ابتدائی پڑاؤ وائل گاؤں میں ہوا۔۔حضور قبلہ عالم قافلہ کے ابتدائی کیمپ میں تشریف لے گئے۔۔اور بذاتِ خود قافلہ کی بے سرو سامانی کا مشاہدہ کیا۔یہ حالت دیکھ کر حضور بے حد متاثر ہوئے۔واپسی پر ہر شخص کو قافلہ کے لوگوں کے لیے عطیات فراہم کرنے کا حکم دیا۔شہر کے لوگوں کو بھی قافلہ کے پہنچنے کا علم ہوا۔تو شہر کے لوگوں نے بھی عطیات جمع کرنے شروع کیے۔شیخ محمد عبداللہ کو بھی قافلہ کے متعلق علم ہوا۔۔تو انہوں نے ملک بھر میں جگہ جگہ جلسے کر کے عوام کو قافلہ کے لیے عطیات فراہم کرنے کا اعلان کر دیا۔چنانچہ تمام شہر میں لوگوں نے کپڑے۔راشن۔پکی پکائی روٹیاں۔نقدی۔جنس جمع کر کے قافلہ والوں تک پہنچانا شروع کر دیا۔لیکن ان غیوّر مومن مہاجرین نے اپنی بھیڑیں۔گھوڑے اور قیمتی سامان فروخت کر کے اپنی ضرورتیں پُوری کیں۔

کشمیر میں داخل ہونے کے بعد۔حضور قبلہ عالمؒ بار بار گھر سے تشریف لا کر قافلہ کے حالات کا معائنہ کرتے رہے۔اِس کے علاوہ حضورؒ قافلہ میں کسی خاص شخصیت کو تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ یہ قافلہ کشمیر کی شمالی پہاڑیوں کے دامن میں گزرتے ہوئے قصبہ بانڈی پورہ کے قریب ایک گاؤں میں پہنچا۔ایک دن حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔آپ کے ہمراہ خواجہ عبدالکریم صاحب۔جناب ارسلان خان صاحب بھی تھے۔فرمانے لگے ہم نے قافلہ کو دیکھنے کے لیے بانڈی پورہ جانا ہے۔قصبہ بانڈی پُورہ شہر سے تقریباً تیس میل دُور تھا۔بانڈی پُورہ کا راستہ شاہراہ کشمیر پر شہر سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر دائیں طرف الگ ہو کر جاتا تھا۔چنانچہ دوسرے دن شہر کے اور بھی چند مرید حضور کے ساتھ روانہ ہو گئے۔بانڈی پُورہ کی طرف جانے والی سڑک پر پہنچ کر باقی مرید واپس شہر کی طرف رخصت ہو گئے۔حضور نے اس غلام کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ سب لوگ موٹر کار میں یہاں تک آئے تھے۔آگے راستہ کچا تھا۔موسم سردی کا تھا۔بارش بھی ہو رہی تھی۔اِس وجہ سے حضور نے باقی مریدوں کو واپس جانے کا حکم دیا۔مگر مجھ کو اپنے ساتھ رکھا۔ آگے بھی راستہ طویل تھا۔رات اسی مقام پر ٹھہرنے کا ارادہ ہوا۔چنانچہ خواجہ عبدالکریم صاحب

کی ہمشیرہ کے گھر ٹھہرے۔ حضور قبلہ عالم کو قافلہ کے لوگوں کا بے حد فکر تھا۔ کہ کھلے میدان میں بارش اور برفباری میں انہیں بے حد تکلیف کا سامنا ہوگا۔ رفتہ رفتہ بارش نے شدت اختیار کی۔ جوں جوں بارش تیز ہونے لگی۔ حضور کی بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ حضور بار بار بارش بند ہونے کی دُعا فرماتے۔ لیکن عجیب بات دیکھنے میں آئی۔ کہ جب بھی حضور بارش بند ہونے کی دُعا فرماتے۔ بارش میں اور شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت عشاء کے بعد نصف رات تک رہی۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ کیا وجہ ہے کہ حضورؒ کے دُعا کرنے پر بارش بند ہونے کی بجائے اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ مراقبہ کرنے پر معلوم ہُوا۔ کہ قافلہ کے مقام پر ہلکی بارش ہو رہی ہے۔ اِسی حالت میں کشمیر کی پہاڑیوں پر نظر پڑی تو دیکھا کہ پہاڑوں پر اتنی برف پڑی ہے کہ اُونچے درخت بھی برف میں دب گئے۔ آپ سے اس کیفیت کی تفصیل پوچھی گئی تو فرمایا کہ آج حکومت برطانیہ کی طرف سے ڈوگرہ مہاراجہ کو حکم ملا ہے۔ کہ روسی حکومت کی ناراضگی کے مدِنظر۔ قافلہ کے لوگوں کو واپس رُوسی سرحدوں کی طرف بھیجا جائے۔ کشمیر سے نکل کر قافلہ حکومت ہند میں داخل ہوگا۔ حکومت برطانیہ رُوسی حکومت کی ناراضگی مُول لینا نہیں چاہتی۔ اس لیے انہیں واپس روسی سرحدوں کی طرف بھیجا جائے۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہیں۔ اس سبب برفباری سے پہاڑی راستے مسدود کر دیئے گئے۔ اب ان کے واپس کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ لہٰذا یہ قافلہ آگے ہی بڑھتا جائے گا۔ اِن میں ایک مخصوص ہستی شامل ہے۔ جسے فلسطین، شام اور مدینہ منورہ تک سفر کرنا ہے۔ ہم اسی ہستی کو دیکھنے قافلہ تک پہنچتے ہیں۔ دوسرے دن صبح ہم بانڈی پُورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ بارش کی وجہ سے راستہ خراب تھا۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم اور خواجہ عبدالکریم صاحب کے لیے دو گھوڑے فراہم کیے گئے۔ باقی پیدل روانہ ہو گئے۔ دوپہر کے قریب گاؤں پہنچے۔ جہاں پہاڑ کے دامن میں قافلہ نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس کو حضور قبلہ عالم کی منشا پر قافلہ کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔ اثناء راہ میں عجیب واقعات دیکھنے میں آئے۔ گاؤں کے قریب پہنچنے والے تھے۔ حضور قبلہ عالم آگے گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ آپ کے پیچھے خواجہ عبدالکریم صاحب ان کے پیچھے باقی پیدل جا رہے تھے۔

نورُالدّین صُوفی فرماتے ہیں

اچانک مجھے خیال آیا۔ کہ مَیں قافلہ کی اس بزرگ ہستی کو دیکھ کر سجدہ کروں۔ ساتھ ہی حضور قبلہ عالم کا تصور سامنے آیا ـــــ تو چلتے چلتے یک لخت زمین سے اُچھل کر چاروں شانے چت ہو کر گرا ـــــ گرتے ہی سنبھلا ـــــ سمجھ میں نہ آیا۔ کہ یہ حادثہ کیسے پیش آیا۔ ارسلان خان چلتے چلتے فرمانے لگے۔ ہاں ہاں۔ اِدھر اُدھر نہ دیکھ ۔ پیر کی طرف نظر رکھ ـــــ ورنہ ٹھوکر کھائے گا۔ بات میری سمجھ میں آگئی۔ حضور قبلہ عالم نے پیچھے مڑ کر دیکھا ـــــ فرمانے لگے۔ نورالدین۔ آگے آؤ ـــــ ہمارے ساتھ ساتھ چلو ـــــ مَیں دوڑا۔ اور گھوڑے کے ساتھ ساتھ آپ کی رکاب تھامے چلنے لگا۔ یہاں اس وقت ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ قافلہ کے قریب پہنچے تو دیکھتا ہوں جیسے بادلوں کے بیچ میں سے سورج کی شعاعیں قافلہ پر پھیلی ہوئی ہیں۔ تمام قافلہ نور کے سایہ میں لپٹا ہُوا نظر آیا ـــــ اِسی عالم میں مشاہدہ کی حالت میں دیکھتا ہوں کہ قافلہ کے ساتھ روضہ مدینہ منوّرہ ملحق ہے اور روضہ شریف کے صحن میں قافلہ کے لوگ میتیں لا لا کر جمع کر رہے ہیں ۔ ہُوا یہ کہ قافلہ کا طویل مدّت سفر۔ اور سفر کی جانکاہ مصائب۔ خوراک کی ناہمواری اور سرد موسم کی وجہ سے ۔ لوگ بیمار ہو گئے۔ علاج میسّر نہ آنے کی وجہ سے اموات ہونے لگیں۔ جنہیں اِسی گاؤں میں دفن کیا جاتا۔ مَیں نے حضور قبلہ عالم سے کیفیت بیان کی۔ آپ بہت متاثر ہوئے۔ فرمانے لگے اِس مقدس قافلہ میں وفات پانے والے لوگ شہید ہیں۔ ان کی رُوحیں اجلاسِ محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں داخل ہو رہی ہیں۔ کیمپ میں پہنچ کر عبدالکریم صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خیمہ میں حضور تشریف لے گئے۔ آپ سے قافلہ سے متعلّق حالات دریافت فرمائے۔ عبدالکریم صاحب نے چائے پلائی۔ فارغ ہو کر حضور کیمپ میں تشریف لے گئے۔ اور اُس مخصوص ہستی کی تلاش میں ان کے خیمہ پر پہنچے ۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ اسی وقت وہ خیمہ سے نکل کر کسی طرف نکل گئے۔ ہم نے ان کی تلاش کی۔ مگر جہاں بھی جائیں۔ تو معلوم ہو ـــــ ابھی یہاں سے نکل کر آگے چلے گئے۔ اِسی تلاش میں وقت کافی گزرا۔ مگر وُہ ہستی سامنے نہ آئی۔ آخر حضور قبلہ عالم واپس عبدالکریم

صاحب کے خیمہ میں تشریف لائے۔ یہاں سے ہم قصبہ بانڈی پُورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ قصبہ میں محمدّ حنیف صاحب رینجر تبدیل ہوکر آئے تھے۔ وہ بمعہ اہل وعیال یہاں مقیم تھے۔ ہم سب اُن کے گھر پہنچے۔ رات آرام سے گزاری۔ دوسرے دن صبح خواجہ عبدالکریم صاحب واپس گھر رخصت ہوگئے۔ چاشت کے قریب حضور قبلہ عالم نے کیمپ میں جانے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم کے لیے ایک گھوڑا فراہم کیا گیا۔ اور باقی محمدّ حنیف صاحب۔ ارسلان خان اور راقم پیدل کیمپ کی طرف روانہ ہوگئے۔ کیمپ میں پہنچ کر ہم نے عبدالکریم صاحب کے خیمہ میں قیام کیا۔ حضور قبلہ عالم پھر قافلہ میں اس ہستی کی تلاش میں گئے۔ مگر آج بھی ایسا ہی ہُوا۔ کہ اس ہستی نے خود کو چھپایا ـــــ اور ہمیں اُن سے ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔ دوپہر کے قریب ہم پھر واپس بانڈی پورہ حنیف صاحب کے گھر آگئے ـــــ دوسرے دن ارسلان خان صاحب کو بھی حضور قبلہ عالم نے رخصت کر دیا۔ اور مَیں حضور کی خدمت میں ان کے ساتھ ٹھہرا رہا۔ چار دن حضور قبلہ عالم نے محمدّ حنیف صاحب کے گھر قیام فرمایا۔ ان دنوں حضور مصروف رہے۔ مَیں نے عرض کی کہ مَیں بھی حضرت امام مہدی علیہ السّلام کی زیارت کرنا چاہتا ہوں ـــــ حضور نے بعد از مغرب مجھے مراقبہ میں بٹھا کر توجہ دی۔ تو مَیں نے ایک ہستی کو دیکھا ـــــ مَیں مشاہدہ کی کیفیت حضور سے بیان کرتا رہا ـــــ لیکن اس ہستی کی شکل مجھے نظر نہ آئے۔ مَیں کوشش کروں تو ایک عظیم نور کی شعاع مجھ پر پڑے۔ تو مَیں انکی شکل نہ دیکھ سکوں۔ جب بھی مَیں انہیں پہچاننے کی کوشش کروں تو مجھ پر نُور کی تجلّی پڑ جائے۔ تو مَیں کچھ دیکھ نہ سکا۔ چار دن مسلسل مَیں کوشش کرتا رہا۔ اس دوران حضور مجھ پر توجہ ڈالیں۔ مگر مَیں سوائے نوری شعاع کے اور کچھ نہ دیکھ سکوں۔ مسلسل مراقبہ سے مَیں نے بے حد تھکان محسوس کی۔ جیسے میرا بدن ٹوٹ گیا ہو۔ ایک دن صبح حضور قبلہ عالم باہر تشریف لائے مَیں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ تو عجیب کیفیت محسوس ہوئی۔ مَیں حضور قبلہ عالم کی پیٹھ دیکھتا ہوں۔ اور مجھے خود اپنا وجود محسوس ہُوا۔ جیسے میرا ہاتھ حضور کے ہاتھ کے مشابہ ہے۔ اِس وقت میری داڑھی نہیں تھی۔ مگر مُنہ پر داڑھی محسوس ہوئی۔ مَیں منہ کی طرف ہاتھ بڑھاؤں تو میرے ہاتھ میں داڑھی محسوس ہو۔ مَیں اپنے آپ کو پیر صاحب کی ہیئت میں محسوس کروں۔ اس کیفیت

سے میں گھبرایا۔ میرا ابتدائی دَور تھا سلسلہ میں داخل ہوتے ۔ مگر یہ کیفیت حضور کے سامنے بیان کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شاید مجھ میں کوئی خامی پیدا ہوتی ہو۔۔۔ شام جب حضور نے مجھے مراقبہ میں بٹھایا۔ تو پھر ایسی ہی کیفیت محسوس ہوئی۔ اور مراقبہ میں بھی خود کو حضورؒ کی شکل میں دیکھتا ہوں ۔۔۔ مجبوراً میں نے یہ کیفیت حضورؒ سے عرض کی فرمانے لگے۔ "بے وقوفا" (یہ لفظ حضور کا میرے لیے شفقت و پیار سے بھرا ہُوا خطاب تھا) تجھے علم نہیں ۔۔۔ اسے "فنائے شیخ کہتے ہیں"۔۔۔ یہ اچھی علامت ہے ۔ تم پر ہماری توجہ کا یہ اثر ہے ۔۔۔ مراقبہ میں مہدی علیہ السلام کی نوری توجہ کا بھی تم پر اثر ہُوا ہے ۔ اس وجہ سے تم فنائے شیخ کی کیفیت مشاہدہ کر رہے ہو۔ یہ سُن کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی ۔۔۔ میری دانست میں تو سالہا سال مجاہدہ کے بغیر ایسی کیفیت کا میسر آنا ممکن نہ تھا۔ مگر یہاں حضور قبلہ عالم کی چند ساعت صحبت سے مجھے یہ مقام حاصل ہُوا ۔۔۔ جس کا مَیں خود کو اہل ہی نہ سمجھ سکتا تھا۔

ایک ہفتہ گزرا۔ قافلہ نے اپنا سامان سمیٹا اور آگے کی طرف روانہ ہُوا۔ آگے آگے قافلہ کے سردار گھوڑوں پر سوار۔ اپنے روائتی لباس ۔ چغہ اور سر پر چرور بالوں والی ٹوپیاں) کی ٹوپیاں سجائے جا رہے تھے۔ پیچھے پیچھے باقی قافلہ کے لوگ کوئی سوار اور کوئی پیدل بھیڑیں اور اُونٹ لے کر جانے لگے۔ حضور قبلہ عالم بھی سر راہ قافلہ کو دیکھتے رہے۔ جس وقت قافلہ کے سردار گزر رہے تھے۔ تو حضور فرمانے لگے۔ نورالدین۔ چلو اب واپس ڈیرے پر چلتے ہیں۔ وہ "جوان" (مخصوص ہستی) ابھی سامنے نہیں آتا۔ ہمارے سامنے سے گھوڑے کو ایڑ لگا کر تیزی سے آگے چلا گیا۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم بھی سوپور کی طرف روانہ ہو گئے۔ محمد حنیف صاحب نے دو گھوڑے فراہم کیے۔ اور ساتھ ہی ایک خدمت گار دیا کہ ہمیں چھوڑ کر گھوڑے واپس لائے۔ دس میل کے فاصلہ پر پڑاؤ اُترا ہُوا تھا۔ جہاں حضور قبلہ عالم ٹھہرے ۔ اور قافلہ میں گئے۔ قافلہ کے سب سردار حضور سے ملے ۔ حضور نے ان سے مختصر گفتگو کی۔ اور کچھ حالات پوچھے اور ان سے رخصت ہو کر ہم آگے روانہ ہو گئے۔ سوپور سے کچھ فاصلہ ادھر۔ حضور نے گھوڑے واپس کر دیئے ۔ اور ہم پیدل سوپور کی طرف روانہ ہو گئے۔ قصبہ سے کچھ دُور ہمیں تانگہ ملا۔ ہم تانگہ پر بیٹھ کر بازار کی طرف چلے ۔ حضور تانگہ پر آگے بیٹھے تھے ۔ مَیں تانگہ کے

پچھلے حصّہ پر بیٹھا تھا۔ سامنے سے ایک الف ننگا فقیر آ رہا تھا۔ وہ حضور کی طرف دیکھتا رہا۔ حضور نے مجھ سے پوچھا ــــ نورالدین ــــ دیکھو یہ ننگا آدمی ــــ دیوانہ ہے۔ یا فقیر مجذوب ہے۔ مَیں نے عرض کی کہ حضور یہ تو بالکل ننگا ہے۔ صاف پاگل نظر آ رہا ہے۔ ویسے میرا استنجا نہیں۔ مَیں مراقبہ کر نہیں سکتا ــــ فرمایا ہم جو کہہ رہے ہیں تم مراقبہ کرو تو سہی۔ مَیں نے تانگہ پر بیٹھے بیٹھے مراقبہ کیا ــــ تو دیکھا یہ شخص اجلاس میں موجود ہے۔ اور سبز لباس پہنے خوبصورت لگ رہا ہے۔ مَیں نے عرض کی۔ کہ حضور یہ شخص اجلاس میں موجود ہے۔ یہاں تو اس نے سبز لباس پہنا ہے۔ فرمانے لگے۔ "ہاں یہ ولی ہے ــــ یہ شخص اس علاقہ کا محافظ ہے۔ یہ بھی اسی سلسلہ میں قافلہ کے انتظار میں گشت کر رہا ہے۔" دراصل ہم تمہارا امتحان لینا چاہتے تھے۔ کہ آیا تمہارا مشاہدہ حقیقی ہے۔ یا اس میں خیالی تصور بھی شامل ہے۔ اب تم رفتہ رفتہ پختہ ہو رہے ہو ــــ دیکھا تم نے! ــــ تم تو کہتے تھے۔ استنجا نہیں ہے۔ اس حال میں بھی تمہارا مشاہدہ صاف رہا ــــ ارے! اجلاس کا تعلق روح (روح رحمانی) سے ہے۔ جسم کا مشاہدہ سے کوئی تعلق نہیں ــــ جسم مشاہدہ میں حائل ہوتا ہے۔ اس کے لیے تزکیہ ہوتا ہے۔ اتنے دنوں توجّہ سے اس کی رکاوٹ دُور ہو گئی۔ مشاہدہ کے لیے قلب کا پاک ہونا شرط ہے۔ قلب، خواہشاتِ نفسانی ترک کرنے سے صاف ہو جاتا ہے۔ یہ حق کا آئینہ ہے" ــــ اِس پر عکس آیا تو پھر جسمانی کثافت مشاہدہ میں حائل نہیں ہوتی" ــــ ہاں! مَیں کہتا ہوں ضرور حائل ہوتی ہے۔ فقراء نے اِس جسم کی کثافت کو کچلنے کے لیے عمریں ضائع کیں۔ مگر ہمارے پیرِ اکمل ــــ حضور خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے محبوب کی ہی یہ خصوصیت ہے۔ کہ آپ کے مرید کسی بھی حالت میں ہوں ــــ ان کا مشاہدہ ہر حال میں جاری رہتا ہے۔ حضور قبلہ عالم بازار تشریف لائے۔ مجھے کرایہ دیا۔ لاری پر بٹھا کر رخصت کر دیا۔ اور مَیں نعمتوں سے مالا مال گھر لوٹ آیا۔ حضور قبلہ عالم گھر تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ یہ مخصوص قافلہ۔ قصبہ سوپور سے ہوتا ہُوا۔ پہاڑی کے دامن۔ قصبہ بارہمولہ سے آگے اُوڑی۔ چناری۔ گڑھی دوپٹہ ہوتا ہُوا مظفر آباد پہنچا۔ مظفر آباد قیام کے دوران ایک بار پھر خواجہ عبدالکریم صاحب زرگر بھی قافلہ دیکھنے گئے۔ یہ سفر آپ کا باطنی حکم کے تحت تھا۔ کیونکہ حضور اس دوران گھر کی مصروفیات میں مصروف تھے۔ اِس لیے اپنے قائم مقام

خواجہ صاحب کو قافلہ کی نگرانی کے لیے بھیجا گیا۔ خواجہ صاحب کے بعد ایک بار جناب قبلہ سخی صاحب بھی قافلہ دیکھنے کے لیے گئے ـــــ مظفر آباد پہنچ کر آپ نے عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ صاحب کے کیمپ میں قیام فرمایا۔ عبدالکریم صاحب نے ایک ترجمان کو قبلہ سخی صاحب کے ساتھ دیگر قافلہ میں بھیجا۔ آپ سیدھے اس مخصوص ہستی کے خیمہ پر گئے۔ انہوں نے آپ سے ملنے میں تامل نہ کیا۔ قبلہ سخی صاحب کو دیکھ کر نہایت محبت سے پیش آئے۔ ترجمان کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ مگر آپ نے اپنی کچھ تفصیل بیان نہ کی ـــــ تاہم قبلہ سخی صاحب نے آپ سے اپنی خود نوشت تحریر (آٹو گراف) کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا میں اُمّی ہوں۔ قبلہ سخی صاحب نے اصرار کیا کہ اپنے دستِ مُبارک سے کاغذ پر کچھ لکھ کر دیں۔ آپ نے کاغذ قلم لیا ـــــ ایک لمحہ توقف کیا ـــــ اور کاغذ پر لکھ دیا ـــــ کاغذ پر لکھا تھا ـــــ "شاہ مردان" ـــــ یہ آپ کا اسم مبارک تھا۔ قبلہ سخی صاحب فرماتے ہیں کہ لکھتے وقت آپ کے چہرے کی کیفیت جلالی محسوس ہوئی۔ اور ماتھے پر پسینہ کے قطرے نظر آئے۔ قبلہ سخی صاحب نہایت ہی خوش ہوئے۔ اور آپ کا شکریہ ادا کیا ـــــ آپ نے بھی نہایت شفقت و پیار سے قبلہ سخی صاحب کو دیکھا۔ قبلہ سخی صاحب یہ نوشتہ لے کر واپس تشریف لائے۔

کچھ دن گزرے حضور قبلہ عالم ایک بار پھر شہر تشریف لائے۔ خواجہ عبدالکریم صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ فرمانے لگے۔ ہم نے مظفر آباد قافلہ دیکھنے جانا ہے۔ چنانچہ آپ معہ خواجہ صاحب مظفر آباد تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے عبدالکریم صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ حضور قبلہ عالم نے۔ عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ـــــ شاہ مردان سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ـــــ شاہ مردان کے متعلق کچھ شبہات کا ذکر کیا۔ کہ وہ کیمپ سے باہر نکل جاتے ہیں۔ یا کہیں چھپے رہتے ہیں۔ عبدالکریم صاحب پر شاہ مردان کی شخصیت واضح ہو چکی تھی۔ کہ حضور قبلہ عالم ان سے بار بار ملنے کی جستجو میں ملتے رہتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ حضرت امام مہدی علیہ السّلام ہیں۔ گو وہ ان کی شخصیت کا احترام کرتے تھے۔ مگر اس دفعہ ان کے دل میں شبہات نے جگہ لی تھی۔ اندرونِ دل ان کے احترام میں فرق پیدا ہو گیا تھا۔ مگر حضور قبلہ عالم کے سامنے اپنے قلبی تاثرات بیان کرنے کی

جرأت نہ کر سکے۔ اور یہ بات درست تھی۔ کہ شاہ مردان نے ایسی حرکات کا مظاہرہ کیا تھا۔ کہ جس سے ان کی شخصیت کے متعلق شبہات کا اظہار ہوتا تھا۔ حضور قبلہ عالم شاہ مردان سے ملاقات کے لیے اُن کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ مگر وہ خیمہ میں موجود نہ تھے عبدالکریم صاحب نے کہا کہ وہ کیمپ سے باہر چلے نہ گئے ہوں۔ ہمیں ان کی نگرانی پر زیادہ فکرمند رہنا پڑتا ہے۔ کہیں وہ کیمپ چھوڑ کر کسی طرف نکل نہ جائیں۔ حضور نے فرمایا۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔ وہ یہیں کہیں ہوں گے۔ حضور اکیلے آگے نکلے تو شاہ مردان کو ایک چٹان پر بیٹھے محویت میں دیکھا ـــــ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں ـــــ یہ ایک اچانک موقع تھا۔ جو ہم نے انہیں اس حالت میں دیکھا۔ کہ عرش سے نور کا ایک دھارا۔ ان پر متجلّی ہے۔ اور وہ اسی نور میں غرق محویت کے عالم میں ہیں۔ فرماتے ہیں۔ جونہی ہم اُن کے قریب پہنچے۔ تو وہ اچانک جیسے خواب سے بیدار ہوگئے۔ نور کی تجلّی غائب ہوگئی۔ اور شاہ مردان بغیر ملے ایک طرف نکل گئے۔ حضور قبلہ عالم کو بھی یہ حرکت ناگوار گزری۔ آپ نے افسوس کیا۔ اور واپس عبدالکریم کے خیمہ میں تشریف لائے۔ گو حضور یہ جانتے تھے کہ یہ شخص خود کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے ـــــ حضور قبلہ عالم نے اس معاملہ میں خاموشی اختیار فرمائی۔ عبدالکریم صاحب نے بتایا۔ کہ اب قافلہ کے لوگ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ہمیں انہیں پکڑ کر لانا پڑتا ہے۔ ہم پر بہت ذمہ داری ہے کہ جب تک یہ قافلہ کشمیر کی حدود سے نکل کر حکومت ہند میں داخل نہ ہو۔ ہم ان کی نگرانی کریں۔ جب ہم انہیں پکڑ کر لاتے ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کسی کام سے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ حقیقتاً فرار ہو کر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ امر عبدالکریم کے صاحب کے شبہہ کو تقویت دینے کے لیے کافی تھا۔ مگر حضور قبلہ عالم کی شخصیت کو دیکھ کر وہ گومگو حالت میں تھے۔ کہ سچ کیا ہے۔ اور جھوٹ کیا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے انہیں کچھ نہ کہا۔ رات کیمپ میں قیام فرمایا۔ صبح ہوئی۔ تو خواجہ عبدالکریم صاحب نے۔ حضور قبلہ عالم سے اس رات کا ایک خواب بیان کیا۔ آپ نے عرض کی۔ کہ آج رات ہم نے دیکھا۔ ہم سب خیمے میں بیٹھے ہیں۔ اور حضور ایک کرسی پر تشریف رکھتے ہیں۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ قافلہ کے سب قبیلوں کے سردار اپنے روایتی

لباس میں خیمہ کی طرف آرہے ہیں۔ ان کے ساتھ حضرت عالی جاہ سید محمد نور الزمان شاہ صاحب اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں ـــــ ان میں شاہ مردان بھی ساتھ ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ حضور قبلہ عالم کے قریب پہنچے تو آپ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ عالی جاہ شاہ صاحب بھی حضورؐ سے عزت سے ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ مردان کو بلا کر حضور سے ملایا ـــــ انہوں نے مصافحہ کیا۔ اور ہنستے ہوئے بغلگیر ہو گئے۔ حضور قبلہ عالم نے انہیں کرسی پر جگہ دی ـــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاہ مردان سے مخاطب ہوئے۔ فرمایا۔ محمد امین صاحب آپ کے قافلہ کے منتظم اعلیٰ ہیں۔ آپ ان سے ملنے میں تامل کرتے ہیں ـــــ اور آج بھی آپ نے انہیں رنجیدہ کر دیا۔ یہ آپ کے حال سے واقف ہیں۔ ان سے پوشیدہ رہنے کی ضرورت نہیں۔ اِس پر شاہ مردان نے عرض کی کہ ہم افشائے راز کے اندیشے کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔ آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ ابھی خواب کا ذکر ہو رہا تھا۔ کہ بعینہٖ خواب میں دیکھی کیفیت کے مطابق سامنے سے قافلہ کے سردار روایتی لباس میں اکٹھے ہو کر خیمہ کی طرف آرہے ہیں۔ ان میں شاہ مردان بھی ساتھ ساتھ آرہے ہیں۔ خیمہ کے قریب پہنچے تو شاہ مردان آگے بڑھے اور حضور قبلہ عالم کو السلام علیکم کہہ کر بغل گیر ہو گئے ـــــ ہاتھ چومے حضور نے انہیں کرسی پر بٹھایا۔ اور باقی سرداروں کو بھی بٹھایا۔ اس وقت ترجمان بلایا گیا ـــــ ترجمان کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ شاہ مردان کچھ منفعل نظر آتے تھے۔ جیسے وہ اپنی حرکت پر نادم تھے۔ حضور قبلہ عالم نے اشارۃً اصل کیفیت کا اظہار فرمایا۔ شاہ مردان خاموش رہے۔ اِس کے بعد حضور نے سرداروں سے تفصیلی حالات سنے۔ حضور نے ان سے آئندہ سفر کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا۔ فی الحال ہم کشمیر کی حدود سے نکل کر برطانیہ کی حکومت میں جائیں گے۔ آگے دیکھتے ہیں۔ وہاں ہم سے کیا سلوک ہوگا۔ ویسے ہمارا ارادہ اسلامی ممالک میں جانے کا ہے۔ یہ محفل حد درجہ خوش آئند و خوشگوار رہی۔ آخر سب رخصت ہو کر اپنے کیمپ میں چلے گئے۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم بھی واپس گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

آئندہ پروگرام کے مطابق قافلہ نے صوبہ سرحد ـــــ ضلع ہزارہ میں داخل ہونا تھا۔

اس سے قبل کہ قافلہ صوبہ سرحد کی طرف بھیجا جاتا ـــــ ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا ۔ کہ مظفر آباد قیام کے دوران جو خوراک حکومت کی طرف سے قافلہ والوں کو مہیا کی جاتی تھی۔ اس میں چونا اور زہریلے مادہ کی ملاوٹ کی گئی ـــــ جس سے قافلہ کے اکثر لوگ بیماری اور موت کا شکار ہو گئے۔ علاوہ ازیں طویل سفر کی پابندی کے باعث لوگوں میں اضطراب پھیلا ـــــ پریشانی کے عالم میں لوگ گھبرا کر کیمپ سے بھاگنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ قافلہ میں بہت سے لوگ رات کے اندھیرے میں قافلہ سے الگ ہو کر جس طرف رُخ ہوُا بھاگنے لگے۔ یہ صورتِ حال عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ صاحب کے لیے تشویش کا سبب بنی۔ آپ نے قافلہ پر پابندی سخت کر دی۔ اور پولیس کی نگرانی بھی سخت کر دی۔ قافلہ سے جو لوگ بھاگنے کی کوشش کرتے۔ انہیں پکڑ کر واپس لایا گیا ـــــ یہ سختی قافلہ والوں کے لیے مزید پریشانی کا سبب بن گئی۔ اِس طرزِ عمل سے قافلہ والوں اور پولیس کے درمیان نفرت پیدا ہو گئی۔ عبدالکریم صاحب بھی اس طرزِ عمل سے متاثر ہو گئے۔ اور جو تقدس قافلہ کے متعلق آپ کے دل میں تھا۔ وہ نفرت میں بدل گیا۔ ایک دن علی الصبح شاہ مردان کھیتوں کی طرف جا رہے تھے۔ (غالباً رفع حاجت کے لیے جاتے ہوں گے) پولیس والوں نے اس شبہُ پر کہ یہ بھی فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں پکڑ کر عبدالکریم صاحب کے پیش کر دیا۔ انہوں نے دریافت کیا۔ تو شاہ مردان نے کہا کہ ہم رفع حاجت کے لیے کھیتوں میں جا رہے تھے۔ لیکن چونکہ ان کے دل میں نفرت کے اثرات پیدا ہو چکے تھے۔ انہوں نے شاہ مردان کے قول کو جھوٹ پر محمول کیا۔ اور انہیں بغیر اجازت کسی طرف جانے کے لیے پابند کر دیا۔ اِس طرح عبدالکریم صاحب کا عقیدہ حضور قبلہ عالم پر بھی متزلزل ہو گیا۔ اس کے بعد حضور قبلہ عالم دوبارہ مظفر آباد تشریف نہ لائے۔ یہاں تک کہ قافلہ مظفر آباد سے روانہ ہو کر صوبہ سرحد میں داخل ہو گیا۔ قافلہ نے ایبٹ آباد میں قیام کیا۔ ضلع ہزارہ کے لوگ فطرۃً غیور ـــــ اسلام دوست اور مہمان نواز واقع ہوئے۔ یہاں کے لوگ قافلہ کی تباہ حالی دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔ چنانچہ یہاں کے لوگوں نے قافلہ والوں کی بیحد خدمت کی۔ انہیں بہترین غذا ـــــ پلاؤ۔ گوشت اور ہر قسم کی سہولت مہیا کی۔ بیماروں کے علاج

کے لیے بھی ہر قسم کی سہولیات مہیا کر دیں۔ جس سے قافلہ والوں کو آرام و سکون میسر آیا۔ قافلہ والوں پر اگرچہ حکومت کی طرف سے پولیس متعین تھی۔ لیکن مسلمانوں کا قافلہ والوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک دیکھ کر ان پر پابندی نرم کر دی گئی۔ لوگ آسانی سے اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ قافلہ میں بعض لوگوں نے معمولی کاروبار شروع کیا۔ اپنی بنائی ہوئی اشیاء اور دوسری ضرورت کی اشیاء کی خرید و فروخت شروع کر کے اپنی ضروریات خود حاصل کرنے لگے۔ حکومت ہند نے انگریز افسر قافلہ کے حالات جاننے کے لیے بھیجے۔ انہیں قافلہ کے حالات معلوم ہوئے۔ کہ یہ قافلہ بے سروسامانی کے عالم میں تباہ حالی کا شکار ہو چکا ہے۔ لہٰذا حکومت نے قافلہ پر سے یکسر پابندی اُٹھائی اور انہیں ان کی مرضی پر جہاں چاہیں سکونت کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ قافلہ کے قبائل اسلامی حکومتوں میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اِس لیے حکومت نے ان پر سے پابندی ہٹا لی۔ قافلہ کے لوگوں کو جب ضلع ہزارہ میں آسائش ملی۔ تو ان میں سے بعض لوگ صوبہ سرحد کے مختلف علاقوں میں مقیم ہو گئے۔ اور ان علاقوں میں مستقل سکونت اختیار کر لی ــــ اِس زمانہ میں پشاور میں حکومت انگریزیہ کے ایک پولیس افسر شہزادہ محمود بیگ[1] تھے۔ آپ ترکی عثمانی مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ قافلہ والوں کی زبان جانتے تھے۔ آپ نے قافلہ والوں کے حالات دیکھے۔ تو انہوں نے حکومت ترکیہ سے رابطہ قائم کر کے حکومتِ ترکیہ کو قافلہ کے لوگوں کو ترکی میں بسانے پر آمادہ کر لیا۔ حکومت ترکیہ نے قافلہ کے لوگوں کو ترکی میں آنے کی اجازت دی۔ چنانچہ قافلہ سے بہت لوگ ترکی چلے گئے۔ اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ اور باقی قافلہ میں ــــ عثمان خان قبیلہ کے سردار اور الیاس خان اور چند اور سرداران قبیلہ نے افغانستان۔ ایران کے راستہ آگے نکل

---

[1] میرے قیام پاکستان (ایبٹ آباد) پر محمود بیگ موصوف کے فرزند شہزادہ کمال بیگ اور ان کے خاندان کے بیشتر افراد سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو کر درود شریف پڑھتے رہے شہزادہ کمال بیگ حضوریٔ اجلاس محمدیؐ ہوئے۔ ان کی اہلیہ۔ بچے۔ والدہ۔ ہمشیران درود خوان سلسلہ کے عقیدت مند ہیں۔ اِسی سلسلہ میں جناب شہزادہ محمود بیگ سے بھی ملاقات ہوئی۔ آپ ہی سے اس قافلہ کے متعلق واقعات سننے میں آئے۔

جانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ قافلہ نے ایبٹ آباد سے نکل کر حسن ابدال - ٹیکسلا پہنچ کر خان پور میں ڈیرہ ڈال دیا۔ اِس قافلہ میں شاہ مردان بھی شامل تھے۔

ایک دن پھر حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ اور قبلہ سخی صاحب کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ قبلہ سخی صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے خان پور ٹیکسلا قافلہ میں جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مَیں نے بھی حضور قبلہ عالم سے ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ لیکن آپ نے مجھے ساتھ لے جانے سے قطعی انکار فرمایا۔ مَیں بیحد غمزدہ ہُوا۔ قبلہ سخی صاحب سے سفارش کرنے کے لیے کہا۔ سخی صاحب نے بھی میرے لیے بہت زور دیا۔ تو حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ ہم نورالدین کو اپنے ساتھ لے جانے پر تیار نہیں۔ تم ساتھ رکھتے ہو۔ تو اپنی ذمّہ داری پر ساتھ لے چلو۔ مَیں جانے پر بضد تھا۔ آخر مَیں بھی حضور کے ہمراہ تیار ہو گیا۔ سری نگر سے روانہ ہو کر دوسرے دن ہم ٹیکسلا پہنچے۔ ٹیکسلا سے پیدل خان پور پہنچے۔ جہاں عثمان خان۔ الیاس خان سردار اپنے قبیلہ کے ساتھ خیمہ زن تھے۔ اِس کے ساتھ ہی شاہ مردان کا خیمہ بھی لگا ہُوا تھا۔ قافلہ کے قریب پہنچے تو دیکھا چند دنوں میں ہی یہاں قبرستان بن چکا تھا۔ قافلہ کے بہت سے لوگ وفات پا چکے تھے۔ جنہیں اسی جگہ دفن کیا جاتا رہا۔ ہمارے پہنچتے پر بھی۔ لوگ ایک میت کو دفن کر رہے تھے۔ ہم قافلہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں قافلہ کا ایک آدمی ملا۔ جو عربی زبان جانتا تھا۔ حضور نے عربی زبان میں اس سے قافلہ کی کیفیت پوچھی اور شاہ مردان کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے ان کا پتہ دیا۔ اور ترجمانی کے لیے ہمارے ساتھ آیا۔ اور سیدھا شاہ مردان کے خیمہ پر لے گیا۔ آپ خیمہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ہمیں دیکھ کر فوراً خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ اور حضور قبلہ عالم سے خوش ہو کر بغلگیر ہوئے۔ مصافحہ کیا۔ اور حضور کے دستِ مُبارک پر بوسہ دیا۔ پھر قبلہ سخی صاحب سے بھی بغلگیر ہوئے اور ہاتھ چُومے۔ ان کے بعد مجھ سے بھی بغلگیر ہوئے۔ اور میرے ہاتھ چُومے۔ جب میں شاہ مردان سے بغلگیر ہُوا۔ تو مجھے ایسا محسوس ہُوا۔ کہ مَیں ایک ایسے وجُود سے بغلگیر ہو رہا ہوں ـــ جس کی وسعت بہت زیادہ ہے۔ میرے بازو۔ آپ کے جسم کا احاطہ نہیں کر سکتے تھے۔ مجھ پر حیرت طاری ہوئی۔ مگر مَیں نے اپنی حیرت کو بہت کوشش سے چھپایا۔ ورنہ میرے مُنہ سے چیخ نکل جاتی ـــ

شاہ مردان حضور سے حد درجہ عزت و محبت سے پیش آئے اور ترجمان کے ذریعہ تھوڑی دیر گفتگو کرتے رہے۔ بعد میں شاہ مردان حضور کو ساتھ لے کر الیاس خان کے کیمپ کی طرف چلے۔ اس وقت چلنے کی ترتیب یہ تھی۔ کہ آگے آگے شاہ مردان۔ انہوں نے ڈبل زین کا کوٹ پہنا تھا۔ ملیشیا کی قمیض شلوار لگی تھی۔ سر پر سفید لٹھے کی ٹوپی۔ اور پاؤں میں سفید فلیٹ جوتا پہنا تھا۔ ہاتھ میں (غالباً چھتری یا) چھڑی تھی۔ شاہ مردان کے پیچھے حضور قبلہ عالم چل رہے تھے۔ حضور کے پیچھے قبلہ سخی صاحب اور سخی صاحب کے پیچھے میں جا رہا تھا۔ ہم سب اسی ترتیب سے چل رہے تھے۔ تو قبلہ سخی صاحب وجدانی انداز میں سبحان اللہ ـــــــ سبحان اللہ پکارتے جاتے تھے۔ مَیں خود حیرت زدہ تھا۔ قبلہ سخی صاحب سے پُوچھ نہ سکا۔ آخر ہم الیاس خان کے کیمپ میں پہنچے۔ الیاس خان ہمیں پہچان گئے۔ آگے بڑھ کر پذیرائی کی۔ بغل گیر ہوئے۔ ہاتھ چُومے اور اپنے قریب بٹھا لیا۔ باہمی تبادلہ خیال ہُوا۔ خیریت پوچھی الیاس خان نے ہمیں قہوہ پلایا۔ جمعہ کا دن تھا ظہر ہو رہی تھی۔ جمعہ کی نماز پڑھی۔ الیاس خان نے امامت کی۔ اِس طرح ہمیں قافلہ میں شمولیت سے جمعہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ اور حضور سے تمام واقعات بیان کیے۔ الیاس خان نے کہا کہ ہم مشرقِ وسطیٰ۔ شام و مصر تک سفر جاری رکھیں گے۔ وقت تھوڑا تھا۔ حضور نے اجازت چاہی ـــــ الیاس خان تھوڑی دُور تک قبلہ عالم کے ساتھ الوداع کہنے آئے۔ الیاس خان کے کیمپ سے چل کر ہم پھر شاہ مردان کے خیمہ تک آئے۔ یہاں بھی تھوڑی دیر گفتگو ہوتی رہی۔ شاہ مردان نے بھی بتایا۔ کہ آپ شام۔ فلسطین۔ مدینہ منورہ تک سفر کریں گے۔ آخر شاہ مردان سے رخصت چاہی۔ آپ پھر بغلگیر ہوئے ہاتھ چُومے اور ہمیں رخصت کر دیا۔ یہاں سے رخصت ہو کر ہم واپس ٹیکسلا۔ حسن ابدال سے ہوتے ہوئے ایبٹ آباد پہنچے۔ شام ہو چکی تھی۔ شدت کی بُھوک لگی تھی۔ قبلہ سخی صاحب کی خواہش تھی کہ ہم کسی ہوٹل پر ٹھہریں گے۔ اور کھانا بھی ہوٹل سے کھائیں گے۔ مگر حضور نے ہوٹل پر ٹھہرنے سے منع فرمایا۔ اور ہوٹل سے کھانا بھی کھانے نہ دیا۔ نانبائی کی دوکان سے روٹیاں لیں اور دہی کے ساتھ روٹی کھائی۔ ہم نے سالن کی خواہش کی مگر حضور نے بغیر دہی کے اور کوئی چیز کھانے نہ

دی۔ شام کے قریب ایک لاری مل گئی اور ہم اسی رات مظفر آباد پہنچ گئے۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم شاہراہ کشمیر پر بارہمولہ سے آگے سوپور قصبہ کی راہ اپنے دولت کدہ تشریف لے گئے۔ مَیں اور سخی صاحب سری نگر شہر پہنچ گئے۔ دورانِ سفر ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ مظفر آباد سے سری نگر کی طرف ہم لاری میں سوار جا رہے تھے۔ کہ مظفر آباد شہر سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پہ لاری میں بیٹھے بیٹھے اچانک خود بخود میرے ذہن پہ ایک خیال اُبھرا کہ کیا یہ ایک غیر معروف شخصیت جس کی ظاہری شکل و شباہت سے بھی امام مہدی علیہ السّلام ہونا محسوس نہیں ہوتا۔ امام مہدی ہو سکتی ہے۔ اِس خیال کے اُبھرنے کے ساتھ ہی مجھ پر یک لخت غنودگی طاری ہو گئی۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ایک تالاب ہے۔ تالاب کے بیچ میں ہی وُہ ہستی کھڑی ہے۔ کنارے پہ حضور قبلہ عالم کھڑے ہیں۔ مَیں سوچ رہا ہوں کہ مَیں اِس ہستی کو سجدہ کروں یا حضور قبلہ عالم کو سجدہ کروں۔ اچانک حضور قبلہ عالم اس ہستی کے قریب آ گئے اور دونوں ہستیاں آپس میں بغلگیر ہو گئیں۔ اب دیکھتا ہوں حضور قبلہ عالم کھڑے ہیں۔ مَیں نے فوراً انہیں سجدہ کیا۔ بس مجھ پر سے غنودگی ہٹ گئی ــــــ اِس اچانک خیال اور مشاہدہ سے مَیں۔ حیرت میں آ گیا۔ خوفزدہ ہوا۔ کہ یہ کیا کیفیت دیکھنے میں آئی۔ خوف کے مارے مَیں حضور قبلہ عالم سے بھی کچھ کہہ نہ سکا۔ اِس کے بعد بات ذہن سے اُتر گئی ایک سال گزرا۔ حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ محمّد حنیف صاحب کے گھر تشریف فرما تھے۔ قبلہ سخی صاحب بھی مجلس میں موجود تھے اور بھی مرید موجود تھے۔ ذکر حضرت امام مہدی علیہ السّلام کا ہو رہا تھا۔ اس وقت پھر وہ کیفیت ذہن پر آئی۔ مَیں نے حضور سے یہ کیفیت بیان کی حضور قبلہ عالم سُنتے ہی غصّہ کی حالت میں فرمانے لگے۔ ہم اس خطرے کے مدِّ نظر تمہیں ساتھ لے جانے پر آمادہ نہ تھے۔ کہ تم شک کا شکار ہو جاؤ گے۔ یہ واقعات ابھی صیغہ راز میں ہیں۔ ایسے واقعات میں متضاد کیفیتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن میں عقل شک کا شکار ہو جاتی ہے۔ یا افشائے راز سے جان کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وقت سخی صاحب نے بھی زیادتی کی۔ تمہارے ساتھ لے جانے پر زور دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کسی وقت تم حادثہ کا شکار ہو جاؤ گے۔ تاہم مجھے تمہارا ہر وقت خیال رہا ــــــ تمہاری قسمت اچھی تھی حادثہ سے بچ گئے۔ تمہیں ہماری صُحبت

نے بچا لیا ــ کہ بیشتر تم پر انکشافات ہو چکے تھے ۔ دیکھو پیر کی راہنمائی میں ۔ پیر کے قول پر عمل کیا کرو ۔ پیر کے حکم کے خلاف اپنی پسند پر نہ چلا کرو ــ یہ نازک مقام ہوتا ہے جب تک سینہ میں کشادگی اور عقل میں پختگی نہ ہو ــ انسان شک وظن میں اُلجھ کر مراتب سے گر جاتا ہے ۔

ایک بار حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے ۔ تو آپ نے اِس سلسلہ میں مشاہدہ کرنے سے باز رکھا ۔ مگر ماسٹر غلام محمدؐ اور قبلہ سخی صاحب کبھی کبھی ان کے متعلق مراقبہ میں بتلاتے کہ آپ کہاں کہاں سے گزرے ۔ قبلہ سخی صاحب مجھے مراقبہ میں بٹھا کر توجہ دیتے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام سے متعلق حالات پوچھتے ۔ یہاں تک کہ ہم انہیں شام تک دیکھتے رہے ۔ ماسٹر غلام محمدؐ نے بھی اُن کے شام تک پہنچنے کی خبر دی ۔ اس کے بعد انہوں نے بہت کوشش کی مگر انہیں آگے کے حالات مشاہدہ نہ ہو سکے ۔ مگر قبلہ سخی صاحب کی توجہ سے میں انہیں فلسطین اور مدینہ منوّرہ تک دیکھتا رہا ۔ آخری بار مجھے قبلہ سخی صاحب نے مراقبہ میں بٹھایا ۔ تو میں نے اُنہیں مدینہ منورہ کے بازار میں کوئی چیز فروخت کرتے دیکھا ۔ اِس کے بعد مجھ پر قبض طاری ہوا ــ اور میرا مشاہدہ بند ہو گیا ۔ پھر یہ تصوّر ہی ہر ذہن سے خارج ہو گیا ــ

اِس واقعہ میں ایک باریک نکتہ سامنے آتا ہے ۔ کہ اس زمانہ میں حضرت امام مہدی کے ظہور ہونے کی شہرت عام پھیل چکی تھی ۔ لوگوں کا خیال تھا ۔ کہ حضرت امام مہدی علیہ السّلام کا ظہور ہونے والا ہے ۔ چنانچہ اکثر فقراء نے بھی اعلان کیا کہ حضرت امام مہدیؑ کا ظہور ہونے والا ہے ۔ اِس سلسلہ میں جہاں تک حضور قبلہ عالم کا قافلہ کو بار بار دیکھنا ــ اور امام مہدی علیہ السّلام کے ظہور کے متعلق ۔ احادیث بیان کر کے یہ واضح کرنا ۔ کہ

اِذَا جَآءَ عَسَاكِرُ مِنْ جَانِبِ الْخُرَسَانَ فَتَجَسَّسُوْا فَاِنَّ خَلِيْفَةَ اللّٰهِ الْمَهْدِىْ فِيْهِمْ

حضور اس حدیث کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں ۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ۔ کہ مِنْ جَانِبِ الْخُرَسَانَ ــ خراسان کی جانب سے ایک جماعت ہجرت کر کے نکلے گی ۔ پس تجسّس کرو اس قافلہ میں خلیفۃ اللہ المہدی ہوں گے ۔ یہی وہ قافلہ ہے جسے حضور بار بار خان پور تک

دیکھتے رہے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ امام مہدی اس قافلہ میں موجود ہیں ــــ لیکن عمر کے لحاظ سے۔ جب کہ سُنا گیا ہے۔ کہ ظہور مہدی آپ کی چالیس سال کی عمر میں ہو گا۔ اِس حساب سے زمانہ کافی گزر چکا۔ مگر امام مہدی کا ظہور نہ ہُوا ــــ دیکھنا یہ ہے۔ کہ باوجود فقراء کے اعلان کے وقت پر امام مہدی علیہ السّلام کا ظہور نہیں ہُوا۔ گزشتہ زمانوں میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ کہ زمانہ کے فقراء اکثر وقتوں میں ایسی ہی پیش گوئیاں کرتے رہے۔ مگر حضرت امام مہدی علیہ السّلام کا ظہور نہ ہُوا ــــ

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا ــــ کشمیری ظہورِ مہدی علیہ السّلام کا وقت آگے چلا گیا۔ حضور نے عرض کی کہ کیا ہم وہ زمانہ پائیں گے؟ ــــ عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا ــــ "شاید" ــــ چنانچہ حضور کے زمانہ میں ظہور مہدی کی شہرت عام ہو گئی ــــ مگر تا حال ان کا ظہور نہیں ہُوا ــــ لیکن جہاں تک حضور قبلہ عالم کے تجسّس کا تعلق ہے۔ حضور قبلہ عالم نے اِس سلسلہ میں بہت سے انکشافات کیے۔ جن میں قافلہ میں ایک مخصوص ہستی کی نشاندہی فرمائی جس کا تعلق ظہورِ مہدی علیہ السّلام سے ہی تھا۔ اور لوگوں نے یہ باور کر لیا۔ کہ اس قافلہ میں حضرت امام مہدی علیہ السّلام شامل ہیں۔ یہ ایک خاص نکتہ ہے جو وضاحت طلب ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم کی حیات میں حضرت امام مہدی علیہ السّلام کا ظہور نہ ہُوا۔ لیکن یہ امر مسلّمہ و محقق ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم نے حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے ظہور کی حقیقت کو پا لیا۔ جس حقیقت سے بہت کم فقراء آگاہ ہیں۔ وہ ایک کیفیت پاتے ہیں۔ مگر اس کیفیت کی اصل تک ان کا ادراک نہیں۔ حضور قبلہ عالم ظہور مہدی علیہ السّلام کے متعلق محی الدین ابنِ عربی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ فصوص الحکم سے بیان فرماتے ہیں۔

محی الدین ابنِ عربی کے نزدیک امام مہدی علیہ السّلام کا ظہور ایک حقیقی واقعہ ہے۔ جو حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ مجھے حضرت امام مہدی علیہ السّلام اور ان کے ظہور کے وقت کا علم دیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر ایک تجلّی وارد ہُوئی۔ اور آپ بے ہوش ہو جاتے سات بار آپ نے التجا کی مگر ہر بار آپ پر تجلّی وارد ہوتی اور آپ

شدتِ تجلّی[1] سے بے ہوش ہو جاتے ــــــ چنانچہ ابنِ عربی نے استدعا کی کہ انہیں ظہورِ مہدی علیہ السلام کے آثار دکھائے جائیں۔ لہٰذا آپ نے ظہورِ مہدی علیہ السلام کے متعلق زمانے کے آثار کی نشاندہی کی کہ زمانہ میں کیسے حالات رونما ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ زمانۂ قدیم کے فقراء کا نورِ مہدی کا مشاہدہ کر کے ظہورِ مہدی کا اعلان کرنا۔ اور پھر ظہورِ مہدی نہ ہونا ــــــ عوام الناس کے لیے شک وظن کا سبب بنا۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ کہ صاحبِ مشاہدہ فقراء کے نزدیک ظہورِ مہدی علیہ السلام ایک واقع ہونے والی حقیقت ہے۔ لیکن اکثر اس عدمِ واقع ظہور کی اصل علامت کو نہ سمجھنے کے باعث خاموش ہیں۔ اور جب ظہورِ مہدی علیہ السلام کی اصل حقیقت کو نہ پایا گیا۔ تو خود محققین اسلام نے بسبب اس حقیقت کو نہ سمجھنے کے مختلف تاویلیں کیں۔ بلکہ دبی زبان میں۔ اس واقعہ کی نفی کر کے اس حقیقت کو وہم وظن یا قدما (قدیم) کا اختراعی[2] تصوّر قرار دیا۔ اور ظہورِ مہدی

---

[1] اس کیفیت میں دو تاویلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ظہورِ مہدی کو اخفا میں رکھنا منظور ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کا آپ پر تجلّی ڈال کر بے ہوش کرنے کا مقصد اس امر کو اخفا میں رکھنا ہے ــــــ دوسری تاویل یہ ہے۔ کہ جب مَیں نے بانڈی پورہ میں حضور سے حضرت مہدیؑ کو دیکھنے کی التجا کی تو مراقبہ میں ــــــ میرا تصوّر قافلہ میں اس مخصوص ہستی کی طرف ہوتا۔ جسے حضور قبلہ عالم ملنا چاہتے تھے۔ مگر حقیقتاً حضورؒ کی توجہ سے مجھ پہ اصل کیفیت آتی۔ کہ مَیں ان کے نور (رُوح) کو ایک عظیم نور کی شکل میں دیکھتا۔ تو ابنِ عربی پر یہی نور منتجلّی ہوتا ہو جس سے وہ بے ہوش ہوتے ہوں۔ ظاہراً میرا مشاہدہ۔ فنائے شیخ کی صورت میں تھا۔ اِس وجہ سے میرے مشاہدہ میں تجلّی پیرِ اکمل کے قلب سے ہو کر آتی جس وجہ سے مجھ پر بے ہوشی طاری نہ ہوتی۔ کیونکہ ابنِ عربی بذاتِ خود مشاہدہ کرتے۔ اِس وجہ سے وہ نورِ مہدی علیہ السلام کے متحمّل نہ ہوتے مگر حضور قبلہ عالم مقامِ فنا و بقا پر فائز تھے۔ اِس لیے آپ پر نورِ مہدی علیہ السلام کا مشاہدہ آسان تھا۔

[2] چنانچہ مفکرِ پاکستان علامہ اقبال صاحب نے بھی اس عقیدہ کی نفی کی ہے کہ "مسلمانوں نے یہ عقیدہ ہندو عقیدہ "کلکی اوتار" سے لیا ہے۔ حقیقتاً امام مہدیؑ کا ظہور ہونا محض اختراعی نظریہ ہے۔"

علیہ السلام کے تصور کے ساتھ نصاریٰ اور علمائے اسلام (یعنی فقرار) نے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کیا۔ کہ حضرت امام مہدی کے ظہور کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہوگا۔ اِس حقیقت کو جب کہ قرآن سے اس امر کی شہادت میسّر نہیں (سوائے حدیث کے) اِس حقیقت میں بھی تاویلات کر کے۔ غلط مفروضہ قرار دیا ہے۔ کہ یہ نظریہ عیسائیوں کے عقائد سے اختراع کیا گیا۔ ورنہ اس امر کی کوئی حقیقت نہیں اس نظریہ کی نفی کو جماعتِ احمدیہ کے نظریہ نے تقویت دی۔ جب کہ ان کے نزدیک جماعتِ احمدیہ کے بانی۔ مرزا غلام احمد نے خود کو مہدی موعود ـــــ اور مسیح موعود قرار دیا۔ تو علمائے اسلام نے اس نظریہ کی ضد میں سرے سے ظہورِ مہدی اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی نفی کر دی کہ اسلام میں درحقیقت ایسا کوئی نظریہ موجود ہی نہیں۔ دراصل اس نفی کا سبب اصل حقیقت سے عدمِ واقفیت ہے۔

بلاشبہ قرآنی عقائد و نظریات کی اساس۔ قرآنی شہادت اور حدیث پر ہوتی ہے۔ قرآن میں احکامات ہیں۔ جو واضح ہیں۔ ان احکامات کی تفسیر حدیث سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اِس کے علاوہ قرآن میں قصص (گزشتہ انبیاء کے واقعات) ہیں جن کی شرح کی ضرورت نہیں۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ کچھ واضح ہے۔ اور کچھ تشبیہی ـــــ اِس طرح قرآن میں بعض واقعات یکسر متشابہ ہیں۔ جن کی واضح تفصیل قرآن میں بیان نہیں کی گئی۔ بعض کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے۔ اور کچھ کی حدیث سے بھی واضح نہیں۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ کہ قرآن میں دیئے گئے واقعات ـــــ نظریات و عقائد ـــــ متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس ضمن میں یہاں چند نظریات کا ذکر کرتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ درحقیقت پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام شعائر اللہ۔ آیات سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں آپ کی پیدائش۔ آپ کا صلیب پانا۔ قتل ہونا ـــــ اور رفع متشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس۔ لئے نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی متشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس کے علاوہ خروج دجال۔ قیامِ قیامت ـــــ اور بعض امورِ غیب۔ یہ سب متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِسی نسبت سے ظہورِ امام مہدی علیہ السلام اور نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی متشابہات سے تعبیر ہے۔ اور یہ امور مصلحتِ الٰہی کے تابع مخفی رکھے گئے ہیں۔ جیسے

قیامِ قیامت کو مخفی رکھا گیا ہے۔ ان امور کا ازروئے شریعت تسلیم و اقرار جائز ہے۔ سوائے اس کے کہ ایسے نظریات عقلی تاویلات سے سمجھنا یا تسلیم کرنا ممکن نہیں اس لیے ظہورِ مہدی علیہ السّلام اور نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اِسی نوع کے امور سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے ظہور کا تصوّر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث سے بھی ثابت ہے۔ درحقیقت اس نظریہ کی نفی کا اصل سبب علمائے اسلام کی اصل حقیقت نہ سمجھنے کے باعث ـــــ دوسرے اکثر زمانوں میں فقراء کے اعلان کے باوجود حضرت امام مہدیؑ کا ظہور نہ ہونا اس نظریہ کی نفی کا سبب بھی ہے ـــــ یہاں اس نکتہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ کہ فقراء کا ظہورِ مہدی علیہ السّلام کا اعلان کرنا۔ ان کے باطنی مشاہدہ سے متعلق ہے۔ کہ وہ باطناً حضرت امام مہدی علیہ السّلام سے متعلق ایک کیفیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جو ایک حقیقت ہے۔ مگر ظاہراً اس کا ظہور نہ ہونا ـــــ یہی ایک نکتہ ہے۔ جس پر عقلی طور احاطہ نہیں کیا جاتا ـــــ اس نکتہ کی وضاحت ہم قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کریں گے۔

قرآن نے سیرتِ انبیاء سے متعلّق ایک تفصیلی بیان پیش کیا۔ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش کا خصوصی ذکر ہوا ہے۔ "آیت"

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَۙ

تحقیق اللہ نے منتخب کیا۔ آدم کو ـــــ نوح کو ـــــ ابراہیم و آلِ ابراہیم کو ـــــ اور خصوصاً آلِ عمران کو تمام لوگوں میں سے۔ (پارہ ۳ - سورۃ ۳ - آیت ۳۳)

اس آیت میں آلِ عمران کی خصوصیت کا ایک مکمل باب قرآن نے پیش کیا۔ اس کی ابتداء آلِ عمران سے ہی ہوتی ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۝ پارہ ۳ - سورۃ ۳ - آیت ۳۵)

جب کہا عمران کی بیوی نے۔ اے رب میں نذر کرتی ہوں تیرے لیے جو میرے پیٹ میں ہے۔ پس تو قبول کر ـــــ تحقیق تو سننے والا جاننے والا ہے۔

یہ قرآن کا دانستہ بیان ہے جس میں خصوصیتِ آلِ عمران کا اظہار مقصود ہے۔ اس بیان میں ایک نکتہ ہے۔ جس میں خصوصیتِ آلِ عمران پوشیدہ ہے۔ یہ کہ دینِ موسوی میں لوگ ہیکل کے لیے اپنی نذر مانتے تھے۔ کہ عورت نے نذر مانی۔ تو اس کے لڑکا پیدا ہوتا۔ لڑکا ہیکل والوں کے سپرد کیا جاتا۔ ہیکل کے راہب اس کی تربیت کرتے اور وُہ آئندہ صاحبِ مشاہدہ عالم بن کر ہیکل کا عالم بنتا۔ عمران کی بیوی نے نذر مانی تو خلافِ توقع اس کے لڑکی پیدا ہوئی۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ط وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ج پارہ ۳۔ سورہ ۳۔ آیت ۳۶

اس نے کہا کہ خلافِ توقع لڑکی پیدا ہوئی اسے ہیکل میں کیسے نذر میں دیا جائے گا۔ اب قرآن دانستہ طور واقعات کا ذکر کرتا ہے۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ اللہ نے اس لڑکی کو ہیکل کے لیے قبول کیا۔ اللہ جانتا ہے۔ کہ اس نے جو کچھ جنا ــــ یہ تو اللہ کی مرضی تھی کہ لڑکی پیدا ہو۔ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ ــــ اللہ نے خود اس کا نام مریم رکھا۔

یہ کس کے لیے ہوا؟ ــــ اس میں آلِ عمران کی خصوصیت میں ایک الٰہی منصوبہ کا مظاہرہ کرنا مقصود تھا ــــ کہ حضرت مریم علیہ السّلام کے بطن سے بغیر سلسلہ تناسل کے ایک انسان کے وجود کے لیے نور سے بشر پیدا کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مریم علیہ السّلام کی خصوصیت سے متعلق قرآن نے دانستہ طور چند واقعات کا ذکر کیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا قف فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ پارہ ۱۶۔ سورہ ۱۹۔ آیت ۱۶-۱۷

ذکر کیجیے قرآن میں سے حضرت مریم کا جب اسے ہیکل والوں نے ہیکل کے مشرقی حجرے میں مقفل کر رکھا تھا ــــ تو میں نے اپنا ایک رُوح "نُور" مریم کی طرف بھیجا۔ جو ان کے سامنے بشر کی شکل وصورت میں آیا ــــ اِس آیت میں حضرت مریم علیہ السّلام کے انتخاب ــــ اور ایک نُور کا بشری ہیئت میں متمثل ہونا۔ دانستہ طور بیان کیا گیا۔ اس لیے یہ جانا جائے کہ "رُوح"

یا "نور" بشر کی ہیئت اختیار کر سکتا ہے۔ اور یہ کہ بشری ہیئت میں ایک وجود نوری تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک نوری بشر ــــ یا بشر کی شکل وصورت میں محسوس کی جانے والی ہیئت۔ نوری خاصیت کی حامل ہوتی ہے ــــ

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ۝

(پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۸)

کہا مریم نے میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن سے ـ تجھ سے کہ تو پاک ہے! ــــ یہ بیان بھی دانستہ طور دیا گیا۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ ایک نوری خاصیت کا بشر۔ انسانی شکل وصورت میں دیکھا۔ پہچانا جاتا ہے

مگر قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۝ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۹)

کہا (ملائکہ نے) سوائے اس کے نہیں۔ کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا۔ ملائکہ ہوں تاکہ تمہیں "وہبی طور" ایک لڑکا دیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے مخصوص ہستیوں کی طرف ملائکہ نوری ہیئت میں بھی آتے ہیں ــــ یہاں ملائکہ کے انسانی شکل وصورت میں آنے کی کیا مصلحت ہے؟۔ وہ یہی کہ ثابت ہو۔ بشر نور سے بھی ہو سکتا ہے ــــ اسی لیے اللہ نے ملائکہ کو یہ خبر دے کر بھیجا۔ کہ اللہ تعالیٰ۔ اپنی قدرتِ کاملہ سے ــــ تم سے ایک انسان بشری شکل وصورت میں پیدا کرنا چاہتا ہے ــــ لِاَهَبَ میں وہبی طور بغیر ظاہری اسباب کے بشر پیدا کرنا ــــ تصور میں لایا گیا ــــ سنتِ الٰہی میں تھا۔ کہ زمین پر حضرت آدم علیہ السّلام کی نسل سے ــــ سلسلہ تناسل کے طریق پر ــــ بشر پیدا ہوتا ہے ــــ مگر اس مقام پر نسلی طریق اختیار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ نور سے بشر پیدا کیا جاتا ہے ــــ اس مقام پر پھر ایک دانستہ بیان پیش کیا جاتا ہے۔ قَالَتْ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا کہا حضرت مریمؑ نے میرے لڑکا پیدا ہونے کی الٰہی ترکیب کیا ہے ــــ جب کہ سنتِ الٰہی کے مطابق نسلی طور لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا۔ كَذٰلِكِ ایسے ہی ہوگا۔ بغیر ذریعہ نسلی کے هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ" وہ اللہ اختیار رکھتا ہے جس طرح چاہے پیدا کرے۔ بغیر نسلی طریق کے بھی وہ ایک بشر پیدا کرنے کے لیے ایک نئی طرح ڈالے ــــ یہ اس لیے کہ اس خصوصی ترتیب پیدائش

کو بھی۔ پیدائشِ انسانی میں شامل کرنا مقصود ہے۔ کہ بشر نور سے بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ یہ پیدائش آئندہ آنے والے واقعات کے لیے بطور دلیل قبل از وقت مقرر کی جاتی ہے — وَلِنَجْعَلَهٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ۝ تاکہ بنایا جائے اس واقعہ کو لوگوں کے لیے — ایک "آیت"۔ ایک دلیل اور یہ امر ازل سے ہمارے منصوبہ میں مقرر کیا گیا تھا — اِس آیت سے واضح ہے کہ اوّل ایسا کرنا منصوبہ الٰہی کے تحت ایک نئی تخلیق۔ جو ابنِ آدم میں شامل نہیں یعنی نسل سے نہیں پیدا کرنا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ پیدائش نوری وجود سے بشری ہیئت میں پیدا کی جائے گی — تیسری خصوصی بات یہ کہ ایسی پیدائشوں کے لیے ازل سے نور مخصوص و منتخب کیا جاتا ہے۔ اور یہ نور اللہ تعالیٰ کے خزانۂ غیب (عالمِ بالا) میں کسی مقام پر مخزن کیا جاتا ہے — اور وقت موعود پر اس نور کو ملائکہ کے ذریعہ (ہاتھ) نفخ کیا جاتا ہے۔ چوتھے ان آیاتِ قرآنی اور واقعہ حضرت مریم و حضرت عیسیٰ علیہما السّلام سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیقی ترکیب چار انواع کی استعمال کی — (۱) اوّل۔ بغیر ماں باپ۔ ایک ذرّہ ناری سے ایک وجود (آدم) بنایا (۲) دوسرا۔ مرد عورت کے اختلاط (نسل) سے۔ (۳) تیسرا۔ بغیر باپ۔ ایک مخصوص نور سے جس میں ایک وجود پیدا کرنے کے لیے بغیر نسلی ذریعہ کے رُوح کو رحم میں القا کیا جاتا ہے۔ (۴) چوتھا۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے خالص نور سے[1]۔ جیسے قرآن نے حضرت یحییٰؑ کی پیدائش میں اشارہ دیا۔ فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا — اِس کے متعلق قرآن دعویٰ کرتا ہے — كَذٰلِكَ۔ اِسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کی

---

[1] خالص۔ مخصوص نور۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی صرف نور سے پیدا ہونے کے متعلق قرآن نے تفصیلی بیان پیش کیا — اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ۝ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۳ تا ۵)

اور جب پکارے۔ (زکریا) خفیہ طور اپنے رب سے اے رب میرے بدن کے جوڑ کمزور ہو چکے ہیں۔ اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا ہے۔ (اس حال میں کہ مجھ میں نطفہ کی قوت باقی نہیں) لیکن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مخصوص کردہ ایک ترکیب ہے۔ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ۔ اللہ تعالیٰ محض نسلی طریق پر پیدا کرنے کا پابند نہیں۔ وہ جو طریق چاہے کر سکتا ہے۔ اور ایسا کرنا مشیّتِ الٰہی کے عین مطابق ہے۔ ایسے واقعہ کا انکار و عدمِ تسلیم ممکن نہیں۔ چنانچہ قرآن اس اہم پیدائش کی واضح ترتیب بیان کرتا ہے۔ فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶)

مَیں تجھ سے مانگنے میں (اس حال میں بھی) ناامید نہیں۔ مَیں محسوس کرتا ہوں کہ میرے بعد قوم بنی اسرائیل میں کوئی نبی نہ ہو گا جس سے قوم ہدایت پا سکے۔ اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ پس مجھے بغیر نسلی ذریعہ کے ــــ قدرتِ کاملہ سے (وہبی طور) ایک لڑکا عطا کر ــــ قرآن نے اِن آیات میں حضرت زکریاؑ کی حالت کا جو نقشہ کھینچا۔ اِس میں یہ وضاحت کر دی۔ کہ حضرت زکریا علیہ السّلام میں نطفہ کی قوت نہیں۔ اور ایسی حالت میں انسان کا نا اُمید ہونا فطری اصول کے تحت یقینی ہے۔ لیکن حضرت زکریاؑ اِس اُمید پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر نطفہ کے۔ وہبی رُوحانی۔ طور ایک فرزند عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اِس لیے فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ کا لفظ استعمال ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حالت میں حضرت زکریاؑ کو حضرت یحییٰؑ کی بشارت دی۔ یٰزَكَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۷) اے زکریا! ہم تمہیں ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ رکھا گیا۔ حضرت زکریاؑ نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا۔ کہ بغیر نسلی ذریعہ۔ بغیر رحم مادر لڑکا پیدا ہونے کی صورت کیا ہو گی۔؟ ــــ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۸) تو اللہ تعالیٰ نے بتایا كَذٰلِكَ یہ فرزند بجائے نسلی نطفہ کے خالص نور سے پیدا ہو گا۔ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ۔ یہ امر میرے لیے آسان ہے۔ مَیں پیدا کرنے میں کسی ترتیب کا پابند نہیں۔ یہ میرے لیے آسان ہے۔ البتہ یہاں پیدائش کے لیے ماں کا ہونا ضروری تھا۔ اِس لیے اللہ نے یہ صورت پیدا کر دی۔ وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ۔ اور ہم نے حضرت زکریاؑ کی بیوی کا بانجھ پن دُور کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کی بیوی میں ایک نور نفخ کر کے حضرت یحییٰ علیہ السّلام کو پیدا کیا ــــ چنانچہ اس ترتیب نوری کے لیے قرآن نے پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السّلام میں واضح ترتیب اس کی دلیل میں پیش کی جسے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ہم نے یہ نورِ حضرت مریمؑ میں نفخ کیا۔۔۔ گویا لِاَھَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا اور اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ کے جواب میں اللہ تعالیٰ ایک بشر کی پیدائشی ترتیب بھی بیان کرتا ہے۔ تو اس سے ایک بشر پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تعریف خود قرآن کرتا ہے۔

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ

"سوائے اِس کے نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام (ابنِ آدم سے نہیں) بلکہ کلمہ (نور) ہے اللہ کا۔ جو حضرت مریم میں القا کیا گیا۔۔۔" اِس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے نوری وجُود کے بنیادی وجُود۔۔۔ پیدائش۔ اور ترتیب پیدائش کی پُوری نشاندہی کی گئی ہے۔۔۔ اگرچہ پیدائشی حیثیت میں۔۔۔ جبکہ آپ کا وجُود نوری ہے۔ تمام پیدائش انسانی میں جو نطفہ سے پیدا ہوئی۔۔۔ حضرت عیسیٰ کو تمام عالم کے انسانوں پر فضیلتِ تامہ حاصل ہے۔ لیکن یہ خصوصیت درحقیقت اصل نہیں۔ بلکہ ایک دلیل کے طور پر یہ خصوصیت پیش کی جاتی ہے۔۔۔ کہ کائنات میں ایک افضل الانبیاء کا ظہور ابھی باقی ہے۔ یہ وہ ذات ہے۔۔۔ جو "محمّد" صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات ہے۔ جسے تمام کائنات ارض و سمٰوات پر ہر حیثیت میں فضیلت عطا کرنا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ اِس وجُود مقدّس کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے وجود سے افضل حیثیت حاصل ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷)

قرآن نے بتایا اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (پارہ ۶ سورۃ ۴ آیت ۱۷۱) سوائے اس کے نہیں کہ عیسیٰ ابنِ مریم اللہ کا بھیجا ہُوا۔ اس کا مخصوص کردہ ایک نور ہے۔۔۔ جو بطریق القا نفخ کیا گیا بطن مریم علیہ السّلام میں۔۔۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص کیے گئے انوار میں سے ایک نور ہے۔ اِس ترتیبِ پیدائش میں بھی قرآن نے وہی الفاظ استعمال کیے۔ جو پیدائش حضرت یحییٰ کے لیے حضرت زکریاؑ نے اپنی دُعا میں استعمال کیے۔

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَھَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ لہٰذا اس قرآنی بیان سے واضح ہے کہ کہ ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ کی ترتیب کے ایک نور کو بشری وجود کے لیے مخصوص کر کے بطن مادر میں نفخ کیا جاتا ہے۔ جس کا طریق فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا یعنی ایک نور مخصوص بطن مریم علیہا السّلام میں نفخ کیا گیا۔ جس نور نے حضرت عیسیٰؑ کی شکل میں ظہور کیا۔

اور اگر ایک وجود کو نوری حیثیت میں فضیلت حاصل ہے تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کی پیدائش میں بھی نوری ترتیب شامل رکھنا ضروری ہے۔ اگر ایسا تسلیم نہ کیا گیا۔ تو لامحالہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پر جسمانی حیثیت میں فضیلت تسلیم کرنا ہوگی ـــــ مگر ایسا نہیں ـــــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم افضل الانبیاء ہیں۔ اِس لیے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیدائش نوری کو تسلیم کرنے کے لیے ہی وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ۔ حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش نوری کو ـــــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیدائش نوری کے لیے قبل از وقت تسلیم کرنے کے لیے دلیل بنایا گیا ـــــ اِس تمام واقعہ میں صرف ایک نکتہ کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا یہ ہمارے ارادہ ازلی میں مقرر ہو چکا تھا۔ اِس لیے اس امر کا تقاضا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے وجودِ بشری کے لیے ازل سے اللہ تعالٰی نے ایک نُور مقرر کیا۔ جو نُور اس کے خزانۂ مخفی میں رکھا گیا اور وقت موعود پر حضرت مریمؑ میں نفخ کیا گیا۔ اِسی طرح حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کے لیے بھی ایک عظیم نُور اللہ تعالٰی کے خزانۂ مخفی[1] میں رکھا گیا۔ ہاں۔ اب ترتیب کا فرق ہے ـــــ حضرت عیسٰی علیہ السّلام

---

[1] خزانۂ مخفی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نوری پیدائش کے متعلق ایک نعت پیش کی جاتی ہے۔ یہ نعت حضرت عباسؓ نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیش ہو کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اجازت سے پڑھی جس پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اظہارِ خوشنودی فرمایا۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر رمضان ۹ ھ۔ جب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ تشریف لائے۔ تو حضرت عباسؓ نے آپ کی مدح میں یہ اشعار حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سنائے۔ جس پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اظہارِ خوشنودی فرمایا۔ (ماخوذ از سیرت رسولِ عربیؐ مصنف نوری بخش توکلی پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور بحوالہ طبرانی بروایت مواہب زرقانی (غزوہ تبوک)

نعت رسولِ مقبولؐ از حضرت عباسؓ۔

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَ فِي
مُسْتَوْدَعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لیے والد نہیں لہٰذا اِس کے لیے نفخ کی ترتیب ہی ہو سکتی ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کو قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کے معنی میں والد سے نسبت دی جائے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی فضیلت کو اہمیت دی جائے۔ لہٰذا وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹)

اِس دُنیا میں آنے سے پہلے آپؐ (عالم بالا کے خزانۂ مخفی) سایۂ خاص میں مخزن تھے۔ پھر پشتِ آدم علیہ السّلام میں اُترے۔ (القا ہوتے) تب جب حضرت آدمؑ کو باغ (جنّت) میں سکونت کا حکم ہُوا۔

ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ وَلَا بَشَرٌ
اَنْتَ وَلَا مُضْغَةٌ وَلَا عَلَقٌ

پھر آپؐ (پشتِ آدم سے) اُترے اولادِ آدم کی پشتوں میں منتقل ہوتے۔ اِس حال میں کہ آپ نطفہ کی مانند نہ بشری ہیئت میں۔ نہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں۔ نہ لہُو کی بُوند۔

بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِيْنَ وَقَدْ
اَلْجَمَ نَسْرًا وَاَهْلَهُ الْغَرَقُ

بلکہ ایک نوری وجود — جو حضرت نوح علیہ السّلام کی پشت میں منتقل ہُوا۔ جب وہ کشتی میں سوار تھے۔ اِس وقت جب پانی کی موجیں پہاڑ کو چھُو رہی تھیں اور قومِ نوحؑ غرق ہو چکی تھی۔

تُنْقَلُ مِنْ صَالِبٍ اِلٰى رِحَمٍ
اِذَا مَضٰى عَالَمٌ بَدَا طَبَقٌ

پھر یہ نُورِ مقدس اولادِ آدم کی پُشتوں میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ زمانہ گزرتا رہا۔ اولادِ آدم طبقوں میں بٹ گئی اور بستیاں بنیں زمین پر۔ ہاں! یہ وہ صالب (پشتیں) نہیں جس کا اشارہ یَخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ میں باپ کی پیٹھوں سے دیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اِس نورِ مقدس کے پُشت در پُشت انتقال کے لیے — انسان کے "قلب" کو مخصوص کیا۔ کیونکہ انسانی وجود میں نور کے خزانہ کے لیے — قلب کے سوا اور کوئی صلب (پشت) نہیں جہاں اس نور کا قرار ہو — کیونکہ یہ نور وَلَا بَشَرٌ۔ وَلَا مُضْغَةٌ وَلَا عَلَقٌ کی ہیئت میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نُور کو گذشتہ آیات کی ترکیب پیدائش کی روشنی میں قبل از وقت دلائل کے ساتھ۔ خزانہ عالمِ غیب میں محفوظ کر رکھا اور وقتِ موعود پر یہ نور حضرت آدم علیہ السلام کی پُشت میں القا کیا ـــــ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ کے خطاب سے اس ترتیب کو سمجھنا ـــــ یا تسلیم کرنا ممکن ہے ـــــ حضرت مولانا روم نے اپنی مثنوی میں ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۰)

وَرَدْتَ نَارَ الْخَلِيْلِ مُكْتَتِماً

فِي صُلْبِهِ اَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

پھر آپ نُوری ہیئت میں حضرت ابراہیمؑ کی پشت میں منتقل ہوئے ـــــ ہاں! آپ اس وقت پشتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پوشیدہ تھے۔ تو پھر انہیں کیسے آگ جلاتی!

حَتّٰى احْتَوٰى بَيْتُكَ الْمُهَيْمِنُ مِنْ

خِنْدِفِ، عَلْيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ

یہاں تک کہ آپ ذریتِ ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی پشتوں میں منتقل ہوتے رہے جس نے اللہ کے امن والے گھر کے قریب سکونت رکھی تھی۔ جن میں قبیلہ خندف کو ایک بلند مرتبہ خاتون اِمِ مالکہ بن الیاس کی نسبت سے شرف حاصل تھا اور جس قبیلہ میں وہ عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں جن میں اولاد اسماعیل علیہ السلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اکیسویں پشت عدنان سے آپ کی اولاد میں برگزیدہ ہستیاں عدنان۔ معد۔ نزار۔ مضر۔ الیاس۔ مدرکہ۔ نضر۔ مالک۔ فہر۔ ہاشم جیسی محترم ہستیاں شمار کی جاتی ہیں۔ قبیلہ خندف میں اِمِ مالکہ بن الیاس جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں ایک عابد و زاہدہ بلند مرتبہ خاتون تھیں جن کی نسبت سے اس قبیلہ خندف کو اعلیٰ مقام حاصل رہا۔ اسی قبیلہ میں مالک کے فرزند فہر (فہر بن مالک) قریش کے لقب سے عرب میں مشہور ہوئے۔ کیونکہ یہ عرب کے جملہ قبائل سے بہادر اور طاقتور قبیلہ سے تھے۔ عرب پر ان کی طاقت کی دھاک بیٹھی تھی۔ اس لیے انہیں قریش کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ قریش عربی اصطلاح میں "وہیل مچھلی" کو کہا جاتا ہے۔ فہر نے اپنے قبیلہ کے تمام آدمیوں کو اکٹھا کر کے مکہ میں بسایا۔ اس لیے کعبۃ اللہ کی تولیت اور مکہ پر فہر کی حکومت قائم ہو گئی۔ خِنْدَفِ عَلْيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ میں فہر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حدیث کی شرح میں بیان کیا

وز برائے من بدش سجدہ ملک　　وز پئے من رفت بر ہفتم فلک

گر بصورت من زِ آدم زادہ ام　　وز بمعنی جدِّ جد افتادہ ام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۱)

قبیلہ خندف کے ایک بہادر سردار نے اپنی قوم کو اپنی سربراہی میں لے کر طاقتور قوت حاصل کی۔ اِسی سردار کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے ـــــ اسی فہر کی اولاد سے غالب۔ لوی۔ کعب۔ مرہ۔ کلاب۔ قصی۔ عبد مناف۔ ہاشم۔ عبد المطلب۔ عبد اللہ علیہم السّلام بڑے فرزندوں میں سے ہیں۔ جن کی پشتوں سے یہ نُورِ مقدس محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منتقل ہوتا پشت عبد المطلب میں پہنچا۔ اور آپ کی پشت سے یہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ پشت عبد اللہ علیہ السّلام میں منتقل ہُوا۔ اور حضرت عبد اللہ علیہ السّلام کی (صلب) پشت سے بطنِ آمنہ علیہا السّلام میں مثل اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ نفخ ہُوا۔ اور یہی نُور مثل حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش کے وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ کی دلیل کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری شکل میں پیدا ہُوا ـــــ سو حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَ اَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ

وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقُ

آپؐ کی پیدائش پر زمین چمک اُٹھی۔ اور آفاقِ سماوی آپؐ کے نُور سے روشن ہو گئے

فَنَحْنُ فِيْ ذَالِكَ الضِّيَآءِ وَفِي النُّوْرِ

وَسُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

اور ہم سب اِسی روشنی میں ہیں اور اِسی نُور سے رشد و ہدایت کی راہیں نکال رہے ہیں اِس نعت کا حوالہ ـــ "اسد الغابہ" میں دیا گیا ہے ـــ اِس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کلماتِ تحسین فرمائے۔

ان اشعار سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مثلِ عیسیٰ علیہ السّلام مثل حضرت یحییٰ علیہ السّلام مخصوص نُور سے ہُوئی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے وجُود کے لیے خزانہ عالمِ بالا میں ایک نُور مخصوص کیا گیا اور وقت موعود پر یہی نُور نَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا کی ترتیب

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور کے نورِ جسدی کو حضرت آدمؑ کی پشت میں القا کیا گیا۔ اور یہ نور اولادِ آدم میں پشت در پشت منتقل ہوتا رہا ــــ یہاں تک کہ یہ نور پشت حضرت نوح علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ اس کے بعد یہ نور پشتِ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں منتقل ہوا ــــ اسی نور کا اثر تھا۔ کہ آپ پر نمرود کی آگ اثر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۲)

کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام میں نفخ کیا گیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت عیسیٰؑ کے نور سے افضل نورِ ازل سے مخصوص کر کے ــــ مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ خزانۂ عالمِ بالا میں مخزن کیا گیا۔ اور یہی نور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں مُسْتَوْدَعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ باغ ارضی میں جب حضرت آدمؑ نے يَخْصِفَانِ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ــــ اپنے آپ کو باغ کے پتوں سے ڈھانپا۔ القا کیا گیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائشی ترکیب میں نَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا کا طریق اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے لیے نئی تخلیقی ترکیب اختیار کی ــــ یہ اس لیے کہ وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اپنے مخصوص و منتخب بندوں کو اعلیٰ صفات کے ساتھ پیدا کرنا تھا۔ یہ امر ازل سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں مقرر ہو چکا تھا کہ زمین پر نسلی پیدائش سے سوا ــــ نوری پیدائش کا ظہور بھی ہوگا۔

قرآن نے سیرت النبی کے بیان میں۔ آلِ عمران کی خصوصیات کا تفصیلی ذکر کیا۔ دراصل آلِ عمران میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے متعلق جو واقعات بیان کیے ہیں۔ ان میں اصل مقصد ان واقعات کا بیان کرنا نہیں۔ جیسے قرآن واقعات بیان کرتا ہے اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰؑ میں تمہیں طبعی موت دوں گا۔ اور تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا ــــ اور پاک کروں گا ان کافروں کے شر سے۔ یہ بیان اس زمانہ کا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف یہودیوں نے سازش شروع کی۔ کہ آپ کو بغاوت کے الزام میں قتل کیا جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشارت دیتے ہیں اے عیسیٰ فکر نہ کریں۔ آپ کے لیے طبعی موت مقرر کی گئی ہے۔ یہ آپ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں کہ آپ کو قتل کریں۔ لیکن یہ اپنے مکر میں کامیاب نہ ہوں گے ــــ بلکہ میرا منصوبہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اندازہ نہ ہو سکی ـــ یہی نور پشتِ اسماعیل علیہ السّلام میں منتقل ہوتا ہُوا ـــ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لیے منتخب کیا ـــ یہی نور ذریت حضرت اسماعیل (بڑے فرزند) کی پشتوں میں منتقل ہوتا ہُوا پشتِ حضرت عبداللہ علیہ السّلام میں منتقل ہُوا۔ اِس خصوصیت پر آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے۔ قربانی کے لیے منتخب کیا گیا۔ اور اب ـــ اسی مقام پر گزشتہ قرآنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۳)

یہ ہے ـــ کہ آپ کی عظمت کو بلند و بالا کرنے کے لیے آپ کو آسمان پر اُٹھا لے جاؤں گا ـــ اِسی منصوبہ کی تصدیق کے لیے قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی اصل حقیقت سے یہود و نصاریٰ کو بھی آگاہ کیا ـــ جیسے کہ واقعات اِس زمانہ میں دیکھنے میں آئے۔ کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب ہوتے اور وفات پاتے دیکھا۔ تو سب ہی نے یقین کر لیا حضرت عیسیٰؑ صلیب دیے گئے۔ اور دفن کیے گئے۔ مگر قرآن اصل واقعہ چھ سو سال بعد پیش کرتا ہے ـــ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ○ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○

(پارہ ۶ سورۃ ۴ آیت ۱۵۷۔ ۱۵۸) ترجمہ = اور ان کا (یہودیوں کا) کہنا ہے کہ ہم نے مسیح ابنِ مریم رسول اللہ کو قتل کیا۔ مگر نہیں قتل کیا اس کو اور نہ صلیب دیا اس کو۔ لیکن وہ اس معاملہ میں تذبذب اور شبہ میں ہیں۔ کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام قتل ہوئے یا نہیں ـــ اور ان میں آپس میں قتلِ مسیح پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ وہ اِس قتل میں شک میں پڑ گئے۔ نہیں ہے انہیں علم اس کا۔ مگر پیروی کرتے ہیں ظن کی ـــ یقیناً انہیں قتل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف (آسمان پر) اُٹھا لیا۔ اللہ اپنے منصوبے پُورا کرنے کی غالب قوت رکھتا ہے۔ اور وہ پوشیدہ اسرار کا جاننے والا ہے۔

در اصل قرآن حالاتِ زمانہ کے مطابق نزولِ حضرتِ عیسیٰؑ اور یہود کی مخالفت اور قتل کی سازش کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن اِس بیان میں صرف رَافِعُكَ إِلَيَّ اصل مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازلی منصوبہ کے تحت حضرت عیسیٰؑ کو نور سے پیدا کرنا۔ اور اس نوری وجود کی صفت بیان کرنے کا اصل مقصد تھا کہ اس نوری وجود کی صفت جسم کے ساتھ آسمانوں میں داخل ہونا ہے۔ اور یہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آیات کو۔ وَلِنَجْعَلَهٗ آیَۃً لِّلنَّاسِ ـــ بطورِ دلیل پیش کر کے۔ ایک پیدائشی ترتیب کا اعادہ کیا گیا اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ کی جگہ۔ حضرت آمنہ علیہا السّلام کے بطن میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پشتِ عبد اللہ علیہ السّلام سے القا کیا گیا۔ جس کی دلیل اسی قرآنی آیت سے دی گئی۔ وَلِنَجْعَلَهٗ آیَۃً لِّلنَّاسِ۔ یہ فرمان دراصل حضور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائشی ترتیب کی طرف

ـــــــــــ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴) ـــــــــــ

امر وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا کے تحت تھا اور یہ اس لیے بھی کہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ اصل مقصد نہیں۔ بلکہ وَلِنَجْعَلَهٗ آیَۃً لِّلنَّاسِ تاکہ اِس واقعہ کو کسی آنے والے واقعہ کے لیے بطورِ دلیل سامنے رکھا جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے ساتھ بغیر نسلی (نطفہ) ذریعہ کے خالص نور سے ایک بشری انسان پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور ایسی پیدائش بھی فطری تخلیقی قانون کے دائرے میں آتی ہیں۔

ان قرآنی بیانات کا اصل مقصد قرآن سے ہی واضح کیا جا سکتا ہے۔ کہ قرآنی بیان سے یہ امر واضح ہے۔ کہ پیدائشی اعتبار سے نوری وجود۔ ہر حال میں نسلی وجود سے افضل درجہ رکھتا ہے۔ ـــــ نسلی وجود کا مرکب۔ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ مٹی ایک سفلی ادنیٰ درجہ کا مرکب ہے۔ اس کے مقابل خاک سے افضل خَلَقْتَنِیْ مِنْ النَّارِ ناری ہیئت اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ قرار دی گئی ہے۔ اور نار سے افضل نور قرار دیا جاتا ہے۔ سو ظاہر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا وجود اِس قرآنی بیان کی روشنی میں نسلی پیدائش سے افضل قرار دیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت وَلِنَجْعَلَهٗ آیَۃً لِّلنَّاسِ سے ظاہر کرتی ہے۔ کہ کسی وجود کی افضلیت اس کی جسمانی ہیئت و مرکب سے ثابت ہوگی۔ جو "رَفْع" جسمانی رَفْع سے ثابت ہوگی ـــــ اسی اصول کو سامنے رکھ کر ـــــ حضرت عیسیٰؑ کے بعد آنے والی ایک اولوالعزم ہستی جو کائنات میں بزرگ ترین ہستی تسلیم کی جاتی ہے۔ جب تک اس وجود کی ہیئت نوری نہ ہو۔ اس کی فضیلت حضرت عیسیٰؑ کے نوری وجود کے مقابلہ میں افضل ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ قرآن اسی ہستی کی فضیلت اسی رَفْع سے ثابت کرتا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت اوّل) پاک ہے۔ وہ ذات مبالغہ آمیزی سے۔ جس نے اٹھایا اپنے بندے کو مسجد الحرام (کعبۃ اللہ) سے مسجد اقصیٰ تک۔ رات کے ایک

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اشارہ ہے۔ کہ اگرچہ قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کو واضح طور پر بیان نہیں کیا ــــ لیکن قرآنی آیات سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے افضل نوری وجود پیدا کرنا تھا ــــ اور ایسا کرنا ضروری بھی تھا ــــ اور یہ امر وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا (کہ امر ازل سے مقرر ہوا تھا) کے فرمان میں پوشیدہ تھا۔ کہ دراصل یہ واقعات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵)

قلیل وقفہ میں ــــ اِس آیت میں مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک رات کے قلیل وقفہ میں جانے کے ذکر سے خود اِس امر کی وضاحت کرنا مقصود ہے۔ کہ یہ انتقال بہ صورت جسمانی ہے۔ بغیر اِس تصور کے اِس بیان میں کوئی خاص اہمیت نظر نہیں آتی۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اِس واقعہ کا ذکر کرنا واقعہ معراج کو اہمیت دیتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی رات (لیلۃ الاسرٰی) میں مسجد اقصٰی میں دو رکعت نماز میں تمام انبیاءؑ نے آپؐ کی امامت میں نماز ادا کی۔ جس میں حضورؐ کی اقتدا میں حضرت عیسٰیؑ بھی شامل تھے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نورِ احد تک رسائی۔ عروج۔ وَ رَفَعَ حاصل کیا اس کے مقابل حضرت عیسٰی علیہ السلام کا رَفَعَ جسمانی آسمان سوئم تک ہے۔ چنانچہ قرآن نے بھی حضورؐ کے اِس بیان کی تصدیق کی۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۞ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۞ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ۞ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۞ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ۞ ــــ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ۞ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۳ آیت ۸ تا ۱۲، ۱۷، ۱۸) پھر قریب ہوا پس تجلیاں نازل ہوئیں آپؐ پر۔ پس اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم سے کم فاصلہ رہ گیا۔ پس اللہ نے مشاہدہ کرایا اپنے اسرار کا۔ جو پوشیدہ ہے ــــ کیا تم اس بات پر رسول سے جھگڑ رہے ہو۔ یہ جو کہتے ہیں۔ کہ رات کے قلیل وقفے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجسم آسمان و عالم بالا اور ذاتِ الٰہی تک عروج کیا۔ ہاں آپ نے مجھے دیکھا (اپنی آنکھوں سے) اِس حال میں کہ (حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں) میری تجلیات و تدلیات کے مشاہدہ میں آپ کی آنکھ تک نہ جھکی نہ اِدھر اُدھر گھومی ــــ البتہ یہ سچ ہے۔ آپ نے اِس رات اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسرار کی سیر (بجسم) اور مشاہدہ (بالبصر) کیا۔ درحقیقت یہ معراج (وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا) کے منصوبہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بطور دلیل پیش کرنا مقصود تھے۔ تاکہ ان آیات کی روشنی میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش نوری کو تسلیم کیا جائے سو کَذَالِکَ اس طرح بھی ـــــ اللہ پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے جسم کے لیے خزانۂ مخفی میں ایک نور کو مخزن کیا گیا۔ تو لازمی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے ـــــ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نور سے اعلیٰ و افضل نور منتخب کیا تاکہ اِسی ترتیب سے آپ کی پیدائش ہو ـــــ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا نور براہِ راست بطنِ مریم علیہا السّلام میں نفخ کیا گیا۔ مگر ـــــ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ۔ یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے لیے ایک نئی ترتیب مقرر کرے۔ کیونکہ آئندہ بھی اِس ترتیب کو جاری رکھنا منظور ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی "آل" میں یہ خصوصیت پائی جائے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کا مقام عطا کیا۔ کہ آپ کی آل اور اُمّت میں مخصوص

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۶)

کے تحت ازل میں طے ہو چکا تھا۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو نور سے بنایا جائے گا۔ اور اِس جسم کی صفت کا مظاہرہ "رَفَعَ" سے کیا جائے گا۔ اور یہ واقعہ محض ایک دلیل کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ اِس لیے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو تمام انبیاء پر فضیلت دینی ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری پیدائش کی صورت میں ہو گا۔ جس کی دلیل رَفَعَ سے ہی دی جائے گی۔ اور اس رفع کا ذکر قرآن نے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی کی صورت میں پیش کیا۔ ان واقعات میں ایک نکتہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت عیسٰیؑ کی نوری پیدائش دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری پیدائش کے تسلیم کے لیے پیشگی دلیل پیش کرنا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے حضرت عیسٰیؑ کی نوری پیدائش (نوری جسم) کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے لیے۔ نوری ترتیب پیدائش کا ہونا فطری اور لازمی تھا۔ اور اس ترکیب میں جیسا کہ بیان ہُوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ایک نور مخصوص ہونا ضروری ہُوا۔ بلکہ ازل سے آپ ہی کا نور۔ جسم کے لیے مخصوص ہُوا۔ جو حضرت آدمؑ کی پشت سے لے کر حضرت عبد اللہ علیہ السّلام کی پشت تک منتقل ہوتا بطنِ آمنہ علیہا السّلام میں القا ہُوا۔

ہستیاں پیدا ہوں گی جو اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک باقی رکھیں۔ چنانچہ اِس ترتیب کے لیے بھی ایک نظام قائم ہوا — کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود سے نور مخصوص کر کے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں منتقل کیا گیا — یہ مخصوص ہستی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے — جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دَمُكَ دَمِی لَحْمُكَ لَحْمِی (آپ کا خون میرا خون۔ آپ کا گوشت میرا گوشت) کی خصوصیت سے پکارا — اگرچہ یہ فرمان حضرت علیؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے قربت اور علوِ مرتب کی طرف استعارۃً اشارہ ہے۔ تاہم اِس بیان میں انتقالِ نوری کی طرف بھی اشارہ ہے — جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا — "علی مجھ سے ہے" — سو یہ امر قابلِ تسلیم ہو سکتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ مجسّم[1] سے ایک نور حضرت امام حسن علیہ السلام و امام حسین علیہ السلام کے لیے مخصوص ہوا۔ انہیں انوار نے بطنِ فاطمۃ الزہراؓ میں منتقل ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام و حسن علیہ السلام کی شکل میں ظہور کیا — چنانچہ حضرت امام عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کو شہادت کے لیے منتخب کرنا منشاء الٰہی

---

[1] حضرت امام عالی مقام۔ امام حسین علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ جسدی سے ایک جز کو مخصوص کر کے بطنِ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا میں القا ہوا (اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ) اِس حقیقت کی شہادت دو طرح سے پیش کی جاتی ہے۔ (نقل از مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی۔ مضمون اخبار جنگ ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء) مضمون حسبِ ذیل ہے۔
"ولادتِ گُلِ باغِ رسالت" حضرت امام عالی مقام (حضرت امام حسین) علیہ السلام تاریخ اور سنہ ولادت ۳ شعبان ۴ھ ہے۔ آپ بطنِ مادر میں چھ ماہ رہے — اور بیان کیا گیا ہے۔ کہ کوئی بچہ سوائے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور امام عالی مقامؑ کے چھ مہینے کا زندہ نہیں رہا۔ اِس نسبت سے آپ کی پیدائش حضرت یحییٰؑ کی پیدائش سے مشابہت رکھتی ہے۔ جس میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش قرآنی بیان کی روشنی میں (ماں باپ کے ہوتے) نسلی ذریعہ سے سوا۔ نوری پیدائش ثابت ہے۔ یہی طریق حضرت امام عالی مقامؑ کی پیدائش میں کارفرما ہے۔

کے تابع تھا۔ ورنہ زمین و آسمان کی تمام طاقتیں یکجا ہو کر بھی حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا ایک بال بھی بیکا کرنے کی طاقت نہ رکھتیں۔ کیونکہ یہ اولاد ـــ شیرِ خدا۔ حیدرِ کرار علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ تھی ـــ ہاں۔ یہ شہادت اِسی خصوصیت کی بنا پر مقرر تھی۔ وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ـــ یہ ارادہ الٰہی میں ازل سے منصوبہ مکمّل ہو چکا تھا۔ کہ ان کی ذاتِ اقدس سے مقامِ محمود کی تکمیل ہو ـــ جیسا کہ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاَ اِلٰہ ہست حسینؓ

اور یہ منصوبہ جاری رہنا مقصود تھا۔ اور اِس منصوبہ کی تکمیل کے لیے۔ یہی پیدائشی خصوصیت رو بہ عمل لائی گئی۔ اور اب اِس خصوصیت کو حضرت امام مہدی علیہ السلام پر تمتہ کرنا مقرر ہوا ـــ کہ یہ زمانہ قربِ قیامت سے ہے ـــ اور ایک زمانہ میں جس وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۸)

دوسری شہادت ـــ زوجۂ محترمہ حضرت عباسؓ کے خواب سے ملتی ہے۔ امّ فضل بنتِ حارث زوجہ حضرت عباسؓ نے ایک خواب دیکھا جس کی وجہ سے ان کو پھر نیند نہ آئی۔ اور صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی ـــ کہ آج شب خواب میں دیکھا کہ آپؐ کے جسمِ اطہر سے ایک ٹکڑا الگ ہو کر میری گود میں آ پڑا ـــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا خواب سچا ہے۔ میری صاحبزادی (حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا) کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جسے تم اپنی گود میں پرورش کرو گی۔ چنانچہ امّ فضلؓ بیان کرتی ہیں۔ کہ واقعی حضرت فاطمہؓ کے حضرت امام حسینؓ پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش میری گود میں ہوئی۔ اِس خواب کی تعبیر واضح ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسمِ اطہر سے ایک ٹکڑا الگ ہونا آپ کے وجود کی ایک جزو سے امام حسین علیہ السلام کے وجودِ مقدّس کا ظہور ہونا ثابت ہے۔ کہ حقیقتاً۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کی پیدائش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری جز سے ہوئی (وفا الوفا)

علمائے اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کے علماء جیسی ہیئت اختیار کی ــــــ اور دین کو مسخ کر ڈالا ــــ تو اس وقت اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہستیاں منتخب کی جائیں گی۔ جنہیں مجدد کہا جائے گا ــــ جو ہر زمانہ میں تجدید دین کریں گے۔ ان میں حضرت محی الدین عبد القادرؒ جیسی ہستیاں ہوں گی۔ اور ان ہستیوں میں حضرت امام المہدی علیہ السلام کی ذات کو مخصوص کیا گیا۔ کہ قریب قیامت میں جب علمائے اُمت نے دینِ محمدیؐ کو بے رونق کر دیا ہو گا۔ اس وقت امام المہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گا۔ آپ کی پیدائش بھی۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا کے تحت ہو گی۔ آپ کے وجود کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے ایک نور منتخب کیا گیا۔ یہ نور امین علیہا السلام میں منتقل ہوتا ہوا والد[۱] امام مہدی سے بطنِ والدہ امام مہدی علیہ السلام میں منتقل ہو گا۔ لہٰذا اِس ترتیب کی روشنی میں۔ ہر زمانہ میں مثلِ ذریت اسماعیل علیہ السلام یہ نور ذریتِ امام حسین میں منتقل ہو گا۔ اِسی انتقال کے وقت جب یہ نورؑ ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوتا ہے۔ وقت کے اولیاء مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو انہیں یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ حضرت امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ صورت یہ ہے کہ جب ذریت میں ایک فرزند میں نورؑ انتقال کرتا ہے۔ تو اس نور کے مشاہدہ میں وُہ شخصیت بھی مشاہدہ میں آتی ہے۔ کیونکہ حضرت امام مہدی اس وقت نوری حیثیت میں ہوتے ہیں۔ مگر پشت میں ہوتے ہیں۔ تو لازمی طور جس پشت میں ہوں اسی ہستی کا مشاہدہ بھی سامنے آتا ہے۔ تو اسی ہستی کو دیکھ کر گمان کیا جاتا ہے۔ کہ یہی امام المہدی ہیں۔ مگر ظہورِ امام مہدی علیہ السلام کے لیے قربِ قیامت کا وقت معین ہے۔ اس لیے ایسے مشاہدات میں جب حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہورؑ نہ ہوا۔ تو یہ امر شک وظن کا سبب بن جاتا ہے۔ دراصل یہ امر متشابہات سے متعلق ہے۔ اِس لیے پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ خروج دجال۔ قیام قیامت اور ظہورِ مہدی۔ شعائر اللہ ــــ اللہ تعالیٰ کی آیات میں شمار ہیں۔ اِس کی حقیقت ایک ولی اکمل پر ہی واضح ہو سکتی ہے۔ چونکہ ظہورِ مہدی کا تعین نہیں۔

---

[۱] والد امام مہدیؑ۔ ممکن ہے شاہِ مردان ہی ہوں۔

اِس لیے جب بھی کسی ولی کو اس انتقال نوری پر مشاہدہ ہُوا۔ اُس نے گمان کیا۔ کہ یہی امام مہدی ہیں۔ اور اسی زمانہ میں ان کا ظہُور ہونے والا ہے۔ زمانہ کے تعین کے سبب جب کہ یہ زمانہ متشابہات سے متعلق ہے حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے ظہُور کو اخفا میں رکھا گیا ـــــ اب یہ کسی ولی اکمل کی خصُوصیت ہے۔ جو اصل حقیقت سے آگاہی رکھ سکتا ہو ـــــ یہ خصوصیت حضور قبلہ عالم کو حاصل تھی۔ کہ آپ ان جُملہ حقائق کے بدرجہ اُولیٰ شاہد تھے۔ آپ شاہ مردان کی شخصیت کو پہچانتے تھے۔ کہ ان کی پشت میں حضرت امام مہدیؑ[1] کا نوُر ہے۔ اور اب اسی حیثیت میں آپ کا احترام کرتے تھے۔ چونکہ حضور قبلہ عالم کو ظہُور امام مہدی سے متعلق تمام انتظامات سپرد کیے گئے تھے۔ اِس لیے حضور اس قافلہ کی نگرانی کی خاطر خان پُور تک تشریف لے گئے۔

نوُر محمّد شرابی کا خواب اور اس کا دُرود خوانوں میں شامل ہونا

ایک دن میں گھر سے بازار کی طرف نکلا۔ (راقم اسمہ امیراکدل میں) میرا ماموں نور محمد مجھ سے ملا۔ کہنے لگا آج مَیں نے تمہارے پیر صاحب کو خواب میں دیکھا ہے۔ نور محمد بے حد شراب پیتا تھا۔ یہ شخص شہر کے دس نمبر بدمعاشوں میں شمار ہوتا تھا۔ شراب کے نشہ میں بازاروں میں شور مچاتا۔ اکثر بے ہوش ہو کر سڑک پر گر جاتا۔ گھر کے لوگ اس کی کثرت شراب نوشی سے نالاں تھے۔ کہنے لگا۔ آج مَیں نے خواب دیکھا۔ کہ شہر کے باہر ایک بڑی

---

[1] اس امر کی دلیل جناب قبلہ سخی صاحب کے خواب سے واضح طور ملتی ہے۔ کہ آپ نے خواب میں ایک ہستی کے کندھوں پر ایک بچّے کو دیکھا اور لوگ اس بچّے کو امام مہدی کہتے ہیں۔ یہ ہستی حضرت شاہ مردان کی تھی۔ "آپ کے کاندھوں پر بچّہ" حضرت امام مہدیؑ کا ان کی پشت میں ہونا تعبیر کیا جاتا ہے۔ جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کا بیان ہے کہ مَیں نے حضورؒ سے پوچھا کہ کیا ہم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عیدگاہ ہے ـــ اس کے ملحق ایک پُرانی زیارت (علم صاحب کی) مشہور ہے۔ وہاں بہت سے لوگ ریل کی پٹڑی بچھا رہے ہیں۔ تمہارے پیر صاحب بھی وہاں موجود ہیں۔ یہ ایک افسر کی طرح پٹڑی بچھانے کا حکم دیتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں۔ امام مہدی علیہ السّلام آنے والے ہیں۔ یہ ریل کی پٹڑی انہیں کے لیے بچھائی جا رہی ہے۔ اتنے میں دیکھتا ہوں سیاہ رنگ کے خوفناک شکل کے لوگ ہاتھوں میں نیزے لیے۔ لوگوں کو پکڑتے ہیں۔ کہتے جاتے ہیں۔ پکڑو ان کو یہ گنہگار ہیں۔ اور نیزہ مار کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ ایک خوفناک شخص میری طرف نیزہ تانے لپکا۔ اور مجھے نیزہ مارنے لگا۔ مَیں خوفزدہ ہُوا۔ اتنے میں پیچھے سے کسی نے آواز دی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۱)

حضرت امام مہدیؑ کا زمانہ پائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ اب زمانہ قریب آچکا ہے۔ جیسا کہ بیان ہُوا۔ کہ حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے ظہور کے متعلق گزشتہ فقراء اعلان کرتے رہے۔ لیکن آپ کے ظہور کو اخفا میں رکھا گیا۔ چنانچہ محی الدین ابنِ عربیؒ کے بیان سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ کہ آپ کا ظہور اخفا میں رکھا گیا۔ لیکن ایک زمانہ میں آپ ضرور ظہور کریں گے ـــ اس سلسلہ میں حضورؒ فرماتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب عالی جاہ سید مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحب دار العلوم امروہہ کے نگرانِ اعلیٰ تھے۔ حضور قبلہ عالم آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔ (غالباً حضور قبلہ عالم کی عمر اس وقت دس بارہ سال تک ہوگی جس زمانہ میں شہنشاہ افغانستان امان اللہ خان مرحوم کو سلطنت چھوڑ کر یورپ جانا پڑا) حضورؒ اپنا ایک خواب بیان فرماتے ہیں۔ کہ خواب میں دیکھتے ہیں۔ کہ دہلی کی جامع مسجد کے صدر دروازے پر کھڑے ہیں۔ دروازہ کے دونوں جانب دیوار پر چیونٹیاں قطار میں گردش کر رہی ہیں ـــ دیوار کی دائیں طرف قطار میں عبد القیوم لکھا نظر آتا ہے۔ اور بائیں طرف چیونٹیوں کی قطار سے عبد المس لکھا ہُوا ہے۔ اسی دوران لوگ آ آ کر ان الفاظ کو دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ظہور مہدی کا وقت قریب ہو رہا ہے۔ یہ خواب حضور قبلہ عالم نے حضرت عالی جاہ سید مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحبؒ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا ایک وقت ہوگا کہ ہندوستان تقسیم ہوگا ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ہوگی۔ اور ایک وقت آئے گا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں جنگ ہوگی۔ (اس سلسلہ میں حضور نے اور بھی واقعات بیان کیے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسے مت مارو۔ اِس شخص نے مجھے چھوڑ دیا۔ مَیں پیچھے کی طرف مڑا دیکھا۔ ایک دراز قد سفید لباس میں ملبوس خوبصورت ہستی کھڑی ہے۔ مَیں ان کے قریب گیا۔ پوچھا۔ کہ آپ کون ہیں۔ جنہوں نے میری جان بچائی۔ وہ خاموش کھڑے رہے۔ مَیں ان کے اور قریب ہُوا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲)

جن کا یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں)۔ اِسی سلسلہ میں بیان فرمایا کہ بیت المقدس پر یہودی قابض ہوں گے۔ اور یہودیوں کے ہاتھوں مُسلمان پسپا ہوجائیں گے۔ ان میں آپس میں جنگ ہوتی رہے گی۔ آخر جب یہودیوں کے مظالم مُسلمانوں پر شدت اختیار کریں گے۔ تو اس وقت شکست خوردہ مسلمان یکجا ہوکر اعلانِ جہاد کریں گے۔ اَخْرِجَ الْیَهُوْدَ اِلَی الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ تو مُسلمانوں (اہلِ عرب) اور یہودیوں میں شدید جنگ چھڑ جائے گی۔ چونکہ اس وقت شرعی ضابطہ کے تحت جہاد ہو گا۔ اس لیے اہلِ اسلام ایک خلیفہ کا تقرر کریں گے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ یہ جہاد بیت اللہ سے شروع ہو گا۔ اور اسی جگہ ایک خلیفہ کا انتخاب کیا جائے گا۔ لیکن خلیفہ کے تقرر میں مشکل پیش آئے گی۔ کہ کس شخص کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ اِسی دوران شام سے سات آدمی مکہ شریف میں آئیں گے۔ وہ ایک شخص کی نشاندہی کریں گے۔ کہ اس شخص کو خلیفہ بنایا جائے۔ لیکن وہ شخص انکار کرے گا۔ کہ مَیں خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اِس سلسلہ میں پھر مشورہ ہو گا اور پھر یہ سات آدمی اسی شخص کی نشاندہی کریں گے۔ یہ شخص بار بار انکار کرے گا۔ مُسلمانوں میں شدید اضطراب پیدا ہو گا۔ تو بیت اللہ سے آواز آئے گی۔ هٰذَا خَلِیْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِیُّ ——— اس غیبی آواز پر یہ شخص مجبور ہو گا۔ اور مسلمانوں سے بیعت لے گا۔ یہی وہ ہستی ہو گی جو امام مہدی ہوں گے۔ اِسی سلسلہ میں حضور قبلہ عالم نے اور بھی واقعات بیان بطور پیش گوئی فرماتے ہیں۔ لیکن یہاں قبل از وقت ان واقعات کا بیان کرنا مناسب نہیں ——— البتہ جب سے حضور قبلہ عالم خراسان سے آمدہ لشکر میں امام مہدی کی تلاش میں اس لشکر کے ساتھ خانپور ٹیکسلا تک جاتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ ظہورِ مہدی اب بہت قریب ہو چکا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کا بیان ہے۔ اس سے اندازہ لگتا ہے۔ کہ اب قریبی چند سال کے دوران ظہورِ مہدی ہونے والا ہے۔ اِس کے آثار کی واضح نشاندہی عرب اسرائیل جنگ سے ہو رہی ہے۔

انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ مَیں نے ان کے قریب پہنچنے کی کوشش کی۔ مگر وہ پرواز کرکے میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ جاتے جاتے میری طرف کوئی چیز پھینک گئے۔ مَیں نے اُٹھا کر دیکھی تو وہ زبان کا ایک ٹکڑا تھا۔ اِس حالت میں۔ مَیں جاگ گیا۔ یہ خواب سُن کر مَیں نے موقع مناسب سمجھا۔ مَیں نے کہا۔ ہمارے پیر صاحب تشریف لائے ہیں۔ ان کے سامنے اپنا خواب بیان کرو۔ نُور محمدؐ میرے ساتھ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش ہُوا۔ اور اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے جواباً فرمایا نُور محمدؐ تم درود شریف پڑھو تمہیں خواب کی تعبیر مِل جائے گی۔ مجھے حکم دیا کہ مَیں نُور محمدؐ کو درود شریف یاد کراؤں۔ حضور قبلہ عالم کی مجلس میں اور بھی لوگ بیٹھے تھے۔ وُہ اِس بات پر ہنسنے لگے۔ کہ نُور محمدؐ دس نمبر بدمعاش شرابی ـــــ اِس نے کب درود شریف پڑھنا ہے۔ رات کو پھر سڑک پر بیہوش پڑا ہوگا۔ مَیں نے نُور محمدؐ سے پُوچھا۔ بتاؤ۔ پیر صاحب کے سامنے وعدہ کرو ـــــ تم درود شریف پڑھو گے۔ اس نے کہا مَیں ضرور پڑھوں گا۔ مَیں نے اُسے درود شریف یاد کرایا ـــــ اس نے وعدہ کیا کہ آج سے شراب پینا چھوڑ دوں گا۔ اور مستقل نماز پڑھوں گا ـــــ دوسرے دن حضور قبلہ عالم تشریف لے گئے۔ مَیں بھی ان کے ساتھ گیا۔ واپس آیا۔ تو مَیں نے نُور محمدؐ سے دریافت کیا۔ کہنے لگا۔ آج نماز پڑھی۔ رات مَیں نے شراب نہیں پی ـــــ درود شریف بھی پڑھا۔ مَیں نے پوچھا۔ مراقبہ کیا؟۔ کہنے لگا۔ مراقبہ نہیں کیا۔ مَیں مغرب کی نماز کے وقت اسے مسجد میں لے گیا۔ مغرب کی نماز ادا کی۔ تو نُور محمدؐ کو مراقبہ میں بٹھایا۔ نُور محمدؐ عشاء تک مراقبہ میں مشغول رہا ـــــ عشاء کی نماز شروع ہُوئی تو مَیں نے اسے مراقبہ سے ہٹانا چاہا۔ لیکن نُور محمدؐ بالکل مدہوش تھا۔ مَیں نے اسے زور سے ہلایا۔ لیکن ایسے معلوم ہُوا کہ وہ بے ہوش ہے۔ نمازِ عشاء میں لوگ کھڑے ہو گئے۔ مگر نُور محمدؐ مراقبہ میں غرق رہا۔ نماز ختم ہو گئی۔ نُور محمدؐ کا استغراق ختم نہ ہُوا۔ کافی دیر ہو گئی۔ آخر مَیں نے اسے زور سے ہلایا۔ تو اس نے سر اُٹھایا ـــــ مگر مبہوت دیکھتا رہا ـــــ زبان سے کچھ نہ بولا۔ مَیں گھبرا گیا۔ کہ کہیں اس کا دماغ چل نہ گیا ہو ـــــ مسجد سے باہر نکالا ـــــ باہر ہوا ٹھنڈی لگی تو ہوش میں آگیا۔ مَیں نے کیفیت پوچھی ـــــ

تو کہنے لگا۔ کہ مراقبہ کے ساتھ ہی مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اسی عالم بیہوشی میں روضہ شریف دیکھا۔ پیر صاحب وہاں کھڑے تھے مجھے روضہ شریف کے اندر لے گئے ــــ اندر ایک دربار لگا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف فرما تھے۔ حضور نے مجھے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے مجھ پر شفقت فرمائی ــــ پھر پیر صاحب وہاں سے نکل کر مجھے بیت اللہ میں لے گئے ــ مَیں نے بیت اللہ دیکھا۔ طواف کیا۔ وہاں سے اُڑا کر مجھے اور ایک جگہ لے گئے۔ یہ بیت المقدس تھا۔ وہاں اندر لے گئے۔ وہاں سے نکلا تو اُونچی پرواز کرنے لگا۔ اور ساری دُنیا کا چکر لگاتا رہا۔ اور بھی بہت سی کیفیتیں دیکھیں۔ اگر تم نہ اُٹھاتے تو مَیں کچھ اور بھی دیکھتا۔ کہنے لگا ابھی مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے نور پھیلا ہُوا ہے۔ تھوڑی دیر بعد نورُ محمّد کے حواس بحال ہو گئے۔ مَیں خود یقین نہ کر سکا۔ کہ نورمحمد صحیح کہہ رہا ہے۔ یا اس کے قول میں بناوٹ ہے۔ یہاں سے مَیں اسے اپنے ایک دوست (اللہ داد خان) کے گھر لے گیا۔ مَیں نے اُسے پھر مراقبہ میں بٹھایا۔ اور اس سے اور حالات پوچھتا رہا۔ جو کچھ بھی مَیں نے پوچھا۔ اس کا درست جواب دیتا رہا۔ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ نورُ محمّد نے حالات صحیح بتائے ہیں۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ مَیں خوش تھا۔ اللہ داد خان سے چائے کی فرمائش کی۔ اس نے چائے بنا دی۔ مراقبہ میں مشغولیت میں ہم نے کھانا بھی نہ کھایا ــ مَیں نے اللہ داد خان سے کہا کچھ کھانے کے لیے بھی دو ــ مگر اور کچھ میسّر نہ ہو سکا۔ نورُ محمّد کہنے لگا۔ مَیں دوکان سے ایک کیک لاتا ہوں۔ نورُ محمّد بیکری کی دوکان کرتا تھا ــ کہنے لگا مجھے نظر آتا ہے۔ کہ محمّد رجب (نورُ محمّد کا نوکر) باہر الماری سے کیک اُٹھانا بھُول گیا۔ الماری میں کیک پڑا ہُوا ہے۔ مَیں ابھی لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ دکان پر گیا۔ دُکان بند تھی ــ تھوڑی دیر بعد آیا ــ تو اس کے ہاتھ میں کیک تھا۔ کہنے لگا۔ آج محمّد رجب کیک اُٹھانا بھُول گیا ــ واقعی باہر الماری میں کیک پڑا ہُوا تھا۔ یہ دیکھ کر مَیں بیحد خوش ہُوا کہ نورُ محمّد کا مشاہدہ بالکل صحیح ہے۔ تھوڑی دیر باتیں کر کے ہم سو گئے۔ صبح نورُ محمّد اپنی دکان پر گیا۔ اور حسبِ معمول کام میں مصروف ہُوا۔ اپنے نوکر سے کہا۔ رات تم نے دکان بند کی۔ مگر الماری میں کیک

چھوڑ گئے۔ اس نے الماری کی طرف دیکھا تو اس میں کیک موجود نہ تھا۔ وہ نادم ہُوا۔ سمجھا کہ کوئی رات کو چرا کر لے گیا۔ آج نُور محمدؐ کا چہرہ چمک رہا ہے۔ مَیں فکر مند تھا۔ کہ کہیں نُور محمدؐ شراب خانے کی طرف نہ جائے۔ مغرب کے قریب میں اسے پھر مسجد میں لے گیا۔ آج اس پر غنودگی طاری نہ ہُوئی بلکہ ہوش و حواس میں مراقبہ کیا۔ اور راجلاس کی کیفیت دیکھتا رہا ـــــ اب جو نُور محمدؐ بازار میں آیا۔ تو لوگوں سے کہنے لگا۔ کہ ہمارے پیر بڑے بزرگ ہیں۔ زیارت کراتے ہیں۔ مَیں نے ایک رات میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی۔ لوگوں کو نُور محمدؐ کا حضور قبلہ عالم سے ملاقات کا علم نہ تھا۔ لوگ اس کا تمسخر اُڑانے لگے۔ کہ آج تو تم نے صبح صبح ہی پی ڈالی ہے۔ بہکی باتیں کرنے لگے ـــــ وہ خود لوگوں کا تمسخر اڑانے لگا۔ کہ تم کنویں کے مینڈک ہو۔ تم کیا جانو ـــــ مَیں یقین سے کہتا ہوں۔ مَیں نے شراب چھوڑ دی ہے۔ مَیں نے توبہ کی ہے۔ اور پیر صاحب سے بیعت کی ہے۔ کل رات مَیں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی ہے۔ لیکن یہ امر قابلِ یقین نہ ہو سکتا تھا۔ نہ اس پر یقین کرنے کا مقام تھا۔ کہ ایک شرابی دس نمبر بدمعاش۔ ایک رات میں حضوری ہو سکتا ہے۔ ! لوگ پھر بھی اس سے مذاق کرنے لگے۔ تو نُور محمدؐ سے جو بھی مذاق کرتا۔ اس سے اس کے گھر کے راز تک کہتا۔ تو وہ تذبذب میں پڑ جاتا ـــــ کہ نُور محمدؐ دل کی باتیں اور راز کی باتیں بالکل درست بتاتا تھا۔ یہ حالات دیکھ کر لوگ حضور قبلہ عالم سے ملنے کی خواہش کرنے لگے۔ اِسی اثنا میں حضور شہر تشریف لائے۔ اور محمد حنیف صاحب کے گھر قیام فرمایا۔ اب لوگ انہیں دیکھنے آئے مگر یہاں بھی فقیری کی کوئی نمائش نہ دیکھی۔ نہ آپ کی ذات سے فقیری کی علامت ظاہر ہوتی تھی۔ اور پھر آپ کے مریدوں میں عام آدمی تھے جنکی وضع قطع سے مریدی کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ یہاں فقیر کے لیے اس کی فقیرانہ ہیئت سے فقیر ہونا محسوس ہوتا تھا۔ یا فقیر کے گرد مریدوں کا ہجوم ہو ـــــ مرید باادب بیٹھے ہوں۔ فقیر کشف کا اظہار کرتا ہو۔ یا اس سے کرامات کا اظہار ہوتا ہو ـــــ دعوتوں کا انتظام ہو۔ قوالی ہو ـــــ یا دل کی بات کہتا ہو ـــــ اِن میں سے انہیں کوئی بات نظر نہ آئے ـــــ لوگ آپ کو آزمانے کے لیے دل میں بات رکھ کر آئے۔ فقیر دل کی بات بتا دے۔ مگر یہاں

توکسی کو جواب نہ ملتا ـــــ جیسے آیا۔ ویسے ہی چلا گیا ـــــ اور فیصلہ دیا کہ یہ شخص فقیر نہیں۔ ہم دل ہیں۔ بات لے کر گئے۔ اس نے ہمیں جواب نہیں دیا۔ لہٰذا ہم انہیں فقیر نہیں مانتے۔ اور پھر جو لوگ بھی۔ مریدی کے دعوے کرتے ہیں۔ سب لوگ خلافِ شریعت داڑھی منڈھائے بابو لوگ کوٹ پتلون پہنتے ہیں۔ اور پھر پیر کی عزّت نہیں کرتے۔ نہ پیر ہی سے کوئی علامت ملتی ہے ـــــ اِن میں بعض لوگ۔ عقیدت کا اظہار کرتے۔ حضورؒ سے گفتگو کرتے۔ حضورؒ کا کلام سُنکر متاثر ہوتے۔ اور آپ سے درُود شریف کی اجازت لے کر بیعت کی خواہش کرتے۔ مگر حضورؒ فرماتے پہلے درُود شریف پڑھیں۔ جب کچھ نظر آئے۔ تو پھر بیعت کرنا۔ اِن میں بعض بغیر تحقیق بیعت کی استدعا کرتے۔ اور اکثر دیکھنے میں آیا کہ جو شخص عقیدت کے ساتھ حضورؒ کی خدمت میں پیش ہُوا۔ درُود شریف کی اجازت کے ساتھ بیعت کی خواہش کی۔ تو اسے حضورؒ بیعت فرماتے۔ اور وہ بیعت ہوتے ہی اجلاس محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مشاہدہ کر لیتا ـــــ

ایک بار حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ حضورؒ کی آمد پر شہر کے بہت سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہو گئے۔ نوُر محمّد بھی حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اپنے حالات بیان کئے۔ حضور نوُر محمّد سے بہت خُوش ہوئے۔ فرمانے لگے۔ نوُر محمّد جیسے دُنیا میں غنڈا تھا۔ ایسے ہی باطن میں بھی غنڈہ نکلا۔ اِس کا مشاہدہ بہت اچھا ہے۔ حضور نوُر محمّد سے بہت خوش ہوئے ـــــ نوُر محمّد نے حضور کو خوش دیکھا۔ تو قریب آیا۔ اور عرض کی کہ حضور مَیں بہت خوش نصیب ہُوں "جس کو آپ جیسی ہستی" کی غلامی کا شرف حاصل ہُوا ـــــ شراب کی حالت میں جب مَیں سڑک پر بیہوش پڑا رہتا۔ تو مجھ میں اور اس مُردہ کُتّے میں جو سڑک پر پڑا ہو کچھ فرق نہ ہوتا ـــــ مَیں اس سے بدتر اپنے آپ کو محسُوس کرتا ہوں۔ مگر حضور بلاشبہ ولی ہیں ـــــ جن کی صفت ہے۔ کہ:

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
سگے را بہ نظر اولیاء کنند

بلاشبہ آپ نے ایک مُردہ کُتّے کو ولی بنایا ـــــ مگر میری گذارش ہے کہ شراب نوشی کے زمانہ میں شہر کے بدمعاش میرے دوست تھے۔ مَیں انہیں شراب پلاتا تھا۔ اب وہ شراب

اور میری دوستی سے محروم ہو گئے — وہ اب بھی میرا پیچھا کرتے ہیں — ان کی کوشش ہے۔ کہ پھر ان کی صحبت اختیار کروں۔ وہ اس سلسلہ میں منصوبے بناتے ہیں۔ مَیں نے وعدہ کیا ہے۔ کہ اب کبھی شراب نہ پیئوں گا۔ مگر ڈر ہے کہ وہ مجھے بہکا نہ لے جائیں۔ ابھی میں پختہ نہیں ہوں۔ اِس لیے میری طرف توجہ فرماتے رہیں۔ آپ ہی کی نظر سے مَیں محفوظ رہ سکتا ہوں۔ یہ بیان سُنکر حضور بہت خوش ہوئے۔ طبیعت خوش تھی — نُور محمدؐ کو قریب لا کر سینۂ منوّر سے لگا لیا۔ فرمایا۔ نُور محمدؐ (چہرۂ انور پر ہاتھ پھیر کر فرمایا) "یہ چہرہ یاد رکھو۔ میرا تصوّر قائم رکھو۔" پھر تمہاری فقیری کسی حال میں بھی نہ جائے گی۔ نُور محمدؐ کے آنسُو نکل آئے — فرمایا۔ نُور محمدؐ — جاؤ — خواہ تم پر کچھ بھی واردات آئے۔ تمہاری فقیری۔ تمہارا مشاہدہ قائم رہے گا — تم اپنی طرف سے پرہیز پر قائم رہنے کی کوشش جاری رکھو۔

حضور قبلہ عالم شہر سے واپس تشریف لے گئے۔ اور مجھے حکم دیا۔ نورالدین تم ہمارے ساتھ چلو — ہم گھر جائیں گے۔ مَیں بھی حضور کے ساتھ آپ کے دولت خانہ پر چلا گیا۔ حضور مجھ سے بہت خوش تھے۔ کہ مَیں اجرائے طریقت میں کافی دلچسپی رکھتا تھا۔ ایک ہفتہ حضور کی خدمت میں رہا۔ حضور نے مجھے واپس جانے کی اجازت دی اور مَیں گھر آ گیا۔ ابھی گھر پہنچا نہیں۔ بازار میں احمد خان کے ہوٹل پر گیا — احمد خان کو یقین نہ آیا۔ کہ نُور محمدؐ واقعی فقیر ہو گیا۔ کیونکہ نُور محمدؐ اکثر احمد خان کے ہوٹل پر شراب پیتا تھا۔ وہ نُور محمدؐ کے حالات سے پوری طرح واقف تھا۔ کہنے لگا۔ نورالدین صاحب کیوں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ نُور محمدؐ زمانہ کا بدمعاش اور جعلساز ہے۔ مَیں اس کی کسی بات پر یقین نہیں رکھتا۔ ایک دن ایسا ہی ہُوا۔ احمد خان نے کہا۔ کہ آج نُور محمدؐ نے میرے ہوٹل پر شراب پی ہے۔ مَیں جو کہتا ہوں یہ سب فراڈ ہے۔ مجھے سخت غصّہ آیا۔ کہ یہ شخص کیونکر ایک حقیقت سے انکار کے لیے حیلے تراش رہا ہے۔ مَیں نُور محمدؐ سے ملا۔ مَیں نے کہا۔ احمد خان کہتا تھا۔ تم نے شراب پی ہے۔ نُور محمدؐ ہنسنے لگا۔ کہا وہ جھُوٹ کہتا ہے — اگر یقین نہیں تو تم مراقبہ کر کے دیکھو۔ مَیں نے کہا مراقبہ کرو۔ اور میری باتوں کا جواب دو۔ اِس نے مراقبہ کیا تو سب باتیں دُرست تھیں مَیں سمجھا۔ احمد خان حسد کی وجہ سے ایسا کہتا ہے — اب جو مَیں ایک ہفتہ بعد واپس آیا۔ تو پھر

احمد خان نے طعنہ دیا۔ کہ تم مجھے جھوٹا کہتے ہو ـــــ جاؤ آج گھر میں نور محمد کو دیکھو۔ آج تو سارے شہر کو پتہ چلا ہے۔ نور محمد کو فلاں ڈرائیور کے گھر سے اُٹھا کر لے گئے۔ وہ شراب میں مدہوش تھا۔ یہ بات میرے دل کو سخت بری لگی۔ میں غصہ میں گھر چلا گیا۔ رات بیتابی سے گزاری۔ سوچا اب پیر صاحب کو کیا مُنہ دکھائیں گے۔ اور اب سلسلہ بھی بدنام ہو گیا۔ لوگ ہمارے کردار پر شک کریں گے۔ جس سے حضور کی ذات متاثر ہو گی۔ دوسرے دن صبح میں نور محمد کی دکان پر گیا۔ اُس نے مجھے غصہ میں دیکھا۔ کچھ گھبرایا۔ مگر پھر ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی پر میں غضبناک ہو کر اُسے گالیاں دینے لگا۔ وہ میرا ماموں تھا میں اُسے مارنے کے لیے آگے بڑھا۔ اُس نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور ٹھنڈے دل سے کہنے لگا۔ زیادہ غصہ نہ کرو ـــــ ذرا بیٹھ جاؤ۔ میں سمجھتا ہوں۔ تمہیں میرا حال معلوم ہو گیا ہے۔ مگر ٹھنڈے دل سے میرا واقعہ سنو ـــــ میں خاموش بیٹھ گیا۔ نور محمد کہنے لگا۔ بے شک پہلی بار بھی میں نے شراب پی تھی۔ اور دوسری بار بھی میں نے شراب پی ہے ـــــ مجھ سے خطا ہو گئی ـــــ مگر تمام ماجرا سنو۔ ہوا یہ کہ میرے چند دوستوں نے میری دعوت کی ـــــ میں نے اس شرط پر دعوت قبول کی کہ دعوت میں شراب استعمال نہ ہو گی۔ انہوں نے وعدہ کیا۔ کہ شراب نہیں پیئں گے۔ بلکہ ہم بھی شراب چھوڑ دیں گے۔ اِس خوشی میں۔ کہ میں انہیں بھی شراب ترک کراؤں گا۔ میں ان کے ساتھ دعوت پر گیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ شراب لائے۔ اور مجھے بھی پینے کے لیے کہا۔ میں غصے ہوا کہ تم نے مجھ سے دھوکا کیا۔ مگر وہ سب اکٹھے ہو کر مجھ سے لپٹ گئے ـــــ کہنے لگے اگر شراب نہ پی تو تجھے قتل کر دیں گے۔ اور کہیں گے زیادہ شراب پینے سے دل کی حرکت بند ہو گئی۔ انہوں نے مجھے مجبور کر دیا۔ میرے لیے کوئی چارہ نہ رہا۔ آخر مجبوراً مجھے شراب پینا پڑی۔ اور اسی شراب نوشی میں۔ میں بیہوش ہو گیا۔ انہوں نے میرے گھر اطلاع دی۔ وہ مجھے اُٹھا کر گھر لے آئے۔ جب مجھے ہوش آیا۔ تو میں نے خود کو بستر پر پڑا پایا ـــــ اس وقت میری بُری حالت تھی اور میں بیحد پریشان تھا۔ خیال آیا کہ اب میں جن کے سامنے فقیری کا دعویٰ کرتا تھا۔ انہیں کیا مُنہ دکھاؤں گا۔ اور پریشانی ہوئی کہ اب میں پیر صاحب کے سامنے نہ جا سکوں گا۔ پیر صاحب نے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ وہ مجھے

بچا ئیں گے۔ مگر انہوں نے بھی میری مدد نہ کی۔ معاً خیال آیا ـــــ پیر صاحب نے فرمایا تھا۔ میرا
چہرہ یاد رکھو۔ یہ خیال آتے ہی اِسی حالت میں۔ مَیں نے پیر صاحب کو اپنے قریب محسوس
کیا۔ مَیں گھبرا یا۔ شاید وہ مجھ سے ناراض ہیں۔ کوئی سزا نہ دیں۔ مَیں جلدی سے اُٹھا غسل
کیا۔ کپڑے بدلے۔ اور دو رکعت نفل پڑھے۔ اور پیر صاحب کا تصوّر کیا۔ تو مَیں حیران
ہُوا ـــــ کہ مَیں نے خود کو اجلاس میں پایا۔ جونہی مَیں اجلاس میں پہنچا۔ تو ایک شخص اُٹھا۔
اُس نے مجھے پکڑ کر کہا۔ تو گناہگار ہے۔ تجھے سزا ملنی چاہیئے۔ زور سے گردن پر تھپڑ[1] مارا۔
پیر صاحب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے فرمایا ـــــ "اُسے چھوڑ دو
یہ میرا مرید ہے۔" اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ مگر مجھ پر شدید دہشت طاری ہُوئی۔ مَیں نے مراقبہ
چھوڑ دیا۔ مَیں نے اب ڈر کے مارے نہ نماز پڑھی۔ نہ درود شریف پڑھا۔ کہیں مراقبہ میں
پھر میرے ساتھ کچھ واردات ہو ـــــ حقیقت یہ ہے کہ مَیں اس زمانہ میں مبتدی تھا۔ اور
رموزِ فقر سے پُورا واقف نہ تھا۔ مَیں ایسا تصوّر کر ہی نہ سکتا تھا۔ کہ اس حال میں مراقبہ میں
مشاہدہ جاری رہ سکتا ہے۔ مجھ پر حیرت طاری ہُوئی۔ سمجھا کہ نُور محمّد بات ٹالنے کے لیے
جھُوٹ بول رہا ہے۔ پھر مَیں نے تصدیق چاہی۔ مَیں نے کہا۔ اچھا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔
جب تجھے پیر صاحب نے بچایا ـــــ تو مراقبہ کرو۔ اگر تم سچ کہتے ہو۔ تو وہ تمہیں بچائیں گے۔
مَیں نے نُور محمّد کو مراقبہ پر مجبور کر دیا۔ اس نے دُکان پر بیٹھے بیٹھے مراقبہ کیا تو سُبحان اللہ۔
آج مجھ پر ایک ولی کی ولایت کی حقیقت واضح ہو گئی۔ نُور محمّد سیدھا اجلاس میں داخل
ہُوا۔ کہنے لگا۔ اجلاس میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم تخت پر جلوہ فرما ہیں۔ حضور قبلہ عالم
حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قریب بیٹھے ہیں ـــــ مَیں نے کہا۔ حضور قبلہ عالم کے قریب ہو
جاؤ۔ نُور محمّد حضور کے قریب آ گیا۔ آپ نے تبسّم فرمایا۔ اور نُور محمّد سے کسی قسم کا مواخذہ
نہ فرمایا ـــــ نُور محمّد کے دل سے خوف جاتا رہا ـــــ جیسے کچھ ہُوا ہی نہیں۔ آخر مَیں نے نُور محمّد

---

[1] نُور محمّد نے گردن دکھائی۔ کہنے لگا ابھی تک مجھے گردن میں درد محسوس ہو رہا ہے۔ مَیں نے
دیکھا کہ گردن پر تھپڑ کا نشان نظر آ رہا تھا۔

کو مراقبہ سے ہٹایا۔ میرا دل خوشی کے مارے دھڑک رہا تھا۔ مگر نورِ محمد اپنے کیے پر پشیمان گریہ کناں تھا ۔۔۔ میں نے اُسے تسلّی دی ۔۔۔ اور دوبارہ وعدہ کرایا۔ کہ آئندہ کسی دعوت میں نہ شریک ہو۔ نہ کسی شخص سے دوستی رکھو۔ ان سب سے قطع تعلق کرو ۔۔۔ اور اب بازار میں بھی مشاہدہ سے متعلق کوئی بات نہ کرو ۔۔۔ مگر جب لوگوں نے نورِ محمد پر پھبتیاں کسنا شروع کیں تو اُس نے پھر فقیری کا دعویٰ کرنا شروع کیا۔ اور لوگوں کو ان کے خفیہ حالات بتائے۔ تو لوگ اس کے کشف پر حیران ہو گئے ۔۔۔ لوگ اگرچہ طریقت کی حقیقت سے ناآشنا تھے۔ لیکن نورِ محمد کے حالات دیکھ کر سلسلہ کے لوگوں پر نکتہ چینی کرنے سے باز رہے اور اکثر لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہونے لگے۔

حُبِّ رحمۃ اللعالمین کے اثرات

بلاشبہ شریعت کی رُو سے یہ امر قطعاً مبالغہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ کہ قرآنی احکام کی خلاف ورزی کرنے والا ایسا مقام پا نہیں سکتا ۔۔۔ البتہ اس مقام پر قرآن کریم کی وسعت علمی اور محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تشخص کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ قرآن تمام انبیاء کی کتابوں سے افضل ترین کتابِ ہدایت ہے۔

وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ۝

ہم نے قرآن پڑھنے والوں کے لیے آسانی پیدا کر دی۔ یہ کتاب فلاحِ انسانی ۔۔۔ نجاتِ آخرت ۔۔۔ اور معرفتِ حقیقی کے لیے پیش کی گئی۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ۔۔۔ اِس قرآن میں احکام دیئے گئے ہیں۔ یہ احکام اصلاحِ انسانی کے لیے مخصوص ہیں۔ جو شریعت سے تعبیر ہیں۔ انہیں احکام پر عمل کے نتیجہ میں نجاتِ آخرت منحصر ہے ۔۔۔ اِس کے علاوہ قرآن نے معرفتِ حقیقی حاصل کرنے کا ایک خاص طریق بھی پیش کیا۔ جس کے لیے قرآن نے زائد عبادت ۔۔۔ اور اللہ و رسُول سے محبّت کو ایک خاص عمل قرار دیا۔ اِس عمل کے نتیجہ کا تعلّق متشابہات سے ہے۔ جیسا قرآن نے خود متشابہات کا ذکر کیا ہے۔ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ احکام سے سوا قرآن میں ایسی آیات

بھی ہیں۔ جن کا تعلق متشابہات سے ہے۔ متشابہات سے مراد وہ آیات جن کا ایک ظاہری تصوّر ہے۔ لیکن اس ظاہری تصوّر پر اس کے متشابہ ـــــ باطنی تصوّر ہم معنی و ہم شکل نہیں ـــــ بلکہ رُوحانی اعتبار سے ان آیات کا تصوّر مختلف ہے۔ یہی مختلف تصوّر ہے۔ جو ظاہر و باطن میں فرق پیدا کرتا ہے۔ اِس حال میں اگر باطن کو ظاہر کے ساتھ متمثل (یکساں) کیا جائے۔ تو فتنہ پیدا ہونے کا احتمال ہوگا۔ اور اگر باطن کو ظاہر کے خلاف تصوّر کیا جائے۔ تو بھی فتنہ پیدا ہوگا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ

پس جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ قرآنی آیات کو جھٹلانے کی خاطر متشابہات کیفیات پر بلاتحقیق و مشاہدہ بحث کرتے ہیں۔ وَ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وہ فتنہ پیدا کرنے کے لیے باطنی کیفیتوں کو ظاہری تصوّر میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ متشابہاتِ آیات بغیر مشاہدہ قلبی تصوّر میں نہیں آتے۔ بجائے خود ان آیات کی بھی ایک حیثیت ہے۔ جو ظاہر تصوّر کے برعکس محسوس کی جاتی ہے۔ یہ ایک باریک نکتہ ہے۔ جو قرآنی آیات کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے اس کے لیے عقلِ سلیم اور صحیح قوتِ اجتہاد ـــــ نُورِ قلبی اور لطیف شعور کی ضرورت ہے۔

بلاشبہ قرآنی احکام میں خلاف شریعت احکام کسی طرح بھی قابلِ عمل نہیں ہوسکتے ـــــ لیکن قرآنی عظمت کا معجزہ ہے۔ کہ ایسے خلافِ شریعت اعمال بھی قابلِ مواخذہ نہیں رہتے ـــــ یہ معجزہ دراصل حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ کہ قرآن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولوالعزم خطابات سے پکارا ـــــ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

"نہیں بھیجا آپ کو ہم نے۔ مگر مخلوقِ انسانی کے لیے ذریعۂ رحمت و عفو اور ذریعہ نجات۔" حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ جب کفار احکامِ الٰہی کی تعمیل میں خلاف ورزی کرتے ہیں۔ تو ان کے نتائج میں عذاب کا احساس کرکے دُکھی ہوجاتے ہیں۔ کہ انہیں عذاب کی تکلیف ہوگی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی مغفرت یافتہ ہوجائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے بھی غمگین رہتے ہیں ـــــ اور جب مومنوں سے

عمل میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ تو ان کے گناہ "معاف ہو جاتے ہیں"۔ ظاہر ہوا ـــ کہ خلافِ شریعت احکام کی خلاف ورزی پر آپ مخلوق انسانی کے شفیع ہو جاتے ہیں ـــ یہی صفتِ رحمت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے گناہ محو (عفو) ہو جاتے ہیں۔ قرآن نے اِس صفتِ رحمت کا خصوصی طور پر اظہار کیا ـــ

قرآنی تاریخ میں ان آثار میں ایک حقیقت پوشیدہ ہے ـــ کہ گزشتہ انبیاء نے اپنی قوموں کی نافرمانی پر اظہارِ غضب کیا۔ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ کہا نوح علیہ السلام نے اے رب اس قوم کو ان کی نافرمانی کے سبب نیست و نابود کر دے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کرنے کی پاداش میں ان کی قوم کو ہلاک کیا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم عاد اور ثمود کو ہلاک کیا گیا۔ فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا گیا ـــ فرعون نے پکار پکار کر کہا۔ اے موسیٰ علیہ السلام میں تجھ پر اور تیرے رب پر ایمان لایا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غضبناکی نے اسے نجات کا موقع نہ دیا ـــ ایسے ہی کئی واقعات سے گزشتہ انبیاء کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ جن کا ذکر قرآن نے دانستہ طور (جان بوجھ کر) کیا ـــ ان واقعات کے بیان کرنے میں ایک مصلحت تھی۔ وہ یہ کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ رحمت کی نشاندہی ہو۔ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے۔ ایک نیا بابِ رحمت وا ہوا ـــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشمنوں پر بھی رحمت بن کر تشریف لائے ـــ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو شدید عذاب دوں گا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے بھی قلبِ اطہر میں درد رکھتے ہیں ـــ تاریخ اس امر کی شاہد ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر آپ کی قوم نے انتہائی مظالم ڈھائے۔ ـــ ہاں! ذرا غور کرو ـــ قرآنی احکام کی خلاف ورزی۔ ایک طرف ـــ مگر یہاں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب شخصیت ظلم و ستم کا نشانہ بنی۔ طائف میں کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ رحمت پر اس قدر پتھراؤ کیا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر سے خون بہنے لگا۔

شدّتِ اذیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ کی سفارش فرماتے ہیں —اے رب انہیں معاف کر دے۔ یہ مجھے نہیں پہچانتے — لَا یَعْلَمُوْنَ — نہیں پہچانتے۔ یہ صرف ان پر عفو واجب کرنے کی کوشش ہے۔ کہ کسی طور اس قوم پر "عفو" واجب ہو جائے ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی اذیت نہ برداشت کرتا — انہیں یقیناً تباہ کر دیتا ہے۔

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ

ہاتھ ٹوٹیں ابولہب کے — یہ مقام انتہائی شدّت کا تھا۔ جسے خود اللہ تعالیٰ بھی برداشت نہ کر سکا — حقیقت بین — حقیقت کی نگاہ سے دیکھے — یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ رحمت اس سزا پر بھی خوش نہ ہوگی۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی غلام اور ہندہ کا واقعہ مشہور ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی — ایمان وسلامتی کے دروازے بند نہ کیے اس حال میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وحشی غلام کو دیکھ کر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم تازہ ہو جاتا تھا۔ اِس حال میں بھی انہیں ان کے گناہوں سے نجات دلا کر لائقِ جنّت بنایا — ہاں ان کے گناہ محو (عفو) ہو گئے۔ ابوسُفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے سکون کے تمام دروازے بند کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ مگر فِدَاہُ اُمِّیْ وَ اَبِیْ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے عوض رحمت وعفو سے کام لے کر اعلان فرمایا — ابوسُفیان کو ہی شفیع بنایا — کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر پناہ لے۔ اُسے پناہ دی جاتی ہے۔ اور پھر حضرت نوح علیہ السّلام کی دُعا کو دیکھیے —

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝

اس کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ رحمت ملاحظہ کیجیے۔ اس کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ط

آج کے دن تم سے — تمہارے گناہوں کا مواخذہ نہ ہوگا۔ تم رحم کیے جاتے ہو —

تم عفو کیے جاتے ہو۔۔۔تم اگر میری اطاعت کرو۔۔۔تو تمہیں اسی وقت جنت و نجات کی سند دی جائے گی۔ سو آج تمہارے گناہ حصولِ رحمت میں مانع نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی "محبوبیت" پر دلالت کرتی ہیں۔۔۔خود اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "مجسّم حُب" اور "محبوب" بنایا۔۔۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ

ان سے کہہ دیں کہ رضائے الٰہی۔۔۔محبتِ الٰہی انسانی فریضہ میں شامل ہے۔ یہ محبت و رضا حاصل کرنا۔۔۔سوائے اس کے نہیں کہ یہ عمل مخصوص ہے۔ یہ عمل محبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر ہے۔ اتباع بغیر حُب کے کامل نہیں۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

اے مومنو (جو تعمیلِ شریعت میں ایمان کا درجہ حاصل کر چکے ہیں)۔ اِس حال میں بھی تم کامل مومن نہیں کہلا سکتے۔ جب تک کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ذات ۔۔۔ اپنی اولاد۔۔۔ اپنے ماں باپ اور دُنیا کی ہر شے کے مقابلہ میں زیادہ محبت نہ رکھو۔۔۔ ظاہر ہُوا۔ تعمیلِ شریعت سے سوا۔۔۔حُبِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص عمل ہے۔۔۔جس حُب کے مقابلہ میں ہر عمل کی حیثیت مقدار میں ادنیٰ تصوّر کی جاتی ہے۔۔۔ گزشتہ انبیاء کی تاریخ کو مدِ نظر رکھ کر۔۔۔یہ باور کیا جا سکتا ہے۔۔۔کہ جن یہود و نصاریٰ اور کفارِ عرب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید مظالم ڈھائے۔۔۔وہی کائنات کے وارث اور جنت کے حقدار بن جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پر کمر باندھ کر نکلتے ہیں۔۔۔ہاں! کائنات کی محبوب ترین ہستی کے قتل پر آمادہ ہونا۔۔۔ کائنات کا سب سے بڑا جرم ہے۔۔۔اور ایسا ہی ہونا تھا۔۔۔کہ سب سے عظیم گناہ کا مظاہرہ ہو۔۔۔تاکہ اس جرم کے مقابلہ میں۔۔۔حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو کا اعلیٰ مظاہرہ ہو۔۔۔یہ محبوبیت کا اعلیٰ مقام ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں اسے معاف کیا جاتا ہے۔ یہی حضرت عمرؓ عشرہ مبشرہ میں داخل کیے جاتے ہیں یہ

محبوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو جملہ انبیاء کے مقابلہ میں بدرجہ اولیٰ حاصل ہے ـــــ یہی صفتِ محبوبیت اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ورثہ میں ملتی ہے۔ کہ اُمت کے گناہ مُعاف کیے جاتے ہیں ـــــ مُعاف کا مادہ "عفو" ـــــ سے ہے۔ عفو سے مراد نامۂ اعمال سے گناہ کا مٹ جانا ـــــ پھر گناہ کی کوئی حیثیت نہیں رہتی ـــــ یہی محبوبیت علمائے اُمت ـــــ اولیائے کاملین کو ورثہ میں ملتی ہے۔ کہ وہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جان ـــــ اپنی اولاد ـــــ اپنے ماں باپ ـــــ اور دُنیا کی ہر شے سے زیادہ محبت رکھتے ہیں ـــــ اِس محبت کے صلہ میں انہیں بھی محبوبیت کا مقام ملتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اولیائے کاملین سے محبت رکھے وہ بھی محبوب بن جاتا ہے۔ اِس سے خلافِ شریعت افعال سرزد ہوں ـــــ تو ایک نیکی کے عوض اس کے گناہ محو کیے جاتے ہیں۔ اور اس کی نیکی باقی رہتی ہے۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ

"نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں ـــــ" یہ انعام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے طفیل عطا کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا

"جو شخص ہم پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود (عفو و رحمت) بھیجتا ہے۔" اِس ارشادِ گرامی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت واضح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو کر ایک کے بدلے دس نیکیاں عطا کرتا ہے۔ ان ارشادات کی روشنی میں ـــــ ایک ولی اکمل کی ـــــ محبوبیت کے پیشِ نظر ـــــ ایک مرید کے درود بھیجنے پر ـــــ اس کے گناہ ـــــ خوشنودی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ اور قربِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق پیدا نہیں کر سکتے ـــــ یہی کیفیت نور محمدؐ کے واقعہ میں اصل علت ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم کی محبوبیت کے سبب اس کا گناہ ـــــ اس کے حصولِ مراتب اور مشاہدہ میں حارج نہیں ہوا ـــــ یہ ایک حقیقت ہے ـــــ بارہا۔ یہ امر مشاہدہ میں آ چکا ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں ان کے خلافِ شریعت افعال پر ان کے مراتب میں فرق نہیں آتا ـــــ

ہاں !۔۔۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ اویسیہ میں۔ مرید کو خلافِ شریعت افعال کی کھلی چھٹی دی جاتی ہے ۔۔ نہیں ۔۔۔ ایسا نہیں بلکہ ہر گناہ کا مواخذہ لازم آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے ۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ کافر کی نیکی کا بدل اسے دُنیا میں آسودگی کی شکل میں ملتا ہے۔ اور اس کے گناہ کا اجر آخرت پر چھوڑا جاتا ہے ۔۔۔ اِس کے برعکس مومن کے گناہ کا بدل دُنیا میں ۔۔۔ جسمانی تکلیف کی صورت میں پورا کیا جاتا ہے۔ اس کی نیکیاں آخرت کے لیے وقف کی جاتی ہیں ۔۔۔ اِسی طرح طالبِ حق کی لغزشیں۔ محو ہوتی ہیں۔ اِس حال میں کہ اسے جسمانی تکلیف میں ڈالا جاتا ہے ۔۔۔ اور اس کے درُود و حُب کے عوض اسے قربِ پیر۔ قُربِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم میسّر رہتا ہے۔ البتہ یہ اصُول بھی متعین ہے۔ کہ مبتدی کے لیے ایسی رعایت ہوتی ہے۔ کہ اعلیٰ مراتب کے ولی کے لیے۔ حُب کے آداب کو ملحوظ رکھنے میں شدید پابندی ہے کہ اس سے کسی لغزش پر سخت مواخذہ ہوتا ہے۔ یہ امر خلافِ آدابِ حُب و طریقت تصوّر ہوتا ہے۔ کہ کسی ولی سے معمولی سی لغزش بھی قابلِ مواخذہ ہوتی ہے ۔۔۔ ایسی صورت میں ولی مراتب سے گر سکتا ہے۔ اور اس پر قبض (مشاہدہ کی بندش) طاری ہو جاتی ہے۔ تاوقتیکہ وہ تزکیۂ نفس سے اپنے جسم کو محنت و تکلیف میں ڈال کر پاک نہ کرے ۔۔۔ لہٰذا اعلیٰ مرتبہ کا ولی ہر لغزش میں محتاط رہتا ہے۔ اِس سے کوئی لغزش (گناہ) سرزد نہیں ہوتی ۔۔۔ اس حال میں کہ وہ ہر لمحہ دیدارِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشغول رہتا ہے۔ ایک ولی کے لیے یہ امر خلافِ ادب تصوّر کیا جاتا ہے ۔۔۔ وہ ایک نُورِ مجسّم سے نظر ہٹا کر ادنیٰ شے کی طرف نظر اٹھائے۔ البتہ میں یہ کہوں گا۔ کہ حضور قبلہ عالم کی ذاتِ گرامی کو یہ خصوصیتِ محبوبیت عطا ہے کہ آپ کے مریدوں پر کسی حال میں۔ باز پُرس نہیں ہوتی۔ سوائے اِس کے کہ اصُولِ طریقت کے مطابق ان کے تزکیۂ نفس کے لیے ان پر جسمانی تکلیف ڈالی جائے ۔۔۔ یہ اس لیے کہ سلسلہ اویسیہ میں حصولِ مشاہدہ و حصُولِ مراتب میں تزکیہ کی پابندی نہیں۔ پیر اکمل جسے چاہے اپنی ذات و اختیار سے کسی کو مراتب عطا کرے۔ البتہ اصُولِ طریقت کے تابع ہر شخص کے لیے تزکیہ نفس لازم ہوتا ہے۔ تاکہ اس سے لغزش سرزد نہ ہو ۔۔۔ یہی کیفیت نُورِ محمدؐ کے واقعہ میں سامنے آتی

ہے ——اسی خصوصیت کے تابع۔ غیر مسلم۔ عیسائی۔ ہندو۔ جب حضور قبلہ عالم کی خدمت میں۔ خواہ عقیدتاً یا آزمائیشاً حاضر ہوتے۔ تو وہ بغیر دین میں داخل ہوئے۔ بغیر شرعی پابندی ——بلکہ بغیر درود شریف پڑھنے کے صرف مراقبہ میں تصوّر پیر کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو جاتے ——ایسے لوگوں میں جناب قبلہ سخی صاحب کا ایمان لانا۔ خود ایک دلیل ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ یہ وہ ہستیاں ہیں۔ جو حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ کہ خیالی تصوّرات کو حقیقت سمجھنے میں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ کہ آیا یہ واقعات حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا نظر کا دھوکا ہے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ رَءَانِیْ فَقَدْ رَءَانِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلِیْ

جس نے ہمیں (خواب یا بیداری میں) دیکھا۔ درحقیقت اس نے ہمیں ہی دیکھا —— پس نہ شیطان ہماری مثل بن سکتا ہے۔ نہ تصوّر خیالی میں ہمارا تصوّر آسکتا ہے۔ یقیناً انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ——یہ واقعات حضور قبلہ عالم کی علو مرتبت اور محبوبیت کی واضح دلیل ہے ——نُور محمدؐ کا ایک رات میں حضوری ہونا ——یا گناہ کی حالت میں اپنے مقام پر قائم رہنا حضور قبلہ عالم کی صفتِ محبوبیت کے تابع تھا ——اس کے بعد جب تک نُور محمدؐ زندہ رہا ——وہ اپنے عہد پر قائم رہا اور حضوری فقیر رہا ——گزشتہ دَور میں جب تقسیم ہند کے بعد۔ پاکستان وجود میں آیا ——نُور محمدؐ نے حکام وقت کے ساتھ اختلاف کیا۔ جس کے نتیجہ میں اُسے جیل میں ڈالا گیا۔ حالاتِ زمانہ نے اس کے نظریہ سے مناسبت نہ کی۔ اسی حالت میں وہ اس فساد زدہ دُنیا سے کنارہ کش ہو کر۔ دارِ آخرت کو سدھارا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ——

سلسلہ اویسیہ کی خصوصیّت

حضور قبلہ عالم سلسلہ اویسیہ قادریہ کی خصوصیت میں فرماتے ہیں:

اَطْرُقُ اِلَی اللّٰهِ اَحْسَنَ طَرِیْقَۃُ الْقَادِرِیَّۃِ

طریقوں (سلسلوں) میں اللہ کے نزدیک بہتر طریق قادریہ ہے کہ بسبب محبوبیت حضرت محبوبِ سبحانی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو بھی محبوبیت کا مقام عطا ہُوا۔ آپ کی محبوبیت کے طفیل سلسلہ قادریہ کے فقیر کو اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کی اجازت ملتی ہے۔ اور ایک طالب کو آسانی سے حضوری حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا:

اَطْرُقُ اَحَبَّ اِلَی اللہِ طَرِیْقَۃُ الْاُوَیْسِیَّۃِ

"اور طریقوں (سلسلوں) میں اللہ کے نزدیک محبوب سلسلہ۔ سلسلہ اویسیہ ہے"۔ بسببِ محبوبیت حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کہ آپ کو محبوبیت کا اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے۔ آپ کی محبوبیت کے طفیل سلسلہ اویسیہ کے فقیر کو بلا مجاہدہ و تزکیہ ایک آن میں حضوری حاصل ہو جاتی ہے۔ جس وقت چاہے۔ جتنی بار چاہے۔ بلا اجازت اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو سکتا ہے۔ باقی سلسلوں کے فقراء کو اجلاس میں داخل ہونے کے لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینی ہوتی ہے۔ باقی سلسلوں میں ایک طالب کو عالمِ ناسوت کی اکتالیس منزلیں طے کرنے کے بعد اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونا ہے۔ مگر سلسلہ اویسیہ کا طالب۔ عالمِ ناسوت کی منازل کو ایک آن میں پھلانگ کر اپنی پہلی منزل میں اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہی خصوصیت محبوبیت حضور قبلہ عالم الحاج محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اویسی کو ورثہ میں عطا کی گئی ہے — کہ کسی شخص کا حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضری دینا ہی کافی ہوتا کہ وہ حضوری ہو جاتا جس میں نہ اصولِ اویسیہ۔ نہ شریعت کی اتباع لازم آتی ہے۔ بلکہ حضور کی طرف ایک ساعت رجوع ہی کافی ہوتا۔

یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کو شریعت کی پابندی کی تلقین فرماتے — لیکن اگر کسی مُرید سے لغزش بھی ہو جاتی۔ تو آپ ظاہراً اس سے اظہارِ ناراضگی نہ فرماتے — بلکہ بعض اوقات جلال میں آکر فرماتے۔" تم چاہے بھاگ بھی جاؤ۔ مگر جس کے گلے میں میرا ہاتھ پڑ گیا — میں اسے فقیری سے جانے نہ دوں گا"۔ فِدَاہُ اُمِّیْ وَ اَبِیْ

ہم نے کئی لوگوں کو ان کی شرارتِ نفس کے سبب۔ سلسلہ سے برگشتہ ہوتے دیکھا۔ مگر حضور کبھی ان کے فرار کو خاطر میں نہ لاتے۔ بلکہ فرماتے جانے دو — خود ہی سیدھا ہو جائے گا۔

آخر ایسا ہی ہوتا — کہ وہ خود نادم ہو کر حضور کے قدموں میں گر پڑتا — جانو! — حضور قبلہ عالم کو نہ پیری مریدی کی خواہش تھی۔ نہ کسی شخص سے مال و زر کے حصول کی خواہش تھی۔ نہ ہی یہ جذبہ تھا۔ کہ کوئی آپ کو پیر سمجھ کر۔ اظہارِ عقیدت کرے یا احترام کرے۔ آپ اِن خواہشات سے یکسر لاابال تھے۔ بلکہ اکثر دیکھا کہ کوئی شخص آپ سے گستاخی سے پیش آتا۔ تو حضور کے قلبِ اطہر پر ذرہ بھر ملال نہ آتا۔ بلکہ اس کے نتیجہ میں ایسا گستاخ شخص بھی کچھ فیض لے کر جاتا — بعض اوقات حضور کے محبّوں میں کوئی مرید کسی دوسرے مرید کی آدابِ طریقت میں کوتاہی کی شکایت کرتا۔ تو آپ اس سے ناراض ہو جاتے — فرماتے ہمارے سامنے کسی شخص کی شکایت نہ کی جائے۔ یہی ہو گا کہ ہم اسے اپنی مریدی سے خارج کر دیں گے۔ مگر ایسا نہ ہو گا۔ ہم کسی کو اپنی توجّہ سے باہر نہ چھوڑیں گے۔ کرنے دو جو کچھ کرتا ہے۔ فقیر کی توجہ ہر وقت مرید پر رہتی ہے۔ نفس کتنی دیر شرارت کرے گا — آخر ایک دن درست ہو گا۔ یہ امر ہماری ذمّہ داری میں ہے کہ ہم اسے راہِ راست پر لائیں۔ فیض سے دُور کرنا ہمارا دستور نہیں۔ سُبحان اللہ

ماسٹر غلام محمدؐ مریدوں میں شامل ہو گئے

گزشتہ صفحات میں ماسٹر غلام محمد کا ذکر ہُوا۔ کہ بارہمولہ قصبہ میں جب حضور قبلہ عالم نے مسجد میں دو فریق میں حاضر و ناظر مسئلہ کے تنازعہ پر صلح کرا دی تو ماسٹر صاحب نے حضور سے کہا۔ کہ مجھے بھی تسخیر کا کوئی وظیفہ دیں۔ حضور نے اُسے درود شریف دیا۔ کچھ عرصہ گزرا۔ ماسٹر صاحب تحصیل ہندواڑہ میں تبدیل ہو گئے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم، جناب خواجہ عبدالکریم صاحب کے گھر سے واپس اپنے دولت کدہ پر تشریف لے جا رہے تھے۔ زمانہ موسم سرما کا تھا۔ شدّت کی سردی تھی۔ حضور قبلہ عالم گھوڑے پر سوار ہندواڑہ بازار سے گزر رہے تھے۔ ماسٹر غلام محمدؐ نے انہیں جاتے دیکھا۔ دُور سے پکارا — اُو — پیرا — تمہارے وظیفہ نے تو کچھ کام نہ دیا — ماسٹر صاحب بڑے گستاخانہ انداز میں بولے — حضور کو سخت غصّہ آیا — جاتے جاتے غصّہ سے کہا — حرامزادے۔ ایسا ڈنڈا چڑھاؤں گا۔

پھر نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ حضورؐ سیدھے گھر کی طرف روانہ ہو گئے ــــ اِسی رات ماسٹر صاحب پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی ــــ بلا ارادہ رغضہ بہ منوہ کھلا ــــ سیدھا اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہو گیا ــــ نفس سرکش تھا۔ جذب طاری ہو گیا۔ اب اجلاس کی کیفیت نظروں سے ہٹتی نہیں۔ نور کی شدت سے بھاگتے پھرے۔ ان کی والدہ نے ماسٹر صاحب کی حالت دیکھی۔ پریشان ہوئی۔ پوچھا کیا بات ہے۔ ماسٹر صاحب نے بتایا۔ کل پیر صاحب گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ میں نے اُن سے مذاقاً ایسا کہا۔ اُن کی توجہ سے میرا یہ حال ہے۔ ماسٹر صاحب کی والدہ اسے حضور کی خدمت میں لائی ــــ اور ماسٹر صاحب کی گستاخی کی مُعافی چاہی۔ حضور نے فرمایا۔ ماسٹر صاحب اب کچھ پتہ چلا کس طرح تسخیر ہوتی ہے ــــ اُٹھو ــــ اور زمین کھودو۔ ہم نے بیج بونا ہے۔ ماسٹر صاحب نے بیلچہ ہاتھ میں لے کر زمین کھودنا شروع کر دی۔ جب تھک گئے تو حضور نے بلایا۔ توجہ دی۔ ماسٹر صاحب سے جذب دُور ہو گیا۔ اور اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ صاف ہو گیا۔ اس کے بعد ماسٹر صاحب کے حالات بدل گئے۔ اور مراتب کا انکشاف ہونا شروع ہوا ــــ اب ان کے مشاہدہ کی کیفیت یہ تھی کہ کُھلی آنکھوں سے اجلاس کی کیفیت مشاہدہ کرتے۔ باوصف اس کے کہ ماسٹر صاحب سلسلہ میں اچھے مشاہدہ کرنے والوں میں سے ہوئے ــــ ان کی شرارتِ نفس بدستور قائم رہی۔ اس وجہ سے ان پر اکثر جذب طاری ہو جاتا ــــ تو والدہ انہیں حضور کی خدمت میں لاتی ــــ آپ ماسٹر صاحب کو زمین کھودنے کی مشقت ڈالتے۔ تو ان سے جذب ہٹ جاتا ــــ اور کبھی ایسا ہوتا کہ ماسٹر صاحب کو گہری نیند سے اٹھایا جاتا ــــ حکم ہوتا کہ اُٹھو۔ دریا سے غسل کر کے ایک سو رکعت نفل ادا کرو۔ سردی کا موسم ہوتا۔ تو ماسٹر صاحب بستر سے اُٹھنے میں تساہل کرتے تو اجلاس کا مشاہدہ ہو جاتا اور حضور حکم دیتے اسے کوڑے لگاؤ۔ جناب قبلہ سخی خان صاحب کو کوڑے لگانے کا حکم ہوتا ــــ آپ اسے کوڑے لگاتے۔ تو ماسٹر صاحب اُٹھ کر نفل پڑھنے شروع کرتے۔ ماسٹر صاحب آداب کا لحاظ نہ رکھتے۔ قبلہ سخی صاحب سے کد رکھتے۔ کہ یہ اجلاس میں مجھے کوڑے لگاتے ہیں۔ اس کے باوجود سلسلہ کے مرید ماسٹر صاحب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور اپنے معاملات

میں ان سے مدد مانگتے۔ ماسٹر صاحب کھلی آنکھوں ان کے معاملات اجلاس میں پیش کر کے حل بتا دیتے ــــ نفس کی شرارت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات حضورؒ کی شان میں بھی گستاخی کرتے مگر حضور ان کی گستاخی پہ تبسم فرماتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضور قبلہ عالم شہر میں محمد حنیف صاحب کے گھر تشریف لائے۔ قریبی مرید حضور کی مجلس میں بیٹھے ہیں۔ ماسٹر صاحب بھی حضور قبلہ عالم کے ساتھ آتے تھے۔ دورانِ گفتگو ہم سے کہنے لگے۔ تحصیل ہندواڑہ میں جنات نے زور پکڑ رکھا تھا۔ ایک آدمی کو میرے پاس لایا گیا کہ اس پر جنات کا دخل ہے۔ میں نے علاقہ کے تمام جنات کو جمع کر کے حکم دیا۔ کہ یہ علاقہ چھوڑ کر کسی اور ویران جگہ چلے جاؤ۔ ورنہ میں سب کو جلا کر بھسم کر دوں گا۔ جنات گھبرا گئے۔ اور معافی مانگنے لگے۔ آئندہ ہم اس علاقہ میں کسی کو تنگ نہ کریں گے۔ میں نے اس شرط پر معافی دی کہ علاقہ میں کسی شخص کو نہ چھیڑیں ــــ اور ہفتہ وار پانچ روپے ٹیکس ادا کریں۔ جنات نے شرط منظور کر لی۔ اور ہفتہ وار پانچ روپے ماسٹر صاحب کے گھر پھینک دیتے۔ ہم نے یہ واقعہ حضور قبلہ عالم کو سنایا ــــ آپ نے تبسم فرمایا ــــ اور ماسٹر صاحب کو گالی دے کر فرمایا ــــ تم ابھی شرارت سے باز نہیں آتے۔ اب حرام کھانا بھی شروع کیا۔ اچھا ہم تمہارا بندوبست کر دیں گے۔ ماسٹر صاحب ناراض ہو گئے۔ کہ تم نے حضور قبلہ عالم سے کیوں ذکر کیا۔ اب تو وہ مجھ پر عذاب ڈالیں گے۔ اس کے بعد ماسٹر صاحب کے روپے آنے بند ہو گئے ــــ اب نہ ان کے بلائے کوئی جن ان کے پاس آتا۔ باوجود نفسی شرارت کے ماسٹر صاحب کے مشاہدہ میں فرق نہ آیا ــــ اور اجلاس میں حاضری بھی دیتے رہے ــــ واللہ! ــــ اس میں قطعاً مبالغہ نہیں۔ یہ ایک حقیقی واقعہ ہے ــــ حضورؒ قبلہ عالم سے عقیدتاً نسبت رکھنا ہی حضوری ہونے کے لیے کافی ہوتا ــــ بعض ایسے لوگ بھی حضور کی خدمت میں پیش ہوتے جو کسی دوسرے سلسلہ سے نسبت رکھتے آپ انہیں بغیر شرائط درود شریف کی اجازت دیتے۔ اور وہ لوگ حضوری ہو جاتے ــــ حضور کسی شخص کو سلسلہ سے الگ ہو کر سلسلہ اویسیہ کی بیعت ہونے کا پابند نہ فرماتے۔ اِس حال میں بھی لوگ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کر لیتے۔

عبدالعزیز درود شریف پڑھنے سے صحت مند ہو گئے

حضور قبلہ عالم جناب عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس کے گھر تشریف لائے۔ شہر کے لوگوں کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی۔ تو جوق در جوق آپ کی خدمت میں آنے لگے اور بیعت ہو گئے۔۔۔۔ ایک بیمار کو لایا گیا۔ کہ حضور اس کی صحت کے لیے دُعا فرمائیں۔ یہاں یہ عام رواج تھا۔ کہ جہاں کسی فقیر کی اطلاع ملی۔ تو لوگ دینوی حاجات کے لیے فقیر سے رجوع کرتے کہ فقیر کرامات سے لوگوں کی حاجتیں پوری کرتا۔۔۔۔ حضورؒ کا طریق یہ تھا کہ ہر حاجت مند کو نماز کی تلقین فرماتے۔ اور درود شریف پڑھنے کے لیے دیتے کہ درود شریف پڑھو تو خود بخود صحت مند ہو جاؤ گے۔ بعض کے لیے دُعا بھی فرماتے۔ بیمار کے ساتھ اس کے تین چار عزیز بھی تھے۔ جو اُسے اُٹھا کر لائے تھے۔ بیمار بہت لاغر ہو چکا تھا۔ اسے گردوں میں تکلیف تھی۔ ڈاکٹر نے علاج کیا آخر اپریشن کے ذریعہ ایک گردہ نکالنے کا مشورہ دیا۔ بیمار سخت مایوس تھا۔ یہ شخص شہر کا رہنے والا۔ عبدالعزیز راٹھر صاحب تھے۔ جو محلّہ بربرشاہ میں رہتے تھے۔ حضور نے راٹھر صاحب کو درود شریف پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ راٹھر صاحب نے عذر پیش کیا۔ کہ مَیں نہ آرام سے بیٹھ سکتا ہوں۔ نہ کچھ پڑھنے کی سکت ہے۔ دُعا فرمائیں ذرا آرام آجائے۔ تو مَیں درود شریف پڑھوں گا۔ حضور نے تسلّی دی کہ تم صحت مند ہو جاؤ گے۔ اچھا ہم توجّہ دیتے ہیں۔ رات کو یہ وظیفہ پڑھنا شروع کرو۔۔۔۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

ایک سو بار پڑھیں۔ پھر کل ہمارے پاس آئیں۔ پھر ہم باقی علاج کر دیں گے۔۔۔۔

دوسرے دن عبدالعزیز صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۔۔ ہم نے دیکھا ان سے مایوسی چھٹ چکی تھی۔ کسی حد تک خوش محسوس ہو رہے تھے۔ عرض کی۔ آج مَیں نے رات تین سو سے زیادہ وظیفہ پڑھا۔ اور بہت مدّت بعد رات آرام سے سویا۔ حضور نے تسلّی دی کہ اللہ کے فضل سے تم صحت یاب ہو جاؤ گے۔ اور درود شریف لکھ کر دیا۔ کہ یہ درود شریف

گیارہ سو مرتبہ پڑھیں۔ فی الحال جتنا ہو سکے۔ اتنا ہی پڑھیں۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ
اِس کے بعد راجہ علی اکبر صاحب فارسٹر۔۔۔ اور مجھے حکم دیا کہ ہم عبدالعزیز کی نگرانی کریں ـــــ
یعنی انہیں اجلاسِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں (حضور قبلہ عالم کے) پیش کر کے راتھر صاحب
کا باطنی علاج کریں۔ عبدالعزیز راتھر صاحب پُر امید ہو کر گھر چلے آئے۔ دوسرے دن میں
اور علی اکبر صاحب۔ ان کا لڑکا نذیر احمد راتھر صاحب کے گھر گئے۔ اور راتھر صاحب کو
اجلاس میں پیش کر کے حضرت شہید غازی رحمۃ اللہ علیہ سے علاج کرایا۔ مراقبہ سے فارغ ہو
کر ہم تینوں نے مراقبہ کی کیفیت ایک دوسرے سے پُوچھی۔ کہ شہید غازیؒ نے کس طرح
راتھر صاحب کا علاج کیا تو ہم تینوں کے مشاہدے یکساں تھے۔ ہر ایک نے ایک جیسی
کیفیت مشاہدہ کی۔ ہمیں یقین ہو گیا۔ کہ راتھر صاحب صحت مند ہو جائیں گے۔ تین دن متواتر
ہم نے عبدالعزیز صاحب کے گھر جا کر اسی طرح باطنی کاروائی کی۔ تین دن میں ہی راتھر صاحب
نے صحت محسوس کی رفتہ رفتہ راتھر صاحب کی بیماری دُور ہو گئی۔۔۔ اس کے بعد راتھر صاحب
ڈاکٹر کے پاس گئے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کیا۔ تو کہا کہ تمہارے گردے صحیح کام کر رہے
ہیں۔ اب اپریشن کی ضرورت نہیں۔ اب تم مکمّل صحت یاب ہو۔ اس کے ساتھ ہی راتھر صاحب
نے نماز و درود شریف شروع کیا۔ آپ محکمہ ابریشم (ریشم خانہ) میں ملازم تھے۔ اب
راتھر صاحب کی حالت یہ تھی کہ گھر سے دفتر جاتے اور آتے آپ کا ہاتھ پتلون کی جیب
میں رہتا۔ اور ہر وقت تسبیح چلاتے۔ درود شریف پڑھتے رہتے۔ آخر عبدالعزیز صاحب
نے حضور قبلہ عالم کو گھر مدعو کیا۔ حضور نے آپ کی دعوت منظور فرمائی۔ اور حضور قبلہ عالم
ایک دن راتھر صاحب کے گھر تشریف لائے۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب۔ میں۔ اور
کئی ایک درُود خوان راجہ علی اکبر وغیرہ مدعو ہوئے۔ اس موقع پر عبدالعزیز راتھر صاحب

لہ سلسلہ اویسیہ کا یہ طریقہ ہے کہ سائل کو اجلاس میں پیش کیا جاتا ہے۔ اجلاس میں حضرت شہید غازیؒ
سلسلہ اویسیہ کے ڈاکٹر ہیں۔ بیمار کو ان کے پیش کیا جاتا ہے۔ اور آپ بیمار کا علاج کرتے ہیں۔
دوا دیتے ہیں۔ اپریشن کرتے ہیں تو بیمار ظاہر طور صحت مند ہو جاتا ہے۔

کے بھائی۔ (عبدالقادر صاحب۔ غلام رسول راتھر۔ثناء اللہ راتھر وغیرہ) اور گھر کی اکثر مستورات اور بچے سب حضور قبلہ عالم کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ ان میں ان کے بھائی اور چند مستورات اور بچے صاحبِ مشاہدہ حضوری ہو گئے ۔۔۔ اس طرح ۔۔۔ موسیٰ کو آگ کی تلاش تھی ۔۔۔ "پیغمبری ملی" کے مصداق۔ عبدالعزیز راتھر صاحب کی بیماری ان کے لیے حصولِ معرفت کا سبب بن گئی ۔۔۔ ظاہر ہے کسی بیمار کو صحت مند کرنا ایک ناسوتی عمل ہے کہ پھونک مار دی تو صحت مند ہو گیا۔ حضور قبلہ عالم کے لیے ایسا کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ لیکن حضور نے کبھی توجّہ سے کرامات کو استعمال نہ فرمایا۔ اِس وجہ سے کہ طریقِ اویسیہ کے مطابق ایک حاجت مند کی حاجت پوری ہو۔ اور ساتھ معرفت بھی حاصل ہو۔ اِس حال میں کہ وہ خود اپنا علاج کرنے کی خاصیت پا کر دوسروں کے لیے حاجت روائی کا سبب بن جاتا ۔۔۔ حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کو تلقین فرماتے کہ اپنی فقیری معمولی کاموں کے لیے استعمال نہ کرو۔ ظاہر کے لیے عقل و فہم اور تدبّر استعمال کرو ۔۔۔ باطن کو باطن۔ اور مراتب کے لیے وقف رکھو اگر ضرورت محسوس ہو۔ تو خود اپنا علاج کرو ۔۔۔ ایک بار مَیں اور قبلہ سخی صاحب حضور قبلہ عالم کے ہمراہ ریل کے سفر میں کہیں جا رہے تھے۔ اثنائے راہ میں مَیں نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر دیکھا۔ تو میری آنکھ میں انجن کے دھویں سے کوئلہ کا ایک ذرّہ چلا گیا میری آنکھ میں شدّت کا درد شروع ہُوا ۔۔۔ آنکھ سُرخ ہو گئی ۔۔۔ دَرد کی وجہ سے مَیں بے چین ہو گیا ۔۔۔ حضور سے عرض کی کہ میری آنکھ میں کوئلے کا ذرّہ چلا گیا۔ اور سخت دَرد محسوس ہو رہا ہے۔ آپ نے مجھے جھاڑ دیا ۔۔۔ فرمایا۔ اب ہم کیسے ذرّہ نکالیں خود اپنا علاج کرو۔ مَیں نے ایسی حالت میں حضور قبلہ عالم کا تصوّر کیا۔ تصوّر میں آپ کے دستِ مُبارک کا انگوٹھا آنکھ پر ملا ۔۔۔ آنکھ کھولی۔ آناً فاناً دَرد جاتا رہا جیسے کچھ ہُوا ہی نہیں یہی وجہ تھی کہ حضور خود کسی شخص کو پیش نہ فرماتے۔ بلکہ کسی مرید سے کہتے کہ "اسے ہمارے پیش کرو" ۔۔۔ اِس طریق سے یہ فائدہ ہوتا کہ علاج کے ساتھ ایک شخص فیضِ باطنی سے بھی مستفید ہو جاتا ۔۔۔

حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کی مشکلات میں ان کی تکلیفوں میں کرامات استعمال نہ

فرماتے ـــــ بلکہ ظاہری تدبیرِ علاج پر زور دیتے۔ فرماتے۔ باطنی قوت کو ظاہری حالت میں استعمال کرنا جائز نہیں۔ فرماتے اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ کیا تم اپنی رُوحانی قوت کو ادنیٰ کیفیتوں کے عوض خرچ کرتے ہو ـــــ ظاہر کے لیے اللہ تعالیٰ نے ظاہری علاج رکھا ہے۔ اس لیے تدبّرا استعمال کرو ـــــ جناب قبلہ سخی صاحب گنٹھیا کے مرض میں مبتلا رہے۔ اور کبھی یہ درد شدّت اختیار کر جاتا۔ بعض اوقات انہیں ڈیوٹی سے چارپائی پر اُٹھا کر گھر لایا جاتا۔ مگر حضور قبلہ عالم نے کبھی ان کی تکلیف پر توجہ نہ فرمائی۔ فرماتے فقیر پر ابتلا اِس کے رُوحانی مراتب کے عروج کا سبب بن جاتی ہے۔ اِس لیے تکالیف کو خود اہمیت نہ دو۔ بلکہ صبر و استقلال سے کام لیا کرو ـــــ محمّد حنیف صاحب ایک دفعہ بیمار ہو گئے۔ آپ دورے پر گامذریل کے علاقہ میں گئے تھے۔ بخار ہو گیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ نے ٹھنڈا پانی پی لیا۔ بخار شدّت اختیار کر گیا۔ واپس گھر آ گئے۔ قبلہ سخی صاحب کو اطلاع ملی۔ آپ بھی تشریف لائے۔ محمّد حنیف صاحب کو ڈاکٹر رولنس کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے بتایا انہیں پلوریسی ہو گئی ہے۔ یعنی ان کے پھیپھڑے کی جھلی میں پانی بھر گیا ہے۔ اِسی دوران حضور قبلہ عالم بھی تشریف لائے۔ ڈاکٹر نے مسلسل دو ماہ بستر پر لیٹے رہنے کی تلقین کی ـــــ اور دوا بتائی ـــــ محمّد حنیف صاحب مسلسل دو ماہ تک بستر پر فراش رہے۔ حضورؒ نے بھی دُعا فرمائی۔ آخر صحت یاب ہو گئے۔ اِسی طرح ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب بھی اِسی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ چونکہ ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب زیرِ تعلیم تھے۔ اتنی طویل مدّت ان کی تعلیم میں حارج ہوتی ـــــ حضورؒ نے دوا استعمال کرنے کا حکم دیا ـــــ اور خود توجہ فرمائی۔ دو ہفتہ میں محمّد حفیظ صاحب صحت یاب ہو گئے۔ محمّد حنیف صاحب کے چھوٹے بھائی ـــــ محمّد شریف صاحب بجلی کے کام کی ٹریننگ کے لیے لدھیانہ میں تھے۔ انہیں بخار ہو گیا۔ کام چھوڑ کر بخار کی حالت میں گھر آئے۔ سفر کی وجہ سے بخار نے شدّت اختیار کی ـــــ ان کے ہاں۔ ڈاکٹر رولنس کے شاگرد ڈاکٹر بیزلیل عیسائی ڈاکٹر آئے تھے۔ اس نے کہا بخار بگڑ گیا ہے۔ تپ محرقہ ہو گیا۔ لہٰذا تقریباً ایک ماہ آرام ان کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ قبلہ سخی صاحب کو علم ہُوا۔ آپ تشریف

لائے۔ شریف صاحب دو دن سے بے ہوش تھے۔ قبلہ سخی صاحب نے انہیں توجہ دی۔ بیہوشی کے عالم میں شریف صاحب بولنے لگے ــــ السلام علیکم ــــ پیر صاحب۔ قبلہ سخی صاحب فرمانے لگے۔ لو! اب خود حکیم پہنچ گئے۔ قبلہ پیر صاحب خود علاج کریں گے۔ ہم اُٹھ کر باہر چلے آئے۔ شام کے قریب شریف صاحب کو ہوش آیا۔ اس وقت ڈاکٹر بیزلیل بھی شریف صاحب کو دیکھنے آیا ــــ بخار دیکھا تو حیران رہ گیا۔ بخار ختم تھا۔ ٹمپریچر نارمل ہو چکا تھا۔ شریف صاحب بستر سے اُٹھے۔ اور کھانا مانگا۔ کھانا دیا گیا تو بالکل صحت یاب تھے۔ ڈاکٹر بیزلیل حیران تھے۔ کہ میری تشخیص غلط نہیں ہو سکتی۔ میرے نزدیک یہ بخار تقریباً ستائیس دن تک رہنا تھا۔ مگر یہ تو اب صحت مند ہیں۔ ہم سے پوچھا۔ ہم نے کہا۔ قبلہ سخی صاحب نے پلیش کیا۔ پیر صاحب کی نظر سے ٹھیک ہو گئے۔ وہ بھی متاثر ہُوا۔ حضور قبلہ عالم تشریف لائے تو بہت عقیدت سے پیش آیا۔ اور اپنی معروضات قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیں کہ میرے لیے دُعا فرمائیں۔ میری چند مشکلات ہیں۔ حضور نے وعدہ فرمایا۔ ہفتہ کے اندر ڈاکٹر بیزلیل کی مشکل آسان ہو گئی ــــ ایک دن حضور گھر سے تشریف لائے۔ آپ کو کچھ تکلیف تھی۔ فرمایا۔ ڈاکٹر بیزلیل کو بلاؤ ــــ ڈاکٹر کو بلایا ــــ اس نے دیکھا کہنے لگا۔ پیر صاحب آپ میرے پیر ہیں۔ اور اب مَیں آپ کا پیر بن گیا۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا ہمارا علاج کرو ــــ بعد میں ہم آپ کے پیر بنیں گے۔ ڈاکٹر نے دوا لا کر دی۔ دو دن حضور محمدؐ حنیف صاحب کے گھر تشریف فرما رہے۔ اور صحت یاب ہو گئے۔ تیسرے دن ڈاکٹر صاحب روتے ہُوئے آئے آپ اچھے پیر ہیں۔ مَیں مصیبت میں پھنسا ــــ حضور نے پوچھا کیا ہُوا؟ ــــ کہنے لگا رات میری بیوی نے ناراض ہو کر میرے والد کو گھر سے نکال دیا۔ حضور نے فرمایا آپ میرے پیر ہیں۔ خود اس کا علاج نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر بہت شرمندہ ہُوا۔ کہ مجھ سے گستاخی ہو گئی۔ معاف فرما دیں۔ حضور نے فرمایا۔ آپ تو مسلمان ہوتے نہیں چلو ایسے ہی پیر بنیں گے۔ جائیے معاملہ ٹھیک ہو گیا ــــ ڈاکٹر بیزلیل گھر گیا۔ تو بیوی نے روتے روتے ڈاکٹر سے معافی مانگی۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مَیں والد سے معافی مانگتی ہوں۔ آئندہ ایسا نہ کروں گی۔ چنانچہ ان کی صُلح ہو گئی۔ اور بیوی فرمانبردار ہو گئی۔

حضور قبلہ عالم کی خدمت میں کوئی بھی آتا خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ آپ نے کبھی کسی کے داخلی معاملہ میں مداخلت نہ کی۔ بلکہ انسانی حیثیت میں ہر شخص سے اخلاقاً پیش آتے۔ اور ان سے فراخدلی سے پیش آتے۔ اپنی طرف سے سخاوت پیش کرنے میں آپ نے کبھی تنگ دلی سے کام نہ لیا۔ اور ہر شخص سے بلا تمیز مذہب وملت توجہ فرماتے رہے۔ اور ہر شخص نے آپ کی توجہ سے فیض پایا۔

ایک واعظ صاحب کے عجیب و غریب حالات

ایک دن حضور قبلہ عالم گاندربل میں جناب قبلہ سخی صاحب کے گھر تشریف فرما تھے۔ صحن میں تشریف رکھتے ہیں۔ قبلہ سخی صاحب بھی قریب بیٹھے ہیں۔ میں بھی خدمت میں حاضر ہوں اور بھی گاؤں کے چند لوگ خدمت میں حاضر ہیں۔ دو آدمی آئے۔ پوچھا ہم سخی ولایت خان صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ سامنے سخی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ وہ ادب سے جھکے سلام کیا۔ اور عرض کی کہ ہم مدت سے آپ کی تلاش میں تھے۔ آج آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ہم نے سُنا ہے کہ آپ فقیر ہیں ـــــ استدعا ہے کہ ہمیں بھی کچھ فیض عطا کریں۔ آپ نے فرمایا ـــــ ہمارے پیر صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ ان سے رجوع کریں۔ وہ حضور کو پہچان نہ سکے۔ سمجھے قبلہ سخی صاحب ہم سے مذاق کر رہے ہیں۔ حضور قبلہ عالم خاموش بیٹھے ہیں۔ وہ لوگ شش و پنج میں پڑ گئے۔ آپ کی شکل سے یہ محسوس نہ ہوتا تھا کہ آپ قبلہ سخی صاحب کے پیر ہیں۔ شکل وصورت کے توازن سے قبلہ سخی صاحب پیر نظر آتے تھے۔ انہوں نے پھر التجا کی کہ حضور ہم آپ کے پیچھے مدت سے سرگرداں رہے ہیں۔ آج ہمیں آپ کے متعلق معلوم ہوا۔ اس لیے ہمیں محروم نہ کریں۔ قبلہ سخی صاحب نے یقین دلایا کہ حضور ہی ہمارے پیر ہیں۔ یہ سُنکر وہ بہت نادم ہوئے ـــــ اور حضور سے معذرت چاہی کہ ہم آپ کو پہچان نہ سکے۔ حضورؒ نے تبسّم فرمایا ـــــ فرمایا ـــــ سخی انہیں درود شریف بتا دو۔ قبلہ سخی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ انہیں درود شریف لکھ کر دوں۔ میں نے انہیں درود شریف لکھ کر دیا ـــــ حضور نے فرمایا کہ یہ درود شریف گیارہ سو بار۔ مراقبہ میں روضہ مدینہ شریف کا

تصوّر کرکے پڑھیں۔ آپ کی مراد انشاء اللہ پوری ہو جائے گی ـــ قبلہ سخی صاحب نے ان سے تعارف پوچھا کہ آپ کون ہیں ـــ ان میں ایک نے کہا کہ ہم واعظ خواں[1] ہیں۔ میں تلاش حق کے لیے بہت سے فقراء کے درباروں میں پھرتا رہا۔ لیکن مقصد حاصل نہ ہُوا۔ معلوم ہُوا ایک گاؤں میں ایک چرواہا فقیر ہے۔ میں اس سے ملا ـــ اور اپنا مقصد بیان کیا۔ اس فقیر نے مجھے ایک وظیفہ دیا کہ رات کو تہجّد کے بعد یہ وظیفہ پڑھوں۔ میں نے وظیفہ شروع کیا۔ کچھ دنوں بعد مجھ پر وظیفہ کے اثرات ظاہر ہو گئے۔ میں نے سُورج کے مانند ایک نور اپنے سامنے مشاہدہ کیا ـــ مسلسل مداومت کے بعد۔ ایک دن یہ نور میرے قریب دائیں طرف کان کے پاس آیا ـــ یہ نور دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا نیچے زمین پر گِر کر غائب ہو گیا ـــ دوسرا ٹکڑا میرے کان کے قریب قرار کر گیا۔ یہ حالت میں ہر روز دیکھتا رہا۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ جو شخص بھی میرے سامنے آتا۔ اس نور کے ذریعہ مجھے اس کے تمام، حالات سے آگاہی ہو جاتی ـــ کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس کی حالت کیا ہے۔ اس کی مشکل کیا ہے۔ اور اس کی مشکل کا حل کیا ہے۔ جب یہ انکشاف ہُوا تو میں نے لوگوں کو حالات، بتانے شروع کیے۔ لوگ میری طرف رجوع کرنے لگے۔ اور میں فقیر مشہور ہُوا ـــ لوگ میرے پاس آنے لگے۔ اور میں ان کے حالات بتاتا۔ ان کی مشکلوں کا حل بتاتا۔ ایک دن شہر سے دُور چند آدمی مجھے اپنے گاؤں مدعو کرکے لے گئے۔ میں گاؤں چلا گیا۔ ان میزبانوں کے دو سوال تھے۔ ایک بیمار تھا۔ دوسرا ایک مقدمہ تھا۔ وہاں دعوت ہُوئی۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ رات قوالی ہوتی رہی۔ تہجّد کے وقت میں نے عمل شروع کیا۔ تو جواب ملا کہ مقدمہ ان کے حق میں ہو گا۔ مگر بیمار کی صحت ٹھیک نہ ہو گی۔ صبح میں نے انہیں یہ کیفیت بتائی۔ انہوں

---

[1] کشمیر میں رواج ہے کہ صبح کی نماز پر مولوی لوگ مسجدوں میں جاتے ہیں۔ اور نماز کے بعد قرآن و حدیث کا وعظ کرتے ہیں۔ لوگ ان کے لیے نمازی حضرات سے چندہ کرکے کچھ رقم جمع کرکے دیتے ہیں۔ یہ لوگ اسی رقم سے اپنی گذر اوقات کرتے ہیں۔ یہ معمول ہے صبح ہر مسجد میں ایک مولوی وعظ کرتا ہے اور کچھ رقم حاصل کرکے چلا جاتا ہے۔

نے بیمار کے متعلق اصرار کیا کہ اس کی صحت کے لیے بھی کچھ کروں۔ مَیں نے رات کو پھر مراقبہ کیا۔ لیکن جواب مایوس کن تھا۔ مَیں نے مصلحتاً انہیں مبہم جواب دیا۔ تاکہ مایوس نہ ہوں۔ دوسرے دن ایک ہمسایہ نے بھی دعوت دی۔ مَیں ان کے گھر گیا۔ وہاں بھی دعوت کا انتظام تھا۔ کھانا لگایا گیا۔ میرے ساتھ ایک اور آدمی کھانے میں شریک کیا گیا۔ ہم دونوں کھانا کھانے لگے۔ وہ دوسرا شخص عجیب حرکتیں کرنے لگا۔ اپنی طرف کا کھانا میری طرف ڈال دیتا۔ اور میری طرف کا کھانا اُٹھا کر خود کھاتا۔ مَیں سمجھا یہ نادان ہے۔ عقیدتاً ایسا کرتا ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر قوالی شروع ہو گئی۔ رات وقتِ مقررہ پر تہجّد کے بعد مَیں مراقبہ میں بیٹھا تو بہت کوشش کرتا ہوں۔ نُور میرے کان کے سامنے حاضر نہ ہُوا ــــ نور غائب ہو گیا۔ مَیں سمجھا وہ کوئی فقیر تھا۔ جو میرا عمل چھین کر لے گیا۔ مَیں نے بہت کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ مَیں مایوس ہو کر سو گیا۔ صبح اُٹھا تو بخار کی شدّت سے تپ رہا تھا۔ دو دن سخت بخار رہا ــــ اسی حالت میں مَیں بیہوش ہو گیا۔ میرے گھر اطلاع دی گئی۔ اور گھر والے مجھے بیہوشی کی حالت میں اُٹھا کر گھر لے آئے۔ تین دن بعد ہوش آیا۔ تو خود کو گھر میں پایا ــــ ہفتہ بھر میں خستہ حالت میں پڑا رہا۔ کچھ افاقہ ہُوا۔ تو اُس چرواہے کے پاس گیا۔ اس سے اپنی تمام داستان بیان کی۔ اُس نے کہا کہ یہ چیز مجھے بھی حاصل نہیں۔ یہ تو تمہیں اپنی ہی محنت سے ملا ہے۔ اب مَیں کچھ نہیں کر سکتا ــــ مَیں مایوس ہو کر واپس لوٹا ــــ اور پھر تلاشِ حق کے لیے پھرتا رہا ــــ ایک دن معلوم ہُوا۔ شہر میں پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پُور سیداں والے تشریف لائے ہیں۔ مَیں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب ہندوستان بھر میں مشہور تھے۔ آپ لوگوں کو بیعت بھی کرتے تھے۔ ہندوستان میں بے شمار لوگ ان کے مرید تھے۔ کشمیر میں بھی ان کے بہت سے مرید تھے۔ اِسی سلسلہ میں کشمیر تشریف لائے تھے۔ مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ نے مجھ سے پُوچھا۔ کیا چاہتے ہو ــــ مَیں نے عرض کی کہ مجھے "کارِ منصور"[1] دکھائیں۔ پیر صاحب نے مجھے قریب بلا کر سر پر ہاتھ رکھا۔ کہا دیکھو "کارِ منصور"۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہی میں

---

[1] منصور حلاج کا عمل۔ مجذوبیت میں اَنَا الحَق پکارنا۔

بے ہوش ہوگیا۔ عالمِ بیہوشی میں ــــ دیکھتا ہوں کہ ایک ہاتھی پر سوار۔ مَیں ہوا میں اُونچی پرواز کرتا ہوں۔ اور ساری دُنیا کا چکر کاٹتا ہوں۔ کافی دیر اِسی عالم میں رہا ــــ ہوش آیا۔ تو خود کو اپنے گھر میں بستر پر پڑا پایا۔ مَیں نے محسوس کیا کہ میرا سارا بدن چوُر ہو چکا ہے۔ جگہ جگہ سے لہُو بہہ چکا ہے۔ کپڑے پھٹ گئے ہیں۔ مَیں نے گھر والوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ تو انہوں نے بتایا۔ ہم نے تجھے بے ہوش پایا۔ تیرا جسم لہُولہان تھا ــــ مجھے معلوم ہُوا جب پیر صاحب نے میرے سر پہ ہاتھ رکھا تو مَیں اُچھلا اور سیڑھیوں سے لڑھکتا نیچے آن گرا۔ اور میرا جسم زخمی ہو گیا۔ اور مَیں بے ہوشی کے عالم میں یہ کیفیت دیکھتا رہا۔ ہفتہ بھر بعد میں ٹھیک ہُوا۔ مَیں نے مراقبہ کیا۔ تو مَیں ہُوا میں اِسی طرح اُونچا اُڑتا رہا۔ اور دُنیا کی سیر کرتا رہا۔ رفتہ رفتہ یہ کیفیت کم ہوتی گئی۔ اور پھر یہ سب مشاہدہ ختم ہوگیا۔ اس حادثہ سے مَیں دہشت زدہ ہوگیا۔ پھر کسی فقیر کے پاس جانے کی جرأت نہ ہوئی۔

ایک دن میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ نشاط باغ[1] سیر کے لیے گیا۔ دوستوں نے نشاط باغ سے قریب "ایشبر گاؤں" میں ایک فقیر رحمان صاحب کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ یہ کشمیر کے ایک مشہور مجذوب ولی ہیں۔ مَیں بھی ان کے ساتھ گیا۔ رحمان صاحب کے پاس پہنچے وہاں کافی لوگ حاجت روائی کے لیے جمع تھے۔ سب لوگ چلے گئے۔ ہم وہیں ٹھہرے رہے۔ رحمان صاحب نے استغراق سے سر اٹھایا ــــ میری طرف دیکھا آپ اُٹھے اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ پہلے مجھے ایک قبر نما گڑھے میں لیٹنے کا حکم دیا۔ مَیں ڈر کے مارے کچھ کہہ نہ سکا۔ اور گڑھے میں لیٹا رہا ــــ رحمان صاحب جھونپڑی میں سے حقّہ اُٹھا کر لائے اور مجھے گڑھے سے نکال کر مسجد میں لے گئے۔ حُقّہ چلایا۔ اور مجھے حُقّہ پینے کا حکم دیا ــــ مَیں تمباکو نوشی سے نفرت کرتا تھا۔ مجبوراً حُقّہ پیا ــــ تھوڑی دیر مسجد میں رہ کر واپس آئے۔ اور مجھے واپس جانے کا حکم دیا۔ مَیں گھر آیا۔ رات کھانا کھایا۔ اور ساتھ ہی مجھے قے شروع ہوگئی ــــ ایسی کہ مَیں کچھ کھاؤں فوراً قے ہو کر سب کچھ باہر آجاتا۔ حکیم کا علاج کیا۔ مگر کچھ افاقہ نہ ہُوا۔ ایسی

---

[1] نشاط باغ سری نگر سے سات میل مشرق کی طرف مُغلیہ شہنشاہ کا ایک مشہور باغ ہے۔

حالت میں ایک ماہ کا ایک عرصہ گزرا میں نڈھال ہوگیا۔ رشتہ دار میری تیمارداری کرنے آتے۔ شاید میں اِس قے کی بیماری سے جان بر نہ ہوسکوں۔ اِسی اثنا میں ہمارے ایک رشتہ دار مجھے دیکھنے آئے۔ اُس نے میری بیماری کا سبب پوچھا۔ مجھ سے کہنے لگا۔ تم کسی فقیر کے پاس تو نہیں گئے تھے۔ مَیں نے رحمان صاحب کے پاس جانے کا سارا واقعہ سنایا۔ وُہ اُچھلا۔ کہنے لگا۔ مَیں نے بیماری کی تشخیص کر ڈالی ہے۔ یہ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ اُس نے حُقّہ منگوایا۔ اور چلم بھر کر مجھے حُقّہ پلایا۔ کہنے لگا یہی اس کا سبب ہے۔ اور یہی اس کا علاج ہے۔ اب کھاؤ جو جی چاہے۔ اب قے نہ ہوگی۔ گھر والوں نے مجھے۔ بند اور دودھ کھلایا۔ واقعی میری قے بند ہوگئی ـــــ اس صاحب نے کہا۔ بیکار فقیروں کے پیچھے پھر کر اپنا حال برباد نہ کرو۔ اِس کے بعد مَیں نے اِس خواہش کو ترک کر دیا۔ لیکن جب کسی فقیر کی تعریف سُنتا ہوں تو پھر صبر نہیں ہوتا ـــــ آپ کے متعلق مجھے معلوم ہُوا تو مَیں صبر نہ کر سکا۔ اب آپ پیر صاحب مجھ پر نظرِ کرم فرمائیں۔ قبلہ سخی صاحب نے مذاقاً فرمایا۔ اب تمہیں کار اَنَا الْحَق بتائیں گے۔ اِس پر حضور قبلہ عالم ہنس پڑے۔ فرمایا جاؤ۔ اب ایسی کوئی مصیبت نہ آئے گی۔ درود شریف روضہ مدینہ شریف کا تصوّر کر کے پڑھو۔ اور اپنا کاروبار کرو ـــــ دین میں زیادہ محنت نہ اٹھاؤ تمہیں آسانی سے مُراد مل جائے گی۔ دُوسرے آدمی نے بھی درود شریف لیا۔ اور دونوں بیعت ہو کر چلے گئے۔

پیر غُلام نبی رفوگر ـــــ ناؤپُورہ

ایک دفعہ ایک صاحب حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور درود شریف پڑھنے کی اجازت چاہی۔ حضور نے اُسے درود شریف پڑھنے کی اجازت دی۔ یہ شخص درود شریف لے کر چلا گیا۔ یہ شخص محلہ ناؤپُورہ کا رہنے والا غلام نبی رفوگر تھا۔ حسبِ ارشاد دُرود شریف پڑھنا شروع کیا۔ دوسری رات کو مراقبہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا۔ منبر پر ایک صاحب کو بیٹھے دیکھا۔ اس سے قبل یہ صاحب کشمیر کے میر واعظ (خطیب جامع مسجد کشمیر) مولانا احمد صاحب (المعروف مولوی عمہ صاحب) کا مرید تھا ـــــ

گمان کیا منبر پر بیٹھے مولانا احمد صاحب ہیں۔ اور انہیں یہ صاحب ان کی شکل میں نظر آئے۔ خیال کیا کہ احمد صاحب بھی حضوری ہیں۔ پھر تیسرے دن مراقبہ کیا تو یہی صورت نظر آئی۔ چوتھے دن مراقبہ کیا۔ تو مسجد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم نظر نہ آئی۔ ساری رات مراقبہ میں گزاری مگر پھر مشاہدہ نہ ہُوا۔ غلام نبی نے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں اپنی کیفیت تحریر کرکے بھیجی۔ حضور نے جواباً فرمایا۔ کہ ہم شہر آئیں گے تو بات ہوگی۔ حضور شہر تشریف لائے۔ تو غلام نبی بھی حاضر ہُوا۔ اور حضور کو اپنے گھر مدعو کیا۔ حضور غلام نبی کے گھر تشریف لے گئے۔ اور بھی چند مرید آپ کے ساتھ ان کے گھر گئے۔ کھانا کھانے کے بعد غلام نبی خدمت میں حاضر ہُوا۔ حضور نے فرمایا۔ غلط فہمی کی وجہ سے تمہارا مشاہدہ بند ہوگیا۔ یہ بات تم پر واضح ہو جائے گی۔ مجھے حکم دیا۔ اسے تنہا جگہ بٹھا کر مراقبہ کراؤ اور توجّہ دو۔ مَیں غلام نبی کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اس نے مراقبہ شروع کیا۔ ابھی اس پر مشاہدہ نہ کھُلا۔ مَیں نے توجّہ دی۔ تو پھر وہی کیفیت سامنے آئی۔ کہنے لگا کہ مسجد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے منبر پر مولوی احمد صاحب کو بیٹھا دیکھتا ہوں۔ مَیں نے پھر توجّہ دی۔ کہنے لگا۔ یہ احمد صاحب نہیں۔ یہ تو حضور قبلہ عالم ہیں۔ مَیں نے کہا۔ یہی گمان تمہارے بند ہونے کا سبب بنا۔ اب حضور سے استدعا کرو۔ کہ اجلاس میں لے جائیں۔ حضور اسے اجلاس میں لے گئے۔ اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور پیش کیا۔ اِس عالم میں غلام نبی نے اور بھی چند کیفیتیں مشاہدہ کیں۔ مَیں نے اسے مراقبہ سے ہٹایا۔ اور حضور کے پیش کر دیا۔ فرمایا کھُل گیا۔ مَیں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضور نے فرمایا اگر مولوی احمد صاحب حضوری کرتے تو تمہیں ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہ رہتی۔ تمہارے قلب میں ابھی احمد صاحب کا تصوّر باقی تھا۔ جو حقیقت پہچاننے میں حائل ہُوا۔ خیر ہم تمہیں ان سے تعلّق ختم کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ اِس حال میں بھی آپ مولوی احمد صاحب کے مرید رہ سکتے ہیں۔ مگر غلام نبی سمجھ گیا۔ عرض کی یہ میری علم کی کمی کی وجہ سے ہُوا۔ مَیں حضور سے بیعت کی التجا کرتا ہوں۔ حضور نے اسے بیعت کیا۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم واپس گھر تشریف لے گئے۔ مَیں ان دنوں غلام نبی کے محلہ ناؤ پورہ کے قریب محلہ نقاش پورہ اپنے ماموں کے ہاں رہتا تھا۔ مَیں غلام نبی کے حالات

دریافت کرنے کی غرض سے ناوَ پورہ اس کی دکان پر گیا۔ مجھے دیکھ کر بہت تعظیم سے اُٹھا۔ عزّت سے دکان پر بٹھایا۔ مَیں نے حالات دریافت کیے۔ غلام نبی نے ایک رات میں بہت سی کیفیاتِ مشاہدہ بتایئں۔ مَیں بہت خوش ہوُا۔ خوشی میں مَیں نے کہا۔ آپ اسی جگہ مراقبہ شروع کر دیں ــــــ غلام نبی فوراً اجلاس میں پہنچا ــــــ مَیں نے کہا حضور سے اجازت لو۔ کہ ہم بیت اللہ میں جایئں۔ حضور نے اجازت مرحمت فرمائی۔ مَیں نے کہا چلو بیت اللہ کی طرف پرواز کرو۔ چند لمحوں میں بیت اللہ پہنچا۔ مَیں نے بیت اللہ کی کیفیت پوچھی تو غلام نبی نے بجائے بیت اللہ دیکھنے کے دریائے توحید کا منظر بتایا ــــ کہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ ساتھ کھڑے ہیں۔ ایک وسیع نورانی دریا ہے۔ مَیں نے کہا کہ حضور سے عرض کرو۔ کہ مجھے اجلاس میں لے جایئں۔ حضور اسے دوئم اجلاسِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں لے گئے ــــــ غلام نبی نے اجلاس دوئم کی تمام کیفیت بیان کی۔ اس کے بعد مَیں نے مراقبہ سے ہٹایا۔ کہنے لگا۔ مَیں تو سمجھا تھا۔ کہ مجھے بیت اللہ نظر آئے گا۔ مگر یہاں تو اور ہی اسرار دیکھنے میں آئے۔ مَیں نے کہا یہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ عنایت ہے۔ کہ ایسا مقام سالہا سال تمہیں میسّر نہ آسکتا۔ اب فقر کی طرف پوری توجہ رکھو۔ اِس کے بعد مَیں اکثر غلام نبی کی دکان پر جاتا رہا۔ ہر بار وہ کسی نہ کسی نئی کیفیت کے مشاہدہ کے متعلق بتاتا۔ ایک دن میں غلام نبی کی دکان پر گیا۔ تو اس نے ایک نیا واقعہ بیان کیا۔ کہنے لگا۔ کل دن میں دکان پر جا در رفو کر رہا تھا۔ کہ اچانک مجھ پر مشاہدہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ دیکھتا ہوں کہ ایک فقیر میری دکان کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک رجسٹر ہے۔ کہنے لگا۔ کہ آج سے آپ میرے ساتھ ڈیوٹی دیں گے۔ رجسٹر مجھے دیا۔ کہ آپ پڑھے لکھے ہیں۔ لہٰذا اِس رجسٹر پر آپ رپورٹیں لکھیں گے۔ اور رپورٹیں درج کریں گے۔ رجسٹر دے کر وہ فقیر چلا گیا۔ مَیں نے کہا۔ مُبارک ہو تمہیں مجلس مشاورت میں عہدہ دیا گیا ہے۔ اب وہ فقیر اچانک آتا ہے۔ تو غلام نبی پر کام کرتے کرتے کیفیت آجاتی ہے۔ فقیر شہر کے حالات بتاتا ہے۔ غلام نبی رجسٹر پر درج کرتے ہیں۔ اور جو احکام لکھے ہوتے ہیں وہ اسے پڑھ کر سناتا ہے۔ اِس طرح غلام نبی کو شہروں محلوں کے حالات کا قبل از وقت علم ہو جاتا تھا۔ اِسی دوران ملک میں شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری پر جلسے جلوس

ہونے لگے۔ تو فقیر کا آنا جانا بار بار شروع ہوا۔ رجسٹر میں درج ہوتا کہاں جلسے جلوس ہونگے۔ کہاں۔ ملٹری یا پولیس کا دورہ ہو گا۔ کہاں جھگڑا فساد ہو گا۔ غلام نبی بتاتے۔ آج فلاں فلاں جگہ جھگڑا ہو گا۔ گولی چلے گی۔ فلاں فلاں آدمی ہلاک ہو گا۔ اور بعینہ ایسے ہی واقعات پیش آتے۔ اسی دوران شہر میں ہیضہ کی وبا پھیلی۔ تو فقیر صاحب دکان پہ حاضر ہوئے۔ رجسٹر میں ہیضہ کا حکم درج تھا۔ کس کس محلہ میں ہیضہ ہو گا۔ کتنے آدمی ہیضہ کا شکار ہوں گے۔ اور کتنے مریں گے۔ غلام نبی اس کے متعلق بھی پیشگوئی کرتے کہ فلاں محلہ میں ہیضہ ہو گا۔ اتنے آدمی مریں گے۔ دو ہفتہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ اب غلام نبی کام کرتے کرتے بے خود ہو جاتے۔ اور کام رہ جاتا مگر وہ بہت خوش تھے۔ کہ باطن میں اس کا مقام اعلیٰ تھا۔۔۔ ایک دن فقیر صاحب آئے اور رجسٹر پیش کیا۔ دیکھا کہ غلام نبی کے اپنے محلّے میں ہیضہ کی وبا کا حکم دیا گیا ہے۔ اور فلاں فلاں آدمی ہیضہ کا شکار ہوں گے۔ دیکھا تو واقعی نامزد آدمی فوت ہو گئے۔ دوسری بار پھر فقیر صاحب حاضر ہوئے۔ رجسٹر پیش کیا۔ تو دیکھا اسی محلہ میں ان کے گھر میں ان کی لڑکی بھی شامل ہے۔ بہت سراسیمہ ہو گئے۔ دستخط کرنے سے ہچکچائے۔ فقیر نے کہا دوسروں کی موت پر تو دستخط کر دیئے۔ اپنی باری آئی تو عدل چھوڑ دیا۔ لہٰذا دستخط کر دیں۔ غلام نبی نے دستخط کر دیئے۔ رات مراقبہ میں حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بہت گڑگڑائے۔ مگر حضور تبسم فرماتے رہے۔ آخر غلام نبی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیا۔ کہ یہ لڑکی کی بریت کے لیے استدعا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج نہیں تو کل۔ پھر موت سے تو دوچار ہونا ہی ہے۔ اس حالت میں لڑکی کے لیے۔ فوت ہونا۔ بہتر ہے۔ کہ حساب سے فارغ ہو گی۔ البتہ اس کے بدل میں تمہیں ایک لڑکی دی جائے گی۔ تمہاری اور اہلیہ کی محبت اس لڑکی میں عود کی جائے گی۔ غلام نبی خاموش ہو گئے۔ گھر میں لڑکی بیمار ہو گئی۔ سب گھر کو فکر ہوا۔ بیوی نے رونا شروع کر دیا۔ غلام نبی جانتے تھے کہ اب علاج کرنا بیکار ہے۔ بیوی نے شکایت کی کہ آپ اس کے علاج کے لیے کوشش نہیں کرتے۔ نہ ڈاکٹر کو دکھایا نہ دوا دے رہے ہیں۔ اس طرح لڑکی مر جائے گی۔ خود کچھ کہہ بھی نہ سکتے تھے۔ مجبوراً ڈاکٹر کو دکھایا۔ دوا بھی لا دی ۔۔۔ مگر فیصلہ تھا۔ لڑکی فوت ہو گئی۔ تمام رشتہ دار تعزیت کو آئے۔ ان کے رشتہ دار نشاط باغ سے آئے۔

انہوں نے تسلی دی اور کہا۔ غم نہ کریں۔ یہ ہماری لڑکی اس لڑکی کے بدل میں تم رکھ لو۔۔۔۔
ہم تمہیں دے دیتے ہیں۔ انہوں نے لڑکی رکھ لی۔ غلام نبی سمجھے کہ یہ لڑکی کا بدل دیا گیا ہے۔
ان کی بیوی نے اسے قبول کر لیا۔ ماتم ختم ہوا۔ چند دن گزرے تو ان کی بیوی کا غم بھی غلط
ہوا۔۔۔۔ اور اس لڑکی سے اُنس ہو گیا۔ جیسے اپنی ہی لڑکی ہے۔ بہر حال فساد ختم ہوا۔ ہیضہ
بھی ختم ہوا۔ غلام نبی نے اجلاس میں درخواست دی کہ میں ایسے واقعات کا متحمل نہیں۔ لہٰذا
یہ رجسٹر مجھ سے واپس لیا جائے۔ میں اب فقیر کے ساتھ ڈیوٹی دینے کے قابل نہیں۔ حضور
قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم فرمایا۔ اور رجسٹر فقیر کو دے دیا۔ اس طرح غلام نبی اس
کشمکش سے نجات پا گئے۔ غلام نبی سلسلہ کے مریدوں میں بہتر صاحبِ مشاہدہ صاحبِ
مراتب فقیر تھا۔ انہیں ارادی اور غیر ارادی دونوں حالتوں میں مشاہدہ ہوتا تھا۔ اجلاس
میں ان کے سوال کو مقبولیت کا درجہ عطا تھا۔ لیکن اب افسوس!۔۔۔۔

محکمہ جنگلات کے ٹھیکیدار عبد الاحد کا واقعہ

ایک واقعہ غلام نبی کے مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا یہاں ذکر کرنا ضروری
ہے۔ جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب۔ گاندربل میں رینجر کی حیثیت سے متعین تھے۔ آپ
سکونت گاندربل رینج آفس میں ہی رکھتے تھے۔ محکمہ جنگلات کے اکثر لوگ (ہندو مسلمان) آپ
سے عقیدت رکھتے اور آفیسر بھی آپ کی عزت کرتے۔ ایک دن محکمہ جنگلات کا ٹھیکیدار عبد الاحد
آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی کہ چیف کنزرویٹر نے اسے BLACKLIST کر دیا ہے۔
حکومت نے کسی جرم کی پاداش میں اسے ٹھیکیداروں کی فہرست سے خارج کر کے آئندہ
جنگلات کے ٹھیکے دینے بند کر دیئے ہیں۔ اور حکومت نے ایک کثیر رقم بھی ضبط کر لی۔ عبد الاحد
ٹھیکیدار نے عدالتی چارہ جوئی کی۔ مگر فیصلہ اس کے خلاف ہوا۔۔۔۔ عبد الاحد ٹھیکیدار نے قبلہ
سخی صاحب سے دُعا کے لیے التجا کی۔ ان دنوں قبلہ سخی صاحب محلہ ناوپورہ میں سکونت
رکھتے تھے۔ قریب ہی غلام نبی رفوگر کی دکان ناوپورہ پل کے قریب تھی۔ قبلہ سخی صاحب نے
غلام نبی کو عبد الاحد ٹھیکیدار کا معاملہ اجلاس میں پیش کرنے کے لیے کہا۔ لیکن اجلاس سے بھی

عبدالاحد ٹھیکیدار کے خلاف فیصلہ ہوا۔ قبلہ سخی صاحب نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے ٹھیکیدار کو اجلاس کے حکم سے آگاہ کیا۔ کہ وہاں بھی تمہارے خلاف فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ ہمیں افسوس ہے۔ تاہم قبلہ سخی صاحب نے ٹھیکیدار کو تسلی دی۔ کہ انتظار کرو۔ ہم کوئی اور سبیل سوچیں گے کہ تمہارے حق میں اجلاس میں فیصلہ حاصل کیا جائے۔ قبلہ سخی صاحب ایسے معاملات میں اجلاس میں اپنی تدبیر بھی استعمال کرتے اور کسی نہ کسی طرح اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اجلاس سے بہرحال منظوری حاصل کرتے۔ یہ ان کی محبوبیت کی خصوصیت تھی کہ قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اکثر موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سفارش فرما کر ان کا مطالبہ پورا کر دیتے۔ ایسے ہی ہوا۔ کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر آپ نے ٹھیکیدار کو بلا کر کہا۔ درگاہ حضرت بل[1] میں جانے کا بندوبست کرو۔ ہم حضرت بل میں یہ مسئلہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کریں گے۔ چنانچہ ٹھیکیدار نے فوری طور ایک ڈونگہ (کشتی) کا انتظام کیا۔ اور اس میں دعوت کا تمام انتظام کر کے ڈونگہ ناؤ پورہ پل پر پہنچا دیا۔ قبلہ سخی صاحب کشتی میں سوار ہوئے۔ ساتھ غلام نبی کو بھی بٹھا لیا۔ اس وقت محمد عبدالحفیظ قریشی (ڈاکٹر) بھی قبلہ سخی صاحب کے گھر آئے تھے۔ انہیں بھی قبلہ سخی صاحب ساتھ لے گئے۔ کشتی ناؤ پورہ سے جھیل ڈل میں داخل ہو گئی۔ اثنائے راہ غلام نبی نے حفیظ صاحب سے ذکر کیا۔ کہ آج قبلہ سخی صاحب خاص مقصد کے لیے درگاہ شریف جا رہے ہیں۔ عبدالاحد ٹھیکیدار کو BLACKLIST کیا گیا ہے۔ اجلاس میں بھی اس کے خلاف فیصلہ ہوا ہے۔ قبلہ سخی صاحب درگاہ شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلاس میں دوبارہ معاملہ پیش کریں گے۔ حفیظ صاحب ابھی سکول میں تعلیم حاصل کر رہے

---

[1] حضرت بل کشمیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کو ایک عظیم الشان زیارت میں رکھا ہوا ہے۔ اسی نسبت سے اس زیارت کو "حضرت بل" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس زیارت کی تعمیر مغلیہ سلطنت کے شہنشاہ جہانگیر کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اس زیارت کی تعمیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہنشاہ جہانگیر کو خواب میں جگہ کی نشاندہی کی۔ کشمیر کے اکثر فقراء۔ اس زیارت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار مشاہدہ کرتے ہیں۔

تھے۔ مگر انہیں اپنے پیر سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا۔ قبلہ سخی صاحب بھی ان سے حد درجہ پیار کرتے تھے۔ اس وقت حفیظ صاحب بھی جلال میں آگئے۔ غلام نبی سے کہا۔ چلو ابھی مراقبہ شروع کرتے ہیں۔ غلام نبی نے علیحدگی میں مراقبہ شروع کیا۔ مشاہدہ ہوتے ہی اس نے کیفیت بیان کرنا شروع کی۔ کہ اس وقت میں نور الدین کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ ہنس رہا ہے ــــ ہنسی کا سبب پوچھا تو نور الدین نے بتایا۔ میں تمہیں آسان راستہ دکھاتا ہوں۔ حضرت غوث الاعظم رضؓ کے دربار چلو۔ وہاں سے دستگیر صاحب کی سفارش لیں گے۔ چنانچہ غلام نبی۔ حفیظ صاحب دربار حضرت غوث الاعظم دستگیر جناب پیرانِ پیر محی الدین رضی اللہ عنہ میں حضرت غوثِ اعظمؓ کی خدمت میں پیش ہوئے! ــــ سبحان اللہ ــــ سلسلہ اویسیہ کی محبوبیت ایک عظیم خصوصیت ہے۔ حضور قبلہ عالم حضرت محمدؐ امین رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں کے ساتھ بھی۔ آپ کی محبوبیت کے واسطہ سے شفقت کی جاتی ہے۔ حضور غوث پاک رضؓ سے اِس طرح سوال کرتے ہیں جیسے ایک لاڈلا بیٹا اپنے شفیق باپ سے اپنی بات منوانے کے لیے ضد کرتا ہے۔ عرض کی کہ حضور ہماری سفارش اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرمائیں۔ اور ہمارے ساتھ اجلاس میں تشریف لے چلیں۔ چنانچہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ قبلہ سخی صاحب۔ حفیظ۔ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوتے ہیں۔ حضرت غوث پاک رضؓ عبد الاحد ٹھیکیدار کی درخواست۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو دے کر فرماتے ہیں کہ درخواست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غوثِ پاک کو دیکھ کر پدرانہ شفقت و عقیدت سے پیش آتے ہیں۔ اور درخواست منظور فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم درخواست پر مہر ثبت فرماتے ہیں۔ مہر پہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کندہ ہے۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ درخواست لے کر غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے پیش کرتے ہیں۔ آپ بھی دستخط فرما کر حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو دے دیتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سخی صاحب کے حوالے کر دیتے ہیں۔ قصہ ختم درخواست منظور ہو گئی ــــ قبلہ سخی صاحب مسرور ہوئے۔ حفیظ صاحب کو شاباش دی۔ عبد الاحد ٹھیکیدار کو خوشخبری سنائی۔ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی وہ قبلہ سخی صاحب کے قدموں میں جھک گیا۔ ڈوہنگہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خوب دعوت اڑائی ــــ

رات درگاہ حضرت بل میں قیام کیا۔ دربار میں حاضری دی۔ اب فیصلہ ہو چکا تھا صبح واپس شہر تشریف لائے۔ قبلہ سخی صاحب نے ٹھیکیدار کو ہدایت کی کہ اب دوبارہ چیف کنزرویٹر کو درخواست دو چیف کے پاس درخواست پیش ہوئی۔ اس نے درخواست بغیر مطالعہ منظور کر کے عبدالاحد ٹھیکیدار کو بحال کر دیا۔ اور اس کی رقم ادا کی۔

مقامِ محبُوبیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومن کی دُعا سے قضائے مطلق بھی بدل جاتی ہے۔ یہی وہ دُعا ہے۔ کہ ولی کی محبُوبیت کے وسیلہ سے رد کی ہوئی درخواست کو دوبارہ قبولیت کا درجہ ملتا ہے۔ اِس واقعہ کے شاہد ابھی بقید حیات ہیں۔ یہ واقعہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی علوِ مرتبت کی بیّن دلیل ہے کہ آپ کے اَدنیٰ مریدوں میں یہ خصوصیت بہ واسطۂ محبُوبیت حضرت محمد امین صاحب —— نسبتِ حضرت محبُوب سُبحانی۔ الشیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ —— اور نسبتِ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ —— پائی جاتی ہے۔ کہ دربارِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے سوال کو رد نہیں کیا جاتا —— حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی محبُوبیت آپ کے مرتبہ اعلےٰ کی مظہر تھی۔

وَ اَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ   وَ قَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِ

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے تمام اسرار قدیم کا مشاہدہ و علم دیا —— اِس مرتبہ اُولیٰ کے اعتبار سے ہر ولی پر میری تقلید لازم کی گئی۔ اِس مقامِ ارفع کی خصوصیت میں ہمیں محبوبیت کا مقام عطا ہُوا۔ کہ جو کچھ مانگو قبول کیا جائے گا۔

یہی خصوصیت حضور قبلہ عالم حضرت محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی —— اُویسی محبوبیت —— قادری محبوبیت کے دونوں واسطوں سے وراثت میں عطا ہُوئی ہے۔ جس محبُوبیت کے شرف سے آپ کے مریدوں کی بھی دربارِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پذیرائی فرمائی جاتی ہے۔

قرآن نے واضح طور پر اِس محبوبیت کا اظہار کیا ہے۔ جس میں کسی لفظی تاویل کی گنجائش نہیں۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ

لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم یہ چاہو کہ اللہ کے نزدیک تم محبوب بن جاؤ — تو ہماری اتباع کرو — اِس حال میں کہ ہم اس اتباع کے نتیجہ میں ہر شے سے زیادہ عزیز ہو جائیں۔ — تو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنائے گا — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا — جب تک کہ ہمیں اپنی اولاد — اپنے ماں باپ — اور ہر شے سے زیادہ محبوب نہ رکھے — ظاہر ہوا کہ ایمان کی سند "حُبّ" — حُبِّ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہے — حُب ایسی جیسے ماں باپ — اولاد — اور دُنیا کی ہر عزیز شے کے لیے کی جاتی ہے — یہ حُب عمل نہیں — بلکہ ایک قلبی جذبہ — قلبی وجدان ہے۔ جو درد کی صورت رکھتا ہے۔ یہ جذبہ کامل ہو تو انسان اپنی ہر محبوب سے محبوب شے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے پر تیار ہوتا ہے۔ اور جب تک اس قربانی کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو حُب کا عملی مظاہرہ بھی کامل نہیں ہو سکتا۔

مدینہ کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے عرض کی — یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ مدینہ کی سکونت قبول فرمائیں۔ اِس وفد میں ایک مدبّر شخص نے مدینہ والوں سے کہا — اے مدینہ والو! سوچ سمجھ کے فیصلہ کرو — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو اپنے شہر میں دعوت دینا آسان کام نہیں! — جان لو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینا۔ موت کو دعوت دینا ہے! — تم اس دعوت سے دُنیا کی جابر قوتوں کے ظلم و جبر کا نشانہ بنو گے — تم مکّہ کے قریش کے ظلم و ستم کو دعوت دیتے ہو — تم دُنیا کے مصائب و آلام کو دعوت دیتے ہو۔ تم عرب کے تمام قبیلوں سے دُشمنی مُول لے رہے ہو — سوچ لو! اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی میں اتنی قربانی دینے پر تیار ہو۔ تو ثابت قدم رہنا ہوگا۔ ورنہ خاموشی سے اپنے وطن واپس چلے جاؤ — اِس کے جواب میں مدینہ کے لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا — ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کی پناہ دینے کے لیے

اپنی جان۔ اپنا مال۔ اپنی اولاد قربان کرنے پر تیار رہیں۔ اللہ نے چاہا تو ہم آخر دم تک اس عہد پر ثابت قدم رہیں گے۔ سبحان اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدسی شخصیت کس طرح دلوں کو مسخر کرلیتی ہے۔ کہ بغیر کسی خوش آیند مستقبل کے تصور کے محض عزت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ میں ابھی سے جانیں دینے پر تیار ہو گئے۔ انہیں نہ حکومت کا تصور ہے۔ نہ ترقی منصب کا تصور ہے۔ نہ عیش و امارات کا تصور ہے۔ اگر ہے۔ تو جانیں قربان کرنے کا تصور۔ ہاں! اللہ تعالیٰ اس عہد پر ہی ـــــ ایسے لوگوں کو اپنی رضا و خوشنودی کی بشارت دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ط وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ٥ (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۱۱)

تحقیق اللہ نے خرید لی مومنوں سے ان کی جانیں۔ ان کے مال بدلے جنت کے اس لیے کہ ـــــ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی ہیں ـــــ بغیر کسی لالچ یا ذاتی منفعت کے حصول کے تصور کے ـــــ محض محبت رسول اللہ ـــــ عزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ـــــ دشمنوں سے لڑیں گے ـــــ ہاں! ـــــ یہ عمل فی سبیل اللہ ہی ہے۔ وہ اس راہ میں اپنی جانیں۔ مال قربان کریں گے۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک موئے مبارک کو آنچ نہ آنے دیں گے ـــــ لوگو! ـــــ اسلام کی جنگ تو اسی نکتہ پر آتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت اسلامی ختم ہوئی۔ تو اسلام کا نام مٹ جائے گا۔! آپ کے دوست آپ کے دشمنوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر اٹھائے گا ـــــ اس کی آنکھ نکال دیں گے۔ تو یہ آپ کے جاں نثاروں کو اسی جاں نثاری پر بشارت دی جاتی ہے ـــــ کہ ان کی جاں نثاری کے عوض فوز عظیم ہے۔

ذرا دل کی گہرائی سے سوچو۔ ان کا کونسا سوال رد ہو سکتا ہے؟۔

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اس خدائے برتر و عظیم کی عظمت کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے "حُبّ" رکھنے والا — اپنی جان و مال۔ اولاد۔ اور دُنیا کی ہر نعمت کو قربان کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ بس اللہ کی یہی مرضی۔ یہی خواہش ہے۔ کیونکہ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا — تو مجھے اِس کائنات کے بنانے کی خواہش نہ تھی — یہ سب کچھ نہ بناتا — صاحبِ دل۔ جن کے سینے نورِ معرفت سے منوّر ہیں — وہ اس کائنات کو محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی صُورت میں ہی دیکھتے ہیں۔ وہ بھی تو اسی صورت کی پہچان کرتے ہیں۔ اِسی کے عشق میں راتوں کی نیندیں حرام کرتے ہیں — فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ط عشق میں جان بیچ ڈالنا ہی اصل سودا ہے!۔ یہ سودا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا — عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا۔ عثمان ذوالنورین ابنِ عفان رضی اللہ عنہ نے کیا۔ علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے کیا — حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے کیا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ نے کیا۔ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے کیا — حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کیا۔ حضرت محی الدین جیلانی شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ امّت کے اولیاء اکرام نے کیا — ہاں! — میرا کلام سُنکر — تو کھل کھلا کر ہنستا ہے مضحکہ اُڑاتا ہے۔ یہ افسانہ لکھ رہا ہے۔ مگر حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں:

تو بکوری ماندہ اے بے یقین	زیں سبب حاصل نہ شد حق الیقین
نورِ مرداں مشرق و مغرب گرفت	تو نہ بینی باشی تو بے جان خشت
منکرِ را ایں چنیں باشد سزا	کہ نہ بیند نورِ مرداں از خدا

کیا تُو اس قولِ قدسی پر بھی یقین نہیں رکھتا۔ کہ مَیں مومن کی زبان بنتا ہوں۔ جس سے وہ کلام کرتا ہے۔ مَیں مومنؐ کی آنکھ بنتا ہوں۔ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ مَیں مومن کے کان

ط۔ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یَبْصُرُ بِهٖ۔

بنتا ہوں۔ جس سے وہ سُنتا ہے۔ یہ مردِ مومن کا متصف بہ صفات اللہ ہونا نہیں تو کیا ہے
—— یہی تو دستگیر عالم شیخ محی الدین جیلانی فرماتے ہیں ——

وَ اَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ وَ قَلَّدَنِیْ وَ اَعْطَانِیْ سُؤَالِ

اللہ تعالیٰ مومن کے ہر سوال کو قبولیت کا درجہ دیتا ہے۔ جو مومن مانگے! قبول ہوگا
—— نہیں —— اسے بہ صفات اللہ کر کے اختیار دیتا ہے۔ جو تو چاہے تجھے قوت بہ صفات
اللہ —— مَیں خود دیتا ہوں۔ تو کرنے پر قدرت رکھ سکتا ہے۔ یہی شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے علمائے اُمّت نائب رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی ہے —— یہ شان بوسیلہ محمد رسُول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلّم —— بواسطہ حضرت غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ۔ حضرت خواجہ اویس قرنی
رضی اللہ عنہ کی محبوبیت کے واسطہ سے قادری —— اویسی سلسلہ کے اولیاء کو وراثت میں
ملتی ہے۔ یہی خصوصیت محبُوبیت حضور پُر انور حضرت محمد امین صاحب قطب الاقطاب
وارثِ سلسلہ اویسیہ کی ذاتِ گرامی کو ورثہ میں عنایت ہوئی۔ یہ کہ آپ کے اُدنیٰ مریدوں
کے بھی سوال رد نہیں کیے جاتے۔

قلم اُٹھا کر۔ کاغذ پر لکھنا آسان کام ہے —— ایسے ہی محققین۔ مفکرین۔ مجتہدین۔
مفسّرین بھی قلم اُٹھا کر حقائق بیان کرتے ہیں —— انسانی زندگی کے ضابطے مرتّب کرتے ہیں
—— تفسیریں لکھتے ہیں۔ ترجمے لکھتے ہیں —— یہ تمام حقائق انسان کی راہنمائی —— اور حق کی طرف
صحیح سمت کی نشاندہی کے لیے مرتّب کیے جاتے ہیں —— لہٰذا ہر مصنف اپنی تحریر میں صحیح
تصوّر دینے یا غلط تصوّر دینے کے لیے۔ بہر حال اللہ کے نزدیک ذمّہ دار ہوگا۔ قلم اٹھا کر افسانہ
لکھنا آسان کام نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص ہم پر جھُوٹ بولے۔ وہ ہم
سے نہیں —— اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لہٰذا حقائق کو افسانوی رنگ میں پیش کرنا —— کوئی
سمجھے اس کی ذات کے خسران کا سبب ہوگا —— حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کے
متعلق جو کچھ بیان ہوتا ہے۔ اِسی اصول اور نظریہ کے تابع تحریر میں لایا جاتا ہے۔ اِن
واقعات میں مبالغہ آمیزی کو دخل نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہیں۔ یہ چند واقعات جو عام
عقول کی فہم کے مطابق تحریر میں لائے جاتے ہیں۔ ورنہ ایسے بھی واقعات مشاہدے میں

آئے ہیں۔حضور کے مریدوں کو اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ کی صفات کے مطابق ــــ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ کی صفات سے متصف ہیں۔کہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی محبوبیت کے وسیلہ سے موت میں داخل ہوئے بیماروں کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندگی عطا کی ــــ یہ صرف ایک اشارہ ہے۔ تفصیلی واقعات بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں حالانکہ ایسے واقعات بھی ناسوتی کرامات سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر قارئین عام حیثیت میں ایسے واقعات سننے کے متحمل نہیں۔

راجہ علی اکبر خان اور اس کے خاندان کی عجیب کہانی

(نورُالدّین کی زبانی)

غالباً یہ ۱۹۴۳ء کا زمانہ تھا۔حضور قبلہ عالم سری نگر تشریف لائے ہیں۔سردیوں کا آغاز ہو رہا تھا ــــ اِن دنوں میرا کاروبار مندا تھا۔میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا ــــ میرے ہاتھ میں ایک گاہک کے شمعدان تھے۔پوچھا یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے ؟۔میں نے عرض کیا کسی گاہک نے پالش کرنے کے لیے دیئے تھے۔گاہک اُجرت نہیں دے رہا۔ آجکل کام بھی تھوڑا ہے۔ فرمانے لگے نورالدین! ابھی تم ان جھگڑوں میں اُلجھے ہوئے ہو ــــ دیکھو! ــــ اِن فکروں سے ذہن کو خالی کر دو ــــ چھوڑو اِن کھلونوں کو ــــ چلے جاؤ مظفر آباد اپنے دوست کے پاس ــــ سردیاں وہیں گزارو۔ اور کثرت سے درود جاری رکھو۔ بظاہر ایسے موقع پر۔مظفر آباد دوست کے گھر جانے کا ذکر چھیڑنا بے محل بات تھی۔یا ایسا خیال آنا بھی بے محل تھا۔لیکن حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے موقع پر مجھے مظفر آباد جانے کا مشورہ دیا ــــ اِس سے پیشتر بھی میں کبھی سردیوں میں اپنے دوست راجہ محمّد لطیف خان صاحب کے گھر جاتا رہا ــــ راجہ محمّد لطیف خان صاحب میرے قریبی دوست تھے۔آپ راجہ علی اکبر خان صاحب جاگیردار علاقہ چِکار (مظفر آباد) کے فرزند تھے۔آپ وسیع زمینوں کے مالک تھے۔آپ امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔گھر

میں راگ و رنگ ۔ عیش پرستی میں شراب کا بھی دَور رہتا تھا۔ راجہ صاحب بھی شراب اور گانے کے بے حد شائق تھے۔ یہاں نماز روزے کی پابندی نہ تھی۔ البتہ خود راجہ علی اکبر خان صاحب نماز بھی ادا کرتے تھے۔ مگر موقع میسّر ہُوا —— تو شراب نوشی بھی کرتے —— ویسے ظاہراً اہلِ حدیث مسلک کے حامی تھے۔ لیکن طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ آپ کا سارا خاندان قدیمی حضرت فقیر اللہ کوٹی کے مریدوں میں تھا۔ ان کے بے حد معتقد بھی تھے۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اس تعلق کا علم نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ ایک زمانہ میں جب حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ۔ قبلہ سخی صاحب۔ حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے سلسلہ میں خانپور ٹیکسلا قافلہ کو دیکھنے تشریف لے گئے۔ مَیں بھی ان کے ساتھ تھا۔ واپسی پر جب ہم شاہراہ کشمیر پر مظفر آباد سے تقریباً بیس میل آگے نکل آئے۔ یہاں سے راجہ محمد لطیف خان صاحب کا گاؤں موضع اسلام آباد سامنے نظر آتا تھا۔ یہاں پہنچ کر مَیں نے قبلہ سخی صاحب کو گاؤں کی طرف اشارہ کرکے بتایا۔ یہاں میرے دوست راجہ محمّد لطیف خان رہتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی میری بات سُنی آپ نے بھی اُوپر گاؤں کی طرف نگاہ اٹھائی۔ سخی صاحب بھی دیکھنے لگے۔ پھر دونوں حضرات نے ایک دوسرے کو دیکھ کر تبسّم فرمایا۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اچھا۔ یہاں تمہارا دوست رہتا ہے؟ —— مَیں نے اثبات میں جواب دیا۔ گاڑی آگے نکل گئی —— بس —— بات آئی گئی ہوگئی۔ حضور نے مزید استفسار نہ فرمایا —— بس اتنا حضور کو معلوم تھا۔ لیکن اس موقع پر حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے زور دے کر فرمایا —— جاؤ اپنے دوست کے پاس مظفر آباد چلے جاؤ۔ اور کثرت سے دُرود شریف پڑھتے رہو۔ حضور کا فرمان سُنکر مَیں خاموش رہا —— دراصل مَیں عرصہ تین سال سے راجہ صاحب کے گھر نہیں گیا۔ مَیں نے ان سے قطع تعلق کیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ مَیں اس زمانہ میں حضور سے بیعت ہوچکا تھا —— بیعت سے قبل مَیں راجہ صاحب کے گھر جاتا رہا۔ ان کے ماحول میں مَیں بھی شامل تھا۔ مگر اللہ کا فضل تھا کہ باوجود شریکِ محفل رہنے کے مَیں شراب نوشی سے محفوظ رہا۔ وہاں تمام رات گانا بجانا ہوتا —— شراب پی جاتی —— لیکن مَیں شراب کے قریب نہ جاتا —— اکثر ایسا ہو جاتا کہ کھانا کھانے کے بعد تاش کھیلنا شروع کردیتے۔ اور اس قدر مشغول

ہو جاتے کہ صبح ہو جاتی۔ ہمیں اس وقت معلوم ہوتا جب نماز کے وقت راجہ علی اکبر خان صاحب نماز کے لیے باہر نکلتے کہ صبح ہو گئی۔ دن کا بھی یہی حال تھا۔ کہ مَیں اکثر شرارتیں کرتا۔ یہی ہمارا دن رات کا مشغلہ رہتا۔ اللہ نے کرم فرمایا۔ مَیں حضور سے بیعت ہُوا ــــ بیعت کے بعد ایک بار مَیں راجہ صاحب کے گھر گیا۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب کی یہ حالت تھی کہ سوائے راگ و رنگ اور شراب کے اور کوئی کام نہ تھا۔ تعلیم یافتہ تھے۔ دسویں جماعت تک ہم اکٹھے سکول جاتے رہے۔ سکول کے زمانہ میں میری ان سے گہری دوستی ہُوئی ــــ اب یہ حالت تھی کہ دین سے سخت متنفر تھے۔ اللہ و رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کا احترام دل سے مِٹ چکا تھا۔ دہریہ قسم کا عقیدہ ہو چکا تھا۔ اور شہر کے بے دین اور دہریہ قسم کے عیّاش لوگوں کی صحبت میں رہتے تھے دورانِ گفتگو حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہُوا۔ راجہ صاحب حضرت غوث الاعظمؓ کی ذات کو بھی گالیاں دیتے تھے۔ آپ نے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں سخت الفاظ کہے۔ دوسرے دن میں ان سے ناراض ہو کر واپس گھر آ گیا۔ اور عہد کیا کہ اب کبھی ان کے گھر نہ جاؤں گا۔ مَیں مذبذب میں تھا کہ ایسی حالت میں۔ مَیں حضور کے حکم کی کیسے تعمیل کروں۔ مجبور تھا۔ بہ امر مجبوری فیصلہ کیا کہ ہر حال میں حضور کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم گھر تشریف لے گئے۔ مَیں نے دوسرے دن مظفر آباد جانے کا پروگرام بنایا ــــ یہ زمانہ تھا کہ مَیں تنگدستی کی حالت میں تھا۔ کچھ روپے کرایہ کے جمع کیے۔ عجیب اتفاق ہُوا۔ صبح مَیں نے مظفر آباد جانے کا فیصلہ کیا۔ اچانک رات اتنی برفباری ہُوئی کہ راولپنڈی کشمیر کا راستہ بند ہو گیا۔ مَیں جا نہ سکا ــــ کچھ دن بعد پیسے بھی خرچ ہو گئے۔ دل میں فکر تھا۔ کہ مَیں مظفر آباد جانے سے رہ نہ جاؤں۔ پھر کچھ روپے جمع کیے۔ اور پھر جانے کی تیاری کی اور پھر ایسا ہُوا کہ رات شدید برفباری ہُوئی۔ اور پھر راستہ بند ہو گیا۔ تین بار ایسا ہی ہُوا۔ اور مَیں مظفر آباد نہ جا سکا۔ ــــ وقت گزر گیا۔ بہار آ گئی۔ اور مَیں مہاراجہ ہری سنگھ کے محل میں کام پر لگ گیا۔ یہاں تک کہ پھر سردیوں کا آغاز ہُوا۔ پیلس میں کام ختم ہو گیا۔ اور پھر ایک دن حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ شہر تشریف لائے۔ اِن دنوں میرا کام بھی مندا تھا۔ حضورؒ محمد حنیف صاحب کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ کافی لوگ مجلس میں حاضر تھے۔ قبلہ سخی صاحب بھی حضورؒ کی خدمت میں

حاضر تھے ـــ حضورؒ نے مجھ سے پوچھا۔ نورالدین کیا حال ہے تمہارا؟ ـــ میں نے عرض کی آجکل تنگ دستی ہے۔ فرمانے لگے تمہیں تنگ دستی رہے گی۔ تم دُنیا نہیں چھوڑتے۔ تمہیں سزا ملی ہے ـــ میں سخت پریشان ہُوا۔ کہ مجھ سے کیا قصور ہُوا۔ حالانکہ ایک سال کے قریب وقت گزر گیا۔ حضور کئی بار شہر تشریف لائے۔ اِس دوران آپ نے کبھی مجھ سے مظفر آباد جانے کے متعلق نہ پُوچھا۔ یہ حضور کی عادت شریفہ میں تھا۔ کہ وہ کسی مرید کی کوتاہی پہ اُسے تنبیہہ نہ فرماتے۔ آج اچانک مجھ پہ اظہارِ ناراضگی فرمایا ـــ فرمانے لگے ہم نے تمہیں مظفر آباد جانے کا حکم دیا تھا۔ تم نے حکم عدولی کی۔ اس وقت مجھے اپنی کوتاہی کا احساس ہُوا۔ میں نے گزشتہ سال کا واقعہ بیان کیا۔ کہ میں کئی بار جانے کے لیے تیار ہُوا۔ مگر برفباری سے راستہ بند ہوتا رہا۔ فرمانے لگے۔ "حکم" "حکم ہے۔" حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ تعمیل میں آسائش نہیں۔ بلکہ آزمائش ہوتی ہے ـــ "تمہیں برف پر پیدل چل کر جانا چاہیئے تھا۔" یہ حضور کے واضح الفاظ تھے جو میں کبھی نہ بھُول سکا۔ یقین جانیں ـــ جیسے مجھے حکمت کی ضخیم کتابوں کا مطالعہ ہُوا۔ آپ کی آواز میں برقی رَو تھی۔ جو میری رگ رگ میں دوڑ گئی۔ سمجھ میں آیا کہ پیر سے نسبت میں ایک قلبی جذبہ اصل شے ہے۔ جو تکمیلِ احکام میں محرک ہوتا ہے۔ فرمایا "ابھی تعمیل حکم میں۔ جذبہ کی کمی ہے۔" حقیقتاً یہ جذبہ نہ ہو ـــ تو ہر حکم۔ خواہ قرآن سے ہو ـــ خواہ حدیث سے ہو ـــ خواہ پیرِ اکمل سے ہو ـــ انسان غفلت و کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی مقام ہے۔ جہاں طالبِ حق کے قلب کا معائنہ ہوتا ہے ـــ کہ آیا یہ شخص حقیقی جذبہ رکھتا ہے۔ یا شوقیہ خواہش کرتا ہے۔ جو چند دن کی نفسانی لذّت لے کر۔ حق سے دُور بھاگتا ہے۔ یہ جذبہ کیا ہے؟۔ "حُب" ـــ

بہرحال میں نے مُعافی طلب کی۔ اور ہر حال میں مظفر آباد جانے کا ارادہ مستحکم کر لیا ـــ لیکن ذہن میں یہ بات تھی کہ حضور میری تنگ دستی کے مدِّ نظر مجھے وقت گزارنے کے لیے مظفر آباد جانے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ حضور قبلہ عالمؒ واپس گھر تشریف لے گئے۔ دوسرے دن میں مظفر آباد جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ راستہ صاف تھا۔ کوئی دقت پیش نہ آئی۔ صبح گھر سے نکلا۔ دوپہر کے قریب میں راجہ محمد لطیف خان صاحب کے گھر پہنچا ـــ سیدھا کمرے

میں داخل ہوُا۔ آپ بستر پر سوئے ہوئے تھے۔ مَیں بستر کے قریب کھڑا ہو گیا۔ یہ تاثر تھا کہ راجہ صاحب گہری نیند سے اُچھل کر بیٹھ گئے۔ مجھ کو سامنے دیکھ کر بغلگیر ہو گئے۔ انہیں میری موجودگی سے انتہائی خوشی ہوئی۔ خوشی کے عالم میں دوڑ کر اندرونِ خانہ چلے گئے۔ "نورالدین آگیا"۔ گھر کے سب لوگ باہر آئے اور سب خوش ہو ہو کر ملے۔ آج تین سال کے بعد ان کے گھر آیا تھا۔ راجہ صاحب نے شکایت کی کہ تم ناراض ہو کر چلے گئے۔ اور مجھ سے تعلق قطع کر دیا۔ رات کھانا کھانے کے بعد آپس کی گفتگو ہوئی۔ طویل عرصہ کی وارداتوں کا تذکرہ ہوُا۔ کہنے لگے مَیں نے سنا تھا۔ کہ تم فقیر ہو گئے ہو۔ شاید دُنیا سے لاتعلق ہو گئے ہو۔ اس لیے مجھ سے بھی لاتعلق ہو گئے۔ مجھے تمہاری جُدائی کا سخت صدمہ رہا۔ مَیں عیش میں رہا۔ مگر تمہاری کمی ہمیشہ محسوس کرتا رہا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ تمہیں میری سخت کلامی سے دُکھ ہوُا ۔۔۔ لیکن اس میں میرا کچھ قصور نہ تھا۔ وقت اور زمانہ کے حالات کا تقاضا تھا کہ مجھ سے ایسی حرکت سرزد ہو گئی۔ میرا دل تمہاری محبت سے خالی نہ تھا۔ زمانہ کے حالات نے مجھے اور بھی دین اور دُنیا سے متنفر کر دیا۔ اب زمانہ ہے کہ مجھ پر حد درجہ مایوسی طاری ہے۔ مَیں بے بس ہو چکا ہوں۔ آج میرا دل کہتا ہے کہ میرا ساتھی شاید میرے لیے اُمید کا سہارا لے کر آیا ہے۔ اب مَیں محتاط رہوں گا۔ آئندہ میری کسی بات سے تمہیں دُکھ نہ پہنچے گا۔ آج مجھے میرا دوست مل گیا۔ اب اپنے حالات سناؤ۔ کہ تم پر کیا گزری ۔۔۔ مَیں نے بھی اپنے حالات کھُل کر سنائے۔ گھر سے روانہ ہونے پر میرا خیال تھا۔ کہ راجہ صاحب بے حد شراب نوشی کرتے ہیں۔ رات دن شراب میں مست رہتے ہیں۔ گھر میں ہر وقت طبلہ سارنگی اور گانے کا چرچا رہتا ہے۔ مَیں جاؤں گا تو خفیہ طور پر۔ نماز درود جاری رکھوں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ راجہ صاحب پھر حضورؐ کے خلاف کوئی غلط بات کہے۔ تو یہ امر میرے لیے بھی پریشانی کا سبب بنے گا۔ انہیں قدرت نے ایک شدید ابتلا میں گرفتار کر رکھا تھا۔ میری موجودگی میں ان کے چچا چچی نے انہیں رشتہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ان کے خاندان میں آپس میں شدید مخالفت رہتی یہاں تک کہ ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ رہتے۔ راجہ محمدؐ لطیف خان مدبّر شخص تھا۔ چچا نے محض خانگی اختلافات دُور ہونے کے خیال سے رشتہ دینا منظور کیا۔ بات طے ہو گئی۔ مگر میرے جانے کے بعد ان کے اختلافات

اور شدید ہو گئے۔ ادھر راجہ صاحب اور ان کی منگیتر کے درمیان محبّت کی حد تک تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ فساد کی وجہ سے یہ رشتہ ٹوٹ گیا۔ چچا چچی نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ اور لڑکی نے بھی اپنی طرف سے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ راجہ صاحب کے لیے پریشانی کا سبب بنا۔ یہاں تک کہ خاندان کا ہر فرد ان کے خلاف ہو گیا۔ انسان کتنا طاقتور ہو۔ اور کتنی ہی غالب قوت کا مالک ہو اگر عقلمندی سے کام نہ لے۔ تو فرعون بن جاتا ہے۔ اور وہ ایک عظیم و غالب قوت والے قادرِ مطلق کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ محض انسان کی بھول اور نادانی ہے۔ کہ وہ اپنی تخلیق۔ اپنی ساخت کو ذہن میں نہیں رکھتا کہ انسان باوجود غلبہ کے تخلیقی اعتبار سے۔ اپنی بقا و دوام میں محتاج رہتا ہے۔ قدرت کے بنائے ہوئے حادثات۔ بیماری صحت۔ موت اور بیرونی حادثات اُس کے حدِ اختیار سے باہر ہیں ــــ اور وہ خود کو ان حادثات سے بچانے کی قوت نہیں رکھتا۔ انسان خود کو بھول جاتا ہے۔ اور بھولنے کی کوشش کرتا ہے۔ عقلمندی کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی بے بسی پر نظر رکھ کر خود کو نہ بھولے۔ کہ وہ ایک معمولی سے دردِ شکم سے تڑپ تڑپ کر سر پٹخنا شروع کر دے گا۔ اِس حال میں کہ وہ اس عذاب سے خود کو نجات دلانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بہتر ہے کہ انسان اپنی صحت و توانائی۔ غلبہ و اقتدار کو حدِّ اعتدال میں رکھ کر۔ انہیں خیر کے لیے استعمال کرے۔ اور ان قوتوں کے خالق کو پہچان کر اس کے آگے عجز پیش کرے۔ راجہ صاحب نے میرے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ اور مجھ سے مدد کے طلب گار ہوئے کہ تم فقیر ہو گئے ہو ـــ میرے لیے دُعا کرو ــــ میرا تو زمین کا ذرّہ ذرّہ مخالف ہو گیا ہے۔ تمہارے آنے سے میری اُمید بندھتی نظر آرہی ہے۔ لطیف صاحب کے الفاظ سُن کر مجھے گونہ اطمینان ہوا۔ کہ مجھے اپنے عمل میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے گی۔ مَیں نے انہیں تسلی دی۔ اور پھر ایسے موقع سے فائدہ اُٹھا کر مَیں نے ہر طرح کی مدد کا وعدہ دیا۔ مَیں نے کہا کہ مَیں تمہاری کامیابی کی ضمانت دیتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ آج سے باغیانہ تصوّرات سے ذہن کو خالی کر کے نماز شروع کریں۔ ایک آرام طلب نازوں میں پلے ہوئے جاگیردار لڑکے سے نماز درُود پڑھنے کا بوجھ برداشت کرنا مشکل تصوّر ہوتا تھا۔ مَیں نے کہا کہ آپ کل سے غُسل کر کے پاک کپڑے پہن کر نماز کے ساتھ ایک

سو ایک بار درود شریف بھی پڑھیں۔ آپ نے میری بات مان لی ـــــ دوسرے دن علی الصبح غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ اور صبح ہی سے نماز شروع کر دی۔ دن میں درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ رات عشاء کی نماز کے بعد مَیں نے انہیں مراقبہ میں بٹھایا۔ قدرت خدا کی مراقبہ کے ساتھ ہی کیفیات آنے لگیں۔ کہنے لگے مجھے ایک پھُولوں کا خوبصورت گلدستہ نظر آرہا ہے اِس کے گرد نور بھی نظر آرہا ہے۔ مَیں نے اندازہ کیا کہ مشاہدہ صحیح ہے۔ دوسرے دن راجہ صاحب نے گیارہ سو سے زیادہ درود شریف پڑھا۔ بعد عشآ پھر مَیں نے انہیں مراقبہ میں بٹھایا تو انہیں روضہ شریف صاف نظر آرہا تھا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگے۔ حضرت صاحب بکوٹ شریف والے۔ اور ان کے ساتھ ایک اور بزرگ ہیں۔ مجھے روضہ شریف میں اندر لے جا رہے ہیں۔ اندر پہنچ کر انھوں نے مجھے تخت نشین ہستی کے روبرو پیش کیا۔ مَیں نے انہیں وضاحت کر دی دوسری ہستی قبلہ پیر صاحب ہیں۔ اور تخت نشین حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ راجہ صاحب نے دل سے تصدیق کی کہ واقعی مَیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دیدار کر رہا ہوں۔ آدمی سمجھدار تھا۔ اور محقق بھی۔ یقین کر لیا کہ مَیں حقیقت کا مشاہدہ کر رہا ہوں ـــــ اِس یقین کے ساتھ ان کے دل میں میرے لیے دوستی کی بے تکلفی سے بڑھ کر عزّت کا جذبہ پیدا ہُوا ـــ مجھے کہنے لگے۔ میرے رشتہ کے متعلق بھی دُعا کریں۔ مَیں نے دوسرے دن کا وعدہ کیا۔ دوسرے دن چاشت کے وقت راجہ صاحب کو مراقبہ میں بٹھا کر کہا۔ کہ اب آپ خود اپنا معاملہ حضور قبلہ عالم کے پیش کریں۔ راجہ صاحب نے مراقبہ شروع کیا۔ تو سیدھا اجلاس میں پہنچے اور اجلاس محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پوری کیفیت بیان کی۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تخت کے دائیں طرف کرُسی نشین پایا۔ آپ نے ان کے سامنے پیش ہو کر اپنے رشتہ کے متعلق عرض کی۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تمہاری کامیابی لکھ دی گئی ـــــ مَیں راجہ صاحب کو ساتھ ساتھ ہدایت دیتا رہا۔ حضورؒ سے عرض کریں کہ دل کی تسلّی کے لیے آج مجھے لڑکی کی طرف سے خط ملنا چاہیئے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ بعد دوپہر راجہ صاحب میں شدّت سے بے چینی پیدا ہو گئی۔ کہ کیا جس مسئلہ میں قوم کا ہر فرد۔ لڑکی کے والدین خُود لڑکی قطعی انکار کر چکے ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ وہ خود مجھے دوبارہ دعوت دیں۔ اس پر ستم یہ کہ

راجہ محمد لطیف خان صاحب کے والد سخت جابر قسم کے آدمی تھے۔ وُہ خاندانی عداوت کی وجہ سے اِس رشتہ کے شدید مخالف تھے۔ قسم کھا رکھی تھی کہ ہم یہ رشتہ ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ ایسے مایوسی کے عالم میں جب انہیں یقین کا سہارا ملا ـــــ تو وہ بار بار پہاڑ کی چوٹی کی طرف نظریں اُٹھا کر دیکھتے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کی بے چینی بڑھنے لگی۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ کہ اچانک راجہ صاحب خوشی سے اُچھل پڑے۔ کہنے لگے یقیناً خط آ رہا ہے۔ انہوں نے اپنے دیرینہ قاصد کو پہچان لیا۔ قاصد سیدھا راجہ صاحب کے پاس آیا۔ اور لڑکی کی طرف سے انہیں خط حوالے کیا ـــــ کھولا تو اس میں وہی کچھ تحریر تھا جس کی حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے یقین دہانی کرائی تھی۔

یہ واقعہ راجہ محمد لطیف خان صاحب کے قلب و ذہن میں یکسر تبدیلی کرنے کے لیے کافی تھا۔ حد درجہ خوش ہوئے اور میرے ہاتھ چُومنے لگے ـــــ اب ان کی یہ حالت تھی۔ کہاں وُہ مجھے "تُو" کہہ کر پکارتے تھے۔ اب تکلّف برطرف آپ میری طرف بیٹھ کرنا گوارا نہ کرتے ـــــ بڑے احترام کے ساتھ نورالدین صاحب کہہ کر کلام کرنے لگے ـــــ آپ کی ہمشیرہ گل نسار بیگم عرصے سے ہسٹریا کے مرض میں مبتلا تھی۔ اِس سے قبل ان کی ایک ہمشیرہ اِسی مرض میں وفات پا چکی تھیں۔ گل نسار بیگم کا مرض بھی شدید ہو چکا تھا ـــــ رات دن ان پر غشی کے دورے پڑتے۔ تمام رات ان کے پاس نگرانی کے لیے آدمی بیٹھے رہتے۔ کہ اچانک ان پر کوئی حادثہ طاری نہ ہو ـــــ راجہ صاحب نے ہمشیرہ سے کہا کہ نورالدین صاحب فقیر ہیں ان سے دُعا کراؤں گا۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ اس نے جواب دیا۔ مَیں نورالدین کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ ہر وقت سینما گھروں میں پھرتا تھا۔ یہاں بھی مجھے پتہ ہے۔ کیا شرارتیں کرتا تھا۔ راجہ صاحب نے نور اُمتہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایسا نہ کہو۔ واقعی وہ فقیر ہیں مَیں ان سے تمہارے لیے دُعا کراؤں گا۔ تم ان کی شان میں اب ایسے الفاظ نہ زبان سے نہ نکالو۔ راجہ صاحب نے میرے سامنے ہمشیرہ کی تکلیف کا ذکر کیا۔ مَیں گزشتہ آٹھ نو سال سے ان کے گھر آتا رہتا تھا۔ دوستی کی وجہ سے مَیں اُن کے گھر کا ایک فرد بن چکا تھا۔ میری عمر اس وقت تیرہ چودہ سال کی تھی۔ گھر میں مجھ پر پردے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ لطیف صاحب کی تبدیلی دیکھ کر گھر کا ہر فرد مجھ سے متاثر تھا۔

مگر گلنسا بیگم کو مجھ پر یقین نہ تھا۔ مَیں نے راجہ صاحب کو چند تعویذ لکھ کر دیئے۔ کہ ہمشیرہ کو پلا دیں۔ ساتھ درود شریف لکھ کر دیا۔ کہ اسے یاد کر اکر کہیں کہ ایک سو بار روزانہ پڑھیں لیکن گلنسا بیگم نے کچھ توجّہ نہ دی۔ گھر میں میرے متعلق باتیں سنکر اسے خیال آیا۔ کہ چلو آزما کر دیکھیں۔ (اپنی زبانی خود بیان کیا) ارادہ کیا۔ کہ اگر آج رات مجھے دورہ نہ پڑا اور مَیں سو گئی تو پھر یقین کر لوں گی۔ رات کھانا کھانے کے بعد اسی خیال سے بستر پر لیٹ گئی۔ اور بے ہوش ہو گئی۔ آنکھ کھُلی تو صبح ہو چکی تھی۔ دل میں خوشی اور تعجّب کے مِلے جُلے اثرات پیدا ہوئے۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ مجھے رات سونا نصیب ہو گا۔ دوسرے دن پھر اسی خیال سے بستر پر لیٹ گئی۔ اور بغیر کسی دورے کے رات آرام سے سوتی رہی۔ مگر اس رات اس نے خواب دیکھا۔ کہ مَیں اس کے سر پر پٹی باندھ دیتا ہوں ـــــ صبح اُٹھی تو وہ شک کا شکار ہو گئی۔ خیال گزرا کہ یہ تو شریعت کے خلاف ہے۔ کہ بالغ لڑکی کے سر پر پٹی باندھنا غیر مرد کے ہاتھوں جائز نہیں۔ شاید یہ کوئی شعبدہ بازی کا چکّر ہو گا۔ دن اسی تذبذب میں گزرا ـــــ لڑکی سنجیدہ اور سمجھدار تھی۔ خیال گزرا کہ درود شریف یا نماز پڑھنا شعبدہ بازی سے تعلق نہیں رکھتا۔ لہٰذا فیصلہ کیا۔ کہ آج رات درود شریف پڑھ کر دیکھتی ہوں کیا واقعات سامنے آتے ہیں۔

اِن چند دنوں میں راجہ محمّد لطیف خان صاحب میری بیحد عزّت کرنے لگے۔ اور مراقبہ میں انہیں مسلسل مشاہدات ہوتے رہے۔ ان کے تین اور بھائی تھے۔ راجہ علی اصغر خان بڑے بھائی تھے۔ چھوٹے بھائی راجہ عبدالرشید خان۔ ان سے چھوٹا راجہ عبدالحمید خان ـــــ راجہ اصغر خان۔ عبدالرشید خان بھی بیشتر میرے حالات سے واقف تھے۔ وہ میری شخصیت کو دیکھ کر یقین کرنے کو تیار نہ تھے۔ بلکہ مخالفت پر اُتر آئے۔ اور بات بات پر نکتہ چینی شروع کر دی ـــــ شام کا وقت تھا ہم لوگ راجہ محمّد لطیف خان صاحب کے کمرے میں حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ذکر کر رہے تھے۔ اتنے میں راجہ اصغر خان گھبرائے ہوئے اندر کمرے میں داخل ہوئے ـــــ کہا کہ گلنسا بیگم پر دورہ پڑ گیا۔ وہ زمین پر لیٹی ہے۔ اور نورالدین کو بلا رہی ہے۔ سب لوگ گھبرا گئے۔ مَیں نے سب کو تسلّی دی۔ اور سیدھا گلنسا بیگم کے کمرے میں پہنچا۔ دیکھا وہ جائے نماز میں سجدے کی حالت میں پڑی ہے۔ مَیں نے آواز دی تو اُس نے

جواب دیا۔ میں سمجھا یہ غشی کا عالم نہیں ۔مراقبہ کی حالت ہے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگی میں نے ابھی درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ ساتھ ہی مجھے دورہ پڑا۔ میں اس وقت ایک آدمی کو دیکھ رہی ہوں ۔جو میرے سامنے کھڑے ہیں۔ ان کی جلالی ہیئت دیکھ کر مجھ پر لرزہ طاری ہو رہا ہے۔ اب میں نہ سر اُٹھا سکتی ہوں نہ یہ نظر سے اوجھل ہو رہے ہیں۔ میں سخت خوفزدہ ہوں۔ میں نے حلیہ پوچھا۔ تو اس نے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا حلیہ بیان کیا۔ میں نے اُسے تسلی دی کہ دورہ نہیں ۔تم ٹھیک ہو گھبراؤ نہیں ۔ساتھ ہی اپنا تصور بھی دیا۔ کہنے لگی تم بھی ان کے ساتھ ہو۔ میں نے تسلی دی اور کہا یہ میرے پیر صاحب ہیں ۔جہاں یہ جائیں تم ان کے ساتھ چلو۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اسے روضہ مدینہ شریف میں اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئے۔ گلنسار نے مسلسل مشاہدات بتانے شروع کئے۔ اجلاس کی صحیح کیفیت بتائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاباش دی۔ کلام فرمایا —— اس کے ساتھ ہی بعض غیر واقف ہستیاں اجلاس میں تشریف لائیں۔ ہر ایک اسے ملا اور مرحبا کہا۔ میں نے ساتھ ہی کہا کہ ان سے تعارف پوچھو تو ہر ایک ملنے والی ہستی نے اپنا تعارف کرایا۔ پہلے حضرت اویس قرنی رضؓ سے ملاقات ہوئی۔ پھر حضرت آدم علیہ السّلام سے تعارف ہوا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السّلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر حضرت یوسف علیہ السّلام سے ملاقات ہوئی۔ اور بھی کئی ہستیاں اجلاس میں تشریف لائیں۔ سب نے اپنا اسم مبارک بتایا۔ اور مرحبا فرمائی۔ گلنسار بیگم میری ہدایت کے مطابق ہر کیفیت مشاہدہ کی بتاتی رہی۔ مشاہدہ دیر تک رہا۔ سجدے میں رہنے کی وجہ سے کہنے لگی۔ اب میں بہت تھک گئی ہوں۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہو کر عرض کرو کہ میرا یہاں تک مشاہدہ ہمیشہ جاری رہنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت و پیار سے فرمایا۔ جب چاہو۔ یہاں تک مشاہدہ جاری رہے گا۔ تو میں نے سجدہ سے سر اٹھانے کو کہا۔ وہ مجھے اپنے قریب دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کہ اس نے مجھے باطن میں باطنی لباس میں دیکھا۔ اور یہاں میں اس کے سامنے سادہ لباس میں بیٹھا ہوں ——

تین سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس وقت میری کچھ اور ہیئت تھی۔ اور وہ مجھے کسی اور ہیئت میں دیکھتی رہی۔ اور اس کے سامنے وہی پرانا نورالدین بیٹھا ہے۔ وہ مجھے گھور گھور کر دیکھتی رہی۔

میں نے پُوچھا خیر تو ہے۔ اب تو تم ہوش میں ہو۔ خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ کچھ نہ کہہ سکی ــــــ کیونکہ اب اسے اپنی خواب کی حقیقی تعبیر مل چکی تھی۔ اور اب مطمئن ہو چکی تھی۔ رات اس کی آرام و سکون سے گزری ــــ غشی کے دورے ختم ہو گئے۔ وہ صحت مند ہو چکی تھی۔ یہ واقعہ تمام گھر والوں کے لیے ایک معجزہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ کہ جس لڑکی کی زندگی کی اُمید وہ کھو چکے تھے اُن کے سامنے صحت مند حالت میں ہنسی خوشی پھر رہی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ اِن دنوں میں حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی صفات کا ذکر کرتا تھا اور وہ سب ــــ حضور قبلہ عالمؒ کے دیدار کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ کہ کسی طرح حضورؒ سے ان کی ملاقات ہو۔ اس گھر میں علی اصغر خان ۔ عبدالرشید خان نے اس حال میں بھی اپنا رویّہ نہ بدلا ــــ راجہ علی اکبر خان صاحب تک واقعات پہنچتے رہے ــــ لیکن انہوں نے بھی ان واقعات سے کوئی تاثر قبول نہ کیا۔ ان تین ہستیوں کے سوا باقی گھر کے سب عورتوں۔ بچّوں نے نماز۔ اور درود شریف پڑھنے پر توجّہ دینا شروع کی۔ اِن کا تیسرا بھائی عبدالحمید خان گھر پر موجود نہ تھا۔ وہ اکثر گھر سے باہر رہتا۔ ایک دن اچانک وہ گھر آیا۔ میں راجہ صاحب کے کمرے کے باہر برآمدہ میں بیٹھا ہُوا تھا۔ سامنے سے گزرا میں نے اس کے آتے ہی کہا ــــ "کاغانی آگیا" ــــ وہ گھبرایا اور سیدھا اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد گلنسا بیگم نے کاغذ کے پرچہ پر لکھ کر بھیجا۔ میں نے حمید کو تمام واقعات بتا دیئے ہیں۔ وہ آپ سے خوف زدہ ہے۔ آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اسے تسلّی دیں ــــ حمید خان بھی باہر آیا ــــ تو میں نے تسلّی دی۔ اس کی گھبراہٹ دُور ہو گئی ــــ میں نے اُسے پُوچھا کہ تو مجھ سے خوفزدہ کیوں ہُوا۔ اس نے کہا آپ نے میرا راز فاش کر دیا۔ اگر یہ بات آپ راجہ صاحب سے کہہ دیں تو وہ مجھے گولی مار کر ہلاک کر دیں گے۔ میں نے انجان بن کر پوچھا وہ کیا راز ہے؟ کہنے لگا ایک دن میں کسی گاؤں میں جا رہا تھا۔ راستے میں مجھے ڈاکو مل گئے۔ میں سمجھا یہ ڈاکو ہیں کہیں مجھے نقصان نہ پہنچائیں۔ مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں کاغانی ہوں۔ مُسافر ہوں۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ ملانے پر مجبور کر دیا۔ مجھے گھر لے گئے۔ وہاں چند دن میری خاطر کی۔ اور میں اس گروہ میں شامل ہو گیا۔ جب وہ کسی جگہ ڈاکہ ڈالنے

جاتے ہیں۔ مجھے یہاں سے ساتھ لے جاتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ پنجاب تک ڈاکہ ڈالنے جاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اکثر گھر سے غائب رہتا ہوں۔ آپ نے آتے ہی مجھے کاغانی کہہ کر پکارا۔ میں لرز گیا۔ شاید آپ نے میرا راز فاش کر دیا ہے ـــــ میں نے گلنسار سے آج اِس بات کا ذکر کیا۔ میں نے اسے توبہ کرائی۔ درود شریف یاد کرایا۔ ایک رات مراقبہ کرایا۔ تو اُسے روضہ شریف کا مشاہدہ ہُوا۔ مگر اجلاس میں جانے کی فی الحال اجازت نہ ملی۔ وہ بھی اپنی جگہ مطمئن ہو گیا۔ اور آئندہ ڈاکوؤں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اب صرف راجہ صاحب تھے۔ جنہوں نے اِس طرف رجوع نہیں کیا ـــــ

ابھی چند دن ہی گزرے تھے۔ میں راجہ لطیف خان کے کمرے میں بیٹھا کچھ حضور قبلہ عالم کا ذکر چھیڑا ہی تھا۔ اتنی دیر میں گلنسار کمرے میں آئی۔ سر پر پٹی باندھی تھی۔ میں نے پوچھا ابھی تمہاری پٹی سر سے نہیں اُتری ـــ کہنے لگی آج مجھے دورہ محسوس ہو رہا ہے۔ میں نے کہا اب تم خود اپنا علاج کرو ـــ مراقبہ کرو ـــ اور قبلہ پیر صاحب کے پیش ہو جاؤ ـــ میری ہدایت کے مطابق اس نے مراقبہ میں حضور قبلہ عالمؒ سے عرض کی کہ میرا دورہ مستقلاً ختم ہو جانا چاہیئے۔ گلنسار نے مشاہدہ میں بتایا۔ کہ حضور نے حضرت شہید غازی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش کر دیا۔ انہوں نے میرے سر کا اپریشن کیا۔ میں خود اپنے سر کا اپریشن دیکھ رہی ہوں۔ دوا دی۔ اور پھر انگلی کے اشارے سے درست ہو گیا۔ مراقبہ سے ہٹی تو سر کی گرانی بالکل ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد پھر کبھی دورے کی شکایت نہ ہوئی۔ اب خصوصی طور گلنسار پر انکشاف کا سلسلہ شروع ہُوا ـــ اِسی طرح ایک دن ہم لطیف خان صاحب کے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ گلنسار بھی اندر سے آئی اور میرے نزدیک بیٹھ گئی۔ میں گفتگو میں مصروف تھا۔ دیکھتا ہوں۔ گلنسار خاموش بیٹھی ہے۔ کسی وقت سر گھٹنوں میں جھکا لیتی ہے۔ پھر فوراً گھبراہٹ میں سر اٹھا لیتی ہے۔ کئی بار ایسا ہی ہُوا ـــ میں نے پُوچھا تم اس حالت میں کیوں بیٹھی ہو۔ ؟ کہنے لگی میں اندر کمرے میں بیٹھی تھی۔ اچانک میرا سر جُھک جاتا ہے۔ مراقبہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ خود کو اجلاس میں پاتی ہوں۔ اجلاس میں پیر صاحب ہیں۔ قبلہ سچی صاحب۔ خواجہ عبد الکریم صاحب ہیں۔ آپ بھی ہیں۔ اور بھی لوگ ہیں۔ جنہیں میں پہچانتی نہیں۔ سب کے

پاس ایک ایک ببّر شیر کی شکل کے جانور جیسی چیز ہے۔ پیر صاحب مجھے بھی ایک شیر دیتے ہیں۔ مَیں اسے دیکھ کر ڈر جاتی ہوں۔ ڈر کے مارے مَیں اندر سے باہر آپ کے پاس آتی۔ مگر یہاں پر بھی یہی حالت طاری ہو رہی ہے۔ مَیں شیر کو دیکھ کر ڈر جاتی ہوں۔ سر اُٹھاتی ہوں مگر خود بخود پھر میرا سر جُھک جاتا ہے۔ اور وہی کیفیت بار بار میرے سامنے آتی ہے۔ مَیں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ دورہ ہے یا کچھ اور معاملہ —— مَیں ابھی تک اس کیفیت کا علم نہ رکھتا تھا۔ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ ابھی ابتدائی زمانہ تھا مگر مَیں نے اندازہ کیا کہ باطنی طور پر کسی خاص مقام کا مشاہدہ دیا جاتا ہے۔ ببّر شیر کی حیثیت سے مَیں نے اندازہ کیا کہ یہ صورت براق کی ہوسکتی ہے۔ براق پیش کرنا کسی اُونچے مقام کی طرف لے جانے کا اشارہ ہے۔ مَیں نے ہدایت کی کہ تم شیر لے لو۔ یہ براق ہے۔ اور جیسے حضور حکم دیں ویسے کرو۔ مگر وہ براق کی صورت دیکھ کر ڈر جاتی —— آخر مَیں نے قبلہ سخی صاحب سے مدد لینے کے لیے کہا قبلہ سخی صاحب نے اسے براق پر بٹھا دیا۔ معاً براق پرواز کرنے لگا۔ تسلّی کے لیے مَیں نے اُسے اپنا تصور ساتھ رکھنے کے لیے کہا۔ آخر چند لمحوں میں ایک نوری مقام پر براق ٹھہرا۔ تو مَیں ساتھ کیفیت پوچھتا رہا۔ کہنے لگی یہ نوری زمین دُور دُور وسعتوں میں پھیلی ہُوئی ہے۔ آگے بڑھ کر تخت پر ایک بزرگ دیکھا۔ مَیں نے کہا ان سے پوچھو کون ہیں۔ کیا نام ہے۔ ان بزرگ نے کہا مَیں ملائکہ کا سردار ہوں۔ میرا نام موسائیل ہے۔ یہ چہارم آسمان ہے۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ آگے بڑھو۔ وہ آگے چلی تو ایک اور بزرگ کو تخت پر بیٹھے دیکھا۔ آپ کو السّلامُ علیکم عرض کی۔ آپ نے وعلیکم کہہ کر فرمایا ہم نے تمہیں کافی دیر سے یہاں بلا بھیجا تھا۔ تم نے یہاں آنے میں دیر لگا دی۔ مَیں نے عرض کی (گلنسار مجھے بھی اپنے ساتھ دیکھتی رہی) کہ یہ براق سے ڈر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ آئندہ تمہارا یہاں تک آنا ہوگا۔ آپ نے ایک پرچہ دیا۔ جس پر وظیفہ تحریر تھا۔

سُبْحَانَ الْهَادِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۔ سُبْحَانَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمِ

گلنسار نے مجھے پرچہ کی تحریر پڑھ کر سنائی۔ مَیں نے کاپی پر یہ وظیفہ لکھ لیا۔ فرمایا آئندہ جب ہم بلائیں یا تم نے یہاں آنا ہو۔ یہ وظیفہ وِرد کرو بلا توقف یہاں پہنچ جاؤ گی۔ اب

براق کی ضرورت محسوس نہ ہو گی۔ آپ نے بتایا ہم (حضرت) موسیٰ (علیہ السّلام) ہیں۔ یہ آسمان چہارم کا مقام ہے۔ آپ نے شفقت سے سر پہ دستِ مبارک پھیرا۔ اور فرمایا آج رات دو بجے نصف شب پھر تم حاضر ہونا۔ تاکید ہے۔ تغافل نہ کرنا۔ اور رخصت کر دیا۔ گلنسار بازگشت میں پھر موسایئل سردار کے پاس آئی۔ آپ نے فرمایا ایک طرف اشارہ کر کے اِدھر دیکھو۔ تو اس طرف دُور دور قطار اندر قطار ملائکہ صف بستہ کھڑے نظر آئے۔ آپ نے ملائکہ کی طرف توجّہ کی دو ملائکہ آپ کے سامنے پیش ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ دو ملائکہ تمہارے لیے مقرر کیے جاتے ہیں۔ تو جب ضرورت پڑے تو جو وظیفہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے عطا کیا۔ وہی وظیفہ وِرد کرو۔ اسی آن یہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ بس مراقبہ سے فارغ ہُوئی۔ تو خود کو کمرے میں محسوس کیا۔ اِس وقت کمرے میں گھر کے سب آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ گلنسار بیگم تمام کیفیات مشاہدہ زبان سے بھی دہراتی رہی۔ یہ واقعات سب حیرت سے سُن رہے تھے۔ یہ واقعات ان کی سمجھ سے باہر تھے۔ تاہم یہ واقعات سُن کر ہر شخص حضور قبلہ عالم کی زیارت کے لیے بیتاب ہوتا جا رہا تھا۔ مَیں خود حیران تھا۔ کہ ایسی کیفیات کا مشاہدہ ہونا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ بجائے اس کے کہ مَیں نے ارادہ کیا تھا۔ کہ مَیں راجہ محمّد لطیف خان صاحب سے چھُپ کر درود و مراقبہ کیا کروں گا۔ مگر یہاں قدرت نے حضور انور جناب محمّد امین صاحبؒ کی توجّہ سے ایسے مناظر دکھائے۔ جنہوں نے ہر فرد کو آپ کے دیدار کے لیے بے چین کر ڈالا۔۔۔ گلنسار بے چینی سے رات کا انتظار کرنے لگی۔ شام ہُوئی تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی عبدالحمید کو کمرے میں رہنے کا حکم دیا۔ رات چائے مٹھائی کا انتظام کیا۔ نصف شب تک جاگتے رہے۔ چائے پیتے رہے۔ دو بجے کا وقت ہُوا۔ گلنسار نے مجھے بھی ساتھ رہنے کے لیے کہا۔ مَیں بھی کمرے میں آ گیا۔ ٹھیک دو بجے مُراقبہ شروع ہُوا۔ گلنسار نے ایک بار وظیفہ وِرد کیا تو سیدھا آسمان چہارم پہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے سامنے پیش ہُوئی۔ آپ نے مرحبا کہی۔ اور شفقت فرمائی۔ اور ساتھ ہو کر آسمان چہارم کے کئی اسرار مشاہدہ کرائے۔ اور ہر کیفیت کی وضاحت فرماتے رہے۔ آخر ایک مقام پہ لے گئے۔ جہاں ایک گول ڈھکن (جیسے تنور پہ ڈھکن لگا ہو) دکھایا۔۔۔ فرمایا اسے اُٹھاؤ۔

گلنسار نے ڈھکن ہٹایا۔ تو فرمایا نیچے دیکھو۔ تو اس سوراخ سے کوسوں دُور نیچے زمین نظر آئی۔ فرمایا۔ دیکھو تم کتنے اُونچے مقام پر ہو۔ تم سے کوئی غفلت اور کوئی کوتاہی ہوئی۔ تو تمہیں یہاں سے نیچے دھکیل دیا جائے گا۔ گلنسار خوف کے مارے دُور ہٹ گئی۔ آپ نے فرمایا۔ آئندہ شریعت کی تابعداری اور طریقت پر مستعدی سے قائم رہو۔ خطا سے بچے رہو۔ ورنہ کسی خطا کا نتیجہ یہی پستی ہو گا۔ یہاں سے نیچے گرا دی جاؤ گی۔ ہوشیار رہنا ــــ جو عمل اختیار کیا۔ اِس پر قائم رہو۔ پھر آپ نے تبسّم فرما کر شفقت سے سر پہ دست مبارک رکھا۔ فرمایا جاؤ۔ پھر جب چاہو یہاں آنا۔ تمہارے لیے یہ مقام ہمیشہ کے لیے کھلا رہے گا۔

ایک دن حسبِ دستور ہم مردانہ میں راجہ لطیف خان صاحب کے کمرے میں بیٹھے طریقت کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ اب یہاں نہ راگ و رنگ تھا۔ نہ مسخرا پن تھا۔ نہ شراب تھی۔ بلکہ ہر فرد شرابِ معرفت کی خوش آئند خوشبُو کی مہک سے مسرور تھا بس طریقت اور حضور قبلہ عالمؒ کی یا دیں۔ اور آپؒ کا ذکر صبح و شام ہوتا تھا۔ ہم سب محوِ گفتگو تھے گلنسار بیگم بھی کمرے میں بیٹھی تھی۔ مَیں اِس کے حالات دیکھ کر دل میں بے حد مسرور تھا۔ اچانک مجھے کچھ خیال آیا ۔ مَیں نے گلنسار سے کہا کہ مراقبہ کرو۔ اور حضور قبلہ عالم کے پیش ہو گلنسار حضور کے پیش ہوئی ۔ مَیں نے کہا۔ حضور سے اجازت لو کہ ہمیں بیت اللہ کی سیر کی اجازت دیں۔ آپ نے بیت اللہ جانے کی اجازت فرمائی۔ مَیں نے گلنسار بیگم کو بیت اللہ شریف کی طرف پرواز کرنے کو کہا۔ یہاں سے پرواز کی تو آناً فاناً بیتُ اللہ تک پہنچے۔ ظاہراً بیت اللہ تک پہنچنا تھا۔ مگر یہاں دوئم اجلاسِ محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں داخل کرنا میرا مقصد تھا۔ گلنسار بیگم نے یہاں بجائے کعبۃ اللہ دیکھنے کے دوئم اجلاؔسِ محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مشاہدہ کیا۔ حالانکہ مَیں نے اِس سے قبل دوئم اجلاسِ محمّدیؐ کے متعلق بالکل ذکر نہیں کیا تھا۔

لہ بیت اللہ۔ باطن میں۔ بیتُ اللہ کی جگہ ایک سنہری دریا نظر آتا ہے۔ جس میں بے شمار کشتیاں تیرتی نظر آتی ہیں۔ ان میں ایک سنہری کشتی نظر آتی ہے۔ اس کشتی میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دوسرا اجلاس قائم ہے۔ اسے اجلاس دوئم کہا جاتا ہے ۔

یہاں پہنچ کر اجلاسِ دوئم کے علاوہ اور بھی اسرار و کیفیات کا مشاہدہ دیا گیا۔ ایک مقام پر ہاروت و ماروت کو بھی دکھایا گیا۔ ان سے کلام بھی ہوا۔ یہ امر میرے لیے بھی باعثِ خوشی تھا کہ چند ساعتوں میں دوئم اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوا۔ دوسرے دن مزید آثار کا مشاہدہ دیا گیا۔ جس میں ایک خصوصی مقام "بحر القیوم" تھا۔ یہ مقام مثل دریائے توحید ایک سبز نوری سمندر کی شکل میں مشاہدہ میں آیا۔ اِس دریا کو عبور کر کے گلنسار بیگم ایک سرسبز وادی میں داخل ہوئی۔ جہاں ایک اُونچے مقام پر ایک نُورانی محل تھا۔ اسی اثنا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام فقرار کے ایک جلوس کی صورت میں تشریف لائے۔ محل کے قریب پہنچے تو گلنسار کو محل میں ساتھ لے گئے۔ حضور قبلہ عالم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ محل کے اندر حضرت مریم علیہا السّلام۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ حضرت فاطمۃ الزہرار رضی اللہ عنہا سے فرداً فرداً ملاقات ہوئی۔ اِن مقدس ہستیوں نے انتہائی شفقت سے گلے لگایا۔ اور مرحبا فرمائی۔ اِس محل میں تمام انبیاء کی صاحبزادیاں جمع تھیں۔ جن کی سردار حضرت فاطمۃ الزہرار رضؓ بنائی گئیں۔ حضرت مریم۔ حضرت فاطمہ علیہما السّلام نے گلنسار کو پھولوں کے گلدستے اور بہت سے نورانی تحائف عطا فرمائے۔ بہت سے مشروبات پلائے۔ جن کی لذّت سے وہ نا آشنا تھی۔ کہ ایسا لذیذ شربت دُنیا پر پایا جانا ممکن نہ تھا۔ اور بہت سے میوے کھلائے ــــ حضرت فاطمۃ الزہرا۔ حضرت مریم علیہما السّلام نے گلنسار پر خصوصی توجہ اور شفقت فرمائی اور اجازت دی۔ جب جی چاہے۔ یہاں آسکتی ہو۔ یہ مقام تمہارے لیے کھُلا رہے گا۔ دوسرے دن حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف سے بحر القیوم میں حاضر ہونے کا حکم ہوا۔ وقت پر گلنسار مراقب ہوئی۔ تو سیدھی اس وادی میں پہنچی۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام موجود تھے۔ حضرت عیسیٰ اسے اُونچے مقام پر لے گئے۔ فرمایا ہم تمہیں سوم آسمان پر لے جائیں گے۔ گلنسار نے خوف کا اظہار کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے تبسم فرمایا اور فرمایا آنکھ بند کر کے قدم اُٹھاؤ ــــ اس نے ایسا ہی کیا۔ تو آنکھ کھولی۔ خود کو آسمان سوئم پر پایا ــــ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا۔ یہ ہمارا مسکن ہے۔ یہاں تخت پر ایک نورانی بزرگ دکھائی دیئے۔ مَیں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے ان کا نام پوچھا کون ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

نے فرمایا۔ یہ آسمانِ سوئم کے ملائکہ کا سردار ہے۔ ان کا نام "بلون" ہے۔ ان کے ماتحت حدِّنظر تک قطار اندر قطار ملائکہ صف بستہ کھڑے تھے۔ گلنسار حضرت بلون ملائکہ کے قریب گئی السّلام علیکم کہا۔ انھوں نے وعلیکم السّلام کہا۔ اور بہت شفقت فرمائی ـــ ان مسلسل مشاہدات سے گلنسار میں کچھ سنجیدگی اور تدبّر پیدا ہو چکا تھا ـــ اب اس میں عقیدت مندانہ رعب کا اثر کم ہو چکا تھا۔ وہ کھُل کر حضرت بلون سے باتیں کرنے لگی۔ اور ان سے کئی سوالات پُوچھے۔ حضرت بلون ملائم انداز میں جواب دیتے رہے۔ آپ نے ایک رجسٹر گلنسار کو دکھایا جس میں ہر انسان کا نام۔ اس کا رزق۔ موت و حیات۔ اور زندگی کے تمام واقعات کی تفصیل درج دیکھی۔ اجلاس محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں تمام اولیاء کے نام بھی بمعہ مراتب درج تھے۔ حضرت بلون نے ایک اور رجسٹر دکھایا۔ جس میں لیلۃ البرآت میں مقرر کئے گئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام درج تھے۔ آپ نے اس رجسٹر کی تفصیل بیان کی۔ یہ احکام لَیلَۃُ البَرآت میں ہم تک نازل ہوتے ہیں۔ اور لَیلَۃُ القَدرِ کی رات دوئم اجلاس محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیش کیے جاتے ہیں۔ اِس موقع پر حضرت بلون نے اور بھی کئی کیفیتوں کا انکشاف فرمایا۔ (جو ضابطہ تحریر میں نہیں آسکتیں)۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام جو ایک تخت پر جلوہ افروز تھے۔ نے گلنسار کو شرفِ بازیابی بخشا اور بہت شفقت فرمائی۔ اور بہت دیر تک ہم کلام ہوتے ـــ آخر میں آپ نے بھی ایک وظیفہ عنایت فرمایا ـــ فرمایا جب یہاں آنا ہو۔ تو وظیفہ پڑھو۔ فوراً یہاں پہنچ جاؤ گی ـــ مَیں نے گلنسار سے وظیفہ پوچھا۔ تو اس نے زبان سے وظیفہ دہرایا۔ وظیفہ یہ تھا۔

سُبحَانَ اللّٰہِ الکَرِیمِ۔ سُبحَانَ نُورُ المُبِینِ۔ سُبحَانَ مَنْ
فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ

مَیں نے وظیفہ کاپی پر لکھ لیا۔ گلنسار کے مراقبہ کرنے کا طریقہ یہ تھا ـــ کہ وہ ما فوق العقل کیفیات دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ مبادا اسے کوئی حادثہ پیش آئے۔ اِس پر یہ وہم غالب تھا۔ اِس لیے مراقبہ کرتے وقت مجھے پاس بٹھا لیتی۔ مَیں ہر مشاہدہ پر اُسے ہدایت دیتا۔ وہ اپنی کیفیات ساتھ ساتھ بیان کرتی رہتی۔ مَیں خود ان مشاہدات سے بے خبر تھا۔ ابھی تک مجھے حضور قبلہ عالم

نے دریائے توحید میں اجلاس دوئم کا مشاہدہ عطا کیا تھا۔ اس سے آگے مجھے کسی کیفیت کا علم نہ تھا۔ اب گلنسار۔ کے ذریعہ ہی مجھے ان مقامات کا علم الیقین ہُوا۔ مگر مجھے ان مقامات کا مشاہدہ نہیں ہُوا۔ لیکن میری ہدایات جو میں گلنسار۔ کو کیفیات کے مشاہدے میں دیتا رہا۔ کہ یہاں یہ بات عرض کرو۔ یہاں اس طرح اَدب کرو۔ وغیرہ تو میری ہر ہدایت مناسب اور برمحل ثابت ہوتی۔ گلنسار میری ہدایت کے مطابق کچھ عرض کرتی۔ اس کا اُسے جواب مل جاتا۔۔۔ جو طریق میں اسے بتاتا۔ وہ حسبِ حال ہوتا۔۔۔ البتہ گلنسار ہر مقام کے مشاہدے میں میرا تصوّر ساتھ رکھتی اور خود حضور قبلہ عالمؒ بھی اکثر مقامات میں ساتھ ہوتے۔ میں ان مشاہدات کو سُن کر خود متحیر تھا کہ اسے کن کن انعامات سے نوازا جا رہا ہے۔۔۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے وظیفہ عطا کیا۔ تو میں نے گلنسار سے وظیفہ دہرانے کو کہا۔۔۔ معلوم نہیں۔ گلنسار کے دہرانے میں غلطی ہوئی یا میری تحریر میں غلطی ہُوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے رخصت ہو کر ہم روضہ شریف اجلاس اوّل میں پہنچے۔ دیکھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام وہاں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قریب تشریف فرما تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام حضور قبلہ عالمؒ سے گفتگو فرما رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے گلنسار کو قریب بلا کر فرمایا۔ ہمارا دیا ہُوا وظیفہ دوبارہ دہراؤ۔ گلنسار کو تو یاد نہیں رہا۔ لہٰذا میں کاپی سے وظیفہ پڑھتا رہا۔ اور گلنسار حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے سامنے دہراتی رہی۔ جب میں نے کاپی پر لکھے ہُوئے وظیفہ میں سُبحَانَ نُوْرٌ مُّبِیْنٍ پڑھا۔ تو گلنسار نے ایسے ہی پڑھ کر سنایا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا تم نے غلط لفظ لکھا۔ یہ نُوْرُ المُبِیْنِ ہے۔ اس کی تصحیح کرو۔۔۔ مجھے اِس تصحیح کے لیے یہاں آنا پڑا۔ آئندہ خیال رکھو۔ کسی کیفیت کا غلط تصوّر قائم نہ کرنا۔ غلطی سے "ال" حذف ہو گیا تھا۔ یہ واقعات دیکھ کر میں متحیر تھا۔ میری سوچ گم ہو چکی تھی۔ کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ کیا سُن رہا ہوں۔۔۔ ایسے واقعات کا ہونا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ مجھ پر حیرت طاری ہوئی۔ کہ کاپی پر لکھی ہُوئی تحریر میں غلطی کا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو علم ہُوا۔ اور ساتھ ہی انہوں نے خصوصی طور اس کی تصحیح فرمائی۔ ایسے نادیدہ شنیدہ واقعات کا انکشاف حیران کن تھا۔ یقیناً حضور قبلہ عالم کی ذات پر ہمارا ایمان پختہ ہو گیا۔ اور اِسی پختہ

ایمان نے ہماری راہنمائی کی کہ ہم ایسے واقعات کو برحق سمجھتے رہے۔ ہمارے دلوں میں ذرّہ بھر شک کا اثر نہ پیدا ہوا ــــ یہ واقعات گھر میں سب لوگوں کے سامنے بیان ہوتے رہے۔ اور ہر شخص اِن واقعات کو سُن کر حضور قبلہ عالم کی شخصیت کو غائبانہ طور عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا رہا ــــ اِن کے دِلوں میں محبت و عزت کے سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگے ــــ ہر شخص کا دل بیتاب تھا۔ کہ کب حضور قبلہ عالم کے دیدار نصیب ہوں۔ بہر حال اِن واقعات کے اثرات کو نہ بیان کیا جا سکتا ہے۔ نہ ان کی تفصیل بیان کی جا سکتی ہے۔ نہ اپنی حالت بیان کی جا سکتی ہے کہ اس وقت ہماری کیفیت کیا تھی۔

ایک دن حسبِ معمول ہم راجہ محمد لطیف خان کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ مَیں نے گلنسا سے کہا۔ مراقبہ کرو۔ آج حضرت موسٰے علیہ السلام کے پیش ہوں گے۔ اس نے مراقبہ شروع کیا اور بغیر توقف کے آسمانِ چہارم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش ہوئی۔ مَیں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چند باتیں دریافت کرنے کو کہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آسمانِ چہارم کے کئی اسرار بیان فرمائے۔ اور بھی کیفیات بتا رہے تھے۔ کہ درمیان میں آپ نے فرمایا۔ دیکھو یہ سر کی باتیں ہیں۔ کمرے میں اور بھی آدمی بیٹھے ہیں۔ تم کیفیات کا ذکر کر رہی ہو۔ اور سب سن رہے ہیں۔ فی الواقع اس کمرے میں گھر کے سب بچّے۔ ملازم اور گاؤں کے چند لوگ بھی یہ باتیں گلنسا کی زبانی سُن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ واقعات عام لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرنے چاہئیں۔ لہٰذا تخلیہ کرو۔ باقی سب لوگوں کو کمرے سے باہر جانے کے لیے کہہ دو۔ گلنسا نے مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ حکم سنایا کہ آپ ایسا فرما رہے ہیں۔ مَیں نے سب سے معذرت کی تھوڑی دیر کے لیے سب باہر جائیں۔ سوائے راجہ محمد لطیف خان صاحب کے باقی کمرے سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو ہوتی رہی۔ اِس کے بعد تواتر کے ساتھ ہر روز ہی ایک نئی کیفیت دکھائی جاتی۔ ہر آسمان کی سیر کرائی جاتی۔ اور ہر آسمان میں ایک نبی ــــ اور اِس آسمان کے ملائکہ کے سردار کے ساتھ ملاقات کرائی جاتی۔ یہاں تک کہ گلنسا کو آسمانِ ششم (چھٹے آسمان) پر لے جایا گیا ــــ یہ سیر خود حضور قبلہ عالم اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کراتے۔ اس سیر میں گلنسا۔

خود واقعات دہراتی۔ کہ میرے ساتھ نورالدین صاحب ہیں۔ پیر صاحب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ ہیں۔ آسمانِ ششم میں خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرائی گئی۔ آپ نے گلنسار پر بے حد شفقت فرمائی اور تبسم فرماتے ہوئے آپ نے گلنسار سے بے حد پسندیدگی اور خوشی کا اظہار فرما کر مرحبا فرمائی۔ اور بہت پیار سے گلنسار سے کلام فرماتے رہے۔ یہاں پر بھی بہت سے اسرار کا مشاہدہ کرایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِمتحاناً گلنسار سے سوالات کیے۔ چونکہ وہ ان واقعات سے لاعلم تھی۔ تاہم وہ اپنی ذہنی صلاحیت پر جواب باصواب دیتی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بہت خوش ہوتے اور شاباش دیتے۔ ایسے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور قبلہ عالم بھی۔ تبسم فرماتے اور خوش ہوتے۔ جیسے باپ اپنے ہونہار بچّے کی ذہانت پر خوش ہوتے ہیں ـــــ اور جہاں کہیں گلنسار کسی سوال کے جواب دینے میں مجبور ہو جاتی۔ تو قبلہ پیر صاحب کی طرف متوجہ ہو جاتی۔ تو آپ خاموش رہتے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس سوال کا جواب بتائیں گے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے اور خاموش رہتے۔ تو گلنسار مجھ سے کہتی کہ آپ بتائیں مَیں کیا جواب دوں مَیں ان اسرار سے خود بے خبر تھا۔ تاہم میرے ذہن میں القائی طور الفاظ آتے۔ تو مَیں گلنسار کو بتا دیتا۔ وہی جواب گلنسار دے دیتی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام خوش ہو کر تبسم فرماتے اور شاباش دیتے۔ جیسے آپ کے تبسّم سے یہ اظہار ہوتا ہے "شاباش تم بہت سمجھدار لائقِ انعام ہو"۔ اِسی دوران حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے گلنسار کے سامنے چار رنگ[1] کی چار ٹکیاں رکھ دیں۔ فرمایا ان میں سے ایک ٹکیہ اٹھاؤ۔ (گلنسار ساتھ ساتھ میرے سامنے کیفیت دہراتی ہے) مجھ سے کہنے لگی مَیں سمجھ نہیں سکتی۔ کون سی ٹکیہ اُٹھاؤں۔ مَیں بھی فیصلہ نہ کر سکا۔ مَیں نے کہا پیر صاحب سے پوچھو ـــ پیر صاحب کی طرف دیکھا۔ تو آپ نے تبسم فرمایا۔ مگر جواب نہ دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجّہ ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبسم فرمایا۔ اور

---

[1] سبز۔ سُرخ۔ زرد اور سفید رنگ کی ٹکیاں تھیں۔

خاموش رہے۔ مجھ سے کہنے لگی یہ بتاتے نہیں۔ تم بتاؤ کون سی ٹکیہ اٹھاؤں۔ اب تینوں ہستیاں گلنسار کی طرف تبسم کناں دیکھ رہی ہیں ــــ معاً مجھے خیال آیا کہ ولایت کے مشاہدات و مراتب کے نشان ہوں گے۔ جیسے معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرابِ سُرخ اور شرابِ سفید (دودھ) پیش کیا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرابِ سفید کو پسند فرمایا۔ تو جبرئیل امین علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے دینِ فطرت کو قبول فرمایا۔ اسی خیال پر میں نے اشارہ دیا۔ کہ سفید رنگ[1] کی ٹکیہ اٹھا۔ گلنسار نے سفید رنگ کی ٹکیہ اٹھائی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خوش ہو کر آفرین و مرحبا فرمائی ــــ اور بشارت دی کہ تم لائقِ انعام قرار پائی ــــ تمہیں کامل ولایت دی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور قبلہ عالم نے بھی بیحد خوشی و تحسین کا اظہار فرمایا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سر پر دستِ شفقت پھیر کر رخصت کر دیا ــــ اور (غالباً کل) پھر حاضر ہونے کا حکم دیا ــــ دوسرے دن غالباً چاشت کا وقت ہو گا۔ گلنسار نے مراقبہ کیا۔ تو سیدھے آسمانِ ششم پر پہنچی۔ دیکھا تو یہاں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلہ پیر صاحب منتظر تھے۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ بہت سے انعامات عطا فرمائے۔ اسی اثناء میں نماز کا اہتمام شروع ہوا ــــ اس مقام پر تمام انبیاء۔ اولیاء جمع ہوئے۔ اور سب گلنسار کو بہ نظرِ تحسین دیکھتے صف در صف جماعت کی صورت میں جمع ہوئے۔ تو وسعتِ نظر تک صفیں دُرست ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی۔ آپ کے پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے ساتھ چہار یارانِ باصفا۔ امامین علیہ السلام۔ آپ کے ساتھ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ساتھ گلنسار۔ خواجہ عبدالکریم صاحب قبلہ سخی صاحب۔ ان کے ساتھ یہ سگ درِ آستانہ آمیتی بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت فرمائی ــــ لیکن یہ سماں ــــ یہ سماع ــــ یہ کیف ــــ ناقابلِ برداشت تھا ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قدسی لحن ناقابلِ برداشت تھا۔ کائنات وجد میں محسوس ہو رہی تھی۔ شدت سے دل دھڑکنے لگا۔

---

[1] میں نے اندازہ کیا کہ چار رنگ انبیاء کے انوار سے مشابہ ہیں۔ سبز رنگ نورِ عیسوی۔ سُرخ رنگ نُورِ موسوی۔ زرد رنگ نورِ آدمی اور سفید رنگ نُورِ ابراہیمی سے تشبیہ ہے۔

ایسی مدہوشی طاری ہونے لگی کہ رُوح جسم سے پرواز کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا فرمائی ــــ گلنسار۔ تو پہلے ہی رقیق القلب تھی۔ گھبرا گئی۔ بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ کہنے لگی مجھے سنبھالیں میری رُوح نکلنے لگی۔ مَیں نے تسلّی دی۔ کچھ توجّہ دی۔ ساتھ ساتھ اسے بھی حوصلہ دیتا رہا۔ یہاں تک کہ نماز ادا ہو گئی۔ اِسی عالم میں مراقبہ ختم ہوُا۔ دیر تک حواس قائم نہ ہو سکے۔ کچھ ہوش آیا۔ تو پھر کیا سوچا جا سکتا تھا۔ کہ جو کچھ دیکھنے سننے میں آ رہا تھا۔ اس پر ذہن فکر کرنے میں بے بس تھا۔ ہم کیا کہیں۔ کہ کیا ہے۔ اور یہ کیا ہو رہا ہے۔ مَیں خود سوچنے سے رہ گیا ــــ دماغ شل تھا۔ کہ اِس لڑکی پر کیسے انعامات نازل ہو رہے ہیں۔ جس کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا ــــ

وَ اللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ہ

اللہ بے نیاز ہے جسے جو دینا چاہے۔ اہلیت دیکھے بغیر دے دیتا ہے۔ مگر یہ نسبت سے ملتا ہے۔ یہ سب عنایت حضور عالی مقام جناب حضرت محمد امین صاحب اویسیؒ کی نسبت سے ہی میسّر آنا ممکن ہوُا۔ یہ سب اِسی ذات کی محبوبیت کے صدقے میسّر آیا ــــ

مَیں راجہ محمّد لطیف خان صاحب کی گھریلو زندگی سے واقف تھا ــــ ایک جاگیردار فرزند کی حیثیت سے جس کو دُنیا کی تمام آسائشیں میسّر ہوں۔ جسے دُنیا کی عیش و عشرت کا ہر سامان میسّر ہو۔ جو اپنی زندگی میں آزاد اپنی ہر خواہش پوری کرنے میں آزاد ہو۔ ایسے امیر گھرانے میں دنیوی عیش و عشرت کی رونق۔ حسبِ نفس مرغن غذائیں ــــ شراب و راگ و رنگ۔ اور دُنیا کی ہر شے لونڈی بن کر سامنے آئے۔ وہ خدا کو کیا جانے۔ وہ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کو کیا سمجھے۔ جو اپنی خواہش کو پورا پائے اُسے کتاب کی کیا ضرورت! جو نشۂ دولت۔ نشۂ نخوت۔ نشۂ خمر کی فراوانی میں مدہوش۔ دُنیوی نعمتوں کی فراوانی میں مطمئن ہو۔ اسے کسی کی محتاجی کی کیا ضرورت! اسے دارِ آخرت کا کب احساس ہو سکتا ہے۔ یا احساس کی فرصت ہو! ــــ مگر وہ ذاتِ کبریا ــــ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ ہے۔ اَلرَّحِیْمُ ہے۔ اس کے سامنے سات بادشاہوں کا مالک عظیم طاقت کا مالک جابر حکمران۔ غالب طاقت کا مالک فرعون ــ بے شمار خزانوں کا مالک ہامان و شدّاد ــــ آخر ایک "بندہ" ہی تو ہے۔ "بندہ" آخر کو ٹے

کر کٹ کے ڈھیر میں ایک حقیر کیڑے سے زیادہ حیثیت ۔ اس کبریا کے آگے نہیں رکھتا ۔ ـــــ بھلا اس خدائے عظیم کے آگے ایسے بندے کی کیا حیثیت ! جس کے لیے خدائے برتر پرواہ کرے ۔ وہ تو بے نیاز ہے ۔ اس کے سامنے بندے کی کوئی حیثیت لائق توجّہ نہیں ـــــ یہ معمولی بات ہے ۔ وہ ایسی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتا بھلا اس کی ہمسری کوئی کرسکتا ہے ! ـــــ تو پھر بندے کے گناہوں کی بھی کوئی وقعت و حیثیت نہیں ۔ سوائے اس کے کہ کوئی بندہ نادانی میں اس کی ہمسری و کبریائی کا دعوے کرے ـــــ پھر بھی ۔ بندہ ۔ اس ذاتِ کبریا کی نظر میں کوئی غالب حیثیت نہیں رکھتا ۔ تو پھر ایسے بندے کی ہمسری بھی لائق توجّہ نہیں ۔ کہ محسوس کی جائے ـــــ اس ذات کے آگے ۔ کسی حقیر ذرّہ کا اچھل کر حملہ کرنا ـــــ اس ذات پر کیا اثر ڈال سکتا ہے ـــــ وہ تو ایسی نامعقول حرکت پر غصّہ نہیں کرتا ـــــ بلکہ ہنس دیتا ہے ۔ کہ اِس بندے کو دردِ شکم میں مبتلا کر دوں ۔ تو اس کا سارا غرور لمحہ میں خاک میں مل جائے گا ۔ باقی وہی بندہ مجبور عاجز ہو کر رہ جائے گا ـــــ ایک عاجز پر ۔ اس خدائے غیور کا غضب اس کی شایانِ شان نہیں ـــــ

سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ

اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے کہ کوئی ایسی ہمسر طاقت نہیں جس پہ غضب کیا جائے ۔ کوئی ایسا موقع نہیں جہاں غضب استعمال ہو ـــــ خود بندے کے لیے ـــــ خواہ وہ فرعون ہو ـــــ نمرود ہو ـــــ شداد ہو ـــــ کوئی بھی نادان ہمسری کا دعویٰ کرنے والا ہو ـــــ بندے کی حیثیت میں بہر حال ۔ رحمت وقف کر رکھی ہے ۔ یہی نہیں کہ مُنہ دیکھ کر دے ـــــ نہیں ـــــ بلا تمیز ۔ نیک و بد ۔ ہر بندے کے لیے ۔ اپنے انعامات کے دروازے کھُلے چھوڑ دیتے ہیں ۔ میں خود نہیں دیتا ـــــ خُود آ کر جو چاہے لے لے جتنا چاہے لے لے ۔ فرعون بن کر ہی آئے لے لے ۔ شداد بن کر ہی آتے ۔ لے لے کوئی رکاوٹ نہیں ۔ اِس سے بڑھ کر وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ کی اور کیا تفسیر ہو سکتی ہے ! قسم ہے اس خدائے رحمٰن و رحیم کی ۔ جو ہدایت دینے میں فیاض عظیم ہے ۔ اس صحیفہ میں بیان کردہ واقعات میں ذرّہ بھر مبالغہ نہیں ۔ جو چاہے مانے ۔ جو نہ چاہے ۔ نہ مانے ۔ "لعل"

(جواہر) اپنی تابانی کی صفت پر محبوب ہے۔ اسے نہ کسی کی صفت کی ضرورت ہے۔ نہ کسی کی صفت پر اس کی افضلیت منحصر ہے۔ ہاں! اس کی صفت کرنے سے خود جوہری کو افضلیت ملتی ہے! یہ واقعات تفصیل سے بیان کرنا اس غرض سے ہے۔ کہ انسان کو حق و باطل ——— خیر و شر میں تمیز حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ اور وہ یہ تمیز حاصل کر کے حقیقی نفع ایک حقیقی "علم" حقیقی "عمل" حقیقی "سمجھ" حقیقی "فکر" حاصل کرنے میں اپنے لیے صحیح راہ پانے میں کامیاب ہو ——— بس ———

جیسا کہ بیان ہُوا۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب۔ کو دینوی عیاشانہ زندگی نے اللہ سے دُور کر رکھا تھا۔ اس نے زندگی کا ماحصل۔ شراب و راگ و رنگ کو ہی سمجھ رکھا تھا۔ اسے خدا کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ وہ اچھا تعلیم یافتہ تھا۔ شاعر بھی تھا۔ ادیب بھی تھا ——— وہ اپنی علمی قابلیت کے بھروسہ پر خدا کے نہ ہونے کی دلیلیں پیش کرتا تھا۔ کوئی عالم نہ اُسے قائل کر سکتا تھا۔ نہ اسے دلائل دے سکتا تھا ——— یہ حق بات نہ تھی ——— بلکہ اس کی دینوی آسودگی کا نتیجہ تھا۔ کہ وہ کسی ذات کا غلام بننے پر تیار نہ تھا۔ نہ اس کی ضرورت محسوس کرتا تھا ——— ان کے والد راجہ علی اکبر خان صاحب علاقہ کے بڑے جاگیرداروں میں سے تھے حکومتِ کشمیر میں مہاراجہ کے نزدیک انہیں باعزت مقام حاصل تھا۔ اکثر شہروں کی سیر و سیاحت میں وقت گزارتے۔ بہت بارعب شخصیت تھی۔ کوئی شخص ان سے آنکھیں چار کر کے بات نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی بڑے سے بڑا افسر بھی ان سے کھُل کر بات کرنے کی جرأت نہ کرتا ——— آپ بھی شراب کے عادی تھے۔ راگ و رنگ کو آپ بھی پسند کرتے۔ مگر آپ کا انداز شریفانہ تھا۔ پنجاب و ہند کے بڑے مشہور گویئے آپ کا نام سُنکر آتے۔ ہفتوں گانے کی محفلیں لگی رہتیں ——— اور جی بھر کر انعام حاصل کرتے راجہ صاحب فطرتاً سلیم الطبع۔ فیاض و مدبّر تھے۔ غرباء پرور تھے۔ غیور تھے۔ کہ کسی شخص کی بڑھائی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کا دوسرا پہلو عقیدت مندانہ بھی تھا۔ نماز۔ روزہ کے بھی پابند تھے۔ تہجد بھی ادا کرتے تھے۔ اہلحدیث مسلک بھی رکھتے تھے۔ اس کے باوجود آپ حضرت فقیر اللہ بکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت فقیر اللہ صاحب کشمیر اور صوبہ سرحد تک مشہور

ولی مانے جاتے تھے۔ اور تمام جاگیردار طبقہ ان کا مرید تھا۔ بلاشبہ فقیر اللہ صاحب بکوٹی زمانہ کے اولیاء میں بے مثال فقیر تھے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے تھے۔ کہ عالی جاہ سیّد نور الزمان شاہ صاحب بھی آپ کی تعریف فرماتے تھے۔ کہ "فقیر اللہ دُنیائے ولایت کی ایک آنکھ ہے۔"
راجہ صاحب کے تمام خاندان کی ان سے بیحد عقیدت تھی۔ بلکہ راجہ محمد لطیف خان صاحب کا خود بیان ہے۔ کہ ایک بار حضرت صاحب گھر تشریف لائے۔ تو میرے متعلق والد صاحب نے عرض کی کہ بچّے کے لیے دُعا فرمائیں۔ آپ نے مجھے گود میں لے کر فرمایا۔ کہ مُنہ کھول میں نے مُنہ کھولا۔ تو آپ نے میرے دہن میں تھوک ڈالا ــــ فرمایا یہ بڑا آدمی ہوگا ــــ آخر اس کی تعبیر پوری ہوئی۔ کہ جب مَیں نے پہلی بار انہیں مراقبہ کرایا۔ تو لطیف صاحب نے مشاہدہ میں دیکھا کہ حضرت صاحب بکوٹ والے اور حضور قبلہ عالم انہیں اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئے ــــ حضرت فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وفات پا چکے تھے۔ اِس کے باوجود اس خاندان کی آپ سے عقیدت قائم تھی۔ راجہ صاحب۔ اپنے خاندان کے حالات دیکھ چکے تھے۔ خاص کر گلنسار کے حالات ان تک پہنچ رہے تھے۔ اس کے باوجود آپ حضرت فقیر اللہ بکوٹی سے عقیدت میں قائم تھے۔ وہ حضور قبلہ عالم کی بیعت میں آنے پر تیار نہ ہوئے۔

ایک دن ہم مکان کے قریب باغ میں بیٹھے تھے طریقت سے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ راجہ صاحب تشریف رکھتے تھے۔ کہنے لگے آج رات ہم نے ایک عجیب کیفیت دیکھی ــــ کہ حضرت صاحب بکوٹ شریف والے تشریف لائے۔ اور مجھے ایک شراب کا گلاس دیا۔ مَیں نے وہ شراب کا گلاس پی لیا۔ اِس شراب میں ایسی لذت و سرور محسوس کیا۔ کہ مَیں نے عمر بھر ایسا سرور نہیں دیکھا۔ ابھی تک اس شراب کا نشہ مجھ پہ طاری ہے۔ ان کے خیال میں۔ انہیں یہ شراب حضرت صاحب نے پلائی۔ ان کے واقعہ سناتے ہی مَیں سمجھ گیا کہ شراب انہیں حضور قبلہ عالم نے پلائی۔ دورانِ گفتگو قبلہ سخی صاحب کا ذکر آیا ــــ راجہ صاحب نے طنز آمیز لہجہ میں کہا۔ مَیں اس عیسائی کو جانتا ہوں ــــ وہ بھی شرابی تھا ــــ مَیں اس کی فقیری کا قائل نہیں ــــ مَیں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ الفاظ میرے لیے حد درجہ

دلخراش تھے۔ مَیں راجہ صاحب کی عزت کرتا تھا۔ انہوں نے والد کی طرح مجھ پر شفقت کی تھی۔ مَیں برداشت نہ کرسکا۔ زبان سے سخت سُست الفاظ کہے اور وہاں سے اٹھ کر اندر چلا آیا۔ راجہ صاحب نے خلاف توقع میری زبان سے۔ سخت کلام سُن کر محسوس کیا۔ کہ مجھے ایسا کہنا نہیں چاہیئے تھا۔ خاموش ہو گئے۔ رات اپنے کمرے میں بیٹھے تھے پھر قبلہ سخی صاحب کا ذکر چھڑا۔ کہنے لگے مَیں حضرت صاحب بکوٹ والے سے بڑا کسی کو نہیں سمجھتا ـــــ مَیں گلنسار کے کمرے میں بیٹھا ہوُا تھا۔ کسی نے آکر ہم سے اس کا ذکر کیا۔ کہ راجہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم فقیر اللہ کے برابر کسی کو ولی نہیں سمجھتے۔ یہ سُنکر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جی میں آیا کہ ابھی انہیں دکھاؤں گا کہ محمدّ امین کی ہستی کیا ہے۔ مگر ان کی عزت مانع ہوئی۔ مَیں نے غصہ میں آکر کہا۔ جاؤ راجہ صاحب سے کہہ دو ـــ ہمارے پیر سائیں سہیلی کو مار بھگانے والے کو بھی بھگانے کی طاقت رکھتا ہے۔ ایسے سینکڑوں پیر میرے پیر کی پاکٹ میں پڑے رہتے ہیں ـــ مجھ پر غصہ طاری تھا۔ میرے سامنے کسی کو بولنے کی جرات نہ ہوئی سب ڈر گئے۔ کہ اس بات سے راجہ صاحب سخت ناراض ہوں گے۔ راجہ صاحب کو جب میرا پیغام پہنچا۔ تو وہ دیکھتے رہ گئے اور زبان سے کچھ نہ بولے۔ کافی دیر تک خاموش رہے۔ گلنسار کی والدہ نے راجہ صاحب سے پوچھا۔ نورالدین کی بات سُن کر آپ خاموش ہو گئے کہ کچھ کہہ نہیں رہے۔ راجہ صاحب نے کہا کہ مَیں حیرت میں ہوں۔ نورالدین نے جو بات کہی مَیں سکتہ میں آگیا۔ یہ بات سوائے میرے اور کسی کو معلوم نہیں۔ بات یہ ہے۔ چالیس سال قبل کی بات ہے جب مجھ پر میرے مخالفین (راجہ محمدّ افضل خان راجہ حیدر خان کے بھائی۔ اور راجہ علی بہادر خان وغیرہ) نے مقدمہ چلا رکھا تھا۔ یہ لوگ سائیں سہیلی کی زیارت پر حاضری دیتے تھے۔ صورت یہ تھی کہ باطن میں سائیں سہیلی ان کی مدد کرتا تھا جس کے نتیجہ میں۔ مقدمہ میں میرے خلاف فیصلہ دیا جاتا تھا۔ مقدمہ کی تاریخ سے ایک دن قبل مَیں تاریخ پر مظفر آباد چلا گیا۔ رات مَیں نے خواب دیکھا کہ سائیں سہیلی میرے مخالفین کو لے کر مجھ پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ مَیں خود کو اکیلا دیکھ کر گھبرا گیا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت صاحب بکوٹ والے تشریف لائے اور سائیں سہیلی انہیں دیکھتے ہی سب مخالفین کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور

مجھے تسلّی دی کہ گھبراؤ نہیں فیصلہ تمہارے حق میں ہو گا۔ دوسرے دن فیصلہ میرے حق میں ہو گیا۔ مَیں حیران ہوں کہ چالیس سال پُرانا واقعہ نورالدین کو کیسے علم ہُوا۔ حالانکہ اس وقت وہ پیدا بھی نہ ہُوا تھا۔ اب مجھے یقین آیا کہ نورالدین واقعی فقیر ہے۔ دوسرے دن رات کو گلنسار کو بلایا۔ کہا بیٹی مجھے درود شریف بتاؤ مَیں بھی پڑھوں گا۔ یہ دن تھا کہ اس گھر پر اللہ کی بے شمار نعمتیں نازل ہونا شروع ہو گئیں۔ راجہ صاحب نے مجھے بلالیا۔ اور معذرت کی۔ کہ مجھے علم نہ تھا غلطی سے بات زبان سے نکل گئی اور مجھ سے شفقت فرمائی کہنے لگے۔ اب مَیں بھی درود شریف پڑھوں گا۔ یہ امر میرے لیے انتہائی خوشی کا تھا۔ کہ راجہ صاحب نے میرے پیر اور قبلہ سخی صاحب کی عظمت کو تسلیم کر لیا۔

گلنسار کے آسمانِ ششم تک پے در پے مراتب و مشاہدات میرے لیے حیران کن تھے۔ اِس قدر فوری پرواز تعجّب خیز تھی۔ گلنسار کی نازک طبیعت سے میں واقف تھا۔ مجھے فکر لاحق ہُوا۔ مبادا کسی وقت کثرتِ انوار سے اس پر جذب طاری ہو جائے کیفیت میں آسمانِ ششم میں "نمازِ حقیقت" میں گلنسار پر جذب کی کیفیت طاری ہونے سے محسوس کرنے لگا۔ مجھے ڈر تھا کہ اس پر جذب طاری ہُوا۔ تو یہ لوگ ابھی طریقت سے واقف نہیں۔ کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ لڑکی پاگل ہو گئی۔ ان کے عقائد متزلزل ہو کر منحرف نہ ہو جائیں اور یہ لوگ ایسی نعمتوں سے محروم ہو جائیں۔ لہٰذا مَیں نے فیصلہ کیا کہ بہر صورت خود حاضر ہو کر ان واقعات کی اطلاع حضور قبلہ عالم کو کر دوں۔ اور ان کا بیعت ہونا بھی ضروری تھا۔ اِس لیے میں نے یہاں سے بھاگ نکلنے کا بہانہ بنا کر کہا کہ مجھے ضروری کام سے گھر جانا ہے۔ اب تم لوگوں کو بیعت ہونا ضروری ہے۔ اِس لیے مَیں پیر صاحب سے عرض کروں گا۔ یا تو وُہ خود تشریف لائیں گے۔ یا تمہیں ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہو گا۔ یہ لوگ خوش ہوئے کہ حضور قبلہ عالم یہاں تشریف لائیں گے۔ یہ فیصلہ کر کے مَیں گھر روانہ ہو گیا۔ بارہمولہ پہنچا۔ تو خیال آیا چلتے چلتے مَیں خط کے ذریعہ حالات سے آگاہ کر دوں۔ اتنی دیر میں گھر سے واپس ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ خوش قسمتی سے لفافہ میری جیب میں تھا بس میں بیٹھے بیٹھے مَیں نے مختصر حالات لکھے۔ اور خط ساتھ ہی لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ بس روانہ ہو

گئی۔ شام کو مَیں گھر پہنچ گیا۔ گھر پہنچ کر مَیں نے حفیظ صاحب سے ان واقعات کا ذکر کیا۔ انہیں بھی حضور قبلہ عالم کی خدمت میں چلنے کے لیے تیار کیا۔ اِس دوران میں نے راجہ زبردست خان صاحب کے گھر بار ہمولہ سے دس میل کے فاصلہ پر موضع چاشنی کسی کام سے جانا تھا۔ ہم گھر سے روانہ ہو کر سیدھے چاشنی چلے آئے۔ رات وہاں ٹھہرے۔ دوسرے دن صبح ہم واپس بارہمولہ پہنچے۔ یہاں سے ہم نے سوپور کے لیے لاری میں بیٹھ کر جانا تھا۔ مَیں لاری میں سوار ہُوا۔ تو غیر ارادی طور پر بس سے اُتر آیا۔ مَیں نے حفیظ صاحب سے کہا۔ تانگہ پر چلیں گے۔ تانگہ پر بیٹھے۔ پھر ایسا ہی ہُوا۔ کہ مَیں تانگہ سے اُتر آیا مَیں نے کہا یہ تانگہ ٹھیک نہیں ہے۔ اور کسی تانگہ پر بیٹھ کر جائیں گے۔ اِس خیال سے ہم نے دوسرے بازار کا رُخ کیا۔ بازار سے گزر رہے تھے۔ کہ سامنے راجہ عبدالحمید خان (گلنسار کا چھوٹا بھائی) فیروز خان کو کھڑا دیکھا۔ مَیں حیران ہُوا کہ انہیں میں اسلام آباد چھوڑ آیا تھا۔ یہ یہاں کیسے پہنچے۔ انہوں نے ہمیں دیکھا تو دوڑ کر ملے اور گھبراہٹ سے بولے۔ ہم آپ کا دیر سے انتظار کر رہے تھے۔ آپ کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ مَیں نے پوچھا خیر تو ہے۔ تم یہاں کیسے گلنسار ٹھیک تو ہے؟ کہنے لگے لطیف خان صاحب اور گلنسار ہوٹل میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ مَیں حیرت میں تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ہوٹل پر گئے تو دیکھا۔ یہ لوگ فکر مند حالت میں بیٹھے ہیں۔ راجہ صاحب نے شکایت کی آپ بہانہ بنا کر ہم سے بھاگ آئے۔ اور ہمیں مصیبت میں چھوڑ آئے۔ جلدی کریں ہمیں پیر صاحب تک پہنچا دیں۔ بظاہر گلنسار اچھی حالت میں نظر آتی تھی۔ مجھے گونہ تسلّی ہُوئی مَیں نے آنے کا سبب پوچھا تو راجہ محمّد لطیف خان صاحب نے واقعہ بیان کیا کہ تمہارے جانے کے بعد گلنسار پر مشاہدات کا سلسلہ جاری رہا۔ مَیں تو خود اجلاسِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلّم تک ہی جاتا رہا۔ گلنسار کو سات آسمانوں کی مکمّل سیر کرائی گئی مجھے پریشانی ہوئی۔ کہ آپ پہلے تو گلنسار کی راہنمائی کرتے رہے۔ اب یہ اکیلی گھبرا جائے گی۔ مگر پیر صاحب خود انہیں ساتھ لے جاتے رہے۔ کچھ دن مشاہدات میں توقف رہا۔۔۔ ہم خوش تھے کہ آپ پیر صاحب کو ساتھ لے کر آئیں گے۔ مگر ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔۔۔ کہ دوپہر کا وقت تھا۔ ہم سب کمرے میں بیٹھے آپ اور پیر صاحب کا ذکر کر

رہے تھے۔ اچانک دن کی روشنی میں۔ کمرے میں دُھواں چھا گیا —— ہم گھبرا گئے —— ابھی اُٹھنے نہ پائے تھے۔ کہ کمرے کی چھت پھٹتی نظر آئی۔ آسمان سے نور کا ایک دھارا اندر سیدھا آیا۔ اور گلنسار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور وہ بیہوش ہو گئی۔ مَیں نے اسے سنبھالا —— گھر کے سب لوگ کمرے میں داخل ہو گئے۔ سب رونے لگے۔ گلنسار کو دیکھ کر سب لوگ پکارنے لگے۔ یا محمّد امین صاحب بچایئے۔ یا نور الدین صاحب بچایئے۔ اندر والدہ نے گلنسار کی حالت دیکھی تو وہ برآمدہ میں گر کر بیہوش ہو گئیں۔ ہماری پکار کا اثر ہُوا۔ کمرے کا نُور کم ہُوا۔ گلنسار نیم بیہوشی کے عالم میں کافی دیر آہ آہ پکارتی رہی۔ آخر اس کی زبان سے بس پیر صاحب بس۔ اب مَیں برداشت نہیں کر سکتی۔ بس کیجیئے۔ کے الفاظ سُنتے رہے۔ اِتنی دیر میں گلنسار کو ہوش آیا۔ ہمیں گونہ تسلّی ہوئی۔ گلنسار کہنے لگی پیر صاحب نے تو مجھے مار ہی دیا تھا۔ مجھ پر شدید تجلّیات ڈالتے رہے۔ مَیں تجلّیات میں چکّر کاٹتی رہی۔ مجھے سخت تھکان ہوئی۔ بمشکل پیر صاحب نے تجلّیات سے نکالا۔ حکم دیا کہ مَیں تمہارے گھر آؤں! یا تم میرے پاس آؤ! تم میرے انتظار میں مزے سے بیٹھی ہوئی ہو۔ اب تیاری کرو —— فوراً میرے پاس پہنچو —— وہیں تمہاری بیعت ہو گی۔ جب تک تم ہمارے پاس نہیں پہنچتی۔ تب تک کوئی شے نہ کھانی ہو گی۔ ہم خود تمہیں کھلائیں گے۔ خبردار کوئی چیز کھائی تو پھر جذب میں آجاؤ گی۔ لہٰذا ہم تمہاری تیاری تک تمہارے پاس ٹھہریں گے۔ ابھی سے تیاری شروع کر دو۔ گلنسار نے راجہ لطیف خان۔ حمید خان۔ فیروز خان کو ساتھ تیار ہونے کو کہا۔ خود اندر گئی۔ دیکھا والدہ بیہوش پڑی ہیں۔ تھوڑی دیر توجہ دی تو انہیں ہوش آ گیا —— گلنسار کو ٹھیک دیکھ کر گلے لگا یا۔ اور کہا بیٹی شُکر ہے تم ٹھیک ہو۔ تم پیر صاحب کے گھر جا رہی ہو —— میری طرف سے اجازت ہے۔ جاؤ۔ راجہ صاحب سے بھی اجازت لے کر دی۔ وہ بھی یہ حالت دیکھ کر ششدر تھے۔ کہ یہ کیسے اسرار دیکھنے میں آتے ہیں۔ آدمی مدبّر تھا۔ حقیقت شناس تھا۔ انہوں نے بھی اجازت دی۔ گلنسار نے والدہ سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہُوا کہ مَیں پیر صاحب کے گھر جا رہی ہوں کہنے لگی۔ بیہوشی کے عالم میں پیر صاحب باہر سے اندر یہاں برآمدے میں تشریف لائے۔ اور مجھے حالات بتائے۔ فرمایا۔ ہم گلنسار کو لے جا رہے ہیں۔ آپ بالکل نہ گھبرانا۔ اسے پھر صحیح سلامت آپ کے پاس پہنچا

دیں گے۔ میں مطمئن ہوں تم بھی بے فکر ہو کر جاؤ۔ یہ ایک عجیب واقعہ تھا۔ کہ ایسے گھرانے میں اور خاص کر ایسے راجپوت جاگیردار گھرانے میں عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ کسی بڑی عورت کا اپنے عزیزوں کے گھر جانے کے لیے۔ مخصوص ڈولی یا پردہ میں بٹھا کر گھر کے خاص ملازم اُٹھا کر لے جاتے۔ وہ بھی رات کے اندھیرے میں۔ چھوٹی یا جوان لڑکیوں کو گھر سے باہر جانے کی اجازت دینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ مگر قدرت جسے ہدایت دے ــــ ایسے موقع پر کسی کے ذہن میں ایسا خیال ہی نہ اُبھرا۔ اب گلنسار سامانِ سفر تیار کرنے میں مصروف ہے۔ حضور قبلہ عالم محمد لطیف خان صاحب کے کمرے میں (رباطناً) تشریف فرما ہیں۔ گلنسار بار بار ہدایت لینے آتی ہے۔ اور کھُلی آنکھوں سے حضور کو دیکھ کر پوچھ رہی ہیں۔ ایک بار وہ رشید خان کی شیر خوار بچی کو گود میں لے کر حضور قبلہ عالمؒ کے پاس آئی۔ تو بچی پیر صاحب کی طرف لپکی جیسے وہ سمجھ رہی ہے۔ کوئی کرسی پر بیٹھا ہے۔ یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ کہ بچی حضور کو دیکھ رہی ہے۔ آخر عصر کے بعد سب تیار ہو کر پہاڑ سے نیچے شاہراہِ کشمیر پر آئے۔ یہاں سے تانگہ لیا۔ اور کشمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کافی دیر ہو چکی تھی۔ فیصلہ کیا کہ رات یہاں سے تیرہ میل کے فاصلہ پر چناری اپنے عزیزوں کے ہاں ٹھہریں گے۔ شام کے قریب چناری پہنچے۔ عزیزوں کا مکان لبِ سڑک تھا۔ یہ خاندان راجہ حیدر خان اور راجہ محمد افضل خان کا تھا۔ انہیں بھی معلوم ہو چکا تھا کہ یہ سب لوگ کشمیر کے پیر صاحب سے فیض حاصل کر چکے ہیں۔ گلنسار کے متعلق بھی انہیں علم ہو چکا تھا۔ وہ رات کے وقت گلنسار کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ ایسے موقع پر یہ لوگ کیسے گھر سے نکل کر یہاں آئے۔ کچھ گھبرا گئے۔ گلنسار نے مختصراً ذکر کیا کہ ہم کشمیر کے پیر صاحب کے گھر جا رہے ہیں۔ کچھ اپنے مختصر حالات بیان کیے۔ وہ بیحد خوش ہوئے۔ رات کھانے کا اہتمام ہوا۔ گلنسار نے کھانے سے انکار کر دیا۔ کہ مجھے کھانا کھانے کی اجازت نہیں۔ بہت اصرار کیا مگر اس نے معذوری ظاہر کی۔ اِس کیفیت کو دیکھ کر وہ بیحد متاثر ہوئے۔ رات گزاری عزیزوں سے رخصت چاہی۔ انہوں نے ناشتہ کے لیے زور دیا۔ سب کے لیے جلدی جلدی ناشتہ تیار کیا۔ گلنسار کو ناشتہ کے لیے کہا مگر اس نے پھر انکار کیا۔ آخر پھوپھی نے

بہت زور دیا کہ پیر صاحب سے اجازت لو۔ گلنسار نے حضور کو حجی کے اصرار پر مجبور کیا۔
حضور نے ایک چائے کی پیالی ایک انڈے کی اجازت دی۔ علی الصبح یہ لوگ روانہ
ہونے کے لیے سڑک پر اتر آئے۔ گھر والوں نے کہا ابھی تو اندھیرا ہے۔ اس وقت
لاری ملنا ممکن نہیں۔ لاری تو دن چڑھے آئے گی۔ گلنسار نے کہا ہم نے جلدی پہنچنا ہے۔
پیر صاحب کا حکم ہے۔ سڑک تک پہنچتے لاری آجائے گی۔ لاری کا بندوبست ہو چکا ہے۔
یہ لوگ سڑک پر پہنچے تو سامنے سے لاری آگئی۔ اور قریب آکر رُک گئی۔ سب لوگ لاری میں
بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ گلنسار کا کہنا ہے کہ سفر میں ہمارے سوا اور کوئی سواری نہ تھی۔
ہمارے دادا پیر صاحب عالی جاہ حضرت سیّد نورُ الزّمان شاہ صاحب بھی ہمراہ تھے۔
ایک جگہ مرد اور عورت پیدل سفر کر رہے تھے۔ تو حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ گلنسار دیکھو یہ
بھی اپنے پیر حضرت صاحب بنیاں والے کے پاس پیدل جا رہے ہیں۔ اور تم پیر کے
پاس جانے میں ہچکچاتے رہے۔ دیکھو ان کی پیر سے کتنی عقیدت ہے۔ صرف دُعا کے
لیے جا رہے ہیں۔ تم ان کا اپنے ساتھ موازنہ کرو۔ پھر تبسّم فرمایا۔ آخر رام پور (موہرہ)
اوڑی سے آگے سڑک کے کنارے گاؤں پہنچے۔ یہاں سے بارہمولہ تقریباً ۱۵ میل کے
فاصلہ پر ہے۔ حضور نے فرمایا اب ہم جا رہے ہیں۔ بارہمولہ اُترنا وہاں سے نورالدین
تمہیں اپنے ساتھ لے آئے گا۔ تم اس کا تھوڑی دیر انتظار کرنا وہ خود تمہارے پاس پہنچ
جائے گا۔ وہ بھی اسی علاقہ میں آیا ہے۔ تمہارے بارہمولہ پہنچنے تک وہ بھی پہنچ جائے گا۔
گلنسار کہنے لگی ہم آپ کے انتظار میں تھے۔ اب چلیں ہمیں پیر صاحب کے گھر پہنچا دیں۔

مَیں ان حیرت انگیز واقعات سے قطعی نابلد تھا۔ یہ حالات سُن کر مَیں کچھ سوچ بھی
نہ سکا۔ کہ یہ کیا اسرار ہیں —— بہر حال ہم نے تانگہ کیا اور سوپور کی طرف خوشیوں سے لبریز
دل لے کر روانہ ہو گئے۔

شاہراہِ کشمیر سے پانچ میل بائیں جانب تحصیل ہندواڑہ۔ سوپور کی طرف حضور قبلہ عالم
کے دولت خانہ۔ کپواڑہ۔ کا شیراہ کو راستہ جاتا ہے۔ اسی راہ ہم سوپور کچھ دیر ٹھہر کر کپواڑہ
پڑاؤ کی طرف تانگہ پر سوار ہو کر چلے۔ راستہ میں "درگ مولہ" گاؤں میں ایک نہر کے قریب

اُترے۔ کچھ سستائے۔ حقہ پیا اِدھر اُدھر گھومے اور پھر روانہ ہو کر کیواڑہ پہنچے۔ یہاں سے دو گھوڑے کرایہ پر لے کر گلنسار کو گھوڑے پر سوار کرکے کاشیراہ (جو سڑک سے تقریباً آدھ میل دُور اُونچائی پر واقع) حضور کے آستانہ پر پہنچ گئے۔ حضور قبلہ عالم اپنے مکان کے برآمدہ میں تشریف فرما تھے۔ ہم سب نے حاضر ہو کر السّلامُ علیکم عرض کی۔ حضور بعید تپاک سے ملے۔ مجھ سے فرمانے لگے۔ نورالدین انہیں ساتھ لاتے ہو۔ مَیں نے عرض کی ان کا حال ملاحظہ فرمائیے۔ لانا تو ضرور تھا۔ فرمانے لگے۔ اِن کو یہاں آنے میں کافی زحمت اٹھانی پڑی — مَیں نے عرض کی حضور ہی کا تو حکم تھا۔ آپ خاموش ہو گئے۔ ہمیں مکان کی دوسری منزل پر لا کر بٹھا دیا۔ ماسٹر غلام محمدؐ بھی حضور کی خدمت میں حاضر تھے۔ وہ بھی ہماری باتیں سن رہے تھے۔ ہم حجرے میں بیٹھے۔ تو ماسٹر صاحب کہنے لگے۔ یہ پیر ٹھگی کرتا ہے — یہ وقت تھا کہ کسی پیر کے متعلق اس کے مافوق العقل کمالات دیکھ کر ہمارے دلوں میں پیر سے متعلق جو عزت و عقیدت کے تصوّرات قائم ہوئے تھے۔ اس کے خلاف پیر کے کسی قریبی آدمی سے ایسے الفاظ سُن کر یہی اندازہ ہو سکتا تھا۔ کہ یہ شخص پاگل ہے۔ راجہ فیروز خان نے ماسٹر صاحب کے یہ الفاظ سُنے تو کہنے لگے۔ یہ شخص پاگل ہے پیر صاحب کے متعلق ایسے سخت الفاظ استعمال کر رہا ہے۔ سب ہی ماسٹر صاحب کو دیکھ کر یہی سمجھے کہ یہ شخص پاگل ہے۔ مَیں نے راجہ فیروز خان کے مُنہ پہ ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کر دیا — مبادا غصّہ میں کچھ اور کہہ جائے۔ مَیں اسے نہ روکتا تو ممکن تھا کہ فیروز خان اسے کھڑکی سے اُٹھا کر باہر پھینک دیتے۔ مَیں نے اسے کہا انہیں کچھ نہ کہو۔ یہ "ولی" ہے۔ وہ تعجّب سے اُسے دیکھ کر کہنے لگا۔ ولی بھی ایسی بات اپنے پیر کے متعلق کہہ سکتا ہے۔؟ ماسٹر صاحب خاموش نہ رہے کہنے لگے۔ مَیں ٹھیک کہتا ہوں۔ یہ پیر ٹھگی کرتا ہے۔ تمہیں تو پیر کہتا ہے۔ کہ ان کو زحمت کیوں دی۔ خط کیوں نہ لکھا۔ یہ ابھی برآمدہ میں بیٹھا بتا رہا تھا کہ مظفر آباد کے راجے اس وقت بارہمولہ پہنچے نورالدین کا انتظار کر رہے ہیں۔ نورالدین چاشنی سے بارہمولہ پہنچا۔ بارہمولہ سے روانہ ہوئے سوپورہ ٹھہرے۔ درگ مولہ ندی کے پاس تانگہ سے اُترے۔ ندی سے پانی پیا۔ راجہ صاحب نے حقّہ پیا — پھر تانگہ میں بیٹھ کر جب تم لوگ پہاڑی کے

نیچے تک پہنچے۔ پیر بتا رہا تھا۔ اور مائی صاحبہ اندر مراقبہ میں دیکھ رہی تھیں۔ تم قریب پہنچے تو یہ اب آپ کو ایسے ملتے ہیں۔ جیسے تم کو انہوں نے وہاں سے اٹھا کر نہیں لایا۔ تم خود آتے ہو ـــــ بتاؤ ـــــ خود تم سب کو گھر سے نکالا ـــــ اور یہاں کہتے ہیں تم کو زحمت ہوئی۔ یہ ٹھگی نہیں تو کیا ہے۔ میں خود بھی تم کو جگہ جگہ دیکھتا رہا ـــــ آخر! طریقت کا بھی ایک انداز ہے کہ فقیری کا بغیر مجاہدہ کے ملنا تصوّر میں نہیں آسکتا۔ چند دنوں میں اتنے عظیم مراتب کا پانا اور ان کا مشاہدہ کرنا۔ اس حال میں کہ مشاہدہ کرنے والے۔ اصل و نقل کی تمیز کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور مشاہدات جن کی دلیل ساتھ ساتھ مل رہی ہے۔ یہ کیفیات مافوق العقل بھی ہیں۔ قابلِ تسلیم بھی ہیں۔ کہ اس میں شک کی ذرّہ بھر گنجائش بھی نہیں۔ وہی آنکھیں۔ وہی کان۔ یہ بھی سُن رہے ہیں کہ "یہ پیر ٹھگی کرتا ہے" اور کہنے والا مشاہدہ کی تصدیق کرتا ہے۔ کہ تم فلاں جگہ ٹھہرے۔ فلاں جگہ یہ ہُوا۔ وہ ہُوا۔ تو اس میں بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ کہ واقعی یہ شخص پاگل ہے۔ یہ واقعات کا تضاد بھی ہے۔ جو یقیناً انسانی سمجھ سے ماورئی ـــــ ماورئی ہے۔ خیر اتنا ہُوا ـــــ ماسٹر صاحب کے بارے میں ان کا خیال بدل گیا۔ سمجھے کہ یہ مجذوب ہوگا۔ مگر ایسا بھی نہیں۔ وہ ہوش مند ہے۔ حضور اسے بلاتے ہیں۔ تو ادب سے غلاموں کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات کا سمجھنا عام عقل کے لیے ـــــ اور خاص کر جو اصل طریقت سے واقف نہ ہو۔ ناقابلِ فہم ہی تھے۔

راجہ محمّد لطیف خان۔ حمید خان۔ فیروز خان۔ میں۔ ماسٹر صاحب حجرے میں بیٹھ گئے۔ گلنسا، کو حضرت مائی صاحبہ کی خدمت میں حاضری کے لیے اندر بلایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حضور حجرے میں تشریف لائے۔ فراغت کے بعد میں نے تمام واقعات بیان کیے۔ حضور تمام واقعات خاموشی سے سنتے رہے۔ فرمانے لگے۔ تمہارا خط جو بارہمولہ سے ڈالا گیا تھا۔ ہمیں مل گیا۔ مجھے تمہارے اِس کارِ خیر سے بہت خوشی ہوئی ـــــ دیکھا! ـــــ ہماری تمہیں مظفر آباد بھیجنے میں کیا مصلحت تھی؟ ـــــ اچھا ہُوا تم چلے گئے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ محمّد لطیف خان صاحب جس وقت حضور سے ملے۔ تو مصافحہ کرتے وقت حضور کے سامنے جھک گئے۔ حضور نے فرمایا لطیف خان صاحب۔ سر کو نہ جھکائیں۔ دل کو جھکائیں۔ ان لوگوں

کے ذہنوں میں پیر سے متعلق جو تصوّر تھا۔ یہاں تو اس کے برعکس دیکھنے میں آیا حضور قبلہ عالم کی ہیئت ایک عام زمیندار جیسی تھی۔ وہ فقیرانہ لباس۔ یہاں ٹھاٹھ باٹھ۔ رُعب و دبدبہ کا تو نشان ہی نہ تھا۔ حضورؒ نے ان کی سادگی سے پذیرائی فرمائی۔ خود ان کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ نہ مرید۔ نہ خدّام۔ خود ہاتھ دُھلانا۔ کھانا سامنے رکھنا۔ اور خندہ پیشانی سے ہر شخص سے ملنا۔ ایک خدمت گار کی طرح۔ خدمات مہمانداری انجام دینا۔ یہ ایسا مظاہرہ تھا۔ جس سے ان کے دلوں میں حضور قبلہ عالم کی ذات کے لیے عقیدت و محبت کا لافانی جذبہ امڈ آیا ــــ یہ ایسا مظاہرہ تھا۔ جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ ایک اولوالعزم ولی کی شخصیت ایسی بھی ہوتی ہے! گلنسا۔ اندرون خانہ حضرت اقدس جناب محترمہ مائی صاحبہ کی خدمت میں پیش ہوئی۔ تو وہاں بھی ایسی ہی سادگی بجائے رعب کے ماں سے زیادہ شفقت دیکھ کر وہ اپنی تمام تکلیفیں بھُول گئی۔ اسے ایسا سکون ملا۔ جو ماں کی گود میں بھی میسّر نہیں آتا۔ آپ کی سادہ طبیعت دیکھ کر وہ بھُول گئی کہ مَیں کسی پیر کے گھر آگئی ہوں ــــ ماحول میں رُعبِ فقیری محسوس نہ ہُوا۔ تو کھُل کر حضرت محترمہ مائی صاحبہ سے ہم کلام ہوئی۔ آپ اس کی باتیں سن کر تبسّم فرماتیں اور خوش ہوتیں۔ گلنسا نے اپنی تمام داستان حضرت اقدس میں بیان کی۔ حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے فرمایا۔ ہمیں تمام حالات کا علم ہے ــــ آپ نے فرمایا کہ چند دن ہوئے۔ حضور قبلہ عالم کو نورالدین کا خط ملا۔ جو اس نے بارہمولہ سے بھیجا تھا۔ اس خط کا ذکر حضور قبلہ عالم نے ہم سے کیا اور خط میں تحریر مختصر حالات بیان فرمائے۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ جاگیردار ہیں۔ اور آپ بیعت کرنے یہاں آئیں گے ہم نے کہا کہ وہ لوگ جاگیردار ہیں۔ ان کا یہاں آنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ وہ کب یہاں آنا گوارا کریں گے۔ حضور فرمانے لگے۔ فقر میں جاگیرداری نہیں رہتی۔ انہیں بہت سے انعامات ملے ہیں۔ وہ ضرور آئیں گے۔ ہم نے کہا کہ دُنیا دار لوگ فقیری کی قدر کرنا نہیں جانتے۔ خواہ وہ کچھ بھی بنیں۔ یہ سُن کر حضُور جلال میں آگئے۔ فرمانے لگے۔ دیکھو ہم دکھلاتے ہیں وہ کس طرح یہاں آتے ہیں ــــ مراقبہ کریں۔ اور خود مشاہدہ کریں۔ ہم نے مشاہدہ کیا۔ تو خود حیران رہ گئے کہ اتنے وقفہ میں حضور نے تمہیں کہاں تک پہنچایا ــــ تمہارا تمام مراتب میں جانا ہم

نے مشاہدہ کیا — پھر فرمانے لگے۔ کیا اب بھی وہ فقر کی قدر نہ کریں گے۔ ہم نے پھر وہی بات دہرائی۔ جاگیردار لوگ اُونچے خیال کے لوگ یہاں آنا گوارا نہیں کریں گے۔ پھر زور دے کر فرمایا۔ اب دیکھو! تو ہم نے دیکھا کہ تم بھائی کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ حضور نے توجہ فرمائی۔ تو تم پر جذب طاری ہُوا۔ اور جو واقعات تمہیں پیش آئے۔ وہ ہم مشاہدہ کرتے رہے۔ تمہاری والدہ اندر مکان کے برآمدہ میں بیہوش ہوگئیں۔ تمہارے بھائی مونچھوں والے دراصل تماشا دیکھنے آئے تھے۔ وہ ابھی بھی یقین نہیں کرتے تھے۔ وہ بھی کمرے سے باہر پھینکے گئے اس وقت انہیں ہوش آیا۔ اور یقین کر لیا۔ اس کے بعد گھر سے روانہ ہونے سے لے کر یہاں پہنچنے تک حضور تمہارے سفر کے متعلق بیان فرماتے رہے۔ اور ہم بھی مشاہدہ کرتے رہے۔ بارہمولہ پہنچنا۔ نورالدین کا تم سے ملنا۔ سوپور پہنچ کر تانگہ میں سوار ہونا۔ درگہ مولہ میں ٹھہرنا۔ کپواڑہ پہنچ کر غرض یہاں پہاڑی کے نیچے پہنچے تو پیر صاحب فرمانے لگے اب نیچے پہنچ گئے بس کرو۔ اب خود ان کی حالت دیکھ لو گی۔ گلنسا یہ حالات سن کر سکتے میں آگئی۔ تمام واقعات اس کے علم میں تھے۔ وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکی۔ سر قدموں میں رکھ دیا۔ حضرت مائی صاحبہ نے سر اٹھا کر گلے لگایا۔ فرمایا تم بیحد خوش قسمت ہو — پیر صاحب کی تم پر خاص نظرِ عنایت رہی — اس اثناء میں حضور بھی اندر تشریف لائے۔ حضور قبلہ عالم اور حضرت محترمہ مائی صاحبہ کی سادگی دیکھ کر گلنسا کے دل سے پیرانہ رعب اُٹھ گیا۔ وُہ حضور سے آزادانہ انداز میں گفتگو کرنے لگی — شکایتی انداز میں بولی۔ پیر صاحب! میری تو بُری حالت ہوگئی۔ مَیں تو اس قدر مشقّت اُٹھانے کے قابل نہ تھی۔ آپ نے مجھ پر بہت زیادہ بوجھ ڈالا — حضور ویسے بھی حکم دیتے تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ یہ انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی — حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ مائی صاحبہ کہتی تھیں۔ کہ امیر کبیر لوگ ہیں۔ وہ کب یہاں آنے پر راضی ہونگے۔ یہ چیز تمہاری آزمائش کا سبب بنی۔ کہ یہ بھی دیکھ لیں کہ امیر کو جب انعام عطا ہوتا ہے۔ وُہ انعام کی قدر کرنا بھی جانتا ہے۔ تمہاری عقیدت قابلِ تعریف ہے۔ آزمائش یہی تھی کہ کیا تم اس انعام کی قدر کرنا جانتی ہو۔ یا نہیں۔ ہم جانتے ہیں تم آج تک گھر سے باہر نہیں نکلیں۔ مگر کیا تم ہمارے پاس آنے پر تیار بھی ہو — سو تم آزمائش میں پُوری اُتریں۔ کہ تم نے ہمارے پاس آنے میں اپنی خاندانی

برتری کا احساس نہ کیا۔ دوسرے اب تمہیں فقیری کی قدر بھی ہوگی۔ مفت انعام ملے تو اس کی ویسے بھی قدر نہیں کی جاتی۔ محنت سے حاصل کی ہوئی شے کی قدر و قیمت کا احساس ہو جاتا ہے ــــ حضور قبلہ عالم نے تمام مراتب کی سیر کے متعلق گلنسا۔ کو بتایا کہ تمہیں کیا کیا مشاہدات ہوئے۔ حضور نے بھی گلنسا۔ پر بیحد شفقت و عنایت فرمائی۔ گلنسا۔ نے حضرت محترمہ مائی صاحبہ سے عرض کی کہ میری والدہ مجھ سے بے حد محبت رکھتی ہیں۔ ان پر توجّہ فرمائیں۔ اور انہیں ہمارے یہاں بخیریت پہنچنے کی اطلاع دیں تاکہ انہیں تسلی ہو۔ حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے گلنسا۔ کو مراقبہ میں والدہ کی حالت مشاہدہ کرنے کے لیے فرمایا ــــ تو دیکھا والدہ گھر پر کمرے میں بیٹھی پریشان تھیں۔ حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے توجہ دی تو وہ بستر پر لیٹ گئیں۔ لیٹتے ہی خوابؔ کی کیفیت طاری ہوئی۔ دیکھا کہ محترمہ مائی صاحبہ۔ گلنسا۔ ان کے قریب آئے اور سب کی حضور قبلہ عالم کی خدمت میں بخیریت پہنچنے کی خبر دی۔ اور انہیں تسلی دی کہ آپ مطمئن رہیں۔ جلد ہی سب لوگ خیریت سے واپس پہنچ جائیں گے ــــ حضور قبلہ عالم ــــ محترمہ مائی صاحبہ نے نئے مہانوں کی اچھی طرح خدمت و دلجوئی فرمائی۔ انہیں یہ احساس نہ رہا کہ ہم کسی پیر کے گھر بحیثیت مرید حاضر ہوئے ہیں۔ حضور قبلہ عالم کی آزادانہ گفتگو اور سادگی نے ان کے دلوں سے ہیبت نکال کر محبت و عقیدت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ ہر شخص حضور سے گفتگو کرنے لگا۔ اور ہنسی مذاق میں وقت گزرا ــــ یہ دن ہماری زندگی کے لطیف و پُر مسرت دن تھے۔ یہ ساعتیں ہماری زندگی کی یادگار ساعتیں تھیں۔ حضور قبلہ عالم نے حد درجہ محبت و شفقت سے ہمیں نوازا ــــ یہ حقیقت ہے کہ کسی پیر کے سامنے رعب و دہشت کو تصور میں نہ رکھ کر جب اس سے شفقت و محبت کا اظہار ہو۔ تو لازمی طور دل میں ایک کیف مسرت پیدا ہوتا ہے ــــ یہ ایک لطیف کیف ہے۔ جو دل کی اصل غذا ہے ــــ اِسی غذا سے دل زندہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہم ایک ولی

لہ واپسی پر گلنسا۔ نے والدہ سے پوچھا ہمارے جانے کے بعد آپ نے کوئی خواب دیکھا؟ تو انہوں نے اس خواب کی تمام کیفیت بیان کی جو حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے گلنسا۔ کو مراقبہ میں مشاہدہ کرائی تھی۔

کے خوبصورت تصور سے ناآشنا تھے۔ فقیری سے ناآشنا تھے۔ اسرارِ ملکوتی کے تصورات سے ہم بے خبر تھے ـــــ ہمارے دلوں پر ناقص فقرا، کی دہشت طاری ہوتی تھی۔ ایسے میں ہمیں ایک حسین محبوب کی فراخدلانہ مسکراہٹ ملی۔ ہم اس حسین محبوب پر ہزار جان قربان ہوئے۔ ہمارے دل عشقِ پیر کی لذت سے جھومنے لگے ـــــ ہم دنیا کے غم و آلام سے بے نیاز اپنے محبوب کے گرد طواف کرنے لگے۔ ہم خوش تھے ـــــ بیحد خوش! ـــــ جیسے غمِ جہاں مٹ گیا اور اب پکار پکار کر کوئی کہہ رہا تھا۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ انہیں خوف ہوگا نہ غم۔ حقیقتاً اس آیت کی تفسیر کا یہی مقام ہے! ـــــ کسی محبوب کی محبت میں سرشار ہوکر۔ غم سے بے پرواہ ہوجانا۔ حضور قبلہ عالم ہم پر حد درجہ شفقت فرماتے رہے۔ اِس شفقت و دل جوئی میں جو کچھ آپ کی ذات سے ہم نے مشاہدہ کیا۔ یہ محبت و ایثار ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

حضور قبلہ عالم دوسرے دن ہمیں قریبی جنگل میں سیر کے لیے لے گئے۔ ہم سب بلا احساس پیری مریدی گھل مل کر گھومتے رہے۔ آپس کی گفتگو میں بھی آدابِ مریدی کا احساس نہ رہا۔ موسمِ بہار کا آغاز تھا۔ اس موسم میں پہاڑی علاقہ میں زمین سے گُچھیاں (ایک قسم کی بُوٹی جو ترکاری کے طور پر استعمال ہوتی ہے) پُھوٹتی ہیں ہم سب گُچھیاں تلاش کرنے لگے ـــــ یہ بُوٹی خاکی رنگ کی زمین کسی کسی جگہ پُھوٹ کر نکلتی ہے۔ اس کی تلاش میں جب تک زمین پر غور سے نہ دیکھا جائے۔ جلدی نظر نہیں آتی۔ اِس بُوٹی کی تلاش میں مقابلہ شروع ہُوا۔ ایک طرف ہم سب تلاش کرتے لگے۔ دوسری طرف گلنسا بیگم اور حضور قبلہ عالم۔ ہر شخص ایک دوسرے سے گُچھی حاصل کرنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضور قبلہ عالم اور گلنساء کا مقابلہ ہوتا ہے۔ جہاں کہیں گُچھی نظر آئی۔ دونوں معصُوم ہستیاں جھپٹ پڑتی ہیں۔ دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ گلنسا حضور قبلہ عالم سے سبقت لے جانا چاہتی ہے۔ بڑی کوشش سے چکر کاٹتی ہے۔ حضور تبسّم فرماتے ہیں۔ اور بغیر کوشش کسی نہ کسی جگہ انہیں گُچھی مل جاتی ہے۔ آخر نتیجہ نکلتا ہے۔ تو سب سے زیادہ گُچھیاں حضور حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر گلنساء ـــــ اور ہم میں کسی کے پاس ایک دو ـــــ اور کوئی خالی ہاتھ ـــــ بے جھجک قہقہے لگتے ہیں۔ اِس طرح

حضور قبلہ عالم جنگل میں سیر میں ہمیں بہلاتے ہیں۔ اس وقت ہمارا زہد — ہمارے مراقبے ہمارا مشاہدہ۔ ہمارے باطن کی سیر یکسر بھول جاتی ہے۔ عجیب کیفیت ہے۔ کہاں پیر کے سامنے مرید کو دم مارنے کی جرأت نہیں۔ کہاں مرید پیر سے سبقت لے جانے میں پیر سے مقابلہ کی جرأت کرتا ہے — دل غمِ دُنیا سے آزاد — بیحد مسرور — معلوم نہیں ہم کس دُنیا میں بس رہے ہیں۔ سُبحان اللہ۔ کیا پیری۔ اور کیا مریدی! — ہاں! — یقیناً یہ حقیقت کی تلاش کا حقیقی تصوّر ہے — جب تک ایک طالب کے قلب میں "حُبّ" کا تاثر پیدا ہو کر اپنے پیر کو محبوب بنانے کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا — تلاشِ حقیقت میں منزل کا پانا ممکن نہیں — بغیر حُبّ زہد و عبادت — رات جاگنا۔ فاقہ و محنت کا ملاً نتیجہ خیز نہیں۔

چند دن قیام کے بعد حضور قبلہ عالم نے واپسی کی اجازت مرحمت فرمائی اور بہ نفسِ نفیس۔ کپواڑہ قصبہ تک تشریف لائے۔ حضور قبلہ عالم خود تانگہ پر سامان لاد رہے ہیں۔ اور ہم مبہوت محوِ حیرت دیکھ رہے ہیں۔ قلب و ذہن پر ایسا اثر طاری ہے کہ نہ سوچ کام کر رہی ہے نہ کچھ کہہ سکتے ہیں۔ سکتہ طاری ہے کہ پیر خود ہمارا سامان اُٹھا رہے ہیں — اور انہیں اپنی پیری کا احساس تک نہیں۔ آپ نے نہایت شفقت و اعزاز سے ہمیں رخصت کیا۔ جس کے جواب میں ہم نے آنسوؤں سے دلی جذبات کو آنکھوں سے بہایا۔ ہم نے آج فراق کی لذت کو محسوس کیا۔ ہمارے دلوں میں اِس نقّاشِ فطرت نے ایسا محبت کا نقش اُبھارا جو ہماری زندگی تک نہ مٹ سکے گا۔

واہ رے صُورتِ گر فطرت یہ تیرا انتظام[ا]
مار ڈالا جب مجھے جینے کے قابل کر دیا

حضور قبلہ عالم نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں اِس قافلہ کو گھر تک پہنچا کر کچھ عرصہ ان کی راہنمائی اور تربیت کرتا رہوں۔ چنانچہ میں ان کے ہمراہ اسلام آباد (چکار) گھر تک

[ا] یہ شعر حضرت علاّمہ سیماب اکبر آبادی مرحُوم کا ہے۔ جس میں "انتظام" کی جگہ اصل لفظ "انتقام" ہے۔

آیا۔ اب اس گھر کا ماحول بالکل بدل چکا تھا۔ جہاں رات دن راگ و شراب کا دور چلتا تھا وہاں گھر کا بچہ بچہ درود شریف کا ورد کرتا نظر آتا تھا۔ گاؤں میں بھی لوگوں کو ان واقعات کا علم ہوا۔ تو وہ لوگ حیرت میں آئے۔ کہ کیا جاگیردار خاندان بھی فقیر بن گیا اور پھر اس فقیری میں حیران کن واقعات کا اظہار ہوا کہ کل کے شراب پینے والے آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پھر اس امر سے صاف کرامات ظاہر تھی کہ گلنسار جو قریب المرگ حالت میں تھی چند دنوں میں بغیر علاج صحت مند ہو گئی اور پھر حضوری صاحبِ مشاہدہ بن گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دور دور تک گاؤں کے لوگ یہاں آنے لگے۔ اپنی آنکھوں سے حقیقت دیکھ کر بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ ان میں مرد خواہش مند مجھ سے درود شریف کی اجازت لیتے اور عورتوں کو خود گلنسار بیگم درود شریف کی اجازت دیتی۔ یہاں تک کہ تمام علاقہ چکار میں سلسلہ کی شہرت پھیل گئی۔ اور لوگ دور دور سے راجہ محمد لطیف خان صاحب کے گھر آکر حقیقتِ حال سے آگاہ ہو کر درود شریف پڑھنے لگے۔ یہ لوگ بیعت کی خواہش رکھتے تھے۔ جس کے لیے ہر شخص قبلہ عالم کی زیارت کے لیے بیتاب تھا۔ اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ یہ گھرانہ ہدایت کا مرکز بن گیا۔ گھر کے تمام لوگ انتہائی مسرت کے ساتھ شب و روز اسی شغل میں گزارنے لگے۔

ایک دن جمعہ کی عصر کے وقت ہم راجہ محمد لطیف کے کمرے میں سلسلہ کے متعلق گفتگو میں مشغول تھے کہ اچانک صحن میں ہنگامہ سنائی دیا۔ ایک بچہ گھبرایا ہوا کمرے میں داخل ہوا ــــ کہنے لگا کہ گلنسار باجی کو کچھ ہو گیا۔ ہم باہر نکلے تو دیکھا گلنسار دیوانگی کے عالم میں ادھر اُدھر بے چینی سے گھوم رہی ہے۔ جیسے کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر مَیں پاس گیا۔ پوچھا تمہیں کیا واردات پیش آئی؟ کہنے لگی قبلہ پیر صاحب نے پریشان کر رکھا ہے۔ پیر صاحب اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام میرے سامنے آکر اپنے دستِ مبارک میری طرف کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں سے ایسی شدید تیز شعاعیں نکلتی ہیں جو مجھ پر ڈالی جاتی ہیں۔ کہ مَیں اس نور کو برداشت نہیں کرتی۔ مَیں ان انوار کی زد سے بھاگ کر دوسری طرف جاتی ہوں۔ تو دونوں حضرات جدھر مَیں جاتی ہوں سامنے آکر ہاتھ کی شعاعیں مجھ پر

ڈالتے ہیں۔ اِس وجہ سے مَیں بھاگ بھاگ کر تھک گئی ہوں۔ یہ حضرات میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ مَیں گلنسار کو راجہ صاحب کے کمرے میں لایا۔ تھوڑی توجہ دی اور مراقبہ کے لیے کہا کہ اجلاس محمّدی صلی اللہ علیہ وسلّم میں داخل ہو جاؤ۔ تو وہاں بھی حضور قبلہ عالم اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام تشریف رکھتے تھے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ یہ تمہاری غفلت کی سزا ہے۔ تم نے ہمارے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کی ـــــ ہم نے آج کے دن کے لیے وقت مقرر کیا تھا۔ کہ جمعہ کو ظہر کے وقت مراقبہ کرنا۔ تم نے خیال نہ کیا۔ لہٰذا اس طرح اب تمہیں تنگ کیا جائے گا ـــ گلنسار نے بتایا جب ہم حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے تھے تو حضور نے مجھے چند راز کی باتیں بتائی تھیں۔ ان میں یہ بات بھی بتائی تھی کہ آج کی تاریخ جمعہ کو مراقبہ کرنا ہم تجھے احدیتِ مجردہ کی سیر کرائیں گے۔ بدقسمتی سے میں بھول گئی۔ اب انہوں نے خود ہی مجھے اِس غفلت سے جگانے کا اچھا انتظام کیا ـــ اِس کے بعد حضور قبلہ عالم نے حکم دیا کہ آج رات تمہیں جاگنا ہوگا۔ نصف رات کے وقت ہم حاضر ہوں گے۔ تمہیں احدیتِ مجردہ میں لے جائیں گے۔ چنانچہ گلنسار نے سرِ شام ہی نصف رات مراقبہ کا انتظام شروع کیا۔ رات کھانا کھانے کے بعد اپنی بہنوں اور چھوٹے بھائی عبدالحمید کو کمرے میں اکٹھا کر لیا اور درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ اور کچھ چائے وغیرہ کا انتظام بھی کر رکھا۔ نصف رات ہوئی تو مجھے بھی بلا لیا۔ مَیں بھی گلنسار کے پاس آیا ـــ عین وقت پر مراقبہ شروع کرایا۔ حضور قبلہ عالم اسے اجلاس محمّدی سے اٹھا کر عالمِ علیا کی طرف لے گئے۔ کافی عرصہ تک گلنسار مدہوشی کے عالم میں رہی ـــ آخر سیر سے فارغ ہو کر ہوش میں آئی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ کسی طویل سفر سے تھک کر آئی ہے۔ تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ مگر اس کے چہرے پر پُراسرار خوشی جھلک رہی تھی ـــ کہنے لگی پیر صاحب نے پھر ایک بار سیر کرنے کے لیے حکم دیا مگر وقت نہیں بتایا فرمایا ہم خود تمہارے پاس آئیں گے۔ ـــ یہ واقعہ ہر شخص کے لیے محیر العقول۔ ناقابلِ فہم تھا۔ یقیناً ایسی فقیری کا اس سے قبل وہم وگمان بھی نہ تھا کہ اس طرح مشاہدات و مراتب کی سیر کی جاتی ہے۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

بیشک محب و محبوب میں جو سری "خفیہ" رابطہ ہوتا ہے۔ وہ ضابطہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ نہ کراماً کاتبین کی تحریر میں آسکتا ہے۔ کیونکہ سُبحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ ملائکہ ایسی کیفیات و تعلّق کا ادراک نہیں کر سکتے۔ بلا شبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی "جبرئیل" پر ہی عمل کرتے ہیں اور قرآن ہی شریعت و طریقت کی اصل سند ہے۔ مگر یہ بھی تو ہے کہ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔ اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بغیر جبرئیل کے واسطہ کے بھی کلام ہوتا ہے۔ جو قرآن میں درج نہیں۔ ایسے واقعات کا ظہور ہو تو ان کی دلیل قرآن سے نہیں مل سکتی بلکہ نہیں مل سکے گی۔ لہٰذا یہ قول کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ جس امر کی دلیل قرآن سے نہ ملتی ہو وہ قابل تسلیم نہیں۔ نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر بغیر دلیل تسلیم و یقین اسلام کی اوّلین شرط ہے۔ اِسی طرح علماء امّت اولیاء کاملین کے قول اور مشاہدات غیبی کے لیے قرآن سے دلیل نہ ملنے کی صورت میں بھی تسلیم و یقین لازمی ہے کیونکہ یہ امور متشابہات سے متعلق ہوتے ہیں جن کا علم رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کو حاصل رہتا ہے۔ یہی علم ماورائے عقل۔ مشاہدہ قلبی سے حاصل ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ۔ ہماری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے مانند ہیں۔ انہیں علم کے ساتھ معجزات عطا ہوئے۔ لہٰذا اُمّتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معجزات بنی اسرائیل حاصل ہونا از رُوئے حدیث یقینی ہے۔ جس کی مثال حضور قبلہ عالم کے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ گلنساء کے سامنے آکر یدِ بیضا کا مظاہرہ کرنے سے واضح ہو جاتی ہے۔ کہ جو نور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے یدِ بیضا سے نکلتا ہے وہی نور حضور قبلہ عالم حضرت محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک سے نکلتا ہے۔ یہ واضح مثال اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ کے لیے کافی دلیل ہو سکتی ہے۔

گلنساء کے احدیتِ مجردہ کی سیر کے بعد اب یہ صورت پیش آئی کہ اسے باطنی اہتمام

کے ساتھ مراتب کی سیر میں لے جایا جانے لگا۔ کہ ایک وقت اس پر بلا ارادہ اچانک غنودگی طاری ہوجاتی۔ خود حضور قبلہ عالم تشریف لاتے کہ تیار ہوجاؤ تمہیں مراتب کی سیر میں لے جانا ہے ـــ پرہیز کی پابندی ہے ـــ مراقبہ میں رہو ـــ بغیر اجازت کھانا پینا بند ہے۔ وقت آیا تو اس پر غنودگی طاری ہوگئی۔ بے ہوشی کے عالم میں مراتب کی سیر میں مشاہدات کرائے گئے۔ یہ مشاہدات تین تین دن تک جاری رہتے ـــ طویل اور مسلسل مراقبہ کی وجہ سے گلنسار مضمحل ہوجاتی تو حضورؒ سے التجا کی کہ اِس قدر طویل مشاہدات سے تھک جاتی ہوں۔ تو حضور قبلہ عالم کچھ وقفہ دیتے۔ کہ درمیان مراقبہ و مشاہدات دس منٹ کا آرام دیتے۔ اِس حالت میں یہ کیفیت ہوجاتی کہ اچانک غنودگی طاری ہوجاتی ـــ اور مراتب کی سیر شروع ہوجاتی ـــ آدھ گھنٹہ اِسی حالت میں گزرا کہ خود بخود ہوش آجاتا ـــ دس منٹ تک ہوش میں رہتی ـــ اور کبھی مراتب کے آثار بیان کرتی کہ کیا دیکھا۔ دس منٹ پورے ہوجاتے ـــ تو خود بخود بے ہوش ہوجاتی ـــ ایسے مشاہدات اکثر بستر پر لیٹ کر کرائے جاتے ـــ اور پھر آدھ گھنٹہ مشاہدات میں گزر جاتا۔ پھر ہوش آجانا ـــ یہی حالت دس منٹ آرام کے لیے ہوش میں آنا اور آدھ گھنٹہ مراتب کی سیر میں بیہوش رہنا۔ تین دن چار دن ـــ کبھی دو دن ـــ کبھی ایک دن تک رہتی ـــ ان اوقات میں حضور قبلہ عالم خود تشریف لا کر مراتب کی سیر میں لے جاتے۔ اِس حالت میں غالباً ایک ماہ گزرا کہ گلنسار نے عالم بالا کی کئی منازل طے کرلیں ـــ لیکن ان مشاہدات میں مراتب کے آثار عام لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے منع کیا گیا ـــ اس طرح راجہ محمدؐ لطیف خان صاحب ان کے بھائی راجہ محمد اصغر خان (بڑے بھائی) عبدالرشید خان۔ راجہ عبدالحمید خان۔ ان کے والد راجہ علی اکبر خان اور گھر کے تمام افراد نماز و روزہ کے شدت سے پابند ہوگئے ـــ اور کثرت سے علاقہ کے لوگ بھی یہاں آکر درود شریف کی اجازت لے کر سلسلہ سے منسلک ہوگئے۔ ہر شخص حضور کی آمد کا منتظر تھا کہ کب حضور قبلہ عالم تشریف لائیں تو سب لوگ بیعت ہوجائیں۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم کو اسلام آباد تشریف لانے کے لیے دعوت دی گئی۔ راجہ صاحب نے مجھے حضور قبلہ عالم کو لانے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ میں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں کاشیرہ شریف

درِ اقدس پر حاضر ہوا۔ حضور قبلہ عالم اس دن سخت بیمار تھے۔ آپ کو وجع الورق (شیاٹیکا) کی تکلیف تھی۔ چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ مَیں نے عرض کی حضور مجھے آپ کے لیے بھیجا گیا ہے۔ راجہ صاحب نے آنے کی دعوت دی ہے۔ آپ نے دعوت قبول فرمائی۔ رات حضور کی خدمت میں رہا۔ پریشان تھا کہ ایسی حالت میں حضور کیسے سفر کریں گے۔ کہیں زیادہ تکلیف کی وجہ سے آپ کا جانا ناممکن نہ ہو جائے۔ لیکن صبح نمازِ فجر کے وقت آپ حجرے میں تشریف لائے تو آپ کی صحت ٹھیک معلوم ہو رہی تھی۔ صبح ناشتہ کرنے کے بعد حضور سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ تقریباً چاشت کے وقت آپ گھر سے روانہ ہوئے۔ دو میل پر کپواڑہ سے گاڑی ملتی تھی۔ چنانچہ ہم گاڑی میں سوار ہو کر تقریباً دوپہر کے قریب شاہراہِ کشمیر پر، جو مظفر آباد۔ پنڈی کی طرف جاتی تھی۔ پہاڑی کے دامن میں سراں گاؤں میں اترے ــــ راجہ صاحب نے حضور کی تشریف آوری کے لیے پُورا انتظام کر رکھا تھا۔ اطلاع ملتے ہی گاؤں کے لوگ حضور کے گرد جمع ہو گئے۔ حضور گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ کے اُوپر تقریباً ایک میل اسلام آباد گاؤں تشریف لے گئے۔ یہاں پہنچتے ہی گھر کے سب لوگ حضور کے استقبال کے لیے آگے پہنچے تھے۔ راجہ علی اکبر خان صاحب نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام تھام لی اور حضور کو اندرونِ خانہ لے آئے۔ تمام گھر اور گاؤں میں خوشی اور جوش کی لہر دوڑ گئی ــــ اس دن حضور نے مکمل آرام فرمایا۔ دوسرے دن تمام گھر کے لوگ حضور سے بیعت ہوئے۔ اور گاؤں کے بہت سے لوگ بھی بیعت ہو گئے۔ دوسرے دن کثرت سے لوگوں کا ہجوم رہا۔ لوگ حضور قبلہ عالم کی زیارت و ملاقات کے لیے دُور دُور سے آئے ــــ شام ہو چکی تھی حضور قبلہ عالم راجہ محمد لطیف کے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ مَیں۔ راجہ فیروز خان اور چند مہمان گاؤں کے دوسرے کمرے میں بیٹھے تھے ــــ سامنے برآمدہ تھا اور مکان کے آگے وسیع باغ و صحن تھا۔ ہم لوگ کمرے میں محوِ گفتگو تھے کہ اچانک گلگسار کمرے میں بھاگ کر اندر آئی ساتھ ہی ایک زوردار پتھر دیوار سے جا لگا۔ بعض لوگ گھبرا کر باہر نکلنے لگے۔ انہیں گمان ہوا کہ شاید راجہ صاحب کے مخالفین نے اچانک حملہ کیا ہو گا۔ مگر گلگسار نے سب کو باہر جانے سے روکا۔ اور تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ سب لوگ آرام سے بیٹھے رہیں ــــ کچھ دیر خاموشی رہی ــــ

آخر میں نے گلنسار سے دریافت کیا کہ یہ پتھر کہاں سے آیا۔ اس نے کہا۔ کہ یہ ماجرا پیر صاحب کے سامنے بیان کروں گی۔ لڑکی بہت دلیر تھی۔ اس کے بشرے سے خوف کے آثار ظاہر نہ ہوتے تھے۔ ساتھ ہی حضور دوسرے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ حضور نے گلنسار کو دیکھ کر فرمایا۔ کچھ واردات تو نہیں ہوئی تو گلنسار نے عرض کی کہ ابھی ایک عجیب واقعہ دیکھنے میں آیا کہ اندھیرے میں صحن میں کوئی شخص آتا دکھائی دیا۔ قریب سے دیکھا تو ایک خوفناک شکل دکھائی دی۔ میں کمرے کی طرف بھاگی۔ وہ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر اُسے موقع نہ مل سکا۔ جاتے میں ایک پتھر اُٹھا کر مجھ پر مارا۔ میں کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔ پتھر کمرے کے اندر دیوار سے ٹکرا کر گرا مگر کسی کے نہ لگا۔ حضور متبسّم ہوئے۔ فرمانے لگے۔ یہ تمہارا قدیمی دوست تھا۔ تم نے اس سے بیوفائی کی۔ اسے بہت رنج پہنچا ہے۔ یہ شیطان تھا۔ اِس کو تمہارے فقیر ہونے کا بہت رنج ہُوا اور کچھ نہ کر سکا جاتے میں وار کر گیا۔ خیر یہ شیطان ہی ہے مومن اس کے شر سے محفوظ ہوتا ہے۔ فکر کرنے کی بات نہیں۔ گلنسار نے کہا مجھے اس کے متعلق پہلے ہی علم ہو چکا تھا۔ عرض کی حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے دو ملائکہ میری مدد کے لیے عنایت کیے تھے۔ جس وقت ان کی ضرورت ہو تو سُبْحَانَ الْهَادِیْ مَنْ یَّشَآءُ سُبْحَانَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمِ پڑھو اسی آن یہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ شیطان کی خوفناک شکل دیکھتے ہی میں نے وظیفہ پڑھا۔ تو ملائکہ سامنے پہنچے۔ انہوں نے بتایا یہ شیطان ہے میں نے شیطان پر توجّہ ڈالی وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا مگر جاتے میں مجھ پر پتھر کا وار کیا۔ بس میں نے ملائکہ کو واپس جانے کے لیے کہا۔ وہ اسی آن واپس ہو گئے۔ میں کمرے میں دوڑ کر چلی آئی۔ حضور نے تبسّم فرمایا۔ گلنسار سے بہت خوش ہوئے۔ کمرے میں راجہ علی اکبر خان صاحب۔ راجہ محمّد لطیف خان صاحب اور دوسرے بھائی اور بھی چند مہمان حضور کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ وہ یہ واقعہ سُنکر حیرت میں آگئے۔ اور اس واقعہ سے بیحد متاثر ہوئے۔ حضور کی عزّت واحترام ان کے دل میں شدّت سے جاگزیں ہُوا۔ ان کے لیے یہ محیر العقول واقعہ تھا۔ جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔ کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ تین دن حضور قبلہ عالم نے یہاں قیام فرما کر واپسی کا ارادہ فرمایا۔ حضور کی واپسی کا سُن کر ہر شخص پر پریشانی طاری

ہونے لگی۔ جیسے حضور مدتوں اس گھر میں رہتے ہوں اور آج جُدائی کا صدمہ ناقابلِ برداشت ہو رہا ہے۔ سب نے چند دن مزید قیام کی درخواست کی۔ راجہ صاحب اور گلنسا نے بھی سخت منت کی۔ لیکن حضور نے اپنا فیصلہ تبدیل نہ فرمایا۔ رات سب نے بے چینی میں گزاری۔ گھر کے سب چھوٹے بڑے حضور کی خدمت میں ساری رات بیٹھے رہے۔ دوسرے دن صبح تقریباً چاشت کے وقت حضور یہاں سے رخصت ہو کر روانہ ہو گئے۔ آپ کا گھر سے روانہ ہونا تھا کہ گھر میں کہرام مچ گیا۔ سب عورتیں ۔ بچے ۔ مرد زار و قطار رونے لگے۔ راجہ صاحب کا مکان پہاڑ کے عام راستے سے ہٹ کر واقع تھا۔ یہاں پردے کی شدت سے پابندی رہتی تھی۔ لیکن اس وقت کسی کو ہوش نہ رہا۔ سب لوگ حضور کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئے ۔ حضور قبلہ عالم یہ منظر دیکھ کر بہت متاثر ہوئے ۔ کہ ان لوگوں کے دلوں میں پہلی ملاقات میں کس قدر محبت و احترام کا جذبہ پایا جاتا تھا ۔ بالآخر حضور نے سب کو ساتھ جانے سے روکا۔ گلنسا ، اپنے پیر کی جُدائی کے احساس سے بیمار ہو گئی ۔ وہ بھی گریہ کناں باہر نکل آئی اور پہاڑ کے ایک کنارے بیٹھ کر حضور قبلہ عالم کو دیکھتی اور روتی رہی ۔ حضور قبلہ عالم پہاڑ سے اُتر کر سڑک پر شاہراہِ کشمیر پر پہنچے اور بس (گاڑی) کا انتظار کرنے لگے۔ ان کے ساتھ راجہ اصغر خان ۔ عبدالرشید ۔ فیروز خان اور بھی چند ملازم نیچے تک آئے ۔ اصغر خان پر تو دیوانگی طاری ہو گئی ۔ وہ راستہ میں بھی روتا رہا۔ اور کہتا کہ میں پیر صاحب کو بس میں بیٹھنے نہیں دُوں گا جو انہیں لے جائے اس بس کو پتھر مار کر توڑ دوں گا۔ بہر حال بس کا انتظار ہونے لگا۔ بسیں آتی ہیں۔ مگر کوئی بس رکتی نہیں۔ سیدھا نکل جاتی ۔ یہاں تک کہ دوپہر کا وقت گزرنے لگا۔ وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ اُمید نہ رہی کہ راولپنڈی کی طرف سے کشمیر جانے والی کوئی بس ملے۔ حضور اُوپر غمناک منظر دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ کسی سے بات نہ کی ۔ آخر سب نے فیصلہ کیا کہ اب اُوپر واپس جانا چاہیئے۔ اور پیغام دیا کہ فوراً گھوڑا بھیج دیں۔ نیچے سڑک سے اُوپر پہاڑ کی طرف دیکھو تو اسلام آباد گاؤں نظر آتا ہے۔ گلنسا ، اور گھر کی چند لڑکیاں اُوپر ٹیلے پر بیٹھی نظر آ رہی ہیں۔ اچانک حضور کی نظر ٹیلے کی طرف اٹھی۔ پوچھا اس ٹیلے پر کون بیٹھا ہے ۔ میں نے عرض کی گلنسا ، اور لڑکیاں بیٹھی ہیں۔ یہ کہہ کر حضور مجھ سے

مخاطب ہوئے اور فرمایا ہم نیچے کھیتوں کی طرف جاتے ہیں۔ تم ابھی انتظار کرو۔ شاید کوئی گاڑی آئے اُسے روکو۔ سب لوگ خوش تھے کہ اب حضور کے واپس جانے کی گنجائش نہیں۔ بازار سے سودا سلف لینے لگے۔ حضور تھوڑی دیر نیچے کھیتوں میں اُتر کر پیشاب کے لیے بیٹھے۔ اچانک بس چلنے کی آواز آئی۔ میں راستہ میں کھڑا ہوگیا تو دیکھا کہ ایک پٹرول کا ٹینکر آرہا ہے۔ میں مایوس ہُوا کہ پہلے بس والے نہیں بٹھاتے۔ ٹینکر والا تو مشکل سے جگہ دے۔ میں نے لاری کو روکنے کا اشارہ دیا لاری رُک گئی۔ اتنی دیر میں حضور بھی قریب پہنچ گئے۔ ڈرائیور نے بغیر پوچھے کلینر کو نیچے اُتار دیا اور حضور کو اپنے ساتھ بٹھادیا۔ کلینر کو کہا کہ تم پیچھے کھڑے رہو۔ میں بھی پیچھے لوہے کے جنگلے میں گھس کر بیٹھ گیا۔ بس آناً فاناً گاڑی روانہ ہوگئی۔ سب لوگ حیرت و پریشانی میں مُنہ دیکھتے رہے۔ خدا خدا کر کے ہم بارہمولہ پہنچے[1]۔

---

[1] حضور قبلہ عالم جب دوسری بار اسلام آباد تشریف لائے تو گل نسار حضورؒ کے پیش ہوئی۔ حضورؒ گل نسار کو دیکھتے رہے۔ اور گل نسار نادم ہو کر حضور کو دیکھتی رہی۔ حضور نے فرمایا گل نسار تم بہت ذہین اور مدبّر ہو۔ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ میرے فیصلہ میں کوئی حائل ہونے کی جرأت بھی کرسکتا ہے۔ تم نے مجھے روکنے کی اچھی تدبیر نکالی تھی۔ لیکن پیر صاحب مجھے خلافت دے چکے ہیں۔ اب میرا ہی حکم چلتا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں میرا اختیار ہر امر پر غالب ہے۔ تم نے غلطی کی تھی۔ ہمارا فیصلہ باطن کے تحت ہوتا ہے۔ ورنہ میں تمہارے جذبات اور گریہ کو دیکھ کر رُک سکتا تھا۔ لیکن ہر قدم باطن کے تحت اُٹھتا ہے۔ تم نے زبردست حملہ کیا تھا۔ آخر ہم جانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ گل نسار نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے۔ کمرے میں راجہ صاحب۔ لطیف صاحب اور بھی چند آدمی بیٹھے تھے۔ ہم اس گفتگو کو قطعاً نہ سمجھ سکے کہ گل نسار نے پیر صاحب پر حملہ کردیا۔ یہ عجیب بات تھی جس کا سمجھنا ہمارے عقل و علم سے باہر تھا۔ گل نسار نے عرض کی۔ اس کے لہجہ میں کچھ شکایت کے تاثرات تھے۔ آپ کا دل ہماری حالت دیکھ کر بھی نرم نہ ہُوا۔ میں بے بس تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ کے فراق میں۔ میں رات نہیں گزار سکتی۔ اچانک میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ دادا پیر سے شکایت کروں۔ ان سے ہی مدد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہاں سے شاہراہِ کشمیر چھوڑ کر بائیں جانب قصبہ سوپور کی بس میں بیٹھ کر سوپور پہنچے۔ یہاں خواجہ عبد الکریم صاحب حضور قبلہ عالم کی آمد کے منتظر تھے۔ حضور سے ملے۔ حضور سوپور بازار میں ایک مرید کے ہاں دوکان پر تشریف لائے۔ خواجہ عبد الکریم صاحب سے فرمایا۔ خواجہ صاحب مراقبہ کریں اور گلنسار کی حالت کا مشاہدہ کریں۔ کس حال میں ہے۔ خواجہ صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۹)

مانگوں۔ میں نے ٹیلے پر بیٹھے بیٹھے مراقبہ میں دادا پیر صاحب سے استدعا کی انہوں نے بھی آپ کو دیکھا اور مجھے ہنستے ہوئے حکم دیا کہ لاری والوں کو یہاں ٹھہرنے نہ دو۔ حضور عالی جاہ بھی میری حرکت دیکھ کر مسکراتے رہے۔ جب سب لوگوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ میں خوش ہوئی کہ اب آپ واپس آئیں گے۔ میں خوشی میں گھر کے اندر چلی آئی اور انتظار کرنے لگی مگر جب سب لوگ واپس آئے۔ تو آپ ان میں نہ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اچانک ایک ٹیکسی آیا اور آپ اس میں بیٹھ کر چلے گئے۔ اس وقت عالی جاہ شاہ صاحب پھر سامنے ہوئے۔ ہنستے ہوئے فرمایا مرید کتنا چالاک ہو مگر پیر ایک گر مُرید سے چھپا کر رکھتا ہے۔ دیکھو محمد امین اپنا گُر چلا کر نکل گئے۔ یقین جانیں! اگر حضور عالی جاہ سامنے نہ ہوتے تو شاید میں برداشت نہ کر سکتی۔ تاہم میری پریشانی کافی دنوں تک مجھے عذاب میں رکھے رہی۔ میں مجبور تھی۔ میں اپنی گستاخی کی معافی چاہتی ہوں۔ حضور نے سر پر دستِ شفقت فرمایا۔ تمہاری محبت تمہارے آڑے آئی۔ ہم نے گھر جاتے ہی تمہاری تسکین کا انتظام کر دیا تھا۔ ہم تمہیں اس حال میں مرنے نہ دیتے۔ خیر اس حال میں ہم تم سے خوش ہیں مگر آئندہ پیر کے مقام کا خیال رکھو۔ ایسی حرکت نہ کرنا۔ جو پیر کی شان کے خلاف ہو۔ بات ہم سب کو سمجھ آئی۔ ہم ششدر و حیران تھے۔ کہ ولی اکمل محمد امین صاحب کی فقیری میں کیا کیا اسرار پائے جاتے ہیں۔ اس واقعہ سے ہمارے دلوں میں حضور قبلہ عالم کی محبت نے حقیقی اثر پیدا کیا۔ اور ہمیں پیر سے محبت کی اصلی حقیقت سے آگاہی ملی کہ ولی اکمل کی کیا شان ہوتی ہے۔ اور اصل فقر ولی کی محبت ہی ہے۔ اور آج حضور نے بھی اسلام آباد میں ایک عیاش جاگیر دار خاندان میں حقیقی محبت کا مظاہرہ دیکھا جس کو آپ ہمیشہ یاد کرتے رہے۔ اسی محبت نے آگے چل کر اس خاندان کو وافر نعمتوں سے نوازا۔

نے مراقبہ کیا۔ کہنے لگے۔ لڑکی اضطراب میں ہے۔ اجلاس میں رو رہی ہے۔ حضور نے فرمایا وہ لوگ ہماری جُدائی سے پریشان ہیں۔ خواجہ صاحب نے گلنسار کا مشاہدہ بند کرنے کے لیے اس پر نقاب ڈالنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ لڑکی مجذوب ہو جائے گی۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توجّہ فرما کر سکون دیا۔ پیر صاحب اس واقعہ سے بیحد متاثر ہوئے۔ اِس دوران آپ نے بہت کم کلام فرمایا۔ مَیں نے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ پوچھا اب تم گھر جاؤ گے؟ مَیں نے عرض کی کہ کافی عرصہ میں گھر سے باہر رہا ہُوں۔ حضور دوکان سے اُٹھ کر گھر جانے کے لیے اڈے کی طرف روانہ ہو گئے۔ بازار کے درمیان دریا بہتا تھا۔ حضور پُل عبور کرنے لگے۔ مَیں نے وقت کی نزاکت دیکھ کر عرض کی کہ حضور اجازت دیں۔ مَیں یہ کاروباری فکر چھوڑ کر سلسلہ کے فیض کا اجرا کرتا رہوں۔ حضور نے پیچھے گھوم کر مجھ پر نظر ڈالی۔ چند لمحے خاموش رہے۔ فرمانے لگے نورالدین ہم تم سے بہُت خوش ہیں۔ تم چاہو دین کا کام کرنا تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ مَیں نے عرض کی کہ حضور درود شریف بتانا ہی کافی نہیں۔ لوگوں کو مشاہدہ بھی ہونا چاہیئے تو ابھی مجھ میں اس کی پوری صلاحیت نہیں ـــ حضور نے جلال میں فرمایا۔ جاؤ جسے بٹھاؤ اسے مراتب بھی ملیں گے مگر آدمی دیکھ کر لیا کرنا۔ یہ باتیں پُل کے درمیان میں ہوئیں۔ پُل عبور کرنے کے بعد مَیں نے محسوس کیا جیسے حضور نے مجھے زمین سے اُٹھا کر آسمان میں پہنچا دیا۔ بس "یہ کلمہ" معجز نما تھا جس کی تاثیر مَیں نے پائی۔ مَیں اگرچہ تزکیہ و آدابِ طریقت پر پورا نہ اُتر سکا۔ لیکن میرا دعویٰ ہمیشہ پُورا ہُوا۔ اکثر لوگ خود بخود حضوری ہوتے رہے۔ اور کبھی کسی کو تھوڑی سی توجّہ دی اسی وقت حضوری ہُوا۔ حضور قبلہ عالم نے نہایت شفقت و مہربانی سے رخصت کیا۔ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ اسلام آباد جا کر ان لوگوں کی تربیت اور نگرانی کرتے رہو۔ یہاں سے رخصت ہو کر مَیں نعمتوں سے مالا مال گھر واپس لوٹا۔

کچھ عرصہ بعد پھر مَیں اسلام آباد چلا گیا۔ وہاں حالات پُرسکون تھے۔ اور طریقت کا سلسلہ زور و شور سے جاری تھا۔ علاقہ چکار کے لوگ جوق در جوق راجہ صاحب کے گھر آتے اور سلسلہ میں داخل ہونے کی استدعا کرتے۔ انہیں درُود شریف بتایا جاتا اور بیعت

کے لیے آئندہ حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری تک انتظار کرنے کی ہدایت کی جاتی۔ علاقہ کی عورتیں گلنسار سے درود شریف لیتیں۔ حضور قبلہ عالم نے خصوصی طور اسے بیعت کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ مگر گل نسار عورتوں کو بیعت کرتی اور مردوں کو حضور سے بیعت کرنے کے لیے کہا جاتا۔ سلسلہ کی وسعت کے مدِّ نظر فیصلہ ہُوا کہ حضور قبلہ عالم کو دوبارہ مدعو کیا جائے۔ چنانچہ اس بار حضور قبلہ عالم کو لانے کے لیے راجہ محمد اصغر خان کو بھیجا گیا۔ دوسرے ہی دن حضور قبلہ عالم اسلام آباد پہنچے۔ علاقہ کے لوگوں کو علم ہُوا۔ تو لوگ جوق در جوق زیارت کے لیے آتے اور بیعت ہوتے رہے۔ تین دن مسلسل بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس اثنا میں علاقہ چکار کے لوگوں نے حضور کو گاؤں تشریف لے جانے کی دعوت دی۔ حضور نے قبول فرمائی ــــ حضور کی شہرت سُن کر لوگوں کو آپ کے دیکھنے کا شوق ہُوا کہ دیکھیں یہ کونسی ہستی ہے۔ جن کا دعویٰ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل کسی فقیر نے نہ ایسا دعویٰ کیا نہ ایسا کرنے کی جرأت کی۔ سوائے اس کے کہ فقرار آتے تو لوگوں کو دل کی باتیں بتاتے اور بیماروں کو آناً فاناً ٹھیک کر دیتے۔ لوگ ایسے فقیروں کو مدعو کرتے لنگر چلاتے اور کثرت سے لوگوں کا ہجوم ہوتا۔ دُور دُور سے لوگ بیماروں کو لاتے اور وہ صحت مند ہو جاتے اور یہ فقیر نذرانہ میں کثیر دولت جمع کر کے لے جاتے۔ لیکن کسی فقیر نے زیارتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرانے کا دعویٰ نہ کیا۔ یہاں حضور قبلہ عالم کے ہاں تعجب اور حیرانی کا یہ عالم ہے کہ ان لوگوں کو زیارت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی جو دُنیا کی بدکاری۔ شراب نوشی وغیرہ میں مست و مدہوش تھے۔

شیرو ڈاکو کا مرید بن کر ولایت سے سرفراز ہونا

لوگ ظاہری حالات دیکھ کر یقین کرنے پر مجبور تھے۔ لیکن اس گھرانے کے حالات سے آگاہ ہونے پر یقین کرنا بھی مشکل تھا۔ کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ تاہم ظاہری حالات نے لوگوں میں شوق پیدا کر دیا کہ وہ حضور قبلہ عالم کی ذاتِ والا کا بچشم خود مشاہدہ کریں۔ ویسے ابتدائی ملاقات میں لوگ شک میں مبتلا ہوتے۔ لیکن جب حضور کی صحبت میں بیٹھ کر آپ کے

واعظ سُننے تو حیران رہ جاتے اور حضور کی عقیدت و عزت ان کے دلوں میں پیدا ہوتی۔ اکثر لوگ ایک ہی صحبت میں بیٹھ کر بیعت ہو جاتے۔

راجہ صاحب کے دوستوں میں علاقہ چکار کے ایک مستری لالہ وارث علی پٹھوار (راولپنڈی) کے علاقہ کے یہاں مقیم ہو گئے تھے۔ اعلیٰ پایہ کا انجنیئر اَن پڑھ تھا۔ راج مزدور کا کام کرتا تھا۔ مگر کام انجنیئر کے برابر ہوتا۔ حکمت کے بھی ماہر تھے۔ یہ راجہ صاحب کے قریبی دوست بھی تھے۔ اس نے بھی سُنا کہ اسلام آباد میں اکثر لوگ فقیر ہو گئے۔ وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ سُورج کبھی مغرب سے طلوع نہیں ہوتا۔ میرے متعلق اسے کہا گیا کہ راجہ لطیف خان کا دوست نورالدین یہ سلسلہ لایا ہے۔ سب درود و نماز پڑھتے ہیں۔ حمید خان اسے ملنے گیا۔ وہ بچہ تھا اس نے سادگی میں کہا ـــ گھر میں لطیف خان۔ گلنسا۔ امجد "چھوٹا بچہ" درود شریف پڑھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں۔ لالہ وارث علی نے راجہ صاحب کو چٹھی لکھی کہ ہوشیار رہیں آپ کے گھر میں کسی سازش نے جنم لیا ہے! اس کے ساتھ ہی خود حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے اسلام آباد آیا۔ مَیں پیشتر ازیں لالہ وارث علی خان کو جانتا تھا وہ بھی مجھے جانتا تھا۔ ہم سب لڑکے رات بھر تاش کھیلتے رہتے تھے۔ ہر وقت ناچ گانے میں مشغول رہتے البتہ اللہ کا فضل تھا کہ مَیں روزہ کا سخت پابند تھا۔ کبھی نماز میں کوتاہی ہو جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے شراب سے محفوظ رکھا۔ مَیں بھی شب و روز راجہ صاحب کی محفل میں شامل رہتا۔ لالہ وارث علی کے نزدیک اگر فرشتہ آ کر انہیں ہدایت کی کوشش کرے تو ان کا ہدایت پانا قابلِ یقین نہیں اور پھر نورالدین! ماشاء اللہ یہ امر تو قطعی قابلِ یقین نہ تھا۔ حضور قبلہ عالم تشریف لائے تو لالہ وارث علی بھی دیکھنے آیا اور حضور کی مجلس میں بیٹھا۔ حضور کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو فرمائیں تو لالہ مختلف قسم کی تاویلیں پیش کرے۔ ہم سب لوگ اندرون شعلہ پا ہو جائیں۔ مگر حضور اس کی باتوں کو خاطر میں نہ لائے آخر علاقہ چکار کی دعوت پر حضور تشریف لے چلے ہماری کوشش تھی کہ لالہ وارث علی یہاں سے چلا جائے۔ حضور نے فرمایا لالہ وارث علی بھی ہمارے ساتھ چکار چلے گا۔ اس نے بھی ارادہ ظاہر کیا کہ مَیں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ اس سلسلہ میں ہم کسی قسم کی مزاحمت نہ کر

سکے ــــ اسلام آباد سے کافی لوگ حضور کے ساتھ چکار آئے۔ چکار اُونچے پہاڑوں کے درمیان ایک قصبہ ہے۔ جہاں چھوٹا بازار بھی ہے۔ یہاں دوکاندار کشمیری ہیں۔ انہیں خواجہ کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں کے ایک امیر تاجر خواجہ غلام محی الدین نے حضور کو اپنے گھر مدعو کیا۔ یہاں پر قصبہ کے بہت سے لوگ بیعت ہوئے۔ ان ہی میں ایک دیہاتی کو راجہ اصغر خان نے حضور کی خدمت میں بیعت کے لیے پیش کیا۔ یہ شخص شیرو نامی علاقہ کا بدنام ڈاکو تھا۔ ہم سب نے راجہ صاحب کو بُرا بھلا کہا کہ سلسلہ کو بدنام کرنے کے لیے تم شیرو کو کیوں پیر صاحب کے پاس لائے۔ وہ بضد ہُوا۔ کہ شیرو کو پیر صاحب سے بیعت کراؤں گا۔ حضور قبلہ عالم کو علم ہُوا۔ آپ نے ہمیں ڈانٹا۔ کسی شخص کو ہمارے پاس آنے سے نہ روکا جائے۔ حضورؐ نے شیرو کو قریب بلایا۔ پوچھا؟ ــــ کیا چاہتے ہو۔ تو شیرو نے جواب دیا۔ مجھ سے کیا پوچھتا ہے۔ راجے سے پوچھ یہ مجھے تیرے پاس لایا ــــ اصغر خان بھی لاپرواہ اسے بھی شیرو کی بے ادبی کا احساس نہیں ــــ کہنے لگا حضرت اس کو درود شریف کی اجازت دیں۔ حضور نے شیرو سے پوچھا نماز پڑھتے ہو۔ شیرو نے جواب دیا مَیں نماز جانتا ہی نہیں ــــ راجہ کہتا ہے ــــ درود بتا دے پڑھوں گا ــــ حضور نے اصغر کو حکم دیا شیرو کو درود شریف یاد کراؤ ــــ فرمایا ــــ اچھا شیر افسر خان درود پڑھو۔ شیرو نے حضور کا دستِ مبارک پکڑ کر زور سے کھینچا ــــ میرا ہاتھ بھی پکڑ۔ اب مَیں تیرا مرید بن گیا ــــ حضور نے تبسّم فرمایا اور شیرو کو بیعت کیا۔ شیرو بیعت ہو کر اصغر خان کے ساتھ باہر چلا گیا۔ ہم لوگ آتشِ غضب سے جل بھُن کر راکھ ہو گئے کہ کس قدر بدتمیز ہے یہ شخص اور اصغر خان پر بھی لعن طعن کی۔ مگر یہ لوگ لاپرواہ کسی بات کا احساس ہی نہ کرتے۔ خیر ــــ رات خواجہ غلام محی الدین کے ہاں گزاری۔ دوسرے دن علاقہ چکار سے دو تین میل دُور ایک گاؤں نڑگولی میں ایک نمبردار کے گھر دعوت تھی۔ حضور وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں تمام علاقہ سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ کہ راجوں کے کشمیری پیر تشریف لائے ہیں ــــ گاؤں کے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے رشتہ دار حضور سے بیعت ہوئے اور اپنے جدّی پیر سے بیعت توڑ دی۔ ان لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا ہُوا۔ انہوں نے علاقہ کو کچھ سے ایک

عالم کو بلایا کہ وہ حضور قبلہ عالم سے بحث و مناظرہ کرے۔ تاکہ حضور بحث و مناظرہ میں ہار جائیں ـــ یہ لوگ بھی اپنے عالم کے ہمراہ میزبان کے گھر آئے۔ حضور اس وقت عام لوگوں میں وعظ فرما رہے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھے شک گزرا کہ یہ لوگ اچھی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ پھر ان کے عالم کو دیکھا کہ وہ بڑے رعب سے حضور کو گھورتا رہا ـــ میں نے اُسے نظر میں رکھا ـــ درمیان میں کھانے کا وقت آیا۔ میزبان نے تمام لوگوں کو کھانا دیا۔ حضور نے بھی عام لوگوں میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ میں نے اندازہ کیا کہ عالم صاحب حضور کی عام حیثیت دیکھ کر سمجھے کہ یہ معمولی فقیر ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر عالم صاحب نے پُر جلال انداز میں حضور سے سوال کیا ـــ اس کے سوال پر میں نے مداخلت کی۔ میں نے عالم صاحب سے کہا کہ آپ کا سوال غلط ہے۔ سوال اس طرح ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے میں نے پوچھا کچھ اعتراض؟ عالم صاحب نے کہا میں پیر صاحب سے سوال کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ آپ کسی مسئلہ کی حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں۔ یا پیر صاحب سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر حقیقت کی وضاحت چاہتے ہیں تو آپ مجھ سے بھی مسئلہ کا حل حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل کے لیے حضور کے خادم کافی ہیں جو آپ کی تسلی کر سکتے ہیں۔ اگر مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر معقول سوال کریں۔ غرض مولانا صاحب نے کئی سوال کیے۔ مگر میں ہر بار مداخلت کرتے ہوئے اُسے جواب دیتا رہا۔ مولانا چڑ گئے۔ مجھے خاموش رہنے پر سختی سے زور دیا۔ آخر حضور قبلہ عالم نے منع فرمایا کہ میں خاموش رہوں۔ حضور قبلہ عالم وعظ میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی تقریر ایسی تھی کہ مولانا کو سوال کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ آخر حضور خاموش ہو گئے۔ مولانا کو قریب بلا کر جگہ دی۔ پوچھا اب آپ سوال کیجیے۔ ہم آپ کے سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔ مگر مولانا صاحب نے معذرت چاہی کہ اب سوال کرنے کا موقع نہیں ـــ خاموش ہو گئے۔ حضور نے پوچھا کہ آپ نے تعلیم کہاں پائی۔ مولانا نے جواب دیا دیوبند سے سند حاصل کی ہے اور بھی چند درسگاہوں کا حوالہ دیا۔ حضور نے اساتذہ کے متعلق پوچھا جس کے جواب میں مولانا نے بہت سے چیدہ علماء کا نام لیا۔ حضور نے فرمایا ہم نے بھی دیوبند۔ امروہہ سے تعلیم پائی

ہے اور فلاں فلاں۔ اساتذہ سے سبق پڑھا ہے۔ یہ وہ اساتذہ تھے جو وقت کے مشہور علماء میں سے تھے۔ جن میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد مولانا امداد اللہ صاحب (حاجی) اور دیگر مشاہیر علماء ——— تو مولانا صاحب نے خود ہی اعتراف کیا کہ ہمارے اساتذہ تو ان کے پوتوں میں سے ہیں۔ بے شک آپ کی تقریر سے میں نے اندازہ کیا کہ آپ کا علم آپ کی ہیئت سے نہیں آپ کی زبان سے جانا جا سکتا ہے۔ مولانا صاحب نے برملا معافی مانگی کہنے لگے میں غلط فہمی کا شکار ہوا۔ میں آپ کو پہچان نہ سکا۔ اس لیے میں نے سوالات کیے مگر آپ کے مرید نے مجھے آگے بڑھنے نہ دیا۔ دراصل مجھے گاؤں کے لوگوں نے یہاں بلایا تھا۔ لیکن اصل حقیقت سے میں آگاہ نہ تھا کہ میں نے کسی صاحب علم ولی سے مناظرہ کرنا ہے۔ میں پھر آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ یہاں یہ گفتگو ہوتی رہی اُدھر مخالف جماعت کے لوگ فرار ہو گئے۔ ایسے گم ہوئے کہ انہیں کسی نے جاتے بھی نہ دیکھا اور مولانا صاحب کو وہیں چھوڑ گئے۔ خیر مولانا صاحب حضور سے گفتگو کرتے رہے۔ مگر اب ان کی گفتگو اور انداز میں ادب نمایاں ہو چکا تھا۔ حضور قبلہ عالم کو یہاں سے دوسرے گاؤں جانا تھا۔ جہاں راجہ علی اکبر خان صاحب کے چچازاد بھائی راجہ زین اکبر خان صاحب رہتے تھے۔ آخر یہاں سے رخصت ہو کر راجہ صاحب کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ مولانا صاحب نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضور اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ عصر کے قریب ہم زین اکبر خان صاحب کے گھر پہنچے۔ رات اسی جگہ قیام کرنا تھا۔ یہاں بھی بہت سے لوگ آ کر حضور سے بیعت ہو گئے۔ رات عشاء کے بعد مولانا صاحب پر پوری حقیقت واضح ہو گئی سب مجھے قریب بلایا۔ کہنے لگے۔ میری سفارش کرو۔ میں بھی پیر صاحب سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا یہاں سفارش کی ضرورت نہیں آپ خود حضورؒ سے استدعا کریں۔ آخر مولانا صاحب نے خود حضور کے قریب جا کر عرض کی مجھے بیعت کریں۔ حضور نے انہیں بھی بیعت کیا۔ ویسے علاقہ پونچھ میں مولانا صاحب ولی کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔ لیکن یہاں آ کر اپنی ذات کی نفی کر گئے۔ میں نے مولانا صاحب کے آگے معذرت کی کہ آپ کے حق میں مجھ سے گستاخی ہوئی آپ معاف کریں۔ میں سمجھا تھا۔ کہ آپ مقابلہ کرنے آئے ہیں۔ دراصل

آپ کے سینہ میں ایک معصوم قلب تھا۔ جس میں حقیقت سمانے کی صلاحیت تھی۔ مُبارک ہو آپ نے حقیقت کو پا لیا اور حقیقت کو سچائی کے ساتھ قبول کر لیا ورنہ ایسے مقام پر کسی شخص کی "اَنا" اُسے جھکنے پر آمادہ نہیں ہونے دیتی۔ آپ میں حق قبول کرنے کا مادہ ہے۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ کامیاب ہو گئے۔ مولانا صاحب بہت مشکور ہوئے۔ رات بھر خوب کلام ہوتے رہے۔ صبح بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوپہر کے کھانے میں شریک رہے اور جب حضور یہاں سے رخصت ہوئے تو بہت عجز و انکساری کے ساتھ رخصت چاہی۔ حضور نے خوش ہو کر انہیں رخصت کیا۔ یہاں سے قبلہ عالم واپس قصبہ چکار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں گاؤں کے نمبردار نے استدعا کی کہ اس کے گھر تھوڑی دیر قیام فرمائیں۔ نمبردار نے کھانا بھی پکایا تھا۔ حضور نمبردار کے گھر تشریف لے گئے۔ اس نے زبردستی دوبارہ کھانا کھلایا اور خود بیعت ہُوا۔ اپنی بیوی کو بھی بیعت کرایا۔ یہاں سے فارغ ہو کر قصبہ چکار پہنچے۔ رات یہاں دوبارہ قیام فرمایا۔ اِس موقع پر بھی کافی لوگ حضور کی آمد کے منتظر تھے۔ اور بہت سے لوگ بیعت ہوئے۔ غرض کہ علاقہ چکار کا تمام کا تمام قصبہ حضور کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔ یہاں بہت سے لوگ دوسرے بزرگوں سے بیعت تھے اور کچھ جاگیردار اور کسان زمیندار حضرت فقیر اللہ صاحب بکوٹی کے مرید تھے۔ فقیر اللہ عرصہ دراز سے وصال فرما چکے تھے۔ یہ حضرت بھی اعلیٰ پایہ کے اولیاء میں سے تھے۔ حضور قبلہ عالم ان کا ذکر فرماتے تھے۔ بلکہ ایک بار آپ نے فرمایا کہ عالی جاہ نورالزمان شاہ صاحب (دادا پیر صاحب) نے فرمایا کہ فقیر اللہ دُنیائے ولایت کی ایک آنکھ ہیں۔ ان کے مریدوں میں سے اکثر حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوئے۔ اس وقت تک لوگ فقیری سے متعلق صرف اتنا ہی جانتے تھے کہ فقیر دل کی بات بتاتے ہیں۔ یا کہہ دیا کہ یہ کام تمہارا ہو جائے گا یا علاقہ میں ایسے فقیر آئے جنہوں نے بیمار اچھا کرنے کا مظاہرہ کیا۔ کسی فقیر کے متعلق مشہور تھا کہ ان کے پاس کوئی بیمار لایا جائے تو وہ کہتے کہ "ہٹ جا بیماری" تو بیمار اسی وقت چلنے پھرنے لگ جاتا۔ تو ایسے فقیر کے پاس لوگ جاتے اور پیچھے پھرتے دعوتیں دیتے۔ رات دن لوگوں کا میلہ لگ جاتا۔ فقیر صاحب علاقہ سے اچھی خاصی دولت

جمع کر کے لے جاتے۔ اب لوگوں کو علم ہُوا کہ اصل فقیری کیا شے ہے۔ لیکن اس حال میں بھی لوگ یہ بات سمجھنے سے قاصر رہے کہ شیرو جیسا ڈاکو بھی رات میں فقیر بن سکتا ہے۔ شیرو بھی اسی گاؤں نڑگولی کا رہنے والا تھا۔ اِس کا ایک عزیز رشتہ دار حضور سے بیعت ہُوا وہ بھی مشہور چور سمجھا جاتا تھا۔ مگر اب اس کی حالت یہ تھی کہ پانچ وقت نماز اور چوبیس گھنٹے تسبیح ہاتھ میں رہتی ـــــ اور کمال یہ کہ لالہ وارث علی حضور قبلہ عالم کے جلو میں ساتھ ساتھ رہنے لگا۔ وہ بھی لوگوں کو درود شریف پڑھنے اور بیعت ہونے کی تلقین کرتا رہا۔

لالہ وارث علی کا مرید ہونا

گاؤں نڑگولی سے واپسی پر حضور قبلہ عالم ایک نہر کے قریب نماز پڑھنے کے لیے رُک گئے۔ سب نے نماز ادا کی۔ حضور نہر کے قریب ایک ٹیلے پر بیٹھ گئے۔ لالہ وارث علی بے حد عجز و احترام سے حضور کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ لالہ وارث علی بڑا ذہین شخص تھا۔ بہت معقول اور مدلل بات کرتا۔ کبھی کبھی لطیف تمسخر بھی کرتا۔ ہنستے ہنستے عرض کی کہ حضرت اتنی دیر چھُری تیز کرتے رہے۔ اب موقع ہے میں سر آگے۔ رکھ دیتا ہوں مجھے ذبح فرمایئے۔ حضور قبلہ عالم بھی ہنس دیئے۔ فرمانے لگے لالہ ہم بکرا دیکھ کر چھُری تیز کرتے ہیں۔ لالہ وارث علی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ حضور نے اسے گلے لگا لیا اور درود شریف پڑھنے کی اجازت دی ـــ عرض کی جناب میں نے اسلام آباد سے ہی درود شریف پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اب بیعت بھی فرما دیجئے۔ حضور نے اسی جگہ لالہ وارث علی کو بیعت فرمایا۔ لالہ وارث علی کی یہ حالت تھی کہ کہتے ہیں راہ چلتے کوئی السلامُ علیکم کہتا ہے۔ میرے مُنہ سے اَللّٰھُمَّ صَلِّ نکلتا۔ اور آگے چل کر لالہ وارث علی کے ذبح ہونے کا ذکر بھی حضرت محمّد امین صاحب کی ولایت کا ایک بیّن مظاہرہ ہے۔ اِس کا ذکر آگے آئے گا۔ ہم یہاں علاقہ چکار کے چند مریدوں کا ذکر کریں گے جن میں شیرو ڈاکو کا ذکر حیرت افزا ہے۔

چکار میں مریدوں کے عجیب و غریب حالات

شیرو ڈاکو یہ نہیں سمجھتا کہ میں نے کیا کیا۔ درود شریف پڑھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ بیعت کیا ہوتی ہے ــــ اور اب کیا کرنا ہے ــــ اور مقصد کیا ہے ــــ سوائے اس کے موسےٰ علیہ السلام طور پر آگ لینے گئے۔ آگے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور نبوت و رسالت کا شرف عطا ہوا ــــ شیرو کو اصغر خان نے درود شریف مشکل سے یاد کرایا ــــ سمجھایا پیر صاحب سے بیعت ہوئے ہو اور اب مسلمان بن جاؤ۔ چوری ڈاکہ چھوڑ دو۔ نماز پڑھو درود شریف گیارہ سو بار رات کو پڑھو اور پیر صاحب کی شکل خیال میں رکھ کر پڑھو ــــ بس اَن پڑھ شیرو کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ نماز۔ درود شریف پڑھے ــــ چوری سے باز آئے۔ تین چار دن بعد شیرو اسلام آباد آیا۔ اس وقت حضور قبلہ عالم تشریف لے جا چکے تھے ــــ پوچھا راجہ اصغر خان کہاں ہے۔ میں نے اس سے بات کرنی ہے۔ ہم نے پوچھا بتاؤ کیا بات کرنی ہے۔ جواب دیا نہیں میں راجہ سے بات کروں گا۔ شیرو اصغر خان سے ملا اور بتایا کہ میں نے رات کو درود شریف پڑھا۔ دوسری رات کو بھی پڑھا دوسری رات میں جاگتا تھا ــــ میں نے اندھیرے میں۔ روشنی دیکھی۔ مکان دیکھا۔ وہاں اس قسم کا کاروبار دیکھا۔ لوگوں کو دیکھا۔ ایک ہستی کو تخت پر بیٹھے دیکھا۔ پیر صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے دیکھا۔ گلو رانی کو بھی وہاں دیکھا۔ راجہ لطیف خان۔ نورالدین۔ راجہ صاحب سب کو وہاں دیکھا۔ میں کہاں پر تھا۔ مجھے معلوم نہیں یہ کیا دیکھا اور کہاں دیکھا؟۔ اصغر خان نے شیرو کے تمام حالات بیان کیے یقین جانیں۔ باوجود پیر کی عظمت سمجھنے کے ہم شیرو کی بات پر یقین کرنے پر تیار نہ تھے۔ یہ بے ادب۔ جاہل۔ اَن پڑھ ڈاکو ایک رات میں حضوری ہو سکتا ہے۔ لیکن جب گلنسار نے اس سے پوری تفصیل پوچھی تو تمام کیفیات بالکل صحیح بتا رہا تھا۔ اب شیرو جاہل۔ اَن پڑھ نہیں نظر آتا۔ وہ فقر کو سمجھ چکا تھا۔ مسلسل مشاہدات سے وہ صاحبِ علم ہو چکا تھا۔ اور اکثر اپنے مشاہدات بتاتا۔ ہم سب ہی طریقت میں مبتدی کی حیثیت رکھتے تھے۔ آدابِ طریقت سے واقف نہ تھے۔ اس لیے ہر شخص اپنے مشاہدات کا سرِعام ذکر کرتا کہ میں نے اجلاس میں دیکھا حضور

صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی۔ اسی طرح شیرو کے مشاہدات کا بھی عام لوگوں کے سامنے ذکر کرتے۔ لوگ تو ایسے واقعات سُنکر کچھ تو ہمیں لغو سمجھتے کچھ جھُوٹ کی تہمت لگاتے۔ کچھ یہ کہتے کہ یہ باتیں ناممکن ہیں اور پھر ایسا ہونا لازمی تھا۔ کہ ہر دعویٰ کرنے والے کا کردار لوگوں کے سامنے تھا۔ کوئی چور۔ کوئی ڈاکو۔ کوئی شرابی۔ کوئی جابر۔ کوئی بدمعاش ــــ اور پھر آناً فاناً کایا پلٹ جانا قابلِ یقین بات ہو بھی نہیں سکتی ــــ اکثر لوگ شیرو کی بات کو من گھڑت سمجھتے اور اس کا امتحان لیتے۔ کیونکہ شیرو کے مشاہدات ایسے تھے جن کا علم نہ ہمیں تھا نہ ان کا تصوّر ہمیں حاصل تھا ــــ ایک دن شیرو اسلام آباد راجہ صاحب کے ہاں آیا۔ مغرب قریب تھی۔ راجہ صاحب نے شیرو سے حالات پوچھے۔ اس نے ایسے مقامات کا مشاہدہ بتایا جو ہماری سمجھ اور علم سے باہر تھے۔ ہم یقین نہ کر سکے۔ راجہ صاحب نے کہا شیرو جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ تم یونہی گپ مارتے ہو۔ ہمیں یقین نہیں آتا کہ تم صحیح کہتے ہو۔ یا تمہیں صحیح مشاہدہ ہے۔ شیرو ناراض ہو کر بولا راجہ تیری مرضی تو مان یا نہ مان میں کشمیری پیر کو بہت بڑا پیر مانتا ہوں میں نے اس کو نہیں کہا تھا مجھے فقیر بنا یہ اسی نے دیا۔ وہی دکھاتا ہے۔ اگر تمہیں پیر پر یقین نہیں تو تو بھی ان کا مرید نہیں۔ یقین نہیں آتا جس طرح مرضی ہے آزما لے جھوٹا ہوا جو مرضی سزا دینا۔ مجھے گاؤں سے نکال دینا۔ راجہ صاحب شیرو کی باتیں سُن کر حیرت میں آگئے۔ گلنسار[1] نے کہا اچھا شیرو ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں ــــ تو تیار ہے؟۔ شیرو نے کہا بالکل تیار ہوں جو پوچھو بتاؤں گا۔ گلنسار نے کہا۔ جو کچھ میں دیکھوں گی۔ تو بتا دے میں تب سچ مان لوں گی ــــ شیرو صحن میں راجہ صاحب کے قریب ہو کر بیٹھا۔ گل نسار مکان کے برآمدہ میں بیٹھ گئی۔ باقی لوگ صحن میں یہ "تماشا" دیکھنے بیٹھ گئے۔ ان میں گاؤں کے لوگ بھی تھے۔ میں اور راجہ محمّد لطیف۔ راجہ اصغر خان گلنسار کے قریب بیٹھے۔ گل نسار نے مراقبہ شروع کیا اور اجلاس میں حاضر ہو گئی اور ہمیں بتاتی رہی کہ میں اس وقت اجلاس میں ہوں ــــ اسی کے ساتھ شیرو نے بھی مراقبہ شروع کیا۔ کہا گلو رانی[1] اجلاس میں کھڑی ہے۔

---

[1] گل نسار کا نام

گلنسا پیر صاحب سے پوچھتی ہے جو کچھ شیرو کہتا ہے سچ ہے۔ شیرو کہتا ہے کہ آپ نے پیر صاحب سے پوچھا کہ شیرو سچ بولتا ہے؟ پیر صاحب فرماتے ہیں شیرو ولی ہے۔ سب کچھ صحیح دیکھتا ہے۔ اس کا مشاہدہ تم سب سے صاف ہے۔ شیرو ہر بات اسی طرح زور زور سے بتاتا جاتا ہے۔ گلنسا۔ کہتی ہے میں پیر صاحب اور سخی صاحب کے ساتھ جہاز پر سوار ہو کر پرواز کرتی ہوں۔ شیرو اسی طرح بتاتا ہے۔ کہ تم پیر صاحب اور سخی صاحب کے ساتھ جہاز میں سیر کرتی ہو۔ ایک باغ میں اتری ہو خوبصورت باغ ہے نہریں چلتی ہیں درختوں میں میوے لگے ہیں۔ نہر سے پانی پیا مجھے بھی دے رہی ہو وغیرہ غرض جو کچھ مراقبہ میں گلنسار کیفیات بیان کرتی بعینہٖ شیرو ہر کیفیت بتا دے۔ صحن میں تمام لوگ شیرو کے مشاہدات سن رہے ہیں۔ اور گلنسا بھی تصدیق کر رہی ہے کہ جو کچھ میں کرتی یا دیکھتی ہوں شیرو بھی وہی کچھ بتا رہا ہے۔ لہٰذا شیرو کے مشاہدہ پر سب نے یقین کر لیا۔ اور ہم پر بھی طریقت کی حقیقت۔ سلسلہ کی حقیقت اور حضور قبلہ عالم کی عظمت واضح ہوگئی ——— سلسلہ اویسیہ کی سچّائی کا یہ انوکھا طریقہ تھا۔ کہ ہر شخص کو درود شریف پڑھنے کے ساتھ مشاہدہ ہو جاتا اور اکثر مرید تھوڑا سا درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی حضوری ہو کر زیارتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مشرف ہو جاتے یہ حالات دیکھ کر لوگوں پر حیرت و تعجب بھی طاری ہو جاتا کہ اس قدر سستی فقیری کیسے ظہور میں آئی۔ اور کیسے کیسے لوگ حضوری ہو جاتے ہیں جن کے متعلق یہ باور کرنا مشکل تھا کہ یہ لوگ مسلمان کہلانے کے بھی مستحق ہو سکتے ہیں ان مریدوں میں ان کے بعض مخالفین حسد کی وجہ سے ان کی مخالفت کرنے لگے اور بلا وجہ ان پر الزام تراشی کرنے لگے۔ چنانچہ ان لوگوں میں فقیری کا آنا ان کے درمیان فساد کا بھی سبب بنا لوگ انہیں تکلیفیں دینے پر بھی اُتر آئے۔ لیکن جس نے درود شریف پڑھا کامل مومن کی صفات اس میں پیدا ہوگئیں۔ کہاں وہ خود جنگ و جدل لوٹ مار پر آمادہ رہتے کہاں ان میں صبر و تحمل اور بردباری اور استقلال کا مادہ عود کر آیا۔ ہر بات سنی مگر اپنا عمل ہر حال میں جاری رکھا ——— لوگ اکثر کہتے کہ شیرو چوری کرتا ہے۔ اِسی گاؤں میں شیرو کا ایک اور رشتہ دار اس کا نام بھی شیر افسر[۱] تھا۔ لوگ اُسے سائیں کہتے یہ بھی چوری ڈاکہ میں شامل رہتا بیعت ہوا

---

[۱] یہ شخص جھنڈو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

تو پکا مومن بنا۔ نماز پانچ وقت اور ہر وقت تسبیح ہاتھ میں رہتی۔ اس کا مشاہدہ بھی کامل تھا حضوری تھا۔
اس کے متعلق اس کے خاندان کے مخالفین ہمیشہ اس کے خلاف الزام لگاتے مگر سائیں شیرو
کسی کی پروا نہ کرتا ـــــ ایک دفعہ سائیں کے مخالفین نے افواہ اُڑائی کہ شیرو مرغی چرا کر لے
گیا۔ ہم نے شیرو سائیں سے پوچھا کہنے لگا عداوت سے کہہ رہے ہیں۔ مراقبہ کی کیفیت پوچھی
تو اجلاس کے صحیح حالات بتاتا تھا۔ ایسے ہی دوسرے شیرو کے متعلق بھی مخالفین نے بھی افواہ
پھیلائی اور پروپیگنڈا کیا کہ شیرو چوروں کے ساتھ رات کو ڈاکہ ڈالنے جاتا ہے لیکن ان کے
مشاہدات افواہ بازوں کی افواہوں کو رد کر دیتے تھے۔ اور کسی ایسی بات پر یقین نہ کرتے
تھے۔ آخر ایک دن سائیں شیرو کے قریبی عزیز نے شہادت دی کہ سائیں مخالفوں کی مرغیاں
چراتا رہا اور سائیں نے بھی اپنے عزیز کی موجودگی میں اقبال کیا کہ میں اپنے رشتہ داروں کی
مرغیاں پکڑ کر کھاتا رہا۔ لیکن یہ امر ہماری سمجھ سے باہر تھا کہ اگر شیرو چوری کرتا ہے تو اس کا
مشاہدہ حضوری کیسے قائم ہے۔ ایسی حالت میں ہم کچھ فیصلہ نہ دے سکتے۔ شیرو نمبر ۲ نے
اسلام آباد آنا جانا کم کر دیا اس کے متعلق بھی افواہیں سُننے میں آئیں مگر جب بھی آیا اس نے
مشاہدہ کے متعلق بتایا کہ میں مشاہدہ کرتا ہوں۔ رفتہ رفتہ شیرو دُور ہوتا گیا ہم سمجھے کہ شیرو جھوٹ
بولتا ہے۔ اس نے نماز اور درُود ترک کر دیا ہے۔ تقریباً تین ماہ گزر گئے لیکن شیرو نظر نہ آیا۔
ایک دن اچانک قصبہ چکار کے بازار میں راجہ صاحب نے اُسے پکڑ لیا اور گھر لے آئے ہم
نے پوچھا شیرو تم نے دُرود پڑھنا چھوڑ دیا ـــــ جواب دیا کچھ مدّت چھوڑ دیا تھا۔ لیکن
ایک ہفتہ سے پھر حسبِ سابقہ نماز اور درود پڑھتا ہوں۔ مگر مشاہدے میں فرق آ گیا ہے۔
رات ہم راجہ محمدؐ لطیف خان صاحب کے کمرے میں بیٹھے حضور قبلہ عالم کا ذکر کر رہے تھے۔
تو شیرو نے کان پکڑے اور کہنے لگا ـــــ توبہ ـــــ یہ کشمیر کا پیر بڑا ڈاڈا ہے۔ (اپنی زبان
میں بڑا سخت ہے) ہم نے پوچھا یہ بات تم نے کیسے کہی؟ کہنے لگا میں نے ایک عجیب واقعہ
دیکھا ہے۔ لوگ ہمارے خلاف الزام لگاتے رہے ان میں بعض الزام درست بھی تھے۔ ہم
چوری کرتے رہے مگر نماز۔ درود شریف پڑھتے رہے اور ہم اجلاس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی زیارت بھی کرتے رہے۔ ایک بار میرے دوستوں میں سے کچھ ڈاکو۔ مجھ سے گھر ملنے آئے

انہوں نے بتایا کہ دُور افتادہ گاؤں میں ایک امیر آدمی کے گھر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ مَیں نے انکار کر دیا کیونکہ مَیں نے چوری کرنے سے توبہ کی ہے۔ مَیں اب بیعت ہو چکا ہوں۔ اب ایسا نہیں کر سکتا لیکن انہوں نے مجھے سخت مجبور کیا ـــ میرے دل نے کہا پہلے بھی چوری کرتے ہیں تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ چلو آج ڈاکہ میں شامل ہوتا ہوں۔ مَیں بھی ڈاکوؤں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ کافی سامان ـــ ڈاکوؤں نے میرا حصّہ بھی مجھے دے دیا ـــ مَیں نے سارا مال گھر میں رکھا۔ مجھے یقین تھا۔ کہ چوری کا پتہ لگ نہیں سکتا۔ نہ ہم پکڑے جا سکتے ہیں۔ مَیں نے اپنا مال گھر میں رکھ دیا۔ ایک ہفتہ گزرا۔ مَیں رات سویا ہُوا تھا ـــ خواب دیکھتا ہوں پیر صاحب آتے ہیں اور مجھے کہتے ہیں شیر افسر تم نے بہت بُرا کیا مال چوری کر کے لائے اور گھر میں رکھ دیا لہٰذا یہ سارا مال گھر سے نکال دو ـــ مَیں اسی وقت جاگ گیا۔ سوچا کہ مال کا کسی کو پتہ نہیں اتنا مال کیسے مَیں گھر سے نکالوں۔ پھر سو گیا۔ سوتے ہی پھر یہی خواب دیکھا پیر صاحب آئے اور پھر مجھے کہا شیرو مال گھر سے نکال دو۔ پھر مَیں جاگ گیا اب اسی سوچ میں تھا کہ کیا کروں اتنا مال پھینک دوں۔ خیال ہُوا صبح فیصلہ کروں گا اور پھر سو گیا ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ پیر صاحب پھر آئے اور غضبناک ہو کر لات ماری کہا شیرو! مَیں تم سے کہتا ہوں چوری کا مال گھر سے ابھی نکال۔ صبح پولیس تمہارے گھر کا گھیراؤ کرنے والی ہے۔ پکڑے جاؤ گے۔ خوف کے مارے میری آنکھ کھلی تو مَیں چارپائی سے نیچے گرا ہُوا تھا مَیں سخت ڈر گیا جلدی سے بیوی کو اٹھایا اور سارا سامان اُٹھا کر باہر جنگل میں گڑھا کھود کر چھپا دیا اور مطمئن ہو کر گھر آ کر سو گیا۔ رات بار بار جاگنے کی وجہ سے صبح دیر سے آنکھ کھلی باہر نکلا تو دروازہ پر پولیس افسر کو کھڑا دیکھا اُس نے حکم دیا کہ خانہ تلاشی دو تم نے چوری کا مال گھر میں رکھا ہے۔ مَیں نے اطمینان سے تھانیدار سے کہا گھر کا دروازہ کھلا ہے جا کر تلاشی لو ـــ تھانیدار پولیس کو لے کر اندر گیا مگر اُسے کچھ بھی نہ ملا۔ کہنے لگا تم نے چوروں کے ساتھ ڈاکہ ڈالا ہے۔ باقی لوگ پکڑے گئے۔ تمہارے خلاف مخبری تھی کہ سامان ابھی تک تمہارے گھر میں موجود ہے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں رات بھر گھر میں سویا رہا۔ ہوتا تو مل جاتا ـــ یہ دشمنوں کی سازش ہے۔ لہٰذا آپ واپس تشریف لے جائیں۔ تھانیدار خاموش ہو کر واپس چلا گیا ـــ مَیں شکر بجا لایا کہ اگر

پیر صاحب خواب میں آکر نہ بتاتے تو میں گرفتار ہو جاتا۔ قید بھی ہو جاتا اور بدنامی بھی ہو جاتی واقعی کشمیر کا پیر بہت بڑا ولی ہے جو اپنے مریدوں کے گناہوں پر بھی پردہ ڈالتا ہے ——
یہ ابتدائی زمانہ تھا۔ ہمارے نزدیک فقیری۔ تقویٰ اور مجاہدہ۔ پاکیزگی کا عمل تھا۔ یہ تصور ہمارے ذہنوں کو ابھی تک حاصل نہ تھا نہ ہی ہو سکتا تھا کہ فقیری میں چوری کے بعد بھی فقیر رہ سکتا ہے۔ یہ حالات سُنکر ہم پر حیرت طاری ہوئی کہ شیر دخود تسلیم کرتا ہے کہ میں نے چوری کی اور پھر چند دنوں کے مسلسل نماز ادا کرنے اور درود شریف پڑھنے سے اس کا مشاہدہ برابر جاری ہے اور وہ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہے۔ اور پیر اس حال میں بھی اس کی نگرانی کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ سلسلہ اویسیہ کی خصوصیات ہم پر واضح ہوتی گئیں۔ یہ زمانہ تھا جب قبلہ عالم ایک دو بار راجہ صاحب کی دعوت پر اسلام آباد تشریف لائے۔ یہ گھر انوار و تجلیات کا مرکز بنا رہا —— اور اکثر لوگ یہاں آکر درود شریف کی اجازت لیتے۔ اُدھر گلنسار پر اکثر انکشافات ہوتے رہے۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب بھی مشاہدہ رکھتے تھے۔ لیکن گلنسار پر انوار کھلتے رہے —— حضور قبلہ عالم نے اس سے فرمایا تھا کہ موقع بہ موقع تمہیں مراتب دیئے جائیں گے۔ چنانچہ اس پر متواتر انکشافات شروع ہونے لگے —— حضور قبلہ عالم خود بخود ظاہر ہو جاتے فرماتے تیار ہو جاؤ تمہیں مراتب کی سیر میں لے جایا جائے گا۔ پرہیز رکھو بغیر ارشاد کوئی چیز نہیں کھانی۔ تین دن یا چار دن یا دو دن کے لیے روزے رکھو۔ اوّل تو ہوش میں مشاہدہ کرایا جاتا —— لیکن طویل مراقبہ میں گلنسار تھکن اور تکلیف محسوس کرتی —— تو حضور سے عرض کرتی مجھے زیادہ دیر مراقبہ میں نہ رکھا جائے۔ میں تھک جاتی ہوں۔ درمیان میں وقفہ دیا جاتا۔ اِس طرح وقت پورا کیا جاتا۔ متواتر مراقبہ کی وجہ سے گلنسار تنگی محسوس کرنے لگی۔ اور مراقبہ سے کترانے لگی۔ مگر ایسا نہ ہو سکا —— پھر بھی مراقبہ جاری رہا۔ کہ عین وقت پر اُسے غنودگی طاری ہو جاتی اور خود بخود مشاہدہ شروع ہو جاتا —— اس طرح بھی گلنسار تھکن اور بوجھ محسوس کرتی تو حضور سے التجا کرتی کہ بس کیجئے میں تھک جاتی ہوں۔ پھر حضور اس حال میں بھی وقفہ دیتے اچھا دس منٹ آرام کرو —— اچانک غنودگی ہٹ جاتی۔ یہ مراقبہ بستر پر لیٹ کر ہوتا —— دس منٹ آرام سے ستانے کے بعد خود بخود غنودگی طاری ہو کر

گل نسار بیہوش ہو جاتی۔ اِس عالم میں اسے عالم بالا کی منازل دکھائی جاتیں۔۔۔ دس منٹ مشاہدہ کرایا جاتا پھر وقفہ دیا جاتا دس منٹ گزرنے پر خود بخود ہوش میں آجاتی۔ مراتب طے ہوتے تو کچھ دن وقفہ دیا جاتا۔ اور پھر اچانک حضور ظاہر ہو جاتے اور پھر مراتب کی سیر کے لیے حکم دیتے۔ اِس عالم بے ہوشی میں مقاماتِ ولایت طے کرائے گئے۔ ان میں سے بعض مقامات کی کیفیات کا ذکر گلنسار ہم سے کرتی اور بعض کا ذکر کرنے سے منع کیا جاتا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ یہ سلسلہ بند ہو گیا۔۔۔ اور پھر جب شروع ہوا تو اب حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ۔ حضرت شاہ لونگ سندھیؒ ظاہر ہو کر اسی عالم بے ہوشی میں مراتب میں لے جاتے چونکہ یہ مقامات خالص تجلیاتِ الہٰی سے معمور تھے۔ گلنسار ان مراتب میں مضمحل ہو جاتی۔ اور حضرت خواجہ سے جھگڑتی کہ بس کیجئے میں برداشت نہیں کر سکتی۔ کبھی عالم بے ہوشی میں گلنسار کی زبان سے الفاظ ادا ہوتے جو ہم بھی سُن لیتے کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے غصّہ ہو کر کہتی مجھے فقیری کی ضرورت نہیں بس مجھے چھوڑ دیں۔ اِسی عالم میں ہوش آنے پر گلنسار نے بتایا کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ مجھے زبردستی مراتب میں لے جاتے ہیں۔ یہ مقام نورانی ہوتے ہیں اور سمندروں کی طرح سنہری سمندر اس میں غرق ہو جاتی ہوں اور میرا وجُود گم ہو جاتا ہے۔ کسی جگہ قرار ہوتا ہے تو حضور قبلہ عالم آتے ہیں اور مجھے توجّہ دیتے ہیں۔ اور حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے بھی جھگڑتے ہیں۔ ایک بار حضور قبلہ عالم نے حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے غصّہ میں کہا "بس کر نیک بخت" اب چھوڑ دو اسے مگر حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہنس کر ٹال دیتے۔۔۔ گلنسار کی ضد کے باوجود یہ سلسلہ مراتب اسی طرح کافی مدّت تک جاری رہا۔ کہ ایک مہینہ ایک وقفہ ہو جاتا پھر اچانک غنودگی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ تین چار دن جاری رہتا پھر وقفہ ہو جاتا۔ آخر ایک وقت آیا کہ گلنسار پر جذب طاری ہونے لگا۔ کہ خود بخود غنودگی طاری ہونے لگی اور انوار کا نزول مستقل شروع ہوا۔ یہ نزول مسلسل جاری رہنے لگا۔ صرف رات کھانے کے وقت فرصت ملتی۔ باقی دن کسی وقت اتنی مہلت ملتی کہ کچھ کھانے کی ضرورت ہوتی۔ اس کے علاوہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ غنودگی مسلسل رہنے لگی۔ اِن دنوں میں بھی یہیں پر تھا۔ پہلے تو مجھے خوشی تھی کہ گلنسار کے تمام مراتب

ملے کرا دیے گئے مگر اب متواتر غنودگی سے میں بھی گھبرا گیا۔ خیال ہُوا کہ اس حالت سے حضور قبلہ عالم کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ قدرت کا کرنا کہ اچانک حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ آپ نے اچانک دادا پیر صاحب کی زیارت پر جانے کا ارادہ کیا۔ محترمہ مائی صاحبہ اور بچے لے کر سری نگر راجہ علی اکبر خان فارسٹر کے گھر چھوڑ گئے۔ خواجہ عبدالکریم صاحب کو ساتھ لے کر دادا پیر صاحب کے آستانہ پر جاتے ہوئے اسلام آباد راجہ صاحب سے ملنے کی غرض سے یہاں اُترے ہمیں معلوم ہُوا تو راجہ صاحب نے گھوڑا بھیج دیا۔ آپ گھر تشریف لائے۔ مَیں نے گلنسار کی حالت بیان کی۔ آپ گھبرا گئے۔ آکر دیکھا تو مجھ سے سخت ناراض ہوئے کہ تم نے قبل از وقت ہمیں باخبر کیوں نہ کیا۔ فرمانے لگے۔ اِس پر جذب طاری ہو رہا ہے "یہ منازل بایزیدی" سے گزر رہی ہے۔ فرمایا اگر چند دن اور یہ حالت رہی تو یہ مجذوب ہو جائے گی۔ حضور نے توجہ دی تو جذب ہٹ گیا۔ گلنسار سے کیفیات دریافت کیں اس نے تمام حالات بیان کیے ۔۔۔ حضور نے فرمایا ہم ابھی جا رہے ہیں ہم ٹھہر نہیں سکتے۔ ہم کو پیرخانہ عالیجاہ حضرت سیّد نورالزّمان شاہ صاحب کے روضہ پر پہنچنا ہے۔ لہٰذا تم جلد از جلد سری نگر چلی جاؤ اور محترمہ مائی صاحبہ کے پیش ہو جاؤ۔ تاخیر نہ کرو۔ ورنہ جذب غالب آجائے گا۔ حضور تھوڑی دیر قیام کے بعد رخصت ہو گئے۔ دوسرے دن گلنسار سری نگر کے لیے تیار ہو گئی ۔۔۔ اس کے ہمراہ راجہ اصغر خان۔ عبدالحمید خان بھی روانہ ہوئے۔ اِسی روز دوپہر کے قریب ہم سری نگر محلّہ چھتہ بل راجہ علی اکبر خان کے گھر پہنچے۔ گلنسار کو محترمہ مائی صاحبہ کے پیش کیا۔ آپ نے توجہ دی اور تمام مراتب کا مشاہدہ بند کر دیا۔ تو گلنسار سے جذب ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں طبیعت بحال ہو گئی اور ہوشمند ہو کر چلنے پھرنے لگی۔ اس نے محترمہ مائی صاحبہ سے تمام واقعات بیان کیے۔ انہوں نے بتایا کہ خوش قسمتی ہے کہ پیر صاحب پہنچ گئے۔ ورنہ تمہارا جذب سے نکلنا ممکن نہ ہوتا۔ اب تم خود مراقبہ کی۔ کوشش نہ کرو۔ محترمہ مائی صاحبہ نے صرف اجلاسِ اوّل تک مشاہدہ رکھا اور اس کے اُوپر مشاہدہ بالکل بند ہو گیا۔ تیسرے دن حضور قبلہ عالم پیرخانہ سے واپس تشریف لائے۔ گلنسار نے کہا۔ حضور عجیب بات ہے ادھر آپ ہی نے یہ سلسلہ جاری کیا اور آپ نے چھوڑا تو حضرت خواجہ اویس قرنیؓ اور شاہ لونگ سندھی صاحب سیر کراتے رہے۔

یہ ان ہی کا منصوبہ تھا۔ تب پیر صاحب نے فرمایا مگر اس میں نور الدین کی مرضی بھی شامل تھی۔ وہ بھی اس سلسلہ میں زور دیتا رہا۔ اگر وہ پیشتر ہمیں آگاہ کرتا تو ہم ظاہراً اس منصوبہ کو روکنے کی تدبیر کرتے کیونکہ ظاہر الگ عمل ہے اور باطن الگ عمل کرتا ہے ـــــ وغیرہ ـــــ حضور نے فرمایا شکر ہے کہ ہمیں قدرت نے بروقت پہنچایا ورنہ تم قطعی مجذوب ہو جاتیں۔ اِس طرح گلنسا کو منازل فقر کی تمام منازل طے کرا کے ذاتِ الٰہی کے قرب تک ولایت کی تکمیل کرا دی گئی ـــــ حضور قبلہ عالم تیسرے دن واپس گھر تشریف لے گئے اور ہم بھی بخیر و عافیت ہفتہ تک واپس اسلام آباد پہنچ گئے۔ اس کے بعد گلنسار پر کسی قسم کا جذب طاری نہ ہوا۔ ایک دن میں نے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ لیا تھا۔ کہ آسمانِ چہارم تک تمہاری رسائی ہمیشہ قائم رہنی چاہیئے۔ وہ تو بند ہو گیا۔ کہنے لگی پہلے تو ایسا ہی ہوا۔ محترمہ مائی صاحبہ نے تمام مراتب کا مشاہدہ بند کر دیا۔ میں نے کوشش کی تھی دیکھوں اب آگے مشاہدہ ہوتا ہے یا نہیں مگر آگے نہ جا سکی پھر ایک دن رات مجھے کسی امر کے لیے ضرورت پڑی تو میں نے سُبْحَانَ الْهَادِیْ مَنْ يَّشَاءُ سُبْحَانَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمِ کا وظیفہ پڑھا۔ تو آسمانِ چہارم تک مشاہدہ کھل گیا تو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش ہوئی۔ آپ نے تبسّم فرمایا ـــــ فرمایا تم نے اپنا راستہ یہاں تک بنا لیا۔

گلنسار کا محدود مشاہدہ آسمانِ چہارم تک جاری رہا۔ کبھی چاہا تو سات آسمان عرش۔ جنت تک بھی سیر کرتی رہی۔ اِس کے بعد یہ سلسلہ برابر اسی طرح جاری رہا اور وہ اپنے مراتب میں کامل۔ اکمل صاحب مشاہدہ رہی۔ بلاشبہ یہ واقعات عام عقل کے احاطہ میں نہ آنے والے ہیں۔ ایسے واقعات پر یقین کرنا عام عقول کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ سوائے اس کے کہ طریقت سے تعلق رکھنے والے۔ بلا دلیل ایسے واقعات پر یقین کر سکیں۔ یہ ایسے واقعات ہیں جو بظاہر طریقت کے آداب و اصُول سے بھی مطابقت نہیں رکھتے کہ ایک شخص گناہ کا مرتکب ہو۔ اور پھر بجائے مواخذہ کے اسے انعام دیا جائے۔ گناہ ہوتے ہوئے بھی مسلمان ہونا کجا یہ تو قطعی خلافِ شریعت امر ہے۔ ایسے شخص کا فقیر یا ولی ہونا قطعی ممکن نہیں۔ ہاں یہ امر ضروری ہے۔ کہ یہ واقعات طریقت سے تعلق رکھنے والوں کے لیے بیان کیے گئے ہیں

جو لوگ طریقت کے اسرار سے آگاہ نہیں ان کے لیے ایسے واقعات کا تسلیم کرنا ضروری بھی نہیں تاوقتیکہ وہ طریقت میں داخل ہو کر اس کی حقیقت سے آگاہ ہوں یا انہیں مشاہدہ حاصل ہو۔ اور شریعت تو کسی طرح ایسے واقعات کو تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ بغیر شریعت کی تکمیل کے طریقت کا حصول بھی ممکن نہیں لیکن جو واقعہ اپنی اصل کے ساتھ رونما ہو۔ اِس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ـــــ یہ چشم دید واقعات ہیں جو سننے والے کے لیے ناقابلِ تسلیم ہیں۔ لیکن جو ان واقعات کے شاہد ہیں ان کے لیے عدمِ تسلیم کی گنجائش نہیں۔ ان کے لیے یقین کرنا لازمی ہے ـــــ البتہ ان حقائق و واقعات کو تسلیم کرنے کا ایک واحد طریقہ یہ ہو سکتا ہے ـــــ کہ جس ہستی کی یہ سوانح بیان کی جاتی ہے اس کی شخصیت کو پہچانا جائے کہ وہ شخصیت کیا ۔ اور کیسی ہے ؟ اِس کے لیے منبعِ حقیقت ـــــ خالقِ طریقت ـــــ حضور محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اسوۂ حسنہ ـــــ اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبُوبیت ـــــ اور حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی صفت ولی اللّٰہیُ اللہ کے دوست اور محبوب" کی نسبت و اتباع کسی شخص کو محبوبیت کا مقام حاصل ہونا ـــــ کسی شخص کی اولوالعزمی۔ ایسے واقعات کے حق ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے کہ حضور قبلۂ عالم کو وراثتِ اویسی میں یہ مقام حاصل تھا کہ وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ۔ (قصیدہ غوثیہ میں حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا ایک شعر ہے) ـــــ وراثتِ قادری ـــــ نسبتِ قادری سے آپ کو بھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حضوری میں اعزاز حاصل تھا کہ آپ کے مریدوں سے ان کے گناہوں پر یا لغزشوں پر باز پرس نہ ہوتی۔ بلکہ حضور قبلۂ عالم کے طفیل انہیں مراتب سے بھی گرایا نہ جاتا ـــــ یہ تو ایک اصولی دلیل ہے۔ اس کے سوا ایسے واقعات کا ظہور و اظہار جس زمانہ میں جن لوگوں سے ہُوا وہ خود اس امر کی شہادت ہیں جو اظہر من الشمس ہے جن میں خصوصی طور پر جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم کی ذات والا تھی۔ جنہوں نے کسی لالچ یا غرض کے بغیر اسلام قبول کیا۔ اور پھر حضور کی غلامی قبول کی۔ ان کی ولایت ہر عام و خاص نے تسلیم کی۔ ان کے علاوہ بعض غیر مسلم ہندو دوست اِس امر کی شہادت دیتے ہیں۔ جن کا ذکر اس صحیفہ میں آئے

گا ــــ اور وہ لوگ خود بھی شاہد ہیں جن پر یہ وارداتیں گذریں ۔ اِن میں شیر افسر ڈاکو ــــ شیرو سائیں اور گلنسا بیگم دختر راجہ علی اکبر خان صاحب اور خود راجہ صاحب ایسی ہستیاں ہیں جن کی شہادت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

یہ واقعات تقسیم ہند و پاکستان سے قبل کے ہیں ۔ یہ زمانہ تھا جب حضور قبلہ عالم کی علاقہ کوہستان مظفر آباد میں شہرت عام ہو چکی تھی ۔ جہاں کثرت سے لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو گئے تھے ۔ اکثر اوقات حضور قبلہ عالم علاقہ چکار (مظفر آباد) میں راجہ علی اکبر خان صاحب جاگیردار کے گھر تشریف لاتے اور یہ خاندان سلسلہ اویسیہ کا مرکز بنا رہا ۔ جہاں اِس خاندان کے خاص افراد خصوصاً گلنسا بیگم ۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب کی وساطت سے بھی سلسلہ چلتا رہا ۔ یہاں تک کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہوا ــــ اور ایک نئی مملکت پاکستان وجود پذیر ہوئی ــــ اِس زمانہ میں کشمیر پر بھی یلغار ہوئی اور کشمیر بھی دو حصوں میں بٹ گیا ۔ اِس سانحہ کے بعد کشمیر کے دو حصوں کے درمیان ایک حدِّ فاصل قائم ہو گئی ۔ یہ حدِّ فاصل حضور قبلہ عالم اور علاقہ مظفر آباد کے مریدوں اور اس جاگیردار خاندان کے درمیان آپس کی ملاقات و تعلقات میں سدِ راہ بنی ۔ اِس کے بعد حضور کو مظفر آباد آنے کا موقع نہ مل سکا ۔ لیکن سلسلۂ اویسیہ کا اجراء اس کے بعد بھی یہاں ہوتا رہا ۔

فسادِ کشمیر کا زمانہ تھا ۔ راجہ علی اکبر خان صاحب بعض حملہ آوروں کی بے ضابطگیوں کی وجہ سے کشمیر پر حملہ کے خلاف ہو گئے ۔ آپ نے حملہ آوروں کی غلط کاری پر شدید نکتہ چینی اور مخالفت کی جس کے نتیجہ میں انہیں شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ــــ راجہ صاحب حضور قبلہ عالم کی ذات سے بیحد عقیدت رکھتے تھے ۔ ابتدائی زمانہ میں بیعت سے قبل آپ حضرت فقیر اللہ بکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں تھے ۔ اس کے ساتھ آپ مسلک اہلحدیث رکھتے تھے ۔ اِس عقیدت و مسلک کے باوجود آپ کثرت سے شراب نوشی کے عادی تھے ۔ لطف یہ ہے کہ اس حالت میں بھی روزہ ۔ تہجد کے ہمیشہ پابند رہے ۔ حضور سے بیعت کے بعد آپ کی حالت یکسر بدل گئی اور خالص اہلِ طریقت مومن بن گئے ــــ چنانچہ آخری دَور میں فساد کے درمیان آپ نے کئی پیشگوئیاں کیں جن میں ہندوستان کی ریاستوں

پر ہندوؤں کا ناجائز تسلط۔ حیدر آباد پر بھارت کی یلغار۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کی وفات اور کشمیر پر حملہ آوروں کا کشمیر چھوڑ کر واپس آنا۔ ان واقعات کا آپ نے برملا اظہار کیا ــــ غالباً ۱۹۴۸ء کا زمانہ تھا۔ آپ نے اپنی وفات کی پیشگوئی کی ــــ آخر وقت آ گیا۔ آپ نے اپنی موت کے متعلق وقت کا تعین بھی کیا۔ اِس سلسلہ میں آپ نے اشارۃً بتایا کہ ہمارا وقت قریب آ چکا ہے۔ اِس کے متعلق گلنسار کو بھی اطلاع دی گئی جو خواب کی صورت میں تھی۔ گل نسار نے تائید کی کہ مجھے والد صاحب کی وفات کے متعلق خواب میں بتایا گیا۔ ابھی کشمیر کی جنگ جاری تھی۔ آپ علیل ہو گئے۔ عزیزوں نے علاج کے لیے ڈاکٹر کو بلوایا۔ لیکن راجہ صاحب نے دوا استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے عزیزوں۔ بیٹوں کو بلا کر ہر معاملہ میں وصیت و نصیحت کی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ صحت مند ہیں۔ آپ پر کسی بیماری کا عارضہ نہیں۔ ابھی ایک دن آپ کی وفات میں باقی تھا کہ آپ کی زبان سے چند پُر اسرار الفاظ ادا ہوئے ــــ اِسی وقت زبان بند ہو گئی۔ اور غنودگی طاری ہوئی یعنی سکرات الموت طاری ہُوا۔ اِسی عالم میں آپ عالمِ جاوداں کی طرف رخصت ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ بلاشبہ راجہ علی اکبر خان صاحب کی شخصیت ہمارے پیرِ اکمل حضرت محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک واضح دلیل تھی۔ آپ دعویٰ کرتے تھے کہ کشمیر کے پیر دُنیا میں ایک ــــ اور اکمل ہیں ــــ وہ ہمارے مددگار اور رہبر ہیں ــــ اور مجھے فخر ہے۔ کہ مَیں ان کا مرید ہوں ــــ مَیں فقیر ہوں ــــ اور فقیر ہو کر مروں گا ــــ آپ کی فقیرانہ ہیئت یہ تھی کہ آپ اپنے پیر پر کامل یقین رکھتے تھے ــــ آپ کے مشاہدات میں ذرّہ بھر فرق نہ پایا جاتا ــــ آپ کی خوابیں یکسر رویائے صادقہ ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ کا واقعہ میرا چشم دیدہ ہے۔ جو بظاہر معمولی سا ہے۔ لیکن راجہ صاحب مرحوم کی عقیدت کا ایک عجیب مظاہرہ ہے۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے کہ آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ کے درمیان کسی بات پر نزاع پیدا ہُوا تو وہ بمعہ گلنسار۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب۔ راجہ حمید خان۔ اپنے گاؤں موضع نڑ گولی مکان میں آ گئیں۔ اِن دنوں حضور قبلہ عالم نے مجھے صلح کے لیے ان کے ہاں بھیجا۔ مَیں اِن دنوں والدہ گلنسار صاحبہ کے پاس نڑ گولی میں مقیم تھا۔ ایک رات اچانک راجہ صاحب اپنے چچازاد

بھائی راجہ زین اکبر خان صاحب کے گھر پہنچے۔ اسی مکان کے ملحق ان کا اپنا مکان بھی تھا۔ جہاں والدہ گلنسا صاحبہ وغیرہ قیام رکھتے تھے۔ راجہ صاحب کی آمد کی خبر سُن کر شیر افسر ڈاکو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ کھانا کھانے کے بعد راجہ صاحب نے شیرو کو بلایا۔ شیرو حاضر ہُوا تو شیرو سے کہا شیرو تم تمام داستان سناؤ جو مَیں نے خواب میں دیکھی ہے۔ راجہ صاحب کہنے لگے۔ کہ ہمارے مخالفین ہم پر طنز کرتے ہیں کہ ہم فقیر نہیں اور کشمیر والے پیر صاحب بھی معمولی فقیر ہیں۔ شیرو آج تم ساری داستان یہاں مجلس میں بیٹھے ہوئے سب لوگوں کے سامنے بیان کرو۔ مراقبہ کرو اور بتاؤ کیا واقعہ ہے۔ شیرو نے مراقبہ کیا اور ساتھ ہی بتانا شروع کیا ـــــ حضور قبلۂ عالم مکان کی جنوبی سمت ٹیلے پر کھڑے ہیں۔ ہاتھ میں نیزہ پکڑے ہوئے ہیں۔ آپ سے فرما رہے ہیں ـــــ کہ فلاں شخص (اس کا نام لکھنے سے مصلحتاً گریز کیا جاتا ہے) آپ کے کھیت سے شلغم چُرا کر لے گیا۔ وہ شخص پروردہ ہے۔ اِس سے مواخذہ نہ کریں۔ نہ اس سے ناراض ہوں۔ اس کی مدد کریں ـــــ راجہ صاحب جوش میں آئے اور پکار کر کہا ـــــ خدا کی قسم شیرو نے سچ بتایا ـــــ یہی واقعہ ہے جو مَیں نے خواب میں دیکھا ہے سنو لوگو! ہمارا پیر ہماری ہر چیز پر نظر رکھتا ہے۔ جب دُنیا میں ہماری خبر گیری کرتے ہیں تو ہم نے آخرت کا سودا کیا ہُوا ہے۔ انشاء اللہ وہ آخرت میں بھی ہماری مدد کریں گے ـــــ راجہ صاحب نے کہا کہ ان کے مکان کے قریب کھیت میں شلغم لگائے تھے۔ صبح پیشاب کرنے کھیت میں گئے تو ایک جگہ ایسی لگی جیسے کسی نے شلغم نکالا ہے۔ آپ بہت ذہن رسا رکھتے تھے۔ ساتھ ہی شک گزرا کہ واقعی کسی نے شلغم نکالا ہے اور وہ فلاں شخص ہے ـــــ اس کو بلایا اور پوچھا کہ تو رات شلغم چُرا کر لے گیا۔ اس نے انکار کیا کہ مَیں نے ایسا کام نہیں کیا ہے۔ خیر اس کے انکار پر خاموش ہو گئے۔ اسی رات مَیں نے خواب دیکھا۔ دیکھا پیر صاحب ایک ٹیلے پر کھڑے ہیں فرمانے لگے ہم کسی خاص کام کے لیے آئے ہیں۔ اور مجھے ایک راز کی بات بتائی جس سے مَیں بے خبر تھا۔ اِس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا فلاں شخص شلغم چرا کر لے گیا مگر آپ اس کا مواخذہ نہ کریں۔ اس کی حالت اچھّی نہیں۔ اس کی مدد کریں ـــــ صبح مَیں نے اس شخص کو دوبارہ بلایا۔ گاؤں کے قریبی رہنے والے لوگ بھی وہاں موجود۔ ۔ مَیں نے شخص مذکورہ کو بُرا بھلا

کہا کہ شلغم لینا تھا تو گھر سے مانگ کر لے لیتا۔ اور جو ضرورت تھی وہ بھی لیتا۔ اِس طرح چوری کیوں کی۔ اُس نے پھر انکار کیا۔ مَیں نے صاف کہہ دیا کہ مجھے پیر صاحب نے خواب میں آکر بتایا اور یہ جگہ مَیں نے خواب میں بھی دیکھی۔ تُو نے بھی پیر صاحب سے بیعت کی ہے سچ بتا ورنہ میں قرآن سر پر رکھوں گا۔ اس نے ندامت سے سر جھکایا اور اقرار کیا کہ مَیں نے رات کو شلغم نکالا۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ آجکل آپ ناراض تھے۔ مَیں سمجھا کہیں آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ اِس لیے چونکہ "سرکار"[۱] گھر میں نہ تھیں۔ مَیں آپ سے مانگنے کی جرأت نہ کر سکا ــــــ

کہتے ہیں کسی مغل شہزادی کو دیوانِ حافظ پر پورا یقین تھا ــــ ایک دن شہزادی کا جواہرات کا ہار چوری ہو گیا۔ تلاش کرنے پر نہ ملا ــــ آخری رات اپنی کنیزوں کو اکٹھا کر کے دیوانِ حافظ سے فال نکالی تو اس میں یہ شعر تھا:۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

شہزادی نے یہ شعر پڑھ کر فوراً چراغ ہاتھ میں لیے ہوئے کنیز کا ہاتھ پکڑ لیا اور مطالبہ کیا کہ فوراً ہار واپس کر دے تو میرا ہار چرا کر لے گئی ہے۔ اس نے اقبال کر کے ہار واپس کر دیا۔ یہ تو مجازی عقیدہ ہے۔ یہاں تو حقیقی مشاہدہ سامنے آتا ہے۔ کہنے کو بات معمولی ہے مگر صاحبِ بصیرت کے لیے حقیقت تسلیم کرنے کے لیے عظیم سرمایہ ہے۔

خدا گواہ ہے اِس سوانح کی تحریر و بیان میں ذرّہ بھر بھی مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لیا گیا۔ نہ اِن واقعات میں سلسلہ کی خوبیاں بیان کرنا مقصود ہے۔ سوائے اس کے کہ ایک اولوالعزم ہستی کی نسبت اپنے چشم دید واقعات بیان کر کے طریقت کی اصل کا اظہار کرنا ہے۔ کیونکہ طریقت حقیقتاً متشابہات سے متعلق ہے۔ جس کے لیے عام انسان کے لیے دلیل حاصل کرنا ممکن نہیں سوائے اِس کے طریقت سے متعلق اصول و ضوابط کے تحت طریقت کے طریقہ پر عمل کر کے طالب علم۔ عامل سے ایسے واقعات و مشاہدات کے بیان و اظہار سے ہی دلیل میسر آ سکتی ہے ــــ جس کے لیے وقت پر سلسلہ اویسیہ کے ایسے ہی مریدوں سے شہادت و

---

[۱] سرکار۔ راجہ صاحب کی اہلیہ کی طرف اشارہ ہے۔

دلیل ملتی رہی۔ جبکہ حق ہونے میں ذرہ بھر شک و فریب کی گنجائش نہیں۔ میرے چشم دید واقعات میں گل نساء بیگم کے مشاہدات ایسے ہیں جیسے دن کی روشنی میں سورج کے وجود کا یقین کرنا ہے۔ یہ میرا ابتدائی زمانہ تھا۔ جبکہ میں طریقت میں مبتدی کی حیثیت رکھتا تھا۔ گلنساء کے ابتدائی مشاہدات سے میں خود بے خبر تھا۔ چنانچہ اس وقت میں اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور دریائے توحید سے علاوہ جو کچھ اس کے مشاہدات میں آتا ساتھ ساتھ تحریر میں لاتا۔ اور جب گل نساء نے ایک ہفتہ میں آسمانِ ششم تک سیر کی تو میں نے ہر آسمان کی کیفیت ساتھ ساتھ قلمبند کی۔ اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں میں پاکستان آیا۔ یہاں میں نے ایبٹ آباد میں سکونت اختیار کی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ میں دوپہر کو بستر پر لیٹا تھا۔ میرے پاس معراج نامہ پڑا تھا۔ میں نے ویسے ہی بے خیالی میں کھول کر اس کے اشعار پڑھنے شروع کیے۔ اچانک آسمانِ سوئم کے بیان میں میں نے یہ وظیفہ پڑھا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ سُبْحَانَ نُوْرُ الْمُبِيْنِ سُبْحَانَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حیرانگی کے عالم میں اٹھ بیٹھا۔ ورق الٹائے تو پھر آسمانِ چہارم کے بیان میں یہ وظیفہ لکھا نظر آیا۔ سُبْحَانَ الْهَادِيْ مَنْ يَّشَآءُ سُبْحَانَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمِ شدتِ حیرت سے میں باہر صحن میں نکل آیا۔ اور معراج نامہ کی ورق گردانی شروع کی تو میری عقل کچھ سوچنے سے جواب دے گئی۔ دیکھا تو ہر آسمان کی وہی کیفیت وہی حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آسمان سوئم میں مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آسمانِ چہارم میں مقام حضرت آدم علیہ السلام کا آسمانِ اوّل میں قیام و حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آسمانِ ششم میں قیام اور ہر آسمان میں ملائکہ کا قیام اور ان کے سردار اور ملائکہ کا قیام۔ بالکل ایسا ہی۔ جیسا گلنساء کے مشاہدہ میں آیا۔ خیال ہوا کہ اس معراج نامہ کا مصنف کوئی ولی ہوگا۔ جس نے مراتب کی نشاندہی کی ہوگی۔ غور سے سرورق پڑھا تو اس پر صاف تحریر تھا۔ معراج نامہ قادر یار یعنی یہ معراج نامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ معراج کی سیر میں آئے ہوئے مقامات تھے جو قادر یار نے اشعار میں بیان کیے اور اس کا ماخذ اس نے معارج النبوت (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج روحانی و جسمانی) سے بیان کیا۔ کہ یہ تفصیل "معارج النبوت" یعنی حضورؐ کے معراج کی احادیث کی سند سے حاصل کیے گئے مشاہدات و

واقعات تھے۔ مجھے ایسے محسوس ہُوا کہ میں ایک طویل عمر۔ ایک طویل راہ طے کرکے آیا ہوں۔ گویا اِس انکشاف میں اِسی آن مجھ پر حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت عیاں و واضح ہو گئی۔ جیسے مجھ پر اس حقیقت کے تمام آثار کھل گئے۔ کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و حیثیت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی حیثیت کیا ہے۔ جسمانی حیثیت کیا ہے۔ نبوّت کی حیثیت کیا ہے۔ رسالت کی حیثیت کیا ہے۔ مجھے اَوّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ کی واضح تفسیر نظر آئی۔ اِس حقیقت کے انکشاف نے مجھے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف کی جرأت دلائی۔ اسی دن سے میں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا شروع کردی۔ قرآن کھولا تو یہ آیت میرے سامنے آئی۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۳) اور اسی آیت پر میں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا کی۔ جس حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر درحقیقت محترمہ گل نسار کے مشاہدات پر ہی بیان کی گئی کہ قرآن نے واضح الفاظ میں اس حقیقت کی طرح اشارہ کیا۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۱)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ مقدس بمنزلہ رُوح ہے جو ایک آن میں (مثلِ نور) مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک پہنچا۔ اِس خاصیت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ مقدس۔ رُوح (نُور) کی خاصیت کا حامل ہے۔ یہ کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اقدس کی نوری ہیئت کی دلیل ہے۔ اِس لیے کہ ایک ولی اپنی رُوح رحمانی (وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ) سے مقاماتِ معرفت کا مشاہدہ کرتا ہے ـــــ انہیں مقاماتِ معرفت (از زمین۔ جسم سے آسمان۔ تا ذاتِ الٰہی) کا مشاہدہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اپنے جسمِ اقدس (جسم بشری) سے کیا ـــــ گویا۔ ایک ولی کی رُوح (رُوح رحمانی ـــــ نور) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مقدس۔ ایک ہی مرکب و کیفیت سے تخلیق ہُوا۔ اِس کی مختصر تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ کہ مخلوق انسانی میں۔ ہر انسان (از آدم علیہ السلام تا انسان آخر قیامت) میں دو روحیں موجود ہیں۔

ایک رُوح ـــــ رُوحِ حیوانی سے موسوم ہے۔ جس رُوح سے انسان کی زندگی و حرکت (حیات) وابستہ ہے۔ یہ رُوح صرف انسانی ـــــ زندگی ـــــ حرکت و عمل کے لیے مخصوص ہے۔ اسی رُوح پر انسان کی زندگی و حرکت (حیات) وابستہ ہے۔ یہ رُوح قرآنی بیان وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ میں شامل نہیں۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السّلام کے وجُود میں قبل از نفخ رُوح موجود تھی۔ جس سے سوائے سوّی کے ذریعہ انسانی جسم کی تکمیل ہوئی۔ اِس کے بعد اللہ نے خصوصی بیان کے متعلق فرمایا وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ یہ رُوحِ تکمیلِ آدم ـــــ تکمیلِ انسانی پر نفخ کی گئی۔ اِس حال میں کہ اِس رُوح کا جسمِ انسانی سے کوئی تعلق نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ ایک اضافی رُوح ہے جو فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً زمین کے مرکب سے نہیں۔ بلکہ ایک مخصوص اضافی رُوح ہے ـــــ حقیقتاً اگر یہ رُوح زمین کے مرکب (MATERIAL) سے نہیں۔ تو اس کے مقام و عمل کے اعتبار سے۔ یہ ایک مخصوص نُور کی جزء۔ تخلیقِ کائنات کے عمل میں۔ نُورِ اوّل ـــــ نُورِ ابتدائی سے لی گئی ہے یہ رُوح (نُور) آدم علیہ السّلام میں صرف معرفت و مشاہدہ کے لیے۔ ملائکہ سے افضل ہیئت میں ودیعت کی گئی ہے ـــــ غرض انسان اپنی خلقت (تخلیق) میں دو رُوحوں سے مرکب ہے ایک رُوح جسمانی۔ جسے رُوح حیوانی ـــــ متحرک کرنے والی کہا جاتا ہے۔ انسانی جسم کو حرکت و زندگی دینے والی۔ دوسری۔ صرف مشاہدہ و علم حاصل کرنے والی۔ جسے رُوحِ رحمانی ـــــ یعنی وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ یعنی "رُوحی" ـــــ نُورِ محض کی جز یا MATERIAL کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے تخلیقی منصوبہ میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی خصوصیت اِسی رُوحِ رحمانی کے ودیعت سے واضح ہے ـــــ اس امر سے ثابت ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے بیان میں اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ کے بیان میں وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ اِسی نُوری رُوح کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جس سے انسان میں۔ ہر انسان کی تخلیق میں۔ دو روحیں مرکب کی گئی ہیں۔ یہ دونوں روحیں حضرت آدم علیہ السّلام ـــــ انسان اوّل سے ـــــ قیامت کی آخری پیدائشِ انسانی میں۔ ہر انسان میں پائی جاتی ہیں ـــــ ہاں مخلوق انسانی میں۔ ہر مخلوق۔ ہر انسان ـــــ خواہ رسول و نبی ہو خواہ عام انسان ـــــ بغیر تخصیص ہر انسان میں دو روحیں

موجود ہیں ـــــ البتہ تخلیقی عمل میں ترتیب و ترکیب پیدائش میں کسی مقام پر فرق ہے۔ وہ اس قرآن کی آیت کے بیان سے واضح ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۝ ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۷تا۹)

ترجمہ: بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی اور لیسدار گارے (کیچڑ) سے۔ پھر دوسری ترتیب میں۔ اس انسان کو ماں کے پیٹ سے پیدا کیا۔ پھر اسے انسانی جسم و ہیئت سے سنوارا یہ کہ اس کے اعضا میں قوی آنکھیں اور کان اور دل و دماغ بنائے۔ اس کے بعد (جب یہ مکمل انسانی ہیئت پر پہنچا) تو اس میں اپنی نوری رُوح ودیعت کی ـــــ

اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق چار نوع کی بنائی ـــــ

اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ

یعنی انسانی وجُود کی ابتدا نفس واحد۔ ایک ذرّہ (CELL) سے ہوئی۔ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔ اِسی ذرّہ (CELL) سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر انسانی تخلیقی ترتیب میں ایک نئی ترکیب اختراع کی کہ

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۔ پارہ ۱۸۔ سورہ ۲۳۔ آیت ۱۳

عورت (زَوْجَهَا) کے پیٹ سے ایک انسان کو پیدا کیا جس کی ترتیب و ترکیب میں وضاحت کی۔

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ۝

پارہ ۳۰۔ سورہ ۸۷۔ آیت ۶-۷

اس کی ترتیب عورت مرد کی مباشرت سے ایک انسان پیدا کیا ـــــ اور یہی ترتیب تمام مخلوقِ انسانی کے لیے مقرر و مخصوص کی کہ عورت مرد کی مباشرت سے۔ نسلی طور ایک انسان پیدا کیا۔ پھر اس ترتیب میں ایک اضافی ترکیب شامل کر دی وہ یہ کہ بجائے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ لیسدار کیچڑ کے اور نسلی ترتیب کے۔ خالص نور سے بنایا۔ اِس حال میں کہ نسلی حیثیت میں اِس کا بنیادی مرکب (MATERIAL) ناری (رُوح حیوانی) قوت سے اس کا وجُود خاکی

ترتیب پایا۔ مگر نوری ترتیب میں چونکہ اس کا بنیادی مرکب نور سے ہوا۔ اِس لیے اُس کے وجود جسمانی کی حیثیت (بنیادی طور) نوری وجود کی حامل ہوگی ــــ اس کی ترتیب خاص یہ ہے کہ کسی مخصوص انسان کی پیدائش کے لیے ایک مخصوص نور مقرر کیا جو نسلی طریق پر بجائے "نطفہ" کے "نفخ روح" کے ذریعہ ماں کے پیٹ میں نفخ کیا گیا۔ جس سے ایک انسان۔ عام بشری انسانی شکل و صُورت میں پیدا کیا گیا۔ اِس صورت میں۔ کہ نسلی حیثیت میں انسان کا جسم ناری (خاکی) حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن خلقت کے اعتبار سے اس کا جسم نوری قوت کا حامل ہوگا۔ یہ سب تخلیقی ترتیبیں انسانی ــــ رُوح حیوانی ــــ ناری (خاکی) اور رُوح رحمانی ــــ نوری وجود کے ذریعہ ہوتی ہیں۔ انہیں ترتیبوں پر جیسا کہ قرآن نے ان چار انواع کا ذکر (اشارہ) کیا ــــ پہلا اشارہ۔ حضرت آدمؑ کی تخلیق پر

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔ پارہ ۲۷۔ سورہ ۵۵۔ آیت ۱۴

بنایا۔ انسان کو زمین کی مٹی سے یعنی انسانی جسم خاکی خاصیت کا بنایا گیا ــــ صلصال ــــ ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی۔ یہ اشارہ ہے زمین کی ہیئت کا کہ زمین جب سُورج سے جدا ہوئی تو مانندِ سُورج ناری ہیئت رکھتی تھی۔ بعد ہزاروں سال گزرنے کے یہ ناری ہیئت مٹی میں آئی۔ اس وقت یہ ایک تپتی مٹی کی ہیئت میں ٹھوس شکل میں محسوس ہوئی۔ اسی ہیئت و کیفیت کو صلصال۔ ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے تشبیہہ دیا گیا اور پھر یہی زمین ــــ زمین کی مٹی ہزاروں سال کے بعد جب اس پر پانی برستا رہا تو یہ اپنی آخری ہیئت میں ــــ ایک مقام پر۔ دلدل کی شکل اختیار کر گئی جسے حَمَإٍ مَّسْنُونٍ سے تشبیہہ دیا گیا ــــ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقرر کردہ۔ نوری ذرّہ ــــ نوری قوت۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کے لیے مخصوص کیا تھا۔ اِسی دلدل میں اس۔ ناری ذرّہ نے قرار کر کے انسانی ہیئت و شکل میں انتقال کرنا شروع کیا۔ جو اپنے تخلیقی منازل۔ مراحل سے گزر کر انسانی شکل و اعضاء ــــ سوئی ــــ سے انسانی جسم میں نمودار ہوا۔ یہی وہ جسم ہے جو آدم کے نام سے موسوم ہوا ــــ اور دوسری تخلیقی ترتیب اور آدم کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیقی ترتیب بدل دی۔ کہ یَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اے آدم تم اپنے زوجہ جوڑے۔ عورت مل کر زمین پر رہو ــــ تو اسی جوڑے کے اختلاط ــــ مباشرت سے ایک انسان مرد عورت خُلِقَ مِن مَّآءٍ دَافِقٍ یَّخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ــــ سے بنا۔ اس ترتیب میں انسانی وجود کا مرکب (MATERIAL) خود انسان کے جسم۔ مادہ منویہ ــــ جو اصل روح حیوانی کا ــــ ناری اور خاکی مرکب ہے۔ جو مرد عورت کے مباشرت سے ماں کے خون (حمامسنون) سے نشو و نما پا کر انسانی ہیئت میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جسمانی وجود ناری رُوح سے تخلیق ہوتا ہے ــــ یہ رُوح تاثیر میں ناری ــــ خاکی ــــ اور ــــ رُوح حیوانی سے تشبیہہ ہوتی ہے۔ گویا یہ انسانی وجود نسلِ آدم سے ناری رُوح سے تخلیق ہُوا ــــ اس کے بعد کسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نئی تخلیقی ترکیب و ترتیب کا قرآنی حوالہ پیش کیا۔ جو ایک انسانی وجود کی نوُری خاصیت کی حامل ہوتی ہے۔ اوّل تو اس ترتیب کا اشارہ مجملاً قصہ حضرت زکریا علیہ السّلام میں بیان کیا۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

(پارہ ۱۶۔ سورہ مریم۔ آیت ۲ - ۷)

یعنی حضرت زکریاؑ نے بڑھاپے کی حالت میں جب کہ حضرت زکریاؑ اس عمر کے مقام تک پہنچے۔ کہ ان میں قوّتِ نسلی (نسل) ختم ہو چکی تھی۔ اور آپ علیہ السّلام کی بیوی بانجھ تھی۔ اس حال میں اللہ سے ایک لڑکا (انسان) پیدا ہونے کی فَهَبْ لِيْ ــــ روحی طور پر) قدرت کاملہ کی کرامت کے ذریعہ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا پیدا ہونے کی خواہش کی ــــ تو اللہ نے اپنے نئے منصوبہ کی ابتداء کی يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى اے زکریا تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس حال میں کہ آپ میں لڑکا (انسان) پیدا کرنے کی

نسلی قوت باقی نہ رہی۔ تو میں یہ لڑکا نوری مرکب (MATERIAL) سے پیدا کروں گا۔
حضرت زکریا علیہ السّلام نے استفسار کیا کہ اے اللہ اس لڑکے کے بغیر اسباب نسلی پیدا ہونے کی ترکیب کیا ہے ؟ کہ بغیر نسل کے ماں کے پیٹ سے انسان پیدا ہو؟ اللہ تعالیٰ نے کہا کَذٰلِکَ —— اسی طرح یہ بغیر نسلی مادہ کے —— (نور سے) ایک لڑکا پیدا کروں گا۔
اِس اعلان کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السّلام کا انسانی شکل میں ظہور ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نئی ترتیب ہے کہ اللہ بغیر ذریعہ۔ بغیر نسل۔ بغیر صلصال —— بغیر نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ کے "نور" سے ایک انسان پیدا کرتا ہے۔ اِس حال میں کہ ایک طرف یہ انسانی شکل وہیئت میں پیدا ہوا۔ دوسرا۔ نوری اعتبار سے قانونِ فطرت کے مطابق اس نور کا بُنیادی مرکب زمین —— نسل سے نہیں۔ بلکہ نور قرار دیا جاتا ہے۔ اور اِس نوری خاصیت کے وجُود کی دلیل وضاحت سے اللہ تعالیٰ قرآن میں پیش کرتا ہے۔

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ ۚ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ
سوائے اِس کے نہیں۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام۔ نسلِ آدم سے (نسلی بشر) نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک مخصوص کردہ نور ہے۔ جو حضرت مریم علیہا السّلام میں نفخ کے ذریعہ بطن میں ڈالا گیا۔ جب کہ حضرت مریم علیہا السّلام کی زبانی قرآن نے اِس امر کی وضاحت کی۔

قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَکُ بَغِیًّا
حضرت مریم علیہا السّلام نے کہا کہ میرے کیسے لڑکا ہو سکتا ہے جب کہ میری شادی (نکاح) نہیں کہ بشری ترتیب پر لڑکا ہو۔ قَالَ کَذٰلِکَ کہا اللہ نے ایسے ہی بغیر نسل کے۔ کیونکہ یہ میرے ارادہ ازلی میں مقرر ہو چکا ہے کہ مخلوقِ انسانی میں اس نوع کی مخلوق بھی بناؤں۔

وَلِنَجْعَلَہٗٓ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا
اِس لیے کہ ایسی پیدائش کو۔ بطور دلیل۔ ثبوت پیش کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے بھی ایک پیدائش پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ امر میرے منصوبہ میں ازل سے طے ہو چکا ہے۔ فَنَفَخْنَا فِیْہِ مِنْ رُّوْحِنَا پھر ہم نے حضرت مریم کے بطن میں ایک "کلمہ" ایک

مخصوص نور نفخ کیا۔ جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بظاہر بشری شکل وصورت میں پیدا ہوئے۔
اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نوری نسل کو بھی شکل بشری میں دیکھا جاتا ہے؟ اس کی بشری حالت میں کہ اس پیدائش کی خاصیت بشری ہو؟۔ اس کے متعلق بھی قرآن نے قبل از وقت ایک آیت ـــــ ایک دلیل پیش کی کہ

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ (سورہ مریم۔ آیت ۱۷)
پھر ہم نے حضرت مریم کی طرف ایک "روح" ملائکہ بھیجا۔ جو اسکے سامنے بشری ہیئت میں آیا۔ تو حضرت مریمؑ نے کہا اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا اس آدم نما بشر سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ کہ یہ نوری ملائکہ بشر (انسان) سمجھا گیا۔ مگر قرآن نے اس کی وضاحت کر دی۔ کہ نوری وجود ـــــ نوری نسل ـــــ بشری شکل وصورت۔ اختیار کرنے پر خاصیت میں نوری ہوتا ہے۔

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ڰ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ (سورہ مریم۔ آیت ۱۹)
میں بشری ہیئت میں ہوں۔ مگر میری خاصیت نوری ہے! میں نوری خاصیت کا ملائکہ ہوں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ سے ایک نوری وجود (بشری شکل وصورت میں) پیدا کرنے والا ہے۔
قرآن اس مفصل بیان میں آخر بتاتا ہے۔

اٰيَةً لِّلنَّاسِ۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا یہ امر اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کے منصوبہ میں طے ہوا ہے۔ کہ مخلوق انسانی میں۔ ایک انسان بغیر باپ کے بھی بناؤں گا۔ تاکہ کسی کو یہ اعتراض یا بے خبری نہ ہو کہ اللہ ایک بشر کو نوری مرکب MATERIAL سے بنائے گا۔ جس میں نوری خاصیت ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس حال میں کہ قرآنی بیان پر غور و تحقیق سے ـــــ انسانی انواع و تخلیق سے "نور" ـــــ اور "بشر" کی صفات کا اندازہ کر سکے۔
اس تخلیق پر ایک پیدا ہونے والے بشر کو ماں باپ کے ہوتے بھی نور سے پہچانا جاتا ہے۔

الغرض انسانی تخلیق کے اس قرآنی بیان کا لبِ لباب ـــــ مقصد یہ ہے۔ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ کہ اس تخلیق کی ہر "نوع" کے لیے آثار و دلائل واضح ہوں کہ
۱۔ اوّل تخلیق۔ ماں باپ کے بغیر انسان (بشر) پیدا کیا جاتا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام بشری ہیئت میں پیدا ہوئے۔

۲۔ دوسری تخلیق۔ مرد اور عورت کے اختلاط (مباشرت) سے ماں کے بطن (رحم) سے جیسے تمام مخلوقِ انسانی۔ نسل اور بشری ہیئت میں پیدا ہوتی ہے کہ یہ بھی ایک تخلیقی عمل نوعِ انسانی ہے۔

۳۔ تیسری تخلیق۔ بغیر باپ۔ ماں سے پیدا ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ جس کی بُنیاد (بنیادی MATERIAL) نورِ محض (نُوْرٌ مِّنْهُ) ایک نوری وجود سے ـــــ بشری شکل میں نوری خاصیات کا مرقع پیدا ہوا۔

۴۔ چوتھی تخلیق۔ ماں اور باپ کے ہوتے ہوئے خالص نور سے۔ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام "فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا"۔ یعنی۔ بغیر نسلی قوت۔ قدرتِ کاملہ سے۔ جس کا سبب بھی "نور" ہی ہوتا ہے۔ ہاں لب لباب ـــــ ماحصل اس کا بشری ہیئت سے علاوہ۔ مخلوق انسانی میں "وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا" ارادہ ازلی ـــــ ارادہ الٰہی میں۔

اسی قرآنی بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے منصوبہ ازلی میں۔ جہاں ان انبیاء خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسمانی فضیلت عطا کی یہ حقیقتاً ایک امر واقع نہیں بلکہ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ایک دلیل ہے۔ اصل امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو تمام مخلوقِ کائنات پر فضیلت عطا کرنے کے لیے بطورِ دلیل سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى پیش کیا گیا۔ کہ تخلیقی حیثیت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء امام المرسلین حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اعلیٰ فضیلت رکھتے ہیں۔ اسلیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق بھی اِسی "نوع" میں شامل ہے۔ کہ باپ (عبداللہ علیہ السلام) اور والدہ حضرت آمنہ علیہا السلام) کے ہوتے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے مثلِ عیسےٰ علیہ السلام ـــــ ایک نور مخصوص ہوا۔ جو تمام انوار ـــــ رُوحِ حیوانی ـــــ رُوحِ رحمانی سے افضل قرار دیا گیا۔ یہی نور "اَلْقٰهَا اِلٰى اٰمِنَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ" نفخ نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجُود مقدس کا ظہور ہوا۔

واضح ہو کہ تمام مخلوق انسانی۔ بمعہ انبیاء کے جسم میں دو رُوحیں پائی جاتی ہیں (رُوح حیوانی) زندگی کی رُوح اور دُوسری رُوح رحمانی حصولِ علم کے لیے تخلیقی اعتبار سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح حیوانی ـــــ زندگی کی رُوح ـــــ چونکہ نسلی نہیں بلکہ مخصوص نور ہے آپ میں رُوحِ حیوانی نہیں بلکہ نور سے تخلیق ہوئے ـــــ اس لیے یہ نورِ مخصوص

اصلاً نورِ اوّل ـــــ نورِ ابتدائی۔ کائنات کی تخلیق کا نورِ اوّل ہے۔ جس نور کے ایک جزو سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رُوحِ انسانی (جسے رُوحِ حیوانی سے تشبیہہ دیا جاتا ہے) تخلیق ہوئی۔ جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جسمِ مقدّس کے لیے وقف کی گئی اور اسی نورِ اوّل کی ایک جزو نوری جز تخلیقِ انسانی میں وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کے لیے مخصوص کی گئی۔ جو حضرت آدم (انسان) کی رُوحِ رحمانی کے لیے اس میں جسم کی تکمیل پر نفخ کی جاتی ہے۔ لہٰذا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی (حقیقتِ محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم) رُوحِ جسمانی اور عام انسان کی رُوح رحمانی یکساں ہیئتیں ہیں۔ اسی تخلیق پر قرآن نے "سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ" کا اعلان کیا کہ جہانِ مخلوقِ انسانی میں اولیاء اللہ دیدارِ الٰہی میں رُوحِ رحمانی سے دیدار و معرفت حاصل کرتے ہیں وہاں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جسم مقدّس بھی نور سے تخلیق ہے۔ اِس لیے اِس معراج میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم بمنزلہ رُوح رحمانی جسم سے رسائی و دیدار کرتے ہیں اسی کیفیت کے لیے قرآن نے "سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ" اور "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" اور فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى کا بیان پیش کیا۔

لہٰذا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرمانِ قدسی کے مطابق اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ ـــــ وَخَلَقَ كُلَّ خَلْقٍ مِنْ نُوْرِيْ۔ اِس کی حقیقی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کائنات کی تخلیق کے منصوبہ ازلی میں جب کائنات بنانے کا ارادہ کیا ـــــ اس کے سوا مخلوقی حیثیت میں ـــــ مخلوق کائنات بنانے کی کوئی صورت میسّر نہ تھی کہ براہِ راست اپنی ذاتِ احد۔ اپنے نورِ لامحدود خالق سے مخلوق بننا ممکن نہ تھا۔ کہ کل مخلوق۔ مخلوقی حیثیت میں۔ مخلوق ہیئت میں ظہور کرتی۔ سوائے اِس کے کہ

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ

یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اگر نورِ ابتدائی ـــــ اپنی ذات سے نہ بناتا تو مخلوق۔ مخلوق نام سے مخلوق نہ بنتی ـــــ جس کے لیے۔ اپنی ذاتِ احد سے۔ اوّل ایک مخلوقی نور ظاہر کیا ـــــ پھر اسی مخلوقی نور سے۔ محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کُل کائنات کو مخلوقی صورت میں پیدا کیا ـــــ

اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ سب سے پہلے کائنات بننے میں جو نور (نورِ الٰہی — نورِ احد) سے "جو" بنایا گیا وہ میرے نام (نامِ مقدس) سے معروف ہے۔ اور آئندہ اسی نور سے کُل کائنات بنائی گئی — "نبی" — اِس نور کا نام — (جیسے عرش — کرسی۔ آسمان۔ سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معروف ہُوا — کہ اسرارِ کائنات میں جب ایک فرد معرفتِ الٰہی کی پہچان کرتا ہے تو کائنات — اسرارِ کائنات — میں ہر ہیئت۔ ہر کیفیت میں اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ میرا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی نور مشاہدہ میں آتا ہے۔ اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مقدس محمدؐ پہچانا گیا (پایا گیا) یہ کائنات — اسرارِ کائنات — دراصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم — نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تشبیہہ دیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت خاتم النبیین سے تعبیر ہے۔ حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ مقدس (نورِ جسمی) اِسی نورِ اوّل کی ایک نوری جُز مقرر کی گئی۔ اور تمام مخلوق — تمام انبیاء کی رُوح رحمانی جس سے انہیں مقامِ نبوت حاصل ہوتا ہے۔ اسی نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجزاء ہیں۔ جو رُوح وقتِ معراج میں "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" کے مقام پر جسمانی آنکھوں — جسم — سے اللہ کی ذات میں "جذب" ہُوا — معراج (معراجِ جسمانی) سے تعبیر ہے۔

یہ حقیقت ہے — بلاشبہ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں کئی ایسے مُرید ہیں جو محترمہ گلنسار کی مانند معرفت و عرفانِ الٰہی کے مراتب کی سیر میں کامل اکمل صاحبِ عرفان پائے گئے۔ لیکن میرے اِس صحیفہ میں تحریر و بیان میں جو "نورُ العرفان" کے چراغ پیش کیے گئے ہیں اس میں انہیں جیسے فقراء کے مشاہدات سے روشنی حاصل کی گئی ہے جس میں میری ذاتی کاوش و عمل کو دخل نہیں — میری حیثیت صرف راوی کی ہے — اِس کے سوا کچھ نہیں — اور مجھے فخر ہے کہ اس صحیفہ میں میں محترمہ گلنسار اور دیگر مُریدوں کے مشاہدات کو بطور دلیل پیش کرنے میں ایک واضح دعویٰ رکھتا ہوں کہ جو تلاشِ حقیقت کا طالب ہے۔ ان چند واقعات پر عقلِ سلیم کے ساتھ مطالعہ کرے تو اُس کی ہدایت و راہنمائی کے لیے یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہو گی۔

افسوس کہ زمانہ ہر حال میں فانی ہے۔ آج کی دلیل کل میسّر نہیں آسکتی۔ حضور قبلہ عالم کے مُریدوں میں اکثر ایسے مخصُوص فقیر حال میں موجود نہیں مگر یہ دعویٰ ہے کہ نورُ العرفان میں ان کے درج شدہ واقعات پر تسلیم کے ساتھ کوئی شخص سلسلہ اویسیہ سے نسبت قائم کرے تو آج بھی (یہ آج ـــــ ماضی ـــــ مستقبل میں بھی قائم رہے گا۔) اسے ایسے ہی مشاہدات اور مراتب کے اسرار کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ خاتون بھی موت کی وادی میں داخل ہو چکی ہے ـــــ والد کی وفات کا گلنسار نے اپنے عزیزوں کے مقابلہ میں زیادہ اثر قبول کیا۔ آپ کو اپنے والد سے بے حد محبت تھی ـــــ اور پھر یہ زمانہ حادثات سے پُر تھا۔ کشمیر میں فساد برپا ہونا۔ اِس جنگ میں گلنسار کو جن حادثات سے دوچار ہونا پڑا وہ حد درجہ دلخراش اور اندوہناک تھے۔ اِس نے جنگ کے دوران کمزور اور معصوم عورتوں، بچّوں کو تباہ حالت میں دیکھا۔ ان کی دہشت زدگی، عصمت لٹی ہوئی پریشان حال معصوم لڑکیوں کی دہشت نے اُسے دہشت زدہ کر دیا۔ وہ دنیا سے متنفر ہو گئی۔ جہاں اسلام اور جہاد کے نام پر مظلوموں پر ظلم ڈھائے گئے۔ یہ حادثات گلنسار کے لیے ناقابلِ برداشت تھے۔ پھر اپنے محبُوب پیر سے جُدائی میں ایک وسیع اور شدید حدِّ فاصل نے اِس کے قلب کو فراق کی آگ میں خاکستر کر دیا۔ والد کی وفات کے بعد وہ کچھ عرصہ زندہ رہی۔ اس کی شادی بھی ہو گئی۔ تین بچے بھی ہوئے۔ گلنسا بیحد سنجیدہ۔ بُردبار۔ مستقل مزاج۔ صابرا اور دلیر لڑکی تھی۔ وہ حادثات سے ٹکرانے کی قوت رکھتی تھی۔ مگر اس کے سامنے جو حادثات آئے وہ ان کی ہولناکی کی متحمّل نہ ہو سکی۔ وُہ زندہ رہی مگر دُنیا کی زندگی کو رسماً قبول کیا۔ یقیناً وہ ایک مومنہ تھی۔ جو فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ کے مصداق ـــــ مومن کی طرح موت کی طلب میں زندگی گزارتی رہی۔ وہ دنیوی زندگی کے مقابلہ میں ہمیشہ آخرت کی زندگی کی طرف جانے میں کبھی خوفزدہ نہیں رہی ـــــ آخر اس نے موت پر فتح پائی ـــــ ابھی اس کی زندگی کے تقریباً تیس سال ہی گزرے تھے۔ اس کی ہمیشگی کی تمنّا پوری ہو گئی ـــــ اِس نے اپنے عزیز و اقربا۔ خاوند۔ اولاد کی محبّت پر قابو پا کر موت کی طرف قدم بڑھایا اور دارِ آخرت کی طرف ہجرت کر گئی ـــــ آپ کو معمولی سی پیچش شروع ہو گئی۔

آپ اپنے علاج میں ہمیشہ لاپرواہ رہیں ـــــ معمولی سی تکلیف نے طول پکڑا۔علاج کیا مگر صحت نہ ہو سکی۔عزیزوں نے فیصلہ کیا کہ اسے ٹیکسلا ہسپتال میں داخل کریں۔گو وہ خود اس پر راضی نہ تھی۔مگر عزیزوں اور بزرگوں کے اصرار پر مجبور ہو گئی۔آخر اسے ٹیکسلا ہسپتال میں داخل کیا گیا اور پیٹ کا مرض السر تشخیص کیا گیا۔ڈاکٹروں کے مطابق مرض چند دنوں میں رفع ہو کر مریض صحت یاب ہوتا مگر ایسا نہ ہوا۔مرض مرض ہی رہا ـــ آخر گلنسار نے بتا ہی دیا کہ اب علاج ہی بیکار ہے۔میں ہر حال میں جانا چاہتی ہوں ـــــ دوا پینے سے انکار کر دیا۔چونکہ ہسپتال میں زیر علاج تھی۔نرسوں نے دوا پینے پر مجبور کیا مگر اس نے صاف کہہ دیا کہ میں اب مرنے والی ہوں۔مجھے تنگ نہ کرو۔نرسوں نے کہا تم مسلمان لوگ وہمی اور کمزور عقیدے کے لوگ ہوتے ہو۔تکلیف میں طوالت ہوئی تو موت موت رٹنا شروع کر دیا۔موت کا تو کسی کو پتہ نہیں ہوتا۔تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ تم نے مرنا ہے۔گلنسار مزاج کی بھی تیز تھی۔ان کی اس بات کو برداشت نہ کر سکی۔اور جلال میں آکر بولی میں مسلمان ہوں۔مسلمان جب مرتا ہے تو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے پاس آتے ہیں اور اپنے پاس لے جاتے ہیں۔تم عیسائی ہو تمہارا مذہب سچا نہیں۔اسلام سچا دین ہے۔تم اسلام اور مسلمان کی حقیقت نہیں جانتے ہو ـــ میرے رہبر پیر ہیں۔اور اس وقت میرے پاس ہیں۔وہ مجھے لینے کے واسطے آئے ہیں۔میں تھوڑی دیر کے بعد ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔تم خود ہی دیکھ لو گی۔جاؤ اپنا کام کرو میرا علاج ختم ہو گیا۔یہ سُنکر نرسیں حیران ہو کر گلنسار کو دیکھتی رہیں۔انہوں نے ڈاکٹروں کو بتایا کہ ایک مریضہ نے دوا پینے سے انکار کر دیا۔وہ کہتی ہے میں مرنے والی ہوں۔ڈاکٹر بھی گلنسار کو دیکھنے آئے۔گلنسار نے انہیں بھی اسلام اور روحانیت پر چند حقائق بیان کیے اور اسلام اور عیسائیت کے متعلق واقعات سنائے تو ڈاکٹر بھی خاموش ہو گئے۔آخر گلنسار نے اپنے خاوند کو وصیت کی کہ بچوں کا خیال رکھنا اور اسے نڑگولی گاؤں (اس کے شوہر کے گھر) دفن کرنا اور بھی چند پیشگوئیاں کیں۔اور یہ بھی بتایا کہ آئندہ تم نے کیا کچھ کرنا ہے ـــــ اس کے علاوہ اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے کسی علیحدہ جگہ لے چلو۔تنہائی میں میں نے تم سے کچھ باتیں کہنی ہیں۔لیکن

اس کے شوہر نے غالباً اس خیال سے کہ کہیں اِن باتوں میں اس پر کچھ ذمّہ داریاں آجائیں جو اِس سے پوری نہ ہو سکیں۔ تنہائی میں جانے سے ٹال گیا۔ گلنسار سمجھ گئی مجبوراً خاموش ہوگئی —— آخر وقت قریب آگیا تو گلنسار نے اپنے شوہر سے کہا میری موت پر واویلا نہ کرنا —— یہ بے عزتی ہوگی —— صبر سے کام لینا۔ میرے جسم کو کسی کو ہاتھ نہ لگانے دینا۔ اپنے عزیزوں کے سوا مجھے یہاں سے کوئی نہ اٹھائے۔ اور موت کے وقت میری آنکھیں اور مُنہ بند کردینا۔ پھر کہنے لگی تیرے اوسان خطا ہوجائیں گے تو مجھے سنبھال نہ سکے گا۔ مَیں خود ہی اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لوں گی۔ سب کو سلام اور دُعا کے بعد اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ دیے۔ آنکھیں بند کیں۔ خدا حافظ کہہ کر فوراً ہاتھ سینے پر باندھ دیے۔ بس! اتنے ہی لمحہ کی دیر تھی گلنسار اپنے مقصد کو پاکر اپنے مقصد کو پہنچ چکی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔ مت کہو ان لوگوں کو جو قتل ہوئے اللہ کی راہ میں مُردہ۔ بلکہ زندہ ہیں لیکن تم اِس زندگی کو دیکھ نہیں سکتے۔ تَشْعُرُوْنَ کا اشارہ متشابہات کی وجہ سے ہے کہ یہ کیفیت متشابہات سے تعلق رکھتی ہے۔

وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ

نہیں مشاہدہ رکھتے۔ نہیں علم رکھتے (کہ قیامت کے دن) کب اٹھائے جائیں گے۔

یہاں موت کے واقعہ کو بھی متشابہ تصوّر کرکے یَشْعُرُوْنَ کا اشارہ دیا گیا ہے۔

فی الحقیقت انسان پر وارد سکرات الموت۔ موت کی غنودگی میں اس کے عمل کے مطابق۔ خوبصورت۔ خوش آئندہ کیفیات کا مشاہدہ ایمان کی صورت میں۔ اور گنہگار کے لیے سکرات الموت کے وقت خوفناک مناظر اور تکلیفات انسانی علم سے باہر ہیں۔ اِس لیے جبکہ سکرات الموت حق قرآنی بیان سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت سکر کی حالت یعنی غنودگی کے عالم میں باطنی کیفیات برزخ کا مشاہدہ حق ہے تو موت کے وقت ولی پر ایسے انکشافات یقیناً حق ثابت ہوتے ہیں۔

حضور قبلہ عالمؒ ولی اکمل —— اور قطب الاقطاب کا مقام رکھتے تھے —— اپنے مقام کے اعتبار سے رحمانی (روحِ رحمانی) اعتبار سے آپ کو زندگی اور موت میں یکساں مقام

فنائے ذاتِ الٰہی حاصل تھا۔ اور رُوحِ حیوانی کے اعتبار سے ——آپ کا مقام اعلیٰ علین میں ہونا حق ہے —— صفاتِ ولایت کے اعتبار سے آپ کی حیثیت ۔ زندگی —— اور موت دونوں صورتوں میں یکساں ہے ——آپ بہمہ صفات ولایت معرفت —— علم —— قوت —— کرامات کے عالمِ برزخ میں بھی حامل ہیں —— موت کے بعد بھی آپ کسی مُرید کو خواہ وہ زندگی میں ہو یا نزع کے عالم میں —— یا بعد موت بھی —— اس کی عبادت —— اِس کی مدد پر حاضر ہونے کی قدرت رکھتے ہیں —— یہ کوئی مبالغہ نہیں ۔ بلکہ ایک حقیقت ہے لیکن اس کے فہم کے لیے قلبِ سلیم ۔ عقلِ سلیم —— اور حسنِ نیت لازم ہے ۔

حضورؒ کا اپنے مریدوں کی وقتِ آخرت دستگیری فرمانا

اِن ہی صفات کے مطابق حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کی نزع کے وقت رفاقت فرماتے ہیں ۔ جیسا کہ گل نسار کے چشم دید واقعہ سے ظاہر ہے ۔ حضور قبلہ عالمؒ کے مریدوں میں بیشتر ایسے واقعات ہیں —— جو باطنی کمالات کے مظہر ہیں ۔ لیکن واقعات کا اظہار ممکن نہیں نہ کوئی ایسے واقعات سننے کا متحمل ہو سکتا ہے ۔ بلکہ آدابِ طریقت ان کے بیان کرنے میں مانع ہیں ۔ سوائے اس کے کہ چند عام چشم دید واقعات پیش کیے جائیں ۔

پیشتر علاقہ چکار میں حضور قبلہ عالمؒ کے چند مریدوں کا ذکر ہوا ۔ ان میں قصبہ چکار کا ایک مرید شیرو سائیں (جھنڈو) صاحبِ مشاہدہ حضوری فقیر تھا ۔ لوگ اکثر اس کی شکایت کرتے کہ جھنڈو مرغیاں چرا کر لے جاتا ہے —— ہر وقت تسبیح ہاتھ میں رکھ کر ظاہر کرتا ہے ۔ کہ مَیں درود شریف پڑھتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کرتا ہوں ۔ لوگ اکثر اُسے مشکوک نظروں سے دیکھتے ۔ ایک دفعہ جھنڈو بیمار ہو گیا ۔ معمولی سا بخار ہوا —— دیسی قسم کا دیہاتی علاج کرایا ۔ مگر بخار نہ اُترا ۔ یہاں تک کہ ایک ماہ کا عرصہ گزرا ۔ جھنڈو بستر پر دراز ہو گیا —— اِس کے عزیز و اقربا بیمار پُرسی کے لیے آتے رہے ۔ ایک دن اپنے ایک حاسد عزیز نے طعنہ دیا —— کہ تو تو اپنے آپ کو بڑا ولی سمجھتا تھا ۔ اپنے کشمیر کے پیر کو کیوں نہیں بلاتا ۔ تجھے ٹھیک کر دے ۔ جھنڈو غضبناک ہوا اور بستر سے اُٹھ کر حملہ آور ہوا ۔ اس کے عزیزوں نے

اُسے تھاما اور بستر پر لٹا دیا۔ جھنڈو کہنے لگا تم سب شیطان کی امت ہو۔ ایک ولی کی شان میں بغض و حسد کی وجہ سے گستاخی کرتے ہو ــــ تم لوگ مجھ پر الزام لگاتے رہے میں چوری کرتا تھا۔ بے شک میں چوری کرتا تھا۔ مگر کشمیر کا پیر ایک عظیم پیر ہے ــــ اس کے باوجود میں ان کا مرید ہوں۔ مرید رہا۔ اور زیارت بھی کرتا رہا۔ بدبختو تم اس ولی کو نہیں جانتے ــــ افسوس کہ میں اب مرنے والا ہوں۔ میرا پیر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ میرا پیر مجھے لینے آیا ہے۔ میں جلدی رخصت ہونے والا ہوں۔ موت کی بیماری مقدر ہوتی ہے۔ اس میں صحت نہیں ہوتی۔ جھنڈو کی باتیں سُن کر اس کے عزیز اس شخص سے ناراض ہو گئے کہ ایسے وقت میں ایسی بات کرنی مناسب نہ تھی۔ اسے بہت صدمہ پہنچا۔ دیکھو یہ کیسی باتیں کرتے لگا۔ جھنڈو غصے میں اپنے پیر کی تعریف کرنے لگا۔ ایک سیکنڈ خاموش رہا۔ تسبیح ہاتھ سے گر گئی دیکھا تو شیر و چور ــــ اپنے نگہبان ــــ راہبر کے ساتھ جا چکا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اسی گاؤں کا ایک نمبردار اور اس کی بیوی حضور قبلہ عالمؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ نمبردار کی بیوی بیمار ہو گئی ــــ کچھ عرصہ بیمار رہی ــــ علاج ہوا ــــ کچھ صحت ہوئی۔ ابھی کمزور تھی۔ زیادہ تر بستر پر ہی پڑی رہتی ــــ ایک دن صبح اُٹھتے ہی اپنے عزیزوں کو بلایا اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی بلوانے کے لیے کہنے لگی کہ میں اب رخصت ہونے والی ہوں۔ سب کو آخری ملاقات کے لیے بلواؤ ــــ بظاہر اس کے بشرے سے موت کے آثار ظاہر نہیں ہو رہے تھے۔ عزیزوں نے تسلی دینے کی کوشش کی مگر اس نے زور دے کر کہا کہ میری بات پر یقین کرو ــــ رشتہ داروں کو خبر کر دو۔ ورنہ انہیں افسوس ہوگا۔ مجبوراً عزیزوں کو خبر دینے کے لیے آدمی بھیجے گئے۔ اور آپ انتظار میں بیٹھی رہیں۔ کچھ وقت گزرا تو اچانک دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ دیکھتے ہی باادب ہو گئی اور قریب بچھی ہوئی چارپائی سے لوگوں کو ہٹا دیا کہ جلدی چارپائی خالی کرو۔ پیر صاحب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ ایسے محسوس ہوا جیسے وہ اُن کے لیے احتراماً جھک گئی اور وہ چارپائی پر تشریف فرما ہوئے۔ نمبردار کی بیوی ٹکٹکی باندھے چارپائی کی طرف باادب ہو کر دیکھتی رہی۔

اِس اثنا میں بہت سے عزیز آئے اور وہ اسے حیران ہو کر دیکھتے رہے۔ اچانک اس نے سب کو السلامُ علیکم کہا! اور بستر پر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کیں کچھ دیر خاموشی چھا گئی۔ کسی نے اُٹھ کر ہلایا تو دیکھا کہ وہ اپنے رفیقِ حقیقی کی ہمراہی میں رفیق اعلیٰ سے وصال پا چکی تھی۔

گزشتہ اوراق میں لالہ وارث علی کا ذکر ہو چکا — یہ شخص اپنی جوانی کے زمانہ میں — ایک خود سر خونی تھا — شدید انتقامی آدمی — کئی قتل کر چکا تھا۔ راجہ علی اکبر خان صاحب اس سے اس کی وارداتوں کے متعلق پوچھتے تو رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات سناتا — معمولی سی اُردو تعلیم رکھتا تھا — راج مزدور تھا — مگر ذہنی قابلیت میں انجنیئر بھی اس کے منصوبہ کی تعریف کرتے۔ حد درجہ ذہین تھا۔ گھر بیٹھے حکمت کی کتابیں پڑھ کر حکیم حاذق کی سند حاصل کی۔ عقل اس قدر وسیع تھی کہ باریک سے باریک نقطہ کی تہہ تک پہنچ جاتا۔ حضور سے بیعت ہُوا تو اس کی ہیئت بدل گئی۔ ضعیف ہو چکا تھا۔ لیکن سرد راتوں میں اُٹھ کر تہجد ادا کرتا اور کثرت سے درُود شریف پڑھتا۔ آخر اس کا وقت بھی آن پہنچا — بیمار ہو گیا — خود ہی علاج کیا۔ لالہ وارث علی کو تشخیص اور نسخہ ترتیب دینے میں کمال حاصل تھا — لیکن کوئی دوائی مؤثر ثابت نہ ہوئی۔ لالہ اکثر مذاق بھی کرتا تھا — کہنے لگا۔ بھائی لقمان والی بات یاد آ گئی۔ میں دوا کھاتا ہوں — فرشتے دوا حلق سے باہر پھینک دیتے ہیں۔ اچھا بھئی فرشتو ہم دوا نہیں کھاتے — بس دوا کھانی ترک کر دی۔ بستر پر لیٹے رہے۔ اِس حالت میں بھی رفع حاجت کے لیے خود باہر جانا۔ کسی کی مدد نہ لینا — وضو کرنا — نماز ادا کرنا — درود شریف پڑھنا برابر جاری رکھا۔ آخر ایک دن صبح کے وقت کہنے لگے! لو بھئی وقت آ گیا۔ آج ہمارا آخری دن ہے۔ بس وقت کا انتظار ہے۔ اپنے عزیزوں سے باتیں کرتے رہے۔ اپنی لڑکی کا رشتہ اپنے کسی عزیز سے طے کیا۔ بیوی کو نصیحت کی۔ غرض ہر شخص کے ساتھ معاملات طے کیے۔ کمال یہ ہے کہ تیمارداروں عزیزوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ بتا رہے ہیں۔ کہ میری رُوح پاؤں سے اُوپر آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد بتایا کہ رُوح گھٹنوں تک پہنچ گئی۔ لاتیں بے رُوح ہو گئی ہیں۔ دیکھا تو واقعی پاؤں پنڈلیاں ٹھنڈی اور سخت ہو گئی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد بتایا اب رُوح سینہ تک پہنچی

ہے ـــــ اب رُوح سینہ سے اُوپر آ گئی ہے۔ دیکھا تو بدن ٹھنڈا اور بے حس ہو چکا ہے۔ اِس دوران خوش باش۔ بغیر کسی دہشت و خوف کے مزے مزے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں۔ جیسے اس پر کوئی حادثہ نہیں ہو رہا۔ گلے کے قریب رُوح پہنچی تو گلے سے غرغراہٹ کی آواز آنے لگی تو صاف کہنے لگا۔ یہ آخری مقام ہے۔ موت کا آخری منظر ـــــ یہ گلا بجنا ہے ـــــ اسے گھنگرو بجنا بھی کہتے ہیں۔ اِس کے بعد خاموش ہو گیا ـــــ لالہ وارث ـــــ بستر پر لیٹے نہیں بلکہ بیٹھے ہیں۔ خاموشی ہو گئی سر ڈھلک گیا۔ دیکھا تو واقعی وہ جسم کو چھوڑ کر مغفرت کی وادی میں داخل ہو چکا تھا ـــــ ایک پیرِ اکمل نے اسے شہادت گہ اُلفت کی قربانی دے کر ـــــ آج ذبح کر دیا ـــــ اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کو قبول کر کے لالہ وارث علی کو اَلشُّھَدَاءِ میں داخل کر کے اپنے انعامات سے نوازا۔ لالہ وارث علی نے عرض کی تھی کہ حضرت اتنی چھُری تیز کرتے رہے۔ مَیں نے سر جھکا دیا اب ذبح کر دیجئے۔ واقعی اس مردِ مومن ولیِ اکمل نے لالہ وارث کے لیے موت اور حیات یکساں کر دی ـــــ موت کے باوجود آخری دم تک اس کی زندگی میں فرق نہ آنے دیا۔ نکتہ ہے ـــــ جو سمجھے ـــــ سمجھنے کی کوشش کرے۔ رُوح جسم سے علیٰحدہ ہو کر جسم کو بے حس کر رہی ہے ـــــ مگر خود کلام و فہم پر قادر ہے ـــــ رُوح خود نکل رہی ہے ـــــ خود بول رہی ہے ـــــ جسم نہیں بول رہا ـــــ حلق تک پہنچ کر بھی کلام پر قادر ہے ـــــ تو ظاہر ہُوا جسم کی کوئی حیثیت نہیں ـــــ اصل انسان رُوح ہے ـــــ جب ہی تو رُوح کی علیٰحدگی پر جسم نہ بول سکتا ہے نہ سُن سکتا ہے۔ نہ کہہ سکتا ہے۔ مگر کوئی تو بول رہا ہے ـــــ جو الگ ہو گیا ـــــ ہاں الگ ہو گیا ـــــ کہاں؟ ـــــ عالمِ ظاہر سے ملے ہوئے ـــــ عالمِ باطن ـــــ عالمِ برزخ میں موجود ہے ـــــ مگر اب زبان نہیں کہ لوگ زبان کے واسطہ سے کلام سُن سکیں ـــــ یہ رُوح حقیقتاً مجسّم انسان ہے۔ جس میں قوّتِ سمع و بصر۔ فہم و ارادہ حرکت موجود ہے ـــــ اب اِس کا لباس نہیں جس سے اس کا احساس ہوتا رہا ـــــ اب رُوح ہے خالص ـــــ ہاں تم میں بھی رُوح ہے ـــــ یہی رُوح ہے ـــــ جو دیکھنا چاہو تو رُوح کی آنکھ۔ رُوح کے کان ـــــ رُوح کی زبان سے تم بغیر جسم اس رُوح کو دیکھ سکتے ہو۔ اِس سے کلام کر سکتے ہو ـــــ اِس سے کہہ سکتے ہو ـــــ

جواب لے سکتے ہو ــــ یہ ولی ــــ اور ولایت کی خصوصیت ہے کہ رُوح انسان ہے ــــ رُوح ــــ رُوح کو دیکھ لیتی ہے سُن لیتی ہے ۔بات کر لیتی ہے ــــ ولی ــــ ولی سے بات کرتی ہے (رُوح) خواہ عالمِ ظاہر ہو یا عالمِ برزخ ــــ ہاں! یہاں ولی کی صفت ہونا لازم ہے۔

حضُور پر نُور حضرت الحاج محمدؐ امین صاحب اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی کسی تعریف کی محتاج نہیں ــــ نہ ہم آپ کی سوانح میں آپ کی ذاتی خصوصیات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ سوائے اِس کے کہ آپ کے غلاموں کی خصوصیات کے چند پہلو پیش کرتے ہیں ــــ یہ سب علم و کمال حضور عالی مقام کی کرم نوازی اور محبُوبیت کے طفیل آپ کے غلاموں کو حاصل رہا۔ یہی خصوصیت حضور قبلہ عالم کی علو مرتبت کے اظہار کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے۔

ذرّہ میں آفتاب کا قائل رہا ہُوں مَیں
سرگشتہ حقیقت و باطل رہا ہُوں مَیں

ولی کے کمالات تین طرح کے ہوتے ہیں

اِس صحیفہ کے ابتدائی باب میں بیان ہو چکا ہے۔ ولی سے متعلق سیرت بیان کرنے میں ولی کے کمالات کا تذکرہ شامل ہوتا ہے۔ اِس تذکرہ میں تین اقسام کی کیفیات ہوتی ہیں۔ قسمِ اوّل جسمانی خصوصیت جس میں ولی کا کردار، خصائل و اخلاق اسکی روزمرہ زندگی کے حالات کا ذکر ــــ قسم دوئم روحانی خصوصیت جس میں ولی کی رُوحانی کرامات یا ناسوتی کرامات شامل ہیں۔ ان کرامات کا تعلق رُوحِ حیوانی سے ہے۔ یہ انسانی مادی قوت کی خصوصیت کا اظہار ہے۔ مثلاً بیماروں کا صحت مند ہونا۔ دل کی باتیں بتانا۔ مستقبل کے حالات کی پیشگوئی کرنا ــــ پانی پر چلنا ــــ ہوا میں بجسم پرواز کرنا وغیرہ۔ یہ کمالات اگرچہ مافوق العقل تصوّر کیے جاتے ہیں۔ لیکن انسان کی مادی قوت (رُوحِ حیوانی) سے ایسے مظاہر ہونا ممکن ہیں۔ ایسے مظاہر کو کرامات کہا جاتا ہے۔ ایسے واقعات میں بعض ایسے مظاہر

ہوتے ہیں جن کا ذکر کیا جائے تو عام عقل ایسے واقعات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی ـــــ تاوقتیکہ ان میں سے بعض کو (سائنٹیفک) دلائل سے تسلیم نہ کرایا جائے۔ یہ واقعات بھی ایک ولی کی سیرت میں خصوصی مقام رکھتے ہیں۔ لیکن واقعات کے تذکرہ سے ایک ولی کی سیرت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ جب تک کہ ولی کی ولایت میں اس کے کمالاتِ ملکوتی کا ذکر موجود نہ ہو ـــــ یہ قسم سوئم ہے ـــــ جس میں عالم ملکوت کے آثار و اسرار کا ذکر ـــــ ان کے مشاہدات ـــــ ان مقامات کی رُوحانی (رُوح رحمانی کے ذریعہ) سیر کے حقیقی تصورات کا ذکر شامل ہوتا ہے۔ لیکن ملکوتی کمالات پر یقین و تسلیم ـــــ ناسوتی کمالات کے تسلیم سے بھی مشکل ہے۔ کیونکہ ایسے واقعات یکسر نورانی اور رُوحانی ہوتے ہیں ـــــ جن کے لیے کوئی مادی عقلی دلیل میسّر نہیں آسکتی۔ سوائے اس کے کہ ایک طالب علم قرآنِ حکیم ـــــ اور اِس کتاب کی تفہیم و تفسیر کا بدرجہ کمال ادراک رکھتا ہو ـــــ اِس علم کے یقین و تسلیم کے لیے قرآن نے خود ایک اصُول مقرر کیا۔ کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ یعنی قرآنی تعلیمات ـــــ اس میں درج محکمات ـــــ متشابہات پر ایمان کے لیے لازم ہے کہ قرآن کے حامل رسُول کی شخصیت اوّلاً تسلیم کی جائے ـــــ یعنی جسمانی خصوصیت نمبر ۱ میں اس کے کردار و اخلاق کو شخصیت کے لیے دلیل لیا جائے ـــــ کہ یہ شخص امین و صادق ہے ـــــ کہ اس کا ہر قول و فعل مبنی بر حقیقت ہے۔ پھر دوسری دلیل رُوحانی خصوصیت یعنی کرامات ـــــ یعنی اِسکے پاکیزہ نفس میں رُوحانی پاکیزگی کا مظاہرہ۔ یہ مظاہرہ ایک شخصیت کے مامور من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ اِن دو دلائل کے بعد جبکہ رُوحانی اسرار کے دلائل عقلی طور میسّر نہیں۔ ایک شخصیت کے قول و فعل کو بلا دلیل تسلیم کرنا لازمی ہوتا ہے ـــــ لہٰذا ایک مدعی ولایت کے لیے اوّلاً شخصیت کو تسلیم کرنے کے لیے اِس کا کردار و اخلاق ـــــ عمل صالح ـــــ پاکیزہ نفسی ـــــ اور قرآنی احکام ـــــ احکامِ شریعت ـــــ اور شریعت کی حامل عظیم شخصیت ـــــ حضرت محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قول و فعل کے عین مطابق عمل پایا جانا ضروری ہے ـــــ گزشتہ زمانوں میں بھی۔ اجرائے شریعت و طریقت میں یہی اصُول کارفرما رہا ـــــ کہ انبیاء سابقین کے لیے شخصی کردار سے سوا ما فوق الفطرت کرامات کا اظہار ضروری

ہُوا ـــ یہ اظہار مامور من جانب اللہ ہونے کے لیے کیا گیا۔ یہ ناسوتی کرامات معجزات تھے ـــ جو محض انبیاء کے حق ہونے کی دلیل میں پیش کیے گئے۔ اِس دلیل پر آئندہ یُؤمِنُونَ بِالْغَیْبِ کی صورت میں معرفتِ الٰہی کے آثار و اسرار کا تسلیم کرنا منحصر کیا گیا۔ اِس حال میں کہ ایک طالب نبی کی اقتدار و اتباع میں آ کر خود بالعمل اسرار و آثار کا مشاہدہ کر کے حقیقت پا سکے۔ یہی طریق نبی و رسُول کے بعد علمائے اُمّت کے لیے مقرر ہوتا ہے ـــ کہ علمائے اُمّت میں ـــ ولی اکمل میں اِن تین خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے۔ جس میں ایک ولی کی سیرت کے اظہار میں ـــ اوّلاً اُس کی شخصیت میں کردار و اخلاق حسنہ دوسرے کرامات ـــ ہاں ـــ کرامات سے سوا ـــ کمالات ملکوتی کا اظہار لازمی ہے کیونکہ یہی نوع ولایت کی اصل ہوتی ہے۔ جیسے حضور قبلہ عالم منازلِ فقر میں فرماتے ہیں :۔

ایں سخن پایاں نہ دارد اے امیںؔ
حصّہ کو دارد کہ ہست حق الیقین
حاصل ایں آید کہ اے محصل کمال
تا بیابی حکمت از صنعِ جلال
کہ روی در پیش کامل راہنما
پُر کنی کاسہ زخُمِ اُو چُوں گدا

معرفت کے آثار سے آگاہی و تسلیم کے متعلق فرماتے ہیں :۔

آں خلاف از قلم کس شد پدید
ظاہر گردد کل حقیقت چُوں بدید
جملہ تاویلات، علامت بے وصول
چُوں رسد با اصل شد عین الوصول
چُوں اصل نہ دید تاویلات شُد
چُوں بہ اصل آید یقین عین شُد

حضور پُرنُور حضرت الحاج مولوی محمّد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق اس سیرت

میں آپ کے کمالاتِ ملکوتی کو ایک نئے انداز میں پیش کیا گیا کہ آپ کے کمالات ملکوتی کی اساس آپ کے مراتب اعلیٰ میں — یعنی ایک ولی کی ولایت کی تکمیل میں معرفتِ الٰہی — مشاہدہ اسرارِ الٰہی — آثار ملکوتی — عرش — عالمِ بالا کے نورانی مراتب حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم — معرفت ذاتِ الٰہی میں — فنا فی اللہ — بقا باللہ کا مقام حاصل ہونا — اس کی سیرت سے تعبیر ہوئی۔ ایسے صفات و کمالات کا ذکر — ہر زبان — ہر قلم سے بغیر دلیل دیئے بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیر۔ غوثِ زمان — سراجِ منیر — شہنشاہ اولیاء — سراج الاولیاء — حضور انور وغیرہ کا مقام رکھتے ہیں — لیکن ان مقامات کی دلیل کسی طرح بھی نہیں دی جا سکتی — کہ یہ کیسے تسلیم ہو — کہ ہمارے پیر فنا فی اللہ — غوثِ زمان ؟ — جبکہ ظاہراً — عقلاً اس کی شناخت کا کوئی ذریعہ میسّر نہیں — جب تک کہ کوئی بالمشاہدہ اس مقام سے آگاہی نہ پا سکے ! — لہٰذا — ایک ولی کے دعوے میں اس کی ولایت کی دلیل — سوائے اس کے نہیں کہ اس کے مُریدوں میں مقامات ملکوتی۔ اسرارِ الٰہی — آثار عالمِ نورانی — حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور معرفتِ الٰہی کے مشاہدہ کرنے والے موجود ہوں — جو ایک ولی کے دعوے کی اپنے مشاہدات کی بنا پر تصدیق کا اعلان کریں — بس — یہی ایک طریق ہے — جو ایک ولی کی سیرت میں — کمالاتِ ملکوتی کی تصدیق سے سیرت کی تکمیل کر سکتا ہے۔ ہاں ! اُمّت کے اولیاء — اور خود حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں — بلکہ یہ آپ کا دعویٰ تھا — کہ ولی اکمل کی صفت یہ ہے کہ وہ مقامِ فنا و بقا میں اکمل ہو۔ اور خصوصاً ایک طالب حق کو۔ بغیر کسی مجاہدہ کے ایک آن میں تمام مراتب ولایت تا ذاتِ الٰہی بالمشاہدہ طے کرا دے۔

اِس اصول کے تحت "نُورالعرفان" میں حضُور پُر نُور کی "سوانحِ حیات" مرتب کی گئی ہے۔ کہ آپ کے ظاہری کردار و عمل کی وہ تصویر جو اسوۂ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے — اس کے بعد چونکہ ناسوتی کمالات ایک ولی کی سیرت میں نہ باعثِ تکمیل سیرت ہیں نہ اصُولِ ولایت میں ایسے کمالات کو وجہ شرف قرار دیا جاتا ہے۔ حضور قبلہ عالم

رحمۃ اللہ علیہ کے چند کمالات کا ضمناً ذکر کیا جاتا ہے۔ جو بجائے خود ولایت کی دلیل کے طور پیش نہیں کیے جاتے ــــ سوائے اس کے کہ آپ کے کمالاتِ ملکوتی آپ کے مریدوں کے کمالات کی صورت میں پیش کیے جاتے ہیں کہ "ذرہ" سے آفتاب کی حیثیت کو پہچانا جاتا ہے۔

اِس صحیفہ میں چند ایک مریدوں کے ملکوتی کمالات و مشاہدات کا ذکر اختصار کے ساتھ ہی پیش کیا گیا ہے ــــ جن میں ساتھ ساتھ مقامات ملکوتی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان مقامات کی کیفیات اور تصوّرات بھی متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنہیں یُؤمِنُونَ بِالْغَیْبِ کے قرآنی اصول کے تابع تسلیم کرنا شرط ہے۔ لیکن ان کے تسلیم کے لیے عقل و شعور کو آمادہ کرنے کے لیے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کی نسبت سے اِسی لیے بیان کیا گیا کہ ان کیفیات کے تسلیم کرنے کا طریق یہی ہے ــــ کہ کوئی غیر شخص خود عین الیقین۔ حق الیقین کی صورت میں دیکھ کر خود اس امر کی شہادت دے کہ اِس سیرت میں ایک ولی سے کمالات ملکوتی ــــ آثار و اسرارِ الٰہی کا مشاہدہ ــــ مشاہدہ ذاتِ الٰہی کرایا جانا ــــ حق ہے ــــ

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۴۳)

اللہ ــــ قیامت ــــ جنّت ــــ ملکوت السمٰوات ــــ عرش ــــ کرسی ــــ سدرۃ المنتہیٰ کیفیات ــــ متشابہات کو تسلیم کرنے کے لیے تمہارے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو شاہد بنا کر بھیجا گیا کہ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خبر پانے والے۔ خبر دینے والے ہیں ــــ آپ عالم ملکوتی ــــ اسرارِ الٰہی ــــ جملہ متشابہات ــــ ذاتِ الٰہی کے شاہد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر عالم غیب عیاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو امین و صادق تسلیم کیا گیا۔

اے لوگو! اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ حق پانے کے لیے اسی شاہد صلی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع۔ اطاعت تقلید حاصل کرو۔ تو یہ لوگ رسول کی اطاعت میں صاحبِ معرفت

کہلائیں گے۔ لہٰذا ایسے لوگ یہی لوگ ـــــ اللہ کی اطاعت ـــــ رسُول کی اطاعت و تسلیم کا ذریعہ ہونگے ـــــ لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ یہی لوگ لوگوں کے لیے شاہد ہیں۔ یہ اُولِی الْاَمْرِ ـــــ علمائے اُمت۔ اولیائے کاملین ہیں۔ ان کا کردار دیکھو۔ ان کا قول سنو۔ ان کی اطاعت کرو۔ یہ گواہی دیں گے کہ محمدؐ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں بالمشاہدہ اِس امر کی نشاندہی کر دی کہ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں تمام غیب المتشابہات کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں ـــــ سوائے جس کو مَیں نے علم دیا ـــــ وہ ـــــ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ۔ جنہیں علم راسخ عطا کیا گیا ـــــ یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہیں اولیائے کاملین سے پکارا گیا۔ یہی لوگ ہیں جو قیامت تک حضور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مقامِ محمُود کو جاری رکھیں گے ـــــ ان کے تسلیم سے ہی انسان اپنے حقیقی مقصد کو پا سکتا ہے۔

نُورالعرفان کے ابتدائی بیان میں گزارش احوال کے موضوع میں اِس امر کا اظہار کیا گیا کہ حضور قبلہ عالم الحاج محمدؐ امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے منظورِ نظر مریدوں میں سے جناب ڈاکٹر محمدؐ رمضان صاحب نے حضُور قبلہ عالم کی سیرت مرتب کرنے میں جو مستحسن اقدام کیا ـــــ بلاشبہ اس اقدام کی تحریک میں حضور قبلہ عالم کی موصوف پر مشفقانہ وابستگی اور موصوف پر حضور کی نظرِ عنایت اصل محرک ہے۔ حضور کی قربت میں جو توجّہ موصوف کو حاصل ہوئی۔ موصوف کے قلم سے اسی توجّہ کے نقوش قرطاس پر ثبت ہوئے ـــــ کوئی شخص بلا رضیٰ حضُور قبلہ عالمؒ اُس اقدام کی نہ صلاحیت رکھتا ہے ـــــ نہ جرأت کر سکتا ہے ـــــ حقیقتاً نوُر العرفان میں قلبی تاثرات کے ظاہری تصورات کو نقش کیا گیا ـــــ جو کسی کو محبُوب کی فنا میں میسّر آتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب حد درجہ خوش بخت ہیں جنہیں حضور قبلہ عالم کی دائمی رفاقت و قربت میسّر رہی ـــــ کیونکہ حضور قبلہ عالم کے آخری سفر میں موصوف ہی آپ کی توجّہ میں مخصُوص رہے۔ یہ مقام بہت اہم ہے۔ یہ وقت انتقالِ وراثت (ولایت و خلافت) میں ـــــ وارث کے انتخاب کا ہوتا ہے ـــــ میری دانست میں اِس وراثت کی تقسیم میں جناب ڈاکٹر صاحب کو قربت و ہمنشینی کے اعتبار سے وافر فیض و عنایت سے نوازا گیا ـــــ مقولہ ہے "حاضر کو مہر" ـــــ ڈاکٹر صاحب نے جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب کی وفات کے بعد جب کہ حضور قبلہ عالم قبلہ سخی صاحب کو حد درجہ

عزیز اور دوست رکھتے تھے اور قبلہ سخی صاحب بھی حضور کی ہر ممکن خدمت میں ہمہ تن مستعد رہتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ خلا ڈاکٹر صاحب نے کسی حد تک پُر کیا۔ آپ نے بھی حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حقِ رفاقت ادا کیا — چنانچہ ظاہراً بھی اور باطناً بھی حضور قبلہ عالمؒ نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے بعد قائم مقام سجادہ نشین جناب صاحب زادہ امین الدین صاحب کے اجرائے فیض اویسی و امینی میں مشیر و نگران مقرر فرمایا۔ اِس اعتبار سے حضور قبلہ عالم کی سیرت نگاری — جناب موصوف ہی کا حصّہ ہو سکتی ہے۔

جیسا کہ حضور قبلہ عالم کی سوانح کے بیان میں ڈاکٹر محمدؐ رمضان صاحب نے نورُالعرفان میں آپ کی مختصر سیرت کو ترتیب دیا۔ اِس سلسلہ میں مَیں (معاون راوی۔ محمدؐ نورالدین اویسی) نے بحیثیت "معاون راوی" اپنے وقت کے چند چشم دید واقعات کا تفصیلاً ذکر کیا۔ یہ واقعات ۱۹۴۸ء تک کے ہیں۔ یہ زمانہ ڈاکٹر صاحب کی حضور قبلہ عالم سے نسبت سے پہلے کا زمانہ ہے جب کہ ۱۹۴۸ء کے بعد مَیں محمدؐ حنیف صاحب قریشی کے خاندان کے ساتھ پاکستان چلا آیا۔

نورُالعرفان کے مطالعہ کے بعد مَیں نے محسوس کیا کہ مَیں اپنے زمانہ کے واقعات کو تفصیلاً بیان کروں — اس خیال کے مدِّ نظر کہ اس سیرت کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے یقین و تسلیم کی راہ ہموار کر کے انہیں حضور کے فیوض باطنیہ سے مستفید کرنے میں "شاید" یہ واقعات مشعلِ راہ ثابت ہو سکیں — اِس سلسلہ میں ان واقعات کا بیان کرنا اس قرآنی اصول کے تحت لازم کیا گیا — کہ لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ سلسلہ اویسیہ کے طالبانِ حقیقت کے کردار و مشاہدات۔ سلسلہ اویسیہ کے حق ہونے کی ایک بیّن دلیل ہو سکتے ہیں جن میں کسی قسم کی لفظی ادبیت یا افسانوی رنگ و نمائش کو دخل نہیں۔ بلکہ اصولاً حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے — البتہ اِس سیرت میں میرا بیان بھی آخری فیصلہ نہیں — بلکہ سلسلہ سے تعلق رکھنے والے مریدوں میں سے چند کا ذکر ہوا — بلاشبہ اگر تمام تفصیل بیان کی جائے تو یہ امر واقع ہے کہ ایسے واقعات کی فہم اور یقین کے لیے فی زمانہ انسانی عقل و شعور میں استطاعت ممکن نہیں کہ ایسے مافوق الفطرت واقعات کو قبول کریں۔

نورالدین کی ہجرت

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی عادت شریفہ میں تھا کہ جب حضور گھر سے شہر تشریف لاتے تو شہر میں ابتدائی قیام محمد حنیف صاحب۔ عبداللطیف صاحب ایڈووکیٹ کے گھر میں ہی ہوتا۔ حضور صحن میں داخل ہوتے ہی آواز ـــ حفیظ صاحب! دیگر اپنی آمد کی اطلاع دیتے تو سب لوگ نکل کر حضور کے گرد جمع ہو جاتے۔ حضور گھر میں تشریف رکھتے ہی فرماتے ـــ نورالدین کہاں ہے؟ اسے بلاؤ۔ میں پیشتر ہی حضور کی خوشبو سونگھ کر گھر میں منتظر رہتا۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر رہتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ یا تو جناب قبلہ سخی صاحب ہی پہلے گاندربل سے تشریف لاتے یا حضور کے تشریف لانے کے ساتھ ہی شام تک حضور کی خدمت میں پہنچ جاتے۔ چند دن شہر میں قیام کے بعد حضور قبلہ عالم۔ سخی صاحب کے گھر تشریف لے جاتے۔ میں خود اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر حضور کی خدمت میں حاضر رہتا۔ یہ حضور قبلہ عالم کی کرم نوازی تھی کہ حضور شہر میں جہاں بھی مدعو ہوں مجھے ہر جگہ ساتھ رکھتے۔ بعض اوقات شہر سے باہر کسی مہم میں جانا ہو تو مجھے ساتھ رہنے کا خصوصی حکم فرماتے۔ یہاں تک کہ سفر میں ضروری خرچ۔ آمد و رفت کا کرایہ وغیرہ خود اپنی گرہ سے۔ ادا فرماتے۔ میری عادت تھی کہ حضور جب بھی شہر تشریف لائیں تو میں ہر شے سے لاپرواہ ہو جاتا۔ خواہ کیسا ہی ضروری کام میرے ذمہ ہوتا۔ میں جب تک حضور موجود ہوں کسی کام کی طرف توجہ نہ دیتا۔ اور پھر اس محبت میں امتحان کا وقت آیا۔ محمدّ حنیف صاحب کے خاندان میں آپکی والدہ۔ ہمشیرہ۔ محمدّ شریف صاحب۔ ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب۔ میں اور غلام قادر لون پاکستان جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ سخی صاحب مرحوم بھی اِس زمانہ میں پاکستان سے بیحد عقیدت رکھتے تھے۔ کشمیر کے حالات دیکھ کر دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ آپ نے بھی پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر آپ کی بیگم صاحبہ پاکستان جانے کے لیے تیار نہ تھیں۔ اِسی دوران حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ حضور نے ہم سب کا پاکستان جانا محسوس کیا ـــ خصوصاً قبلہ سخی صاحب کا حضور کا ساتھ چھوڑ کر جانا۔ آپ کے لیے بے حد رنجدہ محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن

میم صاحبہ کے پاکستان جانے سے انکار نے قبلہ سخی صاحب کو مجبور کر دیا کہ وہ پاکستان جانے کا ارادہ ترک کر دیں۔ میم صاحبہ نے آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے کہا کہ سخی صاحب بچوں کو لے کر پاکستان جائیں لیکن میں پیر صاحب کو یہاں چھوڑ کر پاکستان نہیں جاتی ـــ یہ الفاظ ہمارے دعوئے محبت کے لیے ایک چیلنج تھا۔ لہٰذا ہمارے سب دعوے کھوکھلے ثابت ہوئے۔ ـــ قبلہ سخی صاحب کو ان کی بیگم نے اچھا سبق دیا۔ انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ لیکن میری حالت ایسی تھی جیسے۔ گھاٹ میں بندھی ہوئی کشتی کا لنگر کھل جائے اور وہ غیر ارادی طور پر دریا کے بہاؤ میں بہنے لگے۔ میں دیکھتا ہی رہا ـــ یہاں تک کہ کشتی دریا کے موجوں کی لپیٹ میں دور حدِ نظر سے دور ایسی بہتی گئی کہ کنارہ پھر دیکھنا ہمیشہ کے لیے نصیب نہ ہوا۔ ہم سب جدا ہوتے وقت روتے رہے۔ قبلہ سخی صاحب ہمیں رخصت کرتے وقت خدا حافظ کہتے رہے ـــ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہاتھ ہلا کر فرماتے رہے ہماری رُوح تمہارے ساتھ ہے ـــ خدا حافظ۔ یہ عجیب سانحہ تھا کہ میں جو حضور قبلہ عالم کے فراق کا تصور کرتے لرز جاتا تھا ـــ بے ساختگی میں آپ سے جدا ہوتا رہا ـــ دیکھتا رہا ـــ عقل کچھ سوچ نہ سکی ـــ سمجھ نہ سکی ـــ ارادہ بھی ساقط ہو گیا ـــ حالانکہ مجھے پاکستان سے عقیدت تھی نہ دلچسپی ـــ لطف کی بات سناؤں ـــ میں بلا وجہ ـــ بلا ضرورت پاکستان جانے کے لیے تیار ہوا۔ میرا ایک دوست محمد یوسف درزی جو نیا نیا حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوا تھا اور مجھ سے بے حد لگاؤ رکھتا تھا۔ میرے دوستوں نے مجھے پاکستان جانے سے بہت روکا مگر میں بضد رہا ـــ آخر محمد یوسف درزی نے بد دعا دی۔ کہنے لگا اچھا جا! میرا دستگیر تجھے واپس لے آئے گا ـــ میں نے کہا میں جاتا ہوں۔ جب دستگیر نے واپس کر دیا تو میں واپس آجاؤں گا ـــ چنانچہ ہم لوگ ماؤف ذہنوں کے ساتھ اپنے محبوب پیر کو حادثات میں چھوڑ کر آزاد ملک کی فضا میں سانس لینے کی ہوس میں پاکستان روانہ ہو گئے ـــ دوسرے دن ہمارا قافلہ ادھم پور ٹھہرا۔ یہاں تمام قافلہ والوں کی تلاشی لی جاتی تھی ـــ ہماری باری آئی تو ایک آدمی نے پوچھا کشمیری بولتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو مجھے پکڑ کر مہاراجہ کے پرانے کھنڈر محل میں دھکیل دیا کہ تم آگے نہیں جا سکتے۔ تمہارے لیے واپس سری نگر بھیجنے کا حکم آیا ہے۔

کھنڈر کے اندر اور بھی لوگوں کو پکڑ کر قید کر دیا گیا۔ غلام قادرلون صاحب بھی دھر لیے گئے۔ شریف صاحب کے دو نوکر بھی ساتھ تھے انہیں بھی پکڑ کر کھنڈر میں ڈال دیا گیا۔ تمام دن اِسی قید خانہ میں گذرا ـــــ طبیعت سخت پریشان تھی۔ خیال آیا کہ اب ہمیں واپس سری نگر لے جایا جائے گا ـــــ محمّد یوسف کی بات پوری ہو کر رہی ۔ وہ طعنہ دے گا۔ یہ امر میرے لیے باعثِ شرمندگی ہو گا ـــــ شاید دستگیر نے میرا راستہ روک دیا ـــــ یہی سوجھی کہ اب دستگیر سے ہی منت کر کے اجازت لی جائے۔ چنانچہ مَیں مراقبہ میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہُوا۔ صاف بات عرض کر دی کہ محمّد یوسف آخر مجھے طعنہ دے گا۔ مجھے یہ بات گوارا نہیں مہربانی کر کے مجھے اس قید سے نکالیں ـــــ آپ نے جواب تو نہیں دیا صرف تبسّم فرمایا۔ مَیں مزید کچھ عرض نہ کر سکا۔ فکر ہُوا۔ شاید مجھے ٹال دیا گیا ـــــ بہرحال اب واپس ہی جانا ہو گا۔ شام ہونے والی تھی۔ ایک سپاہی آیا۔ محل کے دروازہ پر پکارا۔ محمّد شریف کے دو نوکر اندر ہیں ان کو باہر بھیج دو۔ معاً میرے ذہن نے تحریک دی مَیں نے غلام قادر لون کو ساتھ لیا۔ دروازے کی طرف لپکے اور باہر نکل آئے۔ آگے پولیس سپرنٹنڈنٹ تلاشی لے رہے تھے۔ مَیں نے بکس کھولا اور سامان پنڈت جی کو دکھایا ـــــ اس نے غلام قادر کو پکڑا دیا۔ غلام قادر نے مجھے واپس کر دیا جلدی جلدی اِدھر اُدھر کر کے سامان دکھا کر بند کیا۔ اور یہاں سے بھاگ کر سیدھا کیمپ میں آ گئے ـــــ بیچارے۔ شریف صاحب کے دونوں نوکر ہماری بھینٹ چڑھے ۔ اور ہم آزاد ہو گئے ـــــ دستگیر نے ہمیں چھوڑ ہی دیا ـــــ ہاں یہ مصلحتِ الٰہی تھی کہ مجھ جیسا پیر سے حُب رکھنے والا۔ بے حس ہو کر۔ دیدہ و دانستہ پیر سے جُدا ہونے پر بضد رہا۔

پاکستان وارد ہونے کے بعد ہمارا خیال یہی تھا کہ یہ جھگڑا چار پانچ ماہ تک ختم ہو گا۔ اور ہم اوڑی کے راستے واپس کشمیر چلے جائیں گے مگر ایسا نہ ہُوا۔ جھگڑا طویل ہو گیا۔ واپس جانے کی اُمید ختم ہو گئی ـــــ غلام قادر لون کی خوش بختی تھی اُسے دوبارہ واپس جانے کا موقع ملا۔ اور وہ اپنے پیر کے قدموں میں حاضر ہُوا۔ اس کے جانے کے بعد مجھ میں تڑپ پیدا ہوئی۔ چناری کی طرف سے تین دن کا دُشوار پہاڑی راستہ کشمیر جانے کے لیے تھا لیکن اب

مَیں اس قابل نہ تھا کہ اتنا طویل سفر طے کر سکوں۔ مجبوراً خاموش ہو گیا ــــ اِس دوران حضور قبلہ عالم سے خط و کتابت رہی۔ حضور کی کرم نوازی آپ نے اکثر خطوط کے ذریعہ ہمیں تسلّی۔ دلجوئی۔ وعظ و نصیحت سے سرفراز فرمایا۔ سلسلہ سے متعلق اکثر ہدایت فرماتے رہے۔ حضور کی عنایت سے پاکستان سے سلسلہ کا بہتر اجراء ہوتا رہا ــــ اور کثرت سے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ چنانچہ سلسلہ اویسیہ امینیہ کو پاکستان کے بیشتر شہروں تک وسعت ملی۔ میرا مستقل قیام ایبٹ آباد (ہزارہ) میں ہوا۔ یہاں پنجاب کے اکثر شہروں میں۔ راولپنڈی۔ گوجرخان۔ جہلم۔ گجرات۔ لائل پور۔ منٹگمری اور مختلف علاقوں کے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ دوسری طرف ملتان۔ حیدر آباد۔ سندھ۔ کوئٹہ۔ کراچی تک یہ سلسلہ وسیع ہوتا گیا ــــ اللہ و رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کی نصرت اور حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی محبوبیت کے طفیل یہ سلسلہ روشن طریقہ پر جاری رہا۔ جبکہ حضور قبلہ عالمؒ تک لوگوں کی رسائی نہیں تھی۔ اِس کے باوجود لوگ حضوُری ہوتے رہے۔ اور اکثر باطناً حضور قبلہ عالم سے فیض و دیدار حاصل کرتے رہے ــــ مَیں سمجھتا ہوں کہ درحقیقت میرا حضور قبلہ عالم کی صُحبت سے دُور ہونا ــــ شاید اِس وجہ سے ہو کہ پاکستان میں طالبانِ حق کو میری وساطت سے سلسلہ اویسیہ کا فیض حاصل ہونا مقدر ہو ــــ اِس سے قبل سلسلہ اویسیہ ابتداء سے ضلع ہزارہ۔ پنجاب۔ سندھ۔ کراچی۔ کوئٹہ بلوچستان کے اکثر علاقوں میں موجود تھا۔ یہ سلسلہ حضرت سیّد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃُ اللہ علیہ کی نسبت سے جاری تھا۔ عالی جاہ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند عالی مرتبت حضرت فخر الزمان شاہ صاحب کی جہد بلیغ سے یہ سلسلہ اپنی پُوری نورانیت سے ہر شہر میں جلوہ گر رہا اور آپ کی وفات کے بعد بھی تا حال موضع کوٹ چاندنہ شریف۔ کالا باغ ضلع میانوالی سلسلہ اویسیہ کے منبعِ ولایت سے آپ کے دو فرزندان حضرت مولانا شمس الزمان شاہ صاحب اور مولانا بدر الزمان شاہ صاحب کی وساطت سے طالبانِ حق سیراب ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ برابر چل رہا ہے۔

حضورؒ کے تین پھل

عالی جاہ حضرت سیّد محمد نورالزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والاشان نے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو آخری بار خلافت عطا کرتے وقت فرمایا تھا۔ "کشمیریؒ تمہیں ہم اپنا امانتدار بناتے ہیں۔ تمہارے تین پھل ہوں گے۔ حضور قبلہ عالم اکثر عالیجاہ کے اس فرمانِ عالی کا ذکر فرماتے تھے۔ حضور فرماتے تھے۔ ہماری نسبت سے تین شاخیں تین خلیفوں کے ذریعہ دُنیا پر پھیلیں گی۔ مگر ان پھلوں کی بذاتِ خود حضور نے نشاندہی نہیں کی۔ البتہ سلسلہ امینیہ کے مُریدوں میں ان کے مراتب۔ مشاہدات۔ اور حضور قبلہ سے قربت اور حضور کی خصُوصی توجّہ سے ہم نے بعض احباب میں یہ خصوصیت پائی کہ وہ ان پھلوں میں سے تھے۔

ان میں ایک پھل جناب حضرت خواجہ عبدالکریم صاحب زرگر کی ذات والا تھی۔ آپ کو حضور قبلہ عالمؒ کی طرف سے ولی اکمل کی سند حاصل تھی۔ آپ کو بیعت کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ آپ کے ذریعہ تمام علاقہ لولاب۔ ہندواڑہ تحصیل لنگیٹ سوپور وغیرہ کے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے یہ ایک مستقل شاخ ہے جو خواجہ عبدالکریم صاحب کی وساطت سے قائم ہوئی۔ بلاشبہ خواجہ صاحب حضور قبلہ عالم کے خوابؔ[1] کی تعبیر ثابت ہوئے۔ خواجہ صاحب ازلی منتخب اولیاء میں سے تھے۔ حضور قبلہ عالم آپ کی کثرت عبادت و درود شریف اور سن رسیدگی حلیم الطبعی کے باعث آپ کا بیحد عزّت و احترام کرتے تھے۔

دُوسرا پھل جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم کی ذات والا تھی۔ آپ حضور قبلہ عالم کے عاشق بھی تھے۔ اور محبُوب بھی تھے۔ حضور سے آپ کو والہانہ عشق بھی تھا۔ اس

---

[1] شجرہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔

بحق تحفہِ شاہِ رسالت ولی عبدالکریم آں خواجہ عالم

جیسا کہ حضور قبلہ عالمؒ نے روضہ مدینہ منوّرہ میں اپنے خواب کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ تحفہ حضورؒ کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے قبل از وقت عطا ہوا تھا۔

جذبہ میں آپ اپنا سب کچھ پیر پر قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ آپ کی محبت پیر کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم تشریف لائیں تو قبلہ سخی صاحب پروانہ وار آپ کا طواف کرتے۔ اور آپ کی موجودگی میں ہر شے کو بھول جاتے۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی بچوں کی بھی پرواہ نہ کرتے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ قبلہ سخی صاحب آپ کو گاندربل گھر لے گئے۔ قبلہ سخی صاحب حضور کے سامنے رونے لگے۔ حضور نے رونے کا سبب پوچھا تو قبلہ سخی صاحب نے دل کا حال بتایا کہ حضور میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں اور بچے بھی اسی کو دے دوں گا ـــ حضور نے متعجب ہو کر سبب پوچھا۔ تو قبلہ سخی صاحب نے عرض کی کہ میں اپنے بیوی بچوں کو آپ کے اور اپنے درمیان حائل دیکھتا ہوں۔ حضور جب تشریف لاتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ میرا دھیان بیوی بچوں کی طرف نہ جائے۔ آپ کی موجودگی میں میرے دل میں ان کے لیے سخت نفرت پیدا ہوتی ہے۔ آپ تشریف لے جاتے ہیں تو ان کی موجودگی میرے ذہن سے آپ کا تصور منقطع کر دیتی ہے۔ یہ سُن کر حضور کافی دیر خاموش رہے۔ آپ قبلہ سخی صاحب کے کلام سے بے حد متاثر ہوئے۔ فرمایا۔ سخی ایسا نہیں ہوگا۔ یہ رہبانیت ہے۔ تم رہبانیت سے نکل کر انسانیت کی طرف آئے ہو۔ اب پھر رہبانیت کی طرف جانا چاہتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے فعل کو پسند نہیں فرماتے۔ میانہ روی اختیار کرو۔ تمہارے بیوی بچوں کا از روئے شریعت تم پر حق ہے۔ جب تک یہ حق ادا نہیں کرتے تم ولایت میں کامل نہیں ہو سکتے۔ ایسا خیال قطعاً دل سے نکال دو۔ بیوی بچوں کا ساتھ تمہارے حصولِ ولایت میں معاون ہوگا۔ ان سے محبت رکھو۔ ان کے حقوق ادا کرو۔ یہ تمہاری زندگی بلکہ آخرت کے بھی ساتھی ہیں ـــ قبلہ سخی صاحب اکثر حضور قبلہ عالم کے دولت کدہ پر حاضری دیا کرتے۔ حضور کی ضرورتوں میں ان کی مدد کرنے کی کوشش کرتے۔ حضور گھر تشریف لائیں تو بیوی کو الگ، بچوں کو الگ، ہر ایک کو ترغیب دیتے۔ کہ مائی صاحبہ کے لیے عزیزہ ممتازہ مرحومہ کے لیے تحفے پیش کرو اور ہر شخص چھپ کر اپنے اپنے تحفے نذرانے اکٹھے کر کے حضور کے پیش کرتا۔ اور خود قبلہ سخی صاحب اپنی عزیز سے عزیز چیز حضور قبلہ عالم کے لیے وقف کرتے۔ قبلہ سخی صاحب عیسائیت کے زمانہ میں بھی تبلیغ کرتے

تھے۔ آپ کے والد بھی تبلیغی سلسلہ میں پادری کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے بیعت ہونے کے ساتھ ہی سلسلہ اویسیہ کے اجرا کا سلسلہ شروع کیا۔ حضور نے آپ کو لوگوں کو درود شریف دینے کی اجازت دی تھی۔ آپ کی وساطت سے ۔سری نگر شہر۔ گاندربل۔ وائل اور بہت سے علاقوں کے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے اور درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی اکثر حضوری ہو جاتے۔ حضور جب شہر تشریف لاتے تو ان لوگوں کو بیعت کراتے۔ یہ سگِ درا مینی بھی قبلہ سخی صاحب سے ہی ارشاد حاصل کر چکا ہے۔ آپ کی توجہ خاص مجھ پر ہمیشہ رہی ہے۔ قبلہ سخی صاحب کا پیر سے عشق اور خدمت گزاری اور پیر کا ہر معاملہ میں ساتھ دینا۔ حضورؒ فرماتے تھے تم سب میرے مرید ہو۔ سخی میرا دوست ہے۔ سخی صاحب کی رفاقت پر حضورؒ کو کافی حوصلہ تھا۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ قبلہ سخی صاحب کی وفات کے بعد حضور قبلہ عالم زیادہ تر گوشہ نشینی کی طرف راغب رہے۔ لیکن اِس زمانہ میں لوگوں کا ہجوم بھی زیادہ رہا۔ اِسی سبب سے آپ پر بے حد محنت اور بوجھ رہا۔ اِس حال میں حضور قبلہ عالم نے خود کو تنہا محسوس کیا ـــــ یہ احساس قبلہ سخی صاحب کی وفات کے سبب تھا ـــــ بلاشبہ حضور قبلہ عالم کی شہر سری نگر اور دیگر مقامات میں مریدوں کی کثرت اور شہرت میں قبلہ سخی صاحب کی تبلیغی کاوشوں کو بھی دخل ہے۔ قبلہ سخی صاحب کی نظرِ خاص ڈاکٹر عبدالحفیظ پر تھی۔ انہیں اکثر اپنے ساتھ رکھتے اور خاص توجہ فرماتے۔ نتیجتاً ڈاکٹر صاحب میں بھی یہ خصوصیت تھی کہ آپ نے کراچی میں اویسیہ سلسلہ میں لوگوں کو داخل کیا۔ آپ کی توجہ بھی زود اثر ہے۔ تھوڑی سی توجہ سے اکثر لوگ حضوری ہو جاتے۔ آپ کے مریضوں میں ضلع میانوالی کے لوگ عالی جاہ حضرت سید نُورالزّمان شاہ صاحبؒ کے عزیزوں میں سے کچھ مریدوں سے تھے۔ ان میں اکثر لوگ ڈاکٹر صاحب سے عقیدت رکھتے تھے۔ کچھ حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی نسبت سے کچھ ان کی اپنی فقیرانہ کمالیت کی وجہ سے۔ اکثر مریض بجائے دوا استعمال کرنے کے آپ سے بیمار کو دم کر کے صحتیاب کرنے کی فرمائش کرتے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب مریض کو دم کر کے اُسی وقت ٹھیک کر دیتے۔ مَیں چونکہ قبلہ سخی صاحب کی وساطت سے ہی سلسلہ میں داخل ہُوا۔ مجھ پر بھی آپ ہمیشہ توجہ فرماتے۔ اکثر مجھ سے مراقبہ کراتے اور توجہ

دیتے۔ مَیں بھی اکثر آپ کے درِ دولت پر گاندربل یا جہاں کہیں بھی تشریف رکھتے ہوں۔
ہر جگہ حاضر رہتا۔ طبیعت میں سرور آتا۔ تو مجھے حکم دیتے۔ "نُورالدّین حُقہ بھر لاؤ"۔ مَیں حُقہ بھر
دیتا۔ آپ پلنگ پر لیٹ کر مجھے حکم دیتے مراقبہ کرو ہم توجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ مَیں مراقبہ میں
مشغول ہو جاتا۔ اور آپ حُقہ کا کش لگا کہ اجلاس میں پیش کرتے اور مَیں آپ کی توجہّ کو
اچھی طرح محسوس و مشاہدہ کرتا ـــــ کبھی میرا امتحان لینے کے لیے پوچھتے مراقبہ کرو اور بتاؤ
مَیں کہاں جاتا ہوں۔ تو آپ جیسا تصوّر کرتے۔ ویسے ہی مَیں مقام کی نشاندہی کرتا کہ آپ
فلاں فلاں جگہ پر ہیں ـــــ اسی طرح اکثر مجھے ٹریننگ دیتے رہتے۔ دوسری جرمن لڑائی
۱۹۴۲ء میں آپ کو ہر لمحہ مشغول دیکھا اور اکثر مجھے بلا کر مراقبہ کراتے۔ اور جرمنی اور برطانیہ
کی جنگ کے متعلق محاذوں پر جرمن فوجوں کی نقل و حرکت پُوچھتے ـــــ یہ حقیقت ہے کہ قبلہ
سخی صاحب میرے صحبتی پیر تھے۔ آپ کی ذات سے مجھے بہت فیض حاصل ہُوا۔ ہر
ساعت مجھ پر عنایت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ مَیں آپ سے جُدا ہو کر ہجر و فراق کی وادی
میں سرگرداں و پراگندہ زندگی گزارنے پر مجبور ہُوا۔ مَیں پاکستان چلا آیا۔ ہاں ولی کے لیے
دُور و نزدیک کا تصوّر نہیں وہ ہر جگہ ہے۔ اس کی آمد و رفت میں زمانہ اور مسافت حائل
نہیں ہو سکتے۔ دُوری کے باوجود ہمیں اپنے محبوبوں کی عنایات سے ہمیشہ فیض حاصل ہوتا رہا۔
چنانچہ جناب قبلہ سخی صاحب کی عنایت سے آپ کا سلسلہ میری اور میرے دوستوں کی
وساطت سے پاکستان کے وسیع علاقہ تک وسعت پذیر ہُوا۔ اور یہاں بھی کثرت سے
لوگ سلسلہ اویسیہ امینیہ میں داخل ہو کر حضوری ہوتے رہے۔ مراتب اعلیٰ پاتے رہے۔ اللہ
کے فضل سے آپ کی نسبت سے پاکستان میں یہ سلسلہ نہایت خوبی کے ساتھ جاری ہے۔
پاکستان کے بیشتر علاقہ میں ہماری نسبت [1] سے سلسلہ اویسیہ کے مرید باقاعدہ سلسلہ چلا رہے ہیں۔

---

[1] پاکستان میں سکونت کے دوران میرا ارادہ خصوصی طور پیری مریدی نہ تھا۔ مَیں کشمیر میں بھی رنگسازی کی
مزدوری کرتا تھا۔ یہاں ایبٹ آباد ضلع ہزارہ میں قیام میں بھی ملٹری ملازمت کرتا رہا۔ قدرتی یہ سلسلہ مجھ
سے جاری ہُوا کہ مَیں لوگوں کو دُرُود شریف (دُرُود اویسی) تلقین کرتا رہا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بیرون ممالک[1] برطانیہ۔ جرمنی۔ فرانس۔ سعودی عربیہ تک ہمارے سلسلہ کے لوگ پھیلے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۵)

مگر پیری مریدی کا ارادہ نہ تھا۔ اِسی دوران اچانک ایک صاحب سے ملاقات ہوئی یہ صاحب بھی سلسلہ طریقت کے متلاشی تھے۔ کہنے لگے عرصہ دراز سے مَیں فقراء کے پیچھے پھرتا رہا لیکن کسی فقیر کسی پیر سے مَیں کچھ فیض حاصل نہ کر سکا۔ اب آپ کے پاس حاضر ہُوا ہوں۔ کہیں آپ بھی یہی نہ فرمائیں وہ کہ صاحب ہمارے پاس آپ کے لیے کوئی فیض نہیں۔ کسی اور جگہ تلاش کریں۔" مَیں اب تلاش کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔ مہربانی فرما کر آپ مجھے مایوس نہ فرمائیں۔ مَیں نے کہا کہ مطمئن رہیں۔ آپ شرائط طریقت پر کاربند رہیں۔ آپ کو اب کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ مَیں نے نماز کے ساتھ درود شریف گیارہ سو بار پڑھنے کی ہدایت کی۔ طریقت کے کچھ آداب سے واقف ہو چکا تھا۔ نام محمد طفیل تھا۔ آبائی گاؤں تحصیل سمندری فیصل آباد۔ ملٹری ملازم (حوالدار) تھے۔ کوشش میں لگے رہے۔ بلکہ اپنی محنت کے ساتھ لوگوں کو عقیدت کے ساتھ سلسلہ میں داخل ہو کر دُرود شریف پڑھنا بتاتے رہے۔ کافی عرصہ یہ عمل اِن کا جاری رہا۔ اِس دوران انہوں نے کافی لوگوں کو دُرود شریف بتا کر سلسلہ میں داخل کیا۔ ملٹری ملازمت کی وجہ سے آپ کا پاکستان کے بیشتر علاقوں میں تبادلہ ہوتا رہا۔ جہاں جائیں وہاں لوگوں کو تلاش کر کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

[1] ۱۹۸۲ء میں میرا ایک دُرود خوان دوست غلام محمد شاہ کشمیری (یہ دُرود خوان بارہ مولہ کے سیّد خاندان سے تعلق رکھتا ہے) حج پر گیا۔ وہاں بیت اللہ میں سوڈانی حبشی طواف کر رہے تھے۔ ایک سوڈانی اس کے قریب ہی دُعا مانگ رہا تھا اور بڑے ہی عجز و انکسار سے آہ زاری کر رہا تھا۔ غلام محمد شاہ انگریزی عربی۔ فارسی اچھی طرح جانتا تھا۔ اُس نے اپنے پاس بلایا۔ اسے اسی جگہ درود شریف کے ساتھ مراقبہ کرایا۔ توجہ دی۔ اسی آن وہ حضوریِ اجلاس محمدیؐ ہو گیا۔ وہ شخص بیحد خوش ہُوا۔ اور بہت سے سوڈانی حاجیوں کو لایا اور سب نے درود شریف کی اجازت لی۔ اِسی طرح محمد شاہ بیت اللہ کے قریب جہاں مقیم تھا۔ وہاں پر بھی چند حاجیوں کو جن میں ترکی۔ ایران ہندوستان اور الجزائر کے لوگ تھے۔ دُرود شریف دیا۔ جن میں اکثر کو مشاہدہ ہُوا۔ اور بعض حضوری بھی ہوئے۔

ہوئے۔ درُود خوان۔ اِن زمینوں کو بھی تجلیات سے منور کر رہے ہیں۔۔۔ بلا شبہ اِس حقیقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۶)

سلسلہ میں داخل کر کے درُود شریف کا وِرد بتلاتے رہے جس سے میری نسبت سے سلسلہ اویسیہ کو کافی وسعت حاصل ہوئی اور لوگ مجھے پیر صاحب پکارنے لگے۔ ان صاحب میں یہ خصوصیت تھی۔ کہ درُود شریف پڑھنے کے ساتھ مراقبہ میں پڑھنا تمام رات جاگتے رکھنے کی محنت دیتے رہے۔ جن میں کبھی کسی شخص کو کچھ حالات۔ نوری کیفیات یا اجلاس مدینہ منوّرہ کا مشاہدہ ہوتا۔ ایسے واقعات سے انہیں بھی مشاہدہ کا کافی شوق پیدا ہوا۔ جہاں بھی جائیں۔ پاکستان میں پنجاب کے علاقوں میں۔ تبادلہ کی صورت میں کشمیر۔ راولپنڈی۔ جہلم۔ فیصل آباد۔ ملتان اور بہت سے پنجاب کے علاقوں کے لوگوں کو خصوصاً فیصل آباد جہاں اُن کا آبائی گاؤں تھا۔ یہاں لوگوں کو درود شریف کا وظیفہ بتا کر کثرت سے درُود خوان بنا کر سلسلہ میں داخل کیا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ پاکستان میں زیادہ تر علاقوں شہروں میں کثرت سے درُود خوانوں کا مجمع ہوا۔ یہاں تک کہ پاکستان میں اکثر لوگ انہی صاحب کی ہدایت حاصل کرتے رہے۔

ملٹری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ اپنے شہر فیصل آباد میں تعلیم دیتے رہے۔ یہاں پر بھی انہوں نے سلسلہ اویسیہ کا اجراء جاری رکھا۔ یہاں سکول ماسٹر کی ملازمت ملی جس میں سکول کی ملازمت میں بھی لوگوں کو سلسلہ طریقتِ اویسی میں داخل کرتے رہے۔ یہاں ان کا دولت خانہ ہی مرجع خلائق رہا۔ چنانچہ آپ نے اپنے گھر پر ہی ایک ادارہ سلسلہ اویسیہ کا دربار۔ کی بنیاد ڈالی۔ جہاں لوگ کثرت سے آپ کے حاضری دیتے۔ اور ہدایات وارشادات حاصل کرتے رہے۔ غرض اویسی دربار نے ایک باحیثیت۔ معقول حیثیت اختیار کر لی۔ اور انہیں پیروں جیسی عزّت افزائی اور عقیدت حاصل ہوئی۔ اِسی اثنا میں ان کے ذہن میں ذاتی طور صاحب مشاہدہ ولی ہونے کی خواہش پیدا ہوئی۔ جس کے لیے یہ صاحب اکثر مطالبہ کرنے لگے کہ میں لوگوں کو درُود شریف بتاتا ہوں۔ کہ اِس درُود شریف پڑھنے سے اجلاسِ محمدیؐ زیارتِ رسُول اللہؐ کا مشاہدہ ہوتا ہے لہٰذا مجھے بھی اس قابل کر دیں کہ مَیں صاحبِ مشاہدہ ہو جاؤں تاکہ مَیں لوگوں کو درود شریف پڑھنے اور زیارت ہونے کی دلیل پیش کر سکوں۔ یہ حالت ایک عرصہ دراز سے ان کے ذہن میں اُبھرتی رہی۔ گویا۔ غالباً آٹھ دس سال کا عرصہ گزرا ہو گا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے زیرِ نظر اس امر میں کچھ شبہ نہیں کہ قبلہ سخی ولایت خان صاحب حضور قبلہ عالم کے ازلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۷)

"صوفی محمد طفیل صاحب اویسی" باوجود تمام رات مراقبہ میں گزارنے اور لوگوں کو کثرت سے درود خواں بنانے اور راتوں کو مراقبہ کرانے کے۔ آپ کو مشاہدہ کی کیفیت حاصل نہ ہو سکی۔ اِس سلسلہ میں آپ میں مشاہدہ کی شدت بے حد بڑھتی رہی۔ لیکن کسی صورت مشاہدہ نہ ہو سکا۔ اور میں خود بھی باوجود انتہائی کوشش کے مشاہدہ یا زیارتِ اجلاسِ محمدیؐ نہ دے سکا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ خواہش کی شدت کے نتیجہ میں ان کی طلب نے ایک اور نیا رُخ اختیار کر لیا۔

ہُوا یہ کہ دوران ملازمت۔ سکول ماسٹری میں۔ ان کا تبادلہ کسی گاؤں کے سکول میں ہُوا۔ یہ گاؤں شہر فیصل آباد سے دس میل دُور چک نمبر ۸ میں تھا۔ یہاں اکثر عالم لوگ تھے۔ جو یکتائی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا کام یہ تھا۔ کہ گاؤں میں۔ کوئی عالم۔ کوئی فقیر وارد ہو۔ اس کے کمالِ علم کا محاسبہ کرنے کے لیے۔ اِس سے علمی بحث چھیڑ دیتے۔ ان میں اکثر بناوٹی۔ لاعلم عالم ہوتے۔ جو ان کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ آخر گاؤں سے بھاگ جاتے۔ ان کی علمی حیثیت سے انہیں مزید حوصلہ اور بحث و مباحثہ کی خُو پڑتی رہی۔ جہاں بھی کسی گاؤں میں کوئی عالم۔ فقیر وارد ہوتا۔ تو یہ لوگ اس کا پیچھا کرتے۔ ناکامی کی صورت میں پیر صاحب۔ عالم صاحب گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے۔ اِسی دوران انہیں صوفی محمد طفیل کے متعلق علم ہُوا۔ کہ آپ بھی فقیری میں درک رکھتے ہیں۔ چنانچہ یکتائی صاحبان میں خاص کر چک نمبر ۱۹ کے مولوی شاہ محمد صاحب جو کسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور عربی میں مہارت رکھتے تھے۔ انگریزی علم میں بدرجہ کمال درک رکھتے تھے۔ ان سے ملاقات میں بحث و مباحثہ ہُوا۔ لیکن طفیل صاحب نے ان کی کچھ چلنے نہ دی۔ آخر یہ بیشتر یکتائی ان کے خاص دوست بن گئے۔ اب صوفی طفیل صاحب کے گھر "سکول" پر ہی ان کا اجتماع ہونے لگا۔ اور تمام رات صرف بحث و مناظرہ۔ خاص کر قرآنی آیات پر بحث ہوتی رہتی۔ یہ عادت ان کی اتنی پختہ ہو گئی کہ یہ لوگ بغیر بحث و مباحثہ رات نہ گزارتے۔ اب نتیجہ یہ ہُوا کہ صُوفی طفیل صاحب بجائے درُود و مراقبہ کے۔ تمام رات بلکہ دن بحث و مباحثہ میں گزارنے لگے۔ اِس کا نتیجہ یہ ضرور ہُوا کہ مشاہدہ نہ ہونے کے باعث۔ ان کی دلچسپی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

منتخب کردہ خلیفۂ اکبر دوسرا پھل ثابت ہیں اور آپ اپنے پیر کے دعوےٰ[۱] کی بیّن دلیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۸)

قرآن وحدیث پر بے نتیجہ۔ بے اثر۔ بحث ومباحثہ میں بڑھنے لگی۔ اور طفیل صاحب نے قرآن شریف کے ترجمہ (صرف ونحو کے ساتھ) میں زیادہ دلچسپی لینی شروع کی۔ اِسی دوران۔ بعض احباب نے آپ سے ترجمہ۔ تفسیر سیکھنا شروع کیا۔ اِس طرح اِسی علمی عمل میں آپ کی مشاہدہ کی خواہش کو علمی پیاس سے تسکین ہوتی رہی۔ مگر سلسلہ طریقہ اویسی میں دلچسپی ختم ہونے لگی۔ آخر انہوں نے بجائے اجرائے طریقت کے قرآنی علم کو اپنانا شروع کیا۔ اِس حال میں کہ اب مجھ سے بھی بحث ومباحثہ میں مجادلہ کرنا شروع کیا۔ جو دو دو رات تک جاری رہتا۔ جس میں موصوف اپنی ضد پر قائم رہے۔ اِس کے ساتھ کہ آپ کا مطالبہ۔ مشاہدہ اجلاسِ محمدیؐ جاری رہتا۔ جو نہ پُورا ہوسکا۔ اِس کے باوجود دربارِ اویسیہ جاری رہا۔ اور سالانہ عُرس (قبلہ پیر محمدّ امین اویسیؒ) ہر سال منعقد ہوتا۔ ان کے خاص مریدین ومعتقدین میں یٰسین صاحب شاہ کوٹ والے۔ مرزا رشید بیگ گجرات والے۔ اور اس کے مرید بابو کرم دین قادر آباد (گجرات) والے شمار ہیں۔ ان کے عقیدت مندوں میں اکثر حاضری دیتے رہے۔ اور ہدایات سُنتے اور عمل کرتے رہے۔ اِس حال میں کہ دربارِ اویسیہ کو سلسلہ اویسیہ کی نسبت سے کافی شہرت ملی۔ مَیں اکثر اپنے احباب کے ساتھ دربارِ اویسیہ میں بمع چند احباب کے صُوفی صاحب کی خدمت میں بحیثیت مہمان حاضر ہوتا۔ لیکن صُوفی صاحب موصوف کا بحث ومناظرہ کا رُخ میری طرف ہونے لگا۔ جو بالآخر اختلاف علم اور عقیدہ میں رُونما ہونے لگا۔ بالآخر یہی جذبہ میرے اور صُوفی محمدّ طفیل صاحب کے درمیان اختلاف۔ اور آپس کے تعلقات میں رخنہ کا سبب بنا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] شجرہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔

بحق او سخی است در ولایت عطیۂ مُصطفےٰ و ابنِ مریمؑ

حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں سخی کو ہم نے اپنے دعویٰ کی دلیل سے مُرید بنایا کہ خود حضرت عیسےٰ علیہ السّلام اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے انہیں اسلام میں داخل ہونے کی بشارت ملی۔

ثابت ہیں۔ قبلہ سخی صاحب بلاشبہ حضور قبلہ عالم کے رفیقِ خاص اور دوست تھے۔ آپ کی وفات سے حضور قبلہ عالم نے بھی فرقت کا اثر لیا۔ لیکن قدرت نے خود اس کا ازالہ کر دیا۔ اِس دَور میں بھی آپ کو ایک رفیقِ خاص کی خدمت میسّر آئی۔ یہ خوش نصیب ہستی ڈاکٹر محمد رمضان صاحب حضور کے دَورِ ابتلاو کرب کے ساتھی اور محب ثابت ہوئے۔ آخر دم تک آپ نے حضور قبلہ عالم کا ساتھ دیا۔ اسی خصوصیت پر حضور قبلہ عالم کی وفات کے بعد آپ کو حضور کی سوانح حیات کی تدوین کی ذمّہ داری سونپی گئی۔ جس پر موصوف نے کتاب نورالعرفان ترتیب دے کر سلسلہ اویسیہ کو آپ کی نسبت سے متعارف کرایا۔ کتاب مذکور میں بیشتر واقعات موصوف ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کے تحریر کردہ ہیں۔

گزشتہ بیان میں چونکہ موصوف سے قبل (بیعت ہونے سے قبل) کے واقعات درج

———— (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۹) ————

جو آخر دائمی جُدائی کی صُورت میں ظاہر ہُوا۔ اب میرے اور ان کے درمیان کوئی دوستانہ تعلق یا رابطہ قائم نہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

یہ حقیقت میں ہر حال میں تسلیم کرتا ہوں کہ اللہ کا فرمان ہے۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ بلاشبہ صُوفی محمّد طفیل صاحب نے جو طریقِ حصُولِ حق میں اختیار کیا۔ وہ حدیثِ نبوی کے مطابق اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ نیت پر عمل کا بدلہ ہوتا ہے۔ جہاں تک موصوف کی نیّت اور حق کی نیّت اور سوچ سمجھ کر نیّت خالص کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود کسی عمل کی جزا دینی ہے۔ کہ کسی نبی رسُول کی ناراضگی کے باوجود اگر اللہ کے نزدیک عمل خالص ہے۔ کسی فرد کا عمل ذرّہ بھر بھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ صُوفی محمّد طفیل نے سلسلہ اویسیہ میں حسنِ نیّت سے جو محنت کی اس کا اجر۔ درُود پڑھنا۔ سلسلہ میں لوگوں کو داخل کرنا۔ اپنی جگہ ایک عمل ہے جس کو حاصل کرنے۔ حاصل ہونے میں کوئی بھی مخل نہیں ہو سکتا۔ یہ عمل الٰہی ہے۔ کسی کی جائیداد نہیں۔ جو کوئی کسی کے فیض حاصل کرنے۔ ہونے میں مخل ہونے کا اختیار رکھتا ہو! وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ۔ مگر سمجھ پختہ ہو۔ عمل حسنِ نیّت پر ہو۔ کسی کا عمل ضائع نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ راہ صحیح اور مستقیم کو سمجھ کر حاصل کیا گیا ہو۔

(العارض محمّد نورالدین اویسی)

تھے۔ان واقعات میں چونکہ خاکسار اکثر حضور کی صحبت و قربت میں رہا۔۔۔ اس لیے مناسب جانا کہ میں بحیثیت شاہد ۔۔۔"معاون راوی" واقعات کا تذکرہ کرنے میں حصّہ لوں۔اس کے بعد چونکہ ہمیں حضور کی قربت سے فراق کی وادیوں میں دھکیلا گیا۔اس لیے بقیہ واقعات جو ڈاکٹر صاحب موصوف کی علمیت میں پیش آئے۔خود ڈاکٹر صاحب کی زبانی بیان ہوں گے۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ہی "نورُ العرفان" کی ابتدا کی ہے۔اس لیے اب آپ کی تصنیف کے مندرجات ہی کا آئندہ اعادہ کیا جاتا ہے۔۔۔ چنانچہ جناب ڈاکٹر محمّد رمضان صاحب نورُ العرفان میں حضور قبلہ عالم کی سوانح میں ایک مثالی واقعہ سے ابتدا کرتے ہیں۔

مسز ہوگن ایک امریکی خاتون کی سرگذشت

ڈاکٹر موصوف بیان کرتے ہیں:۔ ۲۹ فروری ۱۹۵۲ء کا روزِ سعید تھا۔اسی دن میں قبلہ پیر صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت ہُوا تھا۔اور اپنے ظاہر و باطن اور دین و دُنیا کو آپ کی نذر کر چکا تھا۔دوسرے دن صبح پونا شہر (بھارت) کے لیے ملازمت کے سلسلہ میں روانہ ہونے سے پہلے قبلہ پیر صاحب کی خدمت میں اجازت لینے کے لیے۔۔۔ برادرم محمّد ابراہیم صاحب (وانگنو) کے ہاؤس بوٹ[ل] (کشتی) پر گیا۔۔۔ وہاں قبلہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم سے بھی ملاقات ہوئی۔۔۔ قبلہ سخی صاحب بہت زوردار الفاظ میں کسی کی وکالت کر رہے تھے۔دورانِ گفتگو کسی امریکن خاتون کا بار بار ذکر ہوتا رہا۔۔۔ میرے استفسار پر قبلہ سخی صاحب نے جن سے میں حال ہی میں متعارف ہُوا تھا۔۔۔ مجھے "خدا کے دین کا موسیٰ علیہ السّلام سے پوچھیئے احوال" کہہ کر خاموش کر دیا۔۔۔ میں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر پونا جانے کی اجازت لے کر روانہ ہو گیا۔کچھ عرصہ پونا کے قیام کے بعد واپس

ل HOUSE BOAT (کشمیر میں مکان نما کشتی) جو دریا میں مستقل رہتی ہے۔

سری نگر آ گیا۔ گھر سے فراغت حاصل کر کے پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ـــــ وہاں جنگل میں خیمے نصب تھے۔ جن میں یہ امریکن خاتون مسز ہوگن (MRS HOGAN) ٹھہری تھیں۔ موصوفہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو رہی تھیں۔ جنہیں محمد ابراہیم صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے لائے تھے۔

مسز ہوگن کی داستان متلاشیانِ حق کے لیے ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مسز ہوگن خود حضور قبلہ عالم کی خدمت میں اپنی کہانی بیان کرتی ہے۔ جو محمد ابراہیم صاحب رمالک ہاؤس بوٹ۔ HOUSE BOAT ترجمہ کر کے حضور قبلہ عالم کو سناتے ہیں۔ آپ کا بیان ہے۔ ۱۹۲۵ء میں جب میری عمر تیس سال تھی۔ مَیں اپنے شہر ہالی وڈ HOLLYWOOD کے سب سے بڑے گرجے میں عبادت کے لیے گئی۔ عبادت کے بعد میں گرجا کے صحن میں کرسی پر بیٹھ کر مراقبہ میں مشغول ہوئی ـــــ حالت مراقبہ میں مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ حالت مراقبہ میں ہی غنودگی کے عالم میں دیکھتی ہوں کہ سامنے ایک بہت بڑا گرجا ہے۔ اور عیسائی لوگ ہزاروں کی تعداد میں اس میں داخل ہو رہے ہیں۔ مَیں بھی گرجا میں داخل ہونے کے لیے بڑھی۔ تو اتنے میں گرجا کے اندر سے ایک بزرگ نکلے۔ اور مجھے روک کر کہنے لگے کہ تم اِس گرجے میں داخل ہونے کے لیے نہیں پیدا ہوئیں ـــــ اور دائیں طرف ایک عمارت کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ تمہیں اس میں داخل ہونے کے لیے چنا گیا۔ اس عمارت کا رنگ بالکل سفید تھا اور اس میں سبز رنگ کا ایک گول گنبد نظر آ رہا تھا۔ مسز ہوگن کہنے لگی۔ یہ عمارت اور سبز گنبد مجھے بہت بھلا لگا۔ مَیں اِس عمارت کی طرف چلنے لگی دروازے پر پہنچ کر اندر داخل ہونا چاہا مگر یہاں بھی روک دی گئی۔ عمارت کے اندر سے ایک نُورانی بزرگ نمودار ہوئے۔ انہوں نے فرمایا اِس عمارت میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوتا ہے اور یہاں داخلہ کے لیے "اُن صاحب" سے اجازت لینی ہو گی۔ یہ صاحب دراز ریش۔ نورانی صورت۔ بڑی بڑی آنکھیں اور کشادہ پیشانی۔ ایک ہاتھ میں تسبیح لیے۔ دوسرے سے کھیت میں ہل چلا رہے ہیں ـــــ اور خندہ پیشانی سے مجھے اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ مَیں ان کے قریب گئی۔ انہوں نے فرمایا پارلیمنٹ میں داخلہ کے لیے میرا مذہب قبول کرنا ہو گا۔ مَیں نے تبدیلئ مذہب

کا اقرار کیا اور کچھ کہنے والی تھی کہ غنودگی ہٹ گئی۔ مراقبہ ٹوٹ گیا۔۔۔ اسی وقت گھر آ کر خواب کی تمام کیفیت اپنی ڈائری پر درج کر لی۔ اس کے بعد مراقبہ میں دیکھی ہوئی ہستی کی تلاش میں گھر سے نکلی۔ لیکن اس ہستی کی پوری نشاندہی حاصل نہ کر سکی۔ تین دفعہ امریکہ سے نکل کر مختلف ملکوں کی سیاحت کی۔ (جس میں مسز ہوگن افریقہ۔ مشرقِ وسطیٰ اور مشرق بعید کے ممالک کا خصوصی ذکر کرتی ہیں) لیکن میں اس ہستی کا سراغ نہ لگا سکی۔۔۔ ۱۹۴۵ء میں امریکہ سے نکل کر جاپان پہنچی یہاں بھی بہت تلاش کیا۔ مگر میں کسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر جاپان سے مایوسی کی حالت میں امریکہ واپس لوٹی سمجھی کہ شاید کامیابی مقدر میں نہیں۔۔۔ پارلیمنٹ میں داخلہ کی حسرت پوری ہوتی نہیں دکھائی دیتی۔۔۔ اپنی ناکامی پر بیحد رنجیدہ۔ اُداس تھی۔۔۔ ایک دن میرے والد نے خواب میں آ کر بشارت دی کہ ہندوستان جاؤ وہاں مقصد میں کامیابی حاصل ہو گی۔۔۔ ۱۹۴۷ء کا پُر آشوب زمانہ تھا۔ تقسیم ہند کے بعد لاکھوں کی تعداد میں لوگ پراگندہ پریشان حال کوئی ہندوستان (بھارت) سے بھاگ رہے تھے اور کوئی آ رہے تھے۔۔۔ میں اسی زمانہ میں دہلی پہنچی۔۔۔ مہاجرین[1] کی حالت زار دیکھ کر سخت دُکھ ہوا۔۔۔ میں شہر شہر گھومتی رہی۔ ہر مذہب کے عالموں۔ فقیروں۔ درویشوں۔ سے ملی۔ مگر کسی سے خواب کی تعبیر میسّر نہ آ سکی۔ اِسی دوران ایک ہندو عالم شانتا نندھا نے اپنے آشرم میں چھ مہینے گاؤ پوجا اور رکھشا کرائی۔ کافی مجاہدہ کیا لیکن مدعا حاصل نہ ہو سکا۔۔۔ مایوس ہو کر پھر امریکہ واپس چلی آئی۔۔۔ مختلف ملکوں کی جادہ پیمائی میں عمر کے تقریباً پچیس سال گزر گئے۔۔۔ طویل مایوسی کے بعد پھر اُمید کا سہارا لے کر آخری جدو جہد کے لیے قدم اٹھایا اور اس بار سیاحتِ کشمیر کا ارادہ کیا۔۔۔ کشمیر پہنچ کر سری نگر میں محمد ابراہیم کے ہاؤس بوٹ میں قیام کیا۔ یہاں بھی اسی مردِ حق کی تلاش میں مختلف فقراء مولویوں۔ درویشوں اور

---

[1] مسز ہوگن نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے امریکہ سے مہاجرین کے لیے ہر قسم کی امداد مہیّا کرنے کے لیے امریکی حکومت سے اپیل کی۔ اِس زمانہ میں امریکہ میں مسٹر ہیری ٹرومین صدارت کے عہدہ پر فائز تھے۔ چنانچہ آپ کی اپیل پر ہندوستان کے مہاجرین کو امریکہ کی طرف سے امداد دی گئی۔

سادھوؤں سے ملتی رہی ـــــ اِس تلاش میں چھ ماہ گزر گئے۔ اِس دوران ہر جمعہ کے دن درگاہ حضرت بل[1] حاضری دیتی رہی۔ لیکن وہ صورت نظر نہ آئی جس کی خدمت کے لیے مجھے منتخب کیا گیا تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں مَیں نے ایک دن ہاؤس بوٹ کے مالک محمدؐ ابراہیم سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ اپنی خواب کا ان سے ذکر کیا تو قدرت نے میری زندگی کی محنت کو بار آور کر دیا اور مَیں نے کٹھن مراحل طے کرنے کے بعد اپنی منزل کو جا لیا۔

خوش قسمتی کی بات تھی کہ مسز ہوگن نے محمدؐ ابراہیم صاحب سے اس کا ذکر کیا ورنہ جہاں میں اس ہستی کا ملنا محال تھا۔ اسلئے کہ یہ ہستی عالم باطن میں ہی پہچانی جاتی تھی۔ دُنیا اسے نہ پہچانتی تھی۔ نہ کسی کو اس کا گمان بھی تھا ـــــ محمدؐ ابراہیم صاحب نے غلام محمدؐ صاحب وانی ڈپلکیٹ والے سے ذکر کیا ـــــ انہوں نے قبلہ سخی ولایت خان صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے مسز ہوگن سے ملاقات کی اور تمام حالات دریافت کیے۔ تو آپ نے انہیں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش ہونے کا مشورہ دیا ـــــ جناب قبلہ سخی صاحب سے ملاقات پر ہی مسز ہوگن کو اُمید بندھی کہ مَیں کامیابی کے زینہ تک پہنچ گئی ہوں۔ مسز ہوگن نے حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ دوسرے ہی دن مسز ہوگن شدید سردی اور برفباری میں محمدؐ ابراہیم کی راہنمائی میں کاشیراہ شریف حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ محمدؐ ابراہیم نے مترجم کی حیثیت میں مسز ہوگن کی تمام داستان از اوّل تا آخر حضور قبلہ عالم کے بیان کی ـــــ حضور مسز ہوگن کی تمام داستان سُنکر اسے دیکھتے رہے۔ آخر اسے دُرودِ حضوری کی تعلیم فرمائی اور حسب ضابطہ جیسا کہ مسز ہوگن نے مراقبہ میں تبدیلیٔ مذہب کا وعدہ کیا تھا۔ بلاچون و چرا حضور کے دستِ حق پر پر کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر مذہب اسلام میں داخل ہوگئیں۔ اور حضور سے بیعت بھی ہوئیں ـــــ انہیں واپس سری نگر بھیج دیا اور جناب قبلہ سخی صاحب کو ہدایت فرمائی کہ انہیں اسلامی تعلیمات و آداب

---

[1] حضرت بل مغلیہ دَور کی تیار کردہ ایک یادگار مسجد ہے۔ جو کشمیر کی مشہور جھیل "ڈل" کے مغربی کنارے پر تعمیر کی گئی ہے۔ اِس مسجد میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مُوئے مُبارک ایک منقش پنجرے میں رکھا گیا ہے۔ کشمیر کے لوگ سال میں چھ دن اِس مُوئے مُبارک کی زیارت کے لیے لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔ اہلِ کشمیر کے لیے یہ زیارت ایک مقدس مقام رکھتی ہے۔

سے آگاہ کریں۔ مسز ہوگن سری نگر پہنچ کر جناب قبلہ سخی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے انہیں آدابِ شریعت و طریقت سے آراستہ فرمایا۔ یہاں تک کہ برفباری اور سردی کی شدت میں کمی واقع ہوئی ـــــ مسز ہوگن نے سری نگر میں سکونت اختیار کی ـــــ ماہ مارچ میں جب موسم قدرے خوشگوار ہوا تو آپ دوبارہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں کاشیراہ شریف حاضر ہوئیں ـــــ حضور نے انہیں خلوت میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ مسز ہوگن حضور کی اجازت سے خلوت گزیں ہوئیں ـــــ ۲۹ دن مسلسل محنت ـــــ روزہ ـــــ شب بیداری و تزکیہ کے بعد مسز ہوگن کا قلب کھلا ـــــ مشاہدہ شروع ہوا ـــــ اور وہ وقتِ سعید آیا کہ مسز ہوگن کی پچیس سالہ تلاشِ حق میں کامیابی کے بعد اسے وُہ مردِ حق ملا جس نے عالمِ باطن میں اپنا روحانی تصوّر دیا تھا۔ اور وُہ اسی تصوّر کو لے کر مشرق و مغرب کی گرد چھانتی۔ اسے پانے میں کامیاب ہو گئی۔ اس مردِ حق نے بھی اپنی شرط پُوری کر دی ـــــ یہ مردِ حق کہاں تھا؟ ـــــ یہ مردِ حق اسی عمارت کے پاس موجود تھا جو سفید رنگ کی نُورانی عمارت تھی۔ جس میں سبز گنبد چمک رہا تھا۔ سبحان اللہ ـــــ آج مسز ہوگن نے پھر اپنی خواب کو با ہوش و حواس دیکھ لیا۔ مسز ہوگن ـــــ روضہ مدینہ منوّرہ کے قریب پہنچی۔ سبز گنبد دیکھ کر پہچان لیا۔ یہی میری خواب کی تعبیر ہے۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اسے پارلیمنٹ کے اندر لے گئے۔ جہاں شہنشاہِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ حضورؒ نے مسز ہوگن کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش فرمایا۔ مسز ہوگن نے آج دیدار کر لیا ـــــ ہاں! اسے کہا گیا تھا کہ تمہیں اس عمارت میں داخل ہونے کے لیے "منتخب کیا گیا ہے" ـــــ آج مسز ہوگن نے اپنی مراد ایک مردِ حق کے دستِ حق پرست پر پا لی ـــــ دورانِ خلوت اکیسویں دن مسز ہوگن کو شدید نقاہت اور کمزوری محسوس ہُوئی۔ ہاں یہ مقام مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا ہوتا ہے۔ مسز ہوگن کو گمان گزرا کہ شاید مَیں موت میں داخل ہو رہی ہوں۔ اِس نے صدرِ امریکہ۔ پرائم منسٹر پنڈت جواہر لال نہرو ـــــ اور شیخ محمد عبداللہ پرائم منسٹر کشمیر کے نام خطوط لکھے جن میں تحریر تھا کہ وُہ بحالت خلوت گزینی وفات پا جائے تو حضور قبلہ عالم محمد امین صاحب پر کوئی ذمّہ داری نہ ہو گی ـــــ حضور قبلہ عالم کو ان خطوط کے مضمون کے متعلق اطلاع ملی تو آپ نے تبسّم فرمایا۔ آپ

نے مسز ہوگن کو محمد ابراہیم مترجم کے توسط سے تسلی دی کہ مطمئن رہیں۔ انہیں خلوت کی حالت میں مرنے نہیں دیا جائے گا۔ لہٰذا خطوط بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم وہ اسی میں اپنا اطمینان سمجھیں تو خطوط بھیج سکتی ہے۔ ۲۹ یوم خلوت کی حالت میں روضہ مدینہ منورہ میں اجلاسِ محمدیؐ میں زیارتِ محمدؐ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مشرف ہونے کے بعد حضور قبلہ عالم نے مسز ہوگن کو مزید عرصہ کے لیے خلوت میں رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسز ہوگن نے خلوت میں چالیس دن پورے کیے اور ولی اکمل بن کر مراتبِ اعلیٰ حاصل کر کے ولایت کی سند حاصل کر لی۔ مَیں نے حضور قبلہ عالم سے اس بارے میں دریافت کیا کہ معمر خاتون کو جس کی عمُر پچپن سال سے تجاوز کر چکی تھی زیارت رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہونے کے بعد مزید عرصہ خلوت میں رکھنے میں کیا مصلحت تھی؟ حضور نے فرمایا اگرچہ اسلام قبول کرنے کے بعد اور زیارتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہونے کے بعد اس کے قلب سے کفر و شرک کا اندھیرا دُور ہو چکا ہے۔ تاہم آئندہ اسرار و معرفت کے انکشافات پر اس کے قلب و ذہن پر یقین محکم کی مُہر ثبت ہونے کے لیے ابھی بھی تزکیہ کی ضرورت تھی تاکہ ایک طرف وہ حقیقت کو قبول کرنے پر آمادہ ہو اور دوسری طرف وہ کسی بھی ماحول میں رہ کر فاسد خیالات کے اثر سے محفوظ رہ سکے۔ مرحبا! —— اس پُر عزم و استقلال محترم خاتون پہ —— جس نے قرونِ اُولیٰ جیسی ہستیوں کے مثل تلاشِ حق میں پیہم جد و جہد اور مسلسل جستجو سے حصُولِ مقصد میں کامیابی کی ایک روشن مثال قائم کر دی۔ ہاں!

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ خوش نصیب خاتون ازلی نیک بخت من جانب اللہ مخصوص و منتخب تھی۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ اللہ تعالیٰ آخر اسے پہنچا تا ہے۔ اپنی معرفت کی راہ پر جسے وہ چاہتا ہے —— لیکن شرط یہ ہے کہ انسان میں اس کی ذمّہ داری کا احساس ہو —— اور فطری تحریک زندہ ہو! —— کہ وہ تلاشِ حق کا خواہاں بھی ہو۔ انسان خواہ ظلمت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھرا ہوُا ہو۔ اِس میں تلاشِ حق کی فطری خواہش و طلب —— اور جستجو کا مادہ موجود ہوتا ہے —— یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنی "سوئی" عقل و خرد

سے کام لے کر حق کو قبول کرنے —— اور اس کی تلاش کی خواہش کرے —— یہ ظلمت ہی تو تھی —— جس میں مسز ہوگن —— حقیقت کی تلاش میں مراقب ہوتی رہی —— طریق کوئی بھی ہو —— مگر نیت تلاشِ حق کی ہو۔ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ اعمال کا مدار نیت پر ہوتا ہے —— نیت تلاشِ حق کی ہو —— اس کے حصول کا طریق کیسا بھی ہو —— اُسے حق کی جانب راہ ملتی ہے —— اور جب ابراہیم علیہ السّلام نے تلاشِ حق میں ستاروں کو دیکھا —— یہ ظلمت کا ہی تو مقام تھا —— اور عمل بھی غیر حق —— مگر نیّت میں اپنے خالق کی تحقیق وحال کا جذبہ تھا —— تو عقل نے بھی راہنمائی کی —— نہیں یہ خالق نہیں ہو سکتے —— اور جب چاند کو دیکھا —— سب سے بڑی طاقت سُورج کو دیکھا —— تو خود ان ظلمتوں سے صراطِ مستقیم کی راہیں نکلتی گئیں —— کہ سب سے بڑی طاقت لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔ اِس کی صفت اوجھل ہونا نہیں —— ہیّت تبدیل ہونا نہیں —— یہ راہ بھی اوجھل ہونے والی قوتوں کے مشاہدے سے ملی —— اِسی ظلمت سے ابراہیم علیہ السّلام نے اس خدائے برتر و عظیم کا حقیقی تصوّر پا لیا —— ورنہ آپ نے کس سے راہنمائی پائی —— آپ کو کس نے کائنات خلقت کے خالق کا پتہ دیا —— ہاں! یہ انسانی فطری تحریک تلاشِ حقیقت —— اور فطری جستجو کا مادہ تھا —— ہاں! اِس قدر تلاشِ حق میں سعیِ پیہم —— عزم و استقلال —— جہد و قربانی —— مصائب پر لبّیک اور مسلسل راہ روی شرط ہے —— یہی وہ صفات ہیں جو کسی کو اللہ کے نزدیک صراطِ مُستقیم تک راہنمائی کا مستحق قرار دیتی ہیں۔ بغیر ان صفات کے کسی کو منتخب نہیں کیا جاتا۔

> قسمت کیا ہر چیز کو قسّامِ ازل نے
> جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

جانو! غور کرو —— جب باطن نے مسز ہوگن کو خود ایک راہ کی نشاندہی کرائی تو لازم تھا کہ مسز ہوگن مشرقِ وسطیٰ میں۔ مدینہ منورہ کی زیارت بھی کر لیتی۔ یہی مقام تو اس نے مراقبہ میں دیکھا تھا۔ تو اسے قریبی راہ مل جاتی۔ مگر یہ راہ زمین کی مشرق و مغرب کی وسعتوں کو طے کرنے سے نہیں ملتی۔ یہ راہ چاند ستاروں کی وسیع فضاؤں کو مسخر کرنے سے نہیں ملتی —— مسز ہوگن نے مشرق و مغرب کی طویل بادہ پیمائی میں کس کی تلاش میں آبلہ پائی اختیار کی؟ ——

وہ تو ایک مردِ حق کی تلاش میں سرگرداں پھرتی رہی ـــــ ہاں! یہ راہ ملنا آسان نہیں ـــــ
یہ راہ ایک مردِ کامل کی راہنمائی سے ملتی ہے ـــــ یہ راہ ایک بند حجرے میں خلوت گزیں ہو
کر ـــــ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْتَ مُوْتُوْا۔ کے عمل سے ملتی ہے ـــــ مسز ہوگن کو عمر کے تئیس سال
اس تلاش میں گزارنے پڑے ـــــ ہاں! صراطِ مستقیم تک پہنچنے کے لیے اس راہ کی مشکلات
پر عبور پانا لازمی شرط ہے۔ بغیر قربانی یہ راہ ملنا مشکل ہے۔ قرآن خود اس امر کی نشاندہی کرتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ط (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۱۴)

"کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ نہیں پیش آئی تم کو وہ
حالت جو پیش آئی ان لوگوں کو جو تم سے پہلے گزرے پہنچی ان کو تنگی اور سختی اور جھڑ جھڑا گئے۔
یہاں تک کہ بول اُٹھے رسُول اور جو لوگ ایمان لائے ان کے ساتھ کب ہوگی مدد اللہ کی۔"

الٓمّٓ ج اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ہ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۲،۱)

"کیا خیال کیا لوگوں نے کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اتنی بات پر کہ وہ کہہ دیں کہ ہم
ایمان لائے وہ آزمائے نہ جائیں گے؟ ـــــ" حصول حق رضائے الٰہی۔ رضائے رسُول صلی اللہ
علیہ وسلم کی خاطر جانوں پر محنت ڈالنا۔ مشکلات میں گھر جانا۔ ایک آزمائش الٰہی ہے۔
عاشقانِ رسُول اللہ پر نظر ڈالو ـــــ جن کی شرط ایمان ـــــ اپنا مال ـــــ اپنی اولاد۔ اپنی جان
قربان کرنا ـــــ قربان کرنا!۔ اپنی جان تک دے دینا ـــــ ہاں دے دینا! صرف زبانی جمع
خرچ نہیں کہ جان دیں گے۔ نہیں! عملی طور جان ہر حال میں قربان کریں گے۔

مسز ہوگن ایک خوش نصیب امریکی خاتون ہے۔ جس نے مغرب میں رہ کر مشرق سے
فیض حاصل کیا ـــــ کتنی طویل راہ! ـــــ مغرب و مشرق کا بُعد ـــــ اور پھر غور کا مقام ہے کہ
مغرب میں رہ کر کس ہستی کی نشاندہی کی گئی ـــــ وہ کون ہستی ہے؟ جو مغرب کی اس
خاتون کو از باطن دکھائی گئی ـــــ فِدَاهُ اُمِّيْ وَاَبِيْ ـــــ ایک دُور افتادہ مقام ہے ـــــ

غیر معروف شخصیت — جس کی تلاش کرنا — آبِ حیوان حاصل کرنے کے مترادف ہے — کون انہیں جانتا ہے — کس نام سے مشہور ہیں — مگر ایک ہستی ہے — جو باطن میں معزز و منتخب ہے — جن کا باطنی عمل دخل مشرق و مغرب میں قائم ہے۔ یہ ہستی جناب الحاج محمد امین صاحب کا شیراہ کی گمنام وادی میں — اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منتخب و محبوب ہستی جنہیں مغرب کی ایک خاتون کی راہنمائی کے لیے مقرر کیا گیا — یہ فسانہ نہیں — یہ امرِ واقع ہے — زمانہ خود شاہد ہے — جو چاہے تاریخ کو دیکھے — ایک غیر مذہب تعلیم یافتہ انگریز خاتون کا اسلام قبول کرنا — اور آپ سے فیض حاصل کرنا — نہ نفسیاتی۔ ذہنی خلل کے تابع ہے — نہ قصۂ الف لیلیٰ ہے — کہ جس کا حقیقی وجود ثابت نہ ہو —

مسز ہوگن قبلہ عالم کی بیعت و صحبت میں تمام منازلِ فقر — تا مشاہدہ اسرارِ الٰہی — ذاتِ الٰہی طے کر کے مرتبہ ولایت میں داخل ہو گئیں — مسز ہوگن نے اس قلیل وقفہ میں چند کرامات کا اظہار بھی کیا — آپ نے قیامِ کشمیر میں پرائم منسٹر شیخ محمد عبداللہ کی معزولی اور گرفتاری اور بعد میں ان کی رہائی کی قبل از وقت پیشگوئی کی۔ حالانکہ اس وقت شیخ محمد عبداللہ کی تنزلی کا گمان بھی نہ ہو سکتا تھا — پنڈت جواہر لال نہرو کی موت اور کئی ایک واقعات کا ذکر کیا — جو وقت پر حرف بہ حرف درست ثابت ہوئیں — حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے متعلق نشاندہی کی اور بتایا کہ بوقت ظہور مجھے ان کی زیارت نصیب نہ ہو گی۔ ماہ رمضان میں لیلۃ القدر کی ساعت کا انہیں مشاہدہ ہوا۔ حضرت قبلہ عالم نے مسز ہوگن کو ماہِ رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کی ساعت کی نشاندہی کرنے کا حکم دیا۔ آخری رمضان میں (مسز ہوگن نے پورے رمضان کے روزے رکھے) مسز ہوگن میرے غریب خانہ پر آئیں اور ایک سربمہر لفافہ مجھے دیا۔ کہ لفافہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش کروں۔ میں نے خود بھی لیلۃ القدر کا مشاہدہ کیا تھا۔ یہ لفافہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس میں لیلۃ القدر کی نشاندہی تحریر تھی دیکھا تو مسز ہوگن نے صحیح ساعت کی نشاندہی کی تھی۔ حضور قبلہ عالم نے بھی اس کی تصدیق فرمائی۔ بالآخر مسز ہوگن حضور قبلہ عالم

سے بے شمار انعامات سے مالامال کامیاب و کامران اپنے وطن روانہ ہوگئیں ـــــ امریکہ جانے کے بعد مسز ہوگن اپنا ایک سہ ماہی رسالہ MY SPIRITUAL EXPERIENCE شائع کرتی رہیں جس میں حقیقی علمِ طریقت کے مضامین بھی شائع کرتی رہیں۔ اِس رسالہ کا ایک نسخہ حضور قبلہ عالم کو بھی پیش کیا گیا۔ ہالی وڈ جا کر اس کے تین بیٹے اور ان کے بیوی بچے بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ؑ

(پارہ ۲۱ سورۃ ۲۹ آیت ۶۹)

اور وہ لوگ جو "خواہ مغرب میں ہوں" میری راہ میں جدوجہد کریں۔ البتہ مَیں انہیں "مشرق کے بُعد میں بھی" اصل راہ تک پہنچنے کے لیے راہنمائی کرتا ہوں ـــــ اور وہ اس ہی کامیاب و کامران ہو جاتے ہیں۔

حضور قبلہ عالم فیض باطنی عطا کرنے میں حد درجہ کریم و فیاض تھے۔ آپ خلقِ خدا کی ہدایت اور فیض حاصل ہونے میں "حریص" تھے۔ آپ کی خدمت میں کوئی بھی پیش ہوتا۔ آپ بغیر اس کی شخصیت دیکھے کچھ نہ کچھ ارشاد عنایت فرماتے۔ آپ ہر شخص کو انسانی حیثیت سے دیکھتے کہ انسان ضعیف ہے ـــــ اس پر اس کی عبدیت کا شدید بوجھ ہے جس کا انسان متحمل نہیں۔ انسان نے اپنی بغاوت و نافرمانی پر ایک دن شدید عذاب سے دوچار ہونا ہے ـــــ حضور کو انسانی تنزل و پستی کا شدید احساس تھا۔ اِس لیے آپ انسانی فلاح کے لیے ہر لمحہ مستعد رہتے۔ آپ کسی شخص کی کوتاہی یا بدعملی پر اظہارِ نفرت نہ فرماتے ـــــ بلکہ ایسے لوگوں سے حد درجہ مروت و شفقت سے پیش آتے جس کا نتیجہ تھا کہ ایک شخص خواہ وہ دین سے کتنا ہی دُور ہو۔ آپ کے حسنِ سلوک سے آپ کا گرویدہ بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی بھی شخص جو شرعی احکام کی تعمیل پر نہ رغبت رکھتا ہو۔ خود بخود احکام۔ نماز و درود پر عامل ہو جاتا ہے۔

درحقیقت اجرائے دین و قرآن میں قرآنی احکام پر کسی کو تعمیل کے لیے آمادہ کرنا ـــــ سوائے اس کے نہیں کہ ایک مبلغ کی شخصیت ـــــ اس کے کردار ـــــ اِس کے

اخلاق حسنہ سے ــــ انسان متاثر ہو کر ــــ دلی طور ــــ خود بخود ــــ احکام کی پیروی پر مائل ہو ــــ یہ اخلاقِ حسنہ ــــ یعنی انسانی کردار کا ایک خوبصورت پہلو ہے جس کا اثر انسانی قلب قبول کرتا ہے ــــ یہی اثر حُب کہلاتا ہے۔ جو کسی انسان کے قلب میں لطافت پیدا کر کے اسے حق کی طرف مائل ہونے کی تحریک دیتا ہے۔ جو انسان کے ہر حسین عمل کا محرک بن جاتا ہے ــــ بغیر اس ذریعہ کے انسانی اصلاح و آمادگی تعمیل احکام میں اور کوئی ذریعہ مؤثر ثابت نہیں ہو سکتا۔ انسان انحراف کا عادی ہو جائے تو کوئی طاقت اسے جھکنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ حضور قبلہ عالم ایسے ہی اخلاق حسنہ کا نمونہ تھے۔ کہ ایک شخص آپ کی مجلس میں تھوڑی دیر قیام کرے وہ متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ آپ کی مجلس میں ہر نوع ہر مذہب کا آدمی۔ وہ کسی بھی عقیدہ سے تعلّق رکھتا ہو ــــ بلا جھجک شامل ہوتا ــــ آپ سے کسی بھی طرز پر بحث ہو جائے ــــ آپ کی طبیعت مکدر نہ ہوتی ــــ آپ ہر شخص کو اس کی طبیعت کے مطابق خندہ پیشانی سے جواب دے کر مطمئن کر دیتے ــــ خواہ کسی شخص کا سوال۔ بحث و مناظرہ کی صورت میں تلخ بھی ہو ــــ یا آزمائش کے لیے ہو ــــ آپ کسی کی سخت کلامی سے متأثّر نہ ہوتے۔ بلکہ ملائمت سے ہر شخص کے سوال کا واضح دلیل کے ساتھ جواب دیتے۔ تو انسان آپ کی شخصیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ اور اس کے دل میں آپ کے لیے عزّت و عقیدت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ــــ یہی وجہ تھی کہ آپ کی مجلس میں ہندو۔ عیسائی۔ دہریئے۔ شیعہ۔ مادہ پرست۔ یا مختلف عقائد سے تعلّق رکھنے والے لوگ غرضیکہ ہر مکتبِ فکر کا آدمی آزادی سے شامل ہو جاتا۔ چنانچہ ایسے لوگوں میں بعض باوجود غیر مذہب۔ اور غیر مسلک ہونے کے۔ حضورؒ سے کچھ ارشاد کرنے کی استدعا کرتے۔ تو حضور بلا امتیاز ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ ارشاد (وظیفہ یا دُرود شریف) عطا فرماتے جس کا نتیجہ تھا کہ ایسے لوگوں کے قلوب میں دین اسلام کی نورانیت بہ باطن سرایت کر جاتی اگرچہ ظاہراً وہ دین میں داخل ہونے کا اظہار نہ کرتے۔

ڈاکٹر ایس۔کے۔اتری درُود خوان بن گئے

قبل ازیں ایک واقعہ بیان ہُوا۔ یہ زمانہ غالباً ۱۹۴۰ء کا تھا کہ سری نگر شہر میں (امیراکدل پل کے قریب) ڈاکٹر اتری ایک ہندو ڈاکٹر حضور قبلہ عالم سے جناب خواجہ عبدالکریم صاحب کی عینک خریدتے وقت بحث میں اُلجھ گئے۔ یہ ان کی ابتدائی محدود ملاقات تھی ــــ
بعد کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کا رسالہ ضبطِ منازل (منازلِ فقر) بروکانہ پریس سری نگر میں زیرِ طبع تھا) ــــ مَیں (ڈاکٹر محمد رمضان) اور قبلہ سخی ولایت خان صاحب اس رسالہ کا پروف پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایس۔کے۔اتری صاحب کا وہاں سے گزر ہُوا۔ آداب و تسلیمات کے بعد میرے ہاتھ سے ضبط منازل کا نسخہ لے کر پڑھنے لگے۔ تو وجد میں آ گئے اور کُرسی پر بیٹھ کر ورق گردانی کرنے لگے۔ فارسی زبان کے ماہر تھے۔ اور دُنیا کے بہت سے ممالک کی سیاحت بھی کر چکے تھے۔ خود حقیقت کی تلاش کا دل میں جذبہ تھا۔ مطالعہ کے بعد روتے ہوئے کہنے لگے۔ گنگا ہمارے گھر میں بہہ رہی ہے ــــ اور مَیں جاپان تک اس کی تلاش میں ہو آیا۔ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ درود شریف پڑھنے کی اجازت لی اور باقاعدہ مریدوں میں شامل ہو گئے۔ حضور نے انہیں درود شریف پڑھنے کی اجازت دے دی۔ قطع نظر اس کے کہ یہ شخص ہندو ہے۔ دین اسلام میں بھی داخل نہیں ــــ بس اتنا ہی کافی تھا! ـ کہ حضور کی خدمت میں انتہائی عقیدت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ دل میں ایک اثر پیدا ہُوا۔ درود شریف کی اجازت مانگی ــــ اس حال میں کہ اتری صاحب خود کو ہندو سمجھتے تھے۔ اسلام سے دُور کا واسطہ نہ تھا مگر دل نے درود شریف لینے پر مجبور کر دیا۔ ہاں! ایک جذبہ تھا نہ معلوم اس جذبہ میں کیا تاثر تھا ــــ اِس جذبہ کے تاثر کی ظاہری کوئی شکل نہیں کہ پہچانا جائے یہ تو لطیف تاثر ہے۔ جسے روحانی لطافت کہا جاتا ہے۔ شاید اس جذبہ اور تاثیر کے لیے شرط اسلام نہ ہو ــــ یا یہی جذبہ اسلام سے تعبیر ہو ــــ اتری صاحب نے درُود شریف پڑھنا شروع کیا۔ تو قلب کُھل گیا۔ مشاہدہ نوری شروع ہُوا۔ درود پڑھا۔ انوار کا مشاہدہ ہُوا ــــ درُود میں تو نورِ محمدیؐ کے

انوار ہی ہوتے ہیں ۔۔۔۔ قلب پاک ہُوا تو انہیں انوار میں زیارتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم شامل ہوتی ہے ۔۔۔۔ ہاں! مگر قرآن واضح بیان دیتا ہے :

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اللہ تو صرف اپنے دوست ہی کو اندھیرے سے نکال کر نُور میں مقام دیتا ہے ۔۔۔۔ اور اِس کے برعکس اسلام سے انکار کرنے والے کے لیے نُور کا میسّر ہونا ممکن نہیں ۔۔۔۔ ڈاکٹر اتری صاحب نے بھی اسلام قبول نہیں کیا مگر محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس اور حضور قبلہ عالم کی عظمت کو تو تسلیم کر لیا اور حکم قرآنی کے تابع درود پڑھ لیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا ۔۔۔۔ اتری صاحب نے یہی دُعا کی کہ رحمت بھیج ہمارے سردار اور ہمارے مددگار پر ۔۔۔۔ اِس کا نتیجہ ۔۔۔۔ ظاہر ہے ۔۔۔۔ اظہر من الشمس ۔۔۔۔ کوئی فسانہ نہیں ۔۔۔۔ "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا" شخصیت خود دلیل ہے ۔۔۔۔ اتری صاحب کو مشاہدہ نوری ہُوا۔ اتری صاحب مشاہدہ کرتے رہے اور اکثر میرے پاس آکر اپنے مُشاہدات بیان کر کے ان کی اصل کیفیت کا علم حاصل کرتے رہے ۔ یہ واقعہ حضور قبلہ عالم کی محبوبیت اور عالی مرتبت اور اولوالعزمی کی دلیل ہے۔

پنڈت جیا لعل کا بیعت ہونا

ایک ہندو پنڈت جیا لعل صاحب کوآپریٹو سٹور رسیلو گاؤں) میں اکاؤنٹنٹ تھے۔ حضور قبلہ عالم کے اوصافِ حمیدہ دیکھ کر ایسا گرویدہ ہُوئے کہ عام مریدوں کی طرح بیعت ہوئے ۔۔۔۔ درود شریف کی اجازت لی۔ مراقبہ میں درود شریف پڑھنے لگے ۔۔۔۔ اب بھی بقید حیات ہیں ۔۔۔۔ اور حضور قبلہ عالم کے عُرس مُبارک میں ہر سال شامل ہوتے ہیں ۔۔۔۔ رات بھر شب بیداری میں درود شریف ۔ مراقبہ میں پڑھتے ہیں ۔۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسمِ مقدس سُن کر درود پڑھتے ہیں ۔۔۔۔ جیسے ایک مومن صلی اللہ علیہ وسلّم پڑھتا ہے۔ مگر ماتھے پر تِلک لگاتے ہیں۔ خود کو ہندو پنڈت ظاہر کرتے ہیں ۔۔۔۔ مجلس میں ایک دن پنڈت جیا لعل

صاحب نے وُجد میں آکر یہ شعر پڑھا۔ "اسم احمد از ہمہ آفاق اولیٰ تر است" مگر کوئی کیا بتائے کہ پنڈت صاحب کو اس شعر میں کیا نظر آیا ــــ ہاں یہ ایک راز ہے۔ جو اسے حضور پُرنور الحاج محمد امین صاحب نے بتایا ــــ تو یہ راز پنڈت جیالعل صاحب اور حضور قبلہ عالم کے درمیان ۔ راز ہی رہے گا۔

بھلا یہ بھی ہو سکتا ہے ــــ کہ بغیر دین میں داخل ہوئے۔ بغیر کلمہ پڑھے ایک غیر مسلم کو درود شریف پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ جو درود شریف پڑھتا ہے۔ مراقبہ کرتا ہے۔ مشاہدہ کرتا ہے۔ فَاَوْحیٰٓ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَآ اَوْحیٰ۔ اللہ نے اپنے بندے پر وحی کی۔ جو چاہا ــــ اس وحی کا ذکر نہیں ــــ کیا چاہا ــــ یہ راز ہے ــــ جو نہ قرآن میں آیا ــــ نہ احکام میں آیا ــــ نہ تعمیل احکام۔ جز اسے اس کا تعلق ہے۔ یہ بھی تو راز ہے ــــ جو اللہ اپنے محبوب بندہ پر وحی کرتا ہے ــــ جو راز ہی رہے گا ــــ شاید اسی راز کی ایک جُز ہو ــــ جو شرط تعمیلِ احکامِ شرعی سے سوا بھی ــــ وحی ہوتی ہے تو یہ راز ہمیشہ راز ہی رہے گا جو صاحبِ حال پر ہی کھُل سکتا ہے۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

پنڈت جیالعل صاحب نے حضور قبلہ عالم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ ہاں! بیعت کی ــــ بیعت سے مراد ــــ مَیں نے اپنی جان ہی ــــ رضائے الٰہی۔ رضائے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ایک راہبر کامل واکمل کے ہاتھ پر فروخت کر ڈالی ــــ مَیں ــــ مَیں نہ رہا ــــ مَیں کسی غیر خدا کی ملکیت نہ رہا ــــ ایک غلام ہوں ــــ جو بِک گیا ــــ جسے قرآن نے عبد کہا ــــ عبد ہُوا تو قصّہ ختم! ــــ قرآن کا مقصد واضح ہے۔ وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ! اور میرے غلام بن جاؤ یہی صراطِ مستقیم۔ سیدھا راستہ ہے ــــ اس کے بعد اور کیا باقی رہا جس کا اقرار کیا جائے۔ جس کی طلب کی جائے ــــ جسے مقصد زندگی بنایا جائے ــــ اپنی جان بیچ ڈالی ــــ غلام بن گئے۔

یہ ایک غور طلب نکتہ ہے ــــ کہ بیعت کس طرح ہوتی ہے ــــ کہ ولی۔ ولیِ اکمل

ہو ـــــ صاحبِ معرفت ـــــ صاحبِ اختیار ـــــ جسے چاہے دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرے ـــــ تو اُسے قبول کیا جائے ـــــ ہاں ایک انسان کے لیے اوّلاً اسلام قبول کرنا شرط ہے۔ مگر ولی اکمل صاحبِ اختیار ـــــ مقامِ محبوبیت پر فائز ایک شخص کو بغیر دین میں داخل ہوئے۔ بیعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرتا ہے ـــــ تو اسے بھی قبول کیا جاتا ہے ـــــ یہ بیعت صرف رجسٹر میں نام درج کرانا نہیں بلکہ حقیقت میں بیعت ہے ـــــ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی ہستی کی سفارش قبول فرمائیں۔ یہ مقامِ محبوبیت ہے۔ جو حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ عالی کو عطا ہوا کہ آپ کی سفارش پر غیر مسلموں کو بھی قرب و دیدار سے نوازا جاتا ہے۔

لے کے دِلو رام کو جنّت میں حضرتؒ جب گئے
غُل ہُوا ہندو بھی محبوبِؒ خدا کے ساتھ ہے

(ایک ہندو شاعر کا شعر)

حضور قبلہ عالم الحاج محمّد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں جو بھی طالبِ حق آیا ـــــ آپ نے کبھی اس سے استفسار نہ کیا کہ پہلے کس کے مرید تھے؟ پہلے بیعت کی ہے یا نہیں ـــــ یا یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ شخص کسی سلسلہ کے پیر سے بیعت ہے تو آپ نے یہ شرط نہ لگائی کہ پہلے پہلی بیعت فسخ کرو اور ہماری بیعت کرو تو تب وظیفہ دیا جائے گا[1] نہیں ـــــ ایسا کبھی نہ ہُوا ـــــ آپ ہر شخص کو بلا تحقیق و استفسار درود شریف بتاتے اور اس امر کی پابندی نہ فرماتے کہ سلسلہ اویسیہ کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس حالت میں بھی ایسے طالب حضوری ہو جاتے ـــــ اس کے بعد بھی کسی پر پابندی نہ رکھتے کہ حضوری ہونے کے بعد سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو جاؤ یا ہماری بیعت کرو۔ بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہُوا کہ کوئی درود شریف کی اجازت لے کر بیعت ہونے کی خواہش کرتا ـــــ تو آپ فرماتے

---

[1] سلسلہ اویسیہ میں داخل ہونے کی حضوؐر سے کوئی شرط نہ تھی۔ نہ تربیت یا رہبری حاصل کرنے کے لیے سلسلہ کی پابندی تھی۔

فی الحال درود شریف پڑھو جب زیارت ہو جائے پھر بیعت کرنا ـــــ ایسا ہی ہوتا کہ لوگ بغیر بیعت کے چند دنوں میں حضوری ہو جاتے ۔ اب یہ فیصلہ ایک شخص کی فہم پر موقوف ہے کہ وہ حق و باطل کی تمیز کے ساتھ حق کو قبول کرے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں ہندو غیر مسلم بھی فیض یاب ہوتے ۔ ایسے ہی اکملینِ زمانہ گنہگار انسانوں کی ہدایت کے لیے ہی مقرر ہوتے ہیں ـــــ ! ـــــ یہ بھی تو مقامِ شفاعت ہے ۔

حبیب آخون کی وفات پر دستگیری

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر قدم بوسی کے لیے حاضر ہُوا ـــــ حضور کلام فرما رہے تھے ـــــ دورانِ کلام حضور نے فرمایا "نہیں اس کو ساتھ لے جاؤ ۔ اپنے سے جُدا مت کرو ۔" میں نے عرض کی کہ حضور ہماری گفتگو کے ساتھ اس جُملے کا ربط نہیں ـــــ ؟ ـــــ فرمایا لنگیٹ (گاؤں) میں ایک مرید حبیب آخون جان کنی کی حالت میں تھا ـــــ شیطان اس کے ایمان کے درپے تھا ہم نے اسے حکم دیا کہ ایمان کا چولہ (لباس) شیطان کو نہ دے ـــــ شیطان نا اُمید ہو کر بھاگ گیا ـــــ اس سلسلہ میں ظاہراً کلام ادا ہُوا ـــــ حضور اسی وقت لنگیٹ روانہ ہوئے ـــــ تو حبیب آخون وفات پا چکے تھے ۔ حضور نے خود اپنے مرید کا جنازہ پڑھایا اور سپردِ خاک کیا ـــــ یہ بھی شفاعت ہی کی ایک ادا ہے ۔ جانو کسی مرد اکمل کی خصوصیت ! ـــــ اور اس کے کمالاتِ باطنی کو ـــــ پہلے تسلیم بالغیب تو کرو ـــــ ایمان لاؤ ـــــ پھر جُھک جاؤ ـــــ سرِ تسلیم خم کرو ـــــ اپنی "انا" کو ذبح کرو ـــــ انکار کی عادت ترک کرو ـــــ ولی اکمل کی عظمت پہچان لو ـــــ پھر خود مشاہدہ کرو ـــــ یہ امر بغیر تسلیم اور سر جھکانے کے سمجھا پہچانا نہیں جاتا ۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

ہاں یہ کمال ہے کہ ایک ولی اکمل محبوبیت کی صفت کے تابع یہ اختیار رکھتا ہے کہ جسے چاہے علم عطا کرے ۔ جسے چاہے ـــــ جب چاہے معرفت میں کامل کر دے بمقامِ ولایت

جہد و علم پر منحصر ہے۔ مگر اس کا حصول ولیِ اکمل کی ذاتی خصوصیت پر بھی منحصر ہے ــــ "ولی چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے"ــــ ہاں! اس "کرنے" میں ولی کی ذات ــــ اس کا ظاہر "بشر" ہے ــــ مگر باطن۔ فنا کے مقام پر "گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود" کے مصداق ہوتا ہے۔ ولی کائنات کے ہر گوشہ پر اپنی دسترس رکھتا ہے۔ مرتبۂ صدیقی پر بحیثیت قطب الاقطاب زمین پر امور کی انجام دہی۔ ولی کے حکم کے مُطابق ہوتی ہے کیونکہ عالم کے تمام خزانوں کی کُنجیاں (چابیاں) ولی کے ہاتھ میں دی جاتی ہیں۔

معجزاتِ انبیاء کی حقیقت

حضور کبھی کرامات کو اہمیت نہ دیتے۔ فرماتے ہیں کرامات ولایت میں شامل نہیں۔ کرامات ناسوتی عمل ہے جن کا تعلق مقامات ناسوتی سے ہے ــــ گزشتہ انبیاء کے معجزات کی نوعیت بھی ناسوتی تھی جن میں حضرت داؤد علیہ السّلام کے ہاتھ میں لوہا موم ہو جانا ــــ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے لیے ہَوا کا مسخر ہونا۔ وحوش و طیور کا کلام سمجھنا ــــ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا عصا ــــ ید بیضا ــــ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا بیماروں کو اچھا کرنا ــــ پرندوں میں رُوح پھُونک کر زندہ کرنا ــــ مردے زندہ کرنا ــــ یہ کمالات ناسوتی ہیں۔ ایسے کمالات دراصل ان کی خصوصیاتِ نبوّت میں شامل ہیں۔ صرف ان کی نبوّت کے لیے بطور دلیل مافوق الفطرت مظاہرات کا اظہار کرنا تھا۔ کہ اِن کمالات سے ان کی نبوّت ثابت کرنا مقصود تھا۔ بہ الفاظِ دیگر نبوّت کو رسالت کی دلیل کے طور پر استعمال کرنا کہ ایک ہستی مامور من جانبِ اللہ ــــ کلامِ الٰہی ــــ احکامِ الٰہی ــــ معرفتِ الٰہی کی تکمیل کرانے والی ہستی۔ قابلِ اتباع ہے ــــ اور معجزات کو نبوّت کی دلیل میں اس لیے پیش کیا گیا کہ زمانہ اور اقوام۔ مامور من جانب اللہ و رسُول کی یُؤمِنُونَ بِالْغَیْبِ۔ کی صورت میں اتباع کریں۔ اسلئے کرامات کا اظہار محض قوموں کے عقائد و نظریات یا واردات و واقعات کے مطابق اظہار تھا۔ یعنی ہر قوم میں ان کے عقل میں آنے والے کمالات سے بالاتر کمال کا اظہار کرنا ــــ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السّلام کے زمانہ میں بغیر کیمیاوی ترکیب کے لوہا موم ہونا ــــ مافوق العقل ــــ

ناممکنات سے تعبیر تھا۔ اِس لیے یہ دلیل پیش کی گئی کہ انسانی تحقیق سے ماورٰی ایسے واقعات کا اظہار رُوحانی اعتبار سے ایک ہستی کا من جانب اللہ رُوحانی قوت کا حامل ہونا ایک نبی ہونے کی دلیل ہے اور نبی سے مراد ایک عظیم رُوحانی قوت کی حامل شخصیت اس امر کی اہل ہے کہ وہ انسان کو حقیقت کی طرف لانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جس سے وہ انسان کو معرفتِ حقیقی کی تکمیل کرانے کی دعویدار ہے۔ اِسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہوا مسخر کرنا۔ پرندوں اور حشرات الارض کا کلام سُننا یا ان سے کلام کرنا وقت کے محققین کے طبی کمالات کے مقابلہ میں ان کے نزدیک ناممکن عمل کو ممکن کر دکھانا۔ نبوّت کی دلیل تصوّر کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر اپنے عروج پر تھا جب ہی تو ساحروں سے مقابلہ ہُوا اور ساحروں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے معجزہ کو ناممکن اور مافوق العقل جان کر آپ کی نبوّت پر ایمان لائے۔ اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں طب اور حکمت عروج پر تھی۔ اِن محققین کے نزدیک برص کے مریض کا صحت مند ہونا۔ ناممکنات میں سے تھا۔ اِس کے مقابل حضرت عیسیٰ ؑ نے طبیّ اصولوں کے مطابق معجزات کا مظاہرہ کیا جو ان کے لیے مافوق العقل متصوّر ہوتا تھا ـــــ اور چونکہ گزشتہ دَور میں ایک نبی ایک واحد قوم کے لیے مبعوث ہوتا ـــــ اِس لیے اس قوم کے کمالات کے مطابق ہر نبی کو معجزات دیئے گئے ـــــ اور یہ معجزات ایک نبی کی سیرت کی نشاندہی کرتے تھے۔ اِس لیے جن میں قبولیت کا مادہ ہوتا وہ انہیں قبول کرتے اور اکثر اپنی نفسانی خواہشات کے زیرِ اثر اسکے ماننے سے انکار کرتے ـــــ بہ الفاظِ دیگر ہر نبی اپنی سیرت کی دلیل میں معجزات کو ہی وجہ دلیل پیش کرتا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کَآفَّةً لِّلنَّاسِ رُوئے زمین کی تمام مخلوق کے لیے مبعوث کیے گئے۔ جبکہ اِس زمانہ میں گزشتہ زمانوں کے تمام علوم و کمالاتِ انسانی ذہن میں جمع ہو چکے تھے۔ جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کو جامع کمالات بنا کر بھیجا گیا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کے لیے گزشتہ انبیاء کے کمالات و معجزات کے مقابلہ میں ـــــ محض مافوق العقل معجزات کو وجہ دلیل نبوّت قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ وَلَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذاتی کردار و عمل کو وجہ دلیل نبوّت

قرار دیا گیا — یہ کردار معجزات سے کہیں افضل تھا۔ وہ خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے قبل کی زندگی تھی۔ جو اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کی صورت میں پیش کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوتی کمالات کا حامل قرار دیا گیا۔ اِس لیے قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ناسوتی کمالات یا معجزہ کا ذکر نہیں کیا — سوائے اس کے کہ کفّار کے سوال پر کہ گزشتہ انبیاء نے اپنی نبوّت کی دلیل میں۔ لوہے کا موم ہونا۔ ہَوا کا مسخر کرنا۔ عصا کا اژدھا بننا۔ یدِ بیضا — بیماروں کا صحت مند ہونا — مُردے زندہ کرنا — اِن ہی کمالات کے تصوّر کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات طلب کیے۔ مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغ میں بجائے خود کوئی معجزہ اپنی نبوّت و رسالت کی دلیل میں پیش نہیں کیا۔ سوائے اِس کے کہ آپ کی ذاتی شخصیت کو امین و صادق کی حیثیت میں تسلیم کیا گیا۔ ظاہر ہُوا اُمّتِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم میں علماء اُمّت کے لیے بھی ناسوتی کمالات کا اظہار سنّت کے مطابق لازم نہیں۔ سوائے اس کے کہ ایک ولی کے دعویٰ ولایت کے لیے اس کی شخصیت کا اہم ہونا۔ اور اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کے حکم کے تحت کمالات ملکوتی میں مشاہدہ عالم ملکوت۔ جبروت۔ لاہوت کی سیر کے ساتھ معرفت الٰہی کی تکمیل کراتا ہے تاہم یہ امر مسلمہ ہے کہ ولی اس حال میں بھی کرامات ناسوتی کا حامل ہوتا ہے۔ گزشتہ انبیاء نے اپنی رسالت کی دلیل میں پہلے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ نبی سے مراد — میں مامور من جانب اللہ ہوں — مجھے تمام اسرارِ الٰہی کا علم و مشاہدہ حاصل ہے — مجھے معرفت الٰہی میں مقام فنا و بقا حاصل ہے۔ یہی نبی کے معنی ہیں — کہ مَیں صاحب مشاہدہ ہوں — اِسی صفت سے مجھے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست یا فرشتہ کے ذریعہ ہدایت وحی کی جاتی ہے۔ لہٰذا میرا کلام اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اِس اعتبار سے مَیں رسُول اللہ ہوں۔ ان احکام کی اتباع کرو — میری اتباع کرو — مَیں تمہیں اسی ضابطۂ ہدایت کے ذریعہ علم دوں گا — تمہارا تزکیہ کروں گا اور اسرارِ الٰہی اور معرفت الٰہی کی بالمشاہدہ تکمیل کردوں گا — یہی انسانی زندگی کا واحد مقصد ہے۔ سو ہر نبی و رسُول نے اپنی امت کو

یہی تعلیم دی ہے۔ یہی مشاہدہ کرایا ــــــ یہی اتباع کلام الٰہی شریعت سے تعبیر ہے۔ یہی طریقت معرفت سے تعبیر ہے۔ یہی دین اسلام ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامِ یہی دین ــــــ یہی شریعت یہی طریقت حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی جس میں تمام عالم انسانی کے لیے ضابطہ ہدایت قرآن کی شکل میں نازل ہوا ــــــ جو بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ ازل سے اللہ تعالیٰ نے مرتب کر کے عالم نوری میں ایک خزانہ میں محفوظ کر رکھا تھا۔ جو مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰتَہ وَ الْاِنْجِیْلَ تصدیق کرنے والی کتاب ہے۔ توراۃ اور انجیل کی ــــــ توراۃ و انجیل دلیل دیتی ہے اپنے حق ہونے کی کہ یہ علم قرآن کے اجزاء سے ہے۔ دیکھو قرآن بھی یہی کچھ بتاتا ہے جو ہم پہلے بتاتے رہے ــــــ اور گزشتہ انبیاء نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم ملکوت میں مشاہدہ کیا کیونکہ اسرار الٰہی صراط اللہ کا راستہ عالم ملکوت سے ہو کر جاتا ہے۔ جہاں کُنْتُ نَبِیًّا کَانَ اٰدَمَ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ۔ اللہ تعالیٰ نے اسرارِ الٰہی کا متعین راستہ صراطِ اللہ ازل سے مقرر کیا تھا۔ جس میں عالم ناسوت ــــــ عالم ملکوت۔ عالم جبروت۔ عالم لاہوت۔ مقامات متعین تھے۔ ان ہی مقامات کے سیر و مشاہدہ سے نبی۔ نبی کہلاتا ہے۔ اس لیے ہر نبی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت محمدی کی پیشگوئی کی کہ ایک نبی آخر میں آنے والا ہے۔ جو تمام عالم انسانیت کیلئے ہادی بن کر تشریف لائیں گے۔ انکے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے نشاندہی کی کہ فاران کی چوٹیوں سے ایک چمکتا ہوا نور ظاہر ہوگا۔ جن کی جلو میں ایک لاکھ چوبیس ہزار قدسی ہونگے۔ جو قیامت تک انسانوں کیلئے ہدایت پہنچائیں گے ــــــ یہ شمع بردار پروانے۔ علمائے اُمت میں نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم حامل شریعت ــــــ حامل طریقت اولیاء ہونگے۔ جن کی تبلیغ عین اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ــــــ امین و صادق شخصیت کے ذریعہ ہو گی۔ علمائے اُمت کے لیے بھی کرامات و کمالات۔ وجہ دلیل ولایت نہ ہو گی۔ بلکہ ذاتی شخصیت اور کمالات ملکوتی۔ معرفتِ الٰہی کا عطا کرنا اصل ہوگا۔

پیشتر بیان ہو چکا کہ جملہ طریقت کے سلسلوں میں عالم ناسوت کے منازل طے کرنا لازم ہے۔ اس لیے ان منازل میں ایسی کرامات کا صدور لازمی ہے مگر سلسلہ اویسیہ کے

طالب کو عالم ناسوت سے پھلانگ کر گزرنا ہوتا ہے۔ اِس حال میں بھی اس کے لیے یہی صورت ہے کہ وہ ان کرامات کا حامل ہوتا ہے مگر یہ کرامات عالمِ ناسوت کی حدود میں رہ کر جائز ہیں۔ عالمِ ملکوت میں اَدب ـــــ اَدب ـــــ اَدب ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ ایک لمحہ دیدارِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے فارغ نہ رہنا ـــ ایسی صورت میں عالمِ ملکوت کے داخلہ کے بعد ناسوتی کمالات کی نہ گنجائش ہے۔ نہ موقع۔ سوائے کمالات ملکوتی کے کہ ایک طالب کو عالمِ ملکوت میں داخل کر کے معرفت الٰہی میں کامل اکمل کر دینا ـــــ یہی خصوصیت حضور قبلہ عالم کی تھی کہ آپ ہر لمحہ دیدارِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم و دیدارِ الٰہی میں مستغرق رہتے ـــــ سو لازم ہے کہ ولی اپنے فنا میں مقامِ ملکوتی۔ جبروتی۔ لاہوتی میں ہی طالب کو لے جاتا ہے ـــــ ہاں اِس کے لیے ابتدا میں اپنی ذاتی شخصیت ہی وجہ دلیل ولایت لازم ہوتی ہے۔

سیّد عبدالخالق اندرابی کا واقعہ

حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں سیّد عبدالخالق صاحب محکمہ تعلیم میں مدرس تھے۔ ایک دن قصبہ سوپور (جو حضور کے آستانہ عالیہ سے تقریباً پچیس تیس میل دور ہے) کے بازار میں چل رہے تھے۔ اچانک ان کے دل میں خیال پیدا ہُوا کہ کئی دنوں سے حضور قبلہ عالم سے ملاقات کا موقع نصیب نہ ہُوا۔ دل میں حضور کی قدم بوسی کی شدید تڑپ محسوس ہُوئی۔ چند ہی قدم چلے تھے کہ حضور قبلہ عالم سامنے دکھائی دیئے۔ آپ نے پوچھا بلانے کا کیا سبب ہُوا عرض کی کہ حضور سے ملاقات کی تمنّا تھی۔ آپ نے فرمایا ـــــ لو ہم حاضر ہیں جب چاہو یاد کرو ہم حاضر ہو جائیں گے۔ اِسی عالم میں حضور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ یہ حضور کے کمالات کی ایک جھلک تھی ـــــ جانو ـــــ یہ کمال بھی ناسوتی ہے۔ اسے طے مقام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اِس کیفیت کو قرآن نے حضرت سلیمان علیہ السّلام کے قصّہ میں بیان کیا ہے۔

قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَہٗ قَالَ ہٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ۔ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۷ آیت ۴۰)

حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے کہا کوئی ہے ملکہ صبا کا تخت اس کے یہاں پہنچنے سے قبل پہنچا دے تو ایک عفریت (جن) نے کہا میں جب تک آپ کھڑے ہوں تخت حاضر کر دوں گا۔ مگر ان میں ایک شخص تھا۔ جسے میں نے اپنا علم (معرفت) دیا تھا کہا آنکھ جھپکنے میں تخت آجائے گا پس آنکھ جھپکنے میں وہی تخت ہزاروں میل دُور مقام سے اُٹھا کر دربار میں لایا ۔۔۔ یہ ایک کیفیت ہے کہ مادی وجود کو ناری ہیئت میں توجہ سے تبدیل کر کے منتقل کر دیا۔ سو جس نے اپنی رُوح حیوانی کو نُوری ہیئت میں فنا کر دیا اس کی ہیئت جسمانی نُوری ہیئت اختیار کر جاتی ہے اور یہ جسم ایک آن میں مشرق سے مغرب تک انتقال کر جاتا ہے۔ یہ ایک ولی کی سیرت میں اس کے جسمانی کمال میں شامل ہے کہ ولی تزکیہ نفس سے خاکی جسم کو ناری ہیئت میں تبدیل کرتا ہے تو وہ ناری نوری صفات کا حامل بن جاتا ہے ۔۔۔ مکتوباتِ چشتیہ میں ذکر ہے کہ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف میں استغراق میں بخارا کا خیال فرماتے۔ آنکھ کھولتے تو خود کو بخارا میں پاتے ۔۔۔ آپ کے تزکیہ نفس کے متعلق ذکر ہے کہ آپ رات کو مسجد کی چھت پر مسجد کے کنگرے کو پکڑ کر تصوّر و مراقبہ کرتے۔ اِس حال میں کہ اگر نیند کا غلبہ ہو جائے تو نیچے گر جائیں۔ اِس طرح ساری رات عبادت میں گزارتے۔ یہی کیفیت حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کی تھی۔ کہ حصولِ معرفت میں آپ نے کٹھن مجاہدات سے کام لیا۔ ساری رات کھڑے ہو کر عبادت کرتے۔ دنوں۔ مہینوں۔ فاقہ سے گزارتے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ اپنے مریدوں کی پکار پر ان کے پاس مجسم پہنچ جاتے۔

جسمانی حیثیت میں بھی ۔۔۔ رُوحانی حیثیت میں بھی وہ قدرت رکھتے تھے کہ رُوح حیوانی سے فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ کی ترکیب کے ساتھ ایک مثالی جسم کے ساتھ اپنے پکارنے والے کے پاس پہنچ جاتے۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ انسانی فطری تخلیق کا خاصہ ہے۔ کہ وہ اِن کمالات پر قدرت رکھتا ہے ۔۔۔ یہی کیفیت حضور قبلہ عالم کی تھی ۔۔۔ کہ آپ کی ذات زمان و مکان کی قید سے آزاد تھی۔ راتوں کو اپنے حجرے سے غائب رہتے جب کہ دروازے کھڑکیاں مکمل طور پر بند ہوتی تھیں۔ بہر نوع یہ کمالات حضور قبلہ عالمؒ کے ادنیٰ کمالات

میں شامل ہیں۔ مگر آپ نے ایسے کمالات کا اظہار نہ فرمایا۔ بجائے اسکے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کے تابع کمالاتِ ملکوتی کے بدرجہ اتم حامل تھے ___ کہ ولایت میں آپ کی ذاتی شخصیت کو وجہ دلیل ولایت سمجھا گیا۔ آپ کے دعویٔ ولایت میں آپ کو ولی اکمل اور قطب الاقطاب کا درجہ حاصل تھا۔ اور آپ ایک طالب کو چند ساعتوں میں حضوریٔ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کر دیتے۔ آپ کے خلفاء میں بھی جناب عبدالکریم صاحب زرگر۔ راجہ سخی ولایت خان صاحبؒ۔ ارسلان خان صاحبؒ اور بھی کئی مرید معرفتِ الٰہی میں ولی مکمل اور ولی اکمل کا درجہ رکھتے ہیں اور مجلسِ مشاورت کے ارکان میں قطب العالم۔ قطب الارشاد۔ قطب سلاطین کے مدارج پر فائز ہیں۔ ان میں حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں معزز خاتون گلنساء بیگم بھی قطب العالم ولی مکمل کا درجہ رکھتی تھیں۔ حضور قبلہ عالم نے انہیں بیعت کرنے کی اجازت بھی دی تھی۔ ان اکابرین اولیاء نے کثرت سے لوگوں کو سلسلہ اویسیہ میں داخل کر کے حضوری کیا۔ بلکہ اونچے مراتب تک پہنچا دیا ___ بلکہ حضور کے ادنیٰ مریدوں کو بھی یہ خصوصیت حاصل ہے۔ کہ جو شخص ایک بار سلسلہ میں آپ سے بیعت ہو کر درود شریف پڑھتا ہے، اسی آن حضوری ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی شخص ابتدائی قدم پر اگر خود کسی شخص کو صرف درود شریف دے۔ اس میں خود ایک طالب کو اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور ایسا شخص بھی کسی طالب کو حضوری کر سکتا ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے منازلِ فقر میں اس کیفیت کو بیان کیا ہے۔

باشد وجودِ اولیاء اندر زمین ... از برائے حاصل حق الیقین
تو بکوری ماندہ اے بے یقین ... زیں سبب حاصل نہ شد حق الیقین
نورِ مرداں مشرق و مغرب گرفت ... تو نہ بینی باش تو بے جان خشت
منکرے را ایں چنیں باشد سزا ... کہ نہ بیند نورِ مرداں از خدا
صد ہزاراں شکر تو اے ربِّ دیں ... در دل من تو نہادی ایں یقین
الاناں ایقان گشتہ آں جہاں ... ہست پیش قلب من یک سر عیاں
جزءِ من از کُل او کُلی شدہ ... کز عنایت پیر اکمل پُر شدہ

پیر باشد مثل پیرمن عیاں — نے چو پیرے عرض کیسہ در نہاں
مثل زنبیلے گدایاں بس دراز — ظاہرش اندر نماز و بس نیاز
نظر شان بر اینکہ آید مرغ کے — تا نباشد خالی از حلوا شبے
اے بسا کہ از نیازِ حلوہ خواں — گشتہ خالی قلب جان از جلوہ جان
باید اے یاراں دریں راہ کوششے — تا نہ باشد نورِ حق را پوششے
در شبے تاریک ساعت ہا دراز — باش گریاں زار زار و۔ زار و زار
تا بجوش آید تبو کانِ قدیم — ریزد از دریائے حق دُرِّ یتیم
پُر شود از لعل او قلب دروں — یابی از انوارِ حق بیروں دروں
ایں سخن باباں نہ دارد اے امین — حصّہ کو دارد کہ ہست حق الیقین
حاصلِ ایں آید کہ اے محصلِ کمال — تا بیابی حکمت از صنعے جلال
کہ روی در پیش کاملِ راہنما — پر کُنی کاسہ زخم او چوں گدا
طالب حکمت شو از مردِ حکیم — تا از و گردی تو بینا و علیم
میکنی تسلیم جاں را پیش او — گردی از دریائے حق چوں شمس رو
یابی از توحید یزداں راز ہا — آں زماں کاموختی پرواز ہا
لیک تعجلیت بنا شد کرد رہین — پیش اکمل باش از فتنہ رہین
ہست اندر دروئے مردِ خدا — گویا کہ از حق شدُن با حق جُدا

حاصل اِس کلام کا یہ ہے کہ حصولِ معرفت میں ایک ولی اکمل صاحبِ ولایت کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر ولی کامل کی راہنمائی کے صراطِ مستقیم کا حاصل ہونا ممکن نہیں۔ ایسا ہوتا آیا ہے۔ کہ فقر کی راہ میں ــــ چوراہوں پر فقر کا لبادہ پہنے گندم نما جو فروش تمہیں بہت ملیں گے۔ مگر اِن فقیروں کا لباس فقیرانہ ہے۔ ان کے اندر خواہشاتِ نفسانی کی حرص و ہوس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ قرآن و حدیث کا وعظ بھی سناتے ہیں۔ اِن کے ظاہری چہرے ــــ خوبصورت۔ سُرخ و سفید۔ ریش سفید و دراز۔ ایسے ہیں۔ کہ ان پر ولی اللہ ہونے کا گمان ہوتا ہے مگر ان کے سینے نورِ ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ یہ ناسوتی کرامات بھی دکھاتے ہیں۔ بزعم خود ــــ یہ خود کو ولی سمجھنے کا دھوکہ بھی کھاتے ہیں۔ یہ فقیر علم ولایت سے بے بہرہ۔ بے خبر۔ خود کو

بھی دھوکہ دیتے ہیں اور طالبانِ حق کے لیے راہیں مسدُود کر دیتے ہیں۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

(پارہ اوّل سورۃ البقرہ آیت ۸-۹)

اور لوگوں میں سے بعض ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت پر۔ یہ ایمان نہیں لائے۔ بلکہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو۔ نہیں دھوکہ دیتے مگر خود اپنے آپ کو مگر انہیں شعور نہیں ــــ یہی کیفیت اِن نام نہاد فقراء کی ہے جو کہتے ہیں ہم ولی ہیں ــــ ہم سے معرفت حاصل کرو ــــ انہوں نے ایک کثیر خطۂ زمین پر قبضہ جمایا ہوتا ہے ــــ اُونچے قبوں والے مزار کو قمقموں۔ بلوری فانوسوں۔ قبر پر زری چادروں کے چڑھاوے سے عود اور اگربتیوں کی خوشبوؤں سے جنّت نما بنایا ہوتا ہے۔ جہاں سادہ لوح عوام النّاس عقیدت و احترام میں اپنے دل پیش کرتے ہیں۔ اپنی دولت پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ پتھر دل فقراء یہ جانتے ہیں اپنے باطن میں ــــ کہ یہ سب دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ اس کے باوجود وہ لوگوں کو دعوتِ حق دیتے ہیں۔ حاجت مندوں کی حاجتیں پُوری کرنے میں ان کے سروں پر دستِ آز (حرص) پھیرتے ہیں۔ ان کے سجدوں کو قبول کرتے ہیں ــــ افسوس کہ وہ اصول آدابِ طریقت سے بے خبر ــــ دلیری سے مسندِ طریقت پر بیٹھ کر فقیری کا دعویٰ کرتے ہیں ــــ جانتے نہیں ــــ مگر جانتے ہیں کہ اِس مکر و فریب کے نتیجے میں ہم نے اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ مگر دلیر اتنے ہیں کہ خوفِ قیامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ بعض جاہل۔ لاعلم مصنوعی فقیر اپنی مصنوعی فقیرانہ ساکھ کو قائم رکھنے کے لیے ہر ناجائز طریق استعمال کرنے میں خوفِ خدا کا قطعاً احساس نہیں کرتے ــــ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں ــــ معرفتِ الٰہی اور حصولِ معرفتِ الٰہی تخلیقِ کائنات کا بنیادی تصوّر ہے۔ اِس کائناتِ نوری۔ ناری۔ خاکی کا وجُود نہ پیدا ہوتا ــــ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادۂ ازلی میں ــــ چاہا کہ اَنَا اَعْرِفُ میں پہچانا جاؤں ــــ اِسی خواہش کی تکمیل ــــ اِسی ارادہ کی تکمیل کے لیے فَخَلَقَ الْحُبُّ ۔ پہلے "حُب" کو پیدا کیا ــــ یہ حُب اس کی اپنی ذات

کے نور کی ــ ایک جز تھی ــ جب ارادہ کیا اللہ نے ــ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ ــ فَیَکُوْنُ
پہچاننے والے کو بناؤں ــ تو اپنے نور میں ایک جز کی تمثل میں پیدا کیا ــ یہ کائنات کا بنیادی
نور ہے ــ ہاں! یہی نور ہے جس کو اپنی پہچان کے لیے بنایا ــ یہی نور اللہ کی پہچان کرنے
والا ہو گا ــ اور یہی نور ہے۔ جو حقیقی معنوں میں سب سے زیادہ پہچان کرنے والا ہے
ــ اس پہچان کے اعتبار سے ــ اسے "سب سے زیادہ پہچان کرنے والا" کہا
جائے گا۔ اور عربی اصطلاح میں سب سے زیادہ پہچان کرنیوالا ــ "احمدؐ" سے متعارف ہوتا ہے ــ
ظاہر ہے۔ کائنات کی تخلیق کا بنیادی تصور۔ پہچان ــ اَعْرَافْ ہے۔ اَعْرَافْ سے ہی معرفت ماخوذ ہے
ــ اور پہچان کرنیوالا "احمدؐ" اور "حامدؐ" کہلاتا ہے ــ یہ ایک عظیم تصور ہے ــ اس کی ایک خاص
اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس "حمد" کے لیے ــ تمام کائنات کے نور کو پیدا کیا۔
جس میں عالمِ بالا۔ عرش ــ کرسی ــ سَبْعَ سَمٰوٰت ــ نجوم۔ اور ارض اور وَ مَنْ
فِیْهِنَّ۔ جو کچھ اِس کائنات میں ہے۔ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ۔ نہیں
کوئی شے سوائے اس کے ــ کہ اس کے ذمہ صرف (حمد) پہچان مقرر کی گئی ــ اور
اس حمد میں مخلوق ارضی کے لیے یہ "حمد" خصوصیت کے ساتھ واجب کر دی گئی ــ
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ــ زمین کی مخلوق کے لیے۔ جن و انس
پر "حمد" کرنا واجب کر دی ــ یہ امر ارادۂ اَزلی میں خصوصیت کے ساتھ مقرر کیا گیا ــ
کہ اگرچہ ارادہ ازلی کے تحت۔ تمام کائنات پر "حمد" واجب کی گئی ــ مگر اس مخلوق میں
مخلوق ارضی میں ــ انسان پر اِس "حمد" کو سب سے زیادہ واجب کیا ــ جبکہ انسان
سے قبل ملائکہ کے لیے بھی "حمد" واجب رکھی گئی مگر انسانی "حمد" کو تمام کائنات کی "حمد" پر
مقدم قرار دیا گیا۔ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ کائنات
میں نوری اعتبار سے ملائکہ کی "حمد" خالص قرار دی گئی مگر اللہ نے ملائکہ سے کہا کہ میں تمہارے
علاوہ زمین کی مخلوق میں سے انسان کو اس "حمد" کے لیے خاص طور پر منتخب کرتا ہوں ــ
جو تمام کائنات کی حمد سے افضل "حمد" قرار دی جائے گی ــ ظاہر ہے ــ یہ "حمد" ــ یہ
"معرفت"۔ اِس کائنات کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہے ــ یہ ایک عظیم مقصد ہے جس پر اس کائنات

کی بقا منحصر ہے ــــ اور اِس کائنات میں انسان کا مقام اس کی "حمد" کے اعتبار سے تمام کائنات میں فوقیت اور تفضل حاصل کیے ہے ــــ اور جانو اِس مقام پر انسان کی پیدائش ہوئی ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مقام "حمد" کے اعتبار سے تمام کائنات پر فضیلت بخشی ــــ اِس حیثیت کے مدّنظر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے فرض کو پہچانے ــــ انسان کے ذہن میں ماسوائے معرفت ــــ حصولِ معرفت کسی ماسِوا کا تصوّر قائم کرنا ــــ درحقیقت مقصدِ الٰہی سے تغافل اور روگردانی ہے ــــ سوائے اِس کے کہ انسان اس مقصد کے حصول میں اپنی تمام قوتیں صرف کرے اللہ تعالیٰ نے انسانی مقصدِ زندگی میں اس کے مرتبہ اور اس کی ذمّہ داری کی واضح نشاندہی کی ہے ۔ یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ ۔ اے انسان تو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے میں مجسّم محنت بنایا گیا کہ تُونے اپنی تمام قوّت ــــ اپنا ارادہ صرف اللہ سے رابطہ کرنے میں صرف کرنا ہے ــــ محنت کے ساتھ ــــ پس تُونے بہرحال اِس سے مُلاقات کرنی ہے ــــ اِس کی معرفت حاصل کرنی ہے ــــ پس اِس سے ملاقات کر! ــــ ہاں ۔ اِس ذمہ داری میں خود کو مجسّم محنت بنا ــــ تونے انتھک محنت کرنی ہے ۔ تیری محنت ماسویٰ کے حصُول کے لیے حرام ہے ۔

بایداے یاراں دریں راہ کوششے　　　تا نہ باشد نُورِ حق را پوششے

اے انسان حصولِ حق میں تیرے لیے کٹھن محنت ہے ــــ عبادات شب بیداری تصوّر انہماک ــــ اور مادی دُنیا کی رکاوٹوں سے جہاد لازم ہے ــــ ورنہ تو حق سے دُور ہوجائے گا ۔

در شبِ تاریک ساعت ہادراز　　　باش گریاں زار زار و زار و زار

حضور قبلہ عالم نے یہ نسخہ کیمیا بتایا ــــ کہ رات کی تاریکیوں میں تو اپنے محبُوب کے وصال کی تڑپ میں گریہ زاری کر ۔

تابجوش آید بتو کانِ قدیم　　　ریزد از دریائے حق دُرِّ یتیم

گوہر مقصُود حاصل کرنے کا یہ ایک بہتر طریق ہے ۔

ہاں! ایک ناتواں جسم کب اِس بار کا متحمل ہوسکتا ہے ــــ اِس مقصد کے پُورا کرنے میں

انبیا قتل کیے گئے — اِس مقصد کو پُورا کرنے میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا خُونِ اقدس بہا۔ پائے مُبارک متورم ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت حمزہؓ۔ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے دُنیا کی ہر راحت قربان کر دی۔ جانیں نثار کر دیں — حضرت بلالؓ نے اپنی جان کے پرخچے اڑوا دیئے۔ حضرت امام حسین علیہ السّلام نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا — حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے تلاشِ حق کی جستجو میں غریب الوطنی۔ بے سروسامانی کو اپنی راحت دنیوی پر قربان کر دیا — حضرت ابراہیم ادھم نے اپنی وسیع شہنشاہی قربان کر دی۔ یہی وہ ذمّہ داریاں ہیں جو حصُولِ حق میں پُوری کرنا واجب قرار دی گئی ہیں۔ اور پھر یہی انسان اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ۔ کیا تم حصولِ دُنیا کو معرفتِ حقیقی کے مقابل بہتر سمجھ کر ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے میں اپنی قوتوں کو صَرف کر کے — اپنی خواہشاتِ نفسانی کی لذّتوں کی خاطر ایک عظیم مقصد کو قربان کرنے میں اپنی آخرت کی تباہی خود اپنے ہاتھوں خرید رہے ہو۔ اور پھر یہ افسوس کا مقام ہے۔ کہ اِس ذات عظیم کو جو کائنات کا شہنشاہ۔ احکم الحاکمین ہے۔ اس کی عظمت کو حصول حرام میں استعمال کر رہے ہو۔

جانو! انسان کا واحد مقصد معرفتِ الٰہی میں۔ اپنی جان کو وقف کرنا ہے۔ شدید محنت کٹھن مجاہدات سے کام لینا ہے — ہاں اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے لازم ہے۔

حاصل ایں آید کہ اے محصل کمال   تا بیابی حکمت از صنعِ جلال

ہاں۔ عقل سلیم سے کام لینے والے انسان! اگر تو کٹھن مجاہدات کی استطاعت نہیں رکھتا تو عقلِ سلیم سے کام لے تو اللہ و رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت کی چند سکّوں کے عوض بے قدری کرتا ہے — ایسا نہ کر — بلکہ سچّے دل سے اس کی اطاعت و معرفت میں جستجو کر — تو تجھے کٹھن مجاہدات سے بھی نہ گزرنا پڑے گا۔

کر روی در پیش کامل راہنما   پُر کنی کاسہ زخم او چوں گدا

تو کسی پیر اکمل کی راہنمائی حاصل کر کہ وہ تجھے آسانی سے تیرے مقصد حقیقی، معرفت میں کامل کر دے گا۔ کیونکہ

من شنیدم از زبانِ سالک کلاں   کہ وجودِ اولیا۔ پارس بدان

صحبتِ اولیاء کی تاثیر یہ ہے کہ پیر اکمل کی صحبت ہی سے تجھے مقامِ معرفت حاصل ہوگا۔

پس بدان کہ ہر توجہ راہنما   میشود یَصْلِحُ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ را راہنما

پیر اکمل کی ایک توجہ سے بغیر محنت تیرے مراتبِ معرفت ایک آن میں طے ہو جائیں گے۔ اور تجھے تیرا مقصد آسانی سے حاصل ہوگا ـــــ مگر شرط پیر اکمل کی ہے ـــــ ہوشیار باش ـــــ اِن گندم نما جو فروش ـــــ خود فراموش ـــــ عاقبت نااندیش سخت دل فقیروں کی پہلے پہچان کر ـــــ اور ایک حقیقی عارف کی تلاش کر۔ اپنے بے بنیاد عقائد و نظریات کے خول سے باہر نکل کر صحیح دیانت و عقلِ سلیم سے تو "حق" ـــــ اور پیر کی تلاش کر جب ملے تو پھر اس کا ہو کر رہ جا۔ وہ تجھے معرفت میں کامل کر دے گا۔ ورنہ اندھا دُھند تقلید و اتباع میں تو گمراہیوں کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے گا۔ یہ امر تیرے لیے دین و دُنیا کے خسران اور پریشانی کا سبب بنے گا۔ اور تو صراطِ مستقیم سے دُور۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم سے دُور طاغوتی نمائندوں کا پیروکار ہوگا۔ لہٰذا ایک ایسے مردِ کامل کی تلاش کر جو تیرے دین اور دُنیا کو سنوار دے۔ حضرت شیخ سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے ایسے مردِ حق شناس کو پرکھنے کا نسخہ تجویز فرمایا ـــــ فرماتے ہیں کہ شیخ وہ ہونا چاہیئے۔ جو خود اجلاسِ محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مشاہدہ رکھتا ہو۔ اور ولایت کے منازل طے کر چکا ہو۔ جب تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دے۔ تو وہ تجھے اجلاسِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مشاہدہ کرائے اور تجھے اسی مرتبے پر پہنچا دے۔ جو اس کو خود حاصل ہوا۔ اگر پیر ایسا نہیں کر سکتا تو وہ راہزن ہے اور راہزن۔ زن سے نکلا ہے۔ جو ناقص العقل والدین ہے۔ ایسا پیر تجھے اور گمراہ کر دے گا۔ لہٰذا مردِ حق کی تلاش کر۔ ایسا ہی مردِ حق حضور قبلہ عالم مولائی و مرشدی حضرت محمد امین رحمۃ اللہ علیہ جو ولایت میں اکمل تھے۔ اور مریدوں کو اجلاسِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میں لے جا کر کاملیت عطا کرتے تھے۔ وہ صاحبِ علم۔ صاحبِ معرفت ۔ صاحبِ مشاہدہ تھے۔ اور اپنے مریدوں کو بھی اِن علوم سے نوازتے تھے۔ اور وہ اپنے مریدوں کو ہر وقت نظر میں رکھتے تھے ـــــ اس میں دُوری یا نزدیکی کا کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔

راقم ایک دفعہ جموں جا رہا تھا۔ رام بن کے قریب ایک موڑ پر دوسری طرف سے ایک ٹرک کے ساتھ ٹکر لگنے ہی والی تھی ـــ کہ ہماری بس (BUS) کو کسی غیبی ہاتھ نے بائیں طرف دھکیل دیا ـــ اور بس کھڈ میں گرنے کی بجائے پہاڑی کے ساتھ لگ گئی ـــ حضور اپنے مریدوں کی پکار پر فوراً پہنچ جاتے۔ یہاں بھی پیر صاحب پکارنے پر فوراً مدد کو پہنچ گئے اور دستگیری فرمائی اور دوسری ملاقات پر خود ہی اس کا تذکرہ فرمایا۔

ترال کے نقشبندی پیر کی بعیت

ایک دفعہ حضور قبلہ عالم قبلہ سخی ولایت خان صاحب اور راقم کسی معاملہ پر گفتگو کر رہے تھے۔ ہم تینوں برابر کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ میں حقہ پی رہا تھا۔ ترال گاؤں سے ایک خمیدہ کمر بزرگ تشریف لائے۔ اندر آتے ہی رونا شروع کیا اور قبلہ سخی صاحب کو پیر سمجھ کر ان کے پاؤں دبانا شروع کر دیئے۔ اور بڑے مایوسانہ لہجے میں اپنی کہانی بیان کرنے لگے۔ کہ میں ایک نقشبندی پیر کے ہاتھ بعیت تھا۔ مراقبہ میں مجھے اپنا پیر نظر آتا تھا۔ لیکن پیر کی وفات کے بعد قلب بند ہو گیا اور اب کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ کئی بار میں نے کشمیر کے دوسرے سجادہ نشینوں۔ پیروں سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا مگر میرے پیر صاحب ہر بار مجھے خواب کی حالت میں منع کرتے ہیں کہ میں کسی پیر کے پاس نہ جاؤں۔ آخر ایک دن پیر صاحب نے مجھے بشارت دی کہ شاہی چشمہ میں جا کر ڈاکٹر محمد رمضان کے پیر سے بعیت کروں۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ للّٰہ مجھے بعیت فرمایئے۔ قبلہ سخی صاحب کی سفید چمکتی داڑھی تھی۔ شکل و شباہت میں تقدس اور بزرگی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ اِن صاحب نے آپ ہی کو پیر سمجھ کر منت و عاجزی کرنی شروع کی۔ حالانکہ حضور قبلہ عالم آپ کے قریب کرسی پر تشریف رکھتے تھے ـــ آپ کی طرف رجوع ہو بھی کیسے؟ ـــ جبکہ آپؒ نے ظاہری نمائش یا تن پروری کے آثار کو یکسر جگہ نہ دی۔ ایک جگہ برابر برابر بیٹھے ہیں۔ کوئی جُبّہ نہیں۔ بڑی دستار نہیں تو لازمی سخی صاحب ہی کی طرف رجوع کرنا تھا ـــ جناب قبلہ سخی صاحب نے فرمایا ـــ بابا میں پیر نہیں ہوں۔ میں پیر کا اُدنیٰ غلام ہوں ـــ

حضور قبلہ عالم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا — آپ کے حضور پیش ہوں — وُہ صاحب بے حد شرمندہ و نادم ہُوا۔ ترالی صاحب۔ قبلہ عالم کے پیش ہوئے — درود شریف کی اجازت لی۔ اسی وقت بیعت ہُوئے۔ رات میرے پاس ہی قیام کیا — ساری رات مراقبہ میں گزاری — اور رات میں ہی اجلاسِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں داخل ہو کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے مشرف ہُوئے۔ دوسرے دن صبح شاداں و فرحاں بامراد گھر روانہ ہو گئے۔

حضور قبلہ عالم کبھی کبھی کشمیر گیسٹ ہاؤس امیراکدل میں جناب محمّد الیاس صاحب کے ساتھ چائے پینے تشریف لاتے۔ ایک دفعہ مَیں بھی آپ کے ساتھ ریسٹ ہاؤس گیا۔ چائے سے فراغت حاصل کر لی تو حضور قبلہ عالم نمازِ عصر کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ کے پیچھے مقتدیوں میں محمّد الیاس صاحب۔ غلام محمّد خان صاحب (جو اس وقت ڈپٹی کسٹوڈین تھے) محمد رمضان صاحب مینیجر ہوٹل اور راقم بھی جماعت میں شامل تھے — نماز کے دوران ایک شخص نے جماعت کے ساتھ رکوع ادا نہ کیا۔ قیام میں کھڑے رہے۔ رکوع چھوڑ کر سجدے میں چلے گئے — غلام محمّد خان صاحب نے اُنہیں ٹوکا — کہ آپ نے رکوع ادا نہ کیا اس لیے نماز ادا نہ ہوئی۔ تو اس شخص نے رکوع نہ ہونے کی وجہ بتائی کہ دوسری رکعت میں قیام کے دوران مجھ پہ استغراق طاری ہُوا۔ مجھے اپنے وجود کا ہوش نہ رہا۔ اس وقت مَیں نے دیکھا مَیں کعبۃ اللہ کے سامنے حطیم میں داخل ہو رہا ہوں اور تجلّیات کا اس قدر نزول تھا کہ مجھے احساس نہ رہا کہ مَیں نماز میں کھڑا ہوں۔ اِتنی دیر میں رکوع ہو گیا۔ اور مَیں بغیر رکوع سجدے میں گیا۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ یہ کیفیت آپ کے لیے مُبارک ہے کہ آپ کی نماز حقیقی نماز ہے۔ تاہم لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی یہ کیفیت سکر میں آتی ہے۔ اِس لیے ترکِ رکوع کے سبب شریعت ظاہری کا التزام ضروری ہے۔ نماز کا حقیقی ثواب تو مل گیا تاہم نماز دوبارہ ادا کریں۔ اس حال میں کہ ذہن پہ استغراق طاری نہ ہو۔

سیّد حسین شاہ کشتواڑی کا مُرید ہونا

ہوٹل سے فراغت کے بعد حضور قبلہ عالم واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک کمرے میں ایک لحیم و شحیم آدمی شراب کے نشہ میں لیٹا دیکھا۔ حضور نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ فرمانے لگے کل چار بجے سے پیشتر یہ شرابی تائب ہو کر ہمارے پاس آکر بیعت ہوگا۔ دوسرے دن عصر کی نماز سے پہلے یہ شخص سیّد حسین شاہ کشتواڑی غسل کر کے صاف کپڑے پہن کر حضور کی خدمت میں حاضر ہُوا اور حضور سے بیعت ہُوا۔ ان کا مشغلہ رات دن شراب میں دُھت رہنا۔ ہر وقت نشہ میں مست رہنا۔ ان کی روزانہ زندگی کی صبح شراب سے شروع ہوتی اور شراب پر شام ہوتی۔ مشیّتِ الٰہی!—اور ولی اکمل کی نظر پُر تاثیر کارگر ثابت ہوئی۔ حضور کی پیشگوئی درست ثابت ہوئی—حضور سے بیعت کے بعد کایا پلٹ گئی—نصف شب کو اُٹھ کر غسل کرتے اور صُبح کی نماز تک تہجد قائم کرتے ہیں۔ آخر وقت مراقبہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح کی نماز ادا ہوتی ہے۔ آپ کثرت سے ہر وقت درُود شریف وِرد کرتے ہیں۔ تقریباً چالیس ہزار درود شریف رات دن میں پُورا کرتے ہیں۔ آپ صاحبِ مشاہدہ حضوری فقیر ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی اور ہمشیرہ بھی کشتواڑ سے آکر حضور کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئیں۔ اور درود شریف باقاعدگی سے پڑھتی ہیں۔

مولوی عبد الجبّار سوپُوری کا مُرید ہونا

مولوی عبد الجبار صاحب عرصہ چالیس سال سے جامع مسجد قصبہ سوپور کے امام مسجد تھے۔ درس و تدریس اور تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا۔ ان کے اپنے سینکڑوں مرید تھے۔ ایک بار اچانک حضور قبلہ عالم سے ملاقات ہوگئی۔ سلسلہ اویسیہ کے متعلق آپ سے گفت گو ہُوئی۔ حضور نے طریقت اور خصوصاً سلسلہ اویسیہ کی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ تو حیرت میں پڑ گئے۔ جیّد عالم تھے۔ لیکن یہ ایک نیا علم تھا۔ جو مدّتوں اس ملک کے علمار کے ذہن میں نہ آیا—دل نے تسلیم کیا—حضور قبلہ عالم کو اپنے گھر مدعو کیا۔ عدیم الفرصتی کے

باوجود آپ نے دعوت قبول فرمائی۔ شام جب قبلہ عالم مولوی صاحب کے گھر تشریف لے گئے تو مولوی صاحب نے اپنے حجرہ کا دروازہ بند کر دیا اور حضور قبلہ عالم کے آگے زار وقطار رونے لگے۔ اپنی گزشتہ زندگی کو ضائع سمجھ کر بے حد نادم و شرمندہ تھے اور افسوس کرنے لگے کہ اگر حضور سے ملاقات نہ ہوتی تو میں اس سرابِ زندگی کی کسی گمشدہ منزل میں بھٹک کر بے نیل و مرام دُنیا سے رخصت ہو جاتا۔ بحمداللہ

اے کہ پنجاہ رفت و در خوابی
مگر ایں پنج روز دریابی

میری تمام عمر بے خبری کے عالم میں گزر گئی مگر ایک مردِ کامل کی ایک ساعت طاعت صد سالہ کے برابر ــــ میری زندگی کے پانچ دن بھی غنیمت ہیں کہ میں انشاء اللہ ایک کامیاب زندگی میں داخل ہو گیا۔ اسی وقت بیعت کی۔ زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ اسی وقت حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ کپواڑہ پڑاؤ پر لاری سے اُتر کر ڈیڑھ میل کا فاصلہ پیدل ننگے پاؤں چل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ــــ اپنی طویل عمر حقیقی راہ سے محرومی کے بعد چند ساعتوں کی سرفرازی اور عنایت کو دیکھ کر دل دُنیا سے بے زار ہو گیا۔ مولوی عبدالجبار صاحب اس کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہے۔ تھوڑے وقت میں آپ نے اپنے علم اور پیری مریدی سے کنارہ کش ہو کر سارا وقت درود شریف اور مراقبہ حضوری اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف کیا۔ اور تھوڑی مدت میں ایک ولی اکمل کی راہنمائی میں عمر بھر کے خسارہ کو پُورا کر کے بامراد عاقبت میں داخل ہو گئے۔

یک زمانہ صُحبتِ با اولیاءَ
بہتر از صَد سالہ طاعت بے ریا

حضور قبلہ عالم کی خصوصیات میں یہ بات شامل تھی۔ کہ آپ حصُولِ فیض باطنی کے علاوہ اپنے مریدوں کے حصول دُنیا میں ہر لحظہ آسودگی کے بھی خواہاں رہتے۔ ہر آن۔ ہر لحظہ انہیں اپنے مریدوں کی دنیوی آسودگی کا فکر لگا رہتا۔ چنانچہ آپ اکثر اپنے مریدوں کی مشکلات میں برابر دستگیری فرماتے۔ جہاں کسی محب پر کوئی تکلیف وارد ہوئی آپ فوراً اُس کی مدد کو پہنچتے۔ ان کی تکلیف رفع کرنے میں ہر تدبیر کام میں لاتے ــــ حضور قبلہ عالم نے کبھی کسی

مرید سے "پیری مریدی" جیسا برتاؤ نہ رکھا ـــ یہاں تک کہ آپ کی شفقت و محبت۔ رواداری۔ غمگساری نے کبھی کسی مرید کو یہ احساس تک نہ ہونے دیا کہ وہ خود کو آپ کا مرید محسوس کرے ـــ آپ ہر مرید سے محبانہ۔ دوستانہ انداز میں پیش آتے۔ گویا آپ قرونِ اولیٰ کے کردار کا مثالی نمونہ تھے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشفقانہ و محبانہ انداز میں تعلق فرماتے۔ ہر شخص سے مساوی حیثیت میں دوستانہ انداز میں پیش آتے جب ہی تو قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے آپس کے تعلق کو "صاحب" کے تصور میں ذکر کیا۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ نہیں بہکا تمہارا دوست۔ اللہ تعالیٰ نے بجائے نبی و رسول کے آپ کو صاحب کے خطاب سے پکارا۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے تابعین کو اصحاب کے خطاب سے پکارا۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ میرے "دوست" مانند سورج کے گرد ستاروں کے ہیں۔ کہ ان ستاروں کی ضیا (روشنی) میرے ہی نور سے ہے لہٰذا ان کی اقتدا کرو تو ہدایت پاؤ گے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی مثنوی میں ذکر کرتے ہیں:

ما و اصحابیم چوں کشتی نوح
ہر کہ رازیں رو رود یابد فتوح

اِنَّ مَثَلَ اَهْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ السَّفِیْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَهَا نَجَا وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ۔

تحقیق میرے اہلِ بیت مانند کشتی نوح کے ہیں۔ جو اس کشتی میں سوار ہوا۔ اس نے نجات پائی اور جس نے ان کی عظمت سے انکار کیا۔ ان سے اختلاف کیا۔ وہ غرق ہوا۔ اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں آپ کے صحابہؓ اور علمائے اُمت بھی شامل ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط ہی سے اور علمائے اُمت کے ذریعہ ہی اُمت مسلمہ کو ہدایت کا راستہ میسر ہوا۔ چنانچہ آئندہ آنے والی اُمتوں میں علمائے اُمت اولیائے کاملین بھی اصحاب کی صفت سے متصف ہوتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے دین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اجرا میں وہی طریق اختیار کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

کے صحابہ نے اختیار کیا۔ آپ نے اپنے علم و کمال کے باوصف کبھی فخر و ناز کا مظاہرہ نہ فرمایا۔ آپ عجز و فروتنی کا مجسمہ تھے۔ ہر کس و ناکس سے یکساں سلوک روا رکھنے میں آپ نے اپنی برتری کا کبھی احساس نہ فرمایا۔ آپ اپنے ہر مرید سے دوستوں جیسا سلوک فرماتے۔ حضور اپنے مُریدوں کی پریشان حالی۔ درماندگی میں دوست کی حیثیت سے دستگیری فرماتے۔ جہاں تک تدبیر سے کام لینا مقصود ہوتا۔ تدبیر سے کام لے کر۔ دامے درمے سخنے امداد فرماتے۔ اور خود ہر شخص کے غم میں شریک ہو کر غمگساری فرماتے اور جہاں حالات تدبیر کی حد سے باہر ہو جاتے۔ رُوحانی طور پہ مدد فرماتے۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں قبلہ سخی صاحب اور چند احباب کے واقعات میں ذکر ہُوا۔

یہ حقیقت ہے کہ ولی اکمل رُوحانی حیثیت میں صاحبِ کمال صاحبِ اختیار ہوتا ہے ـــــ علمائے حق اور اولیائے اکملین کرامات و معجزات کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی نگاہِ باطنی مشرق و مغرب کا احاطہ کر لیتی ہے۔ وہ صاحبِ حال ہوتے ہیں۔ اپنے ہر مرید کے حال سے آگاہی رکھتے ہیں ـــــ وہ قدرت رکھتے ہیں کہ اپنے مرید پر توجّہ ڈال کر دوری کی حالت میں بھی صحت مند بنا دیں ـــــ یا اس کی مشکل میں رُوحانی طور پر دستگیری کریں ایسی صورت میں ایک ولی کو مرید تک پہنچنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن یہاں اُسوۂ محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نمونہ ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے صحابہؓ کی بنفسِ نفیس عیادت فرماتے۔ غیروں کی عیادت فرماتے۔ کبھی کسی صحابی کو شہد استعمال کرنے کی تلقین فرماتے کبھی دستِ مقدّس پھیر کر شفا بخشتے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی امور دنیوی میں تدبیر سے کام لیتے۔ صحابہؓ کو بھی ہدایت فرماتے۔ اِس وجہ سے کہ یہ طریق محبت و آشتی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جو روحِ شریعت ہے۔ اِسی اسوۂ حسنہ کے مطابق حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں پر اولاد سے زیادہ شفقت فرماتے۔ آپ ایک دُنیا دار کی طرح خود اپنے مرید تک پہنچ کر اطمینان کر لیتے۔ یہ غمگساری کی ایک ادا تھی کہ خود اپنی ذات کو شریکِ غم۔ شریکِ ابتلا کرتے۔ اور جب تک مرید ابتلا سے فارغ نہ ہوتا آپ اس کا پُورا فکر رکھتے۔ یہی وہ رسُولی ضابطے ہیں جن پر ایک ولی کی اولوالعزمی اور ولایت کا مدار ہوتا ہے۔ اِن ہی خصوصیات کی بنا پر ایک ولی کے

تسلیم و اتباع کا قابلِ قبول ہونا مسلّم ہے۔

حقیقت کو تسلیم کرنے میں دو کیفیتیں مانع ہوتی ہیں۔ ایک نامکمل علم ـــــ دوسرا جہل ـــــ نامکمل علم خود حجاب بن جاتا ہے۔ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرُ ـــ علم بڑا حجاب ہے ـــ محجوب وہ ہے جو بغیر علم پر کلی عبور ہوئے اپنی تحقیق ـــ اپنے تحقیقی فیصلہ کو ـــــ حرفِ آخر سمجھ کر یہ نظریہ قائم کرے کہ میری تحقیق ـــ تحقیق کی انتہا ہے۔ اِس حال میں کہ وہ کسی کیفیت کے علم کے تمام پہلوؤں پر عبور نہ رکھتا ہو۔ نہ اپنی تحقیق کو انتہا تک پہنچا سکا ہو ـــ مثلاً ایک شخص انسانی وجود کی تحقیق میں یہ نہ جانتا ہو کہ ایک ہی قسم کی غذا۔ مثلاً گندم سے انسان کے وجود میں۔ نرم گوشت۔ سخت ناخن۔ ہڈیاں۔ بال۔ لطیف آنکھوں کا لطیف پانی۔ لطیف نازک اعضاء رئیسہ تک مختلف شکلوں میں کس طرح غذا پہنچتی ہے اور پھر ایک غیر محسوس وجود (انسانی روح) کی ہیئت کیا ہے؟ اس کی غذا کیا ہے؟ ـــ کیسے وجود میں آتی ہے؟ اپنی دانست میں سطحی تحقیق پر انسان کے چند ظاہری آثار کو دیکھ کر ایک کمزور انسان کو دیکھ کر۔ یہ فیصلہ دے کہ انسان ایک حقیر وجود ہے ـــــ اِس میں رُوحانی مظاہرات کی قدرت نہیں۔ اور اپنے محدود علم پر یہ فیصلہ قطعی کرے اور اپنے نامکمل نظریہ کو حرفِ آخر سمجھ کر اصل کی نفی کرنے پر بضد ہو تو ایک حقیقت کی پہچان میں اس کا اپنے محدود علم پر فیصلہ کرنا۔ وُہ علم اِس کے لیے حقیقت پہچاننے میں حجاب بن جاتا ہے۔ جس سے وہ اصل حقیقت کی نفی کر جاتا ہے۔ اِس کے مقابل جہل کی تعریف یہ ہے ـــــ کہ ایک شخص ـــــ ایک حقیقت تسلیم کرنے میں بوجہ لاعلمی ـــــ یا کم علمی ـــــ یا علم پر کُلّی طور عبور نہ ہونے کے ـــــ ایک غیر معقول یا غیر حقیقی نظریہ پر بضد قائم ہو ـــــ جبکہ ایک حقیقت کے تسلیم کے لیے واضح دلائل اور ثبوت مہیّا ہوں ـــــ اپنے غیر حقیقی نظریہ پر قائم رہ کر اصل حقیقت سے قطعی انکار جہل سے تعبیر ہے۔ یہی دو صورتیں ہیں جن پر انسان ایک ایسی کیفیت جو انسان کے احاطہ علم سے ماوریٰ ہو۔ بغیر دلیل تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا ـــــ حضور قبلہ عالم جہل کے متعلق مثنوی مولانا روم سے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں ـــــ فرماتے ہیں ـــــ جہل سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ جب تک کسی کیفیت کی بنیادی ہیئت تک ادراک نہ ہو۔ اسے اگر تسلیم نہیں تو انکار بھی لازم نہیں۔

بلا دلیل - بلا تحقیق - نامکمل نظریات کو اپنانے میں بضد نہ ہونا چاہیئے - یہ جہل ہے جس سے اصل حقیقت پوشیدہ ہو جاتی ہے ــــ فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام شہر چھوڑ کر جنگل کی طرف بے تحاشا بھاگ رہے تھے۔ راستہ میں ایک شخص نے حضرت عیسٰے علیہ السّلام کو بھاگتے دیکھا۔ حیران ہُوا کہ پیغمبر ہوتے ہُوئے آپ کس چیز سے بھاگ رہے ہیں۔ وہ شخص حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے پیچھے بھاگنے لگا اور پکارا ــــ یا عیسٰی علیہ السّلام ــــ اللہ کے رسول۔ ذرا ٹھہریئے۔ مَیں نے آپ سے کچھ پُوچھنا ہے مگر حضرت عیسٰی علیہ السّلام اس شخص کی پکار پر نہ رُکے۔ بھاگتے بھاگتے جنگل میں جاکر دم لیا۔ وُہ شخص بھی آپ کے پیچھے بھاگتا ہُوا جنگل میں آپ کے پاس پہنچا ــــ پُوچھا ــــ اے اللہ کے رسُول ــــ آپ تو اللہ کے نبی ہیں۔ آپ کس خوف سے بھاگ کر یہاں پہنچے ؟ ــــ تو حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے فرمایا۔ مَیں تو پناہ مانگتا ہوں۔ جاہل کے جہل سے۔ مَیں جاہل سے دُور بھاگتا ہوں ــــ کہ وہ کسی طرح حقیقت ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ یہ امر کسی کے لیے باعث گمراہی اور خسران ہے۔ اس شخص نے عرض کیا۔ آپ نبی ہیں۔ بیماروں کو صحت دیتے ہیں۔ مُردے زندہ کرتے ہیں۔ آپ جاہل کو بھی توجّہ دے کر حقیقت کی طرف لا سکتے ہیں۔ تو حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے فرمایا ــــ اللہ کی قسم ! مَیں نے جاہل پر ستّر بار توجّہ دی۔ مگر وہ اپنے جہل سے باز نہ آسکا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی حقیقت کو پانے میں جلد بازی اور جہل سے کام نہ لے بلکہ میانہ روی اور نرمی اختیار کرے۔ یعنی حصولِ حق میں اپنے علم پر بھروسہ نہ کیا جائے کسی عالمِ اکمل کی صحبت میں رہ کر آداب سیکھے کہ حصولِ حق کے لیے انسان کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ ایک عالم کے مقابل اپنے علم اپنی عقل کی نفی کی جائے۔ ایک عالم کے علم کو مبنی بر حقیقت سمجھ کر بہر صورت قبول کرنا چاہیئے۔ بشرطیکہ حقیقی معنوں میں علم پر عبور رکھنے کے ساتھ اس (عالم) کی شخصیت مسلم ہو۔

حضور قبلہ عالم الحاج محمّد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت طیبہ کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ آپ کے مقام فنا و بقا اور اکملیت کے مقام پر آپ کی سیرت کا تذکرہ نہ قوتِ شعور سے ہو سکتا ہے نہ عقل و کلام ہی آپ کے کمالاتِ ولایت کے اصل تصورات کو

پیش کر سکتے ہیں ۔۔۔ سوائے اس کے کہ آپ کی سوانح حیات کے چند مختصر واقعات کو عام عقول کے مطابق پیش کیا جائے۔ وہ یہ کہ آپ کے دعویٰ ولایت کی دلیل میں آپ سے نسبت رکھنے والوں کو حصولِ معرفتِ حقیقی میں کیا مقام حاصل ہے؟ تاہم یہ امر ضروری ہے کہ جیسے نبوت کے لیے معجزات کو لازم رکھا گیا۔ اِسی طرح ایک صاحبِ شریعت ولی میں بھی کرامات کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ غیر شرعی حامل کی کرامات۔ استدراج سے تعبیر ہوتی ہیں اور ولی اکمل کی کرامات وراثتِ انبیاء سے تعلق رکھتی ہیں۔

جنگلی درندوں کا مسخر ہونا

پیر غلام نبی ہیدگامی ۔۔۔ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں سے ہیں۔ حضور کے آستانہ پر حاضری دینے کے لیے گئے۔ قصبہ کپواڑہ پڑاؤ پر پہنچے تو مغرب ہو چکی تھی ۔۔۔ قصبہ میں ہی نماز ادا کی ۔۔۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور کے درِ دولت کی طرف روانہ ہوئے۔ تو اندھیرا چھا چکا تھا۔ حضور کے آستانہ تک تقریباً اڑھائی میل کا فاصلہ جنگل سے ہو کر جاتا تھا۔ سڑک کا راستہ طے کرنے کے بعد جنگل میں داخل ہو گئے۔ تو اندھیرا رفتہ رفتہ گہرا ہونے لگا۔ سنسان علاقہ تھا۔ خوف و دہشت طاری ہو گیا۔ آسمان ابر آلودہ تھا ڈر تھا کہ کہیں راستہ نہ بھول جائیں۔ اِس عالم میں آپ نے پیرِ اکمل کو دل سے پکارا۔ کہتے ہیں! کہ اچانک حضور قبلہ عالم کی آواز کانوں میں گونجی۔ گھبراؤ نہیں تمہارے بہ حفاظت پہنچنے کا سامان ہو گیا۔ دل کو قدرے اطمینان ہُوا۔ دُور جنگل میں جلتے چراغ نظر آئے۔ مَیں ان ہی چراغوں کی سمت چلنے لگا۔ چراغ آگے بڑھتے دکھائی دیئے۔ مَیں بھی ان ہی کے نشان پر چلنے لگا کہ حضور قبلہ عالم کا مکان سامنے نظر آیا۔ قریب پہنچ کر مَیں مکان کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ کہ قریب ہی ایک شیر نظر آیا۔ جس کی دو آنکھیں چراغ کی مانند روشن نظر آ رہی تھیں۔ خیال آیا کہ یہی شیر ہماری راہنمائی کے لیے بھیجا گیا۔ شیر نے سر جھکایا اور واپس جنگل کے اندھیروں میں گم ہو گیا۔ مَیں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ نے فرمایا جس درندہ کا تمہیں ڈر تھا ہم نے اسی کو تمہاری راہنمائی کے لیے مامور کیا۔

راقم شاہی چشمہ محکمہ حیوانات میں متعین تھا۔ (سری نگر) شاہی چشمہ جنگل کی رکھ[1] میں جنگلی جانوروں کی بہتات تھی۔ ہر وقت ڈر لگا رہتا تھا کہ کوئی درندہ سرکاری قیمتی جانور اُٹھا کر نہ لے جائے۔ سانپ۔ بچھو کثرت سے تھے۔ مَیں نے ان کا تذکرہ حضور سے کیا۔ آپؒ مراقب ہوئے۔ چند ساعت بعد فرمایا کہ آج سے شاہی چشمہ کی رکھ تمام حشرات الارض۔ ریچھ۔ شیر سب تمہارے حکم کے تابع کر دیئے گئے۔ اب تمہاری اجازت کے بغیر کوئی درندہ کسی سرکاری جانور پر حملہ نہ کر سکے گا۔ اس کے بعد مَیں نے اپنی تعیناتی کے دوران کبھی سانپ بچھو کی شکل نہ دیکھی۔ اس سے قبل یہاں کی یہ حالت تھی کہ جہاں سے پتھر اُٹھاؤ درجنوں چھوٹے بڑے بچھو نکل آتے۔ اس کے بعد — جیسا کہ مجھ سے پہلے یہاں جنگلی درندے شیر وغیرہ سرکاری گائیوں کو اُٹھا کر لے جاتے۔ میری موجودگی میں کسی شیر یا جنگلی جانور نے اس طرف کا رُخ نہ کیا۔ نہ میری موجودگی میں کسی جانور کو لے جانے کی جرأت کی۔ مئی ۱۹۵۸ء میں جب میری چشمہ شاہی سے تبدیلی ہوئی تو ڈاکٹر غلام احمد صاحب جو اس وقت پولٹری فارم کے منیجر تھے میرے پاس چند مسائل کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے آئے۔ مَیں نے انہیں دوران گفتگو بتا دیا کل سے جنگل کے شیر آزاد ہیں۔ یہاں ہماری ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے۔ اب اپنی مرغیوں کی رکھوالی اچھی طرح کریں۔ کہیں آپ کی مُرغیاں بھی شکار کی نذر نہ ہو جائیں۔ دوسرے دن انہوں نے مجھے ایک سنسنی خیز خبر سنائی۔ کہ شام ہوتے ہی جنگل سے شیروں کا ایک ریوڑ فارم کے احاطے میں داخل ہُوا اور گائے خانہ کے عین سامنے دھاڑنے لگا۔ گائیوں نے خوف کے مارے آہنی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ کوئی شخص باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکا۔ میری تبدیلی کے بعد شیر دندناتے پھرنے لگے۔ اور ایک ماہ کے اندر سات گائیں ہلاک کر ڈالیں۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر غلام احمد کی مرغیوں پر گیدڑوں نے حملہ کر دیا۔

---

[1] رکھ ایک ایسا جنگل ہوتا ہے۔ جس کا نظام اور تحویل محکمہ شکار خانہ کرتا ہے۔ ایسے جنگل صرف جنگلی جانوروں کی حفاظت اور پیداوار کے لیے ہوتے ہیں۔ ان جنگلوں میں انسان کا چلنا پھرنا منع ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے جنگلوں میں درندوں اور دیگر جنگلی جانوروں کی بہتات ہوتی ہے۔

ایک رات میں تین سو مرغیاں اُٹھا کر لے گئے۔

تاریخِ اسلام میں مجاہدینِ اسلام کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ مجاہدینِ اسلام کا ـــــ دورانِ جہاد ایک جنگل سے گزر ہوا (غالباً یہ واقعہ موسیٰ بن نصیرؒ کے عہد کا ہے۔) رات انہیں جنگل میں قیام کرنا پڑا۔ مگر جنگل تمام سانپوں۔ بچھوؤں اور درندوں سے بھرا پڑا تھا۔ مجاہدینِ لشکر نے امیرِ لشکر کو خبر دی۔ کہ جنگل :۔ زہریلے سانپوں۔ بچھوؤں اور درندوں سے پُر ہے۔ ایسی جگہ لشکر کا قیام کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ مگر امیرِ لشکر نے اِسی جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا خود جنگل کے حشرات الارض کی طرف مخاطب ہو کر حکم دیا کہ اے جنگل کے مکینو اس وقت اس جگہ لشکرِ اسلام اُتر رہا ہے۔ تم بھی اللہ کی مخلوق ہو اور ہم بھی اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے ہیں اس لیے جب تک اس جنگل میں ہمارا قیام ہے۔ یہ جگہ مجاہدینِ اسلام کے لیے خالی کر دو۔ اِس حکم کے ساتھ ہی جنگل کے تمام حشرات الارض۔ سانپوں بھیڑیوں ہرنوں۔ شیروں وغیرہ نے اپنے بچّے اُٹھا کر جنگل خالی کر دیا ـــــ یہاں تک کہ جنگل سے ایک مچھّر کے بھنبھنانے کی آواز تک سنائی نہ دی۔ جنگل بالکل صاف ہو گیا۔ ہاں! اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے کائنات کی ہر شے مسخر کی جاتی ہے۔ ان ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

اور مسخر کیا گیا جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لیے ـــــ اِس انعام الٰہی کے تابع ایک ولی کے لیے اِسی حال ہیں کہ جَاھِدُوْ فِیْنَا وہ اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرتا ہے ـــــ ہر شے مسخر ہونا قابلِ یقین بات ہے ـــــ اِس تمام مخلوق میں انسان اور خصوصاً ولی اللہ کو بہر حال ـــــ شرفِ فضیلت حاصل ہے ہی ـــــ ایسے میں حشرات الارض کیوں نہ تابع فرمان رہیں۔

حضور قبلہ عالم کا ابتدائی زمانہ تھا علاقہ دراوہ کے کسی گاؤں سے گزر رہے تھے یہاں بارشوں کی وجہ سے پہاڑ کا ایک بڑا حصّہ نیچے آ رہا تھا اور اس کی زد میں گاؤں کے مکان آ رہے تھے۔ لوگ بیحد پریشان تھے ـــــ دُعائیں مانگ رہے تھے ـــــ اِسی دوران حضورؒ کا گزر اس گاؤں سے ہُوا ـــــ حضور نے لوگوں کی حالتِ زار دیکھی ـــــ پہاڑ کی طرف توجّہ کی پہاڑ کا سرکنا بند ہو گیا۔ لوگوں نے اِس کمسن معصوم ہستی کو دیکھ کر تعجب کیا ـــــ حضور

سے بے حد عزت و احترام سے پیش آئے اور بہت سے خوش نصیب بیعت ہوئے۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ

یہ ۱۹۶۷ء بمطابق ۱۳۸۷ھ کا زمانہ تھا۔ ماہ ذی القعد کے آخر میں مجھے حضور قبلہ عالم کے درِ دولت پر حضوری حاضر ہونا تھا ـــــ واقعہ یوں ہوا۔ کہ دفتری کام میں ایک سرکاری ملازم نے غلط بیانی سے کام لیا۔ مجھے اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا۔ میں نے اس کو زور کا تھپڑ مارا ـــــ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ اس کے والد حضور قبلہ عالم کے مرید تھے۔ اور حضوری فقیر تھے۔ لڑکے کا سن کر انہیں بھی افسوس ہوا کہ معمولی بات پر لڑکے کو سزا دی۔ انہوں نے بھی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں میرے خلاف دعویٰ دائر کر دیا ـــــ اجلاس میں باطناً میری پیشی ہوئی ـــــ میں نے اس بات پر زور دیا کہ لڑکے نے میرے سامنے جھوٹ بولا ـــــ اس کا قصور تھا ـــــ مگر اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ

مومن کے لیے غضب کے وقت عفو لازم ہے ـــــ آپ نے معمولی جرم پر زیادہ سزا دی ـــــ یہ امر اعتدال سے بڑھنے کے مترادف ہے ـــــ لازم تھا ـــــ کہ فیصلہ مدعی کے حق میں ہوتا تھا ـــــ میں پریشان ہوا ـــــ اور حضور قبلہ عالم کی خدمت میں خود پیش ہوا ـــــ اور اجلاس میں فیصلہ کا واقعہ بیان کیا ـــــ حضور نے تبسم فرمایا ـــــ فرمایا کہ ـــــ ہم حالات سے باخبر ہیں ـــــ آپ کے خلاف سنگین مقدمہ تھا ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری سفارش قبول فرمائی اور سزا میں تخفیف ہوئی ـــــ لیکن مَنْ عَمِلَ سُوْءًا کے حکم کے تحت جرم کا ازالہ ضروری ہے تھوڑی تکلیف اٹھانا پڑے گی۔ اور آپ کے دوسرے ساتھی کو بھی جو اس جرم میں شریک ہے سزا ملے گی ـــــ اس کے چند دن بعد میں اور ڈاکٹر بشیر احمد شیرازی ڈائریکٹر صاحب جیپ میں سوار جا رہے تھے کہ اچانک اونتی پورہ گاؤں کے قریب جیپ ایک ملٹری ٹرک سے ٹکرا گئی جس میں ڈاکٹر شیرازی صاحب شدید مجروح ہو گئے۔

حادثہ شدید تھا۔ ان کی زندگی کی کوئی اُمید نہ رہی ــــ اور مجھے جیسا کہ قبلہ عالم نے فرمایا تھا ــــ تھوڑی سزا ملی۔ جسم پر معمولی چوٹیں آئیں ــــ میرا داہنا ہاتھ (جس سے تھپڑ مارا تھا) زخمی ہُوا اور ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی ہڈی ٹوٹ گئی ــــ تاہم اللہ کا فضل ہُوا جلد ہی میں صحت یاب ہو گیا ــــ بلاشبہ قرآنی قانون کا اٹل فیصلہ ہے

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

ایک ذرہ بھر شر کا بدلہ بھی اُٹھانا قانونِ الٰہی کے تابع ضروری ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ جس وقت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مقدس سے وحی کا یہ حکم صحابہؓ نے سُنا تو ان پر شدید غم و خوف طاری ہُوا۔ کہ قبولِ اسلام سے قبل کے گناہوں کا بدلہ بھی ہم سے چکایا جائے گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ پر اس حکم سے اس قدر لرزہ طاری ہُوا جیسے (خاکم بدہن) کمر ٹوٹ گئی ہو۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے رفیق و مطیع صحابہؓ کی حالت کو محسوس فرمایا۔ تو ان کی تسلّی فرماتے ہُوئے بیان فرمایا ــــ بیشک اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے خیر و شر کے ذرہ بھر عمل کی سزا دے گا۔ کافر کو قیامت کے دن اس کے عمل کے بدلہ میں عذاب ہو گا۔ مگر مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ رعایت ہو گی کہ اس کی نیکیاں آخرت کے لیے وقف ہوں گی۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللهِ ۔

جو کچھ نیکیوں میں سے تم (قیامت کے لیے) جمع کرو گے اللہ کے نزدیک اس کا اَجر پاؤ گے۔ لیکن مومن کے گناہ دُنیا میں بدلہ دیئے جائیں گے ــــ دُنیا میں اس کے گناہ کے بدلہ میں جسمانی تکلیف سے ازالہ کیا جائے گا۔ اِس حال میں کہ آخرت کے لیے بدی باقی نہ رہے گی۔ یہ سُنکر صحابہ کو قلبی اطمینان حاصل ہُوا ــــ ہاں! یہ رعایت محض حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبوبیت اور صفت رحمۃ للعٰلمین کے سبب اُمتِ محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو عطا کی گئی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حقیقی مقام اور اسم محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تفسیر سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ ــــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس خود شفیع ہے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تمام اُمت کیلئے ــــ کہ آپ کے طفیل حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرنے والے اور

آپ سے حُب رکھنے والے قیامت کے دن عفو کیے جائیں گے ـــــ یہی خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے علماء، اولیا کو ورثہ میں عطا ہوتی ہے کہ اولیائے کاملین حضور کی اُمت کے لیے وجہ شفاعت ہوں گے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ اپنے مرید کے کسی گناہ پر اظہار ناراضگی نہ فرماتے ـــــ بلکہ ہم نے حضور کو ایسے موقعہ پر تبسّم کناں ہی دیکھا۔ جیسا کہ گزشتہ بیان ہُوا کہ حضور کے مریدوں کو آپ کے طفیل ان کے گناہوں کے بدل میں شفاعت و رحمت عطا ہوتی رہی ـــــ آپ کے مریدوں کو کسی گناہ کے جرم میں حضوریٔ اجلاسِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج نہیں کیا گیا۔ بلکہ انعامات سے نوازا گیا۔ یہ عنایت محض حضور قبلہ عالم کی علو مرتبت اور محبوبیت کے سبب تھی ـــــ حضور اکثر فرماتے ـــــ کہ ہمارے سامنے کسی مرید کی غلطی کی شکایت نہ کیا کرو۔ کیا مَیں اپنے عزیز کو فقیری سے خارج کر دُوں؟۔ تو پھر ہماری فقیری کا کیا فائدہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعٰلمین ہیں ہم کیسے آپ کی اُمت پر غضب کر سکتے ہیں! میری بیعت میں آیا ہُوا مرید کسی حالت میں فقر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ یاد رکھو جس کی گردن میں میرا ہاتھ ایک بار پڑا۔ وہ میری گرفت سے نہیں چھوٹ سکتا۔ فِدَاہُ اُمِّیْ وَ اَبِیْ البتہ شرط یہ ہے کہ پیر سے۔ ماں باپ اولاد غرض ہر شے سے زیادہ محبت رکھی جائے۔ یہ طریق سُنّت ہے۔ ولی بھی قائم مقام رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق شفاعت کا حامل ہوتا ہے ـــــ اِس کے لیے بھی رحم و درگزر لازم ہوتا ہے اور مومن کے لیے تو قرآن نے بھی حکم جاری کیا۔ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ فقیر کا بھی یہ مقام ہے کہ اُمّت کو حصول ہدایت و معرفت میں (صحابہ) دوست کا درجہ دے کہ اس کے لیے رحم و عفو اور مروت استعمال کرے ـــــ یہ خصوصیت اُمّتِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوتی ہے۔ کہ محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تابعین علمائے اُمّت۔ اولیاء، مخلوقِ انسانی کے لیے رحم و کرم اور شفاعت کا سبب بنیں ـــــ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ الحاج محمّد امین صاحب کی ذات والا کو بحیثیتِ نائب رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ بحیثیتِ نائب اویس قرنی رضی اللہ عنہ

یہ مقام محبوبیت حاصل تھا کہ دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو "سوال" عطا تھا۔ جس کی سفارش فرمائیں منظور فرمائی جاتی۔ اور حصولِ حق میں آپ کے مریدوں کو بھی دربار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں عزت کا مقام حاصل ہوتا۔

ڈاکٹر غلام محمّد شاہ کے والد بزرگوار کی بیعت

ڈاکٹر غلام محمّد شاہ صاحب میڈیکل کالج (سری نگر) میں پروفیسر تھے ان کے والد حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے ــــ آپ عمر رسیدہ تھے ــــ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت بھی تھے ـــــ بزعم خود ـــــ اپنے آپ کو مقام فنا فی اللہ میں سمجھتے تھے۔ بقول ان کے رات کو انبیاء اولیاء کے ساتھ ہوتے تھے ــــ حضور قبلہ عالم سے درود شریف کی اجازت لی۔ پہلے روز خیال آیا کہ درود شریف پڑھنے سے کہیں فنا فی اللہ کے درجے میں رکاوٹ نہ پیدا ہو ــــ درُود شریف پڑھنا ترک کر دیا۔ دوسرے دن پھر حضور کی خدمت میں آئے اور اپنے شکوک رفع کرنے کی غرض سے حضور پر سوال کرنے شروع کیے اور آپ سے بحث و مناظرہ شروع کر دیا۔ حضور ٹھنڈے دل سے ان کی فلسفیانہ بحث سنتے رہے۔ آخر فرمایا ــــ شاہ صاحب! ایں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است ــــ جس راہ پر آپ جا رہے ہیں یہ راستہ بجائے مدینہ و بیتُ اللہ کے ترکستان کو (مخالف سمت کو) جانکلتا ہے ــــ فرمایا ــــ باتوں سے تحقیق نہیں ہُوا کرتی۔ درود شریف پڑھیں پھر دیکھیں ــــ شاہ صاحب رات بھر درُود شریف پڑھتے رہے۔ صبح کے وقت مشاہدہ شروع ہُوا ــــ بچشم ہوش مشاہدہ کیا ــــ کہ حضور قبلہ عالم نے ہاتھ پکڑ کر اجلاس محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل کر دیا اور حضوُر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔ صبح شاہ صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور کے قدموں میں گرے ــــ یقین ــــ بلکہ حق الیقین ہُوا۔ بیعت ہو گئے۔

غلام قادر آہنگر کا واقعہ

ابتدائی زمانہ میں وادی کشمیر میں جب حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے شہر کی طرف رخ کیا۔ تو شہر کے بیشتر لوگ آپ سے بیعت ہوئے اور حضوری ہوئے۔ شہر میں (مائی سمہ بازار) میں غلام قادر صاحب کی بندوقیں بنانے کی دوکان تھی۔ اکثر لوگ طریقت سے لگاؤ رکھنے والے ان کی دوکان پر آتے رہتے۔ خود بھی با پیر صاحبِ عمل تھے۔ جناب قبلہ سخی صاحب بھی گاہے ان کی دوکان پر آتے۔ حضور قبلہ عالم کی شہرت سُن کر غلام قادر صاحب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور درود شریف کی اجازت لی اور عقیدت سے پڑھنا شروع کیا۔ کچھ دن گزرے قبلہ سخی صاحب نے پوچھا کچھ مشاہدہ ہُوا؟ —— جواب ملا مجھے روضہ شریف نظر نہیں آیا —— نہ زیارت ہوئی —— آپ نے مزید استقلال کی تلقین فرمائی کہ مسلسل درود شریف۔ مراقبہ جاری رکھیں۔ ضرور کامیاب ہوں گے —— غلام قادر کے ذہن میں بھی ایسا ہی خیال اُبھرا کہ شاید درود شریف پڑھنے سے پہلی کیفیت زائل نہ ہو جائے —— ایک دن حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا غلام قادر صاحب! بتائیں کچھ مشاہدہ ہُوا یا نہیں؟ کہنے لگے ابھی تک زیارت نہیں ہوئی —— بلکہ فنافی اللہ کا نور مشاہدہ کرتا تھا۔ دُرود پڑھنے سے اب وہ بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ حضور نے پوچھا —— کیا پہلے —— فنافی اللہ کا نُور آتا رہا یا فنافی الرسُول کا نُور آتا رہا؟ آپ کو فنافی اللہ کا نور مشاہدے میں آتا ہے تو پھر زیارتِ رسُول آسانی سے ہونی چاہیئے تھی۔ بجائے اس کے کہ درود پڑھنے سے آپ کا مشاہدہ بند ہو گیا۔ غلام قادر نے کہا کہ مَیں سمجھتا ہوں کہ مجھے فنافی اللہ کا مقام حاصل تھا۔ اب اس مقام سے گر گیا۔ حضور نے فرمایا کہ جسے آپ فنافی اللہ کا نور سمجھتے ہیں یہ نور بغیر فنائے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور فنائے شیخ حاصل نہیں ہو سکتا —— لازم ہے پہلے فنائے شیخ اور اس کے بعد فنائے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد فنافی اللہ کا مقام آتا ہے —— یہ ابتدائی نور ہے۔ جو عالم ناسوت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ناسوتی نور ہے۔ اس کے چھپ جانے کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ درود شریف کا نور۔ ناسوتی نور پر

غالب ہے۔ جیسے سُورج کی روشنی میں ستاروں کا نور چھپ جاتا ہے۔ اِسی طرح اگر آپ شک نہ کرتے۔ درود شریف کا نور مشاہدہ کرتے ــــ دراصل درود شریف کے انوار قلب پر آنے سے آپ کا ناسوتی نور چھپ گیا ــــ آپ استقامت سے درود جاری رکھیں تو آپ کو زیارت نصیب ہوگی۔ غلام قادر صاحب کہنے لگے اب مجھے اپنا ہی نور مل جائے تو کافی ہے۔ یہ سُن کر حضور قبلہ عالم خاموش ہو گئے معلوم نہیں پھر غلام قادر صاحب کو فنا فی اللہ کا نور ملا یا نہیں۔

شریعت اور طریقت علیحدہ نہیں

دراصل حقیقت یہ ہے اسلام میں طریقت کا کوئی علیحدہ تصور نہیں بلکہ یہ شریعت ہی کی جزء ہے ــــ جسے نتیجۂ عمل سے تعبیر دیا گیا ــــ شریعت حقیقتاً قرآن و سُنّت پر عمل کرنا ہے ــــ یہی اصل تصوّر ہے ــــ اور طریقت عمل سے ثواب کا باطن میں مشاہدہ کرنا ــــ مشاہدہ کرنے کا ایک خاص طریق ــــ انسانی عمل ــــ اور ثواب کی وسعت ــــ جنّت سے لے کر ذاتِ الٰہی کے مشاہدہ تک وسیع ہے ــــ یہی طریق حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سے جاری ہوتا ہے۔ یہی شریعتِ خلافت اسلامی میں ــــ خلفائے اربعہ ــــ اور بعد کے خلفائے اسلام میں جاری رہی۔ جس میں طریقت کا کوئی علیحدہ تصوّر قائم نہ تھا۔ البتہ قرآنی آیات سے اس طریق کو ایک علیحدہ حیثیت بھی ملتی ہے ــــ مگر اس طریق کو طریقت کی اصطلاح میں الگ تصوّر میں پیش نہیں کیا گیا۔ حقیقتاً شریعت کا ایک ہی تصوّر ــــ خلفائے اربعہ سے لے کر ــــ خلافتِ اُمیہ ــــ خلافتِ عباسی اور خلافتِ عثمانی تک پایا جاتا تھا ــــ اور جب خلافتِ عثمانیہ میں ترکیہ سے اسلام ایران کی حدود میں داخل ہوا۔ اس وقت اسلام تین علیحدہ تصوّرات میں بٹ چکا تھا ــــ ایک خلافت شہنشاہیت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جس میں خلیفہ کے لیے شرعی صفات کو لازم نہیں رکھا گیا ــــ وہ یہ کہ خلیفہ کیلئے متقی۔ صاحبِ علم۔ مدبّر ہونا ضروری تھا اور خلیفہ کے لیے اجرائے قرآن و حدیث لازم تھا ــــ دوئم یہ کہ اُمّت میں کثرت سے اہلِ ایمان موجود ہوں ــــ اور علمائے اُمّت ــــ

قرآن وحدیث و فقہ پر عبور رکھنے والی متقی پرہیز گار جماعت موجود ہو۔ جن میں مجلسِ شوریٰ کے ارکان خود خلیفہ کا تقرر کریں ـــــ اِس تصور میں نہ عوام المسلمین کو خلیفہ کے انتخاب کا حق ہے نہ خود کسی بر سرِ اقتدار خلیفہ کو خود اپنی اولاد میں سے خلیفہ منتخب کرنے کا حق ہے ـــــ اِس کے برعکس نہ خلیفہ کے لیے صاحب علم و متقی ہونا شرط رکھا گیا ـــ نہ خلیفہ کے ذمّہ اجرائے قرآن و سُنّت لازم رکھا گیا ـــ نہ خلیفہ کا مجلسِ شوریٰ کے ذریعہ انتخاب ہُوا ـــ خلافت نے بیت المال اپنی ذات کے لیے استعمال کرکے ۔ محلاّت شاہی میں قیام اور زر و جواہرات پر اپنا تصرف کیا ـــ ایسی صورت میں ۔ خلافت نے ایک علیحدہ حیثیت حاصل کی اور قرآن و حدیث اور عمل کا اجرا ـــ شریعت نے علیحدہ حیثیت اختیار کرکے علمائے شریعت نے ۔ شریعت کا اجرا مسجد سے کیا ـــ اِس شریعت میں طریقت کا تصوّر حسبِ سابق یکساں تھا ۔ لیکن بعد میں علمائے اسلام سے تقویٰ ۔ پرہیز گاری اور قرآن و حدیث کے اجرا میں تغافل اور کوتاہی ـــ اہلِ ایمان کو ـــ شریعت کی حقیقی رُوح ـــ ایمان ـــ تزکیہ نفس ـــ پاکیزہ نفسی حاصل نہ رہی ـــ تو یہ علم ۔ صرف کتابوں کی شکل میں جاری ہُوا ۔ جس سے شریعت کی حقیقی رُوح ـــ تزکیہ ـــ رُوحانی جسمانی پاکیزگی اور کامل ایمان نہ مل سکا ـــ اِس مقام پر علمائے اُمّت دو فریق میں بٹ گئے ۔ ایک جماعت ایسے علماء کی تھی جنہوں نے قرآن و حدیث ۔ فقہ و اجتہاد کو علمی حیثیت میں جاری رکھا ۔ مگر تقویٰ و تزکیہ کو لازم نہ رکھا گیا ـــــ دوسری جماعت وہ تھی جس نے حقیقی تصوّر کے ساتھ قرآن وحدیث و فقہ کا اجراء کیا ۔ اس کے ساتھ قرآنی حکم کے مطابق ۔ تزکیہ نفس ۔ مجاہدات ۔ ریاضت و تقویٰ کو لازم رکھ کر قرآن کی رُوحانی حیثیت کو بحال رکھا ۔ ان میں اوّل الذکر جماعت علمائے اِسلام و شریعت سے منسوب ہوئے ۔ دوسری جماعت علمائے طریقت سے منسوب ہوئے ۔ ان ہی تین جماعتوں کی عملی تفریق سے اسلام تین مختلف تصوّرات میں بٹ گیا ۔ حالانکہ یہ تینوں تصورات شریعت حقہ کی ایک ہی ہیئت ہیں ـــ یہ زمانہ ہے ۔ جب اسلام خلافتِ عثمانیہ کے اقتدار میں ترکیہ تک پہنچا ـــ اور ترکی خلافتِ اسلامی کا دارالخلافہ بنا ۔ اِسی خلافت کے ساتھ شریعت بھی اقتدارِ اسلامی کے ساتھ ترکیہ تک پہنچی جس سے علوم قرآن و حدیث کا وسعت کے ساتھ

اجرا کیا گیا ـــــ لیکن اِس مقام پر اصل علمائے اُمت نے مسجد سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر کے قرآن و حدیث کو ایمان و تقویٰ و تزکیہ کے ساتھ جاری رکھا ـــــ اِسی طریق میں قرآنی حکم کے مطابق خصوصی طور تزکیہ و مجاہدہ کو لازم رکھا گیا ـــــ جیسا کہ قرآن نے زائد عبادت کی صورت میں عبادت کو لازم رکھا۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۸، ۷۹)

یا رسُول اللہ نماز قائم کریں۔ مغرب اور عشاء کی ـــــ اور صبح کے وقت تلاوت کریں۔ تحقیق صبح کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے ـــــ اور رات کو بھی نماز زائد عبادت قائم کریں۔ ـــــ یہ آپ کے لیے فرض سے علاوہ زائد عبادت ہے ـــــ عنقریب اِس عمل سے ایک ایسا طریق وضع ہو گا ـــــ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے تا ابد حمد کا سلسلہ جاری رہے گا۔

یہ قرآنی آیت واضح کرتی ہے ـــــ رات کی عبادت ـــــ اور قرآن پڑھنا۔ تزکیہ نفس پاکیزگی رُوح و جسم ـــــ اور مشاہدہ باطنی حاصل ہونے کے لیے ایک خاص عمل ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ؕ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۶)

رات کا جاگنا کٹھن عمل ہے۔ اِس سے نفسانی آلائشیں دُھلی جاتی ہیں۔ اور کلام میں اثر۔ قبولیت پیدا ہو جاتی ہے ـــــ یہی عمل ہے۔ جس سے تزکیہ نفس۔ روحانی پاکیزگی اور مشاہدہ باطنی حاصل ہوتا ہے ـــــ اِسی عمل سے شریعت کے حکم پر سے حاصل شدہ ثواب۔ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ مشاہدہ میں آتا ہے۔ یہی طریق ہے مشاہدہ کا۔ جسے طریقت سے موسوم کیا گیا ـــــ یہی عمل علمائے اسلام میں علمائے طریقت نے قرآن و حدیث کے اجراء کے ساتھ جاری رکھا۔ جب ایران خلافتِ عثمانیہ ترکیہ کے زیرِ نگیں ہُوا ـــــ تو علمائے شریعت۔ علمائے طریقت نے ایران میں بھی شریعت کا اجرا کیا ـــــ چنانچہ علمائے اُمت کے صاحبِ طریقت اولیاء نے جنگلوں میں گوشہ نشینی اختیار کر کے علمِ طریقت و شریعت کا اجراء کیا۔ اس طرح

جنگلوں کی تنہائی علم طریقت کا مرکز بن گئی۔ جہاں اولیائے اُمت نے گھاس کی جھونپڑیوں میں قرآن وحدیث کی تعلیم کے ساتھ ساتھ۔ تہجد۔ تلاوت قرآن۔ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ رات جاگنا۔ تصور ومراقبہ کا ایک خاص عمل لازم رکھا۔ چنانچہ طالبانِ حق نے قرآن وحدیث کے علم کے ساتھ۔ قرآنی حکم کے مطابق۔ قیام لیل۔ روزہ۔ مراقبہ پر مداومت کرکے علم معرفت حاصل کیا۔۔۔ یہ بات واضح تھی کہ علمائے شریعت نے قرآن وحدیث کی ترویج میں۔ ترجمہ۔ تفسیر۔ فقہ۔ اجتہاد۔ فلسفہ۔ معقول۔ منقول۔ اور دیگر علوم کا اجراء کرکے قرآنی تعلیم کو وسعت دی۔۔۔ لیکن زائد عبادت۔ تزکیہ مجاہدہ کو لازم نہ رکھا جس وجہ سے علمائے شریعت کو وہ رُوحانی خصوصیت حاصل نہ رہی جو علمائے طریقت کو حاصل تھی۔۔۔ اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بلاشبہ قرآنی حکمت وفلسفہ کو فروغ حاصل ہُوا۔ مگر شریعت کی اصل رُوح۔ مشاہدۂ حقیقت۔ مشاہدہ اسرارِ الٰہی۔۔۔ مشاہدہ متشابہات قرآنی انہیں میسّر نہ ہوسکا۔۔۔ سوائے قرآنی احکام کی تعمیل کے۔۔۔ اِس اعتبار سے۔۔۔ تفسیر قرآن میں جو حقیقی قوتِ القا تفسیر کے لیے لازم تھی۔ حاصل نہ ہونے کے سبب۔ قرآنی تفسیر میں عقلی استدلال سے کام لیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مُفسرین کے عقلی استدلال کے سبب نظریات وعقائد میں وسیع اختلاف پیدا ہُوا۔ یہ اختلاف آخر اُمت میں فرقہ بندی اور تفرقہ کا سبب بنا۔ یہی وہ عمل تھا جس نے شریعت اور طریقت میں فرق ڈال دیا۔۔۔ کہ شریعت۔ طریقت سے علیحدہ تصوّر کی جانے لگی۔۔۔ بدیں وجہ جب کہ علمائے اُمت نے تزکیہ۔ مجاہدہ کو علم کے ساتھ لازم نہ رکھا۔ علمائے شریعت میں کامل تقویٰ نہ رہا۔ جس کے نتیجہ میں علمائے سُوء کا وجُود پیدا ہُوا کہ باوجود علم میں کمال حاصل ہونے کے۔ ان کی شخصیت میں مومنانہ کردار نہ پایا گیا۔ جس وجہ سے خود علمائے شریعت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔۔۔ ان کی شخصی نفرت کی وجہ سے ان کے عقائد ونظریات میں مبالغہ آمیزی کے سبب قرآن وحدیث پر تنقید کی جانے لگی اور یہ علم (علمائے شریعت کی تفسیر) قرآنی حقیقت کو واضح کرنے میں قابلِ تسلیم نہ سمجھا گیا۔۔۔ اِس طرح عوام الناس کی صحیح ہدایت کی راہیں مسدود ہوکر رہ گئیں۔ رفتہ رفتہ شریعت میں مومن کا تصوّر محو ہوگیا۔ اس کی جگہ تابع شریعت کو مسلمان پکارا جانے لگا۔۔۔

جب کہ قرآن نے اپنے تابع کو مومن کے لقب سے پکارا اور آج ہر عالم خود اس غلط فہمی کا مرتکب یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے معنی "اے مُسلمانو" کے تصوّر میں پیش کرتا ہے اور ہر وہ شخص جس نے صرف کلمہ پڑھا۔ یا کسی مسلمان کے گھر پیدا ہُوا۔ شریعت کی تابعداری اپنے اُوپر لازم نہ رکھتے ہُوئے صاحبِ شریعت مسلمان سمجھ کر خود کو تابع قرآن سمجھتا ہے۔

یہی صورت خلافتِ عثمانیہ (ترکیہ) میں ــــ یا اس سے قبل خلافتِ عباسی یا اموی میں رہی کہ علمائے شریعت میں کامل تقویٰ و تزکیہ نہ ہونے کے سبب رفتہ رفتہ قرآن کی رُوحانی سپرٹ ختم ہو کر افراد انسانی کو قرآنی روحانیت میسّر نہ ہونے کے باعث حقیقی اِسلام کی ہیئت کا مظاہرہ نہ ہو سکا۔ نہ اس کا عمل قائم رہ سکا۔

علمائے طریقت سے مراد ہی یہ ہے کہ ان علماء نے قرآن و حدیث۔ ترجمہ۔ تفسیر۔ فقہ۔ اجتہاد کے ساتھ تزکیہ مجاہدہ سے رُوحانی قوت کو بحال رکھ کر طالبانِ علم کو قرآن کے حقیقی آثار و حکمت سے بالمشاہدہ آگاہی دی ــــ ان لوگوں نے مسجد سے ہٹ کر جنگلوں میں بسیرا کیا۔ جہاں طالبانِ علم حصول علم کے لیے رجوع کرتے رہے ــــ وہ زمانہ تھا جب ایران۔ خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ نگیں تھا۔ جہاں علمائے طریقت نے سازگار ماحول پاکر گھاس کی جھونپڑیوں میں شریعت کا اجراء کیا ــــ یہ طریق عام ہو گیا کہ طالبان علم حصول علم کے لیے گھاس کی جھونپڑیوں کی طرف آنے لگے۔ فارسی میں گھاس کی جھونپڑی کو خانہ کاہ کہتے ہیں ــــ چونکہ یہ مقام شہر سے دُور ہوتا تھا۔ لازم تھا کہ ضروریات کے لیے لوگ شہر سے کھانے پینے کی اشیاء ساتھ لاتے۔ تو یہ ایک سلسلہ شروع ہُوا کہ طالبانِ علم کی ضرورتوں کے لیے خانہ کاہ میں کھانے پینے کی اشیاء لائی جاتیں۔ جس میں بطورِ نیاز لوگ بھی تحائف لانے لگے۔ اِس طرح خانہ کاہ میں وافر مقدار میں اشیاء جمع ہونے لگیں ــــ چونکہ یہ لوگ صاحبِ طریقت تھے ــــ ان سے اکثر کرامات کا اظہار بھی ہوتا ــــ اِس طرح خاص طالبانِ علم کے سوا عام لوگوں کا رجُوع بھی یہاں پر ہوتا رہا ــــ ضروری تھا کہ ایک عالمِ اُمّت سے بحیثیت ولی طریقت کا اجراء ہوتا ــــ اِس طرح قرآن و حدیث کے علم کے ساتھ ایک عالمِ اُمّت کے لیے ایک ولی۔ صاحبِ مشاہدہ۔ صاحبِ طریقت۔ صاحب کرامت

ہونے کی خصوصیت عوام الناس کے سامنے ظاہر ہوتی ـــــ چونکہ اس مقام پر طریقت کے مظاہرات کو خصوصی حیثیت حاصل رہی۔ اِس لیے یہ طریق خالص طریقت کے تصوّر میں سامنے آیا۔

استدراجی عمل اور مراتب تصوّف

ابتدائی دَور میں جب تک قرآنی حکم کے مطابق لوگوں میں تہجد۔ نوافل۔ قرأتِ قرآن۔ تزکیہ نفس۔ مجاہدہ قائم رہا یہ طریق اپنی رُوحانی خصوصیت کے ساتھ جاری رہا۔ لیکن خانہ گاہ میں وافر مقدار میں ـــــ نذر و نیاز میں جنسی اشیاء کے ساتھ مال و زر کی فراوانی رہی ـــــ لوگوں میں ضرورت سے زیادہ حصُول مال کا جذبہ بڑھنے لگا۔ اِس طرح ان کے تزکیہ میں فرق پیدا ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہُوا ان کے اعمال میں کمزوری پیدا ہونے لگی ـــــ اب ایک قائم مقام خلیفہ میں وہ خصوصیت باقی نہ رہی۔ جو ایک ولی کے لیے لازم تھی ـــــ اور آئندہ ـــــ بغیر صفاتِ ولایت کے ایک خلیفہ کا قیام ہوتا رہا۔ جس سے طالبانِ علم کو حقیقی علم معرفت حاصل نہ ہو سکا۔ اور ہر خلیفہ محض خانہ گاہ میں قابض رہنے کی ہوس میں خود کو خلیفہ کی حیثیت میں پیش کر کے مقامِ خلافت پر قائم رہا ـــــ نتیجہ یہ کہ خانہ گاہ میں بھی حقیقی شریعت و طریقت کی رُوحانی ہیئت کمزور ہوتی گئی ـــــ اب خلیفہ نے مصنوعی طریق پر محض لذّتِ نفس اور مال و زر کی طلب و خواہش کے جذبہ کے تحت مصنوعی طریقت کا اجراء شروع کیا۔ جہاں خانہ گاہ میں سوائے مال و زر کے جمع ہونے اور بے جا استعمال کے شریعت و طریقت کی رُوح مسخ ہو گئی۔ اب خانہ گاہ صرف عیش و عشرت کا اڈہ بن گیا ـــــ جہاں خلیفہ اور اس کے وارث۔ خانہ گاہ کے مالک بن گئے۔ اور اس خانہ گاہ نے ـــــ خانقاہ کی ہیئت اختیار کی۔ دراصل خانقاہ ـــــ خانہ گاہ کا متبادل نام ہے۔ جہاں اب نہ علم القرآن رہا۔ نہ صحیح علم پیش کیا گیا۔ نہ طریقت کا علم و عمل باقی رہا۔ یہی خانقاہ۔ طریقت کی اصل قرار دی گئی ـــــ اِسی زمانہ میں۔ جب قرآن و حدیث اور قرآنی طریق عمل قرآنی طریقِ طریقت۔ تہجّد۔ قرآن کی تلاوت۔ رات کا

جاگنا فاقہ جیسے عمل کو لازم نہ رکھا گیا۔ تو بعض علمائے اُمت نے طالبانِ علم کے لیے تزکیہ نفس کے چند خاص طریق اختراع کیے۔ جس میں بغیر علم القرآن۔ بغیر اتباع شریعت۔ بجائے روزہ کے فاقہ کشی رات جاگنے ــــ اور قرأت قرآن کی جگہ چند مخصوص قرآنی آیات یا الفاظ کا وظیفہ مقرر کیا۔ اِس کے ساتھ ہی تزکیہ قلب کے لیے۔ مراقبہ۔ یکسوئی۔ جیسے ــــ شمع بینی۔ یا کسب القمر۔ (چاند پر ٹکٹکی لگا کر قوتِ ارادہ کو پختہ کرنا) یا ذکر اللہ ھُو ــــ یا حبسِ نفس (سانس بند کر کے کلمہ شریف ورد کرنا) وغیرہ۔ ایسی ترکیبیں اختراع کیں جن کا اثر یہ ہوا کہ اِس طریقِ عمل سے لوگوں کو قوتِ مشاہدہ حاصل ہوئی جس میں باطنی کیفیات کا مشاہدہ ہُوا۔ اِن مشاہدات میں دل کے حالات جاننا۔ آنکھیں بند کر کے نورانی کیفیتیں مشاہدہ کرنا ــــ زمین کے اندر کی کیفیتیں ــــ مدفون خزانے ــــ قبروں کے احوال کا مشاہدہ یا بعض کراماتؔ[1] کا

---

[1] کرامات: دراصل اسلامی طریقِ عمل میں۔ رات جاگنا۔ تہجد۔ نماز۔ فاقہ۔ طریقت کے لیے مخصوص عمل تھا۔ یہ عمل شریعت کے عمل نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کے ساتھ مشروط تھا کہ بغیر اتباعِ شریعت۔ رات جاگنا۔ فاقہ۔ مجاہدہ کے جو نتائج اِس عمل سے حاصل ہوں۔ احسن قرار نہیں دیئے جاتے۔ اس وجہ سے کہ رات جاگنے۔ فاقہ مجاہدہ سے انسانی ناری (رُوحِ حیوانی) قوت قوی ہو کر اِس سے مافوق العقل کرامات کا صدور ہوتا ہے۔ لیکن بغیر اتباعِ شریعت یہ قوت شر کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اسکے برعکس اتباعِ شریعت کے تحت یہ عمل۔ یہ نتیجہ بجائے شر کے خیر میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اتباعِ شریعت میں انسان شریعت کا پابند رہ کر اس قوت کو شر میں استعمال نہیں کر سکتا۔ خلافتِ عثمانیہ کے دورِ خلافت میں۔ ایران و ترکی میں۔ گزشتہ یونانی۔ رومی اور آرین فلسفیوں اور رشیوں کے طریقِ عمل میں بغیر اتباعِ شریعت۔ رات جاگنے۔ فاقہ اور مجاہدہ سے کراماتی قوتیں حاصل کر کے۔ اس عمل کو وجہِ فضیلت قرار دے کر ایسے عمل کو دین کی شکل میں جاری کیا تھا۔ اس طرح گزشتہ مذاہب کے ایسے اعمال۔ طریقِ عمل پر طریقت کی بنیاد کو قائم کیا گیا تھا۔ اور اسی عمل پر ایرانی صوفیوں نے۔ اسلامی طریقت کو شامل کر کے۔ طریقت کو۔ کرامات کی اصل پر۔ ایک اسلامی طریقت میں طالبانِ حق کیلئے پیش کیا۔ جس میں اتباعِ شریعت کو لازم نہ رکھا گیا اور اسی عمل کو مبنی بر حقیقت سمجھا گیا۔

حاصل ہونا شامل تھا۔ اِن مظاہرات سے ایک شخص کے کمالات کے مظاہرہ میں چونکہ ایسے لوگ خانقاہ سے وابستہ تھے۔ ایک خلیفۂ خانقاہ کو ولی سمجھا گیا اور اسی عمل کو طریقت سمجھا جانے لگا۔۔۔ بعد کے زمانہ میں علمِ طریقت کا اِسی تصوّر پر اجرا ہوتا رہا مگر یہ طریق شریعت کی پابندی سے مشروط نہ تھا۔۔۔ بعض لوگوں نے شریعت کی پابندی۔ نماز۔ روزہ۔ اخلاق و احسان پر بھی عمل کیا۔ لیکن یہ عمل بغیر شریعت کی پابندی کے بھی روبہ عمل لایا گیا۔ جب کہ دونوں فریق کے مظاہرات یکساں تھے۔۔۔ اِس مقام پر طریقت کا عمل دو حصّوں میں بٹ گیا۔۔۔ ایک وہ لوگ جنہوں نے خانقاہی طریقِ عمل سے اختلاف کیا۔ اور خانقاہ سے علیحدہ ہوگئے۔ دوسرے وہ جنہوں نے خانقاہ پر قبضہ جما کر بغیر پابندی شریعت یا حقیقی طریقِ طریقت سے علاوہ اختراعی طریقِ عمل اختیار کر کے چند کراماتی قوتوں کا مظاہرہ کیا۔ اِن میں فریقِ اوّل علمائے اُمّت ہیں جنہوں نے قرآن و حدیث کا اجرا۔۔۔ اور صحیح طریق پر عمل کر کے ولایت کے مراتب حاصل کیے۔ البتہ ان اولیاء نے بھی ایرانی طریقِ تزکیہ کو طریقت کے عمل میں شامل رکھا۔ کیونکہ یہ عمل مشاہدات و کرامات حاصل کرنے کا آسان طریقہ تھا۔ دوسرے وہ جنہوں نے بغیر اتباعِ شریعت ایرانی طریق کو اختیار کیا۔ اوّل الذکر عالم کو عامل یا صاحبِ شریعت ولی کہا گیا۔ جو اصولِ شریعت کے تحت احسن تھا۔ دوسرا طریق شریعت کے خلاف۔ استدراجی یا شیطانی طریق قرار دیا گیا۔

یہی وہ طریق تھا جو خلافتِ عثمانیہ کے دَور میں ترکی اور ایران میں جاری تھا۔ اور خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد جب مغل شہنشاہوں نے ہندوستان میں داخل ہو کر بیشتر علاقے فتح کیے تو شہنشاہیت کے ساتھ شریعت کے علماء نے بھی ہندوستان کا رُخ کیا۔۔۔ اِس سے قبل بھی ایران۔ کابل کی راہ بعض علماء شریعت و طریقت ہندوستان میں وارد ہوئے جو صرف دین اسلام کی وسعت اور مخلوق انسانی کی ہدایت کے جذبہ کے تحت ہندوستان آئے۔ انہوں نے صحیح معنوں میں ہندوستان میں دین اِسلام کا نفاذ کیا اور کثرت سے لوگوں کو دین میں داخل کیا۔ اِن علمائے اُمّت نے ایک طرف قرآن و حدیث کی تعلیم دی دوسری طرف علمِ طریقت کا بھی اجراء کیا۔ لیکن ان کے پاس بھی علم طریقت کا وہی طریق

تھا جو ایرانی طریق طریقت تھا۔ جس میں۔ فاقہ۔ رات جاگنا۔ ذکر۔ حبس نفس وغیرہ استعمال ہوتا تھا۔ مگر اس طریق میں چونکہ شریعت پر کامل عمل لازم تھا۔ اس لیے ایسے عمل سے طالبانِ حق کو معرفت کی راہ میسّر ہوتی رہی۔ انہیں مشاہدہ و مراتب حاصل ہوتے رہے۔ ان علمائے امّت میں حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ہندوستان کے مشہور اولوالعزم ہستیاں شمار ہیں۔۔۔ جنہوں نے ہندوستان میں حقیقی علم شریعت و طریقت کے علم و عمل کا مظاہرہ کیا۔ ان کے بعد ان کے جانشین۔ خلفاء نے بھی طریقت کا علم و عمل بہتر شکل میں جاری رکھا۔ مگر ہندوستان خاص کر مغل شہنشاہیت کے دَور میں ہندوستان میں زر و جواہرات کی فراوانی نے ان اولیاؒ کے علمی و عملی مراکز کو متاثر کیے بغیر نہ چھوڑا۔ ہندوستان میں قبل ازیں ہندو آرین قوموں کا تسلّط تھا۔ جس میں ہندو فلسفہ علم میں بھی۔ ایک قدیم تصور طریقت کا جاری تھا۔ جس میں ہندو علماء (برہمن) بھی استدراجی طریق پر تزکیہ و مجاہدہ سے رُوحانی قوتوں کا مظاہرہ کرتے رہے۔ نیز ان کے پاس بھی مشاہدات و کرامات سے متعلق علمِ طریقت کا تصوّر موجود تھا۔۔۔ جس میں علمِ الٰہیات میں کیفیاتِ باطنی کا مشاہدہ اور تصور و مشاہدہ ذاتِ الٰہی کا تصوّر پایا جاتا تھا۔ اِس تصوّر پر ہندو فلسفہ علمِ الٰہیات میں خاص نظریہ وحدت الوجود ہے جس کے ہندو مذہب کے اہل دانش قائل ہیں۔۔۔ ہندو مذہب کے نظریات و عقائد میں ان کے خاص عمل تزکیہ نفس کو خاص دخل ہے۔ ہندو علماء (برہمن) اکثر تزکیہ نفس۔ فاقہ۔ حبس نفس (سانس بند کرنے کی مشق) نقطہ بینی۔ بلور بینی۔ شمع بینی پر یکسوئی (CONCENTRATION) کے ذریعہ قوتِ ارادی اِس قدر قوی کی جاتی۔ کہ سادھو اس عمل سے۔ بیماروں کو اچھا کرتے ہیں۔۔۔ پانی پر چلتے۔۔۔ ہوا میں اُڑتے۔۔۔ اور ایک خاص عمل یہ کہ سانس بند کر کے اپنی رُوح پر قابو پا کر۔ زمین میں دفن ہو کر ہفتوں۔ مہینوں زندہ حالت میں رہتے۔۔۔ اِس قوت کو حاصل کرنے کے لیے ان کے تزکیہ نفس کے عمل کو ہندی زبان میں "پرانا یوگ" وغیرہ کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اولوالعزم اولیاء کے علم شریعت و طریقت کے اجراء پر ہندو مذہب کا یہ

طریق زیادہ تر استعمال میں نہ آیا۔ اس کی جگہ شریعت و طریقت نے لے لی اور یہاں اسلامی طرز کا طریق طریقت جاری رہا۔ لیکن ایرانی اختراع کردہ طریقِ طریقت میں۔حبس نفس یکسوئی۔ کا طریق ہندو مذہب کے طریق کے مطابق یکساں تھا۔۔ اس لیے یہ عمل ہندوؤں مسلمانوں میں مشترک رہا۔ اور اس عمل کے نتائج۔کرامات و کشف یکساں نوعیت کے تھے ۔۔ فرق صرف یہ تھا۔۔ کہ اصولِ شریعت کے تابع ایک ولی کا عمل شریعت کے تابع احسن تھا۔۔ اور سادھو کا عمل بغیر اتباعِ شریعت استدراجی یا شیطانی کہلاتا ۔۔ یہی عمل مسلمان کے لیے بغیر اتباعِ شریعت ۔۔ طریقت سمجھا جانے لگا۔چونکہ اس طریق میں کرامات کا اظہار بھی ہوتا رہا۔ تو لوگوں نے غلط فہمی میں ایسی کرامات کو دائرہ اسلام میں تصوّر کیا۔ اِس غلط فہمی کے نتیجہ میں جب کہ اِس طریق میں بھنگ ۔چرس ۔شراب ۔اور خلافِ شریعت اعمال کے ہوتے کرامات کا اظہار ہوتا رہا۔ طریقت کو شریعت سے الگ عمل سمجھا گیا کہ طریقت شریعت سے الگ ایک راز ہے جس میں شریعت کی پابندی لازم نہیں ۔۔ حالانکہ یہ تصوّر قطعاً شریعت حقّہ کے خلاف استدراجی ۔۔ شیطانی عمل تصوّر ہوتا ہے۔

جیسا کہ ابتداء میں اسلام (خلافتِ اسلامی) خلفاء اربعہ میں خلافت۔ اقتدارِ اعلیٰ ۔۔ شریعت ۔طریقت ۔۔ ایک واحد حیثیت رکھتی تھی ۔۔ کہ خلیفہ کے لیے امیرالمومنین کی حیثیت میں قرآن و حدیث پر عبور و عمل بدرجہ اولیٰ ہونا۔اس حال میں کہ اس زمانہ میں طریقت کا کوئی الگ تصوّر قائم نہ کیا گیا تھا۔یعنی اتباعِ شریعت میں کامل واکمل ہونا۔ اور صاحبِ طریقت ہونا شرط تھا ۔۔ مگر بعد کے زمانہ میں خلفاء کی ضوابط شریعت میں کوتاہی کے سبب اقتدارِ اعلیٰ نے خلافت کی ایک علیحدہ حیثیت اختیار کی اور شریعت و طریقت کو علیحدہ حیثیت میں علماءِ اُمّت نے اپنایا ۔۔ اور آگے چل کر جب قرآنی اصول کے تحت۔ علماءِ شریعت نے تزکیہ ۔مجاہدہ ۔۔ قیامِ لیل ۔تہجد ۔تلاوتِ قرآن کے عمل میں کوتاہی برتی ۔ تو شریعت دو ہیئتوں میں بٹ گئی اور طریقت کو علیحدہ حیثیت دی گئی ۔اس طرح علمائے اسلام نے شریعت کی اتباع کو اپنے اپنے عمل میں شامل رکھا تو یہ طریق قرآن و حدیث کے عین مطابق رہا ۔۔ اور جب علمائے اُمّت میں رفتہ رفتہ شریعت کی اتباع میں کوتاہی پیدا

ہوئی - تو یہی حقیقی عمل بغیر اتباعِ شریعت استدراجی عمل قرار دیا گیا ــــ البتہ چونکہ اہلِ اسلام کی نسبت قرآن و حدیث سے ہی رہی ــــ اِس لیے لاعلمی کے سبب ملتوں ہندوستان میں یہی عمل جاری رہا - جس میں بغیر اتباعِ شریعت - تزکیہ نفس - حبس نفس - اور ایرانی طرز کے اختراع کردہ طریق - ذکر نفی اثبات - ذکر اللہ ھُو وغیرہ پر عمل ہوتا رہا - اِس طریق کو لاعلمی کے سبب حقیقی طریقِ طریقت سمجھا جانے لگا ــــ درحقیقت اصولِ طریقت یا اصولِ تصوف میں مشاہداتِ باطنی میں کیفیات کو مراتب کی صورت میں ترتیب دیا جاتا ہے - وہ مراتب عالمِ ناسوت - عالم ملکوت - عالم جبروت - عالم لاہوت مقرر کیے گئے ہیں - اِن مراتب کے تصوّرات - حقیقی معرفت و مشاہدہ اسرار الٰہی پر قائم کیے گئے ہیں - اوّل عالم ناسُوت - عالم ناس سے تعبیر ہے یعنی - عالم مادی یا عالمِ دُنیا - یہ مادی یا ناری ہیئتوں کے ظاہری و باطنی مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے دوسرے عالمِ ملکوت - یہ نوری ہیئتوں کے باطنی مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے ــــ اِس علم کا تصوّر ملائکہ یعنی نوری ہیئتوں کے تصوّر پر قائم کیا گیا ــــ عالمِ جبروت بھی نوری مقام ہے - جو عالمِ ملکوت کے ماوراء - عالمِ نورانی سے تعلق رکھتا ہے ــــ اس عالم کا تصوّر بھی - جبرائیل - یعنی عظیم نوری ہیئتوں پر قائم کیا گیا - عالم لاہوت - یہ خالص نوری مقاماتِ علیا سے تعلق رکھتا ہے - جو نورِ محض صفاتِ الٰہی کے تصوّر پر قائم کیا گیا ــــ عالم ناسوت میں عمل - اتباعِ شریعت کے ساتھ احسن ہے - بغیر اتباعِ شریعت اس عالم کا مشاہدہ - بلاتمیز مذہب ہر انسان کو صرف تزکیہ نفس سے ہوتا ہے ــــ اِس لیے ایسے عالم کو اگر اس نے اتباعِ شریعت کے ساتھ عمل کیا ہو "عامل" کہا جاتا ہے ــــ البتہ اصول طریقت کے مطابق ایسا شخص ولی نہیں کہلا سکتا ــــ اور بغیر اتباعِ شریعت یہ عمل شیطانی عمل سے تعبیر ہوتا ہے - ایسا شخص شیطان صفت زمرۂ ولایت - زمرۂ اسلام سے خارج ہوتا ہے لیکن لاعلمی کے سبب جب کہ مدتوں علمائے اُمّت نے اصول قرآن کے تابع تزکیہ و تقویٰ پر عمل نہ کیا - انہیں مقاماتِ علیا کے مراتب کا مشاہدہ حاصل نہ ہُوا - انسانی ذہن ایسے مراتب کے تصوّرات سے خالی ہو گیا ــــ اِس کے مقابل - عالم ناسوت کے عمل اور مشاہدہ کا عام چرچا رہا - عوام الناس نے عالم ناسوت کے علم و عمل کو ہی حقیقی طریقت سمجھ کر - عاملوں - یا استدراجی فقیروں

کی طرف رجوع رکھا ــــ یہاں تک کہ لوگ حقیقی علم طریقت مشاہدہ۔ عالم ملکوت ۔جبروت ۔ لاہوت سے یکسر غافل رہے ۔ یہی وجہ تھی کہ مدتوں سے کیا عوام الناس اور کیا طالبانِ حق کسی کو بھی حقیقی علم طریقت و معرفت نہ حاصل ہُوا نہ کسی موقع پر ایسے صاحبان علم ولی اکمل کے مشاہدات و مراتب کے قائل ہوتے ۔ نہ ایسے علم پر یقین کرنے پر آمادہ ہوتے ۔

اِس موقع پر حقیقی علم طریقت کی وضاحت لازمی ہے کہ سمجھا جائے ۔ از روئے قرآن حقیقی علم طریقت کی ہیئت کیا ہے ؟ اِسکے متعلق قرآن نے ایک خاص بیان پیش کیا اور علماء طریقت نے اسی قرآنی حکم کی روشنی میں ایک خاص عمل متعین کیا۔ جو سنتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عین مطابق ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِؕ
اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡهُوۡدًا ۝ (پارہ ۱۵، سورہ ۱۷، آیت ۷۸)

یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز قائم کریں سُورج غروب ہونے سے رات گہری ہونے تک صبح کو قرآن پڑھیں تحقیق صبح کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے ۔

یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۝ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا ۝
اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۱ تا ۴)

اے کملی والے نبی اٹھیں رات کو ۔ مگر تھوڑا ۔ رات کا نصف یا اسے کم کریں یا چاہیں زیادہ کریں اور قرآن پڑھیں ــــ یہ عمل اِس لیے مقرر ہے کہ اِس عمل سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے اور آثار باطنی ــــ اور قرآنی آیات کے انوار (نُوۡرٌ مُّبِیۡنٌ) مشاہدے میں آتے ہیں تجلیات قرآنی باطنی اسرار سے مشابہ ہیں ۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیۡلِ هِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِیۡلًا ؕ

تحقیق، رات کا جاگنا کٹھن عمل ہے ۔ اِس سے نفسانی (کثیف) آلائشیں کھلی جاتی ہیں اور کلام میں تاثیر (رُوحانی کرامات) پیدا ہوتی ہے ۔

قرآن نے واضح طور پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دو خاص عمل دیئے ایک رات کا جاگنا ــــ دوسرا تلاوتِ قرآن) ــــ یہی دو عمل صحابہ کی خاص جماعت نے حاصل کیے جنہیں وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَكَ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۲۰) کے حکم کے مطابق

خاص جماعت مقرر کیا ـــــ یہی خاص جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ قائم مقام خلفا میں سے ہیں ـــــ جنہیں رات جاگنے اور تلاوت سے مشاہدہ باطنی حاصل ہوتا ہے۔ یہ جماعت مومنین کی ہے ـــــ جو اولاً شریعت کی پیروی میں ـــــ نماز ـــــ روزہ ـــــ زکوٰۃ ـــــ احسان۔ اخلاق کی بدرجہ کمال پابندی کرتے ہیں۔ اور رات کے آخری حصہ میں تلاوت کرتے ہیں یعنی رات کو جاگتے ہیں۔ اور قرآنی آیات کے انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں ـــــ قرآنی آیات کا مشاہدہ ـــــ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ـــــ بلاشبہ۔ رات جاگنے اور روزہ رکھنے سے جسمانی کثافت تحلیل ہوجاتی ہے ـــــ اس کا لازمی اثر رُوح کی لطافت ہے ـــــ رُوح کی لطافت کا لازمی اثر مشاہدۂ باطنی ہے ـــــ لہٰذا اس قرآنی آیت کا مفہوم واضح ہے۔ کہ قرآن کا اشارہ ـــــ مشاہدہ باطنی کی طرف ہی ہے کیونکہ فطری اُصول وقانون کے تابع ـــــ ایسا ہونا یقینی ہوتا ہے۔ اِس مقام پر مفسرین نے مَشْهُوْدًا کے مفہوم کا ایک مبالغہ آمیز تصور دیا۔ کہ صبح کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا جاتا ہے ـــــ

وہ اِس لیے کہ قرآنی اصطلاح میں شاہد ہونا ـــــ عجمی تصور میں گواہ ہونا ـــــ کسی کیفیت پر قریب ہو کر اطلاع پانا ہے ـــــ یہ تصور دراصل ـــــ تفسیر میں قوتِ القانہ ہونے کے سبب ـــــ عقلی استدلال پر قائم کیا گیا ـــــ جب کہ مَشْهُوْدًا سے اصل مراد کسی کیفیتِ باطنی کا ادراک میں آنا ہے ـــــ اور یہ مفہوم ـــــ ایک عالم کے طریقِ مشاہدہ باطنی سے آگاہ ہونے پر ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ جب کہ اس مفہوم میں مبالغہ کی یہ صورت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ کی صفت کے اعتبار سے۔ ہر غیب وظاہر۔ ہر دُور و نزدیک کیفیت پر علمی احاطہ رکھنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس حال میں کہ یہاں کسی عمل کو اللہ کے حضور پیش کرنے کا تصور قطعی مُبالغہ سمجھا جاسکتا ہے۔ جب کہ کسی کے قرآن پڑھنے کے ساتھ ہی اللہ کا بحیثیت سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ قرآن سُننا لازم ہوتا ہے۔ دوسرے اِس مفہوم کے تحت کہ صبح کا قرآن پڑھنا فرشتے اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ یہ نظریہ بھی مُبالغہ ہے کہ ملائکہ کی قدرت نہیں کہ وہ اللہ کی ذات تک رسائی حاصل کرسکیں لہٰذا یہ تصور اور تفسیر درست نہیں ہوسکتی۔

یہی دو عمل طریقِ طریقت میں مستعمل ہیں۔ جس میں۔ رات جاگنے سے قوتِ مشاہدہ پیدا ہوتی ہے۔ اور اِس مشاہدہ میں قرآنی آیات کے انوار مشاہدے میں آتے ہیں۔ اِسی آیت

کے تحت طریقت میں علمائے اُمّت نے قرآنی آیات میں ـــــ خاص حروف۔ الفاظ یا آیات مخصوص کی ہیں جو انوار کی شکل میں مشاہدے میں آتے ہیں۔

وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اس حکم کے تحت قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کے حکم میں تخفیف و تخصیص کی گئی۔ کہ قرآن کی تلاوت کو ایک آیت ـــــ ایک حرف ـــــ ایک لفظ تک مختصر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا اَللّٰہُ الصَّمَدُ۔ اَللّٰہ ھُوْ پڑھنے میں ایسی آیات و حروف کے انوار مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان انوار میں ـــــ عالم باطن ـــــ عالم ملکوت ـــــ عالم جبروت ـــــ عالم لاہوت کے آثار مشاہدہ کیے جاتے ہیں ـــــ البتہ اِس عمل میں ایک عالم اُمّتِ سولی اکمل کی راہنمائی لازم اور ضروری ہے۔ کیونکہ یہ طریق بھی قرآن نے وضع کیا ہے۔

یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ۔ شَاھِدًا۔ وَّمُبَشِّرًا۔ وَّدَاعِیًا۔ وَّھَادِیًا۔ وَّنَذِیْرًا۔ اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

اِن آیات میں حضور خود شاہد ہیں ـــــ پھر ہادی ہیں اور آپ کے ذریعہ ہی صراط مستقیم پر پہنچنا مقرر کیا گیا۔ لہٰذا ہر زمانہ میں مخلوقِ انسانی کے لیے صراطِ مستقیم میں ایک ہادی کا راہبر ہونا شرط کیا گیا۔ یہی طریق علمائے اُمّت۔ اولیاء کاملین کو ورثہ میں ملتا ہے کہ شاہد ہوتے ہیں ـــــ ہادی ہوتے ہیں۔ جو اس قرآنی عمل کے ذریعہ طالبان حق کو صراط مستقیم تک پہنچا کر صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے مطابق عالم ناسوت ـــــ عالم ملکوت ـــــ عالم جبروت ـــــ عالم لاہوت کی راہ پہ لے جا کر معرفتِ الٰہی تک پہنچاتے ہیں۔

یہ ایک خاص طریق قرآن نے معرفتِ حقیقی حاصل کرنے کا مقرر کیا جس میں علمائے اُمّت اولیائے کاملین نے صراط مستقیم میں مشاہدہ کر کے عالم ناسوت۔ ملکوت۔ جبروت کے مراتب متعین کیے ـــــ عالم ناسوت چونکہ عالم ناس۔ عالمِ ناری سے تشبیہ ہے۔ یہ عالم بغیر اتباعِ شریعت بھی مشاہدے میں آتا ہے۔ اِس لیے یہ علم طریقِ طریقت میں ولایت کے زمرہ میں شمار نہیں ہوتا۔ جب تک عالم ملکوت میں داخل نہ ہوا جائے۔

علمائے اُمّت اولیائے کاملین نے مشاہدہ حقیقی میں عالم ملکوت کی کیفیت کے

مشاہدہ میں مقام و مرتبہ کا تعین کیا ـــ کہ عالمِ ناسوت میں مراتب کے اعتبار سے اکتالیس منازل آتے ہیں ـــ اِن منازل کے طے کرنے کے بعد عالمِ ملکوت کی ابتدا ہوتی ہے۔ عالمِ ملکوت کا ابتدائی باب۔ روضہ مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باطنی اجلاس ہے جہاں وقت کے تمام اولیا صف بستہ حاضر ہوتے ہیں۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور اسے دربارِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے موسوم کیا گیا۔ یہ دربار حقیقتاً ازل سے مقرر ہے۔ اس کیفیت کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے واضح ہوتی ہے۔ کُنْتُ نَبِیًّا کَانَ اٰدَمَ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ ـــ ہم اس وقت بھی بحیثیت نبی موجود تھے۔ جب حضرت آدمؑ کی بشری ہیئت ابھی تکمیل پذیر نہ ہوئی تھی۔ یہ حدیث اسی تصوّر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

عالمِ ملکوت میں دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ حقیقی طریقت ہے۔ یعنی معرفتِ الٰہی کے لیے عالمِ ملکوت کے باب میں داخل ہونا شرط ہے۔ کیونکہ صراطِ مستقیم ـــ صراط اللہ کی راہ کا یہ ایک خاص راستہ ہے ـــ بغیر اس باب کے داخل ہوئے ـــ معرفتِ الٰہی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور اس مقام میں داخل ہونے کے لیے۔ قُمِ الَّیْلَ۔ ـــ رات جاگنا ـــ اور قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ـــ صبح کا پڑھنا ـــ اِسی مقام پر ـــ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کے لیے قُرْاٰنَ الْفَجْرِ تلاوتِ قرآن میں ایک خاص عمل مقرر کیا گیا ـــ

صَلُّوْا کی تشریح

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۵۶)

تحقیق اللہ تعالیٰ اور ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (صَلُّوْا) بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم پر بھی لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود بھیجو یہ حکم بھی قُرْاٰنَ الْفَجْرِ میں شامل ہے ـــ قرآن نے مجملاً اس تلاوت میں صَلُّوْا کا حکم دیا لہٰذا صَلُّوْا کی تفسیر میں

اِس تلاوت کا حقیقی مفہوم خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمادیا ہے کہ آپ پر دُرود اِن الفاظ میں بھیجا جائے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ۔ یہ درود براہِ راست حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ارشاد ہُوا۔

دراصل حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تابعین میں صحابہ جو ذرّیت ابراہیم و اسماعیل علیہما السّلام سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی زبان خالص تھی۔ اِس زبان کو زبانِ قریش سے بھی تشبیہہ دیا جاتا ہے۔ اور قرآن بھی زبانِ قریش (عربی) میں نازل ہُوا۔ جس زبان کے کلام کو مکّہ و مدینہ کے عربوں کو سمجھنے میں دقت نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جو حکم نازل کیا صحابہ نے بغیر دقّت اس کلام کو سمجھا اور یہ خصوصیت بھی انہیں حاصل تھی کہ حکم بھیجنے پر کلام سمجھنے کے ساتھ وہ اس پر عمل کرنا بھی جانتے تھے۔ انہیں قرآن کے ترجمہ یا تفسیر کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوتی تھی۔ ادھر اللہ نے حکم دیا ـــــ صَلُّوْا عَلَیْہِ ـــــ ادھر صحابہ نے صَلُّوْا عَلَیْہِ کا مفہوم سمجھ لیا اور خود اپنے الفاظ میں صَلُّوْا کا عمل ادا کیا اور اس عمل کا تصوّر بھی سمجھ لیا ـــــ کہ صَلُّوْا سے کیا مراد ہے اور صَلُّوْا کس طرح ادا کیا جائے۔ ایسی صورت میں صَلُّوْا کا مفہوم سمجھنے کے لیے یا صَلُّوْا ادا کرنے کے لیے انہیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی ـــــ تاہم ـــــ حکمِ الٰہی میں رُوحانی خصوصیت ہونے کے باعث اصحاب پوچھ لیتے تاکہ انہیں اپنی فہم اور عمل کی تصدیق حاصل ہو تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ـــــ ایک حکم کا مفہوم اور طریقِ عمل فرمادیتے۔ لہٰذا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے درود کا ایک خاص طریق بیان فرمادیا۔ بجز اس کے کہ ہر شخص اپنی زبان میں ـــــ یہی الفاظ ادا کرتا کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ یا کسی نے دُرود شریف کو ان الفاظ میں ادا کیا جس کی صفت قرآن نے بیان کی ـــــ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّكَ ـــــ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّ الْاُمِّیِّ ـــــ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِكَ ـــــ رَسُوْلِكَ غرض قرآن نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جن صفات سے پکارا یا اصحاب نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جن صفات سے پہچانا ان صفات کے ساتھ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پر دُرود بھیجا ـــــ یہ سب صَلُّوْا میں شمار ہوتے ہیں۔ اِس لیے قرآن و حدیث سے دلیل لینے کی ضرورت

ہیں — اِس کے علاوہ صحابہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حُب رکھنے والے آپ کی تعریف میں جو تصوّر رکھتے اسی تصوّر کے ساتھ آپ پر دُرود بھیجتے — مثال کے طور — صحابہ نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حُب میں جو جذبہ اور "وجدان" پایا اسی تصوّر کے ساتھ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعریف کی۔ کسی نے جذبۂ حُب میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے رُوئے انور کو وَالضُّحیٰ کی صفت سے پکارا۔ کسی نے آپ کی زلفِ عنبر کو وَالَّیْلِ کی صفت سے پکارا۔ کسی نے جذبۂ عشق و محبّت میں دل سے یہ صدا دی۔

یاصاحب الجمال و یا سیّد البشر
من وَجھکَ المنیر لَقد نور القمر

کسی نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے رُوئے اطہر پر چمکتے پسینہ کے قطرات کو موتیوں سے تشبیہہ دے کر اظہارِ عشق کیا۔ کسی نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قدِ زیبا کو سرو قد سے تشبیہہ دی۔ یہ ایک فطری تاثر تھا ان کے جذبہ عشق کا جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صفاتِ قدسی کیلئے موزوں و مناسب تھا۔ اِن صفات سے آپ کو پکارنا۔ فطری جذبۂ حُب اور وجدان کے تابع تھا۔ جس سے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حُب کا اظہار ہوتا تھا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابہ کے ان تعریفی کلمات پر اظہارِ خوشنودی فرماتے۔ لہذا ان صفات کے ساتھ آپ پر درود بھیجنا ہر حال میں جائز تھا اور آپ پر دُرُود بھیجنا بھی جذبۂ حُب کے زیرِ اثر تھا — لہذا اس امر میں یہ شرط و شروط نہ تھی کہ اِس کے لیے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کی لازمی ضرورت رہتی — اِسی تصوّر کے ساتھ جس نے جس صفت کے ساتھ — یا جس نے جس صفت کو درود میں شامل کیا — احسن طریق مقرر کیا جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ ۔

اِس کے ساتھ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جتنی صفات کو شامل کیا جائے جائز ہے۔ کیونکہ اس عمل سے حضورؐ سے انتہائی محبّت کا اظہار ہوتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَامِلِ لِوَاءِ الْحَمْدِ ۔ دَافِعِ الْبَلَآءِ ۔ وَالْوَبَآءِ ۔

وَ اٰلِہٖ۔ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ۔ اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ۔ مُحِبِّ الْفُقَرَآءِ
وَ الْمَسَاکِیْنَ ۔ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

وغیرہ ان صفات کے ساتھ درود پڑھنا کسی عاشقِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی حُب کے تحت احسن قرار دیا جاتا ہے۔ ان ہی درودوں میں اولیاء اللہ نے جذبۂ حُب میں درود کے ساتھ جو صفت شامل کی وہ درود جائز تصوّر کیا جاتا ہے ــــ وہی درود شریف اولیاء اللہ کی نسبت سے ان کے تابعین (مریدوں) میں رائج ہُوا۔ اِس کے لیے قرآن وحدیث سے سند لینے کی ضرورت نہیں۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ رسالت میں ایک شخص کعب بن زہیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں ایک شاعر تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق صحابہ نے اس شاعر کا تعاقب کیا کہ جہاں ملے اُسے قتل کر ڈالیں۔ کعب بن زہیر قتل کے خوف سے روپوش ہو گیا ــــ جب اس نے کسی طرح اپنی جان بچتی نہ دیکھی ــــ تو اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک خوبصورت قصیدہ لکھا اور جی کھول کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اشعار لکھے ــــ اور یہ قصیدہ لے کر ــــ بُرقع اوڑھ کر ــــ دربارِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہُوا۔ دربار کے قریب پہنچا تو حضرت علیؓ بھی تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے کعب بن زہیر کو پہچان لیا لیکن اس پر ہاتھ اٹھانے میں برقع مانع ہُوا۔ کہ برقع پوش پر نظر اٹھا کر دیکھنا ازروئے شریعت جائز نہ تھا۔ کعب بن زہیر سیدھا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہُوا۔ اور بُرقع اوڑھ کر ہی قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعب کا قصیدہ سُنتے رہے۔ ایک جگہ پر ایک شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہایت لطیف انداز میں کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سُنا تو خوش ہو کر کعب کو اپنا ردائے مُبارک عطا کیا۔ کعب نے ردائے مبارک لے کر چُوم لیا آنکھوں سے لگایا۔ اور بُرقع اُتار دیا۔ صحابہؓ کعب کو دیکھ کر قتل کے لیے لپکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ کہ کعب مُعاف کیا گیا۔ کعب اسی

وقت کلمہ شہادت پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ثنا خواں غلاموں میں داخل ہوا۔ یہ قصیدہ بانت سعاد کے نام سے مشہور ہُوا۔ اسی طرح اور بھی قصیدے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھے گئے۔ جن میں حضور صلی اللہ کی صفات کی تعریف کی گئی۔ لازمی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصیدے سُنکر اظہارِ خوشنودی کیا۔ ان میں قصیدہ بردہ بھی مشہور قصیدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ تعریفی انداز میں۔ جو اشعار۔ جو قصیدے۔ لوگوں نے ترتیب دیئے ان کی سند قرآن سے ثابت نہیں مگر محبّتِ رسُول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں جو بھی لفظ ادا کیا گیا وہ محض محبّتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ اور وجدان کے زیرِ اثر ترتیب پاتا ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے محبّت کا اظہار ہوتا ہے۔ اِس عمل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے اشعار کا پڑھنا کسی کے لیے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا سبب بن سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ایسے اشعار ___ جن کی قرآن و حدیث سے سند حاصل نہ ہو محض ایک انسان کی ذاتی (وجدانی) اختراع ہو ___ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پڑھنا کسی طرح بھی بدعت یا ناجائز قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ اِسی تصوّر کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں جو بھی الفاظ ادا کیے جائیں اگرچہ قرآن و حدیث سے سند حاصل نہ ہو جائز ہو سکتا ہے۔

اولیاء کرام ___ قائم مقام۔ نائب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضوری اجلاسِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔ انہیں بھی براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوتا ہے ___ قرآن کی فلاں سُورۃ یا فلاں آیت پڑھنے کی اجازت فرماتے ہیں یا درود شریف پڑھنے کی اجازت فرماتے ہیں ___ اِس کے علاوہ خلفاء اربعہ اور وَ طَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ کی خاص الخاص جماعت کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور وظائف عطا فرماتے رہے۔ جو حدیث میں درج نہیں۔ یہ وظائف سلسلہ بہ سلسلہ۔ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ یہی وظائف مختلف سلسلوں (قادری۔ نقشبندی۔ چشتی۔ سہروردی) میں منتقل ہوتے رہے۔ اِن سلسلوں میں حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے چند وظائف سلسلہ میں سینہ بہ سینہ وِرد میں آتے رہے۔ ان میں درُود شریف بھی

شامل ہے۔ آپ کے سلسلہ میں درود شریف بہ سند ارشاد ہوئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمْ

اسی طرح باقی سلسلوں میں بھی وظائف ارشاد ہوتے ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمْ درود خضری کہلاتا ہے۔ یہ درود سلسلہ چشتیہ قادریہ ــــ صابریہ کے اولیاء اللہ ارشاد کرتے رہے ــــ یہی درود شریف سلسلہ اویسیہ میں حضرت شاہ عبدالکریم بلہڑی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کے ورد میں آتا ہے ــــ اس کے علاوہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی نسبت حاصل تھی۔ آپ کو براہِ راست حضور صلی اللہ سے درود شریف ارشاد ہوا وہ درُود شریف۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا یَا مُحَمَّدُنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمْ

کا وظیفہ ہے۔

حضرت خواجہ اویس قرنی رضؓ کی نسبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ امر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں یمن سے "بوئے خدا آتی ہے"۔ اس ارشاد سے مراد یمن میں ایک ہستی ایسی ہے۔ جسے معرفتِ الٰہی اور حُبِّ الٰہی میں فنا و بقا کا مقام حاصل ہے ــــ صحابہؓ کے استفسار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یمن میں ایک ہستی اویس ہیں جو قریہ قرن میں رہتے ہیں۔ ولی اکمل صاحب فنا و بقا ہیں۔ ظاہر ہے یہ مقام بغیر نسبتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میسّر نہیں آ سکتا تو صحابہؓ نے عرض کی کہ اویس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم سے نہیں ملے۔ ان کی والدہ ہے جس کی خدمت کے سبب انہیں یہاں آنے کا موقع میسّر نہیں ــــ لازم ہے کہ فنا و بقا معرفتِ الٰہی بغیر عالم ملکوت میں داخل

ہوئے میسّر نہیں ہوسکتی تو یہ بات واضح ہوئی۔ کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی نسبت حاصل ہے۔ جس میں حضرت خواجہ اویس قرنی رضؓ کو اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری میسّر ہے۔ اِسی نسبتِ باطنی سے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درود شریف ارشاد ہوا ــــ یا بغیر درود ــــ صرف عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اجلاس محمدی میں رسائی ملی۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں ارشاد ملا ــــ یا یوں کہا جائے کہ زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آپؓ نے ان الفاظ میں خود درود ادا کیا۔

یہ درود شریف ان ہی الفاظ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا یَا مُحَمَّدُ نِ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمْ

سے ادا ہوتے ہیں ــــ لیکن درود اویسی کی خصوصیت یہ ہے کہ اِس درود میں زائد الفاظ ــــ یَا مُحَمَّدُ نِ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ کا ایک خاص تصور ہے۔ یعنی یہ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو پڑھتے وقت۔ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر حالت میں سامنے ہوتے تو آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر انگشتِ شہادت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے یَا مُحَمَّدُ (اے محمد آپ نبی اُمّی ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہوں ــــ انگشت شہادت سے اشارہ کے ساتھ درود میں یا محمدؐ ادا کرنا ــــ عربی اصطلاحِ قریش۔ یا عربی ادب کے تابع ہے کہ باطن میں۔ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں خود کو حاضر کرکے پڑھتے ہیں۔ حاضر حالت میں یا محمدؐ پڑھنا واجب ہوتا ہے ــــ یہی طریق سلسلہ اویسیہ کے ہر ولی کے لیے لازم آتا ہے کہ ولی خود کو اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر کرکے پڑھتا ہے۔ جس کے لیے ہر ولی کو اسی سُنّت کے تابع (باطنی طور) انگشت شہادت کے اشارہ کے ساتھ یا محمدؐ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ اِسی ارشاد کے تابع سلسلہ اویسیہ کے ہر مرید کے لیے یَا مُحَمَّدُ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ اِس حال میں کہ سلسلہ اویسیہ کی نسبت سے ایک ولی ابتدائی بیعت میں مرید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرتا ہے۔ جہاں مرید بھی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہوتا ہے۔ تو مرید کے لیے بھی یَا مُحَمَّدُ پڑھنا واجب

ہو جاتا ہے ــــ سلسلہ اویسیہ کے مرید کے لیے لازم ہوتا ہے کہ وہ عقیدۃً ایک ولی کی بیعت میں خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر سمجھے فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ ابتدائی حالت میں بعض میں صفائی قلب نہ ہونے کی وجہ سے اس کیفیت کا مشاہدہ نہیں ہوتا کہ وہ خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر مشاہدہ[1] کرے۔ بعض لوگ بیعت کے ساتھ ہی مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ خود کو اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور کے پیش دیکھتے ہیں ــــ سلسلہ اویسیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سلسلہ سے نسبت رکھنے کے ساتھ ہی جب مرید درود شریف پڑھتا ہے تو وہ خود بخود باطنی طور اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور کے پیش ہو جاتا ہے ــــ ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر تصوّر کر کے یا مُحَمَّدُ پڑھنا لازم ہوتا ہے ــــ اور یہ خصوصیت حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے باطنی طور نسبت حاصل ہونے کی وجہ سے ہے کہ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر بغیر دیکھے ایمان لائے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو انتہائی عشق تھا کہ اسی حُب کے جذبہ کے تحت آپ نے جنگِ اُحد کے موقع پر جب سُنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مُبارک شہید ہوئے تو آپ نے گوارا نہ کیا کہ آپ اس درد سے خالی رہیں۔ آپ نے تمام دانت توڑ کر اس درد کو قبول کیا۔ اِسی جذبہ حُب کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُنہیں خوشنودی حاصل ہُوئی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہُوئی۔ اِسی خوشنودی اور رضائے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انتہائی محنت و مشقت۔ مجاہدہ و تقویٰ کے سبب آپ کو مقامِ محبوبیت عطا ہوا۔ یہی خصوصیت آپ کے سلسلہ میں حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ لونگ سندھی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ محمد عارف اروڑوی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت عالی جاہ جناب سیّد

---

[1] چونکہ بعض حالتوں میں مرید کو اجلاسِ محمدیؐ کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اِس لیے اس تصوّر کے نہ پانے کے باعث کہ مرید خود کو حضورؐ کے سامنے مشاہدہ نہیں کرتا۔ انگشتِ شہادت سے اشارہ لازم نہیں رکھا گیا۔ گویا یہ اشارہ صرف خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص تھا۔

محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ورثہ میں عطا ہوئی ــــ حضرت عالی جاہ سید محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ والا کو بھی سلسلہ کی نسبت سے علاوہ۔ براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہوئی ــــ آپ دیوبندی نظریہ رکھتے تھے۔ طریقت کے قائل نہ تھے۔ آپ نے گزشتہ اولیاء اللہ کے مکتوبات کا مطالعہ کیا جس میں تصوّر و مراقبہ کے طریق اور مشاہدات کے ارشادات تھے۔ آپ نے بھی بغیر کسی وَلی کی نسبت کے تصوّر و مراقبہ شروع کیا ــــ اِسی تصوّر و مراقبہ میں آپ کو مشاہدہ ہُوا ــــ اور آپ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہُوئے ــــ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ کو حضرت شاہ محمد عارف ارواڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا حکم ہُوا۔ جہاں آپ سلسلہ اویسیہ کی نسبت میں داخل ہُوئے۔ آپ کو معرفتِ الٰہی میں فنا و بقا کا مقام حاصل ہُوا۔ شریعت و طریقت میں آپ کی محنت و سعی اور کامل حُب کے صِلہ میں مقامِ محبوبیت عطا ہُوا۔ حضور قبلہ عالم عالی جاہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

حج کے موقع پر مدینہ منورہ میں عالی جاہ کو خواب[1] میں زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] خواب۔ حضور قبلہ عالم مولوی محمد امین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (اشعار از منازلِ فقر ص ۷۴ تا ص ۷۹)

زیں سبب فرمود احمد در مقال	نُورِ احمد ہستی تو اندر فعال
دَر مدینہ چوں رسیدند در سرائے	آمد آں ختمِ رُسل خیر الورٰی
گُفت نامِ چیست تو اے پُر خرد	گفتند نامِ من چنیں خلق برد
مولوی نُور الزمان اندر جہاں	گفتند نُور احمدی تو ہم بخواں
کہ زِ تو نُورِ احد گشتہ پدید	ہم زمانہ رونق افزا شد جدید
رونقِ فیضِ الٰہی در جہاں	یافتہ ازِ علم تو نام و نشاں
کہ زِ تو ہر فعل مثلِ نُورِ من	ظاہر آید سالکاں اندر زمن
ہم حضوری میشوند فی مجلسنا	آں زماں کہ میشود تو راہ نما

نے آپ سے ازراہ شفقت فرمایا — آپ کا نام کیا ہے؟ — آپ نے جواباً عرض کی کہ لوگ ہمیں نور الزمان کے نام سے پکارتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آج سے آپ نور احمد کے نام سے پکارے جاؤ گے۔" خواب میں آنا اور یہ خطاب دینا محض آپ کی محبوبیت کے پیشِ نظر تھا۔

جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا کہ حضور قبلہ عالم نے حضرت عالی جاہ جناب سیّد محمّد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیر اکمل کی حُب میں انتہائی مشقت اٹھائی اور آپ کی حُب کا بیتُ اللہ میں مظاہرہ ہُوا۔ تو حضور عالی جاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے عاشق زار کو بے انتہا نعمتوں سے نوازا۔ اور انہیں محبوبیت کا خلعت عطا فرمایا۔

اِس محبوبیت کا حضور قبلہ عالم کی نسبت میں بدرجہ کمال مظاہرہ ہوتا ہے کہ جس شخص کو آپ گالی بھی دیں وہ بھی حضوری ہو جاتا ہے۔ آپ کی نسبت سے بیعت ہوتے کے ساتھ ہی ایک طالب حضوری اجلاسِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ کے مریدوں میں ایک اُدنیٰ مُرید بھی کسی کو درُود شریف ارشاد کرے۔ وہ بھی ایک بار درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی حضوری ہو جاتا ہے۔

وظائف اویسیہ

سلسلہ اویسیہ کے "وظائف اویسیہ" سب درود شریف ہیں۔ جن میں یہاں چند درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا یَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمْ

یہ درود — درود حضوری کہلاتا ہے۔ ۲۴ گھنٹوں میں گیارہ سو بار پڑھا جاتا ہے۔

(۲) صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلَّمْ

یہ درود خضری کہلاتا ہے۔ ۲۴ گھنٹے میں پانچ ہزار پڑھا جاتا ہے۔

(۳) یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

یہ درود شریف اکثر مستورات کو حضور رحمۃ اللہ ارشاد فرماتے۔ نیز خلوت کے موقع

پر بھی پڑھنے کو فرماتے۔ رات دن کثرت سے پڑھنا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد خلوت میں پوری کرنا۔

(۴) هُوَ اِلٰہٌ۔ هُوَ اَللّٰہُ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

یہ درود اکثر خلوت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد میں پڑھنے کیلئے دیا جاتا ہے۔

(۵) بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَمُرْسٰھَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ الرَّحِیْمِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

یہ درود شریف اویسی۔ حضور قبلہ عالم۔ دوئم اجلاس محمدیؐ میں تصور بیت اللہ کے ساتھ ارشاد فرماتے۔

(۶) ھَا۔ ھُوْ۔ ھِیَ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

یہ درود شریف اکثر غیر مسلم عقیدت مندوں کو ارشاد فرماتے۔ یہ درود شریف کلمہ طیبہ کا مخفف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ ھا مخفف ہے لَآ اِلٰہَ کا۔ ھو مخفف اِلَّا اللّٰہُ کا۔ ھی مخفف ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا۔ اس درود سے ایک قاری کلمہ طیبہ کی ادائیگی سے۔ فیضِ نبوی ــــ فیض اویسی کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو ان کی استطاعت کے مطابق درود ارشاد فرماتے۔ جو لوگ کاروبار دنیوی سے کسی حد تک فارغ ہوتے انہیں پانچ ہزار درود خضری پڑھنے کا ارشاد فرماتے ــــ اور اکثر ملازمت پیشہ یا مصروف لوگوں کو گیارہ سو درود حضوری پڑھنے کا ارشاد فرماتے ــــ مستورات کے لیے بھی تخفیف فرماتے کہ جتنا ہو سکے درود پڑھیں بعض کو ایک سو اور بعض کو صرف گیارہ بار درود شریف پڑھنے کا ارشاد فرماتے کہ اتنی ہی تعداد میں درود شریف پڑھنے سے اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی۔ اکثر اوقات اپنے خاص عقیدت مند طالب علموں کے لیے صرف بیعت ہونا اور حضور کی خدمت میں حاضری دینا۔ حصولِ مراتب۔ زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کافی ہوتا ــــ اور حضور جب اپنے کسی عزیز مرید کے گھر تشریف فرما ہوتے۔ تو ان کی بیویوں اور بچوں کا اظہارِ محبت و احترام۔ خاص کر بچوں

کا اظہارِ محبت کافی ہوجاتا کہ بغیر بیعت ہوئے۔ بغیر درود شریف پڑھنے کے صرف قربتِ پیر سے انہیں مشاہدہ حاصل ہوتا اور اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوجاتا۔ یہی نہیں بلکہ بیت اللہ اور عرش تک ان کا مشاہدہ جاری ہوجاتا ـــــ اکثر بچے ایسے دیکھنے میں آئے جنہیں کمسنی میں مشاہدہ ہُوا۔ اِن میں خاص کر جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم کی دُختر زینت کو خاص مقام حاصل تھا۔ اسے مثل آفتاب روشن مشاہدہ حاصل تھا۔ اِس کے مشاہدہ میں ذرّہ بھر بھی غلطی یا تخیل شامل نہ ہوتا تھا۔ جو کچھ مشاہدہ کیا صاف اور حقیقت ہوتی۔ جناب قبلہ سخی صاحب پر اکثر قبض طاری رہتی تھی چونکہ آپ حُبّ پیر اور حُبِّ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم میں کامل تھے۔ آپ پر کثرت سے تجلّیات وارد ہوتیں طبیعت میں جذب بھی تھا۔ جلال بھی تھا جس کے نتیجہ میں آپ لطیفۂ اخفا میں غرق ہوگئے۔ آپ پر قبض طاری ہوگئی۔ مگر اس حال میں آپ کی توجہ تیغ برہنہ کا اثر رکھتی تھی۔ ادھر توجّہ دی ادھر طالب ایک آن میں کھل گیا۔ کسی نے سلسلہ کے متعلق تنقید کی۔ تو دعویٰ کے ساتھ چیلنج فرماتے۔ آپ مونچھیں صاف منڈواتے تھے۔ مگر چیلنج کے وقت مونچھوں پر انگلیاں پھیر کر فرماتے ــ۔ یقین نہیں۔ تو میدان میں آؤ ـــ ابھی دلیل دیتے ہیں۔ کوئی قسمت کا مارا۔ غلط فہمی میں آگے آجاتا۔ تو خواہ بازار ہو یا بھری مجلس۔ فرماتے آنکھیں بند کرو۔ دیکھو۔ آپ توجّہ دیتے۔ تو وہ فوری توجّہ سے اُچھل کر دُور جا گرتا اور بے ہوش ہوجاتا۔ ہوش آتے ہی۔ معافی مانگتا اور غلاموں میں شامل ہوجاتا۔ قبلہ سخی صاحب کو خود روشن مشاہدہ نہ تھا۔ اس کے لیے اپنی دُختر کو استعمال کرتے (چنانچہ گزشتہ سخی صاحب کے ذکر میں اس کا ذکر تھوڑا سا ہُوا) اِسی طرح مرحوم راجہ علی اکبر خان صاحب چھتہ بل والے حضور قبلہ عالم کے عزیز عقیدت مندوں میں سے تھے۔ حضور کبھی علی اکبر خان صاحب کے گھر یا ڈیوٹی پر متعین علاقہ میں تشریف لے جاتے۔ تو آپ کی بیوی حد درجہ اظہارِ عقیدت کرتی۔ آپ کا بیٹا نذیر احمد حضور کی تشریف آوری پر بیحد خوشی کا اظہار کرتا اور حضور اسے گود میں بٹھاتے۔ بس اس کا عمل اتنا ہی تھا۔ اِسی عمل سے نذیر احمد والد کے برابر مشاہدہ کرتا۔ دونوں کے مشاہدے میں ذرّہ بھر فرق نہ ہوتا۔ ان کا مشاہدہ بھی صاف اور حقیقی ہوتا۔ اسی طرح حضور

کے اکثر مریدوں میں ان کے بیوی بچے صرف اظہارِ خوشی سے ہی حضوری صاحبِ مشاہدہ ہو جاتے۔ خاکسار (ڈاکٹر محمد رمضان) کے گھر کو حضور قبلہ عالم اکثر رونق بخشتے تو میری بیوی بھی حد درجہ عقیدت و احترام سے پیش آتی۔ حضور نے انہیں صرف ایک سو درود شریف پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ بس اتنے ہی عمل سے انہیں مشاہدہ و مراتب عطا فرمائے۔

طریقت کے تمام سلسلوں میں حصولِ معرفت کے لیے کثرت سے مجاہدہ۔ تزکیہ اور پرہیز لازم رکھا گیا ــــ سلسلہ نقشبندیہ میں تو شدت کا پرہیز لازم رکھا گیا کہ نماز۔ روزہ کی پابندی کے ساتھ۔ رات جاگنا۔ کثرت سے مراقبہ کرنا۔ کھانے پینے کی پرہیز میں پیاز۔ لہسن۔ مچھلی۔ زیادہ غذا۔ گوشت۔ انڈا قطعی ممنوع رکھا گیا ــــ اسکے علاوہ وظائف ادا کرنے میں غسل۔ پاکیزہ لباس کی شدت سے پابندی رکھی گئی ہے۔ مگر سلسلہ اویسیہ خصوصاً سلسلہ امینیہ میں نسبت حضور قبلہ عالم میں سوائے پابندیٔ شریعت کسی قسم کی پابندی لازم نہیں رکھی گئی۔ نہ ادائے درود و مراقبہ میں کسی قسم کا ادب ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ حلال اشیاء میں جو چاہیں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ درود شریف پڑھتے وقت۔ دو زانو۔ یا التحیات کی شکل میں پڑھنے کی پابندی نہیں۔ بیٹھے۔ اُٹھے۔ چلتے۔ پھرتے۔ لیٹے۔ بستر پر دراز ہو کر پڑھا جا سکتا ہے۔ رات بستر پر لیٹ کر اپنے محرم کے ساتھ لیٹ کر بھی پڑھنے کی اجازت ہے۔ اِن تمام صورتوں میں مراقبہ میں مشاہدہ ہونے میں کوئی امر مانع نہیں۔ اِس حال میں بھی طالب کے لیے اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ کھلا رہتا ہے ــــ درود پڑھنے میں غسل۔ وضو کی پابندی نہیں۔ صرف استنجا لازم ہے ــــ بعض حالتوں میں استنجا کی بھی پابندی نہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ استنجا نہ ہونے کی صورت میں بھی اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضوری ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

یہ سب حضور قبلہ عالم حضرت الحاج محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولوالعزمی اور محبوبیت کے طفیل مخلوق انسانی کو میسّر آ سکتا ہے۔ اور حضور کی وفات کے بعد بھی یہ فیض عام اسی طرح جاری ہے اور جاری رہے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ عِلْمِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَعِلْمِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔

ہمارا علم بعد وفات ایسا ہی ہے جیسا ہماری حیات میں ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتی خصوصیات۔ بعد وفات علے حالہ قائم ہیں ـــــ یہ صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمائے اُمّت اولیاء اکملین کو بھی بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔ کیونکہ علم معرفت و مشاہدہ اور کمالات۔ ولی کی رُوح سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ تمام علم و کمال ولی کی رُوح کو بعد وفات بھی حاصل ہوتا ہے کہ رُوح زندہ مجسّم ہے۔ عالمِ برزخ میں۔ ولی اپنے تمام علم و کمال سے زندہ ہوتا ہے۔ اِس کمالِ علم کے ساتھ ولی اپنی تمام صفات و قوتوں کے استعمال پر قادر ہوتا ہے اِس لیے اس کا فیض بعد وفات بھی ایسے ہی جاری رہتا ہے۔ جیسے اس کی حیات میں جاری رہتا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے ۔ عالم برزخ میں۔ عالم ظاہر کے مقابلہ میں جب کہ اس کی جسمانی ہیئت بعض حالتوں میں حائل رہتی ہے ۔ ولی کی رُوح جسم کی علیحدگی میں۔ اپنے رُوحانی علم و کمال کے اجراء میں پاک ۔ وسعت کے ساتھ اپنی روحانیت کو استعمال کر سکتا ہے ۔ حضور قبلہ عالمؒ کو یہ خصوصیت بدرجہ اولیٰ حاصل ہے کہ بعد وفات بھی آپ کا فیض۔ فیض اویسی علے حالہ جاری ہے اور رہے گا۔ زَادَھَا اللّٰہُ تَعْظِیْماً وَّ تَکْرِیْماً۔

آپؒ پر بھی آزمائشیں ہوئیں

آپ اپنے خاندان میں ایک واحد شخصیت تھے۔ جن کے ذمہ خاندان کی کفالت تھی۔ آپ کثیر اولاد بھی تھے۔ جن کی پرورش۔ تعلیم و تربیت کا تمام تر بارِ گراں آپ کے کندھوں پر تھا ـــــ اِن حالات میں دنیوی کاروبار کی فکر انسان کے عزائم کو متزلزل کر دینے والی تھی۔ زمین کی کاشت ـــــ دیگر خانگی ضروریات کی فراہمی ـــــ اِس زمانہ میں ایک نحیف تن واحد کے لیے ناممکنات میں سے تھا۔ ایک زمانہ ابتلا کا آپ پر ایسا بھی آیا کہ شدید محنت اور ضرورت سے زیادہ ذہنی سوچ نے آپ کے وجود کو متاثر کیا۔ آپ اکثر سر درد کے عارضہ میں مبتلا رہتے تھے۔ ایک بار درد سر کا شدید حملہ ہوا۔ جس سے آپ کے دماغ کی رگ پھٹ گئی اور آپ مسلسل تین دن بیہوش رہے ۔ حضور پر سر درد کا حملہ ہوا ہی تھا کہ اسی دن شام کو پیر غلام نبی میرے پاس آئے اور حضور کی علالت کی خبر دے کر سب کو

پریشان کر دیا۔ دوسرے دن نمازِ فجر کے بعد میں کاشیراہ روانہ ہُوا۔ کپواڑہ سے ڈاکٹر ڈار صاحب کو ساتھ لے گیا۔ پیدل چلتے وقت ہم اِس معاملہ پر بحث کرتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ رگ پھٹی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو فالج کا گرنا لازمی تھا۔ مَیں نے اپنے مشاہدہ میں دیکھ لیا تھا کہ رگ پھٹ چکی ہے اور دماغ کے ایک حصّہ (CEREBRUM) میں جما ہُوا خُون موجود ہے۔ اور یہ بات مَیں نے ڈاکٹر صاحب کو بتائی تھی آخر وہ تشخیصی تجربات کرنے پر راضی ہو گئے۔ قبلہ عالم کی ریڑھ کی ہڈیوں کے درمیان ایک لمبی سُوئی داخل کی گئی۔ جسے میڈیکل زبان میں LUMBAR PUNCTURE کہتے ہیں۔ سُوئی سے خُون برآمد ہُوا تو ڈاکٹر صاحب حیران ہو گئے کہ رگ پھٹنے کے باوجود فالج نہیں گرا۔ ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ ہمارے پاس ایک ایکسریز ہے جس سے جسم کے کسی حصّے کا فوٹو ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور اسی ایکسریز میں قبلہ عالم کے دماغ کا وہ حصّہ نظر میں آگیا جس میں رگ پھٹنے سے خون منجمد ہو گیا تھا۔ حضور قبلہ عالم چند روز بیمار رہ کر صحت مند ہو گئے اور فرمایا حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے بشارت دی تھی کہ رگ پھٹ جائے گی مگر فالج نہیں گرے گا۔ اولیاء اللہ پر بھی آزمائشیں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ عام لوگوں کی آزمائش کی طرح نہیں ہوتی چوری کرنا۔ جوا کھیلنا۔ زنا کرنا۔ یا شراب کا پینا۔۔۔ ایسے فعل کی سزا میں ایک شخص کو کسی کردہ یا ناکردہ گناہ میں قید کیا جائے۔۔۔ یا بیمار ڈال دیا جائے۔۔۔ یہ دراصل بلائے سزا ہے۔ اِس میں قدرتی مصلحت و منشاء کارفرما ہوتی ہے۔ یہ سزا رحمت سے تعبیر ہوتی ہے۔ اس سزا میں ایک طرف گناہ کا کفّارہ ہوتا ہے۔۔۔ تو دوسری طرف گناہ کے ارتکاب میں رکاوٹ پیدا کرنا۔ جس سے آئندہ انسان ایسے افعال سے باز رہے۔۔۔ ظاہر ہے کہ قید کی تکلیف سے جسم کا تزکیہ ہوتا ہے جس کے معنی کفّارہ ہے۔۔۔ دوسرے مسلسل طویل مدّت قید میں رہنے سے عادتِ ثانیہ بھی بدل جاتی ہے۔۔۔ علاوہ ازیں انسان مصیبت میں بے بس ہو کر فطری تحریک (ضمیر) کے زیرِ اثر اللہ کی طرف اور عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو ہر انسان کے لیے رحمت ثابت ہوتی ہے۔۔۔

اِس کے مقابل بلائے رضا کا مقام خاص ہوتا ہے۔۔۔ بلائے رضا سے مراد رضائے الٰہی

کے تحت کسی مصیبت کا نازل ہونا جیسے قرآن میں ذکر ہوا ـــــ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۵۵-۱۵۶)

اور البتہ ہم بلائیں آزماتے ہیں مومنوں کو جوع۔ خوف نقصان سے مالوں میں۔ جسموں میں رزق میں ـــــ اور بشارت دیں ان صبر کرنے والوں کو۔ جب انہیں پہنچتی ہے مصیبت تو وہ اضطراب میں اور ہیجان میں واویلا نہیں کرتے بلکہ دل میں میل نہیں لاتے۔ اور خندہ پیشانی سے وقت گزارتے ہیں۔ یہ تصور کرکے کہ یہ مصیبت اللہ نے ہم پر ڈالی ہے۔ ہم اس کی ہر مرضی پر راضی ہیں۔ تو میں اس صبرواستقلال اور عزم وہمت سے برداشت کرتے اور میری یاد کو جاری رکھنے کے عوض انہیں خوشحالی دُنیا میں اور آخرت میں رضاءِ محبوبیت کے اُونچے مراتب عطا کروں گا۔

یہ ابتلا مومن کے لیے ہے ـــــ اِس ابتلا کی بھی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ کہ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

الٓمٓ ۝ أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۱تا۳)

کیا لوگوں نے خیال کیا وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اتنی بات پر کہ وہ کہہ دیں ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہ جائیں۔ اور ہم آزما چکے ہیں ان کو کہ جو پہلے ہو چکے ہیں۔ ان سے پس البتہ ضرور معلوم کرے گا اللہ ان کو جو سچے ہیں اور معلوم کرے گا ان کو جو جھوٹے ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ بغیر محنت ڈالے تم جنت میں داخل کئے جاؤ گے؟ ـــــ نہیں میں تم پر ضرور آزمائش ڈالوں گا ـــــ یہ ابتلا بھی مصیبت سے متعلق ہے اور مومن جب اس پر صبر کرتا ہے تو جو انعام اللہ کی طرف سے اسے ملا ہوتا ہے یہ اس انعام کا "کفارہ" تصور کیا جاتا ہے ـــــ اس کی مثال ایسی ہے جب تمہیں ایک ولی اکمل کی نسبت سے بے محنت حضوری ـــــ یا مراتب حاصل ہوں ـــــ

تو اس کے لیے اصولی طور پر محنت و مجاہدہ اور تزکیہ نفس سے قبل مراتب حاصل ہوں تو اس کا کفارہ بعد میں (اگر آپ خود محنت نہ کریں) ادا کرنے کی صورت میں محنت ڈالی جاتی ہے۔ اس محنت کی منشا میں دو باتیں مقصود ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ولایت کے اہل بنانا کہ فقیر کے لیے محنت کا عادی ہونا۔ لازم ہے۔ دوسری یہ کہ فقیر ولایت کا حقدار ہو جاتا ہے اور اس کی ولایت اس کی زندگی تک قائم و محفوظ ہو جاتی ہے اور اسے ولایت سے خارج نہیں کیا جاتا۔

دوسری صورت ابتلا کی بلائے رضا حقیقی ہے ــــ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی مرضی سے ابتلا ڈالتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے عوض اسے رضا و خوشنودی بے شمار عطا کر کے اسے اپنا محبوب بنائے ــــ اِس رضا میں اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے بلا محنت انعامات عطا کر کے بندے کو اپنے "قرب" میں لے لیتا ہے ــــ یہ بلا وہ اپنے مخصوص بندوں پر نازل کرتا ہے۔ جنہیں وہ اپنا مقرب و محبوب بناتا ہے ــــ اب اسی ابتلا کے تصوّر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتلا پر فکر کریں ــــ کہ جہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو اپنی رضا کے لیے مخصوص کرتا ہے۔ ان بندوں میں انبیاء کا مقام آتا ہے ــــ تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل میں آسانی پیدا کرے کہ نبی کو تبلیغ دین میں آسانی پیدا ہو ــــ اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ اِس حال میں کہ اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ ہوتا ہے ــــ مگر منشاء الٰہی یہی ہے کہ ہر نبی کو مصائب و مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ دشمنانِ دین کو انبیاء کو تکلیف پہنچانے کی کھلی چھٹی ملتی ہے کہ وہ نبی کو تکلیف پہنچاتے ہیں مگر نبی صبر کرتا ہے۔ اس میں عزم و استقلال قائم رہتا ہے۔ تو اس کی بشارت میں اسے قربِ الٰہی اور مقصد میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ محبوب کو اللہ کی نصرت حاصل تھی۔ دُنیا کی کوئی طاقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا نہیں کر سکتی تھی۔ پھر اپنی ذات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ــــ شجاع ــــ غالب ــــ صاحبِ رُوحانیت اور نصرت ملائکہ کے حامل تھے۔ مگر آپ کی ذات کو جن مصائب سے گزرنا پڑا وہ کٹھن مراحل تھے ــــ آپ کی ذات کو تکلیف پہنچانا۔ آپ کی اولاد میں۔

آپ کے فرزندوں کا پیدا ہو کر وفات پانا اور آپ کا محسوس کرنا۔ آپ کے دوستوں کی شہادت۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت۔ حضرت حسنین علیہما السلام کی شہادت یہ ایسے واقعات ہیں۔ جن پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ یہ ابتلا من جانب اللہ منظور و مقصود ــــ بلا و رضا سے تعلق رکھتے ہیں یہ سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ــــ اِس سُنّت کی پیروی خلفائے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی واجب آتی ہے چنانچہ زمانہ شاہد ہے۔ علمائے اُمّت میں اولیاء کرام کی اِس سُنّت کے مطابق زندگیاں گزریں کہ وہ مقدس و محترم و محبوب گردانے جاتے ہیں جنہیں زندگی میں وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ کے مصائب میں سے گزر کر شدید مصائب سے عزم و ہمّت سے سرخرو ہو کر گزارا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت اللہ کے مقرب و محبوب قرار دیئے جاتے ہیں ــــ حضور قبلہ عالم کی ذاتِ گرامی کو بھی ایک زمانہ میں اِن ابتلا سے گزرنا پڑا ــــ آپکے ابتدائی دَور میں آپ کے کٹھن مجاہدات۔ زمانہ طالب علمی کی مشکلات۔ پھر ہم نے دیکھا کہ دَورِ فقیری میں لوگوں نے آپ کو شدید تکلیفیں پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ طویل داستان ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں نہ کوئی ان واقعات کو سُننے کی سکت لکھ سکتا ہے۔ کٹھن تکالیف ــــ حضور کی دو صاحبزادیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ان میں مثلِ مریم علیہا السلام۔ صاحبزادی ممتازہ تھیں۔ حضور اس وقت گاندربل تشریف رکھتے تھے۔ اطلاع ملی کہ صاحبزادی ممتازہ شدید بیمار ہیں۔ یہ سُنکر حضور بے حد پریشان ہوئے۔ ممتازہ سے حضور کو بےحد لگاؤ تھا۔ فوراً گھر چلے آئے۔ اپنی طرف سے علاج شروع کیا مگر حالات کچھ اور سامنے آئے۔ بیماری کے دوران صاحبزادی ممتازہ نے بہت سی باطنی کیفیات کے مشاہدات بیان کیے۔ حضور کی فراست نے جان لیا ــــ آخر صاحبزادی ممتازہ نے واضح انکشاف کیا کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے بلاوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ممتازہ بیٹی تمہارے لیے جنّت سجائی گئی ہے ــــ تمہارا انتظار ہے ــــ اسی عالم میں صاحبزادی ممتازہ جنّت کو سدھاریں ــــ اگرچہ یہ امر حضور قبلہ عالم کے لیے انتہائی مسرت کا تھا۔ مگر قدرت نے ان کے قلب منوّر میں محبتِ پدری بھی بھر دی تھی۔ اِس کا تقاضا تھا کہ آپ پر بھی مثل حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم (حضرت قاسم و حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ

والسّلام کی وفات پر) صدمہ و گریہ طاری ہو۔ یہ بھی سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کی تکمیل تھی ـــ یہ بھی بلاء رضا کا ابتدائی باب تھا۔ اِس کے بعد حضور قبلہ عالم کے مقامِ خلافت و ولایت میں آپ نے اپنے مریدوں سے بیٹے بیٹیوں سے زیادہ شفقت و محبت روا رکھی۔ اِسی سلسلہ کی کڑیوں میں جناب سخی ولایت خان صاحب۔ ارسلان خان صاحب۔ اور خواجہ عبدالکریم صاحب۔ جو تبلیغِ دین میں آپ کی معاونت و غمخواری میں برابر دوست رہے ان کا غم بھی تو کچھ اثر رکھتا تھا ـــ ہاں قدرت ساتھ ساتھ اپنے محبوب کے غم کا مداوا بھی کرتی رہتی ہے ـــ کہ حضور کے سلسلہ میں آپ کی نسبت کو چار دانگ عالم میں ہر زمانہ میں وسعت ملتی رہی۔ یہ سلسلہ ہمیشہ پھلتا پھولتا رہا۔ ہر زمانہ میں سلسلہ اویسیہ کے مجاہد آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد بھی اِس سلسلہ کو جاری رکھنے میں اپنے پیر اکمل کے اسوۂ حسنہ پر کاملاً عمل پیرا ہو کر روشن طریقہ سے اِس سلسلہ کو جاری رکھیں گے ـــ زَادَھَا اللّٰہُ تَعۡظِیۡمًا وَّ تَکۡرِیۡمًا۔

سفرِ حج

حضور قبلہ عالم اگرچہ معرفتِ الٰہی میں یکتائے روزگار ولی اکمل تھے۔ آپ ایک اشارہ سے ایک طالب کو دیدارِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سرفراز فرماتے آپ کا یہ شغلِ عام تھا آپ کے اکثر مرید دیدارِ الٰہی میں بھی کامل اکمل تھے۔ لیکن حُبِّ رسُول اللہ صلی اللہ کی تڑپ میں آپ ظاہراً دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم میں بھی حاضری کے متمنّی تھے۔ اِس سے قبل آپ نے عالی جاہ حضرت سیّد محمّد نورالزمان شاہ صاحب کی معیت میں بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی تھی۔ اس وقت آپ محبتِ پیر میں جذب کی حالت میں تھے۔ آپ فنائے شیخ میں ہی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پرتو میں غرق تھے۔ اب تو آپ اس استغراق سے فارغ تھے۔ اِس لیے بہ نفسِ نفیس حجِ بیت اللہ کا ارادہ فرمایا۔ حضور قبلہ عالم نے اِس خادم کو حج کے انتظامات مکمل کرنے کا حکم دیا۔ مَیں نے حج کا فارم اور دیگر ضروری کاغذات مکمل کر کے حضور کی طرف سے درخواست دی جو جلد ہی منظور ہو گئی۔ اِس سفر میں مجھے بھی حضور

کے جلو میں سفر کی سعادت ملی۔ سفر طویل تھا۔ بظاہر حضور کی طویل علالت اور ضعف اس طویل سفر کی صعوبت کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ بذاتِ خود میں خود کو بھی اس بارِ گراں کا متحمل نہ سمجھتا تھا۔ میں نے حضور سے استدعا کی کہ سفر کی دقت و طوالت کے زیر نظر بہتر ہے کہ دوسرے خدمت گار کو بھی ہمراہ رکھا جائے تو حضور نے عبدالقادر لون کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ اس کے لیے بھی حج کی اجازت مل گئی۔ الحمد اللہ ہم مارچ ۱۹۶۲ء میں ایک قافلہ کی شکل میں کشمیر سے جموں کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ میری اور عبدالقادر لون کی انتہائی خوش بختی تھی کہ حضور قبلہ عالم کی کرم فرمائی نے ہمیں اپنی خدمت کی سعادت فرمائی ـــــ میں خود کو انتہائی خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ حضور قبلہ عالم نے اظہارِ محبوبیت و خوشنودی کے لیے ہم جیسے اُدنیٰ ذرّوں کو ـــــ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمانی میں شریک فرما کر عالی جاہ ـــــ حضرت سید محمد نورالزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سُنّت کا اعادہ فرمایا جب عالی جاہ شاہ صاحب نے حضور قبلہ عالم کو اپنا محبوب بنا کر بیت اللہ کے سفر میں اپنا نورِ نظر فرمایا تھا۔ وہ زمانہ تھا کہ حضور اپنے کعبہ کا طواف کرتے تھے مگر آج خود دوست کی حیثیت میں دوست کے مہمان بن کر جا رہے تھے۔

سبحان اللہ ـــــ بظاہر یہ سفر ایک شرعی حکم کی حیثیت رکھتا ہے ـــــ مگر بہ باطن یہ ایک انتہائی عظمت کا مقام ہے کہ حضور قبلہ عالم زَادَهَا اللّٰهُ تَعْظِيمًا وَّ تَكْرِيمًا ـــــ کی معیت میں ـــــ آپ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ۔ لَكَ لَبَّيْكَ کی پکار میں ہمیں بھی شامل فرما رہے تھے ـــــ سبحان اللہ۔ یہ حقیر حشرات الارض چیونٹیاں بلند پرواز شہباز کے پر دل سے چمٹ کر لَكَ لَبَّيْكَ کے تصور کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں رسائی حاصل کرنے کی سعادت پاتے ہیں۔

جمال ہمنشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

جموں پہنچ کر قافلہ نے بخشی غلام محمد وزیر اعظم سے ملاقات کی ـــــ یہ تو حضور قبلہ عالم کی ذرّہ نوازی تھی کہ بخشی غلام محمد جیسے دین سے عاری شخص کو وزارتِ عظمیٰ پر منتخب فرمایا۔ بخشی صاحب نے حاجیوں کو ہدایات دیں کہ حج سے واپسی پر حاجیوں سے قابلِ اعتراض

اشیاء برآمد ہوتی ہیں۔ اِس لیے حاجی صاحبان ایسی اشیاء لانے سے باز رہیں ۔۔۔ قافلہ میں بخشی صاحب نے مجھے بھی دیکھا۔ سمجھے اپنے کسی عزیز کو رخصت کرنے آیا ہوں۔ نگران کے بھائی حاجی غلام نبی نے بتایا ۔۔۔ ڈاکٹر صاحب بھی اس سال قافلہ میں شامل ہیں۔ اِس بار حجاج کو سفرِ حج میں کافی سہولت ہوگی۔ بخشی صاحب نے مجھ سے بیت اللہ میں دُعا کے لیے فرمائش کی ۔۔۔ مَیں نے بلند آواز میں دُعائیہ الفاظ دہرائے کہ اے اللہ! بخشی صاحب کو وافر دُنیا عطا کی۔ اب اسے دین کی طرف مائل کر کے آخرت میں بھی بخشش عطا کر۔ اے اللہ! اسے حقیقی معنوں میں انسان بنا دے۔ لیکن اِس دُعا سے بخشی صاحب کے چہرے پر ناگواری کے آثار محسوس ہوتے ۔۔۔ آنکھیں بند کیں اور کچھ سوچنے لگے ۔۔۔ چند لمحوں بعد بخشی صاحب سب حاجیوں سے ملے۔ لیکن میری طرف توجہ نہ دی ۔۔۔ مَیں نے حضور قبلہ عالم سے اِس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا بخشی صاحب کی نیت میں فتور آ گیا تھا ۔۔۔ وہ تمہیں حج پہ جانے سے روکنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مگر ہم نے اس کا ارادہ بدل دیا۔

جموں سے قافلہ دہلی کی طرف روانہ ہُوا۔ مَیں نے مشاہدہ کیا۔ کہ حضور کی گاڑی کے آگے دو موٹر سائیکل سوار[1] حضور کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں۔ دہلی ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر نمازِ عشاء ادا کی۔ دُعا مانگتے وقت پھر کیفیت مشاہدہ طاری ہُوئی تو دیکھتا ہوں۔ اِس تاریخی شہر کے اراکین اولیاء حضور کی اقتداء میں شامل تھے اور سب حضور سے مل رہے ہیں ۔۔۔ دہلی سے روانہ ہوئے تو حضور ہمیں مناسکِ حج سے واقف کر رہے ہیں اور تمام سفر میں آپ وعظ و نصیحت میں آدابِ حج اور مشاہدات اولیاء کا ذکر فرما رہے ہیں۔

محمّد اسماعیل اور محمّد صدیق میمنی کا بیعت ہونا

بمبئی پہنچے تو یہاں بمبئی کے ایک انجنیئر محمّد اسماعیل صاحب سے ملاقات ہُوئی۔ یہ

---

[1] عالمِ باطن میں کسی اولوالعزم ولی کی آمد پر محافظین مقرر کیے جاتے ہیں۔ جو شاہی شکل میں موٹر سائیکلوں پر سوار مشاہدے میں آتے ہیں۔

صاحب حکومت ہند کی طرف سے سعودی حکومت کی دعوت پر مکہ معظمہ میں سرکاری چھاپہ خانہ میں انجنیئر مقرر ہو کر ہمارے ساتھ ہی جا رہے تھے۔ یہ صاحب شافعی مسلک کے پیرو تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت خوبصورت قرأت کے ساتھ کر رہے تھے۔ جہاز میں حضور قبلہ عالم کے ساتھ رہے۔ ایک دن میں نے انہیں درود شریف پڑھنے کی دعوت دی۔ شافعی مسلک میں تصوّرِ پیر یا تصوّر روضہ شریف کو شرک تصوّر کیا جاتا ہے۔ مگر قدرت نے انہیں قلب سلیم عطا کیا تھا ــــ دعوت قبول کی ــــ درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ ایک رات میں ہی انہوں نے انوار کا مشاہدہ کیا۔ حقیقت حق الیقین کی صورت میں سامنے آگئی ــــ دوسرے دن صبح حضور کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ اس کے بعد محمد اسماعیل صاحب دوران حج حضور قبلہ عالم کے ساتھ رہے۔ یہ بھی تو سنّتِ الٰہی ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام آگ لینے جا رہے ہیں۔ قدرت انہیں رسالت عطا کرتی ہے۔ محمد اسماعیل صاحب حصولِ دنیا کی غرض سے سفر کر رہے تھے۔ مگر یہاں مشرق و مغرب کا بُعد تھا۔ ایک ولی اکمل کی صحبت میسّر آئی ــــ سفر میں معرفت کی راہ مل گئی ــــ مکہ معظمہ میں ان کے ایک دوست مولوی محمد صدیق میمنی جو بمبئی کے رہنے والے تھے ــــ مکہ معظمہ میں تجارت کرتے تھے۔ یہ صاحب اور ان کی اہلیہ حافظِ قرآن تھے۔ بہت صاف و شفاف پاکیزہ زندگی گزارتے تھے۔ محمد اسماعیل صاحب نے ان سے حضور کا ذکر کیا آپ نے بھی حضور سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا ــــ حرم پاک میں حضور سے ملے۔ درود شریف کی اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر ایک دن بیت اللہ میں نماز فجر کے بعد ہم باہر نکل رہے تھے۔ تو مولوی صاحب کو باب السعود پر منتظر پایا۔ حضور قبلہ عالم کا دستِ مبارک تھام لیا۔ سیدھا اپنے گھر لے گئے۔ مولوی صاحب نے درود شریف کے ورد میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو کر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوں۔ اسی وقت حضور سے بیعت ہو گئے۔

واقعاتِ حرمین شریفین

قیامِ عرب کے دوران حضور کی شفقت و محبت کا جو مظاہرہ ہُوا۔ اب تک کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا — پہلے روز کا واقعہ ہے۔ ہم سب کعبۃ اللہ کے سامنے مراقب تھے۔ میری زبان پر دُرود شریف جاری تھا۔ میرا دل وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا کا ورد کر رہا تھا۔ قلب پر رقت طاری تھی۔ اچانک پردہ اُٹھا اور کعبۃ اللہ کا باطن سامنے آیا۔ اور دریائے توحید میں دوئم اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہُوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرفِ باریابی بخشا۔ حضور قبلہ عالم کی جہانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے دستِ مُبارک سے شربت کے تین گلاس مرحمت فرمائے جو ہم نے پی لیے۔

ایک روز طوافِ کعبہ سے فارغ ہو کر میں مقامِ ابراہیم کے قریب مراقبہ میں مشغول تھا۔ حضور قبلہ عالم میرے آگے تشریف فرما تھے — دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ حجاج کو آبِ زمزم پلا رہے ہیں اور حضور قبلہ عالم کو اپنے ساتھ چلا رہے ہیں — حضرت ابراہیم علیہ السلام اِس حقیر کی طرف بہ تبسم متوجہ ہیں — اور سب سے پہلے اِس نعمت سے مستفید ہونے والا یہی ناچیز تھا۔ جس پر پیرِ اکمل کی بے شمار عنائتیں نازل ہو رہی تھیں۔ واپسی پر حضور قبلہ عالم فرمانے لگے "آج تمہاری پیاس کا کیا حال ہے؟" — یہ اشارہ اِسی کیفیت کی طرف تھا۔ مَیں نے عرض کی کہ حضور بہتر جانتے ہیں — سمندر سے قریب پیاس کا تصور کفر ہے۔

مدینہ منورہ کے راستے بدر کے مقام پر ہمارا قافلہ ٹھہرا — حضور قبلہ عالم کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں — آپ درود شریف کا وِرد کر رہے تھے۔ شہداء بدر کے لیے فاتحہ پڑھی — مسجد میں دوگانہ ادا کیا — مراقبہ کیا — تو میرے سامنے غزوہ بدر کا سارا واقعہ پیش ہُوا۔ دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سربسجود فتح جماعتِ اسلامی کے لیے دُعا مانگ رہے ہیں۔ اِسی حال میں حضور نے روانگی کا حکم دیا۔

حقیقت محمّدی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

مدینہ طیبہ قریب آنے لگا۔ گنبدِ خضرا پر جونہی نظر پڑی دل نے زور زور سے دھڑکنا شروع کیا ـــ ایسے لگا کہ دل سینہ سے نکل کر دیارِ محبوب میں پہنچنے کے لیے تڑپ رہا ہے ـــ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ـــ باوجود ضبط کے میری چیخیں نکلیں۔ حضور نے میری طرف توجہ فرمائی۔ ساتھ دربارِ رسالت صلّی اللہ علیہ وسلّم میں باادب رہنے کا حکم خداوندی سُنا کر مجھے خاموش کر دیا ـــ لاری میں بیٹھے جذب طاری ہوا ـــ عجب سماں دیکھنے میں آیا ـــ فنا فی شیخ غالب آ گیا ـــ دیکھا حضور قبلہ عالم کے تنفس مبارک کے ساتھ گنبدِ خضرا کا اتار چڑھاؤ بھی دکھائی دے رہا ہے۔ اور ساری کائنات اِس تنفس کے ساتھ سانس لیتی نظر آ رہی ہے۔ ـــ گویا مجھے فنائے شیخ میں فنائے محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔ اور حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ کے قصیدہ کی رُوح جَسَدِ الْکَوْنَیْنِ وَعَیْنُ حَیٰوۃَ الدَّارَیْنِ کی پوری تفسیر میرے مشاہدے میں آ رہی تھی ـــ ایک جگہ ڈرائیور صاحب ٹھہر گئے اور الصّلوٰۃ۔ الصّلوٰۃ پکارے قریب ہی ایک مسجد پر نظر پڑی یہاں نمازِ عصر ادا کی ـــ معلوم ہُوا کہ یہ مسجد "قبا" ہے جس کی تعریف خود خدائے قدوس نے کی ہے جہاں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہجرت کے وقت مدینہ منوّرہ میں داخل ہونے پر نماز ادا فرمائی تھی ـــ یہاں سے چل کر مغرب سے پہلے دربارِ رسالت صلّی اللہ علیہ وسلّم میں شرفِ باریابی ہُوا ـــ حضور قبلہ عالم نے صلوٰۃ وسلام ادا کیا ـــ ہم دونوں حضور کے ساتھ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آستانہ قدسی کا طواف کر رہے تھے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس میں اپنی فریادیں پیش کر رہے تھے۔ اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم بہ نفسِ نفیس سُن رہے تھے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مَنْ صَلّٰی عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ جو شخص ہماری مرقد مبارک پر درود پڑھے وہ ہم بہ نفسِ نفیس سُن لیتے ہیں۔ حقیقتِ محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حقیقت و انکشاف ایک طرف۔ حضور کا فرمانا اس امر کے لیے کافی ہے ـــ کہ سَمِعْتُہٗ ہم خود سُنتے ہیں ـــ کہ حیات النبی ہیں۔ اِس مقام پر جو کچھ فریاد کرو جو مانگو آپ سُنتے ہیں ـــ

——یہ مقام مہمان نوازی کا ہے ——مہمان کو عظیم انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

قیام مدینہ منورہ میں حضور ہر لمحہ کثرت سے درود پڑھتے رہے۔ اور ہمیں بھی کثرت سے درود پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اِس قیام میں مدینہ منورہ کے مضافات میں مشہور مقامات مقدسہ کی زیارت کی۔ میدانِ اُحد پر گئے۔ شہدائے احد پر فاتحہ پڑھی ——میں نے فاتحہ پڑھتے مراقبہ کیا۔ تو معاً غزوہ اُحد کا منظر سامنے آیا جہاں سید الشہدا، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہُوا۔ آپ کے جمال کے مشاہدہ کی تاب نہ لاسکا۔ تجلیات کا اتنا شدید ورود ہُوا تو حضور قبلہ عالم نے حالت دیکھ کر سہارا دیا ورنہ گمان تھا کہ قلب پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے گا۔ فِدَاہُ اُمِّیْ وَ اَبِیْ ہر مرحلہ پر دستگیری فرماتے رہے۔ مزار بقیع پر حاضری دی اور جملہ اصحابؓ کو ایصالِ ثواب پیش کیا ——امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مزار مقدس پر سلام عرض کیا اور عالم اسلام کی سربلندی کے لیے دُعا کی۔ حضور قبلہ عالم بھی دُعا کر رہے تھے۔ مَیں نے مشاہدہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ بھی حضور کے ساتھ آمین کہہ رہے تھے۔ اِسی مقام پر حضرت فاطمۃ الزہرا نورِ عین رسُول اللہ علیہ وسلّم کی زیارت بھی نصیب ہوئی ——حضرت ابراہیم علیہ وسلّم فرزندِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت بھی نصیب ہُوئی ——قیامِ مدینہ منوّرہ میں ایک روز نمازِ عصر کے بعد میری ہوسِ دید نے سر ابھارا —— حضور سے عاجزانہ التماس کی کہ حضور میرے مراتب میں اضافہ فرمائیں ——نماز مغرب کے بعد حضور نے مراقبہ میں بٹھایا توجّہ دی تو

"طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے"

کے مصداق ولی ایک آن میں طالب کے مراتب طے کرا دیتا ہے ——اِسی آن میں نے احدیت مجردہ کا مشاہدہ کر لیا۔ جہاں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے خصوصی طور انعامات سے نوازا۔

---

[۱] قسم ہے اس ذات کی جس نے محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ رحمۃ للعالمین اپنے مہمان کو وہ کوئی بھی ——کسی بھی حالت میں ہو ——اس کی جھولی انعامات سے بھر دیتے ہیں۔ وہ اپنے پکارنے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مدینہ منورہ سے واپسی سے ایک روز قبل میرے دل میں خیال آیا کہ ہماری حاضری دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں قبول ہوئی ہے یا نہیں ــــ اچانک حضور نے میری طرف غصیلی (سوالیہ) نظروں سے دیکھا، میں سہم گیا ــــ فی الواقع یہ میرے نفس کا تاثر تھا۔ نمازِ مغرب کے دوران اس بات کا مشاہدہ ہوا۔ دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈاکیہ کے ذریعہ ایک سربمہر لفافہ میرے حوالہ کیا گیا ــــ اس میں کیا تحریر تھا ــــ؟ یہ ایک سربستہ راز ہے۔ جو ضابطہ تحریر میں نہیں آسکتا۔

مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے سے قبل مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عصر کی نماز پڑھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت چاہی ــــ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبلہ عالم کے سامنے تجویز پیش کی کہ ظہورِ امام مہدی علیہ السلام تک حضور مدینہ شریف میں ہی سکونت فرمائیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وجوہ کی بنا پر حضور قبلہ عالم کو واپس جانے کی اجازت فرمائی ــــ حضور قبلہ عالم نے مجھے حکم دیا تھا کہ مدینہ منورہ کی خاک مقدس سے ہر جگہ سے تھوڑی تھوڑی خاک جمع کر لوں جسے حضور اپنی تربت میں رکھنا چاہتے تھے۔ میں تعمیل حکم میں مقاماتِ مقدسہ سے تھوڑی تھوڑی خاک جمع کرتا رہا ــــ حضور فرماتے تھے حج کے بعد ارضِ مقدس کی یہ سب سے قیمتی سوغات ہے۔

مکہ مکرمہ میں مدینہ طیبہ سے واپسی پر چند دن کیلئے حج کی تیاری میں مصروف رہے۔ عرفات میں حضور نے خصوصی طور پر عالمِ اسلام اور کشمیر کے مسلمانوں کے لیے دعا فرمائی ــــ منیٰ کے قیام میں حاجی عبدالرحمان بٹ صاحب لال پورہ نے حضور سے خصوصی دعا کیلئے التجا کی اور عرض کی کہ حج قبول ہو ــــ اور ایمان پر خاتمہ ہو ــــ حاجی صاحب اس وقت تک مرید نہیں ہوئے تھے ــــ حضور نے دعا فرمائی ــــ رات کو تہجد کے وقت حاجی عبدالرحمان بٹ صاحب میرے پاس آئے اور خوشخبری سنا کر مبارکباد دی۔ حاجی صاحب نے بتایا۔ بیت اللہ کے صحن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور حضور قبلہ عالم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ حجاج سامنے صف بستہ ادب سے

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ)

والے کو کسی حالت میں خالی نہیں جانے دیتے ــــ پھر جو آپ کے محبوب کے جلو میں حاضر ہوا۔ اس کا دین و دنیا میں سرخرو ہونا یقینی ہے۔

بیٹھے ہیں۔ اور ایک ایک کا نام پکار کر حضور قبلہ عالم ان کو ایمان کی سند عطا کرتے ہیں۔
اس مشاہدہ کے ساتھ ہی حاجی صاحب منیٰ کے مقام پر ہی حضور سے بیعت ہو گئے۔ حج سے
فراغت پا کر ہم واپس وطن روانہ ہو گئے۔

جدّہ سے روانگی کے وقت حضورؒ نے مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے دل کی
گہرائیوں سے دُعا فرمائی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہم میں سے بہت لوگ دُعا میں شامل
تھے۔ دُعا کی۔ الٰہی ہم تیرے کعبہ اور تیرے محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کر کے واپس جا
رہے ہیں — ہم نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی — اے اللہ ہم سب کو اس توبہ پر قائم
رکھ — حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل ہمارے قلوب کو اپنے اور اپنے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم
کے نُور سے منور کر — اے اللہ ہمیں پھر حرمین شریف میں آنے کا شرف عطا کر — اے اللہ
ہم اقرار کرتے ہیں کہ — تو ہمارا رب ہے۔ اور اسلام ہمارا دین ہے — اور حضرت محمد
رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمارے نبی اور رسُول ہیں — اے اللہ اپنے حبیب صلّی اللہ
علیہ وسلّم کے طفیل ہمیں اس عقیدہ پر قائم رکھ — اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں عاجزی سے
دُعا کرتے ہیں کہ زمین پر تو پھر خلافت الٰہیہ قائم کر — تاکہ تیرے قانون کا اجرا ہو —
اے اللہ اسلام کو سربلندی عطا کر اور مسلمانوں کو پہلے کی طرح اسلام کی وجہ سے عزت
عطا کر — حضور جب تک ساحلِ حجاز آنکھوں سے دُور نہ ہُوا اُسی طرف دیکھتے رہے
اور دُعا مانگتے رہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

وُہ سارا دن حضورؒ جُدائی کی وجہ سے اشکبار رہے۔

سقوطرہ کے قریب طوفان کا ٹلنا

جہاز میں سفر کا تیسرا چوتھا دن تھا۔ عصر کے وقت حجاج نماز کی تیاریوں میں مصروف
تھے جہاز کا کپتان گھبرایا ہُوا میرے پاس آیا — اس نے بہت بُری خبر سنائی کہ جزیرہ
سقوطرہ سے چار سو میل جنوب میں ایک طوفان آیا ہے اور ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے

ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ رات کو بارہ بجے کے قریب ہم اس طوفان کی زد میں ہوں گے۔ لہذا حاجیوں کو لائف بیلٹ پہنانے کا طریقہ بتادو۔ ایسا نہ ہو لوگ بے خبری میں مارے جائیں۔ —— ساتھ ہی انہیں پُرسکون رہنے کی ہدایت بھی کرو۔ مَیں بھی سخت گھبرایا۔ حضور کی خدمت میں دوڑا۔ آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ یہ سُن کر بجائے فکر کرنے کے متبسّم ہوئے۔ فرمانے لگے ابھی حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ہمیں اس واقعہ سے آگاہ فرمایا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ آپ لوگوں کو بچانے کا انتظام کیا گیا —— انتظار کرو کہ پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ جہاز میں سترہ سو حاجی ہیں۔ ان سب کی حفاظت کا سامان ہونا لازمی ہے۔ تو حضور نے فرمایا ہم اِس معاملے کو پیش کریں گے —— مجھے بھی حکم دیا گیا کہ مَیں بھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیش ہو جاؤں —— مشاہدے میں ایسی کیفیت سامنے آئی جس کا ذکر مَیں نے حضور سے کیا آپ نے فرمایا۔ جہاز اب محفوظ ہے۔ طوفان کا رُخ بدل دیا گیا۔ ساتھ ہی اس کیفیت سے متعلق انکشاف فرمایا۔ بخشی غلام محمّد کی حکومت کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ ساتھ ہی ریڈیو پر ایک خبر نشر ہونے کی بھی اطلاع دی۔ مَیں نے جہاز کے کپتان کو بتایا کہ ہم طوفان کی زد میں نہیں آئیں گے۔ طوفان کا رُخ بدل جائے گا جس کی تصدیق کپتان نے خود دس بجے رات آکر دی۔ اِس دن رات کو نو بجے ریڈیو پاکستان سے یہ خبر نشر ہوئی کہ وزیراعظم چو این لائی نے پیکنگ میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ جمہوریہ چین اور چین کے لوگ کشمیر کی حق خودارادیت کی حمایت کرتے ہیں۔ یہی ایک خبر تھی جس کی مشاہدہ میں ہمیں اطلاع دی گئی تھی —— حضور قبلہ عالم فرمانے لگے کہ ہم چینی فوجوں کو ہندوستان کی سرحدوں میں داخل ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ کہ دُنیا نے ۱۹۶۲ء میں چینی فوجوں کو ہندوستانی سرحدوں میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔

حج سے واپسی کے بعد حضور قبلہ عالم نے بہت حد تک گوشہ نشینی اختیار کی۔ آپ اکثر وقت استغراق میں رہتے۔ کئی بار حضور نے اس خواہش کا میرے سامنے اظہار فرمایا کہ آپ کسی دُور جنگل میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ دُنیا کی مصروفیت سے علیحدہ ہو کر دائمی انہماک و استغراق میں گزاریں لیکن اِس زمانہ میں حضور کے مُریدوں کی کثرت تھی۔ ان کی آمدورفت ہر وقت رہتی

تھی۔ حضور اپنے مریدوں کا خیال کرکے کہ یہ لوگ مایوسی کا شکار ہوں گے۔ گوشہ نشینی کا ارادہ ترک فرماتے۔ اِس حال میں آپ پر مہانداری اور لوگوں کی تعلیم و تربیت میں محنت کا شدید بوجھ رہا۔ آپ ہر وقت مُریدوں کی دلجوئی اور تربیت میں خندہ پیشانی سے مصروف رہتے۔

بخشی غلام محمّد کی وزارتِ عظمیٰ سے برطرفی

حج سے واپسی کے بعد حضور پانچ سال بقید حیات رہے۔ اِسی دوران جب لوگوں کی اصلاح کا عظیم بار اپنے سر لیا۔ آپ نے ضعیفی کی حالت میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے میں سرمو فرق نہ آنے دیا۔ آپ اپنے اظہار خیال میں خود کو آزاد سمجھتے اور کسی کی پاسداری نہ کرتے نہ کسی کی طاقت سے مرعوب ہوتے۔ کلمہ حق کا برملا اعلان کرتے۔

مارچ ۱۹۶۳ء میں ڈکٹیٹر بخشی غلام محمد فرعونیت پر اُتر آیا اور مجھے ملازمت سے برطرف کرنے کا حکم صادر کیا ـــــ حضور کو اِس بات کا علم ہُوا تو آپ سخت برہم ہوئے ـــــ اور جلال میں آکر فرمایا کہ ہم نے اسے خود وزارت پر بٹھایا تھا ـــــ اب اس کے ظلم کا بدلہ اس کیلئے دردناک عذاب ہوگا ـــــ ہم اسے اسفل السافلین میں پہنچادیں گے ـــــ پھر چند ہی مہینوں میں بخشی غلام محمد کو پنڈت جواہر لعل نہرو نے کامراج پلان کے تحت وزارتِ عظمیٰ سے برطرف کردیا۔ بخشی غلام محمد کو اس امر کی اطلاع ملی۔ چنانچہ بخشی کے دوستوں اور عزیزوں نے حضور قبلہ عالم کو منانے کی کوشش کی لیکن وہ حضور کو متاثر کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

بخشی غلام محمد کی برطرفی کے بعد شمسُ الدین ریشی کو وزیر اعظم بنایا گیا اِس کے متعلق حضور قبلہ عالم نے پیشگوئی فرمائی کہ اس کے دَور میں ایک دلسوز واقعہ پیش آئے گا۔ جس سے مسلمانوں کے دل مجروح ہوں گے۔ ملک میں فساد برپا ہوگا ـــ اور شمس الدین ریشی زیادہ دیر اِس عہدہ پر قائم نہ رہ سکے گا ـــ چنانچہ حضور کی پیشگوئی کے مطابق کشمیر کی مشہور زیارت۔ درگاہ حضرت بل سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مُوئے مُبارک چرایا گیا۔

موئے مقدس کی چوری اور بازیابی

یہ حادثہ عقیدت کے اعتبار سے مسلمانانِ کشمیر کے لیے واقعی اندوہناک تھا۔ اس واقعہ سے وادی کے تمام مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ انہوں نے موئے مقدس کی بازیابی کے لیے ایجی ٹیشن شروع کیا۔ موئے مبارک کی گمشدگی میں درپردہ مسلمانوں کے خلاف ایک گہری سازش کارفرما تھی اور جب کشمیری مسلمانوں کی تحریک نے شدت اختیار کی تو اس سازش میں شامل مسلمان منافقوں کو مجبوراً موئے مبارک واپس لانا پڑا۔ کشمیر کی تاریخ میں یہ ایک شرمناک واقعہ تھا جو شمس الدین کی حکومت میں رونما ہوا ــــ جو مسلمانانِ کشمیر کے دینی۔ روحانی احساسات پر ضربِ کاری کی حیثیت رکھتا تھا ــــ اِس واقعہ نے مسلمانانِ کشمیر کے دلوں میں حکومت خاص کر شمس الدین کے خلاف نفرت و بغاوت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ بالآخر شمس الدین کو بھی اس عہدہٴ وزارت سے دستبردار ہونا پڑا۔

جس رات درگاہ حضرت بل سے موئے مقدس چرایا گیا۔ میرے مشاہدے میں ایک عجیب کیفیت آئی۔ رات کے دس بجے ہیں۔ مَیں نماز عشاء سے فارغ ہو کر دُعا مانگ رہا تھا۔ اچانک مجھ پر غنودگی طاری ہوئی۔ دیکھتا ہوں کہ آسمان ستاروں سے مزیّن ہے۔ چودھویں کا چاند بجائے گول ہونے کے خربوزہ کے مانند مخروطی شکل میں لمبا ہو گیا ہے۔ چاند کی تابانی ماند پڑ گئی ہے۔ درگاہ حضرت بل اور جھیل کا تمام منظر دکھائی دے رہا ہے۔ جھیل میں سبز کشتیاں چلتی صاف نظر آ رہی ہیں۔ یہ کیفیت چند لمحوں سامنے رہی تو غنودگی ہٹ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر مَیں فکرمند ہوا کہ اِس کیفیت میں کسی اہم واقعہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ صبح ہوئی تو شہر میں یہ خبر عام ہو چکی تھی کہ موئے مبارک حضرت بل سے اٹھایا گیا ہے ــــ یہ زمانہ اہلِ کشمیر کے لیے نہایت پُر آشوب تھا۔ ۱۹۶۵ء میں ہند و پاک جنگ کے دوران سرحد کے قریب لوگوں کو جنگ کی ہولناکیوں سے دوچار ہونا پڑا ــــ فوجی سپاہی دیہاتوں میں گھس کر غریب عوام پر شدید مظالم ڈھاتے۔ لوگوں کے گھروں میں سے زبردستی جو شے ملتی نکال کر لے جاتے۔ اِس ظلم و جبر سے لوگوں کا جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ حضور قبلہ عالم کا علاقہ بھی

سرحد میں شامل تھا۔ جہاں فوجی سپاہی ہر وقت گاؤں کے لوگوں کو ہراساں کرتے۔ یہ حالت دیکھ کر حضور قبلہ عالم بے حد فکر مند ہوئے۔ آخر ایک دن حضور نے اپنے مکان کے دالان میں کھڑے ہو کر اپنے گاؤں کے گرد انگلی کے اشارہ سے دائرہ کھینچا۔ اور فرمایا آج کے بعد اِس علاقہ میں کوئی فوجی داخل نہ ہوگا ــــ اِس کے بعد اس علاقہ میں کسی فوجی کو نہ دیکھا گیا۔ اور گاؤں فوجیوں کے مظالم سے محفوظ رہا۔ ۱۹۷۱ء میں ان علاقوں میں شدید حملے ہوتے رہے۔ فوجی علاقہ کے چپّہ چپّہ پر گشت کرتے رہے۔ مگر آپ کے گاؤں میں اِس دوران ہر طرح کا سکون رہا۔ کسی فوجی نے اس طرف کا رُخ نہ کیا۔

سفرِ آخرت کی تیاری

۱۹۶۸ء میں جنوری کا مہینہ تھا۔ حضور قبلہ عالم اچانک شہر تشریف لائے فرمانے لگے کہ ہماری تمنا تھی کہ ہماری قبر مدینہ منورہ میں ہو ــــ ہمیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے ہدایت ہوئی کہ یہ تمنا پوری کرنا چاہتے ہیں تو دو ماہ تک وقت ہے۔ دو مہینے کے اندر مدینہ منورہ پہنچ جاؤں۔ لیکن افسوس اتنی جلدی ہم مدینہ منوّرہ جانے کی تیاری نہ کر سکے۔ یہ المناک خبر سُن کر ہم پر بجلی سی گری۔ صاف ظاہر تھا کہ اس بات میں حضور قبلہ عالم کی اِس جہان سے رُخصت کا وقت قریب ہونے کا اشارہ ہے ــــ یہ اشارہ ہمارے لیے مایوس کُن تھا۔ کہ آپ کے بعد اتنی وسیع جماعت کا کون نگران ہوگا ــــ ہماری مشکلات میں کون ہماری دلجوئی و امداد کرنے والا ہوگا ــــ ہم اپنے ذاتی مسائل میں کس کی راہنمائی کا سہارا لیں گے۔ حضور نے ہماری پریشانی کو محسوس کیا ــــ ظاہر ہے جو شفیق ہستی اپنے مریدوں کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتی ہو۔ انہیں بھی اپنے عزیزوں کو تنہا چھوڑ کر جانے کا غم ضرور تھا۔ لیکن اِس عالم میں حضور نے ہمیں صبر و استقامت کی تلقین فرمائی۔ کہ یہ سنّتِ الٰہی ہے۔ اِس امر سے کسی کو مفر نہیں ــــ ایسا ہر حال میں ہونا اٹل ہے ــــ اِسی لیے منشاءِ الٰہی پر راضی ہو کر صبر و استقلال ہاتھ سے نہ جانے دینا ــــ فرمایا ــــ فقیر کی موت سوائے اِس کے نہیں کہ وہ ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے ــــ ورنہ ولی

کے لیے حاضر و غائب یکساں مقام ہے ــــ جیسا کہ اب ہے ویسا ہی بعد موت بھی موجود ہے ــــ جس حال میں ولی کو ظاہر میں دیکھا جاتا ہے ــــ یہ دیکھنا رُوحانی حیثیت میں باقی رہتا ہے۔ ــــ اسی حال میں بعد موت بھی ولی کو دیکھا جاتا ہے ــــ ولی ہر حال میں حاضر ہوتا ہے ایسی صورت میں غم کرنے کا مقام نہیں میں ہر حال میں تم سے قریب اسی طرح ہوں جس طرح آج ــــ آپ نے اپنے رُوئے انور پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا ــــ اس شکل کو یاد رکھو پھر کوئی مشکل مشکل نہ ہوگی ــــ جب بھی میرا تصوّر کرو میں تمہارے سامنے ہوں گا ــــ ہاں قدرت نے نظامِ کائنات کو قوام و دوام دینے کے لیے ہر شے میں حُب کا اثر قائم رکھا ہے ــــ اسی حُب کے زیرِ نظام کائنات برقرار ہے ــــ ماں باپ۔ بھائی بہن۔ عورت مرد میں تعلق صرف حُب کے زیرِ اثر قائم ہے۔ ہم جانتے ہیں آپ لوگوں کے دلوں میں میری ذات سے جو نسبت اور محبت ہے اس کا تعلق میری موجودگی سے ہے ــــ اس کا واحد علاج ــــ میرا "تصوّر" قائم رکھنا۔ اس کا مطلب کثرت سے درود و مراقبہ جاری رکھنا ــــ اس عمل کو اپنی زندگی کے ساتھ جاری رکھو۔ پھر تمہیں فراق کا احساس نہ رہے گا۔

حضور قبلہ عالم ماہ شوال اور ذیقعد کے دو مہینوں میں بار بار شہر تشریف لاتے رہے۔ اور اپنے مریدوں کو وعظ و نصیحت سے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ تلقین فرما کر ہمارے دلوں سے غم و اندوہ کا بوجھ ہلکا کرنے کی سعی فرماتے رہے۔ اس دوران جن کے مشاہدے میں رکاوٹ تھی توجہ سے اُنہیں مشاہدے میں کامل فرماتے اور جو نئے درود خوان آتے انہیں حضوری کر دیتے۔

حضور قبلہ عالم کی واحد ذات تھی جن کے سر پر اپنے اہل و عیال کی پرورش موقوف تھی۔ اپنے اہل و عیال کا واحد سہارا تھے۔ ظاہر ہے ایک مقدس و مومن شریکِ حیات کے لیے آپ کی جُدائی ناقابلِ برداشت تھی۔ معصوم بچّوں کی یتیم حالت کا آپ کو احساس تھا ــــ اس کسمپرسی میں ان معصوموں کا بے یار و مددگار ہو جانا۔ یہ احساس آپ کے لیے تکلیف دہ تھا۔ مگر آپ صبر و استقلال کا مجسّم پیکر تھے۔ آپ کو اللہ اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم پر پُورا بھروسہ تھا۔ آپ نے اس موقع پر ہر تکلیف دہ احساس پر قابو رکھا اور بہ کمال خوشنودی

رضائے الٰہی پر راضی رہے ۔۔۔ گھر پر اپنے رختِ سفر کا تمام انتظام مکمل کر لیا ۔۔۔ تجہیز و تکفین کی سب تیاریاں مکمل کر لی تھیں ۔۔۔ اپنی قبر شریف کا تعین فرمایا ۔۔۔ تابوت بھی تیار کرا لیا ۔۔۔ اب صرف وقت کا انتظار تھا ۔۔۔ اپنے فرزندوں اور حضرت مائی صاحبہ کو صبر و استقامت کی تلقین فرماتے آئندہ زندگی میں آنے والے واقعات سے نمٹنے کے لیے تفصیلی ہدایات فرماتے رہے۔

حج سے واپسی کے بعد حضور زیادہ تر وقت عبادات میں گزارتے۔ اور اکثر مراقبہ و استغراق میں مشغول رہتے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم نے ایک خواب بیان کرتے ہوئے اپنے رخصت ہونے کا اشارہ فرمایا ۔۔۔ فرمایا ۔۔۔ ایک دن ہم مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز فجر ادا کر کے باہر نکل رہے تھے ۔۔۔ کہ کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ جوق در جوق دوڑ رہے ہیں ۔۔۔ ہم بھی اِس طرف چل پڑے ۔۔۔ اور خلیفہ سوئم سے ہم نے بھی بیعت کی۔ اِس وقت تو میں اس خواب کا مطلب نہ سمجھ سکا ۔۔۔ بعد میں میں نے اندازہ کیا کہ حضور قبلہ عالم کی یہ خواب حضور کی وفات کی طرف ایک باطنی اشارہ تھا۔

لیلۃ الحزن

عید الاضحٰی ہمارے لیے جمعۃ الوداع ثابت ہوئی ۔۔۔ ۱۷ ذوالحج کی صبح نماز کے بعد میں مراقبہ میں تھا کہ مجھ پر غنودگی طاری ہوئی۔ اِس عالم میں ایک عجیب کیفیت دیکھنے میں آئی۔ میرے مکان کے صحن میں جنوب کی طرف سے ایک شفاف پانی کی نہر داخل ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے ۔۔۔ سارا صحن پانی سے بھر گیا ۔۔۔ اب یہ پانی کمروں میں بھی داخل ہونے لگا ۔۔۔ دیکھتا ہوں کہ یہ پانی باورچی خانہ میں داخل ہُوا ہے۔ میری بیوی ایک چھوٹے چوکور تختے پر بیٹھی پانی میں تیر رہی ہے۔ میں خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے شیریں پانی سے نوازا ہے۔ میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ تیری شکایت اب دُور ہو گئی کہ ہمارے نلکوں میں پانی نہیں ہوتا۔ اب اِس عطیہ پر اللہ کا شُکر کرو اور احتیاط رکھو کہ پانی میں کوڑا کرکٹ نہ ڈالا جائے۔ میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں نے ایک سنہری لباس زیب تن کیا ہُوا ہے ۔۔۔ اور کسی اہم کام کے لیے جا رہا ہوں ۔۔۔ سوچ رہا ہوں کہ پانی میں چلنے سے جوتا تر ہو جائیگا ۔۔۔ اب کس طرح باہر نکلوں۔

میری بیوی اس پانی کے نکاس کے لیے کوئی انتظام کرنا چاہتی ہے۔ لیکن میں اس کے سخت خلاف ہوں۔ اسی دوران خیال آیا — کہ مجھے اپنے پیرِ اکمل نے ہوا میں اُڑنے کی طاقت بخشی ہے۔ آج میں اسی طاقت سے کام لوں گا — اور میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر ہوا میں پرواز کرتا ہوں۔ پرواز کرتے ایک جنگل میں اُترتا ہوں۔ — یہاں ایک انجینئر سامنے آتے ہیں — اور میرے سامنے سڑک کی تعمیر کا نقشہ پیش کرتے ہیں — درمیان میں سڑک ایک جریب کے برابر نامکمل رہ گئی ہے — سامنے پہاڑ کے دوسرے طرف سڑک مکمل ہو چکی ہے — اور آمد و رفت کے لیے بالکل تیار ہو چکی ہے — میں انجینئر سے ناراض ہوتا ہوں۔ کہ باقی حصّہ کیوں مکمل نہیں ہُوا۔ انجینئر صاحب مجھے موقع پر لا کر دکھاتے ہیں کہ بیچ سڑک کے ایک تناور درخت سڑک کی تکمیل میں رکاوٹ بنا ہُوا ہے۔ اس درخت کی شاخیں مشرق و مغرب پھیلی ہُوئی ایک وسیع علاقہ تک سایہ پھیلائے ہوئے ہیں — انجینئر کہتے ہیں کہ سڑک کی فوری درستی کے لیے اس درخت کا درمیان میں سے کاٹنا ضروری ہوگا۔ ورنہ اس درخت کی موجودگی میں اِردگرد کئی چھوٹے درختوں کو کاٹنا پڑے گا۔ جس سے سڑک ٹیڑھی بنے گی — میں موقع پر ہی درخت کاٹنے کا فوری حکم دیتا ہوں۔ انجینئر صاحب بجلی سے چلنے والی مشین نصب کر کے درخت کاٹنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ میں سڑک کے دوسری طرف معائنہ کر کے آ جاتا ہوں — درخت کاٹا جاتا ہے اور سڑک صاف اور سیدھی تیار ہو جاتی ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر پھر پرواز کی کوشش میں میرا استغراق ختم ہو جاتا ہے۔ یہ مشاہدہ کر کے میں سخت حیران ہوں کہ یہ کیا واقعہ ہے اور کس حادثہ کی نشاندہی کرتا ہے؟ سوچنے کے باوجود میں کسی نتیجہ پر پہنچ نہ سکا۔ سارا دن اسی پریشانی میں گزرا۔ رات میں وضو کر کے بستر پر لیٹ گیا — دس بج چکے ہیں۔ آنکھیں بند کر کے قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہوں — معاً حضور قبلہ عالم کو سامنے پاتا ہوں جو اپنے پورے لباس میں ملبوس ہیں۔ چہرہ انور سے شدّت کا جلال ٹپک رہا ہے۔ آپ نے اپنا دستِ مبارک میری طرف بڑھایا اور فرمایا "ڈاکٹر صاحب میں چل پڑا۔ خدا حافظ"۔ میں جلدی سے آپ کے دستِ مبارک کو پکڑ کر بوسہ دیتا ہوں۔ محسوس کر رہا ہوں کہ حضور میرے

سامنے بجسد موجود ہیں۔ میں گھبراہٹ میں چونک گیا۔ اسی وقت میری زبان پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ جاری ہُوا۔ دل نے صدا دی کہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ ہمیں بے کسی کے عالم میں چھوڑ کر "خدا حافظ" کہہ گئے۔ مجھ پر شدّت کا اضطراب طاری ہُوا۔ بمشکل رات تڑپتے گزاری۔ علی الصبح میں حضور کے آستانۂ عالیہ کی طرف روانہ ہُوا۔ بدقسمتی سے راستہ میں میری موٹر خراب ہوگئی۔ پہنچنے میں تاخیر ہوگئی۔ افسوس کہ میں حضور کے آخری دیدار سے محروم ہوگیا۔ میرے پہنچنے سے قبل حضور قبلہ عالم مرحوم کو سپردِ خاک کیا جا چکا تھا۔ یہ واقعہ میرے لیے حد درجہ دلفگار تھا۔ اِسی پریشانی کے عالم میں قبر شریف پر آیا۔ اس کیفیت کے بیان کے لیے الفاظ نہیں کہ دل کیفیت بیان ہو سکے! حضور کے قدموں میں سر رکھ کر فاتحہ پڑھی تو حضور سامنے ظاہر ہوئے۔ فرمایا یہی خواب کی تعبیر تھی۔ آپ کے دیدار سے گونہ قلب کو سکون ہُوا ــــــ کہ آپ مجھ سے جُدا نہیں۔ ہم آپ سے جُدا نہیں ــــــ درحقیقت میں سمجھتا ہوں کہ میرے بروقت پہنچنے میں تاخیر ہونا حضور کی مصلحت کے تابع تھا۔ یقیناً ایسے موقع پر احتمال تھا کہ اس سانحہ عظیم کی تاب نہ لاتے ہوئے۔ شدّتِ غم سے جان بدن سے نکل کر اپنے محبوب کی طرف پرواز کر جاتی۔

حضور محترمہ مائی صاحبہ سے معلوم ہُوا کہ رات ساڑھے نو بجے حضور نے گرم پانی سے وضو کیا اور سرِ مُبارک میں خوشبودار تیل ملا۔ آپ کی عادت شریفہ میں تھا کہ حسب معمول ابتدائے شب تھوڑی دیر استراحت فرماتے بعد میں اُٹھ کر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اسی طرح آپ بستر پر لیٹ جاتے۔ صاحبزادہ امین الدّین۔ بشیر الدّین آپ کے پاؤں دباتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد صاحبزادوں کو سو جانے کے لیے فرمایا کہا والدہ کو ہمارے پاس بھیج دو۔ سب بچے سو گئے ــــــ جناب مائی صاحبہ حضور کے پاس تشریف لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرا وقت آچکا ہے ہم رخصت ہو رہے ہیں۔ انہیں نصیحت فرمائی کہ ہمارے بعد میں ہر حال میں بھروسہ اللہ پر رکھنا۔ ہماری وفات پر آہ و زاری نہ کرنا اور ہر حال میں شریعت کی پابندی کرنا اِس کے بعد حضور نے تین بار اَللّٰہُ اَللّٰہُ۔ اَللّٰہُ کہا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ رَحْمَۃُ اللّٰہِ اَبَدًا اَبَدًا۔

بلاشبہ حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ کی وفات طالبانِ حق کے لیے محرومی اور خصوصاً سلسلہ اولیسیہ پر ایک سانحہ عظیم تھا — کہ وہ حضور کی رفاقت سے محروم ہو گئے — ان کا پشتی بان — نگہبان — غمگسار دوست انہیں تنہائی کے خارزار میں بے بسی کے عالم میں چھوڑ کر چلا گیا۔ ہر مُرید کو آج محسوس ہُوا کہ اس کا شفیق باپ — اس کا دست و بازو بھائی — اس کی غمگسار ماں کا آج ہی انتقال ہو گیا — کیونکہ حضور اپنے مریدوں کیلئے شفیق باپ — ہمدرد بھائی۔ اور غم رکھنے والی ماں سے زیادہ — درد رکھنے والے تھے — حضور قبلہ عالم اپنے مُریدوں محبّوں کی ہر حال میں خیر و فلاح کی فکر رکھتے تھے۔

بلاشبہ حضور قبلہ عالم کی ذاتِ اقدس حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ کی نبوی صفت سے متصف تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم — جب فضا میں بارش کے لیے سیاہ بادل آسمان پر آنے لگتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بار بار باہر تشریف لا کر بادلوں کو بے چینی سے دیکھتے — انہیں فکر لاحق ہو جاتا کہ کہیں گزشتہ قوموں کی طرح ہماری قوم (کفار) پر کوئی طوفان تو نہیں بھیجا گیا — تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم دُعائیہ کلمات زبان اقدس سے ادا فرماتے۔

حضور قبلہ عالم کو بھی ہمیشہ اپنے مریدوں کی ابتلا کا فکر رہتا۔ بار بار اپنے مریدوں کو دیکھتے ان کے گھروں تک پہنچ جاتے — حضور قبلہ عالم شریعت و طریقت کی ایک اولوالعزم ہستی تھے — بلاشبہ آپ علمائے اُمّت میں سابقین علمائے اُمّت کے حقیقی جانشین تھے — جن کے ذریعہ شریعت و طریقت کا حقیقی معنوں میں اجرا ہوتا رہا۔ اور طالبانِ حق کی صحیح راہنمائی ہوتی رہی — ہاں وہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا — زمانہ کو اب اس آفتاب کی روشنی ملنی محال ہے — آہ — یہ خطۂ ارضی پر جبکہ دُنیا کا گوشہ گوشہ باطل کے اندھیروں میں ڈوبا ہُوا — حقیقت کی روشنی سے محروم تھا۔ آپ کی ضیا پاشیوں سے کما حقہٗ فیضیاب ہو رہا تھا — ہاں! دُنیا اِس آخری سہارے سے محروم ہو گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے۔ کہ ایک زمانہ آئے گا — دُنیا پر ہر طرف شر و فساد طاری ہو گا — انسانیت ہدایت سے محروم ہو گی — شریعتِ حقّہ کا حقیقی تصوّر انسانی ذہنوں سے محو ہو جائے گا۔ دُنیا پر کثرت سے مسجدیں تعمیر ہوں گی۔ ان میں کثرت سے عبادت ہو گی — مگر

ان میں رُوح ایمانی مفقود۔ محض رواجی اور بے نتیجہ عمل پایا جائے گا۔ "یہ زمانہ شر کا ہوگا"
کہ مومن اپنے دروازے سے ایک قدم نکال کر۔ واپس داخل ہو تو وہ ایک قدم میں ایمان
کھو بیٹھے گا ـــــ زمانہ میں کثرت سے علماء ہوں گے۔ وہ قرآن و حدیث تلاوت کریں گے مگر
قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اُترے گا ـــــ وہ بے عمل ہونگے ـــــ ان کی تبلیغ۔ راہبانِ بنی اسرائیل
کی مانند محض حصُولِ دُنیا۔ اور ذاتی اغراض کے حصول کی خاطر ہوگی ـــــ اس زمانہ میں انسانی
ہدایت کی راہیں مسدود ہوں گی ـــــ لوگوں کو حقیقی شریعت (وطریقت) کی راہنمائی میسّر
نہ آسکے گی ـــــ ایسے شر کے زمانہ میں حضور قبلہ عالم کی ذاتِ والا۔ ایک روشن ستارہ
کی مانند طالبانِ حق کی راہنمائی کرتی رہی ـــــ یہ شرف طریق اویسیہ کو حاصل تھا۔ کہ آپ
کی ذات سے دُعائے اویسیہ کی قبولیت کے اظہار میں ایسے زمانہ میں بھی عوام الناس کو
ہدایت و معرفتِ حق کا سامان میسّر آتا رہا۔ حضور قبلہ عالم کی ذاتِ والا کو یہ شرف حاصل
تھا۔ کہ اس شر کے زمانہ میں جبکہ انسانی آبادی کثرت سے شریعت کی تعمیل میں غافل
تھی۔ آپ کی نسبت سے بے شمار طالبانِ حق کو معرفت الٰہی حاصل ہوتی رہی ـــــ ہاں!
یہ منوّر آفتاب معرفت غروب ہو چکا ـــــ مگر زمانہ پر اس آفتاب معرفت کی حرارت اور روشنی کا
اثر ابھی بھی باقی ہے ـــــ آپ کی جہدِ بلیغ سے آپ کے تربیت یافتہ دل۔ قائم مقام۔ ابھی
زمین پر باقی ہیں ـــــ جن سے آپ کے مشن (منصب) کی تکمیل برابر ہوتی رہے گی ـــــ انشاءاللہ
یہ سلسلۂ اویسی اپنی مقبولیتِ دُعا کے ساتھ مُقَامًا مَّحْمُوْدًا کی تکمیل کرتا رہے گا ـــــ
بلاشبہ آپ کی ذات دُعائے اویسی کی مظہر تھی۔ کہ آپ کی ذات سے اُمّتِ محمدی
صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے دُعائے اویسی میں شامل ہو کر معرفتِ حقیقی کی راہ پاتی
رہی۔ زَادَهَا اللّٰهُ تَعْظِيْمًا وَّ تَكْرِيْمًا۔

(اختتام حصہ اوّل)

حِصّہ دوم

آدابِ شریعت آدابِ انسانیت
آدابِ طریقت کے متعلق
جناب الحاج قطب الاقطاب
محمدّ امینؒ قریشی اویسی کشمیری کے

فرمودات

فرمودات حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ

حُبّ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ محبتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب اعمال پر مقدم سمجھتے۔ اور اپنی تبلیغ میں اپنے محبّوں کو اسی محبت کا سبق دیتے۔ آپ کسی طرح بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ذرّہ بھر گستاخی برداشت نہ کرتے۔ آپ فرماتے ہیں :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں سے محبت کی جائے اور آپ کے دشمنوں سے بغض رکھا جائے خواہ وہ اپنے عزیزوں میں سے کیوں نہ ہوں۔ آپ فرماتے ہیں۔ محبت میں چاپلوسی اور زمانہ سازی روا نہیں۔ کیونکہ مُحب محبوب کی مخالفت برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر کسی صورت میں اللہ اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں سے دوستی وصُلح کا کوئی انداز پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تو ایسا شخص حُب کا دعویٰ کرنے میں باطل ہے بلکہ ایسا کرنا منافقانہ فعل تصور ہوگا۔ منافق خارج از دین قرار دیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خالق کائنات۔ مالکِ کُل ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی کسی لغزش کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اِس کی صفت تَوَّابُ الرَّحِیۡم ہے۔ وہ اپنے بندوں کی بغاوت و نافرمانی پر درگزر کر جاتا ہے ـــــ اِسی ذات نے دُنیا کے جابر سے جابر۔ باغی سے باغی۔ شدّاد۔ نمرود۔ فرعون جیسے انسانوں کو خود عزت و جلال دیا۔ ان کی بغاوتوں پر درگزر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کی موت کا وقت آیا ہاں! ان کا فیصلہ قیامت پر موقوف رکھا۔ حضورؒ فرماتے ہیں۔ یاد رکھو۔ یہ امر اللہ تعالیٰ کی شانِ صمدیت کے خلاف ہے کہ وہ خود کسی انسان کے مقدر میں شقاوت لکھے۔ ایسا نہیں۔ بلکہ انسان خود اپنے آپ کو لائق عذاب بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آدم سے لے کر قیامت کے آخری فرد تک اِنِّی جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً کے تصوّر میں فطرت اسلام پر پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ماں سے ستّر درجہ زیادہ محبت رکھتا ہے ـــــ شدّاد۔ نمرود۔ فرعون بھی انہی بندوں میں شامل ہیں۔ اِس کی خواہش ہے کہ اس کا بندہ نجات یافتہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَ لَکُمۡ مَا کَسَبۡتُمۡ تمہاری سعادت و شقاوت تمہارے اپنے ہاتھوں سے ہے اور میں نے تمہارے لیے رحمانیت اور رحیمیت کی راہیں آسان و کشادہ کر رکھی ہیں کہ تم ہر حال میں نجات یافتہ ہو سکو۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے درگزر کرتا ہے تو بندہ کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ اپنے بھائی سے بہرحال درگزر سے کام لے۔ خواہ وہ اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ کسی انسان کی نافرمانی پر ذاتی طور نفرت و غضب کا اظہار نہ کرے۔ یہ جانے کہ ہر انسان اولادِ آدم سے ہے۔ انسان انسان کا حقیقی بھائی ہے جس میں غیریت کا کوئی تصور قائم نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں اپنے بھائی کے نقصان پر اس کی آئندہ۔ گزشتہ تکالیف و مصائب کا احساس کرتے ہوئے اس کے لیے جذبہ احسان پیدا کر کے اس سے محبت کرے۔ اس کی تکلیف کا احساس کر کے خود دکھ محسوس کرے۔ جیسا کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ میں تھا کہ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ آپ کفار پر ان کے اعمال کے سبب عذابِ آخرت سے دُکھی رہتے تھے۔ لہٰذا۔ لازم ہے اپنے انسان بھائی سے محبت رکھو۔ اس کے قریب ہو جاؤ۔ اس کی اصلاح کی کوشش کرو البتہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ خود اپنے محبوب کی بے عزتی اور تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ لہٰذا صاحبِ ایمان کے لیے دشمنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر حال میں دشمنی رکھنا فرض ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔ اعمال میں سب سے بہتر عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم اور محبت ہے بلاشبہ حضورؐ قبلہ عالم سُنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت دوست دشمن سے مروت و احسان سے پیش آتے اور ہر شخص کے لیے فیض کا دروازہ کھُلا رکھتے۔

علم و دانائی

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ حصُولِ دین و دُنیا میں "دانائی" اختیار کرو۔ دانائی سے مُرادِ عقل کی راہنمائی۔ عقل ہی سے انسان اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے۔ عقل سے راہ حق تلاش کرنے میں راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَالۡعَقۡلُ

اَصْلُ دِیْنِیْ ۔ میرے دین کی اصل عقل ہے۔ نادان ہونا حقیقت سے دُوری ہے نادانی انسان میں تکبّر پیدا کرتی ہے۔ تکبّر میں عقل معطل ہو جاتی ہے۔ انسان جان بوجھ کر حق قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس دانائی سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ خود اعتمادی پیدا ہو تو انسان حق بات کہنے میں بے باک ہوتا ہے ۔۔۔ اس حال میں انسان حق کو زیادہ پسند کرتا ہے جس سے انسانی کردار بلند ہو جاتا ہے۔ اسی کردار سے انسانی شخصیت نکھر جاتی ہے۔ تو ہر شخص اس کی عزت کرتا ہے۔ اس عزت افزائی سے انسان زیادہ نیکی پر عامل ہونے کا خوگر ہو جاتا ہے۔ جو انسان عوام الناس میں مقبول ہو وہ خدا اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کے نزدیک بھی مقبول و پسندیدہ ہوتا ہے۔ جو شخص اللہ و رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ فطری طور پر اس میں عجز پیدا ہوتا ہے۔ ایسا انسان خواہشاتِ نفسانی کی شر سے محفوظ رہتا ہے اس کا ہر عمل اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کے تحت احسن اور نتیجہ خیز ہوتا ہے یہی عمل انسان کی سرخروئی کا ضامن ہوتا ہے۔

تقویٰ

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اپنے عمل کا محاسبہ کیا کرو۔ اپنی کمزوریوں پر ہر لحظہ نظر رکھو۔ اپنی کمزوریوں کو لوگوں کی نظروں سے چھپانے سے بہتر ہے کہ انہیں دُور کرنے کی کوشش کرو۔ اپنی سادہ کمتر حیثیت کو امیرانہ مصنوعی لباس۔ اور ملمع سازی سے چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ لباس تقویٰ اختیار کرو تاکہ کمتر حیثیت میں بھی تمہیں تقویٰ کی بدولت حقیقی عزت حاصل ہو۔ تصنّع سے حاصل کی ہُوئی عزت سے انسان غرور و حسد کا شکار ہو کر فتنہ کا سبب بن جاتا ہے۔ مصنوعی ساکھ قائم رکھنے کے لیے انسان میں دھوکہ اور فریب کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اس کا اخلاق گر جاتا ہے۔ وہ مجسم راز بن جاتا ہے۔ جس راز کو چھپانے کے لیے اسے بار بار جھُوٹ بولنا پڑتا ہے۔ انجام کار ایسا شخص بجائے اعتماد حاصل کرنے کے اپنا اعتماد کھو بیٹھتا ہے۔ لوگ اس کی سچّی باتوں پر بھی اعتماد نہیں کرتے اس طرح انسان لوگوں کی نظروں سے گر کر ذلیل و رُسوا ہو جاتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق جس حال میں ہو اسی حال میں لوگوں کے سامنے پیش ہو۔ حسنِ اخلاق اور اعمالِ صالح سے اپنی حیثیت

کو زینت دے تاکہ خود بخود لوگ اس کی عزّت کریں اور اس پر بھروسہ کریں۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان اِس کے لباس سے پہچانا جائے بلکہ حسنِ کردار سے پہچانا جاتے۔ ایک بااخلاق شخص پھٹے کپڑوں میں بھی مقبولیت حاصل کرتا ہے۔ لازم ہے کہ انسان۔ انسان سے عزّت و تکریم حاصل کرنے کا جذبہ دل میں نہ رکھے بلکہ اعمالِ صالح اور حسنِ اخلاق اختیار کرکے اللہ اور رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشنودی ہی اپنا مقصد قرار دے۔

کبریائی

اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت اللہ اکبر ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اللہ کی خصوصی صفت جس میں اس کا شریک نہیں اَللّٰہُ اکبر ہے۔ اللہ سب سے بلند و بالا ہے۔ یہ اس کی لامحدودیت کی علامت ہے یہی لامحدودیت اللہ کی ذات کی ماسویٰ سے بلند مقام کی نشاندہی کرتی ہے۔ اِس لیے انسان میں کسی قسم کی بڑھائی کا تصوّر شرک کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقابل کسی مخلوق کا "کبر" برداشت نہیں کرتا۔ انسان کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے بلند مرتبہ عطا کیا —— لیکن مخلوق ہونے کے اعتبار سے۔ وہ ہر حال میں محتاج ہے —— وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اللہ غنی ہے۔ اور تم محتاج ہو —— اِس احتیاج میں انسان اپنی تقدیر میں بااختیار نہیں اور وہ شخص جو معرفتِ الٰہی میں مشاہدہ اسرارِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی وحدانیت کے آثار و اسرار سے کماحقّہٗ آگاہ ہو کر اللہ اکبر کی حقیقت پہچانتا ہے —— بلاشبہ اسے اپنی ذات ہر حیرتِ حقیقی میں حقیر نظر آتی ہے۔ پھر اس میں ذرّہ بھر "کبر" کا اثر باقی نہیں رہتا —— یہ حقیقت ہے کہ سوائے اللہ کی ذات کے کائنات میں "کبر" کا کوئی حقدار نہیں۔ اس تصوّر کو قائم کرنے سے ہی خود اپنی ذات کی نفی ہو جاتی ہے —— یہی تصوّرِ حقیقی نفی کا ہے —— جس سے اثبات کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اپنی ذات کی نفی اور اللہ کی کبریائی کا تصوّرِ حقیقی معرفت کی علامت ہے۔ جو شخص اللہ کے آگے حقیر حیثیت میں پیش ہو وہی کائنات میں معزز کہلاتا ہے —— کہ اس نے حق "عبدیت" پُورا کیا۔ مقامِ عبدیت ہی مقامِ انسانیت ہے۔ ایسا انسان

سوائے اللہ کے کسی مخلوق کا نہ محتاج رہتا ہے نہ ماسویٰ کی اس کے دل میں طلب باقی رہتی ہے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم

حضور فرماتے ہیں کہ انسان اولادِ آدم سے ہے۔ ہر انسان جسمانی تخلیق میں یکساں حیثیت سے پیدا ہوتا ہے۔ پیدائشی اعتبار سے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں نہ کوئی انسان کسی فرد کو اپنے سے کمتر سمجھے نہ خود فخر کرے۔ فخر بے جا غرور سے تعبیر ہوتا ہے۔ غرور کے معنی دھوکہ ہے۔ دھوکہ سے مراد خود کو اس حقیقت سے دیکھنا جو صفت اس میں نہ ہو۔ انسان ہر حال میں ضعیف ہے۔ ضعف میں تنزل کا مادہ ہے۔ ضعیف محتاج ہوتا ہے محتاج اپنی بڑھائی جتا نہیں سکتا۔ یہ انسان کی فطری خاصیت ہے۔ ایسی صورت میں انسان کے لیے بے جا فخر و غرور لازم نہیں سوائے اس کے کہ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اونچا مقام پایا۔ قرآن نے بتایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تحقیق تم میں سے بڑا وہ ہے جو پاکیزگی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے۔ ہاں انسان خود بڑا نہیں بن سکتا۔ البتہ اللہ خود کسی کو بزرگی دیتا ہے۔ بزرگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ انعام پر موقوف ہے۔ دُنیا کا کوئی شہنشاہ ہو۔ سربراہِ مملکت ہو۔ ادیب ہو یا خطیب ہو۔ سپہ سالار ہو یا جرنیل ہو۔ یا عدلیہ کا قاضی یا جسٹس ہو۔ مفکر ہو یا موجد ہو۔ صاحبِ جائیداد امیر ہو یا تاجر۔ بزرگ نہیں کہلا سکتا جب تک کہ اصولِ الٰہی کے تابع اس کی شخصیت۔ اِس کے کردار میں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کی خصوصیت موجود نہ ہو ورنہ یہ خوبیاں کسی کی بزرگی کی ضمانت نہیں بن سکتیں اِس حیثیت میں کسی شخص کے لیے نسلی برتری پر فخر کرنا جائز نہیں جب تک کہ اِس نسلی برتری میں تقویٰ کی صفت موجود نہ ہو۔

خلیفہ فی الارض

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا مقصد واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اِنّیِ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط یعنی تخلیقی حیثیت میں انسان طین لاذب سے بنایا گیا۔ جو اپنی صفت کے اعتبار سے خاکی اور سفلی مادہ کی حامل ہے۔ خاکی حیثیت تخلیق کی کمتر حیثیت قرار دی گئی ــــ جیسا کہ شیطان کے قول سے ظاہر ہے۔

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ ج خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ ہ

(پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۱۲)

انسان کی تخلیق میں خاکی عنصر ہے جو نار سے کمتر ہے۔ گویا خاک نار سے کمتر ثابت ہے۔ بلاشبہ خاک ہیئت نار سے کمتر ہے۔ لیکن شیطان اَنَا خَیْرٌ کے دعویٰ سے ہی راندۂ درگاہ ہوا۔ لہٰذا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا دعویٰ ہی حق سے دُوری کا سبب بنتا ہے۔ انسان کے لیے البتہ خَلِیْفَۃً کی صفت اسے نور سے افضل قرار دیتی ہے۔ خلیفہ سے مُراد صاحب تسبیح و حمد۔ متقی صفت کا حامل انسان یہی صفت انسان کو بزرگی عطا کرتی ہے کہ انسان متقی عبادت گزار ہو۔ اِس مقام پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ انسان کے لیے سوائے تسبیح و حمد اور تقویٰ کے کوئی عمل لازم نہیں اور انسان اِس عمل میں اپنی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

انسان کی فطری تخلیق کا تقاضا تھا۔ کہ وہ خلیفہ کی حیثیت میں تقویٰ تسبیح و عبادت قائم رکھتے ہوئے حصولِ دُنیا میں ضرورت سے زیادہ نہ اُلجھتا۔ تو اس کا عمل خاص تسبیح و عبادت اور تصورِ معرفتِ الٰہی قائم رہتا۔ اسے حصولِ دُنیا میں جستجو کی ضرورت نہ تھی۔ جب کہ قدرت نے۔ اس کی پیدائش سے قبل۔ اس کا سامانِ زندگی وافر مقدار میں مہیا کر رکھا تھا جس کے لیے اسے جدّو جہد کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر انسان لذّتِ نفس۔ خواہشاتِ نفسانی کی بے جا تکمیل میں ذہن کو اُلجھا کر تسبیح و حمد اور تصوّرِ الٰہی سے دُور ہوتا گیا کہ انسان مضمحل ہو کر اپنی پاکیزگی نفس اور تسبیح و عبادت کو قائم نہ رکھ سکا۔

انسان کی پستی کا سبب فطری قانون سے انحراف ہے

درحقیقت انسان کے لیے پستی کا کوئی مقام نہیں۔ خلیفہ کی حیثیت سے انسان تسبیح و عبادت کے اعتبار سے افضل قرار دیا گیا ــــ سوائے اس کے کہ عملی حیثیت پر اس کی پستی کو محمول کیا جائے۔ عملی حیثیت میں ہی کوئی انسان اپنے حقیقی فرائض سے تغافل برت کر اپنی قوت کو غلط استعمال کر کے جابر و ظالم شہنشاہ بن جاتا ہے۔ دوسری طرف اس تغافل کے باعث انسان کمزور ہو کر ذلیل سے ذلیل کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ سوائے اس کے کوئی مادی اقتدار۔ کوئی مادی خصوصیت۔ خواہ وہ کسی شعبہ حیات سے متعلق ہو۔ وجہ بزرگی قرار نہیں دی جا سکتی۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ اللہ کی رسی مضبوطی سے تھام رکھو اور آپس میں "فرق" نہ کرو۔ الگ الگ نہ ہو ــــ اس بیان میں حَبْلِ اللّٰہِ دین ہے۔ دین تسبیح و عبادت سے تعبیر ہے ــــ کہ تسبیح و عبادت پر قائم رہنے میں ایک دوسرے سے محبت کا رشتہ قائم کرو ــــ اور آپس میں کمتری برتری کا احساس نہ رکھو۔ غیریت کا تصوّر نہ رکھو۔ کیونکہ انسان ابنِ آدم سے ہے ــــ اور اس تصوّر کو "ایمان" سے تقویت دی گئی۔

نماز میں اجتماعیت کا تصوّر محض دین کے لیے ہے

حصولِ دین کے لیے نہیں

جب تک تم مومن ہو تو ایک دوسرے کے بھائی ہو۔ ایمان سے خالی۔ نہ مومن مومن رہ سکتا ہے۔ نہ بھائی بھائی رہ سکتا ہے ــــ تسبیح و حمد میں معاونت سے مراد۔ حصولِ عبادت۔ حصولِ نجات آخرت میں ایک دوسرے کے لیے ماحول پاکیزہ رکھ کر۔ پاکیزہ معاشرہ تشکیل دو۔ کہ ہر انسان کو حصولِ دین حصولِ حق کے لیے آسانی حاصل ہو۔ یہ طریق ایک اجتماعی شکل پیدا کرتا ہے۔ لیکن یہ صورت محض دین کے لیے ہے۔ مادی اقتدار کے حصول کے لیے نہیں۔

اور اس طریق کی ضرورت بھی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسانیت میں محض حصولِ دنیوی میں بے جا حصول کی وجہ سے انتشار۔ بغض و عناد اور فساد غالب ہو ــــ ایسے موقع پر قرآن نے "دین" کی صورت میں ایک ضابطہ پیش کیا جو ضابطہ تسبیح و حمد عبادت کا حامل ہو۔ جس کا مظاہرہ عبادت۔ یعنی ارکانِ اسلام و ایمان سے کیا گیا۔ ارکانِ اسلام میں الصّلوٰۃ ۔ یعنی نماز ایک ایسا عمل ہے جس میں اجتماعیت کا خصوصی تصوّر پایا جاتا ہے۔ یہ عمل انفرادی طور پر بھی ہے اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ کی صُورت میں اجتماعی صورت میں لازم و واجب کیا گیا ــــ جس میں نماز باجماعت۔ جُمعہ۔ عیدین کے اجتماعات کو لازم قرار دیا گیا۔ لیکن یہ عمل بھی فرق مراتب میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز کا تصوّر یکسر مٹانے کے لیے قائم ہوتا ہے۔ اور نفرادی حیثیت میں انسانی عمل میں اسکی جستجو۔ جدوجہد۔ محنت و حب سے اس کا مقام ارفع بہرحال حاصل کرنا۔ ایک اہم تصوّر ہے۔ البتہ جب کہ قرآن سے یہ بات واضح ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان سے اس کی انفرادی حیثیت میں حساب لیا جائے گا۔ کوئی شخص بھی کسی کا مددگار نہ ہوگا نہ حمایت کر سکے گا البتہ اجتماعیت۔ انفرادی حیثیت میں مقام ارفع حاصل کرنے میں آسانی کا سبب بنتی ہے ــــ تاہم بحیثیت متقی۔ انسان میں یہ تصوّر مضبوط ہو جاتا ہے کہ انسان پیدائشی حیثیت میں برابر کا درجہ رکھتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کے لیے اپنے بھائی کی ہر طرح عزّت و تکریم اور مقصد زندگی میں ایک دوسرے کی معاونت لازم ہو جاتی ہے ۔

عبدیت :

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ کہ سوائے اس کے نہیں۔ کہ اللہ اور انسان کا تعلق عبد و معبود کے تصوّر سے ہے۔ عبدیت ذاتِ باری کے اثبات اور اپنی ذات کی نفی اور انکساری کا بہترین نمونہ ہے ــ جو الصّلوٰۃ کے عمل سے پورا ہوتا ہے۔ الصّلوٰۃ عبدیت کا بہترین مظاہرہ ہے ۔ الصّلوٰۃ (نماز) میں اظہارِ عجز ہے ــ عجز اسلام کی اور عمل کی رُوح ہے ۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اَلْعِجْزُ فَخْرِیْ عجز میرا فخر ہے۔ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ نماز میں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ۔ عجز اختیار کرو تو نہ تمہارا کوئی دشمن ہوگا نہ تم

کسی سے دشمنی کرو گے۔ اس طرح نماز کی ادائیگی سے انسان دُنیا کے ہر شر سے محفوظ رہتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے۔ یہی وہ عمل ہے جو انسانی تفریق کو ختم کر کے مساواتِ انسانی کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ مظاہرہ ہے جس سے انسان میں فساد و خونریزی کا مادہ ختم ہو کر اس کے لیے طلبِ حق کی راہیں کھُل جاتی ہیں۔

فرمودہ "اکثر عذابِ قبر عذابِ حشر کا تصوّر کیا کرو"

حضور فرماتے ہیں اپنی دُعاؤں میں عجز اختیار کرو۔ تم رحم و کرم کے مستحق ہو جاؤ گے تم دُعا میں پکارو! اے اللہ میں ضعیف ہوں۔ ناتواں ہوں ۔ اے اللہ میں ذلیل و بے ہمت ہوں ۔ تیری ذات کے لیے جیسا کہ لائق ہے اور مجھ پر واجب ہے۔ میں تیرے احکام کی پیروی نہ کر سکا نہ کر سکتا ہوں تو میری مدد کر و اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ مجھ پر فضل کر۔ مجھے اپنی طرف سے عبادت کی توفیق بخش کہ میں تیری عبادت کروں مجھ سے عبادت کرا۔ نیکی تیری ذات سے وابستہ ہے۔ بدی میری اپنی ذات سے ہے ۔ تو درگزر فرما ۔ تو اللہ تمہاری عاجزی پر رحم فرمائے گا۔ تم پر فضل کرے گا۔ تمہاری مدد کریگا ۔ تمہارے لیے بدی کی راہ بند کر دے گا۔ تمہارے دل میں توجّہ ڈالے گا کہ تم عبادت کی طرف مائل ہو جاؤ گے۔ بدی سے نفرت کرو گے۔ یہی اِس کا فضل ہے ۔ کہ وہ عاجزی کرنے والے بندے کی اپنی طرف سے مدد کرتا ہے۔ نیکی کی راہیں کھول دیتا ہے۔ اِس پر توجّہ ڈال دیتا ہے۔ تو لازم ہے کہ انسان اپنے بُرے اعمال کا احساس کرتے ہوئے۔ عذابِ قبر ۔ عذابِ حشر کا اکثر تصور رکھے اور آنے والے زمانہ کی حشر تا کی سے خوف زدہ ہو ۔ تو انسان کے قلب پر خوفِ عذاب سے رقت طاری ہوتی ہے۔ انسان میں عجز پیدا ہوتا ہے۔ ہاں ایہ امر ضروری ہے کہ اللہ کے نزدیک اس حال میں جاؤ کہ تمہاری زبان اور دل کی آواز ایک ہو۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے الفاظ ادا کرو مگر دل خوفِ قیامت سے خوف زدہ نہ ہو۔ دل پر رقت طاری نہ ہو۔ ایسی دُعا قبولیت کا درجہ نہیں رکھتی۔ جب تک انسان کو اپنے اعمالِ بد کا احساس نہ ہو اور اس امر پہ مائل ہو کہ خود گناہوں سے باز رہنے کا عہد کرے۔ ہاں ارادہ کرو تو پختہ کرو ۔ وعدہ کرو

تو پختہ کرو۔ تو اللہ سے اجابت کی اُمید رکھ سکتے ہو۔۔۔ ضروری ہے کہ اپنے گناہوں کا کھوج لگاؤ ان پہ ندامت اور خوف کا احساس پیدا کرو۔ جانو تم پر دو وقت شدید آنے والے ہیں۔ جو اٹل ہیں۔۔۔ وہ ہیں۔ قبر۔۔۔ اور قیامت۔ قبر اور قیامت کا بار بار تصور کرتے رہو۔۔۔ قیامت کی ہولناکی شدید ہے۔ ایسا ہی خوف قلب پر طاری کر کے دُعا مانگو۔ کہ اللہ آخرت۔ قبر اور قیامت کی ہولناکی سے مجھے محفوظ رکھ۔ یہ تصور نہایت ضروری ہے۔

"فرمودہ" اللہ کی خوشنودی کے لیے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ (دُعا عبادت کا مغز ہے) یعنی دُعا سے وَ اللّٰہُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ یہ طریق بھی عبدیت کا مظہر ہے۔ اظہارِ عبدیت سے ذاتِ باری کا دریائے رحمت جوش زن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُمت کے لیے دُعا کرنا لازم کرتا ہے کہ

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم مومنوں کے لیے دُعا مانگا کرو۔۔۔ یہی طریق انسان کے لیے مقرر ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے رسُول و نبی کو وسیلہ بنائے۔ قرآن نے بتایا ہے۔ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنے میں وسیلہ حاصل کرو۔ لٰہذا بہتر ہے کہ حصُولِ خیر میں ایک نائب رسُول ولی کی شفاعت سے وسیلہ حاصل کرو۔ وسیلہ حاصل کرنے کا طریق ولی کی صحبت و بیعت اختیار کرنا اور ولی سے نسبت و محبّت قائم کرنا۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جس شے سے محبّت رکھتا ہے اسی کے ساتھ قیامت میں اُٹھایا جائے گا۔ ایک ولی سے محبّت کی جائے تو وہ ولی اس کا شافع ہوگا۔ قیامت کے دن اِسی کے ساتھ اُٹھے گا۔ ولی محبُوبِ الٰہی۔۔۔ محبُوبِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ لٰہذا ولی قیامت کے دن محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لِوَاءِ الْحَمْدِ کے سایہ میں ہوگا اور جس نے ولی سے نسبت قائم کی اور اِس نسبت کو زندگی تک قائم رکھا وہ قیامت کے دن اپنے محبوب کے ساتھ لِوَاءِ الْحَمْدِ کا سایہ پائے گا۔ ایک دن حضور قبلہ عالمؒ کے مُریدوں میں سے ایک صاحب نے مولانا روم کا شعر حضور

کے سامنے پڑھا۔

لب بستہ خفتہ در بیع شری
مشتری بے حد کہ اللہ اشتری

شعر سنتے ہی آپ پر جلالی کیفیت طاری ہوگئی۔ فرمانے لگے طریقت کا اصل الاصول ہے کہ مرید کے لیے طالب حق ہونا ضروری ہے کہ وہ محض معرفتِ الٰہی۔ رضائے الٰہی ــ اور صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے۔ ایک پیر اکمل کی راہنمائی کا طلب گار ہو ــ سوائے اِس کے کہ مرید صادق کے لیے۔ حصولِ دُنیا سے دستبردار رہو کر۔ اپنی سعی و جہد کو رضائے الٰہی کے لیے وقف کرنا ضروری ہے۔ قرآن نے حصولِ حق کے لیے ایک خاص تصور دیا۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝

(پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲-۵۳)

تحقیق آپ صراط مستقیم پر پہنچانے والے ہیں اور صراط مستقیم پر پہنچانے میں راہنمائی کرنے والے ہیں۔ صراط مستقیم کیا ہے؟ صراط اللہ۔ اللہ کا راستہ۔ اللہ کا راستہ کیا ہے؟ وہی جو زمین سے آسمان سے ہوتا ہُوا جاتا ہے۔ اِس بیان میں راہِ حق کی نشاندہی کی گئی ہے اور راہِ حق پر چلنے کے لیے ایک رسُول کی راہنمائی کو لازم کیا گیا ہے صراط مستقیم اللہ کے راستہ کا تعین کیا گیا ہے کہ یہ آثار و اسرار ملکوتی سے منصوّر ہوتا ہے۔ جسے اسرارِ الٰہی سے تعبیر دیا گیا ــ جسکی آخری منزل معرفتِ الٰہی ہے ــــ یہی طریق طریقت سے تعبیر ہے اور اس کے حصول کے لیے ایک رسُول کی راہنمائی لازم کی گئی ہے کہ

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

(پارہ ۲۸ سورۃ ۵۹ آیت ۷)

حصولِ حق کی تلاش میں ایک رسُول کی راہنمائی میں اتباعِ رسُول لازم ہے لہٰذا تم اپنے ارادے ساقط کر کے رسول کے حکم کی پیروی کرتے رہو۔ رسُول جو کچھ تمہیں عمل کرنے کو کہے اسی کو پکڑو اور جس سے باز رکھے اس سے باز رہو۔ اِس حکم میں اپنے ارادے

کو ساقط کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ رسُول کے بعد یہ مقام اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو رسُول کی اتباع میں صراطِ مستقیم اور صراطِ اللہ کے مراحل و منازل طے کر کے معرفتِ الٰہی حاصل کرتا ہے اس حال میں کہ وہ تمام آثار و اسرارِ الٰہی سے کما حقہ، مشاہدہ و آگاہی حاصل کیے ہو یہ ہستی قائم مقام رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم۔ نائبِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم خلیفہ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم ولی اکمل ہوتا ہے۔ لہٰذا معرفتِ الٰہی میں یہی شخص ایک طالب حق کی راہنمائی کا دعویٰ کرنے کا مجاز ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اگر کسی مدعی کو معرفتِ الٰہی کے آثار و اسرار سے مشاہدہ و آگاہی حاصل نہ ہو تو وہ نہ نائبِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم نہ عالمِ اُمت کہلانے کا مستحق ہے نہ وہ کسی طالب حق کی راہنمائی کرنے کا مدعی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ طریقت کا اصل الاصول ہے کہ پیر کے لیے اس وقت تک بیعت کرنا لازم نہیں جب تک کہ وہ کسی کے ارادے کو ساقط کر کے اس کے خیر و شر کی ضمانت دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ یہ امر مرید کے لیے نازک مقام ہے۔ کہ مرید اپنی خواہشات کو ترک کر کے پختہ عزم کے ساتھ قائم رہنے کی استقامت کرے اور پیر ایک شخص کے خیر و شر کی ذمّہ داری اپنے سر لے کر اللہ تعالےٰ کے سامنے یومِ حساب میں سرخرو ہو سکے۔ یہ آسان کام نہیں! اس کے لیے انسان نے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ پیر اکمل ہو تو اس کا کام آسان ہوگا ورنہ بغیر قدرت کسی انسان کی خیر و شر کی ذمّہ داری لے کر اُسے پُورا نہ کرنا۔ یومِ حساب میں ذلّت و رسُوائی کا سبب ہوگا۔ یہ ایک عظیم نقصان ہوگا جس کا واقع ہونا یقینی ہوگا۔ بلا شبہ یہ ایک نازک مقام ہے اس کے لیے ایک ولی کو معرفتِ الٰہی میں اکمل اور اتباعِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم میں محبوبیت کا مقام حاصل ہونا لازمی ہے۔ یہ ذمّہ داری بغیر اکملیت اور محبوبیت قبول نہیں کی جا سکتی۔ اصولِ طریقت کے مُطابق کسی شخص کا بغیر کاملیت کے راہنمائی کا دعویٰ کرنا اس حال میں کہ ایک طالبِ حق ایسے شخص پر اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ کی صورت میں بھروسہ کر کے اپنی خواہشات سے دستبردار ہو کر اپنے ارادہ کو ساقط کر کے اپنے مقصد میں کامیابی کی اُمید رکھ کر اس کے حکم پر چلے اور پیر اس کے مقصد کی تکمیل نہ کر سکے ایسے شخص کے لیے یومِ حساب میں ذلّت و رسوائی کا سامنا ہوگا ــــــ افسوس ہے

ان لوگوں پر جو بغیر اکملیت کے راہنمائی کا دعویٰ کر کے عوام المسلمین کو اپنے اعتماد میں لیکر اپنی اور طالبانِ حق کی گمراہی کا سبب بن کر محض اپنی خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل میں راہنمائی کرنے کی جرأت کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اس کردار سے طالبانِ حق حصولِ حق میں محروم ہو کر راہ سے دُور بھٹک جاتے ہیں جس کا نتیجہ ایک طرف ان کے کردار سے دین کی ہئیت مسخ ہو جاتی ہے اور دوسری طرف طالبانِ حق کے لیے حصولِ حق کی راہیں دشوار ہو جاتی ہیں۔ یہ مقام نہایت نازک ہے! کہ طالبانِ حق حصولِ حق میں۔ دُنیا کی تمام لذتوں سے دستبردار ہو کر صرف حصُولِ معرفتِ الٰہی کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دے اور پیر ایک طالبِ صادق کو معرفتِ الٰہی میں تکمیل کی ضمانت دے کر اس کے مقصد کی تکمیل کر دے۔ ہاں سلسلہ اویسی کے طالبانِ حق کا یہ ایمان ہے کہ وہ حضور قبلہ عالم حضرت محمّد امین صاحب اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر ایمان لا کر اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ کے قولِ الٰہی کے مطابق اپنی ذات کو ایسی اولوالعزم ہستی کے سپرد کر دیتا ہے۔ اِس حال میں حضور عالی مقام نائبِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم اکملیت و محبوبیت کے مقام پر فائز ایک طالبِ حق کو مشاہدۂ اسرارِ الٰہی۔ معرفتِ الٰہی کی تکمیل کر دیتے ہیں جس کی بیّن مثال حضور کے مریدوں میں کثرت سے حضوری اجلاسِ محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم اور معرفتِ الٰہی میں کامل اکمل پائے جاتے ہیں اور انہیں یہ یقین حاصل ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے پیر اکمل کی معیت میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لِوَاءِ الۡحَمۡدِ کے سایہ میں وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ قیامت کی ہولناکی سے محفوظ ہوں گے۔

حضور قبلہ کا وعظ سُننے سے بھی حضوری ہو جاتے ہیں

حضور قبلہ عالم کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کی مجلس میں لوگ آپ کے پُر حکمت وعظ سُننے سے بھی حضوری ہو جاتے۔ حضور جب اپنے مریدوں میں مجلس فرماتے تو آپ کے طرزِ کلام میں بظاہر وعظ کا طریقہ نہ ہوتا۔ عام حیثیت میں عام عقل کے مطابق رسمی بات چیت شروع ہو جاتی تو رفتہ رفتہ اِس کلام کا رُخ حقیقت کی طرف ہو جاتا ـــــ اِس گفتگو میں آپ بہت

سے رموز و اسرار بیان فرماتے ایسا محسوس ہوتا جیسے سامعین پر حقیقت کے آثار القا ہو رہے ہیں۔ حضور اکثر اپنے مریدوں کو آدابِ طریقت سے روشناس فرماتے کہ بغیر علم فقیری بے زینت لباس ہے۔ حضور قبلہ عالم اپنی مجلسوں میں آدابِ مجلس بیان فرماتے کیونکہ آپ کی مجلس میں مختلف الخیال لوگ جمع ہوتے اِس لیے یگانگت و ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ٹھوس اصول بیان فرماتے جو ہر شخص کے حسبِ حال ہوتے اور کسی شخص کو سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی — گویا — مکتبِ فکر — عقیدہ کے فرد کو اس کے فہم کے مطابق خود بخود راہنمائی حاصل ہو جاتی۔ یہ حضور کی معجز بیانی کا اثر تھا کہ غیر مذہب کے لوگ بھی آپ کے کلام سے سبق حاصل کرتے۔ اس کے باوجود حضور فرماتے۔ کہ اپنے علم۔ اور نیک عمل پر فخر مت کرو یہ غرور کی علامت ہے۔

نفسِ امارہ کی تفصیل

حضور فرماتے ہیں کہ انسانی تخلیق میں — انسانی وجود میں رُوح حیوانی نفسِ امارہ سے موسوم ہے — یہ ایک ناری قوت ہے۔ اِسی ناری قوت سے جنّ اور شیاطین بنتے ہیں — قرآن سے واضح ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ[1] كَالْفَخَّارِ ۙ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ

---

[1] صلصال کیا ہے؟ مفسرّین نے صلصال کی تفسیر میں تخلیقی ترتیب کا صحیح تصوّر پیش نہیں کیا۔ ان کے مطابق صلصال کی تفسیر میں جو ترتیب پیش کی گئی اس میں مبالغہ ہے۔ کہ انسان (آدم) کو مٹی کا پتلا بنایا پھر یہ مٹی ہوا لگنے سے کھنکھنانے لگی — یہ تصوّر فطری تخلیق سے مطابقت نہیں رکھتا — جبکہ آدم کے پُتلے کو ٹھیکری کے مانند وجود پانے کی نہ ضرورت تھی۔ نہ اس کے وجود میں ٹھیکری کے مانند بجنے والی مٹی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ درحقیقت اس آیت میں انسانی وجُود کے بنیادی مرکب کی نشاندہی کی گئی ہے کہ انسان کی اصل ٹھیکری کے مانند بجنے والی مٹی ہے اور اس آیت میں دانستہ طور وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے اور بنایا جنوں کو (زمین ناری کی) آگ کی لوؤں سے۔ انسانی وجود میں یہ شہوانی قوت سے موسوم ہے۔ یہ قوت ناری قوتوں کی جنس سے ہے اس کا مقابلہ نہایت کٹھن اور مشکل ہے۔ اسی شہوانی قوت پر انسان کی صحت اور تندرستی کا انحصار ہے۔ یہ قوت جسم کے ذرہ ذرہ میں پیوست ہے۔ انسانی ارادے کی تکمیل جسمانی حرکت و عمل سے ہوتی ہے ــــ لہٰذا انسانی حرکت و عمل میں انسانی جسم کا صحت مند ہونا ضروری ہے۔ جس قدر جسم صحت مند ہو۔ اسی قدر ارادہ کے عمل کی صحیح تکمیل ہو سکتی ہے۔ انسانی صحت کا دارومدار ــــ صاف۔ پاکیزہ اور قوی غذا سے ہے۔ پاکیزہ غذا سے پاکیزہ خون بن جانا اور پاکیزہ خون سے قوی مادۂ منویہ بننا ــــ قوی مادہ سے جسم کے گوشت پوست۔ ہڈیاں اور دیگر اعضاء انسانی بنتے ہیں۔ مادۂ منویہ کو شہوت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہی مادۂ منویہ دراصل رُوح و جسم کا مرقع ہے۔ اِسی مادۂ منویہ کی رُوح۔ انسانی رُوح حیوانی سے موسوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۲)

(اور بنایا جنّوں کو زمین کی ناری قوت سے آدم سے پہلے۔ کا بیان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جن یکسر ناری قوت ہیں۔ یہ زمین سے پیدا کیے گئے۔ ظاہر ہُوا کہ زمین ابتداً ناری تھی۔ سائنسی تحقیق سے بھی یہ واضح ہے کہ زمین بھی مثل دیگر سیاروں کے سیارہ ہے۔ تمام سیارے ناری فضا میں ناری حیثیت رکھتے ہیں۔ اِس لیے ابتدائی طور زمین کا ناری ہونا محقق ہے۔ اِسی ناری زمین کی ابتدائی ہیئت سے جن بنے اور زمانہ گزرنے کے ساتھ جب زمین تنزل پذیر ہوتی رہی تو ایک زمانہ نار و خاک کی درمیانی حالت میں یہ ٹھیکری کی مانند بنی۔ اِسی کیفیت کی طرف صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ کا اشارہ ہے۔ ورنہ بغیر آگ کی آمیزش کے مٹی کا ہوا سے کھنکھناتی ہونا۔ فطری تخلیق کے خلاف تصوّر ہے۔ اِس امر سے واضح ہے۔ کہ انسان کے مرکب میں ناری عنصر بھی موجود ہے یہی ناری عنصر روحِ حیوانی سے موسوم ہے۔ یہی وجود انسان کا بنیادی وجود ہے۔ اِسی ناری وجود کی اصل زمین ناری سے ہے۔ یہی ناری وجود حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ میں مقام کر کے مٹی کا محسوس وجود پا کر آدم کی شکل میں محسوس ہوتا ہے اور آئندہ اِسی ترکیب سے رحمِ مادر میں بھی ایک ناری ذرّہ خون رحم جذب کر کے وجودی ہیئت اختیار کر کے بشر کی شکل میں پیدا ہوتا ہے۔

ہے۔ جو دراصل ناری مرکب ہے۔ ناری اعتبار سے یہ قوتِ شہوانی اثرات کی حامل ہے۔
ظاہر ہے انسانی صحت خون اور مادۂ منویہ پر ہی موقوف ہے اس لیے جس حد تک یہ شہوانی قوت قوی و پاکیزہ ہو اسی قدر انسان صحت مند رہ سکتا ہے۔ شہوانی قوت کی خاصیت جسمانی قوتوں کو صحت مند حالت میں رکھنا اس کے علاوہ۔ غصہ۔ کینہ۔ بغض۔ رنج۔ خوشی۔ کدورت۔ ایسی خاصیتیں بھی شہوانی قوت سے تعلق رکھتی ہیں — لازم ہے جسمانی صحت کے ساتھ ان خاصیتوں کا قوی اور صحت مند ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ۔ انسانی ارادہ و عمل کا ان خاصیتوں سے قریبی تعلق ہے۔ صحت مند حالت میں انسانی کردار کی تعمیر ان ہی قوتوں سے ہوتی ہے۔ شہوانی قوت صحت مند ہو تو غصہ۔ کینہ۔ بغض۔ حسد۔ رنج۔ خوشی قوی حالت میں استعمال ہوں گے۔ کمزور حالت میں یہ قوتیں صحیح معنوں میں اپنا فعل پورا نہیں کر سکتیں۔ یہ قوتیں کمزور ہوں تو غصہ ہونے کی صورت میں غیرت نہیں کر سکتا۔ بغض و حسد کینہ قوی نہ ہو تو دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہے نہ اپنی ترقی میں جدوجہد کر سکتا ہے۔ رنج قوی نہ ہو تو انسان بے حس۔ بے ہمت ہو جاتا ہے۔ خوشی کی خاصیت کمزور ہو تو کاروبار زندگی کے لیے حصول نفع کے لیے دلچسپی قائم نہیں رہتی وغیرہ۔ شہوت کی کمزوری کے سبب ذہنی صلاحیتیں متاثر ہو کر انسان ذہنی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اِس لیے بنیادی طور پر انسانی شہوت مضبوط اور صحت مند ہونا لازمی ہے تاکہ وقت پر غصہ سخت آئے اور اس پر قابو پانے کی صلاحیت ہو۔ غصہ کے وقت خیر و شر کی تمیز سے عاری نہ ہو تاکہ اسے غلط طور استعمال نہ کیا جائے۔ کینہ و بغض صحت مند ہو۔ تاکہ اللہ کے دشمن سے اس کی طاقت سے مجبور ہو کر یا اپنے اغراض کی خاطر اس سے دوستی نہ کرے بلکہ اس سے ہر حال میں مقابلہ کرے۔ حسد کی خاصیت صحت مند ہو تو دشمن کی شر سے محفوظ رہنے کے لیے مستعد رہتا ہے۔ حرص نہ ہو تو انسان ذاتی منفعت میں جستجو میں بے ہمت ہو جاتا ہے۔
اِس امر سے ظاہر ہے کہ پاکیزہ حالت میں یہ خاصیتیں انسان کے کردار کی پاکیزگی اور جسمانی ہئیت میں بہتر تعمیر کا کام دیتی ہیں۔ درحقیقت یہ قوتیں انسانی جان کی بقا و تحفظ کے لیے انسان کے مرکب میں ودیعت کی گئی ہیں۔ یہ قوتیں خیر کا ذریعہ ہیں۔ خیر کا ذریعہ اس

صورت میں ہوگا۔ جب اس قوت کو بنیادی طور۔ پاکیزہ غذا۔ پاکیزہ خون۔ مہیا ہو۔ تو پاکیزہ قوت شہوت سے پاکیزہ جسم اور پاکیزہ شہوانی خاصیتیں بن سکتی ہیں۔ جن کے اثرات پاکیزہ ہوں گے۔ لہٰذا شہوانی خاصیتوں سے پاکیزہ اور خیر کا عمل صادر ہوگا اور ان کی کمزوری کا سبب غیر پاکیزہ غذا حرام سے کمائی ہوئی دولت سے حاصل کی ہوئی غذا مضر اشیاء ضرورت سے بے جا طریقہ پر غذا کا استعمال۔ شراب نشہ آور اشیاء۔ اور دیگر اشیاء جن میں مضرت کے اثرات موجود ہوں ان کے استعمال سے نظام ہاضمہ کی خرابی خون کی بناوٹ میں مضر اثرات کا پایا جانا اور ناقص خون سے مادہ منویہ کا ناقص ہونا۔ یہ اسباب قوتِ شہوت اور شہوانی خاصیتوں کی کمزوری اور نقائص کے ہیں لہٰذا انسانی شہوانی خاصیتوں سے بجائے خیر کے استعمال ہونے کے ان سے زیادہ تر شر کا عمل صادر ہوتا ہے۔ جیسے ان خاصیتوں پر قابو نہ ہونے کے سبب انہیں ناجائز طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ غصہ۔ کینہ۔ حسد۔ بغض۔ رنج۔ خوشی کے مضر اثرات سے انسان سے شر پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان قوتوں کو پاکیزہ حالت میں اپنے ارادے کے ساتھ قابو میں رکھ کر انہیں خیر و فلاح کے لیے استعمال کیا جائے ——— جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ قوت - ناری جنس سے تعلق رکھتی ہے۔ ناری اعتبار سے اس قوت میں شر کا مادہ بھی قوی ہوتا ہے جس کا قابو میں رکھنا ایک مشکل امر ہے۔ ان قوتوں کو قابو میں رکھنے اور صحیح طور پر خیر میں استعمال کرنے کا ایک واحد ذریعہ "خوف" ہوسکتا ہے۔

شہوانی قوتوں کو خیر میں استعمال کرنے اور قابو میں رکھنے کے لیے خوف پیدا ہونا ضروری ہے

خوف سے مراد۔ ڈر کسی غالب قوت کا۔ اس خوف کی نشاندہی قرآن نے کی ہے۔ قرآن نے "خوف" کا تصور تقویٰ[1] کے لفظ سے دیا ——— یعنی اپنے اعمال کے نتائج سے خوفزدہ

---

[1] وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ٥ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۰۳)

ہونے کا احساس پیدا کرنا اعمال کے نتائج میں خیر سے فلاح و راحت پانا۔ اور اعمال کے نتائج میں۔ شر سے عذاب۔ دردناک تکلیف حاصل ہونا۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ اعمال کے نتائج میں شر پانے میں دل میں خوف پیدا کرے کہ بُرے اعمال کے نتیجہ میں اسے شدید عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ یہ عذاب دنیوی حالت میں جسمانی تنزل۔ بیماری اور مصائب و مشکلات میں پیش آتا ہے۔ اس کے سوا۔ اِس حقیقت کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ دُنیا پر یہ مصائب ختم نہیں ہوتے۔ بلکہ اِس زندگی کے بعد آنے والی زندگی جس کا موت کے بعد واقع ہونا اٹل اور یقینی ہے۔ اِس زندگی میں انسان ہر حال میں اپنے اعمال کے نتائج میں خیر و شر سے دوچار ہوتا ہے اور یہ واقعہ انسانی مقصدِ زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے کہ انسان آخرت کی زندگی میں شدید عذاب کا احساس کرے۔ یہ احساس ہی ہے جو انسان کو اعمالِ بد سے باز رکھ سکتا ہے۔ اور باز رکھنے کے لیے ایک عمل لازم ہے۔ وہ قرآن نے بتایا۔ کہ الٰہی احکام کی پابندی ضروری ہے ــــ الٰہی احکام بھی قرآن نے عبادت کی صورت میں پیش کیے۔ لہٰذا یہ حقیقت ہے کہ انسان کے لیے الٰہی احکام پر پابند رہنا ضروری ہے۔ بغیر پابندی احکامِ الٰہی۔ انسان کی شہوانی قوتوں سے بہر حال شر کا صدور یقینی ہوگا۔ جو انسانی آبادی میں فساد و خونریزی۔ انتشار و اضطراب کا سبب ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسانی کمزوری میں ان قوتوں سے شر لازمی ہے۔ انسان اخلاق و کردار میں ذلیل و رذیل ہو جاتا ہے۔ ماہرینِ نفسیات نے انسانی اخلاق کو بنانے کے لیے بعض فروعی اختراعیں مرتب کی ہیں۔ جو نیم رُوحانی قرار دی جاتی ہیں۔ جن میں تصوّر و مراقبہ۔ ناری قوتوں سے رابطہ کر کے اپنی ناری قوت میں قوت و پاکیزگی پیدا کرنا ــــ حبسِ نفس۔ سانس کی مشقیں یکسوئی میں ناری تصوّر وغیرہ ان ترکیبوں سے اگرچہ انسان کی شہوانی قوت میں پاکیزگی آجاتی ہے۔ لیکن اس روح کی ناری جنس ہونے کی حیثیت میں اِس میں شر کا وُجود یکسر ختم نہیں ہو سکتا بلکہ ناری جنس ہونے کے اعتبار سے اس میں شر کا احتمال قوی ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی قوی قوتوں سے کمزور قوتوں پر غلبہ پا کر انہیں ناجائز طور استعمال کر کے سببِ فساد بن جاتا ہے۔ سوائے اس کے۔ کہ جب تک الٰہی قانون کی پابندی ــــ اور خوفِ آخرت کا احساس

نہ کیا جائے۔ انسانی قوت شہوت میں قوی حالت میں شر و فساد کا مادہ ختم نہیں ہو سکتا لہٰذا ضروری ہے کہ اس قوت کو قابو میں رکھتے اور اس سے خیر و فلاح اور بہتر تعمیر اخلاقی و جسمانی میں استعمال کرنے کے لیے احکام الٰہی (دین اور شریعت) کی اتباع نہایت ضروری ہے۔ شریعت میں احکامِ الٰہی یعنی قرآنی احکام و آیات میں بجائے ناری قوتوں کے ساتھ رابطہ کرنے کے۔ خاص طور پر نوری قوت سے رابطہ ہوتا ہے ـــــ کیونکہ قرآنی احکام میں۔ نوری احکام ہیں ـــ جنہیں قرآن نے نُوْرٌ مُّبِیْنٌ کے تصور میں پیش کیا اس طرح قرآنی آیات کی تعمیل میں ناری قوت کا رابطہ مراقبہ۔ یکسوئی۔ تصوّر کے ذریعہ سے نوری قوت سے ہو جاتا ہے۔ نوری قوت کے رابطہ و وصال سے ناری قوت میں نوری خاصیت کے اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ نوری خاصیت میں شر کا مادہ قطعاً موجود نہیں بلکہ یہ نوری قوت شر کو خیر میں تبدیل کرتی ہے یہی ایک ذریعہ ہے جس سے انسانی قوت شہوت یکسر نوری خاصیت کی حامل ہو کر اسے خیر و فلاح میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ فروعی ذریعوں سے اِس کے شر کی خاصیتیں انسان کے لیے ہر حال میں نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنی زندگی میں جب تم مادی جسم کی نشو و نما میں مادی حصول کی جستجو کرو تو اس کے ساتھ اپنی ناری قوت کو پاکیزہ بنانے کے لیے نوری ذریعہ کو بھی شدّت کے ساتھ قائم رکھو۔ اور الٰہی احکام کی پیروی میں عبادت کو لازم رکھو اپنے ہر سانس میں تصوّر و مراقبہ میں یکسوئی میں اللہ اور ذکرِ رسُول کو شامل رکھو۔ سب سے بہتر ذریعہ ولی اکمل کی صحبت و نسبت ہے۔ جب کہ ولی کا نوری قوتوں سے کامل رابطہ ہوتا ہے۔ اِس نسبت سے ایک طالب علم کو حصُول نُور میں آسانی میسّر آتی ہے۔ نیز ولی کی نسبت و بیعت میں۔ ولی بذاتِ خود اپنے مرید کی اصلاح نوری توجّہ سے کرتا ہے اور اسے غلبۂ شیطانی سے محفوظ کرتا ہے۔ اِس لیے ہر شخص کے لیے ایک ولی اکمل سے نسبت رکھنا اسکے مقصد کی کامیابی میں اہم مقام رکھتی ہے۔ یہ جملہ امور انسانی تخلیق سے متعلق ہیں۔ کہ انسان دُنیا میں رہ کر ایک پاکیزہ زندگی کیسے گزار سکتا ہے۔

فرمودہ "انسانیت کی تکمیل حُبِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے"

حضورؒ محبتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے مقدم جانتے تھے فرماتے تھے کہ کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ مسلمان رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو اپنا دشمن جانے اور ان کے ساتھ کمال بغض رکھے محبت میں چاپلوسی روا نہیں کیونکہ محب محبوب کی مخالفت برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ اگر کسی طریقے سے شریعت کے مخالفوں کے ساتھ صلح وصفائی کا کوئی انداز پیدا کرنے کی کوشش کرے گا تو محبوب کی حب کا دعویٰ غلط اور باطل ہے بلکہ ایسا کرنا منافقانہ رویہ اختیار کرنا ہے۔

فرماتے تھے کہ چند روزہ زندگی کو لہو ولعب میں ضائع نہ کرو بلکہ اس کو سیّد الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں خرچ کرو تو نجات کی امید ہے ورنہ تیرے سب اچھے کام بھی ضائع ہو جائیں گے۔

ایک صاحب تشریف لائے اور کہا کہ آج بخشی غلام محمد صاحب کے گھر مولویوں اور پیروں کا بہت بڑا اجتماع تھا وہ اسماء اصحابِ بدر کا ختم پڑھ رہے تھے۔ دورانِ گفتگو اس صاحب نے کہا کہ آپ آج تک کبھی پرائم منسٹر کے پاس نہیں گئے۔ فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں بھی اوروں کی طرح بدعتی کی تعظیم کروں۔ کان کھول کر سن لو جس کسی نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے گویا اسلام کے گرانے میں بدعتی کی حمایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِغِنَاهُ فَقَدْ ذَهَبَ ثُلُثُ دِيْنِهٖ

اگر کوئی شخص کسی مالدار کے سامنے اس کی دولت کی وجہ سے عجز وانکساری کا اظہار کرے اور اس کی عزت بھی اِس بنا پر کرے تو اس شخص کا تہائی دین جاتا رہا اور وہ دین و دُنیا میں ذلیل وخوار ہوگا۔

نام نہاد صوفیاء کی ایک جماعت جو نماز نہیں پڑھتے اور احکامِ شریعت کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۳۱)

یعنی ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مسند ترمذی میں حدیث مبارک درج ہے۔ انہوں نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم وہ تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کیوں نہیں وہ ان پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کردیتے تھے اور یہ لوگ ان کے کہنے پر چلتے تھے یہی ان کی عبادت تھی۔ پس سب جاہل درویش اور بے سمجھ علماء اور نام نہاد مشائخ اِس مذمت اور ڈانٹ ڈپٹ میں شامل ہیں ایسے ہی بے سمجھ اور جاہل درویشوں اور عالموں نے فی زمانہ اپنے مریدوں کے لیے نماز سے کھلی چھٹی۔ گانا سننے کی کھلی اجازت اور روزہ داری سے کھلی بغاوت کا حکم دے دیا ہے ایسے ہی لوگ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کا نعرہ حق سن کر بھی گانے کی محفل جمائے رکھتے ہیں اور پھر بے حیائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ان کے گانے کی یہ محفل بھی نماز ہی ہے۔ یہ تو صریحاً کفر ہے اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ یہ تو دین اسلام کے علاوہ کوئی نیا دین اختراع کیا گیا ہے جس میں اتباعِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کہیں نہیں ہے ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ۔ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۸۵)

فرمایا جو شخص اللہ کے دین کے سوا اور کوئی دین پیش کرے اس کا وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔

رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو۔ وہ مردود ہے۔ فرمایا ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ لوگ نماز کے بغیر قربِ خدا کیسے حاصل کر سکتے ہیں جب کہ قرآن کریم نے صاف اور واضح الفاظ میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ فرمایا نماز پڑھو اور قربِ خُدا حاصل کرو۔

فرمایا شریعت کے تین ارکان ہیں۔ کتاب اللہ۔ سُنّتِ رسُول اللہ اور اجماع امّت ان تینوں کو مضبوطی سے پکڑ لو گمراہ نہیں ہوگے۔

فرمایا! نادان لوگ ہی اپنی قوت کے بھروسے پر اللہ کی گرفت سے بے خوف ہو جاتے

ہیں۔ تواضع اور عجز اختیار کرو اور عاجزی سے دُعا کیا کرو تاکہ حکم قضا سے محفوظ رہو۔

حتی الامکان سائل کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ جانے نہ دو۔ اگر کچھ نہ میسر ہو تو حلم و نرمی سے معافی مانگ کر اس کو واپس کر دو۔

بیماروں کی عیادت کرو۔ خدا تمہیں صحیح و سلامت رکھے گا۔

جنت میں جانے کے خواہشمند ہو تو اپنے ہمسائیوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آؤ۔

راستے میں پڑی ہوئی مضرت رساں چیزیں ہٹایا کرو کیونکہ یہ ایمان کا ایک جزو ہے۔

بچوں میں اسلامی کردار پیدا کرنے کے لیے شفقت کے ساتھ سختی کرو۔ وعدہ کرنے سے احتراز کرو۔ اگر کرو تو پابندی کے ساتھ ایفا کرو روزانہ نمازِ عشاء کے بعد اپنے دن کے اعمال کا محاسبہ کیا کرو اور اپنی کوتاہیوں کے لیے استغفار کیا کرو۔

ہمیشہ باوضو رہا کرو۔ شیطان کے شر سے محفوظ رہو گے۔

حدیث رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسِكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبِكَ

کی تفسیر میں فرمایا کہ نفس انسان کا بدترین دشمن ہے۔ اِس لیے اللہ نے اس کو سورۃ الناس میں خَنَّاسِ کا لقب دیا ہے اور خناس کا تمام ظاہری اور باطنی بلیات سے زیادہ خطرناک ہونا اس بات سے بخوبی واضح ہے کہ سورۃ فلق میں ایک دفعہ پروردگار کا نام لے کر چار بڑی بلاؤں اور آفتوں سے پناہ مانگی ہے جن میں ہر ایک بجائے خود ایک بلائے عظیم مانی گئی لیکن سُورۃ النّاس میں ایک عظیم الخطر بلا سے پناہ مانگنے سے پہلے خدائے قدوس کو تین دفعہ پکارا گیا۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ٥ مَلِكِ النَّاسِ ٥ اِلٰهِ النَّاسِ

پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے پالن ہار کی۔ لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی اور لوگوں کے معبُودِ برحق کی۔ یہ بلا اتنی عظیم ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسری بلا کے ذکر کا خیال تک نہیں آتا۔

فرمایا۔ کہ اس خناس کے بدترین دشمن ہونے کی وجوہات بہت ہیں جن میں سے

ایک یہ ہے کہ نفس اچھے اعمال کو بُرے اور بُرے کو اچھے دکھاتا ہے۔

زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ۔ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۳۸)

دُوسری وجہ یہ ہے کہ اپنا نفس انسان کو محبُوب ہے اِس لیے اس کی بدی گوارا ہے اور جو چیز گوارا ہو اس کا تدارک ناممکن ہے۔

(۱) انسان اس کی دشمنی کو دوستی سمجھتا ہے۔

(۲) نفس کی دشمنی آخرت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ آخرت کا ضرر دُنیا کے ضرر سے زیادہ خطرناک ہے۔

نفس کے ساتھ صلح کرنا اس کی دشمنی کو بڑھا دیتا ہے اور آدمی گناہ پر زیادہ مستعد ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے دُنیاوی دشمن صلح کے بعد خیر خواہ بھی بن سکتے ہیں۔ نفس کے بہکانے سے آدمی حصُول دُنیا میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ جس سے آخرت کا عذاب خرید لیتا ہے۔

نفس تھوڑی سی عبادت کو زیادہ اور بہت سے گناہوں کو کم دکھاتا ہے۔

نفس کے اس مکر و فریب سے بچنے کے لیے پیر اکمل کی صُحبت ضروری ہے جو اِس زہر کا تریاق جانتا ہے اور نفس کے سحر کا توڑ بتا سکتا ہے۔ جس سے نفس کو مسخر اور مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ مولانا رومی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ایں طلسم سحر نفس اندر شکن
سوئے گنج پیر کامل نقب زن

آدابِ انسانیت

حضور قبلہ عالم آدابِ انسانیت میں فرماتے ہیں۔ انسان ہونا ۔۔۔ انسان کی فطری تخلیق (پیدائش) ہے۔ لیکن انسانی صفت کو اپنی زندگی میں علےٰ حالہٖ قائم رکھنا بہت کٹھن ہے۔ حضور انسان کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پہلا اور آخری تصوّر ہے۔ انسان تخلیق کا ازلی۔ ابدی تصوّر ہے۔ کائنات میں تخلیق کا واحد مقصد ہے۔ اِس اعتبار

سے انسان کی فطری شخصیت عظیم ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط

جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے زمین میں۔ تمہارے بعد۔ تم سے بہتر تسبیح وعبادت کرنے والا۔ انسان بناؤں گا۔ ظاہر ہے خالص نوری وجود کے مقابلہ میں مادی سفلی وجود کی تسبیح و حمد کامل نہیں ہو سکتی۔ اسی اصولِ فطرت پر ملائکہ نے اس تفصیل کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت ۳۰)

کہ یہ تیرے فطری قانون کا خاصہ ہے کہ تسبیح و حمد سوائے نوری خاصیت کے مادی پیدائش کا عمل نہیں ہو سکتا۔ ارضی خاصیت میں ناری اور خاکی عنصر شہوت غالب ہے ان قوتوں سے سوائے فساد و خونریزی تسبیح و حمد ممکن نہیں۔ اس پیدائش میں ایسی کوئی کیفیت نہیں جو اسے ہم سے افضل تسبیح کا حامل بنا دے۔ تو اللہ نے کہا تمہارا تجزیہ درست ہے زمین میں نوری قوت موجود نہیں ـــــ مگر سفلی مخلوق کا نوری مخلوق سے افضل تسبیح کا حامل ہونا ہی میرے ارادے میں ہے کہ میں کس طرح سفلی مخلوق کو نوری صفت کا حامل بنا دوں یہ ایک ایسی تخلیق ہے جس پر تمہارا ادراک احاطہ نہیں کر سکتا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس راز کو ملائکہ پر واضح کر دیا۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ـــــ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ ـــــ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ـــــ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ۔ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۸ آیت ۷۱-۷۲)

جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے اب وقت آن پہنچا ہے کہ میں اس پیدائش کی ابتدا کروں ـــــ دیکھو! ـــــ میں ایک انسانی شکل وصورت کا خوبصورت مرقع ـــــ مٹی کے جوہر سے بنا رہا ہوں۔ یہی وجود ہے جس کی تم نے تعریف کی کہ یہ فساد و خونریزی کا مجسمہ ہے۔ بیشک ـــــ مگر میں اسے سنواروں گا ـــــ اس میں ایسی خاصیتیں ـــــ ارادہ۔ اختیار ہو گا اس میں

یہ قدرت ہوگی کہ یہ خود کو فساد و خونریزی سے پاک رکھ سکے ــــ اوراب اس کی تسبیح وحمد کی صفت کی خصوصیت کا رازیہ ہے۔ کہ مَیں اس انسان میں۔ ایک اضافی قوت ــــ جو زمین کی جُز سے نہیں ۔بلکہ روحی" میرامخلوق کردہ ایک نور ہے۔ جو ملائکہ کے نُور سے افضل ہے جو اس وجود میں ودیعت کیا جاتا ہے ــــ كَذٰلِكَ ــــ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ــــ میں کسی فطری تخلیق کا خود پابند نہیں ــــ جس طرح چاہوں بنا سکتا ہوں ــــ اِسی نور سے یہ بشر تم سے افضل تسبیح وحمد کا حامل ہوگا ــــ اور پھر یہ میرا فعل ــــ غیر فطری نہیں البتہ مافوق الفطرت مافوق الادراک ہے ــــ اس کے لیے بھی میرے پاس فطری دلیل ہے اِس انسان کی صفت خلیفہ کیا ہے؟ ــــ دیکھو ــــ اورسنو ــــ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ــــ اِس نوری رُوح کی صفت کے اعتبار سے اِس رُوح کی رسائی مجھ تک ہے لہٰذا ــــ اِس نور سے اس بشر کو کائنات کی تمام اشیاءِ ارض وسماوات کرسی وعرش سدرۃ المنتہیٰ ــــ اس سے اوپر عالم بالا ــــ میری ذات تک ــــ مشاہدہ وآگاہی حاصل ہوتی ہے ــــ اس آگاہی کے مطابق میری ذات اور میری خالقیت کے اسرار کے مشاہدہ پر حیرت و وجدان اِس پر طاری ہوکر جو تصوّر قائم ہوتا ہے وہی اس کی تسبیح وحمد ہے جو نوری حیثیت میں تمہیں حاصل ہے نہ میسّر ہوسکتا ہے ــــ اس کی دلیل میں ابھی پیش کرتا ہوں:۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (پارہ ۱ سورہ ۲۔ آیت ۳۳)

پھر مَیں نے آدم اور ملائکہ کا مقابلہ کرایا ــــ اور ملائکہ سے کہا ــــ اے ملائکہ اگر تم اپنے قول معترض میں سچّے ہو کہ تم ہی تسبیح وحمد کے حامل ہو ــــ تو پھر مجھے اپنی ہیئت وحیثیت کی تخلیق و ابتداء ــــ عرش۔ سدرۃ المنتہیٰ۔ عالمِ بالا۔ اور میری ذات کی خبر دو کہ کیا تم ان اسرار سے آگاہی حاصل کیے ہو؟۔ ملائکہ نے کہا

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط

پاک ہے تو غلط کہنے ــــ غلط کرنے سے ــــ ہمیں اتنا علم نہیں سوائے اپنی قوت کے

مطابق اپنے ماحول کے۔ اللہ نے کہا تو اب میں اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرتا ہوں۔ یٰٓاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ اے آدم تو انہیں ان کے اسرار اور جملہ اسرارِ الٰہی کی خبر دے ــــ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ پس آدم نے تمام اسرارِ الٰہی کی ملائکہ کو خبر دی۔ اس مقام پر قرآن نے فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ کے بیان میں لفظ نَبَاَ استعمال کیا۔ جس میں نبی کا تصوّر واضح ہو جاتا ہے کہ خلیفہ سے مراد نبی کا پیدا کرنا ہے۔ اِس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس ارضی بشر کو پیدا کرنے میں کتنا عظیم منصوبہ بنایا کہ اسے کائنات کی تمام مخلوقات سے سفلی حیثیت میں بھی افضل پیدا کیا ــــ ظاہر ہے اتنی عظیم تخلیق کے اعتبار سے انسان کے لیے اس کی فضیلت قائم رکھنے کے لیے ــــ عظیم عبادت و تسبیح اور شدید محنت اس کے ذمہ قرار دی گئی جس کے لیے ــــ آدم ــــ ابنِ آدم ــــ انسان کے لیے ہر لمحہ تسبیح و عبادت اور تصوّرِ ذاتِ الٰہی میں مشغول رہنا اشد ضروری ہے ــــ یہ ایک اہم اور عظیم مقام ہے جس کے لیے انسان پر ایک اہم اور عظیم ذمّہ داری عائد ہوتی ہے جس کی تکمیل کے لیے انسان کو ہر لمحہ ہر سانس وقف کرکے مستعد رہنا ہے۔ لہٰذا انسان کو اپنے مقام کا احساس رکھنا لازمی ہے۔ باخبر شو از مقام آدمی۔

حضرت قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ یہ تصوّر قطعی مبالغہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا پر حکومت کرنے کے لیے اپنا نائب بنا کر بھیجا ــــ کہ میری جگہ تُو میرا قائم مقام ہو کر لوگوں پر حکومت کرنا یا ان کے دُنیاوی سامان کی فراہمی کی ذمّہ داری لینا ــــ ایسا ہرگز نہیں ــــ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کے مفہوم میں مادی کیفیتوں کے علم پر اکتفا کرنا انسانی عظمت اور منصوبہ الٰہی کی نفی کے مترادف ہے۔ اسمار سے اصل مراد ــــ مشاہدہ اسرارِ الٰہی ہے ــــ اِسی خصوصیت سے انسان کا مقام ملائکہ سے افضل قرار دیا جا سکتا ہے۔ برعکس اس کے اَدنیٰ درجہ کی ارضی اشیاء کا علم وجہ فضیلت نہیں جب کہ ملائکہ بھی نوری حیثیت میں ان اشیاء کا علم رکھتے ہیں۔ انسان اوّل حضرت آدم علیہ السّلام سے انسانی مقصدِ تخلیق کا مظاہرہ کیا گیا۔ کہ زمین پر جو بھی انسانی شکل و صُورت۔ انسانی مرکب میں پیدا ہوگی۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے حکم میں شامل ہوگی۔ اِس کا جسم مٹی سے ہوگا۔ اِس کی رُوح ناری ہوگی۔ اس کا علم رُوح رحمانی سے ہوگا۔ لہٰذا زمین پر پیدا ہونے والے ہر انسان کے لیے منصوبہ الٰہی کے تحت خلیفہ کی حیثیت میں پیدا ہونا ــــ اسے مشاہدہ اسرارِ الٰہی ــــ معرفتِ الٰہی اس کی پیدائش کے ساتھ ہی حاصل ہونا۔ عین منصوبہ الٰہی کے تابع یقینی ہوگا۔ اس کے لیے انسان کو اپنی پیدائش کے بعد بلوغت پر یہ خصوصیت حاصل ہی نہیں کرنی۔ بلکہ اپنی پیدائشی خصوصیت کی حفاظت کرنی ہے کہ اس کی پیدائشی صفت علم و مشاہدہ تسبیح و حمد کے ذریعہ علیٰ حالہ قائم رہے لہٰذا حضرت آدم علیہ السّلام کے بعد نسلِ آدم علیہ السّلام کے لیے بھی یہی ضابطہ فطری طور قائم رہے گا اور ہر انسان کے لیے تسبیح و حمد۔ علم و مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ معرفتِ الٰہی کا حاصل ہونا ہر عمل سے مقدم اور ضروری ہوگا۔ اِس حال میں کہ ہر انسان یہ صفات رُوحانی پیدائش کے ساتھ حاصل کئے ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السّلام کی پیدائش کے بعد ــــ پیدائشی ترکیب بدل جاتی ہے کہ انسان بجائے زمین کے عورت کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس پیدائش میں پیدائشی ترتیب یکساں ہے ــــ اوّل یہ ہے کہ ــــ یہ وجود بھی تین قوتوں۔ نور۔ نار۔ خاک سے مرکب ہے۔ دوسرے یہ کہ نسل ــــ پیدائش میں کوئی نیا وجود پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ وجود بھی آدم ہی کا وجود ہوتا ہے۔ صرف پیدائشی ہیئت بدل جاتی ہے۔ اِس حیثیت میں نسلی وجود نہ کوئی نیا وجود ہے نہ کوئی خارجی وجود بلکہ آدم کے وجود کی ایک جُز بشری شکل میں دوبارہ نمودار ہوتی ہے۔ یہ سوال کہ نسل انسانی کا دوسرا وجود کیا ہے؟ ــــ اس کی تفصیل قرآن نے واضح طور بیان کی ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ (پارہ ۳۰ سورۃ ۸۶ آیت ۶-۷)

پس دیکھئے انسان کو کس چیز سے بنایا؟ بنایا ہم نے (انسان کو) ایک اچھلتے پانی سے (یہی نسل کا بنیادی مرکب ہے) جو مرد کی صلب (پیٹھ) سے اور ماں کی ترائب (چھاتیوں) سے نکلتا ہے ــــ ان میں ایک مرد ہوتا ہے ــــ ایک عورت مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۔ الصُّلْبِ ــــ

وَالتّٰرَآئِبِ ـــ یہ تین کیفیتیں ہیں جس سے نسل کا وجود ترتیب دیا جاتا ہے۔ اُچھلتا پانی ـــ مادہ منویہ۔ شہوت سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔ شہوت سے مراد۔ روح حیوانی ـــ تو ظاہر ہُوا کہ نسل کی بنیادی ترتیب میں باپ کی رُوح (رُوح حیوانی) کی جُز ہی۔ رحم مادر میں منتقل ہوتی ہے۔ یہ رُوح ایک ذرّہ کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ سائنسی تحقیق میں یہ کیفیت آچکی ہے کہ مرد کے وجُود سے مادہ منویہ کی شکل میں اچھلتا پانی ـــ عورت کے رحم میں منتقل ہوتا ہے۔ اِس مادۂ منویہ میں لاکھوں زندہ ذرّات پائے جاتے ہیں۔ جو خوردبین سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ اِن ذرّات (SPERMS) میں سے ایک ذرّہ نسلِ انسانی کے لیے منتخب ہوتا ہے۔ یہ ذرّہ (SPERM) زندہ ذرّہ ہوتا ہے ـــ اِس ذرّہ کا ایک جسم ـــ ایک رُوح لازمی ہے۔ یہی ذرّہ جسم اور ذرّہ کی حرکت کا سبب روح ـــ نسل میں انتقال کرکے ایک مقررہ مدت کے بعد ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ اِس ترتیب سے واضح ہے کہ نسلی وجود اپنی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ نہ یہ کوئی خارجی وجود ہے۔ بلکہ باپ ہی کے وجود کا ایک جز ـــ ایک ذرّہ ـــ پھر اسی بشری شکل میں ارتقا کرکے ظہور کرتا ہے اور آگے چل کر یہی نسلی وجُود ـــ بشر ـــ باپ کی شکل میں اپنے ہی وجُود کی جُز سے ایک نسلی بشر پیدا کرتا ہے ـــ ہاں یہ ترتیب پیدائش کائنات کی فطری تخلیق کے عین مطابق عمل میں آتی ہے۔ اِسی ترتیب پر کل کائنات کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ بیان ہُوا ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ۔

(پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۱۹)

پھر زمین پر آؤ دیکھو کہ کسی وجُود کی تخلیق کی ابتدا کیسے ہوتی ہے ـــ تخلیق کی ابتدا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتی ہے ـــ کہ اللہ تعالیٰ سے سوائے ایک مخلوق کا وجود محسوس ہے۔ سو اس مخلوق کی ابتدائی ترکیب و ترتیب کیا ہے؟ ـــ تو یہ امر مسلمہ ہے کہ اللہ کی ذات لامحدود ہے ـــ اِسی ذات میں ـــ اس کی نوری جز سے ـــ اس کی مخلوق پیدا ہُوئی ـــ یہ ایک ابتدائی نور تھا ـــ اسی نور ابتدائی کی جز سے ـــ اس کی نوری نسل پیدا ہُوئی

اور اس دوسرے وجود سے پھر اس کی جز سے اس کی نسل پیدا ہوئی اور یہ سلسلہ اسی طرح ترتیب کے ساتھ مسلسل چلتا آ رہا ہے ۔ یہاں تک کہ آسمانوں کا وجود بھی اسی ترتیب کے ساتھ پیدا ہوا ـــ اور آسمانِ دُنیا (آسمان اوّل) کے اجزا میں تمام سیارے پیدا ہوئے۔ زمین بھی سُورج کی نسل سے بنی ـــ اور زمین کی نسل سے ہر شے ارضی جو اس کے اجزاء سے پیدا ہُوئی اور زمین کی مخصوص پیدائش (انسان) زمین کی جُز یا نسل سے بنی ـــ اور یہ سلسلہ انسانوں میں بھی اسی طرح جاری رہے گا کہ ہر مقام پر باپ کی جز سے اس کی نسل پیدا ہوتی رہے گی ۔

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً ج

اور ان عورت مردوں سے کثیر مرد اور عورتیں پیدا ہوتی رہیں گی۔ اب واضح ہوتا ہے کہ اس ترتیبِ پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ ۔ قرآن نے انسان کی تخلیق میں واضح کر دیا۔ کہ انسان کے ذمہ ـــ صرف اپنے مقام فضیلت پر بہمہ صفات و خاصیت قائم رہنا۔ یعنی جو علم ـــ اسرارِ الٰہی و معرفتِ الٰہی کا اسے دیا گیا۔ تسبیح و حمد سے اسے قائم رکھنا۔

دوسرے اپنی جسمانی قوتوں ـــ نور ـــ نار ـــ خاک ـــ کو پاکیزہ اور صحت مند حالت میں قائم رکھنا بس یہی اس کی زندگی کا واحد مقصد عمل ہے۔ تیسری ایک اہم ذمہ داری ہے کہ نسلی حیثیت میں انسان خود "انسان ساز" حیثیت رکھتا ہے کہ اس کی نسل سے ـــ کامل صحت مند انسان پیدا ہو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے کہ اس کی نسل سے ایک پاکیزہ انسان پیدا ہو۔ اِس لیے کہ انسان کی رُوحانی جز ہی اس کی نسل کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اگر انسان (والدین) نے اپنی جسمانی روحانی پاکیزگی کو قائم رکھا تو اس کی جز میں پاکیزگی ہی ہوگی یہی جُز پاکیزہ وجُود کے ساتھ نسل کی شکل میں پیدا ہوگی اور اگر انسان نے اپنی جسمانی اور رُوحانی پاکیزگی کو قائم نہ رکھا ـــ یہ جسم بھی صحت مند نہ رکھ سکا نہ رُوح کو پاکیزہ رکھ سکا تو اس کی جز بھی ناقص الوجود پیدا ہوگی لہٰذا اس کثیف و ناقص وجود سے جو عمل سرزد ہُوا اس کی ذمہ داری خود انسان (ماں باپ) پر ہوگی ـــ اور انسان اپنی نسل (ذریت) کی بے عملی ـــ تنزل اور بُرے نتائج کا خود ہی ذمہ دار ہوگا۔ یعنی اگر باپ کی جسمانی و رُوحانی

حیثیت پاکیزہ رہے تو اس کا مشاہدہ اسرارِ الٰہی و معرفتِ الٰہی قائم رہے گا۔ اور جُز کی حیثیت میں اس کی نسل کو پاکیزہ جسم و روح میسّر ہو تو خود بخود اس کا علم و مشاہدہ و معرفت جاری رہے گا۔ ناقص حالت میں جب خود بھی انسان کا مشاہدہ و معرفت قائم نہ رہ سکا تو اس کی جُز بھی اس کیفیت سے متاثر ہو گی۔ تو اس سے بھی ناقص وجُود میسّر ہو گا اور وہ بھی خود بخود علم و مشاہدہ سے محروم پیدا ہو گا۔ لیکن جہاں تک معرفتِ الٰہی کا تعلق ہے۔ یہ مشاہدہ رُوح رحمانی کو حاصل ہوتا ہے۔ رُوح رحمانی ایک سالم و پاکیزہ وجود ہے۔ اس لیے پیدائش کے ساتھ ہی اس رُوح کو ہر حال میں مشاہدہ اسرارِ الٰہی دیا جاتا ہے — جو پاکیزہ جسمانی و روحانی حالت میں برابر قائم رہ سکتا ہے۔ اور انسان کا عمر کی بلوغت کے ساتھ ساتھ مشاہدہ جاری رہ سکتا ہے۔ لیکن ناقص وجُود میں پیدا ہونے کی صُورت میں رُوحِ رحمانی کو مشاہدہ اسرارِ الٰہی و معرفت حاصل ہوتا ہے مگر جسمانی و روحانی (روحِ حیوانی کی) کمزوری کے باعث انسان عمر کی بلوغت کے ساتھ اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ تا وقتیکہ ایک نبی — ایک ولی کی نسبت حاصل نہ کی جائے — اِس کیفیت کے حصول میں ایک نبی — یا ولی کی نسبت و صحبت کے ذریعہ جسمانی و روحانی پاکیزگی حاصل کر کے مشاہدہ اسرارِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی (روحِ حیوانی کے ذریعہ) حاصل ہو سکتا ہے — ایسی صورت میں انسان کے لیے لازم ہے۔ جبکہ اس کی نسل و ذریت کے افعال و اعمال کی پاکیزگی کی ذمہ داری خود انسان پر ہو۔ تو اسے (انسان سازی کی حیثیت میں) انتہائی محتاط ہونا چاہیئے۔ اِس لیے انسان کو اپنے مقصدِ زندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ اپنی جسمانی و رُوحانی قوتوں کو ہر لمحہ پاکیزہ رکھنا چاہیئے۔ اور جب اس کے لیے "انسان سازی" یعنی نسل کشی کا وقت آئے تو اِس موقع پر انسان کو قدم قدم۔ سانس سانس پر محتاط رہنا چاہیئے۔ کہ کہیں اس کے غلط اقدام کے نتیجہ میں اس کی نسل ناقص الوجود پیدا نہ ہو۔ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد مرد۔ عورت دونوں کے لیے۔ اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے محتاط رہنا ضروری ہے کہ کہیں ان کی کوئی ناشائستہ حرکت ان کی نسل کے لیے باعثِ تنزل اور شر کا سبب نہ بنے۔ ورنہ ان کی ذریت کے ہر بُرے عمل و اعمال کا وبال خود ان کی گردن پر ہو گا۔ حضرتِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا

قول ہے ــــ "اگر انسان بُرا ہے تو وہ ماں کے پیٹ سے بُرا ہے۔ اگر انسان اچھا ہے تو وہ اپنی ماں کے پیٹ سے اچھا ہے۔ یعنی آنے والا (انسان) اپنی فطری اچھائیاں یا بُرائیاں اپنے والدین کے ورثہ سے لے کر آتا ہے" ــــ اِس بیان کی تصدیق ملتی ہے۔ کہ اولاد ماں باپ کی جُز ہونے کی حیثیت میں۔ ماں باپ کے اچھے بُرے اثرات ورثہ میں لے کر آتی ہے۔ دوسرے ماں کے پیٹ میں بھی بچّہ ماں باپ کے عادات وخصائل وحرکات وسکنات کا اثر قبول کرتا ہے۔ گو بچّہ ابھی جسمانی حالت میں مکمّل نہیں ہوتا۔ تاہم یہ بے ہوش بچّہ اس حال میں بھی والدین کے عادات وخصائل اور حرکات کا اثر قبول کرتا ہے۔ چنانچہ شادی کے بعد ماں باپ دونوں پر یہ ذمّہ داری عائد ہوتی ہے کہ آئندہ آنے والی نسلوں کی پیدائش کے لیے۔ اپنی جسمانی و رُوحانی پاکیزگی۔ تسبیح وحمد۔ مشاہدہ و معرفت کو ہر حال میں کٹھن محنت کے ساتھ قائم رکھیں۔ تاکہ اس وجہ سے ایک پاکیزہ وجود پیدا ہو۔ نیز ماں کے پیٹ میں بچّہ کے قیام کے دوران یہ احتیاط بھی لازم ہے۔ کہ میاں بیوی کے درمیان "حیا" کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔ اندرونِ خانہ غلط حرکات۔ جھوٹ بولنا۔ گالی دینا۔ ننگے بدن رہنا ــــ امورِ خانگی میں بے احتیاطی۔ بے ضابطگی۔ غصّہ۔ حسد۔ کینہ جیسی کمزور عادات کا ارتکاب یہاں تک کہ میاں بیوی کے پوشیدہ رازوں میں یا ان کے اظہار میں آپس میں آزادی سے ملنا۔ بوس وکنار کرنا۔ ایک جگہ ننگے ہو کر لیٹ جانا۔ ان سب امور میں احتیاط رکھنا لازمی ہے۔ ورنہ ان سب عادات وحرکات کا اثر ماں کے پیٹ میں پرورش کے دوران بچّہ پر ضرور پڑتا ہے۔ بعض عادتیں ان کی جسمانی ہیئت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ بعض عادتیں ان کے اخلاق پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اِس طرح بچّہ پیدائش کے وقت یہ سب خصائل لے کر پیدا ہوتا ہے۔ بچّے کی پیدائش کے بعد بھی جب بچّے کے عقل وشعور پختہ نہیں ہوتے۔ اس حال میں بھی بچّہ والدین کی عادات جذب کرتا ہے۔ بے ہوشی کے عالم میں بچّے کے حواس خمسہ اور حافظہ کام کرتے ہیں صرف قوتِ گویائی نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ حافظہ کی ناپختگی ہے۔ کہ اس میں کیفیات جمع ہوتی ہیں مگر ان کیفیات کو عمل میں نہیں لا سکتا۔ اس کے باوجود بعض کیفیتیں اسکے حافظہ میں جمع رہتی ہیں جو سن بلوغ پر اُبھر کر اس کے کردار کو متاثر کرتی ہیں۔

مثلاً گھر میں عام بچے۔ یا ماں باپ ناشائستہ کلام۔ گالی گلوچ کے عادی ہوں۔ ایسی باتوں کو اپنے حافظہ میں جمع رکھتے ہیں اور جوں جوں بلوغت کی طرف بڑھتے ہیں تو یہ جمع شدہ ناقص مواد خود بخود ان کی زبان پر آتے ہیں اور بلا کسی تحریک کے غلط کاری پر اُتر آتے ہیں اس غلط اور ناگفتہ بہ کرتوت سے ماں باپ پریشان ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھتے نہیں۔ کہ ان ناشائستہ حرکات کے وہ خود محرک ہیں اس کے برعکس اگر والدین عبادت کے حامل ہوں۔ نماز۔ روزہ۔ تلاوتِ قرآن مجید۔ تہجد۔ اچھے کلام اور اچھے کردار کے حامل ہوں تو ان کے بچے شکمِ مادر سے ہی تاثر لے کر بلوغت میں اس اثر کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور اسی احسن بنیاد پر بچے سکول یا ماحول سے اثر قبول کرتے ہیں چہ جائیکہ کسی قدر بھی غلط ماحول میں بچہ ہو مگر نیک والدین کی اولاد اس ماحول سے بہت کم متاثر ہوتی ہے اور یہ اثر جزوی طور پر رہ سکتا ہے۔ اور ثانوی عادت ہو سکتا ہے۔ بلکہ بنیادی خصلت بُرے افعال و کردار کو قبول کرنے میں مانع بن جاتی ہے۔ ان دو قسم کے افراد سے نیک و بد معاشرہ کی تشکیل ہو سکتی ہے۔ اب یہ عملی طور واضح ہے کہ انسان خود۔ اپنی نسل۔ اپنی ذریت۔ اپنے معاشرہ کی خرابی کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے اِس حقیقت کو خصوصی طور ذہن میں رکھنا اشد ضروری ہے کہ اس کی زندگی فکر و احتیاط سے خالی نہیں گزر سکتی۔ انسان بلوغت کو پہنچ کر جب اپنی فکر۔ اپنا ارادہ۔ اختیار کرنے کے قابل ہو جائے تو اس پر فکر۔ احتیاط لازم ہے۔ کہ وہ اپنی جسمانی اور روحانی پاکیزگی بہر حال قائم رکھے۔ یہ اس لیے کہ سنِ بلوغت کے پختہ ہونے کے ساتھ اس کی حیثیت ''انسان ساز'' کی ہوتی ہے کہ بلوغت کے بعد اسے ایک بیوی کی ضرورت پڑتی ہے اس موقع کو غیر معمولی حیثیت دی جائے۔ شادی کے ساتھ ہی انسان کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کہ شادی کا اوّلین مقصد نسل پیدا کرنا ہے اس لیے ضروری ہے کہ انسان شادی سے پہلے پاکیزہ رُوح اور جسم حاصل کئے ہوئے ہو۔ ورنہ کسی بھی وقت اس سے نسل کا وجود ظاہر ہو جائے تو یہ نسل اس کے قبل از شادی کے وجود کی جز ہو گی اور پھر شادی کے بعد بچے کی پرورش میں ماں باپ دونوں کے خصائل کے اثرات اولاد پر مکمل طور پر اثر انداز ہوں گے۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض ناپختہ شعور بچے ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کی اس

ناپختہ زندگی میں توقع نہیں کی جاسکتی - بارہا ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ ناپختہ عمر حیوانی عمر ہوتی ہے جیسے حیوان ایسی حرکات کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے کہ نرمادہ پر سوار ہو جاتا ہے یہی حالت بچہ کی ہوتی ہے کہ غیر شعوری طور پر کھلے عام شہوت کے زیر اثر ایک بچے میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور نتیجتہً کم سن طفل نر اور مادہ باہم مباشرت پر اتر آتے ہیں۔ یہ سراسر ماں باپ کی بے پردگی اور بے حیائی کا پھل ہے والدین کی بے حسی - بے حیائی میں جو بچے نشوونما پاتے ہیں وہ سن بلوغت میں ان ناگفتہ بہ کیفیات کا زیادہ خطرناک - ناقابل برداشت کرتوت کا مظاہرہ کرتے ہیں - اِس حد تک کہ یہ مضر منشیات - زنا - فتنہ وفساد - بداخلاقی غرض ہر ناقص کام میں اُلجھ جاتے ہیں جو نہ صرف ان کی اپنی ذات کے لیے مضر اثرات کے حامل ہوتے ہیں بلکہ یہ انسانی معاشرہ کے لیے زود اثر زہر کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق ارضی کی ہر نوع کی تخلیق میں اس کی پیدائشی ترتیب میں —— ایک نفسِ واحد کا تصوّر دیا —— کہ ہر وجود کی ابتدا ایک نفسِ واحد (ایک جان یا ایک رُوح) سے ہوتی ہے —— اور انسان کی پیدائش بھی ایک نفسِ واحد سے ہونا بیان کیا - اِنّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً - اس میں بھی ایک ہی وجُود کا تصوّر پایا جاتا ہے - اِنّی خَالِقٌ بَشَرًا —— میں بھی ایک ہی وجود کی تخلیق کا انتظام ظاہر ہوتا ہے —— لیکن حضرت آدم علیہ السّلام کی پیدائش کے ساتھ ایک اور وجود بھی نمایاں نظر آتا ہے - یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ - اِس مقام پر حضرت آدمؑ کے ساتھ "حوا" کی شکل میں ایک دوسرا وجود بھی ظاہر ہے —— لیکن اِس وجود کی پیدائشی ترتیب کا کوئی واضح بیان نہیں ہُوا —— سوائے اس کے کہ قرآن نے اس کے متعلق ایک ترکیبی بیان کا اجمالی تصوّر دیا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ج (پارہ ۴ سورۃ ۴ آیت ۱)

وہ اللہ ہے جس نے بنایا تم کو ایک جان (رُوح) سے اور بنایا اس کا جوڑا —— اِسی وجُود سے اور اِس جوڑے سے لاتعداد مرد اور عورت بنے - اِس بیان میں مثل آدم دوسرے وجود کی جو بعینہ آدم کے وجود کے مماثل ہے تصوّر پایا جاتا ہے - یہ وجُود بھی انسانی ہیئت میں

ہے۔ آدم کی پیدائشی ترتیب کے مانند اس دوسرے وجود کی ترتیب پیدائش کا ذکر نہیں۔ سوائے اِس کے۔ کہ اس وجود کا آدم کے وجود سے نکالا جانا ظاہر کیا گیا۔۔۔ سوال یہ ہے۔ کہ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کی ترکیب کیا ہے؟۔۔۔ اور جبکہ یہ جوڑا بھی انسانی ہیئت میں ظاہر ہے تو کیا یہ وجود بھی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی صفت میں شامل ہے۔؟ اگر ہے تو پھر اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں اس کی تخلیق ترکیب کا اظہار کیوں نہ ہوا جبکہ قرآن نے بشر اور انسان کی تفصیل کا واضح بیان پیش کیا۔ اگر بشری تخلیق میں اس کا ذکر نہیں تو یہ پیدائش انسان اور خلیفہ میں شامل نہیں اگر ہے تو مثل آدم اس سے مظاہرۂ علم کیوں نہ ہوا۔ یعنی ۔۔۔ یٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ میں "حوا" کو شامل نہیں کیا گیا؟ ۔۔۔ یہ امر تحقیق طلب ہے انسان ۔۔۔ اور خلیفہ کی حیثیت میں زوجہ کا کیا مقام ہے؟

اولاً زوجہ (حوا) کی پیدائشی ترکیب کا تجزیہ ضروری ہے۔ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کی کیا ترکیب ہے؟ یہ ترکیب خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کی ابتدائی ترکیب کی تخلیق سے ظاہر ہو سکتی ہے۔

کائنات خلقت کی تحقیق میں ہر وجود کی ابتدا بھی نفس واحد سے ہوتی ہے۔ یہ امر سائنسی تحقیق سے واضح ہے کہ سادہ ترین اور ناقابل تقسیم مادی ذرہ جس کو ATOM یا جوہر کہتے ہیں۔ چند برقی ذرّوں سے بنایا گیا ہے جن کو ماہرین اور محققین نے الیکٹران (ELECTRON) پروٹان (PROTON) اور نیوٹران (NEUTRON) وغیرہ کے نام دیئے ہیں کائنات میں جتنے عناصر پیدا کیے گئے ہیں ان کے ایٹم ان ہی ذرات کی مختلف تعداد مختلف عناصر کو بناتے ہیں ۔۔۔ یہی ترکیب حیوانات میں پائی جاتی ہے۔ کہ حیوان کی ابتدا بھی ایک خلیہ (CELL) سے ہوتی ہے۔ یہی خلیہ (CELL) اپنی ابتدائی ارتقا میں دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے اور ہر دو وجود ساتھ ساتھ ارتقا کر کے دو وجودوں میں نر مادہ کی شکل میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ ہاں امر محقق ہے کہ ایک ذرہ کی تقسیم میں دوسرا وجود مادہ کی ہیئت میں بنتا ہے۔ یہ قدرت کی تخلیق کے تابع کسی وجود کے پیدا ہونے کی دلیل ہے کہ دوسرا حصہ بہرحال مادہ ہی بنتا ہے ۔۔۔ اسے "زوج" کہا گیا اس کی نفس واحد کے مقابلہ

میں ثانوی حیثیت ہے اِسی نرو مادہ سے آئندہ نسلِ حیوانی کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ اِس حیثیت
میں اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ کی ترکیب میں انسانی وجود کی تخلیق بھی اسی
ترتیب سے ہونا مقرر ہے —— اور یہ نظام تخلیق میں خالق کائنات کی طرف سے پیدائشی ترکیب
کا خصوصی نظام مقرر ہے کہ ہر وجود کی تخلیق کی ابتداء۔ ایک نفسِ واحد یا ذرہ سے ہونا مقرر ہے
—— انسان کی بُنیادی تخلیق بھی اسی انداز سے ہوتی ہے۔ کہ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ایک ناری
ذرہ انسانی وجود کے لیے منتخب ہُوا —— اور اسی ترتیب پیدائش کے ساتھ جب اسی ذرہ
ناری نے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ میں خاکی وجُود کی طرف انتقال کرنا شروع کیا تو اِس انتقال
میں ارتقاء کے ساتھ ہی ابتدائی مرحلہ میں یہ ذرّہ دو حصّوں میں تقسیم ہُوا اور دونوں حصّے
نر و مادہ کی شکل میں اپنے ارتقائی —— انتقالی —— مرحلوں میں بڑھنے لگے —— ایک ذرّہ
سے انسانی ہیئت تک پہنچنے میں۔ ہیئت کے مطابق مختلف شکلیں اختیار کیں یعنی حیوانی ہیئت
میں مختلف جسامتوں میں محسوس ہُوئے۔ یہاں تک کہ حیوانی ہیئت میں انسانی قدو قامت
تک پہنچے۔ بالآخر دونوں وجود انسانی شکل و صورت میں نمودار ہو گئے۔ ان ہی دو صورتوں
میں ایک "آدم" تھے دوسرے "حوا" اِس مقام پر پہنچ کر ایک تصوّر قائم ہوتا ہے۔ کہ اِنِّیْ
جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے اعلان پر دونوں وجود موجود ہیں — مگر اظہارِ خلافت
میں ابتداء میں صرف وَعَلَّمَ اٰدَمَ میں آدم ہی کی طرف اشارہ ہے "حوا" کی طرف نہیں
—— اِس سے ظاہر ہے کہ دونوں وجود انسانی حیثیت و ہیئت اختیار کیے ہیں لیکن صفت
کے اعتبار سے دونوں خلیفہ کی حیثیت میں شمار ہیں البتہ منصوبہ الٰہی —— مرضی الٰہی کے
تحت اولاً آدم ہی کو علم دیا گیا —— جب کہ قرآن نے حوا کو علم دینے کا ذکر نہیں کیا ——
اِس لیے آدم ہی سے اظہارِ خلافت ہُوا۔ اب یہ امر آدم پر موقوف ہُوا کہ وہ حوا کو
بھی اس علم سے آگاہ کرے تاکہ وہ بھی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی صفت
سے متصف ہو کیونکہ یہ امر لازمی ہے کہ وجُودی اعتبار سے آدم و "حوا" کا وجود ایک ہی
حیثیت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ اگرچہ پیدائشی ترتیب علیحدہ ہے لیکن حوا میں بھی بحیثیت انسان
—— جسم خاکی —— رُوح ناری موجود ہے اور انسان ہونے کی حیثیت میں اس میں بھی رُوح رحمانی

کا نفخ ہونا لازمی ہے ۔اس کا ذکر قرآن نے اِس لیے نہیں کیا ـــ اوّل یہ کہ شروع سے قرآن نے آدم کی تخلیقی ترکیب کے مقابلہ میں ۔حوا کی تخلیقی ترکیب کا ذکر ضروری نہیں سمجھا۔ اس تخلیقی ترکیب میں ایک فرق تھا ۔کہ حوا "نفسِ واحدؔ" نہیں ۔یعنی حوا "نفسِ واحدؔ" کی صفت میں شمار نہیں بلکہ "نفسِ واحدؔ" کی جزء سے اس کا ہونا مقرر تھا۔ اِس لیے اسکی حیثیت ثانوی ہے۔ البتہ آدم کی ناری رُوح مستقل وجود ہے۔ حوا۔اس مستقل وجُود کی جزء ہے۔ مگر حِمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ میں دونوں روحیں ایک جیسا مادہ حاصل کرکے انسانی بشری شکل وصورت اختیار کرجاتی ہیں اور انسان کے مقام پر پہنچ کر حوا کی ناری رُوح مثلِ آدم ایک مستقل وجود و ہیئت اختیار کرجاتی ہے ۔اِس مقام پہ دونوں رُوحیں ایک جیسی ہیئت میں قائم ہوتی ہیں۔ اور جب حوا بھی بشری ہیئت اختیار کرتی ہے تو اس کے لیے بھی بحیثیت انسان روح رحمانی کا نفخ ہونا لازمی ہے ۔ اس کا بیان اس لیے نہیں ہوتا کہ اوّل اس کی تخلیقی ترتیب واضح ہے جس کے ذکر کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور انسانی ہیئت پہ رُوح رحمانی کا نفخ لازم ہوگیا۔ جو مشاہدہ میں خود بخود واضح ہوگیا تو اس کے بیان کی بھی ضرورت نہ رہی البتہ اِس مقام پہ بنیادی حیثیت میں آدم کو حوا پر تفوق (فضیلت) حاصل ہے۔کہ وُہ کل کی حیثیت رکھتا ہے اور "حوا" جز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اِس لیے اظہارِ خلافت صرف آدم سے ہی ہونا لازم آتا ہے ـــ قدرت کی طرف سے یہ ترتیب مقرر ہے کہ آدم کو براہِ راست علم دیا جائے اور اسی سے خلافت کا مظاہرہ کیا جائے۔ آدم کو معلّم کی حیثیت دی گئی ۔ اور حوا کو متعلّم کی حیثیت ملتی ہے اور جب حوا کو بھی آدم سے علم عطا ہُوا تو یہ بھی علم کے اعتبار سے خلیفہ قرار دی جاتی ہے ۔

اب دیکھنا ہے کہ حوا کو بحیثیت زوجہ ـــ مادہ عورت کی حیثیت سے کیوں پیدا کیا گیا ؟ـــ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات خلقت کی تخلیق میں یہ ایک فطری خاصیت پائی جاتی ہے کہ ایک وجود سے دوسرا وجود بنتا چلا آیا ہے ـــ ایسا نہیں کہ ایک وجود منتشر ہو کر مختلف وجودوں میں تقسیم ہو ـ جیسا کہ اس امر کی ابتدائی پیدائش سے نشاندہی ہوتی ہے کہ کائناتِ خلقت اللہ کے نور سے بنی ـــ اِس ترکیب میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا نور

منتشر ہو کر کائنات کی مختلف شکلوں ـــ ہیئتوں ـــ کیفیتوں میں تقسیم ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود اور وسیع ہے۔ اس کا مختلف ہیئتوں میں تقسیم ہونا ممکن نہیں سوائے اس کے کہ اس نور کے ایک جز سے ایک وجود پیدا ہو ـــ ایک ہی وجود ـــ اور پھر اسی فطری تخلیق کے تابع دوسرا وجود بھی مختلف ہیئتوں میں منتشر نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس کے کہ اس وجود کے جز سے دوسرا وجود پیدا ہو ـــ اس حال میں اس کا اپنا وجود بھی باقی رہے۔ یہی ترتیب کائنات خلقت کی تخلیق میں کارفرما ہے کہ ہر مقام پر ایک نور علت (سبب) یا CAUSE کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے ایک معلول ـــ مسبب یا EFFECT پیدا ہوتا ہے۔ یہ ابتدائی نوری ہیئت کی کیفیت ہے کہ ایک علت نور سے معلول نور ہی پیدا ہو ـــ اور جب نور ـــ آخری حد پر ایک نور "علت" میں دوسرا نور پیدا کرنے کی گنجائش نہ ہو تو اس نور سے ناری ہیئتیں پیدا ہوتی ہیں اس کی مثال آسمان سے ملتی ہے کہ آسمان اوّل نور کی آخری حد ہے اس نور میں سے دوسرا نور پیدا ہونے کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اس نور کی ایک جز نار کی ہیئت میں پیدا ہو گئی ـــ یہ آسمان اوّل کا حقیقی مقام ہے جہاں اس میں قوی ناری قوتیں جز کی صورت میں پیدا ہوں گی۔ اب دوسرے مقام پر ان ہی ناری وجودوں سے جز کی صورت میں ناری وجود پیدا ہوں گے ان ہی ناری منقسم وجودوں میں سورج کا ناری کرہ بھی ہے جس کی ایک جز زمین ہے اور زمین سے جب دوسرے وجود کی گنجائش تھی تو اس سے چاند اور چند ستارے پیدا ہو گئے اور جب اس کی ناری قوت تنزل پذیر ہوئی تو اس کے اجزا سے ـ گیس ـ ہوا ـ پانی پیدا ہوئے اور اسی زمین سے انسانی وجود پیدا ہوا۔ اب لازم ہے فطری ترتیب کے مطابق آئندہ وجود کی پیدائش جاری رکھنے کے لیے انسان کے وجود سے بھی اجزا ء جدا ہوں گے۔ مگر انسان کی نشو ونما کے لیے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ـــ زمین کی جوہری قوت کا ہونا ضروری ہے ـــ لیکن زمین پر تخلیقی ترتیب میں حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انسانی جز سے ایک جز نکال کر اسے مادہ عورت کی شکل دی گئی ـــ اور عورت کے جسم میں رحم بنا جس میں عورت زمین سے غذا حاصل کر کے اس غذا کے جوہری مادہ کو حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ

کے متبادل رحم میں جمع کرتی ہے۔ اس رحم میں مرد کے ناری ذرہ (نطفہ) کو مثل حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ غذا میسّر ہو کر انسانی ہیئت تشکیل پاتی ہے۔ لہٰذا یہ امر واضح ہے کہ بغیر عورت — بغیر رحم — بغیر خون حیض۔ انسان کا تشکیل پانا کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں — یہ ممکن نہیں کہ مثلِ آدم ہر انسان زمین کے ذرہ کی حیثیت میں زمین کے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ میں نشو ونما پاکر وجُود حاصل کرے۔ جب کہ زمین سے آئندہ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کا مرکب پانا ناممکن نہیں اور جب قدرت کی تخلیق کا فطری نظام ہے تو انسانی تخلیق کے لیے عورت کا ہونا ضروری ہوگا — تاکہ آئندہ انسانی مخلوق کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہو — اس امر سے واضح ہے کہ عورت اگرچہ صفات کے لحاظ سے "انسان" تصوّر کی جاتی ہے لیکن مرد کے مقابلہ میں اس کی حیثیت ثانوی ہے۔ یہ مرد کی جز سے ہے اس لیے مرد کے مقابلہ میں عورت مرد کے ہم پلّہ (برابر) نہیں ہو سکتی — دوسرے مرد "مذکر" ہے اور عورت "مؤنث"۔ مرد سبب ہے — اور عورت مسبب — مسبب — سبب کے مقابلہ میں جز کے اعتبار سے یکساں حیثیت کی حامل نہیں — پھر مرد معلّم ہے — عورت متعلمہ (شاگرد) ایسی صورت میں مرد قائد ہے — عورت مقتدی — مرد سے مرد وجود پاتا ہے — عورت سے عورت — اِس حالت میں بھی عورت کا مقام مرد سے پست ہے اِس کیفیت کی طرف قرآن نے اشارہ دیا۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ مرد کو عورت پر فوق (برتری) حاصل ہے۔ عورت مرد کی مقتدی (مقلّد) ہے۔ عورت پر مرد کی اقتداء، واطاعت واجب ہے — یہ تو انسانی تخلیق میں مرد و عورت کی تخصیص ہے — اب زمین پر عورت کا مرد سے کیا نسبت و تعلق قائم ہوتا ہے؟ اوّلاً مرد عورت کے تعلق میں دو کیفیتیں سامنے آتی ہیں — ایک مرد سے علم حاصل کرنا دوسرے وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا نسلِ انسانی کے تسلسل کے لیے مرد کی صحبت میں آنا سوائے اس کے دوسری کیفیت ابتدائی دَور میں سامنے نہیں آتی — ابتدائی دَور کا تصوّر کیا جائے تو ظاہر ہے کہ آدم و حوا کے لیے خلیفہ کی حیثیت میں ایک ہی عمل مقرر تھا کہ حصول علم کے ساتھ مشاہدہ اسرار الٰہی تصوّر و معرفت ذاتِ الٰہی کو ہر لمحہ قائم رکھیں ان کے لیے حصولِ سامان زندگی کی کوئی ایسی مہم نہ تھی جس کے لیے انہیں جستجو

کرنا تھی سوائے اس کے کہ ان کی پیدائش سے قبل ان کی غذا کے لیے پھل موجود تھے۔ صرف تصور میں اتنا وقفہ پیدا ہوتا کہ بھوک پر غذا حاصل کر کے کھا لیتے ـــ بس ـــ اور پھر مشاہدات میں منہمک ہو جاتے کیونکہ انسان کی زندگی کا واحد مقصد و نصب العین اس کے سوا کچھ نہ تھا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۱ آیت ۵۶)
اللہ تعالیٰ نے انسانی مقصدِ زندگی کو واضح کر دیا کہ نہیں بنایا جنوں اور انسانوں کو مگر صرف عبادت و تسبیح و حمد اور معرفت کے لیے ـــ اس تصور میں مرد اور عورت کی حیثیت منفرد ہے ـــ الگ الگ تھی ـــ مرد اور عورت میں رشتہ کا کوئی تصور نہ تھا۔ سوائے اس کے عورت مرد سے حصولِ علم میں رجوع کرے۔ یہ زمانہ ہے جب انسان یکسر پاکیزہ نفس تھا۔ اس کا عمل صرف مشاہدات و معرفتِ الٰہی کے لیے وقف تھا اور اسے استغراق سے فراغت میسّر نہ تھی ـــ یہ انسان کی فطری تخلیق کا خاصا ہے کہ مشاہدہ اسرارِ الٰہی۔ معرفتِ الٰہی میں استغراق کی صورت میں انسان کے قلب میں ماسوا کی نہ خواہش ابھرتی ہے نہ اسے ماسویٰ کی طرف رجوع کرنے کی طلب رہتی ہے۔ انسان دیدارِ الٰہی کی لذّت میں کسی شے کی نہ خواہش رکھتا ہے نہ ذہن کو کسی ماسویٰ کی طرف متوجہ کرتا ہے ـــ یہی کیفیت آدم و حوا کی تھی کہ پاکیزہ وجود میں ان پر شہوت کا غلبہ نہ تھا نہ اس کا احساس تھا ـــ دونوں وجود منفرد حیثیت میں اپنے اپنے عمل پر مشغول تھے۔ اگرچہ ہزاروں سال دونوں ایک جنس ہونے کی حیثیت میں ایک دوسرے کے قریب ارتقاء کرتے رہے ـــ اس کے باوجود ان میں زندگی یکجا بسر کرنے میں اجتماعیت کا تصور پیدا نہیں ہوا تھا ـــ نہ انہیں ایک دوسرے کی خدمت و معاونت کا جذبہ محسوس ہوتا تھا ـــ نہ اس کی ضرورت تھی البتہ اس استغراق و انہماک میں بھی انہیں جسمانی بقا و تحفظ کی ضرورت تھی کہ وہ جسم کی بقا کے لیے مادی حصول کی خاطر ایک وقت ذہن کو معرفت و استغراق سے فارغ رکھیں ـــ لیکن آدابِ انسانیت کے تابع انہیں پاکیزہ و خالص غذا استعمال کرنے کا خیال رکھنا ضروری تھا ـــ یہ کیفیت مشاہدہ میں آتی ہے کہ انسان سنِ شیرخوارگی سے سنِ بلوغت تک ـــ بلوغت سے قبل

تسات سے تیرہ سال کی عمر تک" غذا استعمال کرتا ہے۔ اِس کا جسم پختہ ہوتا ہے تاہم اس عمر میں اگرچہ اس پر شہوانی اثرات کا غلبہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن انسان پر اپنے شہوانی جذبات کو استعمال کرنے کا اثر غالب نہیں ہوتا (یہ ایک پاکیزہ جسم کی مثال ہے) نہ اس وقت جسمانی حالات میں نسل کشی کے قابل ہوتا ہے۔ اِس لیے فطری اصول کے تابع سن بلوغت میں سولہ سترہ سال کی عمر نکاح کے لیے مقرر ہے۔ اِس سے قبل انسان کو نسل کشی میں کامل نہیں تصوّر کیا جاتا۔ آدم و حوا کو اگرچہ ایک کامل انسان کی ہئیت میں تصوّر میں لایا جاتا ہے لیکن معرفتِ الٰہی میں استغراق یا آدم و حوا کی آپس کی قربت میں شہوانی جذبات کے غلبہ میں آپس میں اختلاط نہ کرنے کا موقع نہ آنا الٰہی اصول کے تابع تھا ــــ کہ جب تک ان سے باہمی اختلاط ــــ یا نسل کشی کا عمل صادر ہونا ظاہر نہیں ــــ ایسی حالت ہے ــــ جیسے لڑکا لڑکی تیرہ سال کی عمر تک باہم قریب رہ کر بھی نہ انہیں شہوانی غلبہ کے جذبہ کا اثر ہوتا ہے اور نہ انہیں باہم اختلاط (مباشرت) کا احساس ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں نہ رشتۂ ازدواج کا تصوّر پایا جاتا ہے۔ نہ نکاح کی صورت پیش آتی ہے ــــ یہی دَور ــــ یہی کیفیت اس وقت تھی جب ابتدائی دَور میں آدم و حوا باہم قریب ہو کر بھی غلبہ شہوت کا احساس نہ رکھتے تھے۔ نہ ہی نسل کشی کے لیے ان کے جسم کاملیت کے درجے پر پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو حکم دیا

يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ[۱] الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَاص وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ[۲]

---

[۱] اس مقام پر زَوْجُكَ میں بیوی کا تصوّر نہیں البتہ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا اس دو وجودوں کا تصوّر پایا جاتا ہے۔

[۲] مفسرین نے شجر کے معنی میں گندم کے پودے کا مفہوم لیا ہے۔ حالانکہ گندم کا پودا شجر کی صفت میں نہیں آتا۔ عام عقول کے مطابق درخت کی صفت میں۔ تنا۔ شاخیں۔ پتے اور پھل آتے ہیں۔ لہٰذا قرآن و حدیث سے شجر کی تعریف ثابت نہیں ــــ سوائے اصطلاحِ قریش۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۵)

اے آدم تو اور تیرا جوڑا اس باغ میں سکونت رکھو اور اپنے جسم کی بقا کیلئے پاکیزہ غذا استعمال کرو ـــــ مگر ایک درخت (نشان کردہ) کے قریب نہ جانا (یعنی اس درخت کا پھل نہ کھانا) اگر تم نے اس درخت کا پھل کھایا ـــــ تو غلط کاروں میں سے ہو جاؤ گے اور تم پر اندھیرا چھا جائے گا۔ غلط کاروں سے مراد کسی شے کا حکم الٰہی کے خلاف غلط طریقہ سے استعمال کرنا اور ظلمت سے مراد مشاہدہ اسرارِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی سے محروم ہونا ـــــ لازم تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ جی بھر کر کھانے کی تحریک و احساس دیا تو آدم و حوا نے ضرورت کے وقت حصولِ غذا میں توجّہ دینا شروع کی جس کا فطری اثر تھا جو آدم و حوا پر اثر انداز ہونا لازمی تھا ـــــ اِس فطری اثر نے آدم و حوا کے ذہن میں معرفتِ الٰہی پر استغراق میں ایک اضافی تصور پیدا کیا ـــــ فطری اثر کے تابع آدم و حوا کا ذہن دو تصورات میں بٹ گیا ـــــ اور حصولِ غذا کے تصور نے بھی ذہن میں جگہ پائی ـــــ لازم تھا کہ ان میں حصولِ غذا میں جستجو بڑھ جاتی ـــــ جستجو نے لذّت پیدا کی لذّت نے جستجو کو مزید تقویت دی۔ اِس طرح آدم و حوا میں لذّتِ نفس کے لیے جستجو کا مادہ بڑھتا گیا۔ یہ عمل انہماک و استغراق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲۸)

عربی میں درخت کی تعریف لی جائے۔ کہ قریش کے نزدیک درخت کی تعریف کیا ہے؟ اِسی تعریف پر درخت کی صفت میں مضبوط تنا۔ شاخیں۔ پتّے اور پھل کا تصور محقق ہو سکتا ہے جس کے پھل میں کثافت اور بھرپور شہوت کا مادہ پایا جاتا ہے۔

؎ اَلظّٰلِمِيْنَ کے لغوی معنی ایک شے کو غلط طریقہ پر استعمال کرنا یا خلافِ قانونِ فطرت عمل کرنا۔
اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۵۷)
اللہ دوست رکھتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ نکالتا ہے انہیں اندھیروں میں سے روشنی (نور) کی طرف۔ یہاں اندھیرا۔ قلب و شعور کا اندھیرا مراد ہو سکتا ہے اور نور۔ ہدایت اور حق کا تسلیم اور مشاہدۂ نوری مراد ہو سکتا ہے۔

ہیں —— "وقفہ" اور خلل کا باعث بنا —— اِسی وقفہ سے شیطان نے فائدہ اٹھایا —— شیطان قوی ناری وجود تھا —— اور آدم و حوا میں بھی یہی ناری قوت (رُوحِ حیوانی) موجود تھی —— شیطان نے موقع پا کر ناری توجہ دینا شروع کی —— شیطان اِس عمل میں کامیاب ہو گیا —— اس نے توجہ سے آدم و حوا کے ذہن میں وسوسہ پیدا کیا اِسی "وسوسہ" نے یہ کیفیت طاری کر دی کہ شاید اِس پھل کے کھانے میں کچھ مصلحت پوشیدہ رکھی گئی ہے —— یہ امر مسلمہ ہے کہ حصُولِ لذت کی جستجو میں جب انسان رابطہ نوُری سے غافل ہو تو شیطان وسوسہ ڈالنے میں موقع پا جاتا ہے اور اس وسوسہ سے ذہن متاثر ہو جاتا ہے —— ہاں طویل مدت ایک حالت میں سکونت کرنے میں انسان بھُول گیا —— اس میں احتیاط نہ رہی —— درخت کا پھل بے خبری میں کھاتا رہا —— نتیجہ ظاہر ہے —— کثیف غذا کھانے سے خود بخود استغراق و انہماک کی کیفیت میں استحکام نہ رہ سکا۔ مشکل پیش آئی دائمی مشاہدہ میں فرق آیا رفتہ رفتہ مشاہدہ میں خلل پیدا ہُوا یہاں تک کہ آدم علیہ السّلام اور حوا کا مشاہدہ یکسر بند ہو گیا ان پر قبض طاری ہو گئی یہ ایک سانحہ عظیم تھا۔ جس سے آدم علیہ السّلام پر اضطراب و پریشانی طاری ہو گئی اور اضطرابی حالت میں اسے محسوس ہُوا کہ وہ اپنی جان پر ظلم کر چکا ہے۔ اِس ندامت پر آدمؑ اللہ کے آگے گڑگڑایا۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۳) اے اللہ ہم نے خود اپنے آپ کو اندھیرے میں ڈال دیا۔ ہم معرفت و قرب سے دُور ہو گئے۔ اگر تو ہماری خطا معاف نہ کر دے تو ہم شدید نقصان میں پڑ جائیں گے۔ اِس واقعہ نے آدم اور حوا کو ایک نئے دَور میں داخل کر دیا —— کہ ایک تو ان کی بلوغت کا وقت آ چکا تھا —— دوسری کثیف غذا کی وجہ سے ان پر غلبہ شہوت طاری ہو چکا تھا۔ آدمؑ کی دُعا قبول ہوئی۔ فَتَابَ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ پر توجہ ڈالی تو اس کا مشاہدہ پھر سے جاری ہُوا —— ضرورت تھی کہ آدم و حوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کی ہُوئی بے محنت غذا سے اپنی جسمانی بقا کو قائم رکھتے ہُوئے معرفتِ الٰہی میں مشغول رہتے مگر بے محنت حصُول میں انسان میں آرام طلبی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں سعی اور جدوجہد کا مادہ کم ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت آدم کی تھی۔ بے محنت حصُول

میں آرام طلبی نے اس میں جدو جہد کا مادہ قائم نہ رہنے دیا۔ سعی اور جدو جہد کا مادہ نہ ہو تو انسان اپنی بقا و تحفظ سے ـــــ لاتعلق اور غافل ہو جاتا ہے ـــــ ایسے موقع پر بے خبری میں شر کی قوتوں کو اثر انداز ہونے کا موقع مل جاتا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے آدم کو حکم دیا اِهْبِطُوْا فِی الْاَرْضِ۔ اب تم باغ سے باہر نکلو اور زمین کی وسعتوں میں اُترو ـــــ اور حصول رزق میں سعی بھی کرو ـــــ تاکہ تم میں جدو جہد کا جذبہ قائم رہے ـــــ اور یہ امر انسانی پیدائش کے منصوبہ میں شامل تھا۔ کہ انسان نے زمین کی وسعتوں میں پھیلنا تھا۔ جنت میں قیام صرف آدم و حوا کے لیے مخصوص تھا ـــــ حادثاتی طور پر آدم پر آزمائش آئی۔ یہ آزمائش آدم کے لیے تھی کہ معرفتِ الٰہی میں کہاں تک استقامت رکھ سکتا ہے کیونکہ تخلیقِ انسانی کے مظاہرہ علم و معرفت میں آدم کو ہی مخصوص کیا گیا تھا ـــــ آدم و حوا باغ سے نکلے۔ اب وقت تھا کہ فطری قانون کے مطابق آدم و حوا سے وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا کا سلسلہ نسل کشی شروع ہو ـــــ اور اب آدم و حوا نے "شوہر" "بیوی" کی حیثیت اختیار کی ـــــ اسی حیثیت میں ایک دوسرے سے قریبی رابطہ قائم ہو گیا۔ صورت یہ ہوئی کہ آدم نے معلّم کی حیثیت میں حوا کو طریقِ مشاہدہ میں تربیت دی اور اس کے ساتھ ہی حوا کی ضرورت غذا کو پورا کیا۔ یہی کیفیت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ، مرد عورت پر حصولِ علم۔ تربیت۔ اصلاحِ نفس میں معلّم کی حیثیت رکھتا ہے ـــــ اس حال میں عورت کا مرد کے تابع رہنا اور اس کی اتباع میں اس کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا جس میں عورت کے لیے اپنے ارادۂ عمل کو مرد کی ہدایت کے تابع کرنا لازم ہے ـــــ اور پھر حصولِ سامانِ زندگی میں بھی جب کہ اس کا ارادہ اختیار مرد کی ہدایت کے تابع ہو۔ مرد کی محتاجی میں آنا لازم ہے۔ یہی ایک حصول و ضابطہ عقد سے تعبیر دیا گیا جس کے معنی عقداً۔ گرہ لگانا (دونوں کا تعلق مستحکم ہونا) اللہ تعالیٰ نے چونکہ آئندہ نسل کشی کا ایک نظام مقرر کیا۔ کہ مرد عورت باہم تعلق کریں۔ اس لیے عقد کی شرائط کے تحت مرد عورت کا باہم مل کر تعلق قائم کرنا لازم ٹھہرا ـــــ یہ قدرت کا اہم فریضہ مقرر ہے۔ اس فریضہ میں انسان کے ذمہ اہم کام سپرد ہوتا ہے۔ اوّل عبادات و تزکیہ سے اپنی روحانی جسمانی پاکیزگی کو قائم رکھنا۔ دوئم عورت کی تربیت اصلاحِ نفس ـــــ اور

عورت کو علم دینا ـــ عورت کی ضرورت (سامانِ زندگی) پورا کرنا ـــ اور باہم اختلاط سے اولاد پیدا کرنا ـــ اِس امر سے واضح ہے کہ انسان ہی انسان پیدا کرتا ہے ـــ لہٰذا ضروری ہے کہ نظامِ الٰہی کے تحت انسان ایک پاکیزہ انسان پیدا کرنے کا خود ذمّہ دار ہے۔ اولاد پیدا کرنے کے ساتھ اولاد کی پیدائش میں ایک خصوصی مقصد کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ عورت مرد کے اختلاط میں اوّلین نظریہ ایک پاکیزہ انسان پیدا کرنا ہے۔ ایسی صورت میں عورت مرد کے باہم تعلق میں سوائے نسل کشی کے اور کوئی تصوّر موجود نہیں تھا۔ ظاہر ہُوا کہ زمین پر عورت کا مقام مرد کی اطاعت میں ایک طرف حقیقی مقصد معرفتِ الٰہی حاصل کرنا اور آئندہ انسان پیدا کرنے میں مرد سے وابستہ رہنا تھا ـــ اِس کے بعد جُوں جُوں زمانہ گزرتا گیا ـــ انسان نے حصُولِ دُنیا میں لذّتِ نفس کے زیرِ اثر حصُول کی جستجو کی اور زمین پر سکونت میں اپنی آسانی اور آسائش کے لیے مختلف طریق اختیار کیے۔ تو اس سے زائد حصُول میں دوسرے انسان کی معاونت کی ضرورت محسوس ہوئی ـــ اِس سے قبل پیدائشی حیثیت میں انسان منفرد حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا عمل منفرد تھا مگر حصُولِ زائد نے اسے دوسروں کی معاونت کے لیے اجتماعیت کی طرف تحریک دی۔ انسان دوسروں سے رابطہ رکھنے لگا اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ انسان منفرد حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ اِس حال میں اس کی زندگی کا مقصد سوائے معرفتِ الٰہی کے کچھ نہیں۔ اِس کے برعکس معرفتِ الٰہی میں کوتاہی حصولِ زائد کی ہوس ہی اس کی اجتماعی ہیئت کا سبب بنی جس سے انسان نے اجتماعیت کی طرف رجوع کیا اس طرح جب انسان نے دوسروں سے رابطہ قائم کیا تو اجتماعی حیثیت میں اس نے قبیلوں اور گروہوں کی ہیئت اختیار کی اِس طرح ابتداء میں مرد نے عورت کو بھی حصولِ سامانِ زندگی میں شریک کر کے اسے شریکِ حیات کے تصور میں پیش کیا ـــ مرد سامان فراہم کرے اور عورت اس سامان کو آراستہ کر کے مرد کے سامنے لائے اور اولاد کی پرورش میں اس کی شرکت لازمی ہو گی تو اس صورت نے ایک خاندان کی شکل اختیار کی ـــ یہ انسانی پیدائش میں ایک اضافی کیفیت تھی ـــ جو انسانی ضرورت نے پیدا کی ورنہ فطری طور پر اپنی پیدائش اور عمل میں وہ منفرد حیثیت رکھتا تھا۔ اگر انسان حصولِ سامانِ زندگی میں

ضرورت سے زیادہ جستجو نہ کرتا تو اسے کسی دوسرے کی نہ معاونت کی ضرورت تھی نہ اجتماعیت کی ہیئت پیدا ہوتی ۔ لیکن یہ امر انسان کی فطرت میں تھا کہ اسے حصول سامان زندگی کی طرف اپنی بقاء کے لیے متوجہ ہونا پڑا ـــــ اور اس حصول میں اسے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان پر احسان کیا ۔ کہ اس کی! خاندانی ہیئت حاصل ہونے کے لیے ـــــ ایک ضابطہ مقرر کیا ـــــ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا وہ اللہ جس نے انسان کو بشر کی حیثیت میں پیدا کیا لیکن انسان نے اجتماعیت کے تابع ایک تمدّنی زندگی اختیار کی تو اس کی آسانی کے لیے فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۵ آیت ۵۴) سلسلہ نسلی جاری کیا اور آپس میں انسانوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے رشتہ ازدواج کا طریقہ جاری کیا ـــــ جسے سسرال کہا گیا ـــــ کہ آپس میں مرد عورت کے عقد سے ایک ہمدرد اور معاون قبیلہ کی صورت پیدا کر دی ۔ یہ اس لیے کہ مختلف اور منتشر قبیلے آپس میں محبت و ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ ایک دوسرے کی ضرورتوں میں معاون و مددگار رہوں ۔ اِن ہی ضرورتوں کے مدِّ نظر عورت کو مرد کے ساتھ دائمی رفاقت میں رکھا گیا تاکہ عورت مرد کے ساتھ شریکِ حیات بن کر اس کی ضرورتوں میں اس کی معاون بنے ۔ اِس طرح مسلسل زندگی میں عورت مرد کی جُزبن گئی اور اس کے ذمّہ مرد کی خدمت کا خاص انتظام مقرر ہُوا ۔ ـــــ اور چونکہ آئندہ نسل کی ابتدائی پرورش بھی انسان کے ذمّہ تھی ـــــ اِس لیے مرد اور عورت کی مشترکہ پرورش میں ۔ مرد اور عورت ایک دوسرے کے ہر شعبہ زندگی میں معاون بن گئے ۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔ کہ اصُولِ فطرت کے تابع مرد عورت کے لیے اپنی ذمّہ داریاں پُوری کرے اور عورت مرد کی معاون بن کر مرد کی زینت بنے ۔ اِس تمام واردات کا ماحصل ۔ درحقیقت ۔ زمین پر ایک پاکیزہ وجود ۔ پاکیزہ عمل انسان کا پیدا کرنا ہے ـــــ کہ یہ امر انسان کی اپنی ذات پر منحصر ہے ۔ کہ اپنی روحانی جسمانی پاکیزگی ـــــ اور فطری پیدائش کا خاصا ـــــ مشاہدہ اسرار الٰہی ـــــ معرفتِ الٰہی کو بہر حال قائم رکھ کر اپنے وجود سے جزوی حیثیت میں ایک نسل انسانی کے پیدا کرنے کا اہل ہوا گر اس ضابطہ کا خیال نہ رکھا گیا ـــــ انسان نے اپنی وجود کی سالمیت اور پاکیزگی کو قائم رکھنے میں ـــــ

تساہل و تغافل برتا ـــــ تو لازمی طور پر انسانی نسل ناقص الوجود پیدا ہوگی ـــ پھر نسلِ انسانی کے اعمال کی تمام تر ذمہ داری خود انسان پر ہوگی۔ نسلِ انسانی کی خرابی میں اس کے اعمال کی جزا میں خود انسان بھی اس جزا میں شریک ہوگا۔ قرآن نے بتایا

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْآ اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا۔ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۶ آیت ۶)

اے ایمان والو خود کو اور اپنے بیوی بچوں کو ـــ اپنی ذریت کو عذاب آخرت کے مواخذہ سے بچاؤ۔ ایسی ہی حالت میں جب انسان نے اپنی ذمہ داریوں سے تغافل برتا ـــ تو زمین پر ناقص الوجود انسان نے پیدا ہو کر فساد و خونریزی برپا کی ـــ اور یہ حالت پہنچی کہ زمین پر نہ پاکیزہ انسان میسر آیا نہ پاکیزہ انسان پیدا ہونے کی کوئی صورت نظر آئی ظاہر ہے جب انسان خود پاکیزہ نہ ہو تو اس سے ناقص الوجود انسان ہی پیدا ہوگا۔ اِس معاشرہ میں جب ہر انسان ناقص الوجود اور نافرمان پیدا ہو تو پاکیزہ انسان پیدا ہونا ممکن نہیں رہتا تو اللہ تعالیٰ پر ایسی قوموں کو تباہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝
اِنَّکَ اِنْ تَذَرْھُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَ لَا یَلِدُوْآ اِلَّا فَاجِرًا
کَفَّارًا ۝ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۱ آیت ۲۶-۲۷)

ایسے ہی موقع پر نوح علیہ السلام نے کہا اے رب یہ قوم اپنے کفر اور انحراف میں حد سے گزر چکی ہے ضروری ہو گیا۔ تو انہیں زمین پر زندہ نہ چھوڑ انہیں ختم کر دے اور اگر تُو نے انہیں اس حال میں چھوڑا تو یہ ناقص الوجود ہو چکے ہیں لہذا ان سے سوائے فاجر اور کافر کے پاکیزہ اولاد پیدا ہونا ممکن نہیں اور ایسی مخلوق آئندہ نسلوں کے لیے گمراہی کا سبب بنے گی ـــ تو اللہ تعالیٰ ایسی قوموں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں ـــ اپنے بنیادی مقصد زندگی کا شدت سے احساس کرو۔ اپنی زندگی کو تزکیہ نفس۔ اطاعتِ الٰہی۔ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نسبتِ ولی سے پاکیزہ بناؤ۔ ہمہ وقت اپنی زندگی میں حصولِ دنیوی میں حصول آخرت رضائے الٰہی اور رضائے رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم سمجھو ـــ بلاشبہ انسان ضعیف ہے۔ حصولِ دنیا میں مشغول رہنے

کی اس میں فطری خاصیت ہے۔ لیکن قدرت نے تمہیں ایسی رُوحانی قوت بخشی ہے کہ اس کی مدد سے تم حق کی طرف رجوع رکھنے کی قوت رکھتے ہو مگر اس امر میں کٹھن محنت کی ضرورت ہے — محنت و تزکیہ سے جی نہ چراؤ — نسبتِ پیر صحبتِ پیر — ایک بہتر ذریعہ ہے — حصولِ حق کے لیے — اپنی فرصت کا وقت بلاضرورت اشغال میں ضائع نہ کرو — وقت کو غنیمت جانو — اکثر وقت تصور و مراقبہ اور درود شریف میں مشغول رہو۔ تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہی صورت مقام انسانیت حاصل کرنے کی ہو سکتی ہے۔

آدابِ مجلس

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آدابِ مجلس میں فرماتے ہیں کہ مجلس میں اس حالت میں بیٹھو کہ تمہارا قیام کسی دوسرے کی طبیعت کے خلاف بُرا تاثر پیدا نہ کرے۔ دوستی اور برابری کے باوجود ایک دوسرے کی طرف لاتیں پھیلا کر نہ بیٹھو اس طرح دوسرا احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (کہ مجھے کم حیثیت سمجھا گیا) اور اس طرح دوسرے شخص کی "انا" پر ضرب پڑتی ہے — کہ ایسی حرکت سے وہ اپنی توہین سمجھتا ہے یا ایسی حرکت سے باہم نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے — مجلس میں دوسروں کے لیے جگہ بیٹھنے کے لیے مہیا کرو — لازم ہے کہ جو شخص پہلے آئے اپنی "انا" (خودی) مجلس سے باہر چھوڑے اور خود مجلس میں آکر نچلی سطح پر بیٹھے تاکہ آنے والے شخص کو اپنے لیے مخصوص جگہ تلاش کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ اس طرح جو شخص مجلس میں داخل ہو گا اسے خود بخود اونچا مقام ملتا رہے گا — اور کسی فرد میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تخصیص کا جذبہ پیدا نہ ہو گا۔ ورنہ احتمال ہوتا ہے کہ اگر کوئی فرد مجلس میں نچلی سطح پر جگہ پا کر اپنی کمتری محسوس کرے تو یہ تاثر بھی آپس میں نفرت کا سبب بن جاتا ہے — کیونکہ مجلس میں مختلف طبیعتوں کے لوگ جمع ہوتے ہیں مبادا کسی شخص میں اپنے مقام کو دیکھ کر احساس کمتری پیدا ہو جائے — اس کا لازمی اثر یہ ہو گا کہ انسانی نفس امارہ شرارت پر اُتر آتا ہے۔ اور ذہن میں فتور پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ فلاں شخص اُونچی جگہ پر بیٹھ کر

میری تذلیل کرتا ہے۔ اِس طرح شیطان کو نفرت اور کدورت پھیلانے کا موقع ملتا ہے لہٰذا مجلس میں ہر شخص دوسرے شخص کا احترام مدِنظر رکھے اور مجلس میں اس انداز سے بیٹھے کہ دوسرے لوگوں کی طبیعتوں میں احساسِ کمتری کو اُبھرنے کا موقع نہ ملے اور مجلس میں محبت و یگانگت اور برابری کی فضا قائم رہے اور ہر شخص فروعی خیالات و تصورات سے فارغ رہ کر حق کی تعلیم قبول کرنے میں آسانی پاسکے ــــ حضور فرماتے ہیں دورانِ گفتگو ہر اعلیٰ و ادنیٰ کے ساتھ مہذب طریقہ سے پیش آنا چاہیئے اور ہر شخص کو بجائے "تو" کے "آپ" سے مخاطب کرنا اخلاقی بلندی کا ثبوت ہے ــــ مجلس میں بے جا قہقہے لگانا یا زور زور سے چیخنا یا آواز اعتدال سے زیادہ بلند کرنا آدابِ مجلس کے خلاف ہے۔ دورانِ کلام سنجیدگی اور آہستگی اور خندہ پیشانی اختیار کرنی چاہیئے۔ کلام میں سختی اور ترشی سے بھی باہمی نفرت اور اختلاف پیدا ہوتا ہے ــــ دورانِ گفت گو کلام میں پہل نہیں کرنی چاہیئے۔ ہر شخص کو کلام اسوقت تک برقرار رکھنے کا موقع دینا چاہیئے جتنی دیر وہ خود مزید کلام سے نہ رُکے۔ دوران کلام کسی شخص کی نامعقول بات پر تنقید یا ٹوکنا اچھا نہیں اِس لیے کہ جس بات کو تم غلط سمجھ رہے ہو تکمیلِ کلام پر صحیح ثابت ہو اور قابلِ تسلیم ہو ــــ ایسی صورت میں بے جا تنقید و اعتراض سے مناظرہ و مجادلہ کی صورت پیدا ہوتی ہے ــــ کوئی وعظ ــــ کوئی گفتگو مناظرہ کی شکل اختیار کرجائے تو اصل حقیقت ذہنوں سے دور ہو کر ناقابلِ فہم ہو جاتی ہے اور مناظرہ کی صورت میں فریق حق کی بجائے اپنی "انا" کو درمیان میں لاکر کبر و غرور کی حد میں داخل ہو جاتے ہیں کہ مخالف فریق کی حق بات قبول کرنے میں اپنی خودی پر ضرب پڑتی ہے۔ اور انسان اپنی تذلیل کے احساس میں اپنی بات منوانے میں بے جا دلائل پیش کر کے حق بات ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا ــــ یہ امر آپس میں نفرت و بد اعتمادی پیدا کر کے آپس کے جذبۂ محبت میں فرق ڈالنے کا سبب بن جاتا ہے لازم ہے کہ ہر شخص کو اپنی بات کرنے کا پورا موقع دیا جائے۔ درمیان میں دوسرے کی بات کاٹ کر بات نہ کی جائے۔ جب موقع ملے تو اپنے خیالات کا اظہار اس انداز سے کیا جائے کہ دوسرے کو یہ محسوس نہ ہو کہ اِس بیان میں اس کے نظریات و خیالات کی رد کی جارہی ہے۔ ایسی صورت میں احتمال ہے کہ دوسرا

شخص مجلس میں اپنی توہین یا بے عزتی محسوس کرے تو یہ صورت بھی آپس میں جذبہ نفرت پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے ــــ لازم ہے کہ مجلس میں فروعی گفتگو کرنے سے پرہیز کیا جائے اور اکثر دینی مسائل کو زیرِ بحث لایا جائے ۔ مجلس میں جو بھی مسئلہ زیرِ بحث لایا جائے ــــ خواہ وہ قرآن سے تعلق رکھتا ہو یا حدیث و فقہ سے یا نفسیات سے یا سائنس و فلسفہ سے ــــ علم کلام سے ہو یا معقول و منقول سے ــــ ہر نوع علم کے لیے قبل از وقت ــــ ساتھ ساتھ ٹھوس اور مدلل دلائل دینے چاہئیں۔ تاکہ کسی مسئلہ کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے اور نہ کسی اعتراض کی گنجائش باقی رہے ــــ لازم ہے کہ بحث برائے علم ہو۔ اپنی علمی برتری دل میں نہ ہو۔ ورنہ انسانی ذہن میں عدمِ قبولیت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ حق بات تسلیم کرنے پر آمادہ بھی نہیں ہوتا۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجلس میں اگر دعوت کا انتظام ہو تو کھانے میں پہل نہیں کرنی چاہیئے ــــ اپنی ذات پر دوسروں کو فوقیت دینی چاہیئے۔ بجائے خود کھانے کے اوروں کو سیر ہو کر کھانے کا موقع دینا چاہیئے اس طرح دوسروں میں بھی ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور دوستوں میں باہم محبت اور عزت بڑھ جاتی ہے اور ایک دوسرے کی قربانی کے لیے ہر شخص دوسرے کی مدد اور بہتری کا جذبہ استعمال کرتا ہے ــــ لازم ہے ــــ کھانا کھاتے وقت کسی کے ہاتھ یا دہن یا کھانے کے برتن پر نظر نہیں رکھنی چاہیئے۔ اس طرزِ طریق سے دوسرا شخص شرم محسوس کرتا ہے اور اپنی طبیعت کے مطابق سیر ہو کر کھانا نہیں کھا سکتا۔ یہ امر بھی آپس میں نفرت کا سبب بن جاتا ہے ــــ مجلس میں کھانا کھاتے وقت پاکیزگی کا پورا خیال رکھنا چاہیئے۔ کھانا کھانے کے لیے ہر حال میں ہاتھ دھونا ضروری ہے۔ بغیر ہاتھ دھوئے۔ اگرچہ وضو اور نماز سے ہی فارغ کیوں نہ ہوتے ہوں۔ پھر بھی ہاتھ دھونا لازمی ہے۔ کیونکہ درمیان میں ہو سکتا ہے۔ کہ کسی چیز کو ہاتھ لگا یا ہو ــــ ہاتھ دھونے کے بعد کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے نہ ہاتھ دھو کر بوٹ یا بوٹ کے تسمے کھولنے چاہئیں۔ بغیر ہاتھ دھوئے شامل ہونا افراد کی طبیعت کو مجلس میں مکدر کر دیتا ہے اور پھر ان کے لیے کھانا تناول کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ چونکہ مجلس میں نفاست پسند افراد بھی ہوتے ہیں لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ ایسی صورت

میں نفاست پسند طبیعت قے کر جائے اور تمام مجلس میں بدمزگی اور نفرت پھیل جائے۔ کھانا اتنی شتابی اور جلدی سے نہ کھایا جائے۔ نہ بے ترتیبی برتی جائے۔ کھانا چبانے کی آواز ساتھ والے فرد تک نہ آنی چاہیئے۔ نہ کھانے کے بعد ڈکار ڈالنے چاہئیں۔ یہ بدتمیزی کی علامت ہے جس سے افراد مجلس کی طبیعت کو تکلیف پہنچتی ہے اور بجائے خوشی اور اتفاق کے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں اپنے احباب سے مجلس میں ملنے کے وقت پستی اور نرمی اختیار کرو اس طرح دوسرا اپنی عزت افزائی سمجھ کر آپ کی بھی عزت کرے گا ــــ لازم ہے کہ جب مجلس میں سب ہم خیال اور ہم مشرب احباب جمع ہوں تو آپس کی گفتگو میں کانا پھوسی کرنا۔ آہستہ بات کرنا ــــ یا کسی سے علیحدگی میں کلام کرنا آداب مجلس کے بالکل اور شدید طور منافی ہے لہٰذا سخت منع ہے ــــ ہم مشرب احباب اپنے ظاہر و باطن کو ایک دوسرے کے سامنے یکساں حالت میں رکھیں۔ جو بات دل میں ہو وہی زبان سے ظاہر ہو ــــ ایسا کلام منع ہے جو ایک دوست سے ظاہر ہوا ور دوسرے دوست سے صیغہ راز میں ہو ــــ اگر ایسا کیا جائے تو دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ نتیجتاً ایک فرد دوسرے سے نفرت کرنے لگتا ہے اور یہی عداوت اور ضد کی بنیاد بنتی ہے۔

آدابِ معاشرت

جو بات کسی پر ظاہر ہونا لازم نہ ہو مجلس میں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہیئے۔ حضورِ قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ معاشرے کی ابتدا ــــ فرد اور ــــ گھر سے ہوتی ہے اس لیے گھر کے ماحول کو صاف اور پاکیزہ رکھو ــــ گھر کے ماحول میں ایک فرد سے بنیاد اٹھتی ہے ــــ کہ فرد کی حیثیت میں انسان خود پاکیزہ کردار کا مالک ہو اس کے بعد گھر کے ماحول میں عورت (بیوی) شامل ہوتی ہے ــــ عورت کو گھر کے ماحول میں شامل کرنے سے قبل ضروری ہے کہ عورت بھی پاکیزہ کردار کی مالک ہو ــــ لہٰذا عورت کو شریکِ حیات بناتے میں ایک پاکیزہ عورت کا انتخاب ضروری ہے ــــ قرآن نے بھی اس امر کی تاکید ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ج وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ج (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۲۶)

بُری عورتیں بُرے مردوں کے لیے ہیں اور پاک مردوں کے لیے پاک مومن عورتیں ہیں — لہٰذا ضروری ہے۔ کہ مومن مرد۔ مومن عورت کو شریکِ حیات بنائے۔ اِس عقدِ شرعی کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ گھر میں پاکیزہ اور صاف ستھرا ماحول قائم ہوگا۔ اس گھر میں صالح اور مومن اولاد بھی پروان چڑھے گی۔ یہی گھر کے افراد ایک ماحول کی شکل میں بیرونی معاشرہ کی بنیاد ہوتے ہیں — ایسے ہی بُرے یا اچھے افراد سے اجتماعی معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے — اِس لیے ضروری ہے کہ گھر کے ماحول کو پاکیزہ رکھنے کے لیے گھریلو نظام کو خوبصورت رکھا جائے۔

قرآن مقدس نے گھر کے نظام کو پاکیزہ رکھنے کے لیے مرد کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے — مرد ہی گھر کا منتظم اعلیٰ قرار دیا جاتا ہے۔ — اِس لیے گھر کے تمام افراد کی پاکیزگی کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (پارہ ۵ سورۃ ۴، آیت ۳۴)

"ترجمہ" مرد عورتوں کی اصلاح کا ضامن ہے۔ مرد خود پاکیزہ اور بلند کردار رہ کر عورت کو اپنی تربیت میں رکھ کر اس کی اصلاح کرتا رہے۔ اس حال میں کہ عورت مرد کے حکم سے سرمو انحراف نہ کرے — اِس حیثیت میں عورت کو مرد کے زیرِ اثر رہنا ضروری ہے — کہ عورت مرد کے حکم کے تحت عمل کرے — سب سے اوّل پاکیزگی نفس کے لیے — دین کو اوّلیت دی جائے — کہ مرد خود دین کا پابند ہو اور اس کے ساتھ عورت کو اپنی صحبت میں رکھ کر دین پر عمل پیرا رہنے کے لیے مائل کرے — یعنی گھر میں — نماز — روزہ — تلاوت قرآن مجید اور بہترین اخلاق کا پابند رہ کر عورت کو بھی اس ماحول سے متاثر کرے کہ وُہ بھی نماز — روزہ — تلاوت قرآن مجید کے ماحول میں سمو جائے — اَلصُّحْبَةُ مُؤَثِّرَةٌ۔ پاک صحبت میں تاثیر ہوتی ہے اور اس سے دوسرا بھی متاثر ہوتا ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ — سے بھی یہ مراد ہے کہ مرد کی صحبت میں عورت مرد کے کردار کا اثر قبول کر لیتی ہے — تو مومن مرد سے عورت بھی مومن بن جاتی ہے — اور ان

ہی دو مومن افراد سے مومن اولاد پیدا ہو کر دیندار معاشرہ کی ابتدا ہوتی ہے — دین کی پابندی کے ساتھ گھر کا دینوی نظام پاکیزہ رکھنا ضروری ہے — ایک گھر اور کنبہ کی صورت میں — مرد گھر کا بادشاہ — یا سربراہ کی حیثیت رکھتا ہے — اور اس کا عیال بیوی بچے اس کی رعیت ہوتی ہے — مرد راہبر۔ اُستاد۔ عالم کی حیثیت رکھتا ہے اور عیال مطیع و تابع کی حیثیت میں مرد کے ہر حکم کے تحت عمل پیرا ہو کر مرد سے راہنمائی حاصل کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ اِس صورت میں امورِ دینوی میں مرد اپنے عیال کی ہر ضرورت کا کفیل ہوتا ہے کہ مرد کاروبارِ زندگی میں پاکیزہ۔ حلال روزی حاصل کرے۔ تاکہ پاکیزہ روزی سے پاکیزہ کردار کنبہ تشکیل ہو۔

جہاں تک مرد عورت کے درمیان مرد کی بالادستی اور عورت کی محکومیت یا اطاعت کا تعلق ہے مرد پر شدید اور نازک ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ خود اپنے اخلاق۔ حرکات و سکنات اور عمل میں محتاط رہے۔ کیونکہ وہ راہنمایانہ حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کا قول و فعل شریعت اور آدابِ شریعت کے عین مطابق ہو۔ تاکہ اس کے کردار سے اس کا عیال متاثر ہو کر پاکیزہ کردار بنے — مرد سے کسی لمحہ کوئی بُری حرکت۔ کوئی بُرا فعل۔ کوئی اخلاقی کمزوری۔ عورت کے سامنے نہ آتے — ایسے حالات اگر وقوع پذیر ہوں تو مرد یکدم اپنی بالادستی کی اہلیت کھو کر عورت کی نظروں میں گر جاتا ہے اور عورت اس کی سرپرستی اس کی برتری سے مُنہ موڑتی ہے — رفتہ رفتہ عورت مرد کی گرفت سے نکل کر اپنی مرضی اور منشار پر چلنے لگتی ہے۔ اگر بچے وغیرہ ہوں تو گھر دو عملی تربیت میں آکر ربط و ضبط کی حدود سے نکل جاتا ہے اور کیفیات آخرالامر اتنی تلخ روی اختیار کر جاتی ہیں کہ گھر میں ہر وقت اختلافات۔ خودروی اور فساد ہوتے ہیں جس سے گھر کی وحدانیت اور نظام خانگی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور گھر کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اِس مرد اور عورت کے اختلاف کا اثر تمام عیال و بچوں پر اس قدر خراب ہوتا ہے۔ کہ یہ اولاد معاشرے کے لیے زہر ہلاہل بن جاتی ہے — ان حالات کے زیرِ نظر مرد کو بہت حد تک پاکباز۔ محتاط۔ حساس اور محنتی ہونا بہت ضروری ہے — مرد کے لیے تلقین ہے کہ وہ شریعت کی حدود میں رہ کر پاکیزہ روزی مہیا کرے اور اپنی عورت

کی ہر جائز ضرورت پوری کرے۔ اپنے عیال کے ساتھ خوش اسلوبی اور سلیقہ شعاری اختیار کرے۔ محنت اور حلال روزی سے اپنے عیال کو پالے۔ شریعت اسلام پر اپنے تمام کنبہ کو زندہ رہنے پر مائل کرے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب مرد بُرے افعال سے اجتناب کرے۔ ـــــ عورت مرد کے ساتھ رہ کر ـــــ اپنی انفرادی حیثیت قائم رکھنے کا جذبہ رکھتی ہے ـــــ

اس کو اپنا انفرادی حق اس حد تک حاصل ہے کہ یہ اپنی انفرادیت قائم رکھ سکتی ہے لہٰذا گھر کے ماحول میں اس کی حیثیت کو قائم رکھنے کے لیے گھر کا کاروبار چلانے کے لیے اس کو پورا اختیار دیا جائے ـــــ کھانا پکانا ـــــ کپڑے دھونا ـــــ گھر کی صفائی۔ گھر کی زینت اور دیگر گھریلو کاروبار کا انتظام عورت کی مرضی اور صوابدید پر چھوڑا جائے تاکہ کسی موقع پر اسے اپنی محکومیت کا احساس نہ ہو ـــــ یہ ضروری ہے کہ عورت کو قریب لانے کے لیے اس کے ہر کام کی حوصلہ افزائی کی جائے اور بہتر کارکردگی کے لیے تعریف کی جائے۔ اسی تعریف سے عورت کی انفرادیت قائم رہتی ہے تو عورت مرد کی خادم بن جاتی ہے۔ وہ مرد کی ہر ضرورت ـ ہر خواہش پوری کرنے کے لیے ـ محبت و دیانت سے ـ محنت کرتی ہے۔ اور اپنی خواہشات پر مرد کی ضـــرورتوں کو ترجیح دیتی ہے۔ یہ کیفیت عورت کے دل میں مرد کے لیے وسیع محبت اور فرمانبرداری کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ یہی ایک جذبہ ہے جو عورت کو مرد کا مطیع بنا کر اس کے ہر حکم کی تعمیل پر آمادہ رکھتا ہے۔ یہی اصول ہے جو اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ مرد کی حاکمیت و سرپرستی کو عورت سے تسلیم کرانے کا بہتر ذریعہ ہے ـــــ کہ عورت کو یہ یقین دلا دے کہ مرد اس کے سوا۔ کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا پسند نہیں کرتا اور ایسا ہونا بھی چاہیئے ـ مرد کو چاہیئے۔ کہ وہ عورت کی محبّت کے جواب میں محبت سے جواب دے ـــــ مرد عورت کے ہر کام کی تعریف کرے اور خود اس کے ہر کام میں شریک رہے ـــــ یہ محبّت کا تقاضا ہے ـــــ کہ مرد عورت کے کام میں برابر کا شریک ہوتا ہے ـــــ بلکہ عورت کے ذمّہ کام خود کرنے لگ جاتا ہے ـــــ عورت کھانا پکائے تو مرد چولہا جلائے ـــــ برتن اکٹھے کرے ـــــ کھانا پکانے میں عورت کا ہاتھ بٹائے ـــــ صبح نماز کے لیے اُٹھے ـــــ خود وضو کے لیے پانی لے ـــــ بلکہ عورت کے لیے بھی پانی لائے۔

سردی کا موسم ہو تو خود تکلیف کرے ـــــ آگ جلائے ـــــ پانی گرم کرے اور عورت کیلئے وضو کی خاطر سہولیات بہم کرے ـــــ اسی طرح باقی گھریلو کام کاج میں عورت کا ساتھ دے ـــــ تو یقیناً عورت مرد پر اپنی جان نثار کرنے پر آمادہ ہوتی ہے ـــــ اِس طرح گھر کا ماحول خوش آئند اور پُر مسرت بن جاتا ہے ـــــ ایسے مرد و عورت کو کبھی دُکھ کا سامنا نہیں ہوتا۔ ـــــ مرد اگر کسی وجہ سے کاروباری حالت میں پست ہو جائے ـــــ تو عورت مرد کی اس مشکل میں نہ اس سے اپنی ضرورتیں طلب کرتی ہے نہ اپنی انفرادیت کا احساس کرتی ہے۔ کہ مرد اس کے تمام حقوق پورے کرے ـــــ بلکہ مرد کے ساتھ صبر و قناعت اختیار کرکے۔ اسکی مشکل میں یہاں تک ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتی ہے کہ مرد کی ذمہ داریاں اپنے سر لے کر مرد کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے خود قربانی دینے پر تیار ہو جاتی ہے۔ اور مرد کے حوصلے کو برقرار رکھنے کے لیے اس کی دلجوئی کرتی ہے۔ باوجود فاقہ کے ہر وقت کشادہ چہرہ اور خندہ پیشانی سے مرد کے پیش آتی ہے۔ اس طرح مرد پر مصائب کے احساس میں غم و اندوہ کا بار کم ہو جاتا ہے۔ اِس حال میں بھی مرد عورت خوشی خوشی زندگی گزار کر اپنے ماحول کو متاثر نہیں ہونے دیتے۔

اس کے بعد مرد اور عورت کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ مرد عورت سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں تک خانگی امور کا تعلّق ہے۔ بچّے ماں باپ کی جز کی حیثیت میں اپنے ماں باپ کے قریب رہتے ہیں۔ بچّوں کی ضروریات کا پورا کرنا مرد کا کام ہے۔ قَوَّامُوْنَ کی حیثیت میں بچے بھی مرد کی زیرِ نگرانی اور زیرِ تربیت ہوتے ہیں۔ لہٰذا بچّوں کی صحتمندی جسم و کردار کی ذمّہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔ البتّہ جہاں تک عورت (ماں) کی پرورش میں بچّے کی نشو و نما کا تعلق ہے۔ ماں بھی بچّے کی صحت مندیِ جسم و کردار کی ذمّہ داری عائد ہوتی ہے۔ ان حالات میں مرد اور عورت کے لیے لازم ہے کہ صحت مند اور پاکیزہ کردار اولاد پیدا کرنے کے لیے بچّے کی پیدائش کے بعد بھی اپنا کردار پاکیزہ رکھیں۔ اپنے عقائد۔ خیالات اور افعال پاکیزہ رکھیں۔ کیونکہ شیر خوارگی میں بچّے کا ذہن (حافظہ) اگرچہ ناپختہ ہوتا ہے لیکن اس کے حافظہ میں ہر اس کیفیت کا عکس جمع ہو جاتا ہے جو کان آنکھ حِس کے ذریعہ

دماغ و عقل تک پہنچتا ہے اس حال میں کہ بچے کو ان کیفیتوں کے وجود کا احساس نہیں ہوتا۔
لیکن یہ کیفیات حافظہ میں جمع ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا بچہ فطری عمل کے مطابق اپنے باپ کے وجود
میں اس کے کردار کا اثر جز کی حیثیت میں ساتھ لاتا ہے ــــ دوسرے مقام پر ماں کے پیٹ
میں۔ باپ کے افعال و اخلاق اور ماں کے افعال و اخلاق ــــ اور غذا کی تاثیر سے متاثر
ہوتا ہے ــــ اور تیسرے مقام پر شیر خوارگی سے سن بلوغت تک ماں باپ کے گھریلو ماحول
سے متاثر ہوتا ہے۔ ان ہی تین مقامات کے تاثرات سے بچے کا کردار تخلیق ہوتا ہے۔ اگر
ماں باپ نے بچے کی پرورش میں اس کے کردار کی پاکیزگی کا خیال رکھا اور یہ خواہش کی کہ
بچہ پاکیزہ کردار (مومن) پیدا ہو اور آئندہ زندگی میں پاکیزہ کردار ہو تو ضروری ہے کہ وہ خود
اپنا پاکیزہ کردار قائم رکھیں۔ اور ہر لحاظ سے فطری آئین و شریعت کے کاملاً پابند رہیں۔ تو
بچہ ہر حال میں پاکیزہ کردار اور نیک اور احسن خصائل کا حامل پیدا ہو گا۔ اور جب بچے اچھے
اور پاکیزہ ماحول میں پالے جائیں تو یہ ایک گھریلو پاکیزہ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اسی طرح۔
ہر ماں باپ۔ ہر گھر میں انہیں آدابِ معاشرت کا لحاظ رکھ کر اپنے کردار کو پاکیزہ رکھ کر۔
میاں بیوی۔ بچوں کا ایک کنبہ اجتماعی حیثیت میں ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں
آتا ہے۔ برعکس اس کے جب انسان خواہشاتِ نفسانی کے غلبہ سے ــــ فطری قانون ــــ
شریعت کی حدوں سے تجاوز کر کے بُرے افعال کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی اپنی حیثیت
گر جاتی ہے۔ تو پھر وہ عورت کے لیے نہ معلّم ہو سکتا ہے۔ نہ اس کی اصلاح کر سکتا ہے۔
نہ اسے مطیع رکھ سکتا ہے۔ اس طرح عورت ایسے مرد سے اس قدر متاثر ہوتی ہے۔ کہ وہ
پاکباز یا صالح نہیں رہ سکتی بلکہ مرد کی اطاعت سے گریز کر کے خود سری اور بغاوت پر اُتر
آتی ہے۔ عورت ایسے وقت میں خود کو مرد کی گرفت سے آزاد رکھنا چاہتی ہے۔ تاکہ وہ خلافِ
فطرت اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں آزاد ہو اس "دوجسمی" معاشرہ سے مرد عورت کی
اولاد بھی باپ کے نطفہ سے ناقص الوجود ــــ ماں باپ کے ماحول سے ــــ بدکرداری ورثہ
میں پا کر ایک بُرا گھریلو معاشرہ تشکیل پاتا ہے ــــ ان واقعات سے ظاہر ہے۔ کہ ہر انسان۔
عورت مرد پر تمام مخلوق ارضی کی اصلاح و پاکیزہ کردار ہونے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ

ایک فرد کی نیکی سے ایک پاکیزہ معاشرہ کی بنیاد اٹھتی ہے ۔۔۔ اور ایک بدکردار فرد کی بدی سے تمام انسانی آبادی متاثر ہو کر بدی حاصل کرتی ہے۔ اس لیے ہر انسان کے لیے بحیثیت فرد پاکیزہ کردار ہونا ۔۔۔ قانونِ فطرت اور شریعت کے احکام کے مطابق عمل کرنا ازحد ضروری ہے۔ ورنہ ہر فرد اجتماعی اعتبار سے تمام معاشرے کی بُرائی کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ قرآن نے اسی معاشرتی بُرائی کے متعلق ایک خصوصی بیان دیا

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَٰفِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۱ آیت ۲۶-۲۷)

اور کہا نوح نے اے رب نہ چھوڑ زندہ زمین پر ان احکام خداوندی کی اطاعت سے انکار کرنے والوں کو ۔۔۔ کیونکہ انہوں نے شریعت کی پابندی نہ کی۔ ان کا کردار پاکیزہ نہیں ۔۔۔ اور اگر یہ لوگ زمین پر زندہ رہے تو لازمی ہے۔ ان کی نسل سے پاکیزہ کردار پیدا نہ ہوں گے۔ ان کا مجموعی معاشرہ بدی سے پُر ہے۔ اس لیے یہ لوگ آئندہ آنے والی نسلوں کی بدکرداری کا سبب بنیں گے۔ اور ان کی نسل سلسلہ در سلسلہ بدکردار اور انکار کرنے والی ہوگی اور ایسے مجموعی معاشرہ میں کسی فرد کے لیے نیک کردار حاصل کرنے کی گنجائش نہیں اس لیے اس قوم کو یکسر تباہ کر کہ اس قوم سے پاکیزہ کردار انسان پیدا ہونے کی اُمید نہیں۔ ان سے فاجر اور کافر ہی پیدا ہوں گے اور ہوتے رہیں گے۔

حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں کہ اولاد صالح پیدا کرنے کی ذمہ داری ماں باپ پر عائد ہوتی ہے۔ ماں باپ پاکیزہ کردار ہوں تو ان کے وجود سے پاکیزہ کردار وجود (نسل) پیدا ہوتا ہے۔ ماں باپ کا کردار بچے کا کردار تعمیر کرنے میں بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اچھے کردار والے والدین کی اولاد۔ بیرونی ماحول سے بُرا اثر قبول نہیں کرتی اور وہ بُرے معاشرے کی شر سے بھی محفوظ رہتی ہے ۔۔۔ ضروری ہے عبادت و تقویٰ سے اپنی جسمانی و رُوحانی ساخت کو پاکیزہ رکھو تاکہ تمہارے وجود سے ایک پاکیزہ جُز نکلے اور اس پاکیزہ جز سے اس وقت تک پاکیزہ جز نکلتی رہے گی جب تک کہ وہ اپنی ذات کو جسمانی اور

روحانی طور پر پاکیزہ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ انسان واحد الشخص ہے — اور کثیر الصفات اس سے مراد — انسان شخص واحد کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے — اور کثیر الصفات میں انسان کی صفت ۔ وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا ۔ اس سے بے شمار انسان پیدا ہوتے ہیں جس کا ایک عمل — بنیادی عمل — باپ کے عمل پر انحصار رکھتا ہے۔ لہذا ہر انسان کا عمل باپ کا عمل تصور ہوتا ہے۔ یہی کثیر العمل صفت کثیر الصفات کی کیفیت میں ظاہر ہوتی ہے کہ ہر صفت کو اسی ایک انسان سے نسبت دی جاتی ہے — حضور فرماتے ہیں کہ جہاں تک انسان کے کامل ہونے کا تعلق ہے۔ بلوغت کے بعد ہر انسان خود اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ کہ اسے بہتر عقل و شعور۔ ذہن و قلب میسّر ہوتا ہے — وہ اپنی فکر اور قوت شعور سے اپنی راہ متعین کر سکتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان بذاتِ خود اپنے افعال نیک اور بد کا ذمہ دار ہے — اس عمل میں اس کا کوئی شریک نہیں — اِس عمل میں انسان تنہا ہے — انسان اپنی ایک منفرد زندگی اور عمل رکھتا ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے "یہ تصور غالب ہے" کہ اس نے اپنے مقصد زندگی تسبیح و حمد کو فرد کی حیثیت میں پورا کرنا ہے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اپنی انفرادی حیثیت جیسے ابتدا میں تھی اسی تصور پر اپنی زندگی کا مقصد — تسبیح و حمد — اور مشاہدہ ذاتِ الٰہی قائم رکھو اس کے بعد بحیثیت مجموعی — انسانی معاشرہ میں ہر انسان کو اپنا بھائی سمجھ کر حسنِ سلوک روا رکھو — ہر انسان کی ہمدردی اور مدد کا جذبہ دل میں قائم رکھو — اپنے نفع سے پہلے دوسروں کی ضرورتوں کو مقدم سمجھو — دوسروں کی بھلائی کے لیے پیشقدمی کرو — یہ ضروری نہیں کہ تمہیں کوئی مدد کے لیے پکارے بلکہ خود تلاش کرو کہ کون ضرورت مند ہے — کسی کی مدد کرنے میں بدلہ اور صلہ کی نیت نہیں رکھنی چاہیئے — اگر مدد یا ہمدردی کرنے کے ساتھ یہ سوچے کہ جس کی مدد کی گئی اس سے بھی مدد کی توقع رکھی جائے۔ اِس صورت میں اللہ کی جانب سے اس کا نیک بدلہ نہ ہوگا — اِسی طرح اگر کسی پر کبھی تھوڑی سی خیر کی یا احسان کیا تو اس گمان کو دل میں جگہ ہی نہ دو کہ تم نے خیر کی ہے یا کسی پر احسان کیا ہے ہاں یہ خیال رکھو کہ کسی پر احسان کرنا تمہارا فرض بحیثیت ایک مومن و مسلمان

کے ہے — جب بھی تمہیں کسی پر احسان کرنے کی فضیلت نصیب ہو تو کسی اور فرد سے اس احسان کو نہ جتلاؤ — اگر ہو سکے تو احسان کئے ہوئے فرد کو بھی پتہ نہ لگے کہ محسن کون ہے؟ — الغرض احسان کرتے ہی اس کو صیغہ راز میں رکھو۔ اس لیے کہ اگر احسان جتلایا گیا تو احسان مند۔ احساسِ کمتری کے تحت تمہارے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گا بلکہ اس کی "انا" اور ضمیر پست ہو جائے گا — روپیہ پیسہ کے عوض کسی شخص کی عزتِ نفس پر زد پڑنا اچھا نہیں — اگر تم پر کوئی احسان کرتا ہے تو احسان فراموش نہ بنو بلکہ اس احسان کو یاد رکھو اور محسن کی ہمیشہ عزت کرو۔ اگر احسان بھول گیا تو یہ کمینہ پن کے مترادف حرکت ہے۔ محسن کی عزت و احترام ہی شکرانہ ہے — یہ کوشش بھی نہ کرو کہ میں احسان کا بدلہ چکا کر ضمیر کی پستی کے احساس سے فارغ ہو جاؤں — بلکہ بار بار اپنے محسن کا شکریہ ادا کرتے رہو — اس کے احسان کو بار بار دہراؤ اس کی خدمت کرو۔ اس کے احسان کا تذکرہ دوسروں کے سامنے کرو۔ تاکہ دوسروں کے دلوں میں اس کی عزت و احترام کا جذبہ پیدا ہو کسی شخص کے احسان کا بدلہ دینے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ نہ یہ کہ محسن کو احسان سے ہی بدلہ دیا جائے اگر یہ نیت ہو کہ محسن کو اس کے کئے کا احسان سے ہی بدلہ دیا جائے تو یہ احسا[illegible]شی کے مترادف حرکت ہے یا اگر محسن کو اپنے سے پست یا کمتر خیال کیا جائے یہ مکمل طور پر اپنی پست خیالی اور سفلہ حرکت کا مظاہرہ ہے۔

آدابِ ہمسائیگی

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اپنے ہمسایہ سے حسنِ سلوک روا رکھو — ہمسایہ معاشرے کا ایک اہم اور قریبی جز ہے — ہمسایہ کو اپنا قریبی رشتہ دار سمجھو — کہ جیسا تم اپنی ضرورتوں کو پورا کرتے ہو اسی طرح اپنے ہمسایہ کی ضروریات کی تکمیل میں پیش پیش رہو اور اس کا ساتھ دو — اپنی آسائش کی تلاش کے ساتھ ہمسایہ کی آسائشیں مہیا کرنے کی کوشش کرو — ہمسایہ کی فکر رکھو۔ تجسس کرو کہ اس کو کوئی تکلیف تو نہیں اگر ہے تو اس کے رفع کرنے میں پیش قدمی کرو۔ اپنے ہمسایہ کی ہر لحاظ سے عزت کرو — اس لیے کہ یہ ایک متبرک

امانت ہے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اس کے خیر و شر میں برابر کے شریک ہو کر اس کا ساتھ دو — اپنے غریب ہمسایہ کو قرض حسنہ دو — یہاں تک کہ جو خود کھاؤ پہنو اس میں ہمسایہ کو برابر کا شریک کرو — ایسا نہ ہو کہ کسی وقت تم رات کو آسودہ ہو کر سو جاؤ — اور تمہارا ہمسایہ پریشانی کے عالم میں رات بھر جاگتا رہے۔ یہ امر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ ہے — یہی سلوک معاشرہ کے ہر فرد سے روا رکھنا لازم ہے — کہ معاشرہ کے ہر فرد کے لیے اس سے صحیح راہ پر لانے میں نصیحت کرنا اس میں جدوجہد کرنا — اس کی ضرورتوں کے حصول میں اس کی مدد کرنا — راہ چلتے مسافر کو سفر میں مدد کرنا — دُور سے وارد ہُوا ہو تو اسے کھانے اور رہائش کے لیے اپنے گھر مہمان رکھنا — پھر اگر منزل کی تلاش میں دِقت ہو تو اسے اس کی منزل تلاش کرنے میں ساتھ دے کر اسے منزل تک پہنچانا کہ مسافر منزل پر پہنچ کر مطمئن ہو جائے۔ اِس امر میں خواہ تمہیں۔ اپنا کام اپنا وقت صَرف کرنا پڑے۔ یہ سب امور احسان میں شامل ہیں۔ احسان کرنے والا اللہ اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے۔ اللہ ایسے شخص پر اس وقت احسان کرتا ہے جب وہ اس کا محتاج ہوتا ہے۔

حضور قبلہ عالم نصیحت فرماتے ہیں۔ کہ ناجائز ذرائع سے حاصل کیا ہُوا مال نفع بخش نہیں ہوتا۔ حلال حرام کی تمیز کیا کرو۔ حلال غذا کا آدھا سُوکھا لقمہ حرام مال سے پیدا کردہ مرغن غذا سے زیادہ نفع بخش اور صحت مند اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کیے ہوئے مال میں دوسرے انسانوں کا حق غصب کیا ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو ناجائز طریقہ سے دوسروں کا حق چھین کر اپنے خزانوں میں جمع کرے جذبۂ انسانیت سے خالی ہوتا ہے۔ اس میں ایثار و قربانی اور رحم کا مادہ ختم ہو جاتا ہے — اور انسانی معاشرہ میں شر و فساد کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ کسی طور ناجائز طریقہ پر کوئی شے حاصل نہ کی جائے۔ خواہ وہ ایک دانہ گندم کا ہی کیوں نہ ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ جائز ذریعہ میں بظاہر نفع کم ملتا ہے۔ لیکن یہ نفع بابرکت پائیدار اور خیر کا ضامن ہوتا ہے — انسان سمجھے کہ حق پر چلنے میں تکلیفیں ہو سکتی ہیں مگر یہ تکلیفیں مستقل

نہیں ہوتیں۔ ایسے مصائب جو حق کے لیے پیش آئیں ان پر صبر کرنا مانند جہاد ہے ـــــ ان آزمائشوں پر صبر کرنے میں دائمی خوشی اور رضائے الٰہی کی بشارت ملتی ہے۔ ایک طرف انسان میں صبر و قناعت سے عزم و استقلال پختہ ہو جاتا ہے۔ دوسرے انسان کسی مشکل وقت میں اضطراب و پریشانی کا شکار نہیں رہتا۔ وہ اس حال میں پُرسکون اور مطمئن رہتا ہے۔ اس میں قوی توکل کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ پر قوی توکل کرنا ـــــ اللہ کو مائل بہ کرم کرنا ہے۔ جو شخص اللہ پر توکل کرے جیسا کہ لائق ہو ـــــ تو اللہ اس بندے کی ہر حاجت پوری کر دیتا ہے۔ اس طرح انسان اللہ کی رضا حاصل کرتا ہے۔

انسان کو یہ حقیقت نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ انسان کسی فرقہ۔ قبیلہ۔ مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ مشرق میں رہتا ہو یا مغرب میں۔ ہر انسان پر اللہ۔ اس کی کتاب اور رسُول کو تسلیم کرنا ہر حال میں فرض و لازم ہے ـــــ انسانی اعتبار سے ہر انسان پر اللہ کی غلامی (عبدیت) تسلیم کرنا لازمی ہے۔ اور غلامی کے بعد اللہ اور رسُول کے احکام سننا اور قبول کرنا لازمی ہے۔ انسانی پیدائش میں ہر زمانہ میں ـــــ انسانی معاشرہ خراب ہوتا رہا ـــــ تو اس وقت ایک رسُول۔ ایک کتاب اصلاحِ انسانی کے لیے آتے رہے۔ یہ کائناتِ ارضی کی فطری عادت ہے کہ انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لیے۔ ایک کتاب ایک رسُول آنا مقرر رہا ـــــ اور آخری زمانہ میں جب کائناتِ ارضی پر مشرق سے مغرب تک انسانی معاشرہ بُرائیوں اور بدحالیوں سے پُر ہو چکا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اصلاح انسانی کے لیے ایک جامع کتاب ـــــ قرآن ـــــ اور رحمۃ للعٰلمین رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اصلاحِ کائنات کے لیے بھیجا۔ جنہوں نے اپنی مقدس زندگی میں ایک عالمگیر ضابطہ اصلاح و ہدایت پیش کیا۔ یہ ضابطہ ہر زمانہ میں ہر انسان کی اصلاح کے لیے کافی ہو سکتا ہے ـــــ یہ اصول و ضابطہ ہر زمانہ میں ـــــ قیامت تک ہر انسان کو علمائے امت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کے ذریعہ میسّر آسکے گا۔ جن اصولوں پہ چلنے سے دُنیا پر ایک پاکیزہ معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔ بغیر اس ضابطہ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی محقق۔ کسی سائنسدان کسی عدلیہ کے سربراہ۔ یا کسی لیڈر کا اصلاحی ضابطہ انسانی معاشرہ کو پاکیزہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا ـــــ

لہٰذا لازم ہے کہ ہر انسان انفرادی حیثیت میں قرآن و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اولی الامر اولیائے اُمت کے اصلاحی احکام پر عمل پیرا ہو کر ایک اجتماعی معاشرہ پیدا کرے تاکہ دُنیا میں انسان اضطراب و پریشانی کی حالت سے نکل کر پُر سکون زندگی حاصل کر سکے۔

آدابِ دوستی

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آدابِ دوستی میں فرماتے ہیں کہ دوست کا مقام خونی رشتہ سے بھی قریب ہوتا ہے۔ اس کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین کو "اصحاب" کہہ کر پکارا اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ غارِ ثور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزیز ساتھی (صاحب) سے کہا۔ نہ غم کریں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعین کو "صاحب" کہہ کر پکارا ——

اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ (رَوَاهُ رَزِيْن)

میرے اصحاب دوست مانند ستاروں کے ہیں ان کی اقتدا کرو۔ ان سے راہنمائی حاصل کرو۔ اور اللہ تعالیٰ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی و رسول کو صاحب کے خطاب سے ارشاد کرتا ہے —— مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ نہیں غلط راہ پر تمہارا دوست —— ظاہر ہوا —— دوست میں صاحب کی صفت پائی جاتی ہے اور اس صفت میں خصوصیت ہے۔ لہٰذا دوستی کرو —— تو صحابہ جیسی —— بلاشبہ والدین اور اولاد کی محبت ہر شے کی محبت پر مقدم ہے۔ مگر محض رضائے الٰہی —— رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دوستی۔ ماں باپ اور اولاد کی محبت پر فوقیت رکھتی ہے —— معلوم ہوا۔ دوستی بغیر خالص محبت کے قائم نہیں ہو سکتی —— کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی معاونت میں ماں باپ۔ اولاد۔ رشتہ داروں کی محبت رضائے الٰہی رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر کے ہی "صاحب" کا خطاب پایا —— لہٰذا لازم ہوا کہ دوست کے لیے محبت کو خالصتاً وقف کر دو —— محبت قربانی کا تقاضا کرتی ہے —— اس لیے دوست کی خاطر اپنی ہر شے کی قربانی دینا لازمی

ہے ـــــ ایسے مقام پر دوست اپنے عزیز و اقارب سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے ـــــ جس کے سامنے اپنے قریبی راز بھی چھپائے نہیں جا سکتے ۔ کیونکہ دوست ہر مہم ـــــ ہر مشکل میں ساتھ دینے والا ہوتا ہے ۔ تمہارے دوست کو تم پر مکمل بھروسہ و اعتماد ہوتا ہے ـــــ لہذا دوست سے وہی بات کرو جو تمہارے دل میں ہو ـــــ دوست سے سچ بات کہو وہ تم پر بھروسہ رکھتا ہے کہ میرا دوست مجھ سے سچ بات کہہ رہا ہے ـــــ ورنہ دل میں اور ـــــ زبان پر اور ـــــ یہ حرکت منافقت میں شمار ہوتی ہے ـــــ دوست دوست کے درمیان منافقت شدید گناہ تصوّر ہوتا ہے ۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ـــــ تم اپنے دوست سے سچ بات کہو کیونکہ تمہارا دوست تم پر اعتماد رکھتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ میرا دوست سچ بات کہہ رہا ہے ۔ غلط بات کہنے سے بے اعتمادی اور شکوک کو دل میں پیدا ہونے کا موقع ملتا ہے ـــــ جو ایک دوسرے میں نفرت کا سبب بنتا ہے ـــــ

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں اپنے ملنے والے دوست کو اس کا صحیح مقام دو پھر جو کچھ تم اپنے لیے پسند کرتے ہو ـــــ وہی اپنے دوست کے لیے پسند کرو ـــــ تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارا دوست تمہاری غیبت میں تمہاری عیب جوئی کرے ـــــ تمہیں دھوکہ دے مشکل وقت میں تمہارا ساتھ چھوڑ دے ۔ تمہاری مدد نہ کرے ـــــ تمہارا احسان بھول جائے ـــــ تم سے اظہارِ محبت نہ کرے ـــــ یہاں تک کہ تم سے اپنا راز چھپائے ۔ تو تم اس فعل کو بُرا سمجھو ـــــ ایسا ہی تمہارے فعل سے تمہارا دوست بُرا محسوس کرے گا ۔ یہ امر آپس میں نفرت و غیریت کا سبب بن جاتا ہے ـــــ حضور قبلہ عالم اِس بات کو پسند نہ فرماتے کہ کوئی مرید کسی دوسرے مرید کی شکایت کرے ـــــ آپ شکایت کرنے والے کو تنبیہ فرماتے کہ ہمارے سامنے کسی دوسرے مرید کی شکایت نہ کی جائے بلکہ باہم دوستوں میں ایک دوسرے کو شکایت کا موقع نہ دیا جائے ۔ نہ کسی کی خامیوں پر نکتہ چینی کی جائے ـــــ بجائے اس کے دیانت و خوش دلی سے ایک دوسرے کو حق کی راہ پہ ڈالنے میں مدد کی جائے ۔

حضور قبلہ عالم آدابِ دوستی کے بنیادی فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر انسان ابنِ آدم ـــــ ایک ہی باپ کی اولاد ہے ـــــ انسان خواہ مشرق کا ہو یا مغرب کا ۔ وہ

کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو ـــ کسی انسان کا وجود ـ بغیر آدم کی نسل کے خارجی پیدائش سے نہیں لہذا انسان فطری طور پر ایک دوسرے کا بھائی ہے ـ کوئی بھائی اپنے بھائی کی برائی یا نقصان پر خوش نہیں ہوتا ـــ بلکہ یہی چاہتا ہے کہ میرا بھائی ہر برائی سے محفوظ ـ بھلائی و خیر کا حامل ہو یہ انسان کے فطری جذبہ (خونی رشتہ) کا اثر ہے ـ کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا خیر خواہ رہتا ہے یہی خونی رشتہ ازل سے ابنِ آدم میں چلا آتا ہے ـــ حالات زمانہ کے مطابق ـــ جغرافیائی حیثیت میں ـ انسان کے ایک دوسرے سے دُور ہو کر مشرق و مغرب کی دوری ـــ بھائی بھائی میں فرق پیدا نہیں کر سکتی ـــ سوائے اس کے انتقال مکانی میں مسافت کی دُوری یا زمانہ کی طوالت میں ماضی و حال کا بُعد ـــ انسان کو ایک دوسرے سے نا آشنا کر دیتا ہے ـ انسان ماضی کے تعلق کو بھُول جاتا ہے ـ اور جب مشرق کا انسان مغرب کے انسان کے قریب ہو جاتا ہے تو ابنِ آدم کی حیثیت میں وہ رشتہ میں ایک دوسرے کے حقیقی بھائی ہوتے ہیں لیکن مستقل تعلق نہ ہونے کی بنا پر وہ ایک "موہوم" غیریت کا احساس رکھتے ہیں ـــ تو ایک بھائی دوسرے بھائی کو "دوست" کہہ کر پکارتا ہے ـــ گویا دوست کا خطاب دراصل ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے ـــ محبّت و ہمدردی کے اس جذبہ کو اُبھارنے کا ایک اہم ذریعہ ہے جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے رشتہ میں فطری طور "نسلی" اعتبار سے ورثہ میں ملا ہے ـــ دوستی کا تصوّر اس اخوت کے جذبہ کو اور اہم بنا دیتا ہے ـ ورنہ انسان ـــ انسان میں غیریت کا تصور پایا جانا ـــ غیر فطری عمل ہے ـ

حضور فرماتے ہیں آدابِ دوستی میں ایک دوست کے لیے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے دوست کی ہر مشکل اپنے سر لے کر اسے مامون کرے ـــ یہاں تک کہ اپنے دوست کے لیے اپنی جان کی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہ کرے ـــ یہ مقام ـــ آدابِ دوستی میں اعلیٰ و ارفع ہے ـ ہاں! اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَ الْبُغْضُ لِلّٰہِ کے تصوّر کے ساتھ دوستی محض حصول رضائے الٰہی و رضائے رسُول کے لیے خاص ہو تو ایسا جذبہ شریعت و طریقت کی اصل رُوح تصور کیا جاتا ہے ـ کیونکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب میں اسی جذبہ حُب کے تصور کو ایمان کی کاملیت کا اصل ذریعہ قرار دیا ہے ـ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

کے خطاب میں حُب کو اصل ایمان قرار دیا گیا ہے۔اِسی حُب کی اکملیت پر تابعین رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب (دوست) کا خطاب ملا ___ پھر فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مومن نہیں جو اپنے دوست سے محبت نہ کرے ___ جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہی دوست کے لیے پسند کرے ___ ظاہر ہوا ___ شریعت و طریقت میں اپنے ہم مشرب سے دوستی و یگانگت میں ___ دوستی میں ___ ایک دوسرے کے لیے قربانی ___ بھلائی کا جذبہ قائم رکھنا ___ حقیقی عمل ہے۔

حضور فرماتے ہیں دوست اور مرید (طالب حق) میں ایک ہی تصوّر پایا جاتا ہے۔ مرید ___ مرید کا دوست[1] کہلاتا ہے۔ لہذا ___ مرید ___ اپنے دوست سے خاص محبت قائم کرے۔ اِس حال میں کہ اس نسبت سے ماں باپ عزیز و اقربا سے زیادہ دوست کو قریب سمجھا جائے ___ دوست کے لیے لازم ہے کہ اپنی ذاتی منفعت پر دوست کے

---

[1] ایسے واقعات دیکھنے میں آئے۔ ان واقعات میں ایک واقعہ کا ذکر بیان کرنا مثالی ہے۔ محمد حنیف صاحب کے گھر غلام قادر لون صاحب نوکر کی حیثیت میں کام کرتے تھے۔ جب غلام قادر حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوئے تو ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب غلام قادر سے بحیثیت پیر بھائی پیش آتے۔ پھر غلام قادر کو گھر کا ایک فرد سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ متعدد بار غلام قادر ڈاکٹر صاحب سے برابری میں حجّت بھی کرتے۔ جیسے ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ توقع اور یکسانیت کی بنا پر جھگڑتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کبھی خیال تک نہ کیا کہ غلام قادر ہمارا ملازم ہے بلکہ بعض اوقات غلام قادر کی سرزنش اور شدید غضب کے آگے جھک جاتے۔ یہی حال گھر کے باقی افراد۔ والدہ۔ ہمشیران۔ وغیرہ کا تھا۔ کہ لوگ غلام قادر کی کسی حرکت کو ملازم کے تصوّر میں محسوس نہ کرتے۔ الغرض غلام قادر گھر کا عزیز اور باوقار فرد خیال ہوتا تھا۔ گھر کے سب افراد اس کی خوشامد کرتے تھے اور۔ اِس حسنِ سلوک اور احسن برتاؤ نے غلام قادر کے دل میں احساس کمتری کو جگہ نہ دی۔

نفع کو مقدم سمجھے ـــ اپنی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ دوست کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھے۔ دوست غریب ہو تو اس کی غربت اور مشکلات میں برابر کا شریک ہو۔ دوست کی مشکلات دُور کرنے میں اپنی خدمت وقف کردے۔ تاوقتیکہ دوست آسودہ حال ہو دوست کی امداد میں۔ کوئی شے۔ جنس یا روپیہ قرض نہیں دیا جاتا۔ بلکہ یہ امر دوست کے فرائض میں ہے کہ وہ دوست کی ہر ضرورت بلا معاوضہ۔ بلا بدل پوری کرے۔ دوست کو قرضِ حسنہ دینے میں واپس ادائیگی کا خیال نہیں رکھا جاتا ـــ خیال رکھو ـــ باطن میں حصولِ مراتب میں بھی دوست کی ترقی مراتب کا جذبہ اپنے ساتھ رکھو ـــ دوست دوست میں فرق مراتب کا تصوّر جائز نہیں۔ دوست امیر ہو۔ یا اعلیٰ ہو۔ اپنے غریب یا ادنیٰ حیثیت کے دوست کو اپنے دوست کے مقابلہ میں احساسِ کمتری محسوس نہ ہو ـــ ایک جگہ بیٹھو بلکہ خلوص نیت سے اپنے دوست کو اونچا مقام دو۔ کھانے پینے اُٹھنے بیٹھنے میں یکسانیت کا جذبہ قائم رکھو۔ یہی وہ جذبہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے غلام کے کردار میں نمایاں اور ظاہر ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت عمرؓ "یا سیدی" کہہ کر مخاطب ہوتے۔ یہ آداب مریدی ـــ آداب دوستی کے حقیقی مظاہرے ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے کردار سے صاف واضح ہوتا ہے۔ یہ کردار آداب دوستی ہی سے مظہر ہے۔ کیونکہ تابعین کو اسی عمل کی نسبت سے صحابہ کا خطاب دیا گیا۔ دوسری طرف حضور قبلہ عالم بھی اسوہ حسنہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق اپنے تابعین (مریدوں) سے دوستوں جیسا سلوک روا رکھتے تھے۔ اپنے مریدوں کے درمیان کبھی پیری مریدی کا سلوک روا نہ رکھا ـــ باوجود ولی اکمل ہونے کے آپ اپنے مریدوں میں برابری (یکسانیت) کی حیثیت میں اُٹھتے بیٹھتے۔ کھاتے۔ چلتے پھرتے۔ اور باہم گفتگو فرماتے۔ اس حال میں کہ کوئی غیر شخص ان میں پیری مریدی کا مظاہرہ نہ پا سکتا ـــ حضور اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنے مریدوں میں صَاحِبُکُم کا مثالی نمونہ تھے ـــ حضور قبلہ عالم آدابِ مہمانداری میں آداب دوستی کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ جب ایک دوست کے گھر بحیثیت مہمان جاؤ۔ تو اسکی حیثیت کا خیال رکھو۔ دوست اگر مالی حالت میں کمزور ہو۔ تو اکثر اس کے حالات سے باخبر رہنے کیلئے۔ اس کے گھر جاؤ۔ اور رازدارانہ انداز میں اسکی

حالت کا مکمل طور جائزہ لو مگر ایسا مہمان نہ ہو کہ دوست بجائے آپ کی مدد اور رفاقت کے مصیبت کا شکار ہو — لہذا ضروری ہے۔ کہ جب بھی دوست کے ہاں جاؤ تو اپنے ساتھ تحائف لے جاؤ۔ تحائف ایسے ہوں جو ایک طرف اس کی خانگی ضروریات میں معاون ہوں۔ دوسری طرف اسے آپ کی مہمانداری میں زیادہ بوجھ برداشت نہ کرنا پڑے — کھانے کی اشیاء۔ بچوں کے لیے کارآمد اور پسندیدہ اشیاء — نقدی وغیرہ ضرور اپنے دوست کو پیش کیے جائیں — مہمانداری میں دوست جو کچھ ماحضر پیش کرے قبول کرے۔ انسانی اخلاق کا تقاضا ہے کہ طبیعت کو تکلفات کا عادی نہ رکھا جائے — جس شخص نے جو کچھ پیش کیا طبیعت اس کو ہر حال میں قبول کرے۔ اس میں کراہت یا نفرت پیدا نہ ہو۔ لہذا دوست جو کچھ بھی پیش کرے اسے خندہ پیشانی سے قبول کرے۔ اس حال میں کہ دوست کو یہ محسوس نہ ہو کہ اس کی کوئی چیز مہمان دوست کو پسند نہیں — لازم ہے کہ اپنے میزبان دوست کے گھر زیادہ دیر قیام نہ کیا جائے۔ تاکہ اسے اپنی حالت کے مدِ نظر بجائے اظہارِ محبت کے ذہنی اُلجھن اور طبیعت کی گرانی کا شکار ہونا پڑے۔ لازم ہے کہ دوران مہمانداری اپنے دوست کے خارجی حالات سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ مبادا کہ اس پر مشکلات وارد ہوں۔ جس کے لیے تمہاری مدد کی ضرورت ہو — اس لیے آداب میزبانی میں بھی۔ اولاً مہمانوں کے لیے لازم ہے۔ کہ دوست کے ہاں — مناسب وقت پر جائیں۔ تاکہ اس کو دوست کے بے وقت نازل ہونے پر اس کی خدمت کرنے میں۔ یا اس کے لیے کھانا فراہم کرنے میں دقت یا مشکل کا سامنا نہ ہو یا پریشانی نہ ہو۔ ایسی صورت میں دوست دوست کی آمد ایک زحمت سمجھ کر۔ نفرت و الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ دوست کے گھر ایسے مناسب وقت پر جانا چاہیئے۔ جب وہ آسانی سے مہمانداری کے لوازمات مہیا کر سکے — ہاں اگر دوست بے وقت مہمان ہُوا تو اس کی آمد پہ دل تنگ نہ کرو بلکہ خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہو خلوص کے اظہار میں بناوٹ نہیں پائی جانی چاہیئے۔ دوست کے لیے اپنے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھو — جانو — دوست بحیثیت مہمان۔ میزبان کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کا اختیار ساقط ہو جاتا ہے — میزبان۔ مہمان کو جو کچھ پیش کرے وہی کچھ وہ قبول کرے گا۔ جہاں بٹھائے

وہیں بیٹھے گا۔ مہمان میزبان پر اپنی پسند کے مطابق فرمائش نہیں کر سکتا۔ اس لیے لازم ہے۔ کہ میزبان اپنے دوست مہمان کی طبیعت کو پہچان کر اس کی طبیعت کے موافق۔ خوراک۔ رہائش آرام مہیا کرے۔۔۔ تاکہ کسی وقت دوست کو جسمانی یا ذہنی الجھن کا شکار نہ ہونا پڑے۔ اور دوست کے لیے جو خوشی لایا ہے۔ وہ بدمزگی کی نذر نہ ہو جائے۔ لازم ہے۔ دوست ۔۔۔ دوست کے پاس از راہِ محبت آتا ہے۔ لہٰذا دوست اپنا وقت دوست کی قربت و صحبت میں گزارے اور اپنے خانگی کاروبار کو وقتی طور پر ملتوی کر دے ۔۔۔ دوست اپنے دوست کی خود خدمت گزاری میں پیش پیش رہے کسی بچے یا ملازم کو خدمت کے لیے مامور نہ کرے۔ مہمان کے خود ہاتھ دھلائے۔ کھانے میں خود بھی شریک ہو کر ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھائے۔ اور اگر ہم مشرب اور عزیز دوست ہو۔ تو اپنے بیوی بچوں کو کھانے میں شریک کر کے سب ایک دسترخوان پر کھانا کھائیں ۔۔۔ زیادہ دیر قیام کی صورت میں۔ میزبان اپنے دوست کے کپڑے دھونے۔ تبدیل کرنے۔ اور غسل کا انتظام کیا جائے ۔۔۔ ہاں! مہمانداری اور میزبانی۔ حقِ دوست کے زمرہ میں آتی ہے۔ لہٰذا دوست کی ہر طرح پُر خلوص خدمت کی جائے جس میں محبت اور آشتی کا جذبہ کارفرما ہو۔

حضورؒ فرماتے ہیں۔ اگرچہ دوست قریب از جان ہوتا ہے۔ تاہم انسان ضعیف ہے۔ اس میں کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں جو دوسروں پر ظاہر ہوں تو اس کی "انا" پر حرف آتا ہے۔ اس لیے دوست کے اندرون کا کھوج لگانے کی کوشش نہ کرو ۔۔۔ جب تک کہ وہ خود تم پر اپنا راز افشا نہ کرے۔ باوجود قربت کے دوست کے گھر جا کر ۔۔۔ دروازہ پر دستک دیجئے پھر اندر داخل ہوں ورنہ کبھی دوست اس حال میں ہو سکتا ہے جو تمہارے لیے موزوں نہیں۔ اس طرح بغیر اجازت اندر داخل ہونے سے قدرتی طور پر نفرت پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ دوستوں میں باہم ایک دوسرے کی مرضی کے مطابق تعلقات کا استوار ہونا۔ قربانی۔ محبت۔ ہمدردی اور دیرپا دوستی کا سبب بنتا ہے ۔۔۔ آدابِ دوستی میں۔ اصول و ضوابط کا خیال رکھنا باہم محبت و یگانگت۔ ہمدردی۔ قربانی کا بہتر ذریعہ ہیں۔ اگر بحیثیت مجموعی ہر شخص کے ساتھ برادرانہ ۔۔۔ دوستانہ تعلق میں بہتر سلوک روا رکھا جائے تو دُنیا میں کوئی کسی

کا نہ دشمن ہو سکتا ہے نہ کوئی زبردست کمزور پر بالادستی قائم رکھ سکتا ہے ـــــ جانو ـــــ حُسنِ سلوک سے کوئی تمہاری عدم موجودگی میں عیب جوئی نہ کرے گا۔ بلکہ تعریف ہی کرے گا۔ اس طرح لوگوں کے دلوں میں بھی تمہاری محبت و عزت قائم ہوگی۔ ہر شخص خلوصِ نیت سے تمہاری خدمت و مدد پر آمادہ ہوگا۔ اس طرح تمہیں دین و دُنیا میں بلند مقام حاصل ہوگا۔ تم نے ہر شخص سے خلوصِ نیت سے محبت کی تو ہر شخص تمہارا دوست بنے گا اور تمہارا دوست تمہارا ہر حال میں مددگار معاون بنے گا جس سے راہ حق میں باہم مل کر قدم بڑھانے سے حق کی منزلیں طے کرنا آسان ہوں گی ـــــ جانو سب سے بہتر اور افضل دوست اولی الامر۔ ولی اکمل ـــــ ولی اکمل کی نسبت و صحبت ہے۔ جو تمہارا دوست کہلاتا ہے ـــــ سب سے بہتر اس ہستی سے حُبّ اور وفا لازم ہے۔ یہی دوستی تمہاری امن و سلامتی اور کامرانی کی ضامن ہو سکتی ہے۔

آدابِ شریعت

حضور قبلہ عالم آدابِ شریعت میں فرماتے ہیں ـــــ شریعت اصلاحِ نفس کا ایک ضابطہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کیا گیا ـــــ حضرت آدم علیہ السّلام کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ نے انہیں علم دیا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ہم نے آدم کو تمام اسرارِ الٰہی کا مشاہدہ دیا اور اپنی معرفت دی۔ یہ مقام۔ وہبی۔ (اپنی طرف سے بلا محنت) اور اعزازی تھا۔ ان ہی مشاہدات کے تصور میں آدم نے ایک حیرت پائی ـــــ اس نے حقیقت کو پا کر ایک قلبی جذبہ پایا ـــــ یہی پہچان ـــــ اور اسی قلبی پہچان کا تاثر ـــــ آدم کی عبادت قرار پائی کہ اس نے خالق و مخلوق کی حقیقی کیفیت کا مشاہدہ کیا ـــــ عبد اور معبود کی حقیقت پہچانی۔ یہی کیفیت "حمد" سے تعبیر ہوئی اور اس حمد سے دلی جذبات میں نکلے ہوئے الفاظ ـــــ تسبیح سے تعبیر ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ

الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ط يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(پارہ ۲۸ سورۃ ۵۹ آیت ۲۲ تا ۲۴)

وہ اللہ ہی ہے نہیں کوئی معبود سوائے اس کے جو اپنے اسرار و آثار لاہوتی ملکوتی اور علم ظاہری جاننے والا ہے ــــ بلاشبہ ــــ اس نے اپنے بندوں کے لیے بے شمار انعامات کے خزانے جمع کر رکھے ہیں (اَلرَّحْمٰن) اور ان انعامات کے خزانوں کے دروازے کھلے رکھے ہیں۔ جو ان کا طلب گار ہو آسانی سے ان خزانوں سے انعامات حاصل کر سکتا ہے۔ (اَلرَّحِیْم) وہ اللہ کہ نہیں کوئی معبود سوا اس کے ایک ہے کائنات کا ــــ نورِ مطلق ہے (قُدُّوْسُ) امن دینے والا۔ (اَلسَّلَامُ) محافظت کرنے والا (اَلْمُهَيْمِنُ) غالب (اَلْعَزِيْزُ) منتظم اعلیٰ (اَلْجَبَّارُ) لامحدود ذاتِ کبریا۔ پاک ہے اللہ اس سے جو وہ اس کے شریک ٹھہراتے ہیں ــــ وُہی اللہ پیدا کرنے والا ہے ــــ کائنات کی ابتدا کرنے والا ہے اور احسنِ تقویم اور نظم و نظام کے ساتھ کائنات بنانے والا ــــ تمام اسرارِ الٰہی اور جملہ کائنات اسی کے نور سے بنی ــــ تسبیح کرتی ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ غالب۔ صاحبِ حکمت۔ اپنے پوشیدہ اسرار کا جاننے والا ہے۔

یہی الفاظ۔ جو اللہ کی معرفت میں ــــ انسانی قلب سے ــــ حیرت و وجدان کے ساتھ ادا ہوئے ــــ اللہ کے ذکر سے تعبیر ہے کہ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اللہ کے اسرار و معرفت میں۔ اس کی حقیقت پہچان کر اس کی صفات کا اکثر ذکر و تصور کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات و ذات کی پہچان کے ساتھ اس کی صفات کے مشاہدہ میں حیرت (تعجب) کے تاثر کے ساتھ اس کی صفات کا قلبی جذبہ کے ساتھ دہرانا حقیقی تسبیح و حمد ہے۔ یہی عمل آدم کی تسبیح و حمد سے تعبیر ہُوا ــــ جو ملائکہ سے ممکن نہ ہُوا ــــ اس عمل کے ساتھ آدم کو کسی شریعت کی ضرورت نہ تھی۔ اِس حال میں کہ اس نے پاکیزہ جسم و رُوح کے ساتھ ان ہی آثار و اسرار کا مشاہدہ جاری رکھا تھا اور اولادِ آدم میں اس عمل کے "معلّم" خود آدم نے

اور اولاد نے متعلم کی حیثیت سے حضرت آدم علیہ السلام سے یہی علم اور تربیت پائی۔
اس حال میں بھی جب تک اولادِ آدم میں پاکیزہ جسم و روح کی صلاحیت باقی رہی ان کا عمل جاری رہا — لیکن اللہ نے اولادِ آدم کی سفلی خاصیت کے تابع قبل از وقت یہ منصوبہ مقرر کیا تھا — وَ لَكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ — اور تمہاری اولاد پر ایک زمانہ آئے گا کہ وہ لذتِ نفس کے زیرِ اثر حصول زائد کی خواہش میں میرے تصوّر — مشاہدہ اسرارِ الٰہی سے — تغافل برت کر ایک دوسرے کے دشمن بنیں گے۔ ان کی رُوحانی صفات مسخ ہو کر رہ جائیں گی۔ انہیں مشاہدات و معرفت میسّر نہ ہوگی — تو میں ان پر احسان کروں گا — جیسے تم پر احسان کیا۔ فَتَابَ عَلَيْهِ۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى میں اپنی طرف سے راہ دکھانے والی ایک کتاب — ضابطہ عمل بھیجوں گا جس پر عمل کرنے سے — انہیں جسمانی و رُوحانی پاکیزگی میسّر ہوگی۔ انہیں پھر سے مشاہدہ و معرفت میسّر ہوگا — اور انہیں مقامِ خلافت (اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً) عطا ہوگا یہی وہ هُدًى — ہدایت کا ضابطہ — جسے شریعت سے تعبیر دیا گیا۔ اسی کتاب میں پاکیزہ جسم و روح — مشاہدہ اسرارِ الٰہی — معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے احکام کی صورت میں — ضابطے پیش کیے گئے ہیں —

فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

پس جس نے اس کتاب کے اصلاحی احکام پر عمل کیا اسے اپنی پستی اور گمراہی کے نتیجہ میں عذابِ آخرت کا خوف باقی نہ رہے گا۔ وہ اپنا مقصدِ حقیقی پانے میں کامیاب ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج

اور جس نے ان اصلاحی ہدایات پر عمل کرنے — اور انہیں تسلیم کرنے سے انکار کیا — اور میری آیات پر تنقید کی اور انہیں غلط ثابت کرنے کی کوشش کی — لازماً انہیں اصلاحِ نفس کا موقع نہ مل سکے گا۔ جس کے نتیجہ میں وہ پستی اور اندھیرے میں گر جائیں گے پستی و ظلمت کا نتیجہ سوائے خرابی آخرت کے اور کچھ نہ ہوگا۔

اللہ نے اپنی ہدایت (هُدًى) بھیجنے کا ایک خصوصی انتظام کیا — وہ یہ کہ

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۲ آیت ۲)

وہ اللہ ہے جس نے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ مومنوں پر احسان کیا کہ ان کی ہدایت کے لیے ان ہی میں سے ایک انسان کو منتخب کیا جب کہ اِس انسانی آبادی میں وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ان کی نسلوں سے سوائے فاجر و کفار کے کسی پاکیزہ رُوح و جسم و صاحب مشاہدہ انسان کے پیدا ہونے کی قطعی گنجائش نہ تھی — اِسی قوم سے ایک فرد کو منتخب کیا — اِس حال میں کہ اس کی فطری خاصیت ۔ پاکیزہ رُوح و جسم کے علی حالہ محفوظ رکھا — اِسی پاکیزہ رُوح و جسم سے اِس کا مشاہدہ اسرارِ الٰہی قائم رہا — اسے رُوحِ رحمانی کے ذریعہ اسرار الٰہی اور معرفتِ الٰہی کا مشاہدہ دیا جس طرح اس سے قبل آدم کو دیا تھا — تو یہ منتخب فرد — پیدائش کے ساتھ اسرارِ الٰہی معرفتِ الٰہی — خبر پانے والا — خبر دینے والا — نبی پیدا ہُوا[1] — یہ اِس پاک فرد کی پیدائشی صفت و خصوصیت تھی — اِسی مشاہدہ کے ذریعہ سے اس شخصیت نے (ھُدًی) ہدایت — اصلاحی

---

[1] حضور قبلہ عالم نے ۔ آدابِ انسانیت میں ۔ خلیفہ و نبی کی صفت کے متعلق تفصیلاً بیان پیش کیا — کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش کے ساتھ قرآن نے اپنے دانستہ بیان میں — خلیفہ کے تصوّر میں ۔ حضرت آدمؑ کا عَلَّمَ اٰدَمَ اور فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ میں نبی کا مخصوص تصوّر دیا ۔ کہ زمین پر پیدا ہونے والا ہر انسان حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت کے ہر فرد تک ۔ بحیثیت خلیفہ و نبی پیدا ہوگا — لہٰذا قرآن کے اس تاریخی بیان کی روشنی میں فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے بیان سے ہر انسان نسلِ آدم ۔ ذریت کا پیدائشی طور نبی ہونا ثابت ہو جاتا ہے — جبکہ قرآن خود اس امر کی نشاندہی کرتا ہے ۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا کہ زمین پر یہ انسان فساد و خونریزی کرے گا ۔ اس بیان سے ثابت ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا اشارہ تمام مخلوقِ انسانی کی طرف ہے ۔ اور یہ ظاہر ہے فِی الْاَرْضِ زمین پر انسان سے فساد و خونریزی کا تجدید مظاہرہ ہر زمانہ میں ہوتا رہا ۔ تو اس وقت بھی ایک مخصوص ہستی کے لیے "نبی" کی صفت بیان کی گئی ہے ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

احکام دیتے۔ ان اصلاحی احکام کے رُوحانی طور وحی ہونے کی وجہ سے اسے رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا گیا۔ یہی رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس ـــ بے علم ـــ گمراہ قوم کو ہدایت پیش کرتا ہے ـــ ہدایت میں میرے احکام پڑھ کر سناتا ہے ـــ اور پھر یہ ضروری ہے ـــ کہ رسُول کی شخصیت مسلم ہو ـــ کہ لوگ اسی شخصیت سے متاثر ہوں ـــ اس کی دو صُورتیں

ـــ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵۹) ـــ

باقی مخلوق انسانی "نبی" کی صفت میں شامل نہیں۔ یہ تصور بالکل درست اور حقیقی ہے کہ ایک مخصوص ہستی کے بحیثیت "نبی" ـــ مبعوث ہونے پر باقی مخلوق کے لیے نبی ہونے کا تصور سامنے نہیں آتا۔ تو اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ فی الحقیقت قرآن کے بیان کے مطابق جیسا اللہ تعالیٰ کے ارادہ ازلی میں زمین کی ہر پیدائش کو بحیثیت خلیفہ ـــ "نبی" ـــ پیدا کرنا ایک حقیقت ہے۔ لیکن اس صفت کے لیے ایک شرط لازم رکھی گئی کہ حقیقتاً تخلیقِ انسانی کے ازلی منصوبہ کے مطابق انسان خلیفہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ یعنی انسانی مرکب کے اعتبار سے انسانی جسم خاک سے بنا اس میں ایک رُوح ـــ رُوحِ حیوانی ہے۔ جو زندگی قائم رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي۔ نوری رُوح اس میں ودیعت کی گئی۔ اسی روح سے انسان ملائکہ سے افضل قرار دیا گیا۔ اس روح کی خصوصیت ـــ زندہ رکھنے کے لیے نہیں۔ بلکہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کی خصوصیت پر ہے کہ انسانی پیدائش کے ساتھ ہی ہر حال میں انسان کو مشاہدہ اسرار و اسماء کا دیا جاتا ہے۔ اسی مشاہدۂ اسماء کی بنا پر ہر انسان خلیفہ و نبی کی صفت میں آجاتا ہے۔ یہی علم و خبر اولادِ آدم کو دیا گیا۔ لہذا اولادِ آدم میں ہر انسان "نبی" کی صفت سے پیدا ہُوا ـــ زمانہ گزرنے کے بعد جب اولادِ آدم نے حصولِ دُنیا کی حرص و ہوس میں مشغول ہو کر فساد و خونریزی شروع کی تو اس شرط کے مطابق لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط جس انسان نے عبادات و تزکیہ سے اپنی رُوحانی جسمانی پاکیزگی کو قائم رکھا اس کی صفتِ نبوت (مشاہدہ اسماء) قائم رہتی ہے۔ وہ بحیثیت انسان "نبی" کہلاتا ہے۔ اور جس کے اوصاف قائم نہ رہے وہ حیوان کہلاتا ہے۔ ایسا انسان "نبی" ہونے کے باوجود صفتِ نبوت سے متصف نہیں ہوتا۔ اس مقام پر قرآن نے ایک مخصوص و

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوں گی ایک اس کی ہدایت الٰہی کے مطابق عملی زندگی کا کردار ــــ دوسرا رسُول کی عامی زندگی کا حسن کردار کہ عام انسان اس کی زندگی کے حسن کردار سے متاثر ہو ــــ یہ رسُول کے اعمال و افعال اور اس کا ذاتی کردار ہوگا ــــ جو اصولِ فطرت کے تابع احسن ہوگا ــــ یہ حسنِ اخلاق ہے ــــ یہ اسوۂ حسنہ ہے جس سے لوگ فطری طور پر متاثر ہوتے ہیں ــــ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اس رسُول کے کردار پر اسکی عزت و تکریم کرینگے ــــ عزّت و تکریم کا حاصل ــــ انسانی قلب

(بقیہ حاشیہ ۵۶۰)

منتخب ہستی کا "نبی" کی صورت میں تصور پیش کیا۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یعنی ایک زمانہ میں جب انسان صفتِ نبوت سے محروم ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک انسانی فرد کو مخلوقِ انسانی کی اصلاح و ہدایت کے لیے منتخب (مصطفیٰ) کیا۔ جو اپنے مخصوص انداز میں تخلیقِ انسانی کے منصوبہ کے تحت "نبی" پیدا ہوا۔ اور اس کی صفتِ نبوت قائم رہی۔ تو یہ صفتِ نبوت۔ وہی صفت ہے جس صفت پر ہر انسان پیدا ہوکر "نبی" کہلاتا ہے۔ یعنی ایسی ہستی کا "نبی" کہلانا کسی خاص صفت کے تحت نہیں بلکہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے تخلیقی منصوبہ کے تحت پیدائشی خلیفہ ہوتا ہے کہ مثل ہر انسان اس انسان کو۔ اس کی رُوح رحمانی کے ذریعہ عِلْمُ الْاَسْمَآءِ کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد فساد و خونریزی کرنے والوں میں یہ صفت باقی نہیں رہتی۔ برعکس اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انسان کو منتخب کرنے کی صورت میں ایسے انسان کی صفتِ نبوت محفوظ رہتی ہے۔ اسی پیدائش خصوصیت پر یہ انسان "نبی" کہلاتا ہے۔ البتہ آیتِ قرآنی کی رُو سے۔ اس منتخب نبی کی خصوصیتِ نبوّت کا باقی رہنا۔ یا نبی کہلانا۔ اس خصوصیت کے تابع ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی ہستی کو ہدایت و اصلاحِ انسانی کے لیے منتخب کرنے کی خصوصیت "رسُول" کی صفت کے ساتھ مبعوث (مقرر) کرتا ہے۔ اس مقام پر "نبی" کا تصور بجائے عام مخلوقِ انسانی کے صرف ایک ہستی کے لیے مخصوص ہوجاتا ہے۔ یہاں جملہ مخلوقِ انسانی کے افراد۔ اور مخصوص "نبی" کے مابین ایک فرق محسوس ہوتا ہے۔ کہ "نبی" کی صفت۔ خبر پانا (عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ) اور خبر دینا۔ (فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ) سے مکمل ہوتی ہے اولادِ آدم میں بعض عالم کی حیثیت سے۔ دونوں صفات کے حامل خبر پانے والا اور خبر دینے والا کامل ہوتے ہیں اور بعض متعلّم کی حیثیت میں صرف خبر پانے والے ہوتے ہیں۔ خبر دینے والے نہیں۔ اس اعتبار سے عام

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں ایسے شخص کے لیے محبت و احترام کا جذبہ پیدا ہونا یقینی ہے ـــ عزت و احترام اور محبت کا ہی خاصا ہے کہ اس کے کلام کو سنا جاتا ہے ـــ اس کے حکم کی تعمیل کی جاتی ہے ـــ اس کے کلام کو مبنی برحق سمجھ کر ـــ اسے امین و صادق تسلیم کیا جاتا ہے ـــ یہ حقیقی صفت ہے ـــ کلامِ الٰہی ـــ احکامِ الٰہی کو تسلیم کرنے ـــ اور ان پر عمل کرنے کی اس صفت پر کلام

(بقیہ حاشیہ ۵۶۱)

مخلوق کے مقابلہ میں "نبی" خبر پانے والے۔ خبر دینے والے کو عام انسانوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ یہی خصوصیت ایک فساد و خونریزی کرنے والی قوم میں جبکہ ان میں ہر انسان نبی کی حیثیت سے پیدا ہوا۔ مگر فساد و خونریزی کی وجہ سے مثل حیوان ہو گیا۔ تو ایسے وقت میں ایک منتخب و مخصوص ہستی کو ہی "نبی" تصوّر کیا جاتا ہے۔ اور اسی ہستی کو باقی مخلوق پر فضیلت ملتی ہے کہ یہ ہستی "خبر پانے والا" و "خبر دینے والا" ہوتی ہے۔ اِس وجہ سے کہ اس ہستی کو مقامِ رسالت عطا ہوتا ہے۔ جو عام انسانوں کو عطا نہیں ہوتا۔ لہٰذا عام انسانوں کے مقابلہ میں اس ہستی کو "نبی" ہونے کی خصوصیت اور رسُول ہونے کی خصوصیت سے ایک منفرد تصوّر اور مقام ملتا ہے۔ یہاں یہ تصوّر قائم رکھنا ضروری ہے۔ کہ اس ہستی کے لیئے "نبی" کا تصوّر۔ اور علم۔ وہی ہے جو خلیفہ کے تصوّر میں ہر انسان کے لیے نبی کی صورت میں قرآن نے پیش کیا۔ صرف زمانہ کے حالات کے مطابق جب مخلوقِ انسانی میں صفتِ نبوت باقی نہیں رہتی۔ تو ایک ہستی کو "نبی" سمجھا جاتا ہے۔ اور اس نبی کو وہی علمِ نبوت ۔ اَلْاَسْمَآءَ کا علم دیا جاتا ہے۔ جو آدم۔ اور اولادِ آدم کو اس کی پیدائش کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ اور انتخاب کی خصوصیت میں۔ اِس ہستی کو رسُول منتخب کرنے میں علمِ نبوت کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ براہِ راست اللہ کی طرف سے۔ یا ملائکہ کے توسط سے احکامِ ہدایت (کتاب) دیئے جانے سے رسُول تصوّر کیا جاتا ہے۔ گویا نبوت و رسالت کے دو علیحدہ تصوّرات ـــ اور صفات ہیں جو ایک منتخب رسُول کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔

اِس بیان سے یہ واضح ہے۔ کہ قرآنی بیان کی روشنی میں جب تک زمین (فِی الْاَرْضِ) میں انسان پیدا ہو گا۔ خلیفہ و نبی کی حیثیت سے پیدا ہو گا۔ اِس لیے یہ مقامِ نبوت "نبی" کا تصوّر انسانی پیدائش میں قیامت تک جاری رہے گا۔ اِس کے بعد مخلوقِ انسانی میں فساد و خونریزی کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الٰہی ـــ احکامِ الٰہی کے نفاذ کا انحصار ہے۔ بغیر اس صفت کے کلامِ الٰہی احکامِ الٰہی کا نفاذ قطعی ممکن نہیں ـــ اِس خصوصیت کے ہوتے ہوئے رسول کے لیے دعویٰ نبوت کرنا لازمی تھا کہ میری شخصیت تقاضا کرتی ہے کہ میں من جانب اللہ مامور ہوں ـــ اور میں اسرارِ الٰہی ـــ معرفتِ الٰہی کا مشاہدہ کرنے والا ـــ خبر پانے والا ـــ اور تمہیں خبر دینے والا ہوں کہ ہر انسان کو بحیثیت خلیفہ پیدا کیا ـــ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ ہر شخص ـــ ہر انسان ـــ ہر بشر ـــ بحیثیت خلیفہ پیدا کیا جانا ـــ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶۲)

موقع پر ایک انسانی فرد کے مخصوص و منتخب ہوتے پر "نبی" کا تصوّر پیدائشی تصور ہے۔ اس کے علاوہ۔ اس فرد کی خصوصیت میں عام مخلوقِ انسانی میں "نبی" کی صفت سے پکارے جانے کے ساتھ رسُول کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ جب تک مخلوقِ انسانی میں فساد و خونریزی رونما ہوگی۔ قیامت تک ایسے ہی نبی و رسُول کا مبعوث ہونا۔ لازم ہوگا۔ چنانچہ اس الٰہی منصوبہ کے تحت گزشتہ زمانوں میں۔ انہیں تصوّرات "نبی"۔ "رسُول" کے ساتھ ظہور ہوُا۔ جن میں۔ نوح۔ لُوط۔ یونس۔ ابراہیم اسحاق و اسماعیل علیہم السّلام کا ظہور ہوُا۔ کہ ہر نبی پیدائشی نبی تھا۔ ان کی خصوصیات صرف مخلوق انسانی کی ہدایت کے لیے بحیثیتِ رسول ہونا تھی۔ چنانچہ اس نبوت و رسالت کا تمتہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام پر ہوُا۔ حضرت عیسٰےؑ کے بعد بھی مخلوقِ انسانی میں ایک عالمگیر فساد و خونریزی پیدا ہوئی۔ جسکی اصلاح کے لیے ایک آخری "رسُول" حضرت محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ظہور ہوُا۔ جنہیں اللہ تعالےٰ نے تمام مخلوقِ انسانی کی ہدایت و اصلاح کے لیے مبعوث کیا۔ آپ کی ذات کو تمام عالم کی "ہدایت" "اصلاح" کے لیے مبعوث کیا گیا۔ لیکن اِس عمل میں "نبی" کا تصوّر شامل نہیں۔ بلکہ رسُول کا۔ چونکہ آپؐ کی ذات تمام عالم کے لیے منتخب کی گئی۔ اِس حال میں کہ آپؐ پر وحی شدہ احکام تمام مخلوقِ انسانی کے لیے کافی ہیں کہ اس کے بعد مخلوقِ انسانی کو کسی رسُول کی ضرورت نہ رہے گی۔ البتہ ایک تصوّر "نبی" قیامت تک باقی رہے گا۔ جس میں۔ بحیثیتِ رسُول مبعوث ہونے والے "نبی" کی نہ ضرورت رہے گی۔ نہ اس کا انتخاب اور نہ تصوّر باقی رہے گا کہ کسی نبی کا بحیثیتِ رسُول انتخاب ہو لیکن اس مقام پر "نبی" کا تصوّر۔ رسول کی صفت کے ساتھ مشترک نہیں۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

منشائے الٰہی کے مطابق مقرر ہے ـــــ کہ اس کی پیدائش کے ساتھ ـــــ اس کی رُوح رحمانی کو مشاہدہ اسرارِ الٰہی و معرفتِ الٰہی دیا جاتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اس کو مجوسی۔ نصرانی۔ یہودی بناتے ہیں۔ اِس حال میں کہ وہ خود پاکیزہ رُوح و جسم نہیں رکھتے لہٰذا ان کی اولاد کو بھی پاکیزہ رُوح و جسم میسّر نہیں ہوتا اس لیے وہ خصوصیت علمی سے بے خبر ہوجاتے ہیں۔ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ اِس وجہ سے وہ حقیقت سے منکر گمراہی کی حالت میں سرگرداں ہیں۔ اب وعدہ الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری اصلاحِ نفس کے لیے بھیجا ـــــ میری طرف آؤ میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ خالق اور معبود ہے اس کی معرفت و تسبیح انسان پر واجب ہے ـــــ ہاں میں نبی ہوں ـــــ اس کے لیے مجھے معجزات بھی عطا کیے گئے ہیں جو معجزات میری نبوت کی دلیل ہیں ان ہی خصوصیات کے ساتھ ایک رسول کو اصلاح انسانی کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے ـــــ رسول کی حیثیت میں وہ آیاتِ الٰہی لوگوں کو سناتا ہے۔ جب رسُول کی نبوت لوگ قبول کرتے ہیں اس کی اتباع اور اطاعت کرتے ہیں تو رسُول انسان کو مشاہدہ دینے کے لیے (یُزَکِّیْهِمْ) اس کا تزکیہ کرتا ہے ـــــ اس کی دو صورتیں ہیں ـــــ ایک جن افعال و اعمال سے انسان کی رُوح و جسم کثیف ہوکر مشاہدہ سے محروم ہو ان کی اصلاح کرتا ہے ـــــ انسان کو دنیوی حیثیت میں پاکیزہ اخلاق سے آراستہ کرتا ہے کہ سچ بولو۔ کم نہ تولو۔ زائد حصول کی جستجو میں ناجائز طور پر مال و دولت جمع نہ کرو۔ دوسروں سے حسد۔ بغض۔ کینہ۔ دُشمنی نہ رکھو۔ احسان کا جذبہ پیدا کرو۔ اپنے مقابلہ میں دوسروں کی ضرورت پوری کرنے کا جذبہ اختیار کرو۔ صبر و قناعت اختیار کرو ـــــ اور جب انسان نے رسول کی شخصیت کو عزّت و احترام اور محبّت کے جذبہ کے ساتھ تسلیم کرلیا تو اس کے لیے آسان ہوگا کہ وہ رسُول کے قول کو تسلیم کرے اور اس پر عمل کرے۔ اِس قول و عمل میں ہدایت (ھُدٰی) کے احکام پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶۳)

بلکہ اس نبوت کا تصور۔ پیدائشی تصور کے ساتھ ہے۔ جس صفت پر ہر انسان پیدا ہوتا ہے۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد علماءِ اُمّت کا ظہور لازمی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کے بعد ایک طویل زمانہ باقی ہوگا جس کی اصلاح کی ضرورت باقی رہے گی۔

ہی انسان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ یا رسُول جن افعال کو ذاتی طور پر بُرا سمجھے ان سے منع کرے اور جن باتوں میں بھلائی۔ نیکی ہو ان کی تلقین کرے۔ تو یہی ضابطہ شریعت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جب انسان کا اخلاق سنور گیا تو یُزَکِّیۡھِمۡ کا رُوحانی عمل شروع ہوتا ہے کہ رسُول صفت نبوت کے مطابق ایک تابع پر رُوحانی توجہ ڈالتا ہے۔ جس سے اسکی جسمانی اور رُوحانی کثافت دُور ہو کر مشاہدہ حاصل ہوتا ہے تو اسی مشاہدہ سے کتاب اللہ میں مندرج متشابہات اور پوشیدہ اسرار انسان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ جس سے انسان کا ایمان و یقین کامل ہو جاتا ہے کہ کتاب اللہ کے آثار کا علم الیقین۔ عین الیقین اور حق الیقین کے ساتھ آگاہی پا کر۔ خالق و مخلوق۔ معبود و عبد کی حقیقت پہچان کر قلبی جذبہ کے ساتھ اللہ کی تسبیح وحمد کر کے حقیقی مقامِ خلافت پاتا ہے۔ جس سے اس کے مقاصد زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں ـــــ دُنیا کا کوئی ذی رُوح ـــــ کوئی بشر ایسا نہیں جو محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولوالعزم شخصیت کا قائل نہ ہو جب کہ کائنات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت محقق و مسلم ہو سوائے اس کے انسان اپنی خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل میں۔ لذتِ نفس کے زیرِ اثر۔ باطل خواہشات پوری کرنے میں دیدہ دانستہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدسی شخصیت سے انکار کرے۔ یہ اس کا ذاتی فعل ہو گا جس پر وہ بلا دلیل۔ بلا وجہ۔ انکار پر بضد ہو گا۔ ورنہ آپ کی شخصیت کو دُنیا کا کوئی فرعون۔ کوئی محقق۔ کوئی موجد۔ کوئی فلسفی تسلیم نہ کرنے کا جواز پیدا کر سکتا ہے۔ نہ اس کے لیے انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے ـــــ سوائے اس کے کہ یہ ضروری ہو گا کہ علماء اُمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی شخصیت تسلیم کرنے کے لیے خود اپنے کردار اور عمل صالح سے نمونہ پیش کریں اور لوگوں تک حقیقی علم اس کی ظاہری اور باطنی صفات کے ساتھ پیش کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ دُنیا کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تسلیم نہ کریں یا اس پر عمل پیرا نہ ہوں۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ دینِ الٰہی شریعتِ الٰہی کے اجراء کے لئے علماء اُمت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ بن کر پیش ہونا ضروری ہے۔ بغیر کامل نمونہ کے لوگوں کے سامنے پیش ہونا عالمِ اُمت ہونے کا کوئی شخص نہ مجاز ہو سکتا ہے نہ دعوٰی کر سکتا ہے۔ نہ اس وصف

کے بغیر دائرہ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے۔

حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ۔ رسُول اور کتاب تسلیم کرنا۔ اسلام سے تعبیر ہے۔ لیکن اس وقت تک اسلام کامل نہیں جب تک کہ اولاً رسُول کو تسلیم نہ کیا جائے ــــ لہٰذا اولاً رسُول کو تسلیم کرنا شرط ہے۔ کیونکہ اللہ و کتاب کو رسول کی شخصیت پر بلا دلیل تسلیم کیا جاتا ہے۔ رسُول ہی اللہ و رسُول کے تسلیم کی ضمانت بنتا ہے ۔ بغیر رسول کے تسلیم کے اسلام کامل نہیں۔

اور اسلام کے بعد احکامِ الٰہی پر عمل ــــ اور رسُول کی اتباع و اطاعت میں مشاہدہ حقیقت یا حقیقت (متشابہات) کا تسلیم ایمان سے تعبیر ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۱۴)

یہ گنوار لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ایسا نہیں یہ ایمان کے درجے میں داخل نہیں لیکن یہ کہو کہ ہم نے اللہ و رسُول اور کتاب کو تسلیم کیا اور جب تک تم رسُول کی اتباع میں ــــ تزکیہ ــــ اصلاحِ نفس سے مشاہدہ حقیقت حاصل کر کے جذبہ قلبی کے ساتھ تسبیح و حمد حقیقت پا کر دُنیا جان و مال اولاد ہر شے قربان کر کے اللہ اور رسُول کی محبّت میں کامل نہ ہو۔ تم صاحبِ ایمان کہلا نہیں سکتے۔ ابھی تو تم نے اللہ اور رسُول کی عزّت و محبّت کا مظاہرہ کیا ہی نہیں ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہُوا۔ ظاہر ہُوا کہ ایمان عمل سے نہیں۔ بلکہ قلبی رقت و جذبہ سے وابستہ ہے۔

حضورؒ نے فرمایا کہ ایمان حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ اسلام کے رکن اوّل کو دل سے تسلیم کرنا کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

مَیں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیت تسلیم کرتا ہوں۔ کہ آپ امین و صادق ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات معبود ہے لہٰذا میں اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کے حکم کے مطابق حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیت کو دلیل لے کر تسلیم کرتا ہوں۔ بلاشبہ اللہ کی ذات

معبود و خالق ہے۔ اس حال میں کہ آپ کی صداقت پر اپنی شہادت کو مستحکم کرتا ہوں ــــ گویا میں خود اللہ کو دیکھ کر شہادت دیتا ہوں خالق و معبود ہونے کی صورت میں ــــ میں اس کا عبد ــــ غلام ہوں۔ مجھ پر اس کے ہر حکم کی تعمیل واجب ہے۔ میں اسے حاضر و ناظر جانتا ہوں۔ اس حال میں کہ وہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ہے۔ صاحب عزّت و احترام ہے۔ اس کی عزّت و احترام مجھ پر واجب ہے۔ یہ ایک اہم تصوّر اس شہادت کا ہے کہ اس ذات کو عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ ظاہر حالت اور پوشیدہ حالت پر حاضر و ناظر حیثیت میں یقین کامل کے ساتھ تسلیم کیا جائے ــــ اور جب اس کے عزّت و جلال کا تصوّر قائم رکھو ــــ تو جب تم اپنے بُرے اعمال عام انسانوں سے پوشیدہ رکھ کر شرم و حیا محسوس کرتے ہو کہ ان پر میرے گناہ ظاہر نہ ہوں۔ کہ میں لوگوں کی نظر میں مجرم و ذلیل و رذیل سمجھا جاؤں۔ تو اس واجب العزّت ہستی کے سامنے کیسے جرأت ہو سکتی ہے۔ کہ اس کی موجودگی میں گناہ کا مرتکب ہوں۔ جبکہ میرے پوشیدہ افعال و اعمال سے اللہ واقف ہے۔ یہ حیا کا مقام ہے ــــ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ حیا و شرم ایمان کے بغیر نہیں لہٰذا اللہ کے آگے حیا کے جذبہ کو قائم اور مستحکم کرو کہ تمہیں اندرون خانہ ــــ پوشیدگی میں جب کہ تمہارے بُرے اعمال لوگوں سے پوشیدہ ہیں لیکن اللہ انہیں دیکھ رہا ہے ــــ تمہارا یہ احساس قوی ہو جائے کہ اس واجب العزّت ہستی کے سامنے گناہ سرزد ہونا ــــ اس ذات کی بے عزّتی کے مترادف ہے۔ تو اس ذات کی بے عزّتی سے بڑھ کر اور کونسا گناہ ہو سکتا ہے تو حیا تمہیں پوشیدہ حالت میں گناہ سے باز رکھنے کا موجب بنے گی۔ یہ حیا کا جذبہ کیسے مستحکم ہو ــــ تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ــــ

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (رواہ مسلم)

عبادت اس طرح کرو جیسے تو اللہ کو دیکھتا ہے تم نماز اس حالت میں ادا کرو کہ تم اللہ کو دیکھتے ہو۔ اگر یہ صورت ممکن نہیں تو خیال کرو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ نماز اس تصوّر کو پختہ کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ کہ تم یہ تصوّر بار بار کرو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے ــــ اور جب تم اس کے عزّت و جلال کا جذبہ و تصوّر اس نماز میں شامل کرو۔ تو تم پر خشوع و

خضوع کی کیفیت طاری ہوگی۔ تمہاری نماز میں انہماک اور اس کے جلال کی ہیبت تمہارے دل پر طاری ہوگی۔ یہی ہیبت خداوندی کا تاثر حیا پیدا ہونے کا اصل ذریعہ ہے ——— ضرورت ہے کہ تم عقل و خرد کے ساتھ اس تصوّر کو قائم کرو ——— تو تمہارے قلب پر رقّت طاری ہوگی۔ یہ علامت پاکیزگی قلب و رُوح اور کامل ایمان کی علامت ہے۔ تو پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان پوشیدہ حالت میں بھی گناہ کی طرف مائل ہو۔ اِسی لیے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبان مقدس سے اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا اور فرمایا

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۲۹ آیت ۴۵)

نماز میں جب تم اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت کے ساتھ اسے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ میں انسان کی سانس کی نالی (جو قلب سے منسلک ہے) سے بھی زیادہ قریب ہوں ——— تصوّر کرو ——— اور اس کی عظمت و جلال کو قلب پر طاری کرو تو پھر یقینی طور پر نماز کا عمل فحش و انکار کی شر سے محفوظ رکھنے والا ثابت ہوگا۔ اسی لیے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ۔

جب تم نماز میں داخل ہو تو تم ذاتِ الٰہی کے سامنے عبد و غلام کی حیثیت میں پیش ہو اور خشوع و خضوع میں اس کے عزّت و جلال کی تجلّی تمہارے قلب پر طاری ہو ——— بلاشبہ یہی ذریعہ یہی راستہ حقیقی معرفتِ الٰہی کا ہے ——— حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں ——— قرآن مجید کے اصلاحی احکام میں اَلصَّلٰوۃَ۔ تزکیہ نفس ——— پاکیزگی جسم و رُوح ——— یکسوئی و انہماک اور نزول تجلّی الٰہی اور معرفتِ حقیقی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے ——— اسی وجہ سے قرآن میں باقی احکام کے مقابلہ میں اَلصَّلٰوۃَ۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا بار بار ذکر آیا ——— کہ یہ عمل حصول معرفت میں تزکیہ نفس اور مشاہدہ اسرار الٰہی اور معرفتِ الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے ——— حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بھی پسندیدہ عمل اَلصَّلٰوۃ ہی تھا ——— آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ نماز ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اِس ٹھنڈک کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کے قلوب عشقِ الٰہی اور عشقِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی لذّت سے آشنا ہوں ورنہ ٹھنڈک کسی بے ادب کے لیے اس کی جسمانی حرارت کو منجمد کرنے کا سبب بنتی ہے

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں محبتِ الٰہی تب تک میسّر نہیں ہوتی جب تک محبّتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم قلب پر موجزن نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

نہیں مومن ہو سکتا ــــ نہیں کسی شخص کے قلب میں ایمان کی حلاوت قائم ہو سکتی ــــ جب تک کہ محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور ہر شے مطلوب سے زیادہ محبّت نہ رکھی جائے۔ ظاہر ہُوا کہ ایمان کا حصُول اور محبّتِ الٰہی کا جذبہ حاصل ہونے میں محبّت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اوّلیت کا درجہ حاصل ہے کہ محبّت رسول اللہ کے بغیر نہ ایمان کامل حاصل ہو سکتا ہے نہ محبّت الٰہی سینہ میں جگہ پا سکتی ہے کیونکہ حصولِ معرفت میں حصولِ رضاءِ الٰہی میں۔ حصولِ ایمان و اسلام میں۔ حصولِ ہدایت میں جب تک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع و راہنمائی حاصل نہ ہو انسان ہر عمل اور حصول میں ناکام اور نامراد رہے گا۔ اور جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس ہی حصول مقصود کا سبب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع و حُبّ ہر شے کے حصول سے مقدم ٹھہری اور جانیں وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے قرآنی حکم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ۔ جس نے جان بوجھ کر بلا وجہ نماز ترک کی اس نے گویا نماز ادا کرنے سے انکار کیا ہاں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع میں مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ (جو رسُول تمہیں دے۔ یا کہے۔ اسے قبول کرو) میں رسُول اللہ کا حکم جاری ہونا شامل ہے۔ جس نے نماز ادا نہیں کی۔ گویا اس نے یہ نیت کر لی۔ کہ "جاؤ میں نہیں مانتا" یہ انکار کائنات میں سب سے بڑا جرم ناقابلِ معافی ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عزت و عظمت ماننے سے انکار کر دیا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ ــــ ایسا کیوں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ۔

نماز دین و شریعت کا ستون ہے۔ جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی گویا اس نے دین کی عمارت کو منہدم کر ڈالا ــــ یہ نہایت افسوسناک مقام ہے ــــ تاریخ شاہد ہے۔ کہ حضور محمّد رسُول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلّم۔ اور آپ کے تابعین نے۔ اس دین کی عمارت کو تعمیر کرنے میں کس قدر مصائب اور تکالیف اُٹھائیں ـــ نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے گلوئے مقدس میں پھندا ڈالا گیا ـــ آپ پر اوجھڑیاں پھینکی گئیں۔ جہاد میں جب صحابہ نے با جماعت نماز ادا کی تو دُشمنوں نے موقع پا کر حملہ کر کے کئی مجاہدین دین کو شہید کر دیا۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کو نماز کی حالت میں شہید کیا گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نماز کی طرف جاتے شہید کیا گیا۔ حضرت حسین علیہ السّلام کو بھی نماز میں شہید کیا گیا ـــ کیا یہ نماز رکوع و سجود تھی یا کچھ اور ـــ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اِسی دین کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے طائف میں مظالم کا شکار ہوئے۔ آپ کے جسم مقدس سے خون اتنا بہایا گیا کہ نعلین مُبارک خونِ اطہر سے تر ہوگئیں۔ آپ کے تابعین نے خود اسی دین کی خاطر اپنے ہاتھوں۔ اپنے بالوں۔ اپنے فرزندوں اور اپنے عزیزوں کو قربان کر دیا ـــ اب بھی یہی دین ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اُمتی ہونے کے دعویدار عمداً و قصداً ترکِ صلوٰۃ سے منہدم کر رہے ہیں۔ دُشمن کی بُرائی اتنی تکلیف دہ نہیں ـــ جتنی دوست کی بے وفائی افسوسناک ہوتی ہے۔ اُمتی ہونے کے دعوے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کی قربانی کو خاطر میں نہ لا کر دُشمنی کرنا حد درجہ افسوسناک ہوتا ہے۔ کائنات میں اس سے بڑھ کر ظلم اور بے وفائی کا تصوّر ہی نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے تارک الصّلوٰۃ دوست سے سرزد ہوتی ہے ـــ جو دوست بن کر آپ سے دُشمنی کرتا ہے ایسے شخص کے لیے دُنیا و آخرت میں سوائے ذلّت و رسوائی کے کسی رحم یا شفقت کا خیال رکھنا بالکل لاحاصل ہے۔ لہٰذا ہر حال میں نماز قائم رکھنا اُمّتِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے لازم اور واجب ہے ـــ جب کہ نماز ہی دین کی اصل ہے ـــ نماز ہی انسان کے لیے باعثِ نجاتِ آخرت اور فلاحِ دین و دُنیا کی ضامن ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی نماز کو انسانی فلاح و کامرانی کا سبب قرار دیا۔ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ نماز و صبر سے اللہ سے مدد مانگو ـــ نماز کافر اور مومن میں فرق کرنے والی ہے۔ بغیر ادائے نماز انسان دائرہِ اِسلام سے خارج ہوتا ہے۔ فَقَدْ کَفَرَا یعنی نماز کافر اور مومن میں فرق کرنے والی ہے ـــ اَلصَّلٰوۃ کیا ہے؟ ـــ قرآن نے بتایا

کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی۔ ہر قوم کو الصلوٰۃ کا حکم دیا۔ اس الصلوٰۃ کو۔ قیام وقعود۔ رکوع وسجود۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ــــ وَارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا کی ہیئت میں پیش کیا گیا ــــ کسی نبی نے قیام کی شکل میں نماز ادا کی۔ کسی نبی نے رکوع کی شکل میں نماز ادا کی کسی نبی نے سجود کی شکل میں نماز ادا کی۔ کسی نبی نے قعود و تحیت میں نماز ادا کی حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو ان تمام انبیاء کی نماز کا مرکب و مجموعہ دیا گیا ــــ یا یوں کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارکان نماز کا کامل مجموعہ دیا گیا اور باقی انبیاء کو جزوی حیثیت میں اسی نماز کے ارکان میں سے اجزائے نماز دیئے گئے۔ اس حیثیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے تمام انبیاء کی نماز سے افضل نماز عطا کی گئی ــــ جس میں قیام ــــ رکوع ۔سجود ــــ تحیت تمام ارکان کو یکجا کیا گیا۔ ہاں نماز۔ درحقیقت قیام۔ رکوع۔ سجود کا عملی اور ظاہری مظاہرہ ہے۔ بغیر ان ارکان کی ادائیگی کے نماز ــــ نماز نہیں کہلا سکتی اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی ارکان سے نماز ادا کی اور ان ہی کی ہدایت فرمائی ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کس کو معرفتِ الٰہی۔ وصالِ الٰہی۔ انہماک و استغراق خشوع و خضوع حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن ان صفات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو پورے ارکان کے ساتھ ادا کر کے اُمت کو ایک نمونہ دیا ــــ کچھ نام نہاد صوفیاء نماز کا ایک مبالغہ آمیز نظریہ پیش کرتے ہیں کہ انسان کو حضوریئے حق میں وصال الٰہی میسر آئے تو نماز صرف حضوریِ حق حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جب حضوریِ حق حاصل ہو تو نماز کی ضرورت نہیں رہتی ــــ اصل نماز ــــ یا نماز کی رُوح وصالِ الٰہی ہے ــــ وصالِ الٰہی حاصل ہو تو نماز کی حاجت نہیں رہتی مگر ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ نماز حضوریِ حق ــــ وصالِ الٰہی حاصل کرتے میں سیڑھی ــــ زینہ کا کام دیتی ہے۔ قرآن کریم نے بارہا الصلوٰۃ کا تذکرہ کر کے اس کی اہمیت ظاہر فرمائی تَقَرَّبُوْا اِلَی اللّٰہِ کا واحد ذریعہ الصلوٰۃ ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔

عاشقانِ خدا تو ہر وقت نماز کی سعی میں لگے رہتے ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی جبین مُبارک پر کثرتِ سجود سے گٹھلی پیدا ہو چکی تھی سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ

السُّجُوۡدِ اللہ تبارک تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف فرمائی۔

صوفیائے کرام کی نماز کے بارے میں حضرت رُومی فرماتے ہیں۔

پنج وقت آمد نماز اے رہنمون

عاشقانِ ہم فی الصّلوٰۃ دائمون

یعنی عاشق دائمی نماز ادا کرتے ہیں۔ وہ ایک نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں اور عوام تو ایک نماز پڑھنے کے بعد غافل ہو جاتے ہیں۔ مگر عاشق الصلوٰۃ کے انتظار میں دائمی نماز کا ثواب حاصل کر لیتے ہیں۔ نماز تو معراجِ مومن ہے۔ وہ خشوع و خضوع سے نماز ادا کر کے تقرب الی اللہ حاصل کرتا ہے جس میں اس کو مشاہدہ انوار الٰہی حاصل ہو جاتا ہے کچھ لوگ تو الٰہی انوار میں محو ہو جاتے ہیں لیکن دوسرا مومن وَ ابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ کے حکم کے تحت دیگر امور میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس شہود کا مشاہدہ دائماً نہیں رکھ سکتا کہ اسے امور دنیوی میں بھی مشغول رہنا پڑتا ہے — ایسی صورت میں جب کہ اس کے قلب و ذہن پر دنیوی فکر کا غلبہ رہتا ہے۔ دن میں پانچ بار اسے اس حال میں حضوری حاصل کرنے کا حکم دیا گیا کہ تم امور دنیوی کے مشاغل میں اپنی قوتِ مشاہدہ — محویت و استغراق — کو نماز کے ذریعہ جلا دو تاکہ تمہارا قلب و ذہن — ہمہ وقت — محویت و استغراق کا عادی رہے ورنہ انسان کی — سفلی — جسمانی — خاصیت کا تقاضا ہے کہ اگر اس نے نماز سے علاوہ اپنی مشاہدہ اور محویت کی قوت کو محض رات کے اندھیرے تک مختصر کر دیا — تو لازم ہے حصول دُنیا کی فکر میں تمہاری مشاہداتی قوت پر شہوانی غلبہ طاری ہونے کا احتمال ہوگا کہ نفسِ امارہ انسان کی زندگی تک — زندہ رہتا ہے۔ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ۔ اس کی خاصیت ہر لمحہ ظلمت کی طرف زور دینے کی ہے — لہذا تمہیں ہر لمحہ اس کی زد سے بچنے کے لیے پاکیزگی جسم کو برقرار رکھنے کے لیے دن کی دنیوی مصروفیت میں — کم از کم پانچ بار — محویت اور استغراق کی عادت کو قائم رکھنے کے لیے — نماز — از حد لازمی ہے — اگر نماز ادا نہ کی تو جانو — تم کسی وقت (بِالسُّوۡٓءِ) لذتِ نفس کا شکار ہو کر اپنی جسمانی اور روحانی پاکیزگی کھو سکتے ہو — پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے۔

کہ نماز میں محویت و استغراق لازم ہے ــــ سوائے اس کے نماز ہوش و حواس کے دائرے میں ادا کرنا لازم ہے ۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی ۔ نماز اس حالت میں ادا نہ کرو کہ تمہاری عقل سکر کی حالت میں اپنے اعضاءِ جسمانی پہ گرفت نہ رکھتی ہو جس سے ادائے ارکانِ نماز میں خلل واقع ہوگا ــ سکر ــــ سے مراد عقل کا سکڑ جانا ــــ اور شعور کا برسرِ عمل نہ ہونا ۔ ایسی حالت میں نماز ادا کرنا جائز نہیں کہ نماز میں ارکان کی ادائیگی لازم ہے چنانچہ سکر طاری ہونے کے سبب نماز ادا نہیں ہوسکتی نہ ایسی حالت میں آداب نماز کا اہتمام رکھا جا سکتا ہے ۔ نماز میں انسان یہ سمجھ سکے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہے اور اللہ اس کو دیکھ رہا ہے ۔ ایسی حالت میں جب مشاہدہ تجلیات الٰہی میں سکر پیدا ہو انسان اپنے اعضا پہ کامل تصرف نہ رکھ سکے ارکان نماز ادا نہیں کر سکتا ۔ ایسی حالت پہ ــــ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ ۔ کا حکم جاری ہوتا ہے ــــ اِس کی دوسری غالب ہیئت یہ ہے تجلیاتِ نوری میں انسانی عقل پر انوار کی شدت غالب آجاتی ہے ۔ اس وقت انسان پر یکسر بے خودی کی حالت طاری ہو جاتی ہے ۔ کہ عقل انسانی جسم پر وارد ہوتی واردات کا قطعی احساس نہیں کر پاتا اِس حال میں کہ اگر اس کے جسم پہ کوئی شدید حادثہ بھی طاری ہو تو انسان اس کے اثرات سے متاثر ہوتا ہے ۔ نہ اسے اس تکلیف کا احساس ہوتا ہے ۔ اِس کیفیت کو "جذب" سے تشبیہ دیا جاتا ہے ۔ ایسی حالت میں انسان نہ نماز پڑھنے کے قابل ہوتا ہے نہ اس پہ اس حالت سکر میں نماز ادا کرنا واجب ہوتی ہے ــــ ایسے شخص کو مجذوب کہا جاتا ہے ۔ مجذوب اس شخص کو کہا جاتا ہے جو تجلیات الٰہی میں یکسر محو ہو کر جسم کے تصرف سے یکسر غافل اور بے احساس ہو ــــ اگرچہ نشہ آور اشیاء کے استعمال سے بھی ایسی کیفیت جذب طاری ہو جاتی ہے لیکن یہ کیفیت چونکہ ناری اثر کے تابع ہوتی ہے اِس حالت کو ناقص اور شیطانی واردات سے تعبیر دیا جاتا ہے ۔ اور جذب کی اصل تعریف تجلیاتِ الٰہی کے وارد ہونے پر عقل کا یکسر محو دیدار ہونا اس حال میں کہ اسے اپنے جسم کا احساس نہ ہو ۔ سوائے ذاتی تجلیاتِ الٰہی کے مخلوقی انوار میں جذب ۔ مجذوبیت کی اصل نہیں قرار دی جاتی ہے کیونکہ اصول طریقت کے مطابق جذب کے حقیقی مقامات ہیں ۔ یعنی طالب حق کو حصول معرفت میں صراط اللہ کے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے ۔

ان مراحل میں عالم ناسوت ــــ عالم ملکوت ــــ عالم جبروت ــــ عالم لاہوت منازل ہیں ــــ ان مراحل میں تجلیات پائی جاتی ہیں۔ ان مراحل میں پہلے عالم ناسوت کے انوار آتے ہیں۔ ان انوار کی تجلیات سے اگر طالب پر جذب طاری ہو وہ ناقص کیفیت ہوتی ہے۔ اِسی طرح عالم ملکوت ــــ عالم جبروت۔ علم لاہوت کے مراحل میں سے گزرنے پر اگر طالب حق پر ان انوار کے وارد ہونے پر جذب طاری ہو تو اصولاً یہ کیفیت بھی ناقص ہوتی ہے۔ ان مقامات پر جذب طاری ہونے کا اصل سبب کامل تزکیہ نہ ہونے کے باعث ہوتا ہے کہ انسان ان انوار کی تجلی کا متحمل نہیں ہوتا۔ گویا ایسا شخص باطناً مشاہدہ اسرار الٰہی اور معرفتِ الٰہی میں رُوحانی حیثیت میں سالم اور ہوشمند ہوتا ہے لیکن ازرُوئے آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ یہ دلیل ثابت ہوتی ہے کہ نماز کی ادائیگی میں ارکان نماز ادا کرنے سے ہی نماز کی تعمیل وتکمیل مقرر ہے۔ ورنہ معرفتِ الٰہی میں بوجہ سکر کے نماز سے منع ہے ظاہر ہُوا نماز ارکان سے ادا کیا جانا فرض ہے۔ نہ کہ حضوریٔ حق سے جس کی حیثیت میں عقل بوجہ محویت نورِ الٰہی کے جسمانی تصرف پر قادر نہیں رہ سکتی ایسے سکر کی حالت میں نماز واجب نہیں۔ لیکن چونکہ یہ عالم نوری کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اسلیے مراتب کے اعتبار سے یہ حالت احسن قرار دی جاتی ہے لیکن اصول شریعت کے تابع بہرحال ناقص تصوّر کی جاتی ہے۔ اِس کے مقابل ایک طالب حق عالم ناسوت سے لے کر عالمِ جبروت تک کے مراحل میں بقائمی ہوش وحواس اگرچہ روحانی حیثیت میں وہ ان انوار میں جذب پاتا ہے۔ لیکن عقلی حیثیت میں اس کی عقل پر محویت طاری نہیں ہوتی بلکہ ہوش وحواس بھی قائم رکھتا ہے۔ بدیں وجہ اس کا تزکیہ روحانی بحد کمال قوی ہوتا ہے کہ اس کی عقل تجلیاتِ نوری کے ورود سے متاثر ہو کر سکر کی حالت میں نہیں جاتی ــــ یہاں تک کہ اس پر خالص تجلیاتِ الٰہی کے انوار کا بھی نزول ہو ــــ سکر کی حالت اس پر پھر بھی طاری نہیں ہوتی۔ ایسے عالم کو سالک سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان حالتوں میں جس شخص پر تجلیاتِ الٰہی کے نزول میں دائمی سکر پیدا ہو کر اپنی جسمانی حالت سے یکسر بے خبر ہو وہ حقیقی مجذوب کہلاتا ہے۔ اِس پر لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کا مستقل حکم جاری ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی بھی حالت میں ہوش میں نہیں آتا گویا ایسا شخص باطناً مشاہدہ اسرارِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی میں رُوحانی حیثیت میں سالم اور ہوشمند ہوتا ہے۔ لیکن

جسمانی حیثیت میں عقل۔ بوجہ محویت نورِ الٰہی کے جسمانی تصرف پر قادر نہیں رہ سکتی۔ اسلیے ایسے سکر کی حالت میں نماز واجب نہیں۔ از رُوئے آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ ۔ یہ دلیل ثابت ہوتی ہے۔ کہ نماز کی ادائیگی میں ارکان نماز ادا کرنے سے ہی نماز کی تعمیل و تکمیل مقرر ہے۔ ورنہ معرفتِ الٰہی میں بوجہ سکر کے نماز سے منع ہے۔ ظاہر ہے کہ نماز ارکان سے ادا کیا جانا حق ہے۔

ماسوائے اس کے جیسا کہ بیان ہُوا ہے کہ بعض طالبان کو دائمی استغراق حاصل نہیں ہوتا بلکہ جذبات قلبی کے زیرِ اثر ان پر تجلّیات کا کسی آن نزول ہوتا ہے۔ ان پر جذب طاری ہوجاتا ہے۔ اور پھر جذب سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کے لیے تاوقتیکہ اس پر جذبی کیفیت میں سکر طاری ہُوا اس پر نماز لازم نہیں لیکن اتباعِ سنّتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تابع اگر جذب کی حالت میں نماز کا وقت آیا اور قضا ہوگئی تو اس پر وہ نمازیں جو جذب کی حالت میں قضا ہوئیں ۔۔۔ ادا کرنا فرض ہیں ۔۔۔ بصورتِ دیگر عدمِ ادائیگی نماز پر وہ قابل مواخذہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ولی صاحب خرد ہوتا ہے صاحبِ علم ہوتا ہے۔ وہ اپنے فرائض جانتے ہوئے نماز ادا کرتا ہے ۔۔۔ اور جو شخص کسی آن تجلّیاتِ الٰہی کے نزول پر جذب میں داخل نہ ہو ۔۔۔ اگرچہ اسے فنا و بقائے الٰہی میسّر ہے۔ غیر سکر کی حالت میں اس پر نماز ادا کرنا ہر حال میں واجب ہے۔ وہ کسی طرح بھی نماز کی ادائیگی سے فارغ نہیں رہ سکتا کیونکہ اس کے لیے نماز سے اصلاحِ نفس کی ہر لمحہ ضرورت باقی رہتی ہے۔

یہ امر قابلِ فکر ہے۔ کہ ہر اس شخص کو جو تزکیہ جسمانی۔ رُوحانی پر عامل ہو۔ اس سے مافوق الفطرت۔ مافوق العقل۔ کمالات و کرامات کا صدور رہوتا ہے۔ یہ انسانی تخلیق کا فطری خاصہ ہے کہ پاکیزہ رُوح کی حالت میں انسان سے کرامات کا صدور رہوتا ہے ۔۔۔ اِن کمالات کا ناری قوت ۔۔۔ رُوح حیوانی سے صدور رہوتا ہے ۔۔۔ رُوحِ رحمانی کا کرامات سے تعلق نہیں اگرچہ نورانی حیثیت میں اس رُوح سے بھی کرامات کا اظہار ہوسکتا ہے ۔۔۔ لیکن قدرت نے اس رُوح کو محض مشاہدہ ملکوتی۔ جبروتی۔ لاہوتی اور معرفتِ ذاتِ الٰہی کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ اِس لیے ولی اکثر حالتوں میں سوائے مشاہدۂ اسرارِ معرفتِ الٰہی۔ اس رُوح کو کرامات کے لیے

استعمال نہیں کرتا۔

بلکہ نہیں کرسکتا — تاوقتیکہ اسے محویت کا مقام حاصل نہ ہو — ناسوتی کرامات کا رُوحِ حیوانی سے صدور۔ بلا تمیز اتباع شریعت ہر انسان سے ہوسکتا ہے۔ اس میں صرف فاقہ رات جاگنا یا کسی انسان میں پیدائشی طور رُوح حیوانی کا قوی و پاکیزہ رہنا — بغیر اتباعِ شریعت بغیر پابندی عبادت قوت کرامات پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ نشہ آور اشیاء۔ چرس۔ بھنگ۔ شراب پینے سے بھی قوتِ مشاہدہ پیدا ہوجاتی ہے کیونکہ نشہ آور اشیاء سے عقل پر سکر طاری ہوجاتا ہے اور شعور بر سرِ عمل ہوجاتا ہے۔ شعور دراصل رُوح حیوانی کا مخزن ہوتا ہے۔ اِس لیے نشہ کی حالت میں شعور خود مشاہدہ کرتا ہے۔ اِس مشاہدہ میں ناسوتی عالم کی کیفیات کا۔ چونکہ عالم ناسوت کی کیفیات بھی ناری ہیں۔ ان میں زمین میں مدفون خزانے۔ قبروں کے احوال۔ دل کی باتوں کا علم۔ اور زمین پر واقع ہونے والی واردات کا مشاہدہ شامل ہے۔ اس شخص کا عمل ولایت میں شامل نہیں۔

واضح ہو کہ گزشتہ انبیاء سابقین کو اجرار شریعت میں جو معجزات (وہبی طور) عطا ہوئے۔ ان میں معجزۂ سلیمانی۔ ہوا میں اُڑنا۔ حشرات الارض کے کلام سُننا۔ معجزۂ داؤدی۔ لوہا موم ہونا۔ معجزۂ موسوی۔ عصا اور یدِ بیضا۔ معجزۂ عیسوی۔ بیماروں کا اچھا کرنا۔ پانی پر چلنا۔ مردہ زندہ کرنا۔ غیب کی باتیں بتانا۔ یہ معجزات محض ان کی نبوت کے لیے پیش کیے گئے کہ انسان ان کے مافوق العقل کمالات سے۔ ان کی جسمانی۔ رُوحانی پاکیزگی اور روحانی رابطہ کی دلیل پاسکیں کہ یہ ہستیاں مافوق الفطرت کمالات کی حامل و مامور من جانب اللہ ہیں — یہ کمال مامور من جانب اللہ شخصیت کے لیے بطور دلیل پیش کیا گیا — کہ ان کی شخصیت مسلّم ہو اور لوگ ان کی اتباع میں وحی و شریعت پر عامل ہو کر راہِ حق حاصل کریں۔ کمالاتِ انسانی شخصیت کی برتری تسلیم کرنے کے لیے پیش کیے گئے — جن کا اثر — کرامات اور مشاہدات تھے — اور ہر زمانہ میں انبیاء نے ایسے ہی کمالات کا مظاہرہ کیا — سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ لیکن گزشتہ زمانوں کے منتقل شدہ تصوّرات پر ہی یہود و نصاریٰ نے گزشتہ نبیوں جیسے معجزات کا مطالبہ کیا کہ چاند کے ٹکڑے کر کے دکھائیں۔ مٹھی میں چھپائی ہوئی کنکریوں کا

بولنا ــــ قیامت کا حال بتائیں وغیرہ ۔یہ انبیاء کی دلیل نبوت کے لیے بطورِ ثبوت مانگا گیا۔

گزشتہ زمانوں میں ہر قوم میں نبی مبعوث ہوتے رہے ظاہر ہے کہ ان کے مامور من جانب اللہ ہونے کے لیے انہیں بھی مافوق الفطرت کمالات میسر ہوئے اور نبی کی صفت میں یہ امر شامل ہے کہ اسے صرف قوتِ مشاہدہ پر ۔بغیر ملائکہ وحی ۔ہدایت ملتی رہی اور نبی نے بحیثیت معلم لوگوں کا تزکیہ کر کے انہیں مشاہدہ و معرفت دی۔ رسول اور رسالت میں بھی تو اصلاحِ نفس کے لیے ہدایات ہیں ۔ملائکہ کے نزول میں کتاب اور نبی کی فضیلت مقصود ہوتی ہے ــــ چنانچہ گزشتہ قوموں نے انبیاء سے قوتِ مشاہدہ اور کمالاتِ نبوت کا علم حاصل کیا لیکن زمانہ کی طوالت کے ساتھ جب نبی کی تعلیم باقی نہ رہی مگر کمالات ناسوتی باقی رہے اور ان کا علم بھی باقی رہا۔ اور جب اِس علم میں شریعت کی اتباع شامل نہ رہی تو نام نہاد اولیاء قائم مقام انبیاء نے بغیر اتباعِ شریعت صرف تزکیہ سے کمالات کا مظاہرہ کیا جس میں مخرب اخلاق افعال شراب ۔جوا۔ زنا کا ارتکاب شامل رہا۔ تو آئندہ آنے والی قومیں ان ہی کمالات سے متاثر ہو کر ایک استدراجی ولی کی طرف رجوع کرتی رہیں اور اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ آیا ان گزشتہ صاحبِ کمالات شخصیتوں کو ولی تصور کیا جانا جائز ہے ۔اِس حال میں کہ ان کا علم و عمل یکسر شریعت کے خلاف ثابت ہے ــــ وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۔ ہر قوم کے لیے اللہ نے ہادی بھیجے جو الٰہی احکام لے کر آئے ــــ انہوں نے قوموں کی شریعت کے تابع راہنمائی کی البتہ اپنی نبوت کی دلیل کمالات و کرامات سے دی ۔ بعد میں ان کے پیروؤں نے شریعت کی پیروی ترک کر کے صرف جنگلوں کی تنہائیوں میں شدید تزکیہ نفس سے کمالات حاصل کر کے ایک فروعی علم کو جنم دیا۔ یہی علم آئندہ قوموں کی علمی اساس بنی ۔ اسی پر ان کے مذہب کی بنیاد پڑی ۔ چونکہ اس علم میں کمالات نبوت کا استدراجی مظاہرہ ہوا۔ اس لیے قوموں نے اِس مذہب کو ہی حقیقت تصور کیا۔ یہی حقیقت ہندوستان میں ہزاروں سال قبل قدیم آریائی قوموں کی رہی کہ ان میں بعض لوگ حصولِ حق میں مخلص تھے۔ انہوں نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا وہ اوتار۔ رشی کہلائے مگر زمانہ کے ساتھ جب اس علم و عمل میں اخلاق حسنہ اور ہدایت کا صحیح تصوّر باقی نہ رہا تو اس علم و عمل کو حصولِ مال و زر اور عوام الناس کو

زنجیروں میں جکڑنے کے لیے استعمال کر کے - راجاؤں - مہاراجوں - برہمنوں - شودروں کا وجود پیدا کر دیا — یہی علم و عمل مدت ہا مدت ہندوستان میں جاری ہوا جو آخر میں - ہندومت - بدھ مت اور دیگر امتوں میں جاری رہا اور اشوک کے زمانہ میں ہندوستان سے علاوہ - ایران چین تک یہی علم پھیلا تو اس سے یہ علاقے بھی متاثر ہوئے اور اسی زمانہ میں ایسا ہی علم - چین - ایران میں بھی رائج رہا — اور جب اسلامی شریعت نے الہٰی کلام کا تصور ان علاقوں میں پیش کیا تو اس وقت خلافتِ عثمانیہ کا دور تھا جس کی اپنی اسلامی اور شرعی اساس اپنی اصلی حالت میں کمزور ہو چکی تھی تو ایران نے اپنے مروجہ علم میں کلامِ الہٰی کو شامل کر کے — ایک نیا علم تشکیل دیا یعنی یہاں اس سے پیشتر تزکیہ نفس میں - برہمنی تزکیہ - جسم کو اذیت دینا — سانس بند کرنا — لمبے سانس لینا — یکسوئی و مراقبہ کرنا — بلور بینی سے یکسوئی کی مشق کرنا — یا سورج چاند پر نظر جما کر یکسوئی کرنا — یا سانس بند کرنے کی طویل مشق کر کے گھنٹوں - دنوں - ہفتوں - مہینوں - سانس بند کر کے - زندہ رہنا - اس عمل میں کلمہ توحید - اسم اعظم اَللّٰہُ ھُوَ - لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے قلب پر ضرب لگانا یا قرآن و وظائف کا استعمال کرنا - اسلام میں داخل ہونے والے آریہ برہمنوں نے جو نومسلم فقیر کہلائے اسلامی تصوف کا نیا تصور دیا - ظاہر ہے کہ ایسے عمل یا ایسی مشقوں میں دین کی شرط بھی نہیں لیکن ایران و ترکی - عراق و مصر اور عرب سے آنے والے علمائے شریعت - اولیا بھی جب ایران سے ہندوستان میں داخل ہوئے تو ان میں سے بعض اولوالعزم ہستیوں نے حقیقی دین اسلام قرآن اور حدیث اور حقیقی علم طریقت کا اجرا کیا اور بعض نے علمِ شریعت کے ساتھ علم طریقت میں ایرانی تصوف کی آمیزش سے علم طریقت کا اجرا کیا تو اس طرح اسی ایرانی تصوف نے ہندوستان میں رواج پایا — کہ بغیر اتباع شریعت مکاشفات و کرامات کو دین کی اصل تصور کر کے اس پر عامل ہوئے — اور جہاں تک اس علم میں شریعت پر عمل ہوا - یہ حقیقی اسلامی تصوف تصور کیا گیا - لیکن اس تصوف میں ایرانی تراکیب تزکیہ نفس کو شامل رکھا گیا اور اس طرز - طریقہ کو اسلامی تصوف کی بنیاد تصور کیا گیا اور قرآن نے طریقت کے متعلق جو طریق پیش کیا اس پر بہت کم عمل کیا گیا - چنانچہ ہندوستان میں جو سلسلے عرب و عراق و ایران سے ہندوستان میں پہنچے ان میں قادری سلسلہ -

چشتی سلسلہ ۔ نقشبندی سلسلہ ۔ سہروردی سلسلہ مشہور ہیں ۔۔ گو ان میں بنیادی طور قرآنی طریق طریقت موجود تھا مگر ہندوستان میں فقراء نے محض تزکیہ نفس کی آسانی کے لیے ایرانی تصوف کے طریق کو شامل کرکے طریقت اسلامی کا ایک ضابطہ قائم کیا ۔ اِسی ضابطہ پر جب اس علم میں علمِ شریعت کی ضرورت کو استعمال نہ رکھا گیا تو نام نہاد فقراء نے محض لاعلمی کے باعث یا اپنی خواہشاتِ نفسانی کے حصُول میں حصُولِ دولت کی خاطر استدراجی عمل کو اپنا کر طریقت کا ایک غلط اور گمراہ کن طریق اپنایا اور لوگوں نے بوجہ لاعلمی ایسے کمالات کو حقیقت سمجھ کر اس پر اظہارِ عقیدت کیا ۔ اِس تصوّر میں ایک استدراجی فقیر کے علم کو اس کے کمالات کی بنا پر فنا فی اللہ ولی تسلیم کیا جس میں شریعت کی اتباع کو لازم نہ سمجھ کر شریعت سے علیحدہ ایک باطنی علم قرار دے کر ۔ ایک فقیر اتباعِ شریعت میں نماز ۔ روزہ ۔ زکوٰۃ کے خصوصی ارکان سے انحراف کرتے ہوئے بھی ولی صاحب معرفت تصوّر کیا جانے لگا ۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں ایسے ولی جو بغیر اتباع شریعت بغیر ادائیگی ارکان نماز فقیری کا دعویٰ کرتے ہیں خود گمراہ ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا سبب اور دین حق کے اجرا میں رکاوٹ کا سبب ہیں ۔۔ بغیر اتباعِ شریعت ۔ بغیر حصول مراتب ۔۔ عالم ملکوت ۔۔ عالمِ جبروت ۔ عالمِ لاہوت ۔ ولایت کا دعویٰ کرنے والا مدعی ولایت کذاب ہے ۔ مدعی ولایت کا دعویٰ بمنزلہ دعوئ نبوت ہے ۔ کیونکہ طریقت میں علماء اُمت کیلئے صاحبِ شریعت اور مراتب اعلیٰ کا حامل ہونا ضروری ہے ۔ بغیر خصوصیت ولایت دعویٰ نبوت کرنے والا ۔ جھُوٹا نبی ۔۔ نبی کذاب تصوّر ہوتا ہے ۔۔ ایک ولی کے لیے عالم ملکوت میں اجلاس محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں زیارتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پانا لازمی ہے ۔۔ اور یہ مقام بغیر اتباعِ شریعت اور ادائیگی نماز کے ممکن نہیں ۔ لہٰذا ہر مرید کے لیے نماز پانچ وقت ۔ نماز تہجّد حصولِ معرفت میں استحکام و دوام کے لیے لازم ہے ۔ ورنہ نماز ترک کرنے کی صوُرت میں کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس سے حضوری حاصل ہو ۔۔ نماز اور اتباعِ شریعت بہرحال لازم ہے ۔

آدابِ طریقت

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں ـــــ طریقت کا شریعت سے علیحدہ کوئی تصور نہیں ـــــ نہ کوئی حیثیت ہے ـــــ طریقت شریعت کی جز ہے آپ فرماتے ہیں۔ شریعت چار اجزا سے مرکب ہے ـــــ اوّل اللہ تعالیٰ کی ذات کو رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیت راین وصادق پر بلادلیل تسلیم کرنا ـــــ یہ تسلیم "نیت کرنا" سے تشبیہ ہے ـــــ اس کے بعد پہلی جز قرآن کو تسلیم کرنا ـــــ اس پر عمل کرنا ـــــ اسے "وحی جلی"[1] کہا گیا ـــــ دوسری جز قرآنی احکام پر عمل ـــــ اور قرآنی علم کی فہم کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع کرنا ـــــ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے قرآنی علم کی تفسیر اور طریق عمل حاصل کرنا ـــــ اسے تفہیم وحی جلی کہا گیا ـــــ اس تفہیم کو "وحی خفی" سے بھی تعبیر دیا گیا ـــــ یعنی قرآنی علم کی تفسیر ایک باطنی مشاہدہ کے ساتھ۔ قرآنی علم کی اصل حقیقت و معانی کا سمجھنا ـــــ دوسرے خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا عقلی طور ـــــ قرآنی علم کی تعمیل میں ایک لائحہ عمل دینا ـــــ اسے "اجتہادِ نبوت" سے تعبیر دیا گیا ـــــ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ۔

مومن کی فراست سے ڈرو۔ تحقیق وُہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ـــــ مراد اس سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بغیر وحی ـــــ اصطلاحِ قریش (عربی زبان) پر بدرجہ اتم عبور رکھتے تھے۔ قرآن عربی کے ہر حرف ـــــ ہر لفظ کی فہم پر قدرت رکھتے تھے۔ دوسرے ـــــ تعمیلِ قرآن ـــــ تعمیل احکامِ الٰہی میں عقلی طور بھی ـــــ ایک صحیح طریق فہم ـــــ طریق عمل وضع کرنے کی استطاعت رکھتے تھے ـــــ جس میں وحی کی راہنمائی کی احتیاج نہ تھی ـــــ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتی فہم اس قدر وسیع و بلند و بالا تھی ـــــ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی ذاتِ مقدّس سے بھی عالمِ انسانیت کو ہدایت کا ضابطہ دیتے تو وہ بھی انسانی فلاح و ہدایت کے لیے کافی ہوسکتا تھا ـــــ یہ لائحہ عمل اجتہادِ نبوت سے تعبیر ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم امّت کو ایک طریق عمل دیتے رہے ـــــ جیسے الصّلوٰۃ میں قرآن نے

---

[1] وحی جلی سے مراد۔ اللہ تعالیٰ کی کلام جو جبرائیل علیہ السّلام کے ذریعہ آپؐ پر وحی ہوئی۔ اور کتابی صورت میں مرتب ہوئی ـــــ جو يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ میں شامل ہے۔

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ میں صرف قیام۔رکوع ۔سجود کا حکم۔وَارْکَعُوْا۔وَاسْجُدُوْ کی صورت میں پیش کیا ــــ اِس کے علاوہ الصلٰوۃ میں قیام میں ثنار ــــ فاتحہ ــــ سورۃ ــــ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم۔ سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی تین بار تکرار ــــ اس کے علاوہ التحیات (تحیت) میں شہادت ــــ دُرود۔ دُعا اور ترتیبِ نماز میں ــــ اوّل قیام۔ پھر رکوع ایک بار۔ اور سجدہ دو بار تحیت میں ترتیب نشست اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ سے اختتام ــــ یہ تمام ترتیبِ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خود ترتیب کردہ ہے۔اس میں وحی خفی شامل نہیں جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نماز میں دُعا فرماتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اِس دُعا سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا تخاطب اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ اس دُعا میں وحی کا تعلق نہیں بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم "دُعا" فرماتے ہیں ــــ اس ارکان نماز میں ــــ فرض ــــ قیام ــــ رکوع ــــ سجود سے ماسوائے تمام ارکان نماز ــــ رکعت وغیرہ ــــ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اجتہادِ نبوت سے ترتیب فرمائے ہیں ــــ وحی خفی میں ــــ قرآن کے آثار و اسرار کا مشاہدہ شامل ہے جو تفہیم قرآن میں حقیقت کی آگاہی ــــ قرآنی بطن ــــ نور مبین ــــ قرآنی الفاظ کے انوار کا مشاہدہ ــــ اور ان آیات کی تعمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات سے ترتیب دیا ہُوا طریق فہم اور طریق عمل ہے ــــ تفہیم وحی جلی سے موسوم ہے ــــ ایک اور مثال اس حدیث سے ملتی ہے کہ ایک بار ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں پیش ہُوا کہ یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں برباد ہو گیا۔ مجھ سے گناہ سرزد ہُوا میں نے روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع کیا ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے قرآنی حکم کے مطابق حکم دیا کہ ساٹھ روزے مسلسل رکھو یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں اتنے مسکینوں کو کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اِس وقت کہیں سے کھجور بِن تحفہ میں آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم

نے یہ کھجوریں صحابی کو عطا فرما کر فرمایا جاؤ یہ کھجوریں مسکینوں میں تقسیم کرو۔ صحابی نے نہایت ادب سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث کیا۔۔۔ مدینہ کے علاقہ میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس چمک اُٹھا اور آپ نے کُھل کھلا کر تبسم فرمایا۔ حکم دیا جاؤ اپنے بیوی بچوں کو کھلا دو۔ وہ صحابی کھجوریں لے کر واپس گھر چلا گیا۔۔۔ اصولِ الٰہی۔۔۔ حکمِ الٰہی کے تابع صحابی پر۔۔۔ ساٹھ روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا فرض تھا۔ اس کے بعد اس حکم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی کو کھجوریں مرحمت فرمانا۔۔۔ بظاہر تعمیل فرائض میں شامل نہیں۔ لیکن از روئے قرآن اس حکم میں وسعت ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی آپ کا ذاتی حکم۔۔۔ اجتہادِ نبوت میں شامل ہے۔ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ۔ رسول جو تمہیں حکم دے اسے قبول کرو۔۔۔ بیشک مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ میں اجتہادِ نبوت شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو جانتا ہے۔ مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَاغَوٰی۔ وہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات سے۔ اپنی عقل سے کوئی حکم دیں وہ منشا الٰہی کے عین مطابق ہو گا کہ عقلی طور پر آپ کا اجتہادِ نبوت بھی ہدایت کا اثر رکھتا ہے۔

تیسری جز۔ تفہیم وحی جلی وخفی۔۔۔ یعنی قرآن وحدیث حکمِ الٰہی وحکمِ رسول کا فہم و تعمیل۔۔۔ یہ جز اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نائبِ رسول۔ علمائے اُمّت سے متعلق ہے۔۔۔ کہ قریش کی حیثیت میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی تعلیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اوّل یہ کہ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ٥ (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت ۲)

تحقیق ہم نے قرآن کو اصطلاح قریش میں ان کی اپنی مستعمل زبان میں ان کے رواجات کے مطابق نازل کیا۔ اِس حال میں کہ تمہیں قرآن سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔۔۔ سوائے اس کے کہ اس قرآن میں ماورائی ادراک متشابہات اور وہ ضابطے درج ہیں جن پر عملی طور یا عقائد کی صورت میں تمہارا ادراک ٹھیک نہیں جب تک کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تم ان آیات کے معنی

نہ سمجھو۔ ظاہر ہے۔ کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر وحی نازل ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اِس وحی کی صحابہ کے سامنے تلاوت (تکرار) فرماتے اور صحابہ ان آیات کو سُن کر ــــ خود ان پر عمل کرتے ــــ کسی موقع پر ایسا نہ ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم میں نازل شدہ آیات کے بیان کے ساتھ اِن آیات کے معنی یا ساتھ ساتھ طریق عمل بتاتے۔ مکّہ و مدینہ کے لوگ خواہ وہ کافر تھے یا اہلِ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی تلاوت کرنے پر سمجھ جاتے جس کے لیے انہیں سمجھانے کی ضرورت نہ رہتی ــــ کافر انکار کر جاتے اور اہلِ ایمان خود بخود ان احکام پر عمل شروع کرتے البتہ جہاں وحی میں رُوحانی معنی پائے جاتے ــــ صحابہ ان آثار کو امین و صادق کی حیثیت میں رسُول اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے بیان کیے گئے الفاظ و آیات کو سمجھتے اور ان پر یقین کرتے لیکن ان آیات کے معنی میں ایک رُوحانی بطن ہوتا جو عمل سے تعلق نہیں رکھتا لیکن عقائد سے تعلق رکھتا۔ تو ان معنی کو صحابہ سمجھ لیتے جن کا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے قریبی تعلق و صحبت رہتی اور علم میں کامل ہوتے باقی صحابہ اصطلاحِ قریش میں ان تشبیہات کا ایک تصوّر قائم کر لیتے لیکن ان کا اصل تصوّر مشاہدہ پر منحصر رکھا جاتا ــــ اَلْجَنَّۃ ــــ السماء ــــ الحشر ــــ وغیرہ کے معنی اصطلاحاً سمجھ جاتے اور ان آثار کا تصوّر بھی پاتے لیکن تشبیہی ہونے کے باعث اِن کیفیات کا حقیقی تصوّر بغیر مشاہدہ ممکن نہ تھا۔ جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ان آثار کی نشاندہی یا حقیقی تصوّر پیش نہ کرتے اور ان آیات پر ادراک کامل فہم و عقل اور قوتِ فقہ ــــ قوتِ القا پر موقوف تھا جو محض عقائد کے لیے ضروری تھے لیکن عمل میں شامل نہ ہوتے تھے۔ البتہ بعض آیاتِ الٰہی میں جو بظاہر عام فہم معنی رکھتی ہیں لیکن آیات میں صاحبِ بصیرت پر ایک حکمت کے آثار بھی عیاں ہوتے۔ جیسے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ کی صورت میں بظاہر فتح و نصرت کی بشارت ہے لیکن جس وقت یہ سُورت نازل ہُوئی تو عام صحابہؓ نے اس صورت کو فتح و نصرت الٰہی کے تصوّر میں پایا۔ لیکن سورت کے نازل ہونے پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بجائے خوشی کا اظہار کرنے کے ــــ درد و غم کے ساتھ رونے لگے ــــ تو کسی صحابی نے پوچھا ایسی خوش آئند بشارت پر گریہ کرنے کا کونسا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

کی رسالت کی تکمیل پر ہم سے جدائی کی بھی خبر ہے۔ یہی فرق تھا جو قرآن کی فہم میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا ــــ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی تلاوت کی صحابہ نے سنا ــــ اور احکام میں تو انہیں سمجھنے میں مشکل نہیں خود بخود اس پر عمل شروع کیا اور بعض احکام کی تعمیل میں اگر کسی صحابی نے ذاتی تاویل سے کام لے کر صحیح عمل نہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر بیان فرما دی جیسے قرآنی آیت میں روزے سے متعلق حکم میں استعارۃً بیان ہوا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۸۷)

کہ تم روزہ اس وقت شروع کرو۔ جب سفید و سیاہ دھاگے میں تمیز کرلو ــــ تو ایک صحابی نے سیاہ و سفید دھاگہ اپنے سرہانے رکھا مگر بعض صحابہ نے اس صحابی کے عمل کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تفسیر میں رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی کا ہونا بیان فرمایا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبانِ قریش رکھنے کے اعتبار سے قرآن کا فہم رکھتے تھے۔ سوائے اس کے کہ بعض احکام پر عمل اور فہم کے لیے فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری تھا۔ اسی فرمان کو قول و فعل اور حدیث (فرمان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر دیا گیا اور قرآن کی فہم میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم و عمل ترتیب دیا گیا ــــ اور صحابہ نے اس پر عمل کیا اور جو کچھ قرآن و حدیث اور خود اپنی ذات سے سمجھا اور عمل کیا اسے تفہیم وحی جلی و خفی سے تعبیر دیا گیا۔ لہٰذا آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی فقہ و اجتہاد سے جو علم و عمل ترتیب دیا اسے تفہیم وحی جلی و خفی یا فقہ کہا گیا۔ فقہ سے مراد۔ پاکیزہ روح جسم۔ پاکیزہ قلب سے جو القائی قوت پیدا ہوتی ہے اس قوت کے ذریعہ سے علم و عمل ترتیب دینا۔ جو اگرچہ قرآن و حدیث سے واضح نہیں لیکن صحابہ نے خود قرآن و حدیث کی تفسیر میں ایک علم و عمل ترتیب دیا اور القائی قوت سے مراد۔ اگر قرآنی آیات کی حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے واضح نہ ہو تو اصحاب رسول

صلی اللہ علیہ وسلم یا تو قلبی مشاہدہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات کے بعد بھی حاصل کر سکتے ہیں ــــ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عِلْمِیْ بَعْدَ مَمَاتِیْ کَعِلْمِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وفات کے بعد ہمارا علم۔ ایسا ہی ہے جیسا ہماری زندگی میں علم ہے اِس میں فرق تصوّر نہیں ــــ اِس حدیث کے مطابق صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد ممات بھی اکتساب علم و فیض حاصل کر سکتے ہیں اور اگر مشاہدہ نہ ہو تو پاکیزہ نفسی میں صحابہ کے قلب پر مشاہدہ قرآن و حدیث کے حقیقی معنی القا ہوتے ہیں۔ وہی معانی شریعت کی اصل ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تین اجزا ہیں جن پر شریعت کا مدار ہے ــــ یہی تین اجزا کی شریعت مرتب ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے بعد آئندہ آنے والی دُنیا کی تمام مخلوق کے لیے لائقِ تسلیم ــــ لائقِ عمل قرار دی جاتی ہے۔ اسی کیفیت کی طرف قرآنی اشارہ ہے۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ ۔ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔
یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ ۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ۔

اے نبی۔ اے رسُول۔ ان لوگوں سے کہہ دیجئے۔ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ۔ میرے احکام لوگوں تک پہنچا دیجئے ــــ اِس مقام پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذریعہ ہیں لوگوں تک احکام پہنچانے کا ــــ اللہ ــــ قرآن کے حکم کی اطاعت کرو ــــ اس کے بعد جو قول و عمل رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس کی اطاعت کرو ــــ اور رسُولؐ کے بعد اصحاب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مخصوص علمائے امّت۔ جنہیں قوت فقہ و القا اور قوتِ اجتہاد حاصل ہے۔ ان کے قول و فعل کی اطاعت کرو ــــ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ سے مراد جو اُمّت محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم میں مخصوص و منتخب علما جن کا قرآن و حدیث پر بدرجہ اتم فہم و ادراک ہو اور ان کا عمل اسوہَ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہو اور جو صرف ــــ اور صرف قرآن و حدیث کے علم و عمل پر موقوف ہو۔ محض ہدایتِ انسانی اور نجاتِ آخرت کے لیے علمائے اُمّت سے اکتسابِ فیض کرنا ــــ اولی الامر سے مراد ہے جو علمائے امّت قرآنی حکم کا نفاذ کریں اس کے سوا کچھ نہیں۔

واضح ہو کہ کتابِ الٰہی کی آیات پر عمیق غور کیا جائے تو قرآن کے نزول کا ایک خاص انداز ہے کہ قرآنی احکام کا نفاذ براہِ راست مکّہ اور مدینہ کے لوگوں سے متعلق ہے جیسے قرآنی خطاب سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَاؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۹۲)

اور یہ کتاب ہے۔ اتارا ہم نے اس کو۔ دائم رہنے والی تصدیق کرنے والی۔ ان کتابوں کی جو ان (یہود و نصاریٰ) کے پاس ہیں۔ اور تاکہ ڈرائیں آپ مکّہ والوں کو اور جو لوگ اس کے مضافات میں رہنے والے ہیں ۔۔ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ۔ آخرت پر ایمان لائے ۔ ساتھ اس کتاب کے۔ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اِس آیت میں قرآن کا نازل ہونا۔ مکّہ اور اس کے ملحق مضافات کے لوگوں اور یہود و نصاریٰ اور اہلِ ایمان لوگوں کے لیے مخصوص ہوا ۔۔۔ لہٰذا قرآن ان ہی لوگوں سے مخاطب ہوتا ہے ۔۔۔ اور ان ہی کے لیے احکام پیش کرتا ہے۔ اِسی آیت کی رو سے قرآن مخصوص انداز میں ان لوگوں سے مخاطب ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ ۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۔ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ ۔

یہ تمام خطاب اہلِ مکّہ اہلِ مدینہ اور اہلِ کتاب کی طرف خاص ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۶۷)

قرآن کا ابتدائی خطاب رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہے ۔ جن کے ذمہ صرف الٰہی احکام لوگوں تک پہنچانا ۔۔۔ اور ان ہی احکام کی تعمیل پر آمادہ کرنا ہے ۔ بَلِّغْ ۔ پہنچانا ۔۔۔ کن لوگوں تک ؟ جو مکّہ اور مدینہ میں بسنے والے ۔۔۔ جو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی موجودگی میں رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قریب ہیں ۔ وہ لوگ یا اہل الکتٰب کے خطاب میں شامل یہود و نصاریٰ ۔ وَالصَّابِین میں ۔ یہود اہلِ توراۃ میں سے ہیں ۔ نصاریٰ اہل انجیل میں سے

ہیں — جو مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ میں شمار ہوتے ہیں — اور وَالصَّابِیْن۔ وہ لوگ ہیں جو قوم قریش یا نبی اسماعیل کی ذریت میں سے ہیں — جن پر اس سے قبل کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ ان کا تعلق براہِ راست دینِ ابراہیم علیہ السّلام سے ہے — جو دُعائے ابراہیمی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ (پارہ اوّل سورہ ۲ آیت ۱۲۸)

اے رب بنا ہمیں اپنا تابعدار اور ہماری ذریت (نبی اسماعیل) کو بھی — ان کے لیے مخصوص ہوا کہ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ (پارہ ا سورۃ ۲ آیت ۱۲۹)

اے رب اٹھا ان میں ایک رسُول اسی ذریت سے جو انہیں تیرے احکام سنائے اور ان کا تزکیہ کرے۔

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ کا حکم اوّلاً مخصوص ہوا۔ ان لوگوں کے لیے جن کے لیے دُعائے ابراہیمی میں خصوصی ذکر ہوا۔ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ اور پہلے اپنے قریبی عزیزوں (ذریت اسماعیل) کو ڈرائیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے قوم تک احکام پہنچائے۔ تو ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض نے انکار کر دیا —

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ ج بَلْ ھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰھُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِکَ لَعَلَّھُمْ یَھْتَدُوْنَ ۝

(پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۳)

یہ کہ انہیں قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں۔ کہ آپ نے یہ قرآن اپنی ذات سے گھڑ لیا ہے؟ نہیں — بلکہ یہ حق ہے۔ آپ کے رب کی طرف سے تاکہ ڈرائیں آپ قوم (اپنی) کو۔ کہ نہیں آیا آپ سے پہلے۔ انکے پاس کوئی ڈرانے والا۔

اس طرح قوم دو گروہوں میں بٹ گئی ایک جو ایمان لائے وہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صاحبِ ایمان ہوئے — اور دُوسرے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ جنہوں

نے انکار کیا اور قرآن کو جھٹلایا۔ یہ لوگ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔انکار کرنے والے کافر ہوئے۔
ذریتِ اسماعیل علیہ السّلام سے سوا۔ مکّہ اور مدینہ میں یہود و نصاریٰ بھی موجود تھے
—اُم القریٰ میں یہ لوگ بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بھی بعض ایمان لائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج (پارہ اوّل سورۃ ۲ آیت ۶۲)

تحقیق ایمان لانے والے اور وہ لوگ جو یہودی ہیں اور نصاریٰ اور صابی ہیں ان میں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے انکے عملوں کی جزا۔ اللہ کے پاس بہتر جزا ہے—اور بعض نے احکام ماننے سے انکار کیا۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○
(پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۷۰)

اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو آیاتِ الٰہی کا اور تم گواہی دیتے ہو۔ اہلِ کتاب میں سے جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لایا اللہ کے احکام مانے وہ اب يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں شامل ہیں۔ قرآن پر ایمان لانے کے بعد انہیں اہلِ کتاب نہیں کہا جاتا۔ اور اہلِ کتاب میں سے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت اور قرآنی احکام ماننے سے انکار کیا۔ وہ بھی يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ میں شمار ہیں اس صورت میں يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ سے ہٹ کر کفار پکارے جائیں گے۔

اُم القریٰ میں ذریت اسماعیل علیہ السّلام اور بنی اسرائیل کی طرف بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ قرآن بھیجا گیا۔ ان ہی قوموں میں سے۔ ایک گروہ اہل ایمان ہوا۔ دوسرا کافر—اب آئندہ اسی حیثیت سے قرآن۔ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ —يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ —يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ—يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ —يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ان گروہوں کی طرف مخاطب ہوا ان ہی تک اپنے احکام خاص کر دیتا ہے—قرآن میں جتنے الٰہی احکام پیش کیے گئے وہ دنیا کے لوگوں میں اہلِ ایمان کے لیے نازل ہوئے ہیں جیسے قرآن نے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (پارہ ۹ سورۃ ۷، آیت ۱۵۸)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ سے خطاب کیا۔ اے عالم کے لوگو — تحقیق مَیں بھیجا گیا ہوں اللہ کی طرف سے تم سب کے لیے اس اللہ کی طرف سے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا۔ نہیں کوئی لائق عبادت سوائے اس کے جو انسان کو پیدا کرتا ہے۔ اور موت دیتا ہے — پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی قدرت کاملہ پر۔ تم اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اس آیت میں وسعت ہے کہ قرآن کے احکام اور رسول کی رسالت اس وقت تک قائم ہے۔ جب تک زمین پر انسان کا وجود قائم ہے۔ دُنیا کے سب اقوام کی طرف خطاب ہے۔

اِن آیات کے نزول کے اعتبار سے قرآنی احکام صرف ان لوگوں کے لیے خاص کیے جاتے ہیں جو صاحبِ ایمان ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ کیونکہ قرآن میں تمام احکام کی تعمیل کے لیے صاحبِ ایمان لوگوں کو ہی مخصوص کیا گیا۔

- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط

(پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۳۶)

اے ایمان والو۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسُول پر۔ اور اس کتاب پر جو رسُول پر نازل کی گئی۔ اور ان کتب پر جو نازل کی گئیں پہلے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رسُول کی موجودگی ہیں۔ رسُول کے قریبی دوست "اصحاب" کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ متقین کے زمرہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ متقی کی صفت۔ ڈرنے والے ہیں۔ جو کہ لِتُنْذِرَ کے حکم میں آتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کے نزول کا اصل مقصد اللہ پر۔ رسُول پر۔ اَلْيَوْمُ الْقِيٰمَةِ پر یقین کرکے قیامت کے عذاب کا احساس کرنا اور اس احساس پر وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ نیک عمل کرنا۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ - (پارہ اوّل سورۃ ۲ آیت ۲-۳)

یہ کتاب حقیقتاً ان ہی لوگوں کی راہنمائی کرتی ہے جو صرف محمدؐ رسول اللہ کی شخصیت تسلیم کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو برحق تسلیم کرتے ہیں۔ بلا دلیل اللہ کی ذات اور اس کی کتاب (کلام) کو تسلیم کرتے ہیں۔ یومِ آخرت کے حساب پر یقین رکھتے ہیں ــــ اور عذابِ آخرت کے خوف سے ڈر کر قرآن کی طرف رجوع کرنے کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں۔ لہٰذا اہلِ ایمان کی صفت یہی ہے کہ وہ متقی ہیں۔ یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حساب سے ڈرنے والے ہیں ــــ اِس اعتبار سے مکہ مدینہ کے لوگوں میں قرآنی احکام کا نزول صرف اہلِ ایمان کے لیے خاص ہوتا ہے اور وہ من کل الوجود اس پر عمل کرتے ہیں۔

حقیقتاً "محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں۔ صاحبِ ایمان ایک "معلّم" کی حیثیت رکھتا ہے ــــ کہ اس کے ذمّہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جو علم و عمل اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ وہ معلّم کی حیثیت سے دوسرے لوگوں تک پہنچائے یہ ذمّہ داری ہر صاحبِ ایمان پر قرآن کی رُو سے عائد ہوتی ہے ــــ اِس خصوصیّت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے خود اس تعلیم کے لیے اہلِ ایمان میں سے ایک خاص گروہ منتخب کیا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۰۴)

اور ہونی چاہیئے تم میں سے (اہلِ ایمان میں سے) ایک خاص جماعت جو بلائے لوگوں کو خیر کی طرف اور حکم کرے نیک کاموں کا۔ اور باز رکھے بُرے اعمال سے ــــ وہی ہیں فلاح پانے والے اس کے حکم کے تحت ایک جماعت مخصوص ہوتی ہے جو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کا تمام علم حاصل کرے۔ قرآن کے جملہ علوم سے آراستہ ہو۔ جس میں ظاہری احکام میں ــــ نماز ــــ روزہ ــــ زکوٰۃ ــــ احسان وغیرہ پر تعمیل کلی اور قرآن کے علم میں متشابہات

—— آثار —— رموز و اسرار حقیقی پر ادراک کلی رکھیں تاکہ اقصائے عالم کے (الناس) لوگوں کو قرآنی علم کے تمام رموز و اسرار و آثار سے آگاہی دینے کی ان میں کامل صلاحیت موجود ہو —— یہ وہ گروہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے جملہ علوم سیکھتے ہیں اور آپ کی پیروی میں ہر حکم کی تعمیل سیکھتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (پارہ ۲ سورہ ۲- آیت ۱۴۳)

اور اس طرح بنایا ہم نے تمہیں ایک درمیانی جماعت تاکہ تم لوگوں کے لیے علم و عمل کا نمونہ پیش کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے لیے علم و عمل کا نمونہ حاصل کرنا مقرر ہے۔ یہ جماعت خاص يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ - یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام لوگوں تک اللہ کا امر پہنچائیں گے۔ آیات کی تلاوت کریں گے۔ ان کا تزکیہ کریں گے اور انہیں کتاب اور علم و حکمت کے آثار سے آگاہ کریں گے۔ یہ لوگ صاحب امر کہلائیں گے۔ اس حیثیت میں قرآن کے نفاذ کا دائرہ مکہ مدینہ سے علاوہ تمام عالم انسانی تک وسیع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس مقام پر مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ کی خاص ترتیب نمایاں ہو جاتی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ مکہ مدینہ کے لوگوں تک اور (اہل ایمان —— صحابہ —— اور خصوصاً امتہ وسطا تک علم و عمل پہنچانا —— اور امتہ وسطا کو عالم انسانیت کے لیے قیامت تک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و عمل اور (نمونہ عمل پہنچانا مقرر کیا جاتا ہے —— کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ ہوں تو اللہ کا امر (وحی جلی) اور رسول کا علم و عمل (تفہیم وحی جلی وخفی) امتہ وسطا کے ذریعہ (تفہیم وحی جلی وخفی) قیامت تک کے (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ) انسانوں تک پہنچایا جائے —— اس صورت میں امراللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر زمانہ میں قائم و باقی ہونا لازمی ہے اور اسی حکم کو —— امتہ وسطا جماعت خاص صاحب امر کی حیثیت سے ہر زمانہ میں لوگوں تک پہنچائیں —— ذٰلِكَ الْكِتٰبُ - یہ وہی کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ یہ وہی کتاب ہے جو آئندہ زمانوں میں بھی موجود رہے گی۔ سو ہر زمانہ میں ہر انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اُمَّۃً وسطًا کی شخصیت پر بلا دلیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو

تسلیم کرے۔ اِس حال میں کہ جب رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیّت اور اس کے علم و عمل کو امتہ وسطا کے ذریعہ ہر زمانہ میں پیش کیا جاتا ہے اور یہی امتہ وسطا کے علم و عمل قائم مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلّم بطور اولوالعزم شخصیت کے اللہ اور رسُول اور کتاب و حدیث پہ ایمان لانے کی ضمانت ہو تو ہر زمانہ میں ہر انسان کے لیے رجوع کرنا لازم ہے جو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اُم القریٰ مکّہ و مدینہ کے لوگوں کے لیے پیش کی گئی لہذا جو انسان حق کا طالب ہو وہ اس کتاب سے (جو اس کے زمانہ میں بھی موجود ہے) رجوع کرے تو اسے بلاشبہ ہدایت حاصل ہو سکتی ہے۔ معجزہ قرآنی کہ یہ کتاب اور امتہ وسطا ہر زمانہ میں موجود ہوں گے اور ہر شخص وہ کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔ کسی بھی فلسفہ و تحقیق کا حامل ہو اس قرآن اور صاحبِ امر سے ہدایت پا سکتا ہے اور ان کے لیے فلاحِ انسانی ــــ اور ہدایتِ انسانی کی ایک اہم ذمہ داری عائد کی جاتی ہے۔ جب کہ قرآن واضح طور بیان کرتا ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اطاعت کرو اللہ کی ــــ اطاعت کرو رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اور اطاعت کرو امتہ وسطا میں صاحبِ امر (حکمِ الٰہی و حکمِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی۔ یہ تمام تشریح اجزائے شریعت کے۔ وحی جلی ــــ تفہیم وحی جلی اور تفہیم وحی جلی و خفی ــــ یعنی اللہ کی کتاب ــــ حدیث قول و فعل رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور امتہ وسطا قائم مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم علمائے امّت کی ــــ کے بیان میں پیش کی گئی ــــ اب اجزائے شریعت میں چوتھی جز کا ذکر آتا ہے۔ وہ ہے ان تین اجزائے شریعت پر عمل کرنے سے جو نتیجہ عمل (ثواب) حاصل ہوتا ہے۔ یہ نتیجہ عمل ان تین اجزائے شریعت کی رُوح ہے۔

حقیقتِ حمد

واضح ہو کہ قرآن نے رسُول (حضور محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی خصوصیت آپ کے علم و عمل کا ایک واضح بیان پیش کیا۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ وُہ اللہ ہے ــــ جس نے اُٹھایا اُمیوں میں سے۔ ان ہی کے قبیلہ سے۔ ان ہی جیسے انسانی

ہیئت میں۔ لیکن یہ صفت مختصر ہے۔ صرف اِس لیے کہ مکّہ مدینہ کے لوگ ایک انسانی شخصیت کو اس کے ذاتی کردار سے سمجھیں - یہ صرف شخصیت تسلیم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ کہ مکّہ کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو وحی سے قبل بغیر وحی و احکام آپ کے ذاتی کردار سے پہچان کر ہر محقق۔ ہر فلسفی ــــ ہر ادیب - ہر شاعر - ہر امیر تاجر۔ ہر عام آدمی نے ـــ امین و صادق - رؤف و رحیم - صاحب حسن اخلاق تسلیم کرتے ہوئے - عزّت و احترام کی نظر سے دیکھا ــــ یہ اِس لیے کہ ــــ آپ کے قول و فعل کو حق تسلیم کرتے ہوئے۔ آپ کے ہر قول پر بلا دلیل یقین کرے ــــ اس امر کے لیے قرآن نے بتایا۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ کہ لوگ یقین کر لیں کہ یہ ہستی مامور من جانب اللہ ہے اور جو حکم وہ سناتے ہیں وہ اللہ کا کلام ہے ــــ پس ــــ اس عمل سے صرف مقصد یہ ہے کہ لوگ برضا و رغبت اللہ کا کلام سُننے اور اس پر عمل کرنے پر آمادہ ہوں اور پھر جب انسان نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی تو قرآن بتاتا ہے وَ يُزَكِّيْهِمْ اور جو لوگ تلاوت سننے والے رسُول کی پیروی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ رسُول ان کا تزکیہ کرتا ہے ــــ تزکیہ صرف ــــ غسل کرنے وضو کرنے اور صاف کپڑے پہننے اور جسم کو پاک و صاف کرنے تک محدود نہیں۔ بلکہ اس تزکیہ میں وسعت ہے کہ انسانی مرکب جسمانی ــــ جسم سے علاوہ ــــ رُوح حیوانی ــــ رُوح رحمانی کا بھی تزکیہ ہوتا ہے۔ بظاہر اعمال کا تعلق جسم کی حرکت سے ہے لیکن عمل میں ایک عقیدہ اور حسنِ اخلاق کو بھی دخل ہے۔ جس کا عملی طور اظہار نہیں ہوتا ــــ اس کا تعلق قلب و رُوح سے ہوتا ہے ــــ لہٰذا تزکیہ میں قلب و رُوح کا تزکیہ بھی شامل ہے قلب و رُوح کے تزکیہ کے لیے رُوحانی طور علاج ہوتا ہے وہ یہ کہ رسُول اپنی روحانی توجہ سے انسانی قلب و رُوح کو پاکیزہ و مزکی کرتا ہے ــــ "رُوحانی توجہ" کا ایک خاص انداز ہے ــــ یعنی رُوح سے رُوح کی نسبت قائم کرنا ــــ جس میں "قول" استعمال نہیں ہوتا بلکہ رُوح استعمال کی جاتی ہے ــــ اسے رُوحانی نسبت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ عمل قرآن و حدیث سے واضح نہیں لیکن يُزَكِّيْهِمْ کے لفظ میں یہ عمل پنہاں ضرور ہے جو عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس کے لیے قول کی ضرورت نہیں کہ یہ بیان کیا جائے کہ

رسول سے تمہاری روحانی نسبت قائم ہوتی ہے جب کہ یُزَکِّیْھِمْ سے خود اس کیفیت کا اظہار ہوتا ہے ــــ اس تزکیہ سے یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۔ کتاب کا علم حاصل کرنا ــــ اور پوشیدہ اسرار سے آگاہی حاصل کرنا اصل مقصد ہے ۔ کیونکہ قرآن ایک روحانی کتاب ہے جس میں متشابہات آیات کا بھی ذکر ہے ۔ ان متشابہات کیفیات کا علم حاصل کرنا بھی لازمی ہے ۔ متشابہات کیفیات میں ہر ماورا ادراک کیفیت شامل ہے ۔ جس میں زمین کے مدفون خزانے ــ آسمان ــ جنّت ــ عرش ۔ سدرۃ المنتہیٰ ۔ عالم بالا اور ذاتِ الٰہی تمام اسماء تشبیہات سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ان کے ادراک کے لیے وَیُزَکِّیْھِمْ عمل لازم ہوتا ہے ۔ اس علم کے لیے قرآن نے ایک خصوصی عمل بتایا ــــ جو اوّلاً رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے مخصوص کیا گیا ۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ق عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

(پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۸-۷۹)

یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز قائم کریں سُورج ڈھلنے سے رات گہری ہونے تک اور صبح کو قرآن پڑھیں ۔ تحقیق صبح کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے اور رات میں تہجّد (نماز) ادا کریں یہ عمل صرف آپ کے لیے مخصوص زائد عبادت میں شامل ہے ۔ عنقریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمُود پر اٹھائے ــــ اس آیت کی تفصیل میں اور اس کی ترتیب میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ایک اور حکم دیا ۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ لا نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا ۝ لا اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۱ تا ۴)

اے کملی والے نبی اُٹھیں رات کو مگر تھوڑا ۔ نصف رات یا اس سے کم چاہیں یا زیادہ چاہیں اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھیں ــــ یہ عمل اس لیے مقرر ہے کہ اس عمل سے تزکیہ ہوتا ہے ۔ اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ؕ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۶)

تحقیق رات کا جاگنا کٹھن عمل ہے۔ اِس سے نفسانی کثیف آلائشیں کھل جاتی ہیں۔ اور کلام میں قوام پیدا ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے۔ قرآن میں یہ احکام بھی واجب التعمیل ہیں۔ البتہ یہ عمل خاص ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ـــــ یہ عمل محض تزکیہ کے لیے ہے ـــــ کہ اس سے نفسانی کثافت جل کر رُوح پاکیزہ ہو جاتی ہے ـــــ اِس عمل کو وَ یُزَکِّیْھِمْ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ عمل بھی بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ کی حیثیت میں گو ہر صاحبِ ایمان کے لیے لازم ہے۔ لیکن مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی تفسیر میں یہ عمل امتہ وسطا کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے۔ کیونکہ امتہ وسطا کے لیے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ کے حکم کے تحت بحیثیت قائم مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزکیہ حاصل کرنا ـــــ اور اُمّت کا تزکیہ کرنا لازمی ہے ـــــ چنانچہ قرآن اس عمل کی خود نشاندہی کرتا ہے کہ

اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ ط (پارہ ۲۹ سورۃ ۳، آیت ۲۰)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ کہ آپ اپنی مخصوص۔ زائد عبادت میں رات کو نماز قائم کرتے ہیں تین حصّہ رات۔ نصف رات۔ یا تیسرا حصّہ رات اور آپ کے ساتھ ایک خاص جماعت بھی اس عمل میں شریک ہوتی ہے۔ لہذا اس جماعت کو بھی قیام لیل اور تلاوت قرآن کے عمل سے تزکیہ حاصل ہو گا۔ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ـــــ اور اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْھُوْدًا۔ کہ رات کے پڑھنے میں قرآنی آیات کے انوارِ باطنی کا مشاہدہ حاصل ہو گا ـــــ جو کہ لازمی اور یقینی ہے ـــــ اِس طرح طائفہ کو یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ کی خصوصیت حاصل ہو گی ـــــ اور جب یہ طائفہ جملہ علوم قرآنی کا علم و ادراک حاصل کریں تو یہی جماعت قائم مقام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امتہ وسطا علماء امت کی حیثیت میں معلّم القرآن کی حیثیت میں آنے والے لوگوں کے لیے ہدایت و راہنمائی کا مقام حاصل کر کے آنے والوں تک اولی الامر کی حیثیت میں حکمِ الٰہی ـــــ حکم رسولِ پہنچانے کی ضامن ہو گی۔ جو یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِهٖ۔ وَیُزَکِّیْھِمْ۔ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ

کا عمل پورا کرینگے۔ ہاں! یہ جماعت بحیثیت نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو علم و حکمت میں آثار و اسرار باطنی سے بھی آگاہ کرے گی۔ جس میں مشاہدہ اسرار الٰہی معرفتِ الٰہی اصل کیفیت ہوگی۔ یہی علم وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا کی اصل ہے۔ جس سے انسان مقامِ خلافت حاصل کرتا ہے ـــ یہ امر مسلمہ ہے ـــ کہ اجزائے شریعت پر عمل سے ایک نتیجہ عمل لازم و یقینی ہے ـــ اجزائے شریعت پر عمل کا ماحصل ـــ نتیجہ عمل ہی ہے۔ جو امةً وسطاً ـــ اولی الامر سے ہی حاصل کرنا مقرر ہے۔

اولی الامر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امة وسطا ہی سے تعبیر ہے۔ امة وسطا علمائے امت نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے ہیں۔ شریعت میں حقیقی معلم یہی طائفہ اور جماعتِ مومنین ہیں۔ یہی صاحبِ ایمان یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ جمیع صحابہ میں مخصوص و بلند مقام حاصل کیے ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ عالمِ انسانیت کو حقیقت کا علم اور صراطِ مستقیم بالعلم۔ اور بالمشاہدہ حاصل ہو سکتا ہے اور آئندہ اسی جماعت کے علم و عمل سے ان کے متعلّم جانشین علم حاصل کر کے ہر زمانہ میں عالم امت کی حیثیت سے لوگوں کو علم القرآن اور معرفتِ حقیقی عطا کریں گے۔ یہ عالم امت امة وسطا میں شمار ہوں گے جو طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ کی حیثیت میں۔ صاحبِ تزکیہ صاحبِ مشاہدہ۔ عالمِ قرآن اور عالم حدیث و فقہ اور اجتہاد کے حامل ہوں گے۔ اِن ہی ہستیوں کو اولیاء کاملین کے لقب سے پکارا گیا کہ ہر زمانہ میں ان کا وجود موجود ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان میں یہ امر واضح ہے۔ کہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ میں اُمَّةً وَّسَطًا ـــ اور شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کا خطاب ہے ـــ کہ انسانوں میں سے ـــ ایک مخصوص جماعت منتخب ہوگی ـــ جن کی شخصیت ـــ جن کا علم عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینے والا ہوگا کہ وہ وَلَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کا کامل نمونے ہوں گے وہ قرآن کے جملہ علوم سے آراستہ ہوں گے۔ ان کا علم مبنی بر حقیقت ہوگا۔ جس علم پر دُنیا کے کسی محقق کو تنقید و نکتہ چینی کرنے کی جرآت نہ ہوگی جن کا علم و عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینے والا ہوگا۔ کہ مزکی و متقی ہونگے۔

صاحبِ معرفت ہوں گے۔ہاں یہ انسانوں میں سے منتخب ہوں گے۔ہر زمانہ میں ان کا وجود پایا جائے گا اور ہر زمانہ میں شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ سلسلہ در سلسلہ مخلوقِ انسانی کی راہنمائی کرینگے قرآن کی آیت (عَلَى النَّاسِ) میں النّاس کا بیان اِس امر کی دلالت کرتا ہے۔کہ قرآن کی اس آیت سے مراد۔تمام عالم انسانی میں تا قیام قیامت کے انسانوں کے لیے۔علمائے اُمّت کا اُمَّةً وَّسَطًا اور وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ کی حیثیت میں وجود پایا جانا ـــ اور قرآنی علم۔اور حدیث رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ـــ اور علمائے اُمّت کی فقہ و اجتہاد سے فیض وہدایت حاصل ہونا منشائے الٰہی کے تابع لازم و یقینی ہوگا۔یہی کیفیت مَقَامًا مَّحْمُوْدًا سے تعبیر ہے۔کہ اسی جماعت سے کلامِ الٰہی کی تفسیر و عمل رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا علم و عمل لوگوں تک پہنچا کہ شریعتِ محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تا قیامت دوام و قیام حاصل ہوگا۔ اور ہر زمانہ میں "محمّد" کی حمد[1] جاری رہے گی۔محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حمد ہی مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی اصل تفسیر ہے۔

طریقت۔شریعت سے الگ نہیں

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔شریعت کی چوتھی جز نتیجۂ عمل۔ثواب ہے۔ اور طریق رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر عمل فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ رات جاگنے ـــ روزہ رکھنے ـــ نماز پڑھنے اور قرآنی وظائف پڑھنے سے ـــ شریعت پر عمل کا نتیجہ مشہود ہو

---

[1] محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حمد ساری کائنات میں ہر وقت جاری ہے۔رُوئے زمین کا کوئی "کونہ" کوئی جگہ اُونچی ہو یا نیچی۔پہاڑ ہو یا سمندر نہیں جو محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نام پاک سے ہر آن مطہرہ اور منورنہ ہوا ہو۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز چار دانگ عالم میں ہر ساعت گونج رہی ہے اور رُوئے زمین کی آبادی میں کسی پیغمبر یا رسُول کا نام اس کثرت سے استعمال نہیں ہو رہا ہے جتنا کہ محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا۔یہی محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حمد ہے اور یہ حمد ابد تک جاری رہے گی۔

جاتا ہے ـــــ یہی طریق جس سے شریعت کے عمل کا نتیجہ۔ ثواب کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ کہ ایک شخص کو اس کے شریعت پر عمل سے کیا ثواب ملا۔ وہ اپنے نتیجہ عمل کا مشاہدہ کرتا ہے اور قرآنی آیات میں اسرارِ حکمت کا اسے جو مشاہدہ ہوتا ہے۔ طریقت سے تعبیر ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں البتہ ایک عامل ایک نائب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی میں جب اس کے قول و فعل کی پیروی کرتا ہے اور اسے تزکیہ حاصل ہوتا ہے تو اس کا ادراکِ علم "جنّت" تک محدود نہیں رہتا بلکہ اسے معرفت الٰہی میں "فنا" و "بقا" کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طریقت سوائے شریعت پر عمل کے کوئی علم نہیں۔ طریقت صرف شریعت پر عمل کرنے سے اس کے ثواب کے مشاہدہ کرنے کا ایک خصوصی عمل ہے۔ شریعت پر عمل محدود نہیں بلکہ اسی عمل سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ البتہ اسی معرفت کے حصول میں ایک عالم امّت نائب رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم امۃ وسطا کی راہنمائی اور اس کی پیروی کے بغیر یہ مقام حاصل نہیں کر سکتا ـــــ اسی عالم امّت کو اصطلاحِ طریقت میں ولی ـ فقیر ـــ راہبرِ طریقت ـ یا عجمی اصطلاح میں صُوفی درویش کہا جاتا ہے۔ لازم ہے کہ صُوفی ـ درویش ـــ راہبر طریقت کو صاحبِ شریعت۔ عالم قرآن و حدیث اور صاحب فِقہ۔ صاحبِ معرفت ہونا ضروری ہے۔ ورنہ بغیر اتباعِ شریعت کسی شخص کا درویشی۔ یا راہبر طریقت کا دعویٰ کرنا۔ استدراجی۔ شیطانی عمل سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ جو حقیقتاً عالم انسانیت کی گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آدابِ مُرشدی کے متعلق اصول بیان فرماتے ہیں ـــ یہ تصوّر قطعی لغو ہے۔ کہ طریقت شریعت سے علیحدہ کوئی باطنی علم ہے۔ اسی طرح بغیر عالِم شریعت ہونے کے۔ اجرائے طریقت۔ جہل و گمراہی کے سوا کچھ نہیں ـــ ایک پیر کیلئے۔ دعویٰ طریقت میں۔ عالِم قرآن و حدیث و فِقہ۔ واجتہاد۔ اور جملہ علوم فلسفہ اسلامی میں عالِم اجل ہونا ضروری ہے۔ جب تک ایک شخص کو قرآنی علم سے آگاہی میسّر نہ ہو۔ وہ شریعت پر عامل نہیں ہو سکتا۔ اور جو شریعت پر کاملاً عامل نہ ہو۔ اس کے نتیجہ عمل میں اسے معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِن صفات کے باوصف کوئی ولی کسی بھی طالب حق کو اپنی بیعت

میں لے کر اس کی خیر و شر کی ذمّہ داری لینے کا اہل ہو سکتا ہے۔ البتہ طریقت میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث کے مطابق حُب رکھنا ضروری ہے ـــــ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

نہیں کوئی صاحبِ ایمان (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) ہو سکتا جب تک کہ ہم سے اپنی اولاد اپنے ماں باپ اور تمام چیزوں سے زیادہ محبّت نہ رکھے۔ ظاہر ہُوا کہ ایمان کے لیے حُب لازمی ہے ـــ طریقت میں اصل عمل "حُب" ـــ اللہ تعالیٰ سے حُب ـــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس سے "حُب" اور عالمِ اُمّت راہنمائے کامل سے حُب ـــ ایک عالمِ اُمّت۔ صاحبِ معرفت ولی سے حُب دراصل سُنّتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تحت ہے کہ بغیر حُب ایمان کامل نہیں ہو سکتا ـــ ایمان ـــ حصولِ معرفت ہی کی صفت ہے جو شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے ـــ ایک ولی اکمل قائم مقام محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وہی علم سکھاتا ہے جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سلسلہ در سلسلہ علمائے اُمّت کے ذریعہ ہر زمانہ میں میسّر آتا ہے۔ لہٰذا عالمِ امّت کے لیے صاحبِ معرفت ہونا ضروری ہے کہ اسے معرفتِ الٰہی میں فنا و بقا کا مقام حاصل ہو اس لیے آدابِ طریقت میں جو شخص معرفتِ الٰہی کے حصول میں طالبِ حق ہو اسے سوائے ولی اکمل[1] کے کسی اور سے رجوع نہیں کرنا چاہیئے۔

طریقت میں حصولِ معرفت کے لیے بیعت ضروری ہے جب کہ قرآن سے بیعت کرنا طریقِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَیْہِ[2] حَقًّا

---

[1] ولی اکمل کی تعریف گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔

[2] وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وعدہ ہے اوپر اللہ کے سچا یہ وعدہ تورات اور انجیل میں بھی کیا گیا ہے اور قرآن خود اس کی شہادت دیتا ہے۔ اس آیت میں توریت اور انجیل میں وعدے کی تکرار سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ گزشتہ انبیاء اور ان کی اُمّتوں میں بھی یہ عمل جاری

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ط وَذٰلِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ہ (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۱۱)

تحقیق اللہ نے خرید لیں مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال بدلے جنت کے۔ جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور قتل کریں گے اور قتل ہوں گے۔ یہ وعدہ سچا ہے مومنوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹۹)

تھا کہ انبیاء کے لیے — شریعت پر عمل — نتیجۂ عمل اور زائد عبادت کے ذریعہ اسرارِ الٰہی و معرفتِ الٰہی حاصل کرنا اہم فریضہ تھا۔ کیونکہ یہ عمل حضرت آدمؑ ہی سے شروع ہوا جو اسے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا میں مشاہدہ اسرارِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی میں دیا گیا اور یہی عمل حضرت آدمؑ کے لیے مقرر ہوا۔ اور بحیثیت بشر و انسان ہر نبی۔ ہر اُمّت کے لیے ہر زمانہ میں مقرر کیا گیا۔ یہ عمل بغیر نبی کی رہنمائی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اِس لیے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کی بحیثیت نبی بعثت صرف علم نبوت کے اجراء و تعلیم کے لیے ہی مخصوص تھی۔ یہی علم و عمل تورات کے ذریعہ انبیاءِ بنی اسرائیل کو دیا گیا۔ یہی عمل انجیل کے ذریعہ نصارٰی کو دیا گیا۔ جس میں حصولِ معرفت کے لیے نبی سے حُبّ کرنا — نبی کی اطاعت کرنا — شریعت پر عمل کرنا — یہ عمل "حُبّ" اور "بیع" کی صورت میں مقرر ہوا۔ اِسی عمل کی شہادت قرآن وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ کے بیان سے دیتا ہے۔ اِس امر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ گزشتہ انبیاء کی بعثت صرف اسی مقصد کی تکمیل کے لیے تھی کہ وہ انسان کو شریعت پر عمل یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ کے حکم کے مطابق اسرارِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی کا علم اور مشاہدہ عطا کریں جس کے لیے انہیں کٹھن مجاہدات سے گزرنا پڑتا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اسرارِ الٰہی — معرفتِ الٰہی کے منازل و مراحل وہی ہیں جو ازل سے مقرر ہیں۔ جن کا حضرت آدمؑ کو مشاہدہ دیا گیا۔ ان اسرارِ الٰہی میں منازل و مقامات — عالمِ ناسوت۔ عالمِ ملکوت۔ عالمِ جبروت۔ عالمِ لاہوت ازل سے متعین ہیں۔ جن اسرار میں عالمِ ملکوت کے ابتدائی باب میں اوّل اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ اِسی طرح اجلاس دوم میں۔ بیت اللہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اللہ کے درمیان۔ یہ بیع گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان بھی ہوتا رہا ہے۔ اور لکھا ہے۔ تورات اور انجیل میں۔ اور قرآن میں بھی لکھا ہے۔ اور جس نے اللہ سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ پس خوشخبری ہے ان کے لیے۔ جو سودا اللہ اور اس کے درمیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کا مقصد پورا کر کے کامیاب بنائے گا۔ اس آیت میں اُشْتَرٰی سے مراد خرید و فروخت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۰)

میں دریائے توحید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنہری کشتی میں اجلاس فرما ہیں۔ اسی طرح عرش۔ تحت الثریٰ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ اسی مشاہدہ پر ہر نبی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کی۔ اسی پہچان پر ہر نبی نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کی بعثت کی گواہی دی۔

اصولِ طریقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ باطن میں مشہود و محمود ہیں۔ لہٰذا ہر نبی کے لیے مشاہدہ اسرارِ الٰہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حُب لازم ٹھہری جیسا کہ قرآنی بیان سے واضح ہے۔ اس لیے ہر نبی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حُب کے ذریعہ ہی مشاہدہ و معرفتِ الٰہی حاصل کی جبکہ معرفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ سے ہی تعبیر ہے۔ اسی حیثیت میں ہر نبی کی حیثیت اولی الامر کی ہوتی ہے۔ اس کیفیت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد و اشارہ ہے۔ اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْٓ اِسْرَائِیْلَ کہ آپ کے تابعین میں اولی الامر کی حیثیت انبیاء بنی اسرائیل کی سی ہے۔ کہ انبیاء بنی اسرائیل مشاہدہ اسرارِ الٰہی و معرفتِ الٰہی میں اپنی اُمتوں کو وہی علم دیتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو اولی الامر سے حاصل ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے انبیاء سابقین کی حیثیت ولی اکمل یا قطب الاقطاب کی تھی اور ہر نبی کے محبوب و مشہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی۔ اس حیثیت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اولی الامر کا وہی مقام ثابت ہوتا ہے جو انبیاء سابقین کا تھا۔ اسی کیفیت کے مطابق قرآن وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ بیان پیش کرتا ہے۔ کہ یہ عمل ازل سے شروع ہے۔ یہی عمل تورات کو دیا گیا۔ یہی عمل انجیل کو دیا گیا اور چونکہ قرآن ازلی صحیفہ ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جو تمام کتب کا جامع ہے۔ اس لیے قرآن

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرنا ہے۔ اَنۡفُسَهُمۡ وَ اَمۡوَالَهُمۡ ـــ اپنی جان اور اپنے مال کو اللہ کی تملیک میں دے کر اپنے اختیار سے دستبردار ہونا ـــ اس عمل کو قرآن نے بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ ـ بیع قرار دیا۔ ـــ اِس بیع سے "بیعت" کا تصور پایا جاتا ہے ـــ کہ طالبِ حق کے لیے در اصل اسلام میں داخل ہونے کے ساتھ ایمان میں داخل ہونے کے لیے اپنے جان و مال کو اللہ کے ہاتھ بیع کرنا ضروری ہے اور شریعت کی اصل "ایمان" ہی ہے جب تک ایمان حاصل نہ ہو۔ طالبِ شریعت میں کامل نہیں۔

قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ لٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۱۴)

اور یہ گنوار کہتے ہیں۔ کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہہ دیں کہ تم ایمان نہیں لائے۔ بلکہ یہ کہو کہ ہم نے تسلیم کیا (اسلام میں داخل ہوئے) البتہ ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۱)

ہی اس کی شہادت دیگر گزشتہ انبیاء کے علم و عمل کی تصدیق کرتا ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا اسی کیفیت کی طرف اشارہ واضح ہے۔ کہ کُنۡتُ نَبِیًّا کَانَ اٰدَمُ بَیۡنَ الۡمَاءِ وَالطِّیۡنِ آپ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ ابھی ان کی خلق مکمل نہ ہوئی تھی۔ یعنی آپ آدم کی پیدائش سے پہلے نبی تھے۔ اس کی ایک صورت یہی ہے کہ اسرارِ الٰہی ازل سے متعین تھے۔ جو عالمِ ملکوت جبروت لاہوت کی ہیئت میں اللہ تعالیٰ نے ازل سے ترتیب دیئے تھے جن میں ـــ اسرارِ الٰہی میں نورِ محمدیؐ ـ حقیقت محمدیؐ ـــ اور اجلاسِ محمدی بھی ازل سے مقرر تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کل کائنات نورِ محمدیؐ سے بنی ہے۔ یہی نورِ عالم اسرارِ الٰہی سے تعبیر ہے۔ جن میں نورِ محمدیؐ کی پہچان اِسی کیفیت کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ کُنۡتُ نَبِیًّا کَانَ اٰدَمُ بَیۡنَ الۡمَآءِ وَ الطِّیۡنِ ہے اور ہر نبی کو اسرارِ الٰہی کے مشاہدہ میں حقیقتِ محمدیؐ کی پہچان ہوتی ہے۔ اِسی پہچان سے انہیں نبی کا درجہ ملتا ہے اور جب تک کہ ہر نبی اجلاسِ محمدیؐ میں داخل نہ ہو نبی نہیں کہلایا جا سکتا اور چونکہ عالمِ ملکوت میں ولایت کی سند حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے۔ اِس حیثیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کہلاتے ہیں۔

اِس آیت سے اسلام اور ایمان کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام سے مراد — اللہ اور رسول اور کتاب اللہ کو تسلیم کرنا — اور کتاب کے احکام پر عمل کرنا — لیکن ایمان کا تعلق (فِیْ قُلُوْبِکُمْ) قلب سے ہے۔ یعنی ایمان ایک لطیف جذبہ — جس کا عمل سے اظہار نہیں ہوتا — البتہ حُب سے ہوتا ہے اِسی لیے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے "ایمان" کی واضح نشاندہی فرمائی۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (متفق علیہ)

نہیں مومن بن سکتا تم میں سے (اے ایمان والو) کوئی جب تک کہ محبت نہ رکھو ہم سے۔ اپنی اولاد — اپنے ماں باپ — اور اپنی ہر محبوب شے سے زیادہ — ظاہر ہے — اِس حُب کا مظاہرہ نہ نماز کی شکل میں ہو سکتا ہے اور نہ روزہ کی شکل میں نہ زکوٰۃ کی شکل میں نہ حج کی شکل میں نہ تہجد کی شکل میں — یہ تمام ارکان شریعت اگرچہ عملی طور پر مظاہرہ سے پورے کیے جائیں — اِس کے باوجود اگر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کلی جذبہ کے تحت ایسی محبت نہ کی جائے جیسی اپنی جان سے — اپنی اولاد سے — اپنے ماں باپ سے اپنے مال سے کی جاتی ہے تو ان تمام ارکانِ اسلام کی بغیر حُبِ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کامل حیثیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تنبیہ کرتا ہے اس حدیث کی تائید میں قرآنی بیان واضح ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ع (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۲۴)

اِن لوگوں سے کہہ دیجئے۔ اگر ہوں تمہارے باپ — تمہارے بیٹے — تمہارے بھائی — تمہاری بیویاں — تمہارے رشتہ دار — تمہارا مال وجائیداد جو تم نے کمایا ہے — اور تجارت جس کے گھاٹے کا تمہیں فکر رہتا ہے — اور مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو —

زیادہ عزیز — تمہارے لیے — اللہ اور رسولؐ اور جہاد کرنے سے اس کی راہ میں — تو انتظار کرو — یہاں تک کہ لائے اللہ اپنا حکم اور اللہ نہیں پہنچاتا صراطِ مستقیم پر جو فاسق ہیں۔

اِس آیت میں ایک مومن کے لیے کائنات کی تمام خواہشات سے دستبردار ہو کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حُب — اور جہاد کرنے میں شدت سے عمل کرنے کی تنبیہ کی گئی اور اگر اللہ اور رسولؐ سے محبت نہ کرو تو انتظار کرو کہ اللہ تمہیں کسی مصیبت میں گرفتار کرنے کا حکم دے۔ ایسے لوگ جو اِس جذبۂ حُب سے خالی ہوں — اللہ تعالیٰ تنبیہ کرتا ہے کہ وہ فاسق ہیں انہیں حقیقت کا راستہ کسی طرح بھی نہ مل سکے گا۔

قرآنی تاریخ نے اِن آیات و احادیث کی واضح مثال پیش کی ہے — جس میں بیع (بیعت) اور حُب کا تصور سامنے آتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ج (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۱۰)

تحقیق جو لوگ بیعت کر رہے ہیں آپ سے وہ حقیقتاً بیعت کر رہے ہیں اللہ ہی سے — اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے — قرآنی تاریخ سے ظاہر ہے۔ کہ یہ واقعہ بیعتِ رضوان سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے متعلق قرآن نے واضح اشارہ دیا ہے۔

لہ اِس آیت قرآنی میں۔ جہاد کے تصور میں ایک بنیادی نکتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حُب میں اپنی جان و مال کی محبت سے دستبردار ہونا ہی ہے — اور محبت کے عہد پر "بیع" ہونا — یعنی بیعت کرنا۔ اس محبت کا عملی مظاہرہ — یعنی شریعت پر عمل اور شریعت پر عمل سے نتیجۂ عمل حاصل کرنا — نتیجۂ عمل میں۔ جنت سے لے کر معرفتِ الٰہی تک مرتبہ حاصل کرنا اور نتیجۂ عمل کا مشاہدہ کرنا۔ اصل حقیقت ہے۔ یہی نتیجۂ عمل اولی الامر کی حُب و اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ اِسی عمل کو طریقت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ

(پارہ ۲۶ سورہ ۴۸ - آیت ۱۸)

البتہ تحقیق اللہ راضی ہُوا ان لوگوں سے جب انہوں نے درخت کے نیچے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ ان آیات کا حوالہ سورۃ الفتح (۴۸) میں دیا گیا ہے۔ ایسی بیعت کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فتح و نصرت کی بشارت دی۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ (پارہ ۲۶ سورہ ۴۸ آیت ۱)

اِس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کا بیت اللہ میں عمرہ کرنے کی غرض سے تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا ۔۔۔ اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ مکہ کے قریش کے پاس بھیجا کہ ان سے بیت اللہ میں عمرہ کرنے میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کرنے کے بارے میں بات طے کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو منافقین نے افواہ پھیلا دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے شہید کر ڈالا۔ یہ خبر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچی تو آپ نے اُسی وقت صحابہ سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کا عمرہ کی نیت سے بیت اللہ میں داخل ہونے کی غرض از رُوئے شریعت خالی ہاتھ ہونا شرط تھا جس میں انہیں کسی قسم کا فساد کرنے کے لیے ہتھیار ساتھ رکھنے کی ممانعت تھی تمام صحابہ بکیسر نہتے تھے۔ اِس حالت میں جب کہ مکّہ کے قریش ہتھیاروں سے لیس تھے۔ جہاد کرنے میں اپنی جانیں قربان کرنے کے سوا کوئی نتیجہ حاصل ہونا نہ تھا۔ یہ جانتے ہوئے صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر۔ اپنی جان اپنے ماں باپ۔

---

[۱] اس امر سے واضح ہے۔ کہ قول و فعل رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق اہلِ ایمان کے لیے اِس وقت جہاد لازم ہوتا ہے۔ جب کسی مُسلمان (مومن) پر کفار ظلم و قتل روا رکھیں۔ ایسے موقع پر اگر جہاد سے تغافل برتا گیا تو اس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب واجب ہوتا ہے۔

اپنی اولاد۔ اپنے گھربار کی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قربان کردی ہاں ــــ جہاں قرآن جہاد کا ذکر کرتا ہے ــــ اس جہاد کا یہ نکتہ قابلِ غور ہے ــــ کہ اسلام نے جہاں جہاد کے لیے شدّت سے حکم دیا ہے دراصل یہ جہاد اگرچہ قتال کا تصوّر رکھتا ہے مگر فی سبیل اللہ کے تصور میں جہاد کو اللہ کی راہ میں قتال کرنے سے متعلق کردیا گیا کہ اللہ کے قرآن اور اس کے احکام کو مخلوق تک پہنچانے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا۔ اِس حال میں کہ جب کفّارِ مکّہ نے اسلام اور جماعتِ اسلامی کو ختم کرنے کے لیے خود جنگ چھیڑ دی۔ ورنہ دینِ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور خود حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کائنات کے لیے امن وسلامتی کے داعی ہوں ــــ اسلام کے لیے ــــ تبلیغِ اسلام کے لیے ــــ سوائے صبر و تحمّل ــــ حسن و اخلاق ــــ راحت و رحمت ــــ مخلوقِ انسانی کا درد ــــ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ کا جذبہ رحمت استعمال ہوتا ہو ــــ اسلام کے لیے نہ تلوار اُٹھانے کا کوئی موقع ہے نہ اللہ کی طرف سے قتال کرنے کا کوئی فرضی حکم ثابت ہے۔ ہاں اگر کفّارِ مکّہ اسلام کو ختم کرنے کے لیے برسرِپیکار نہ ہوتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو قتال کا حکم دینے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ جہاد کا حکم نازل ہوتا ــــ حقیقتاً اس جہاد کے حکم میں دو مصلحتیں تھیں ــــ ایک باطل قوتوں کا زور ختم کر کے مخلوقِ خدا کو ہدایت حاصل ہونے میں راہ ہموار کرنا ــــ دوسری مصلحت جو ان قرآنی آیات سے واضح ہے کہ تابعین رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حُب کا امتحان لینا ــــ اور ان میں اپنی جان و مال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر قربان کرنے میں۔ ان کے جذبۂ حُب کو حدِ کمال تک پہنچانا تھا ــــ ان تمام واقعات میں ایک اہم تصوّر ــــ اُمّت میں ــــ اہلِ اسلام کے دلوں میں جذبۂ حُب کے اظہار کو واضح کرنا تھا ــــ کہ طالب حق کے لیے نتیجۂ عمل میں ــــ ایمان کی خصوصیت حاصل ہونا لازمی ہے جس کے لیے بیع "بیعت" کو اظہارِ حُب کا ذمّہ دار قرار دیا گیا ــــ لہٰذا اسلام و ایمان میں "حُب" عمل کی اصل قرار دی گئی اور اس کے اظہار کے لیے بیع کو فرضِ اوّلین قرار دیا گیا۔ یہی طریقہ عمل علمائے اُمّت دلی اکمل کیلئے واجب ہے ــــ کہ وہ ایک طالب حق کے ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمِ ــــ فوزِ عظیم

عطا کرنے کا ذمہ دار ہے — کہ وہ مقامِ معرفت میں ولی اکمل کا درجہ رکھتا ہے — اور طالبِ حق کے لیے حصولِ شریعت میں ایک ولی اکمل کی راہنمائی اور راہبری حاصل کرنا اشد ضروری ہے اور اس راہنمائی کے لیے بطریقِ سنّتِ ولی اکمل سے بیع ہونا، بیعت کرنا اور ولی اکمل سے حُب قائم کرنا لازمی ہے۔ بغیر اس عمل کے نہ شریعت کامل ہو سکتی ہے نہ طریقت۔ لہٰذا قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہوشیار رہ زمانہ میں ایسے نام نہاد فقراء جیبہ جیبہ پر اپنی دوکانیں سجائے بیٹھے ہیں جو عام انسان کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ انہیں اپنی ذات کا بھی احساس نہیں کہ خلقِ خدا کو دھوکہ دینے میں جو عمل ان کے لیے تیار ہوتا ہے اس سے وہ بے خبر ہیں وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ انہیں مشاہدہ نہیں کہ اس عمل سے ان کے نامہ اعمال سیاہ ہوتے جا رہے ہیں۔ جو ان کے لیے عذاب کا سبب ہونگے — اور ایسے فقراء سے بھی گریز کر جو جاہل لاعلم چند استدراجی ترکیبوں سے خود کو ولی سمجھ کر لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ بیعت مراد سوا اس کے نہیں کہ ایک انسان کو معرفتِ حقیقی میں کامل کر دے جو خود گمراہ ہو وُہ کسی کو کیا راہ دکھا سکتا ہے۔

باشد وجودِ اولیاء اندر زمین
از برائے حاصل حق الیقین

اللہ تعالیٰ نے اَنَا اُعْرَف (میں پہچانا جاؤں) کے منصوبہ میں۔ یہ مقرر کیا ہے۔ کہ اس کی پہچان ایک نبی کی راہنمائی کے ذریعہ ہو — اس لیے معرفتِ حق میں ایک نبی کی راہنمائی لازمی ہے — کیونکہ نبی واقفِ اسرارِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی میں کامل اکمل ہوتا ہے۔ نبی کے بعد عالمِ اُمّت۔ بحیثیت قائم مقام — نائبِ رسول — خلیفۂ رسُول۔ اس معرفت کی تکمیل کراتا ہے — ہاں۔ یہ لازم ہے کسی نبی — کسی ولی کی ولایت سے انکار نہیں — بے شک جب کذّاب نبی — یا ولی کے دعوے پر اس کے کردار و شخصیت اور اس کے عمل سے۔ اس کا مقام مشکوک ہو جائے۔ تو اس کی اطاعت لازم نہیں لیکن اس تصوّر پر حقیقت سے انکار بھی جائز نہیں کہ معرفت و حقیقت کی اصل کچھ نہیں — بعض لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ اور اس انکار

پر بعض جمے رہتے ہیں ان کے متعلق فرماتے ہیں

؎ تو بکوری ماندہ اے بے یقین
زیں سبب حاصل نہ شد حق الیقین

اندھے کا سورج سے انکار۔قابلِ قبول نہیں بلکہ حقیقت۔حقیقت ہے۔چونکہ تمام کیفیات متشابہات سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے اس کے تسلیم کے لیے قلب اور شعور کی روحانی قوتوں کا اقرار—اور ان کا استعمال شرط ہے۔

؎ نور مرداں مشرق و مغرب گرفت
تو نہ بینی باش تو بے جان خشت

ولی اکمل کی صفات کا احاطہ کرنے کے لیے قوتِ قلبی کی ضرورت ہے—خالی تعلیم سے اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں—ہاں اس کے مشاہدہ کے لیے خصوصی—صفتِ محبّ—اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عزت و تکریم لازمی ہے—محبت نہ ہو تو بے محبت دل مانند بے جان اینٹ کے ہے—جو نور کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

ہاں! حضور قبلہ عالم کی ذات والا شان کا یہ دعویٰ تھا۔

صد ہزاراں شکرِ تو اے ربِّ دیں
دَر دلِ من تو نہادی ایں یقیں

شکر ہے اللہ ربّ العالمین کا—کہ اس نے مجھے یہ نعمت عطا کی—کہ آپ کی ذات کو معرفتِ حقیقی میں ممتاز مقام حاصل تھا۔آپ فرماتے ہیں :۔

اے امینؔ تو شکر کن پروردگار
در وجودِ تو عیاں شد ایں بہار
الآناں ایقان گشتہ آں جہاں
ہست پیش قلبِ من یکسر عیاں

پیر کے فنا میں مجھ پہ اسرارِ الٰہی کے آثار ظاہر ہوتے اور میں ان اسرار کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔

آپ اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر شکر ادا کرتے ہیں کہ آپ کو ان انعامات سے نوازا
ان انعامات کا جامع تصور پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جزِ من از کُل اُو کُلی شدہ
کز عنایت پیرِ اکمل پُرشدہ

میری جز (رُوح) کل میں فنا ہو کر کل ہو گئی۔ یہ عنایت مجھے فنائے شیخ اکمل سے میسّر آئی — بلا شبہ یہ حقیقت و معرفت ایک اولوالعزم ولی اکمل کی بیعت و ارشاد سے ہی انسان پر کھُلتی ہے۔ — یہ مقام حضور قبلہ عالم کو بدرجہ اولیٰ حاصل تھا۔ بلکہ آپ کی صحبت و بیعت میں طالبانِ حقیقت کو آپ کی محبوبیت کے شرف سے بلا محنت مقاماتِ ولایت و معرفت حاصل ہوتے رہے۔ اب اگر اس سلسلہ طریقت سے بے توجہی اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے تو اس کا سبب ایسے ہی نام نہاد فقرار کا فقیری کا دعویٰ کر کے ذاتی اغراض اور غلط علم کا اجرا ہے۔

حقیقت بنائے اِسلام

حضرت قبلہ عالم بنائے اسلام کی حقیقت بیان فرماتے ہیں۔ کہ بنائے اسلام میں۔ ایمان مجمل کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ۔

مَیں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وُہ ہے۔ اپنے اسمار سے اپنی صفات سے اور قبول کیا اس کے تمام احکام کو برائے تعمیل — اس پر مَیں زبان سے اقرار کرتا ہوں اور قلب سے تصدیق کرتا ہوں۔

عمیق تحقیق میں جائیں تو اسمار صفات اللہ تعالیٰ کے نوری ہیں ان پر ایمان لانا اس حال میں کہ مَیں نے تسلیم کیا اور یقین کے ساتھ یہ تسلیم رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیت تسلیم کرنے کے ساتھ ہے۔ بلا دلیل بلا مشاہدہ۔ اور لازم ہے قلب سے تسلیم کرنے کے لیے

بھی — یقین و تحقیق کو کامل کیا جائے — سو اسمار و صفات کی تحقیق و تسلیم بالقلب تصدیق کرنے کا کوئی ذریعہ مہیا ہونا لازم ہے۔ قلب کے ذریعہ تصدیق کا طریق — واحد طریق — فقہ قلبی مراد ہے۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا۔ ان کے دل ہیں اِن سے فقہ نہیں کرتے — فقہ سے مراد غیر محسوس۔ رُوحانی ماورائے ادراک کیفیتوں کو — رُوحانی طور مشاہدہ کرنا — جیسا کہ قرآن نے اس کا اشارہ دیا —

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ط

(پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۴۴)

تسبیح کرتے ہیں واسطے اللہ کے سات آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ اور یہ کہ نہیں کوئی شے مگر تسبیح کرتی ہے۔ ساتھ اس کی پہچان (معرفت) کے لیکن تم ان کی یہ تسبیح فقہ نہیں کر سکتے۔ چونکہ سات آسمان — اور زمین کی بعض کیفیات متشابہات سے ہیں اور ان کی تسبیح بھی متشابہات سے غیر محسوس — ماورار ادراک ہے — اِس لیے ایسی کیفیتوں کی تحقیق و علم کے لیے خود قرآن نے فقہ کا طریق بتایا — لہٰذا ثابت ہُوا کہ فقہ سے مراد غیر محسوس رُوحانی کیفیات جو ادراک میں نہ آتی ہوں۔ قلب کی فقہ سے تحقیق و علم میں لا کر ان کی حق الیقین کی حد تک تصدیق کی جاتی ہے۔

متشابہات علم کے تین ذرائع

واضح ہو کہ ماورار ادراک متشابہات کیفیات کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ تین طرح سے ہے۔ اس ذریعہ کا اشارہ اس آیت سے واضح ہے۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ۔ بنائے تم میں کان۔ اور آنکھیں۔ اور دماغ و دل اَفْئِدَةَ کو قریشی اصطلاح عربی میں دماغ کے لیے اور دل کے لیے بھی استعمال کیا ہے — یعنی کسی کیفیت کا ادراک سمع۔ بصر۔ دماغ و دل سے ہوتا ہے۔

اوّل کسی کے سنانے سے ایک شے کے وجود کو تسلیم کرنا۔ اس کے ہونے کا اقرار کرنا۔

اِس کیفیت کو سمع الیقین کہا جا سکتا ہے کہ کسی کیفیت کا کانوں سے سُن کر یقین کرنا۔ جب کوئی اس شے کی کیفیت کا بغیر دکھائے (بغیر مشاہدہ) وجود کی شناخت دے۔ تو اسے علم الیقین کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس شے کی ماہیئت کا ذہن میں ایک موہوم تصور قائم ہُوا —لیکن علم کامل نہیں جب تک کہ کیفیت کے وجود کو دیکھا نہ جائے۔ دوئم— اور جب کوئی اس شے کی ماہیّت آنکھوں کے سامنے لاکر اس کے وجود کے ہونے کی شہادت دے کہ فی الواقع یہ ایک شے موجود ہے۔ اسے عین الیقین کہا جاتا ہے۔ اس سے پیشتر سمع الیقین سے ہم نے ایک شے کے وجود کا اقرار کیا مگر اس کے وجود کا اقرار اس وقت تک کامل نہیں جب تک کہ آنکھوں سے اس شے کا ادراک و علم حاصل نہ کیا جائے۔ اب اس بصر سے اس شے کا وجود قابل تسلیم ہُوا تو ضرورت ہے کہ اس شے کی تمامی ذات و صفات کے مرکّبات کا بھی علم ہو جائے سو اس کے لیے اس شے کے بنیادی اجزا کی تحقیق میں اس کی جسمانی ساخت اور مرکبات کا احاطہ کیا جائے کہ جس نام و ہیئت سے اُسے پکارا جاتا ہے۔ آیا وہ ان اسمائے صفات سے مرکب ہے یا اس شے میں بنیادی مرکبات کس قسم کے ہیں۔ اور۔ اسکی تخلیق کس طرح ہُوئی جیسا کہ حکم ہُوا فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ پھرو زمین پر اور دیکھو ایک شے کی پیدائش کا بنیادی وجود کیا ہے۔ تو اس کی تحقیق میں عقلی طور تحقیق اور قلبی فقہ ہی ادراک کر سکتی ہے جسے حق الیقین کہا جاتا ہے— اِس حق الیقین سے تصدیق بالقلب کی تکمیل ہوتی ہے۔ مثال کے طور ایک شخص دعویٰ کرتا ہے۔ کہ فلاں جنگل میں ایک تالاب ہے جس کا پانی زرد رنگ کا ہے —اِس زرد رنگ پانی کی صفت یہ ہے کہ اِس پانی میں خارش کا مریض غسل کرے اسی آن اس کا مرض دُور ہو جاتا ہے — یہ خبر کانوں سے سُنی گئی تو ایک کیفیت کا کانوں سے علم ہو جاتا ہے۔ اِس ذریعہ کو سمع الیقین کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ علم کامل نہیں جب تک کہ اس وجود کے حق ہونے کی تصدیق نہ ہو— اِس کا ذریعہ یہی ہے کہ تالاب کے پاس پہنچ کر۔ آنکھوں کے ذریعہ دیکھ کر تصدیق کی جائے اور جب آنکھوں کے ذریعہ تالاب اور زرد پانی کو دیکھا گیا تو یہ کیفیت عین الیقین (بصر الیقین) کی حد میں آتی ہے۔ لازم ہے کہ اِس

کیفیت کو حق الیقین کی صورت میں علم میں لایا جائے جس کے لیے ضروری ہے کہ تالاب کے پانی میں داخل ہو کہ اس کی صفت کو دیکھا جائے کہ یہ پانی خارش زدہ مریض کا مرض دُور کرتا ہے اس ذریعہ کو حق الیقین سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہ تیسرا ذریعہ عقلی تحقیق یا فقہ قلبی سے پُورا ہوتا ہے لہذا یہ تحقیق سمع الیقین ۔ بصر الیقین (عین الیقین) اور قلب الیقین (اَفْئِدَۃٌ) سے ہی پوری ہو سکتی ہے۔

ایک ولی کا دعویٰ ہوتا ہے۔ کہ اسے معرفتِ الٰہی حاصل ہے۔ اور وہ طالبانِ حق کو اس معرفت میں راہنمائی کر کے۔ ذاتِ حق کی معرفت دلا سکتا ہے ـــ بلاشبہ اس کا اشارہ بنیادی تسلیم میں۔ ایمان مجمل میں کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ میں صاف ظاہر ہے کہ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی میں بھی ذاتِ الٰہی کے اسرار و آثار پنہاں ہیں۔ انہیں اسماء کے مشاہدہ کو معرفت سے موسوم کیا گیا ـــ لہذا یہ واضح ہے۔ کہ جب تک کوئی پہچان کرنے والا کسی کیفیت کا ذکر نہ کرے۔ کوئی شخص کسی وجود کا تصور و اقرار خود نہیں کر سکتا ـــ نبی کہتا ہے۔ میں معرفتِ الٰہی کے اسرار و آثار کا علم حق الیقین تک رکھتا ہوں۔ سو جو طالبِ حق ہے۔ وہ میری اتباع میں آئے ـــ نبی کہتا ہے ـــ آسمان ہے ـــ جنّت ہے ـــ ملائکہ ہیں ـــ آثار نوری ہیں ـــ طالب یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی صُورت میں رسُول کی شخصیت کو تسلیم کرتا ہے ـــ پھر طالب کو علم سے مشاہدہ کی ضرورت پڑتی ہے تو نبی آسمان کی ہیئت بتاتا ہے ـــ کہ نوری فضا ہے ـــ وسیع دُنیا ہے ـــ پھر اسے "فقہ قلبی" سے مشاہدہ کراتا ہے ـــ یہی اس کا عین الیقین بن جاتا ہے ـــ پھر اسے (اس کی رُوح رحمانی کو) اُٹھا کر آسمان میں لے جاتا ہے۔ کہ رُوح آسمان کے نور میں مل جاتی ہے (یا فنا ہو جاتی ہے) تو یہ صورت حق الیقین کی ہو جاتی ہے ـــ ظاہر ہے کہ کسی کیفیت کے علم کے لیے تین صُورتیں لازم ہیں۔

(۱) اوّل ـــ نبی ـــ ولی ـــ راہبر ـــ یعنی کسی وجُود کی خبر پانے والا ـــ خبر دینے والا ـــ اِس ذریعہ سے کسی وجود کے ہونے کا علم ہونا ـــ سمع الیقین ـــ یا علم الیقین ـــ کی صورت ہوتی ہے۔

(۲) دوئم- ایک وجود کے فی الواقع ہونے کی تصدیق کا ذریعہ بصر الیقین ــــ یا عین الیقین ــ کی صورت ہوتی ہے۔

(۳) سوئم- طریق تحقیق- کہ ایک وجود کی مکمل ہیئت (اس کی ذات وصفات) سے آگاہی حاصل ہونے کا ذریعہ ــ رُوح الیقین ــ یا قلب الیقین ــ یعنی رُوح وقلب کی قوت سے ایک وجود کے ظاہر و باطن کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ ــ تصدیق بالقلب کی صورت میں اس طریق میں ــ ایک کیفیت میں ــ جذب ــ یا اتصال ہونا لازم ہے۔ جسے فنا یا وصال سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اِس طریق سے کسی کیفیت کا علم حق الیقین کی صورت میں ہو جاتا ہے۔

لہٰذا کسی وجود کے علم حاصل کرنے میں ابتدائی- اور لازمی صورت علم الیقین (سمع الیقین) کی ہوتی ہے۔ کہ کسی کیفیت کے وجود کی خبر ملے۔ ("یہ خبر"ــ ایک" خبر پانے والے" سے میسر آتی ہے۔ اس خبر کے اعتبار سے ایسے شخص کو" ولی" یا" نبی" سے موسوم کیا جاتا ہے۔)

تو ولی کی تعریف کیا ہے ؟

عالم ــ علم سے ماخوذ ہے ــ علم کے معنی کسی شے کی حقیقی ماہئیت کو ذہن میں لانا۔ علم الاخلاق کی رُو سے یہی معنی علم کے ہیں۔

عالم سے مراد وہ ہستی ہے جسے مخلوقِ کائنات کی ہر شے کی اصل ماہیّت کا بدرجہ اولیٰ علم ہو۔ خصوصًا شرعی اعتبار سے ــ قرآنی علم پر ــ کلی عبور رکھتا ہو ــ محکمات جملہ اُصول و عقائد سے واقف ہو ــ قرآنی حقائق میں حکمت و موعظت کے آداب و اصول سے واقفیت رکھتا ہو۔ تخلیقی آثار کی جملہ ترکیبوں پہ احاطہ رکھتا ہو تاکہ اس علمیت میں قرآنی علم کا حصول و تعلیم کسی طالب علم کے لیے مشکل نہ ہو۔ ایسے عالم کو عالمِ شریعت کہا جاتا ہے۔

اِس علم کی تکمیل کے بعد ایک عالم علومِ قرآنی کے متشابہات آثار کا بالمشاہدہ علم رکھتا ہو ــ اسکی ابتدا ء سے لے کر اس علم کی انتہا تک حق الیقین کی حد تک تمام آثار و اسرار باطنی سے آگاہی رکھتا ہو۔ یہی عالم حقیقی معنوں میں علمائے اُمت ــ نائب رسول- اور ولی میں شمار

ہوتا ہے۔ ایسے عالم شریعت کو عالم طریقت سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے متشابہات کا علم۔ ماورا۔ ادراک تصوّر ہوتا ہے اِس کے لیے قلبی فقہ اور مشاہدہ شعوری استعمال ہوتا ہے۔ ہذا اس علم کی حقیقت ولی کے قول و فعل سے ہی سمجھی جاتی ہے — جس کی شہادت خود ولی ہی سے مل سکتی ہے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ علمائے اُمّت میں —

عالم — جو ولی کا مقام رکھتا ہے تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ ولی کامل — ۲۔ ولی مکمل — ۳۔ ولی اکمل —

۱۔ ولی کامل وہ ہے جو عالم ملکوت میں داخل ہو کر حقیقتِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلّم سے بالمشاہدہ۔ مشاہدۂ قلبی سے آگاہ ہو —

۲۔ ولی مکمّل وُہ ہے۔ جو اسرار الہٰی۔ آثارِ ملکوتی و نوری تا ذاتِ الہٰی سے بالمشاہدہ معرفت حاصل کر چکا ہو۔

۳۔ ولی اکمل وہ ہے۔ جو نائب رسُول ۔ ہو قرآن و حدیث کے علم پر کلی طور عبور رکھتا ہو۔ قرآن کے متشابہات سے آگاہ ہو — اور تمام اسرارِ الہٰی تا ذاتِ الہٰی کی خبر رکھتا ہو۔ اور طالبانِ حق کو اس راہ تک پہنچا کر ان کے حصولِ معرفت میں تکمیل کرنے والا ہو — یہی ولی ہے — جو خبر اسرارِ الہٰی کی پاتا ہے — اِس خبر سے طالبانِ حق کی راہنمائی کرتا ہے — اور کسی کیفیت کے وجود (ادنیٰ شے مخلوق سے لے کر ذاتِ الہٰی تک) کی خبر دیتا ہو اور اس کیفیت کا مشاہدہ و علم دیتا ہو۔

جہاں تک ماورائے ادراک اسرار کا تعلّق ہے اس کا علم ایک ولی سے ہی سنا جاتا ہے۔ ایک ولی سے کسی کیفیت کی خبر سننا سمع الیقین سے تعبیر ہے۔

اِس کیفیت کے باوجود حق ہونے کے لیے مستحکم یقین — ولی کی تقلید یا اتباع سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جس میں ولی وہ طریق بتاتا ہے جس سے ایک کیفیت عین الیقین کی حد تک علم میں آئے — اِس طریق میں — قلبی فقہ سے کیسے کام لیا جاتا ہے؟ اِس میں تصوّر — یکسوئی — مراقبہ اور رُوح سے روح کی نسبت اور رابطہ ہوتا ہے — اس طریق میں صورتِ یقین یہ ہو گی کہ ولی اصولِ طریقت کے مطابق جس کیفیت کا علم مقصود ہو اس کا

تصور دینا ہے لیکن اس تصوّر کا طریق ـــــ ولی کی رُوح سے رُوحانی نسبت قائم کرنا ـــ یعنی طالب اپنی رُوح رحمانی سے ماوراء ادراک کیفیت کے علم کے لیے پہلے ولی کی رُوح سے رابطہ قائم کرتا ہے۔

یہ امر محقق اور تسلیم شدہ ہے کہ انسان میں دو روحیں موجود ہیں جو بجائے خود ایک نوری وجود رکھتی ہیں۔ ان میں سمع۔ بصر۔ فہم کی قوی قوت موجود ہے ـــ ان میں روح رحمانی بھی ایک کامل وجود۔ قوت سمع۔ بصر و فہم کی حامل ہے یہی رُوح تصور و مراقبہ سے پیر "ولی" کی رُوح سے رابطہ و اتصال پیدا کرتی ہے ـــ ولی اکمل کی رُوح ہر مقام پر کیفیت سے آگاہ ہوتی ہے۔ اس لیے یہ رابطہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ طالب پہلے پیر کی رُوح کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسے تصورِ شیخ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ جب طالب تصورِ شیخ پانے میں کامیاب ہوا تو پیر طالب کو مطلوبہ کیفیت کا مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ یہ مشاہدہ عین الیقین سے تعبیر ہے جو فقہ قلبی سے ہوتا ہے یعنی رُوح رحمانی کا جسم میں مقام قلب ہے۔ یہی رُوح قلب کے مقام سے عالمِ باطن کا مشاہدہ کر کے ماوراء ادراک کیفیات کا عکس حاصل کر کے دماغ کو کیفیات کا عکس فراہم کرتی ہے۔ دماغ مسکن و مخزن ہے۔ رُوح حیوانی کا۔ جیسا فقہ قلبی میں رُوح مشاہدہ کرتی ہے۔ اِسی طرح دماغ میں رُوح حیوانی عکس حاصل کر کے ذہنی طور کسی کیفیت کی ہیئت و اصل سے آگاہ ہوتی ہے ـــ لہذا ایک طالب کی رُوح رحمانی پیر کی رُوح رحمانی سے رابطہ قائم کر کے مطلوبہ کیفیت کے نام۔ ہیئت مشاہدہ کر کے یہ علم رُوح حیوانی کو فراہم کرتی ہے تو اس صورت میں کسی ماورائے ادراک کیفیت کا بالمشاہدہ علم۔ عین الیقین کی صورت میں ہو جاتا ہے ـــــ یہ صورت کسی کیفیت کے وجود کے اقرار کی ہے۔ لیکن اس علم میں حق الیقین کی ایک صورت لازم ہے۔ کہ کیفیت کی اصل حقیقت بہمہ صفات مکمل علم میں آئے ـــ طریقت میں حق الیقین کے لیے ایک خاص طریق ہے۔ اسے "فنا" کہتے ہیں۔

فنا

فنا سے مراد ہیئت تبدیل کرنا ہے ـــــ ایک ہیئت کا دوسری ہیئت میں ضم ہو جانا۔ اِس حالت میں کہ ایک ہیئت کی اپنی وجودی ہیئت گم ہو کر۔ یا غیر محسوس ہو کر ـــــ دوسری ہیئت اختیار کرکے "باقی" ہوجائے ـــــ یا وہی کیفیت بن جائے جو دوسری کیفیت کی ہے ـــــ اِس فنا میں ہیئتوں کا ہم جنس ہونا لازمی ہے۔ ورنہ غیر جنس میں فنا ممکن نہیں ـــــ اصطلاحِ طریقت میں ـــــ طالب حق کی رُوح رحمانی کا پیر کی رُوح رحمانی سے رابطہ قائم کرکے دوکی حیثیت کا ختم ہوجانا۔ اِس حال میں کہ طالب کی رُوح کا پیر کی رُوح سے اتصال کرکے (وصل) پیر کی رُوح میں سما جانا۔ یا ضم ہوجانا ـــــ فنا سے تعبیر ہے۔ اگرچہ طالب کی رُوح کا وجود ـــــ دو کی صورت میں موجود نہیں ـــــ مگر پیر میں فنا کی صُورت میں پیر کی رُوح کا اثر قبول کرکے ایک ہوجانا ـــــ اس حال میں کہ پیر کی رُوح میں طالب کی رُوح کی حیثیت معدوم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا وجود باقی رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ـــــ سمندر سے نکلا ہُوا پانی جب بخارات کی شکل میں سمندر سے الگ ہُوا تو فطری اصول کے تابع سمندر کے وجود کی اپنی حیثیت سمندر کی شکل میں باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن اس کی ایک جز سمندر سے علیحدہ ہو کر اسی جنس "پانی" میں ایک علیحدہ وجود اختیار کرجاتی ہے۔ حقیقتاً سمندر سے نکلے ہُوئے پانی کی کمی سے سمندر میں نقص واقع نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ اس کی ایک جز اپنا علیحدہ وجود اختیار کرلیتی ہے ـــــ یہی بخارات پھر اسی جنس میں تبدیل ہو کر قطرہ کی شکل اختیار کرلیتے ہیں ـــــ یہی قطرہ ہے جو پھر کُلُّ شَئیٍ یَرجِعُ اِلیٰ اَصلِہٖ پھر سمندر میں ضم ہوجاتا ہے۔ قطرہ سمندر کی جز تھا۔ سمندر میں ضم ہو کر اپنی اصل میں مل گیا ـ تو سمندر رہا جو پہلے تھا ـــــ دوسری صورت اب قطرہ سمندر میں ضم ہو کر اپنی ہیئت میں قائم رہتا ہے۔ اگرچہ وہ سمندر میں مل کر سمندر کی ہیئت بن کر اپنی پہلی ہیئت گم کر جاتا ہے ـــــ یہی کیفیت فنا کی ہے۔ کہ طالب کی رُوح پیر کی رُوح میں ضم ہو کر (اس کا وجود) ایک طرف پیر کی صفت و خاصیت اختیار کر جاتی ہے مگر دوسری طرف

وہ اپنے وجود کا فنا کی شکل میں بھی احساس رکھتی ہے۔ یہی وہ فنا ہے جس میں طالب کی رُوح ہر اُس کیفیت کا ادراک کر لیتی ہے جس کا عکس پیر کی رُوح پر پڑتا ہے — پیر کی رُوح چونکہ عقلِ کل ہوتی ہے وہ تمام آثار و اسرار کی کیفیتوں کا عکس پا چکی ہوتی ہے۔ جو انتہائی تابانی نوری قوتوں کا اثر ہوتا ہے۔ تو طالب کی رُوح اتنا ہی اثر قبول کرتی ہے۔ جتنا ہی طالب کی رُوح رحمانی کا عکس رُوح حیوانی قبول و برداشت کرے کیونکہ جزوی حیثیت میں طالب کی رُوح اس وقت تک تمام کیفیات کا اثر قبول نہیں کر سکتی جب تک کہ اس رُوح میں فنائے رسُول اور فنائے ذاتِ الٰہی کا مقام حاصل نہ ہو۔ اِس لیے پیر اکمل کی فنا میں رُوح رحمانی کیفیات اسرار کا اسی حد تک مشاہدہ کرتی ہے جس حد تک رُوح حیوانی اس کا مشاہدہ برداشت کر سکے۔ ورنہ اگر قوی تجلّیات کا عکس رُوح حیوانی تک پہنچا تو یہ اس کے مشاہدہ میں غرق ہو جاتی ہے تو طالب پر جذب طاری ہو کر مجذوب ہو جاتا ہے۔ یہ ایک صورت ہے حق الیقین کی کہ طالب کی رُوح رحمانی براہِ راست اسرارِ الٰہی تک رسائی حاصل کر کے ان انوار کی سی قوت پا کر اسی نور کے مشابہ ہو کہ اس نور میں فنا ہو جاتی ہے۔ اِس فنا سے ان اسرار کی اصل حقیقت رُوح پر وارد ہو کر کیفیت حق الیقین کی حد تک علم و ادراک میں آتی ہے — اِس حصولِ علم میں پیر اکمل کی رُوح رحمانی میں فنا حاصل کر کے۔ فنا فی الشیخ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے پھر اسی اتصالِ رُوحِ پیر سے رابطہ و قوت حاصل کر کے یہ رُوح پیر کے اس مقام میں داخل ہوتی ہے جہاں پیر کی روح فنا فی الرسول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نُور میں فنا حاصل کر چکی ہوتی ہے۔ اسی رُوحی فنا میں طالب فنا فی الرسول کہلاتا ہے۔ دراصل یہاں براہِ راست طالب فنا فی الرسول نہیں ہوتا۔ بلکہ پیر کی رُوح میں ضم ہو کر فنا فی الرسول حاصل ہوتا ہے۔ یہی طریق فنا فی اللہ کا ہے۔ یہاں نہ طالب فنا فی اللہ ہوتا ہے۔ نہ پیر فنا فی اللہ ہوتا ہے بلکہ پیر کی رُوح نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا ہو کر خود کو گم کرتی ہے۔ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح میں ضم ہو کر رسول بن جاتی ہے۔ ایسی صورت میں خود رسُول فنا فی اللہ ہوتا ہے۔ چونکہ اس رُوح میں پیر اور مرید کی رُوح بھی شامل ہوتی ہے۔ اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فنا فی اللہ پیر اور

طالب کی فنا سے بھی تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ اس فنا سے حق الیقین کا مقام حاصل ہو کر حقیقت کی تحقیق کے ساتھ اسماء و صفات ذات الٰہی کی تحقیق و علم کے ساتھ تصدیق بالقلب کا عمل پورا ہو جاتا ہے۔

ایک ولی کی اکملیت اسی صفت سے متصف ہوتی ہے، کہ وہ بالفنا حقیقت کا ادراک مشاہدہ حق الیقین کے ساتھ رکھتا ہے تب ہی کسی ولی کے دعویٰ کی کوئی حقیقت ہو سکتی ہے کہ ایسا ولی کسی طالبِ حق کو حق الیقین کے ساتھ معرفتِ الٰہی کی تکمیل کرا سکتا ہے ۔ یہ امر بسا مشکل ہے۔ اس کے لیے شدید محنت کٹھن مجاہدات اور رجُب کی ضرورت ہے۔ ایسا ہی ولی صاحب کرامت ولی حقیقتاً ولی کہلانے کا مستحق ہے۔ ورنہ ناسوتی کرامات ولی کی ولایت کی دلیل۔ کچھ معنی نہیں رکھتی۔

ان ہی خصوصیات کے ساتھ حضور قبلہ عالم کے مشاہدات۔ اور کمالات متعلق ہیں ـــــ جن میں مقامِ فنا کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ اسی اصول اور طریق پر سلسلہ اویسیہ میں منازل فقر کے مراتب حاصل کیے جاتے ہیں۔ اور ان کا مشاہدہ عین الیقین اور حق الیقین کے ساتھ ہوتا ہے سلسلۂ اویسیہ میں ابتدائی مشاہدہ میں اوّل منزلِ فقر اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اسے عالم ملکوت کا ابتدائی باب بھی کہا جاتا ہے ـــــ اس سے قبل عالمِ ناسوت کی اکتالیس منزلیں بھی نورانی عالم کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن ان منزلوں کا مشاہدہ رُوحِ حیوانی سے ہوتا ہے۔ رُوحِ حیوانی کے مشاہدہ کے لیے بلا شرط۔ اتباعِ شریعت صرف عام حیثیت میں رات جاگنا فاقہ رکھنا ـــــ یا جسم پر فاقہ یا محنت سے شدت ڈالنا یا اس کے علاوہ کسی انسان میں پیدائشی طور۔ رُوحِ حیوانی کا لطیف ہونا کافی ہوتا ہے۔ جس تزکیہ سے ہر انسان بلا تمیز مذہب و شریعت صاحبِ مشاہدہ ہو کر عالمِ ناسُوت کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اکتالیس منزلوں کے بعد ابتدائی عالم ملکوت میں۔ اوّل اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس جس حجرے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت مقدس ہے۔ بجائے تربت نظر آنے کے ایک وسیع اجلاس نظر آتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت نشین ہوتے ہیں۔ اور آگے دو رویہ قطاریں

وقت کے مقرب اولیاء کرسی نشین ہوتے ہیں ـــــ اسی طرح ـ دریائے توحید ـ عرش تحت الثریٰ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر مقام پر ایک اجلاس کی صورت میں تخت نشین ہوتے ہیں ـ اور آپؐ کے ساتھ وقت کے مقرب اولیاء ـ اور قطب بھی کرسی نشین ہوتے ہیں ـــــ جن کیفیات کا یہاں ذکر ہُوا ـــــ یہ سب مقام حضور قبلہ عالم کے ادنیٰ و اعلےٰ مریدوں کو بہت قلیل مدّت میں حاصل ہوتے ہیں ـ بلکہ آپ کے اکثر مرید ذاتِ الٰہی کے مشاہدہ و معرفت تک کامل مکمل ہوتے ہیں ـ یہ صفت و خصوصیت بہت کم فقراء کو حاصل ہے ـ جہاں تک حضور قبلہ عالم کی ولایت کا تعلق ہے ـ آپ مرتبۂ صدیقی پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تخت کے دائیں طرف مرتبۂ قطب الاقطاب پر فائز ہیں ـ اور جو احکام حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے نافذ ہوتے ہیں وہ حضور قبلہ عالم کے ذریعہ باقی اقطاب کو دیئے جاتے ہیں ـ اِس سلسلہ میں (جب حضور قبلہ عالم کو عالی جاہ حضرت سیّد محمدؒ نورالزمان شاہ صاحب قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت عطا ہُوئی) حضرت قبلہ نے اپنا ایک مشاہدہ بیان فرمایا کہ آپ کو ایک خاص مقام پر پیش کیا گیا ـ وہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مرتبہ قطب الاقطاب عطا کرنے کے لیے ـ فقراء کا معائنہ کیا ـ اور جب آپ کا معائنہ کیا ـ تو فرماتے ہیں ـ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے سرِ مُبارک پر ایک دُوربین لگا کر دیکھا ـ تو آپ کو بھی نظر آیا ـ کہ دُوربین میں قطب الاقطاب لکھا نظر آ رہا تھا ـ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کو قطب الاقطاب کے مرتبہ پر فائز فرمایا ـــ

ایک روز میں حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر قدم بوسی کے لیے جا رہا تھا میرے ساتھ کئی ایک دوست بھی تھے ـ جنگل میں چلتے ہوئے میرے دل میں اچانک ایک خیال پیدا ہُوا کہ مجھے حضور قبلہ عالم کے قطب الاقطاب ہونے کے بارے میں مشاہدہ ہونا چاہیئے ـ حضور کی خدمت میں پہنچ کر قدم بوسی کی ـــــ چائے پی رہے تھے کہ پھر یہ خیال پیدا ہُوا ـ حضور میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ـ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ میں نے بے ساختہ عرض کی ـ بلیٰ! وَلٰکِنْ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ـــــ نماز ظہر کا وقت تھا ـ حضور نے نماز پڑھائی ـ نماز کے بعد مجھے مراقبہ کرنے کا حکم ہُوا ـ دس منٹ کے اندر مَیں نے مشاہدہ کیا ـ کیا دیکھتا ہوں ـ کہ آستانہ عالیہ

پر وائرلیس لگا ہُوا ہے۔ اور دُنیا کے تمام ممالک کے جھنڈے اس پر لہرا رہے ہیں اور ہر جھنڈے کے ساتھ وائرلیس سے ایک ایک تار جڑا ہُوا ہے۔حضورؒ آستانہ عالیہ میں صدارت کی کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ اور سینکڑوں آدمی مختلف ممالک سے پیغامات وصول کر رہے ہیں۔میں نے اپنی دانست میں کسی پیغام میں ردوبدل کرنا چاہا۔ اُسی وقت حضور نے آواز دی کہ بس کرو۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اِس سلسلہ میں ایک بار میں نے وصال سے چند دن قبل حضور سے دریافت کرنا چاہا۔ کہ حضور کے بعد یہ مرتبہ کس خوش نصیب کو عطا ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا۔ "جیسے آسمان پر دو آفتاب نہیں ہو سکتے۔" اِسی طرح زمین پر دو قطب الاقطاب نہیں ہو سکتے ــــ امام صاحب (امام مہدی علیہ السلام) چارج لینے کے لیے منتظر بیٹھے ہیں۔ اور ہمیں ولایت صرف اسی لیے ملی تھی۔ کہ ان کے ظہور کے سلسلہ میں انتظامات مکمل کر لیں۔ اب وہ انتظام پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اس لیے ہمارے بعد قطب الاقطاب سوائے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے کوئی نہ ہوگا۔

اقطاب کی مجلسِ مشاورت

جاننا چاہیئے کہ طریقت میں قطبیت کے مراتب ولایت کے مراتب نہیں بلکہ یہ مراتب مخصوص ہیں۔ دراصل طریقت کے مراتب میں ولی کے تین درجے ہیں۔ ولی کامل۔ ولی مکمل اور ولی اکمل (اِس کی تفصیل پہلے آچکی ہے) ولی اکمل کی صفت یہ ہے کہ وہ ذاتِ الٰہی کی معرفت میں اکمل ہوتا ہے اور طالبانِ حقیقت کے لیے راہنمائی کرتا ہے ــــ اس کے مقابل قطبیت چند مخصوص مراتب ہیں جو تمام اولیاء میں چند مخصوص ہستیوں کو دیئے جاتے ہیں۔ ان میں یہ ضروری نہیں۔ کہ ولی قطب کہلاتا ہو ــــ یہ مراتب اولیاء اُمت میں صرف ان مقبول و مخصوص ہستیوں کو ملتے ہیں۔ جو علم القرآن و حدیث و فقہ اور انتظام دینوی میں بدرجہ کمال فہم و تدبیر کے مالک ہوں ــــ ان اولیاء کا تعلق ایک خاص مجلس سے ہوتا ہے جسے مجلسِ مشاورت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ مجلسِ مشاورت اس مجلسِ مشاورت سے مشابہ ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ نے قائم کی تھی۔ یہ ظاہری مجلسِ مشاورت کہلاتی ہے۔ اِس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی مجلسِ مشاورت بھی قائم ہے۔ مجلسِ مشاورت

دریائے توحید کے اجلاس دوئم میں قائم ہے۔ اِس مجلسِ مشاورت کے ارکان حضرت ابنِ عربی نے گیارہ بتائے ہیں۔ ان میں

اوّل ولی۔ قطب الاقطاب کہلاتا ہے — حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تخت کے دائیں طرف اوّل اجلاسِ محمدّی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں مرتبہ صدیقی پر فائز ہوتا ہے۔ ولایت کے مرتبہ میں اس کا ولی اکمل ہونے کے ساتھ قرآن و حدیث۔ فِقہ و دیگر علوم اور امورِ دنیوی میں فہم و تدبّر کا بدرجہ اولیٰ حامل ہونا شرط ہے۔

دوئم۔ قطب العالم۔ قطب العالم کا ولی مکمّل ہونا شرط ہے۔

سوئم۔ قطب الارشاد۔ قطب الارشاد کا بھی ولی مکمّل ہونا شرط ہے۔

قطب الارشاد۔ قطب الارشاد تیسرے درجہ کا قطب ہوتا ہے اِس کے لیے بھی ولی مکمّل ہونا شرط ہے۔ اِس کے علاوہ قرآن وحدیث و فقہ کا بدرجہ اولیٰ حامل ہونا بھی شرط ہے۔ اور جب قطب الارشاد امّت میں درسِ قرآن وحدیث اور تبلیغ دین کے اجرا کرنے کی خصوصیت پائے تو اُسے غوث کا خطاب دیا جاتا ہے۔ غوث سے مراد تبلیغ دین کرنے والا۔

چہارم قطب مدار — پنجم قطب سلاطین — ششم قطب الاوتاد — ہفتم قطب الابدال — یہ سات قطب ہیں۔

اِس کے علاوہ قطب الارشاد چار ہوتے ہیں اور ایک قطب القلندر کہلاتا ہے اس حساب سے قطب گیارہ ہوتے ہیں۔ ان اقطاب کے علاوہ مجلسِ مشاورت سے منسلک اوتاد۔ ابدال بھی ہوتے ہیں۔ جو قطب الابدال کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ان گیارہ اوتاد سے علاوہ۔ باقی اولیاء کے لیے قطب ہونا مراتب مرتبۂ ولایت میں شرط نہیں۔ ہر ولی ولی ہوتا ہے۔ ابدال۔ غوث یا قطب نہیں کہلاتا۔ ہر جمعرات کی رات سے دوپہر جمعہ تک دریائے توحید کے دوئم اجلاس محمدّی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں اقطاب جمع ہوتے ہیں۔ جنہیں امورِ دنیوی سے متعلق احکام دیئے جاتے ہیں۔ جن احکام کے تحت دُنیا کا نظام چلتا ہے۔ یہ احکام ہر سال لَیْلَۃُ الْبَرَاۃِ میں لوحِ محفوظ سے آسمان سوئم پر نازل ہوتے ہیں اور لَیْلَۃُ الْقَدْرِ میں دوئم اجلاسِ محمدّی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیش

ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب جمعہ کو ان اقطاب میں احکام تقسیم کرتے ہیں۔ یہ احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم قطب الاقطاب کو دیتے ہیں۔ قطب الاقطاب دوسرے قطبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

بلاشبہ حضور قبلہ عالم مرتبہ صدیقی پر فائز تھے ـــــ سلسلہ اویسیہ کے مریدوں میں حضور قبلہ عالم کی ذات والا سے نسبت رکھنے والا ہر مرید حضور کو ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے دائیں طرف کرسی نشین دیکھتا رہا۔ اس حیثیت میں حضور قبلہ عالم کو وراثت حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے محبوبیت کا مقام عطا تھا۔ نیز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی نسبتِ قادری سے وراثت میں "سوال" عطا تھا۔ کہ آپ کی ہر سفارش کو دربارِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں شرفِ قبولیت ملتا رہا۔ اسی نسبت سے حضور قبلہ عالم کے مریدوں کو بھی شرفِ قبولیت عطا تھا۔ کہ ان کے ہر مطالبہ کو قبول کیا جاتا۔ آپ کے مریدوں میں کسی کا سوال رد نہ ہوتا تھا۔ گزشتہ باب میں اس کی چند مثالیں بیان کی گئیں۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط ـــــ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج

کون ہے جو سفارش کر سکتا ہے۔! مگر جسے وہ اللہ اجازت دے! کوئی بھی اِس کے اسرارِ قدرت پر احاطہ کر نہیں سکتا ـــــ جسے چاہے اس کا علم دے ـــــ یہی ہیں وہ مقدس ہستیاں جنہیں وہ اذن دیتا ہے۔ جنہیں سوال عطا ہوتا ہے ـــــ جنہیں اپنی معرفت عطا کرتا ہے۔

وَ اَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ
وَ قَلَّدَنِیْ وَ اَعْطَانِیْ سُؤَالِ

یہ مقام محبوبیت ہے۔ جو اولیاء کرام کو عطا ہوتا ہے۔ انہیں کی نسبت سے شفاعت ملتی ہے ـــــ یہ تصور غلط ہے کہ ولی گناہوں کی مغفرت نہیں کر سکتا کہ کوئی کسی کی مدد آخرت میں نہیں کر سکتا ـــــ! ـــــ ایسا نہیں۔ بلکہ اولیاء کاملین کو مقام محبوبیت میں اس کا اذن دیا جاتا ہے ـــــ

دعویٰ طریقت میں ایک شخص کا صاحب ایمان — ولی اکمل ہونا ضروری ہے اور طالب کے لیے ولی سے بیعت کرنا — اور ولی سے نسبت قائم کرنا ضروری ہے — جیسا کہ قرآن نے بیان کیا۔ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ ۔جس نے بیعت کے بعد اپنا عہد پورا کیا — وہ عہد کیا ہے؟ — قرآنی احکام پر بہ تمام و کمال عمل پیرا ہونا — تقویٰ حاصل کرنا — اور طریقِ سُنّت کے مطابق ولی اکمل کی بیعت میں بمنزلہ اولی الامر ولی کی حُب میں اپنی جان — اپنا مال — اپنی اولاد — اپنے ماں باپ کی محبت قربان کرکے اپنی تمام خواہشات قربان کرکے صرف ولی کے حکم پر ہر لمحہ تعمیل کے لیے مستعد رہنا ہے۔ ہاں یہاں پر وہم ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کے حکم کے مقابلہ میں ایک انسان کے حکم کی تعمیل اور محبت شرک سے تعبیر ہو سکتی ہے۔ مگر قرآن کے انداز بیان سے یہی کیفیت واضح ہوتی ہے کہ

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۱)

ان سے کہہ دیجئے کہ جو میں نے بیان کیا کہ اللہ کی محبت تمام شے کی محبت پر مقدم ہے۔ مگر میرے نزدیک اس محبت کا اظہار ایسے ہوگا کہ اگر تم اللہ سے محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔ ان ہی سے تمہیں محبت کرنے کا سلیقہ مل سکے گا۔ پھر جو اللہ سے محبت کرنا چاہتا ہو۔ وہ میرے محبوب سے محبت کرے۔ تو اس آداب محبت کے سوا کوئی بھی میری محبت کو پورا نہیں کر سکتا — پھر محمد رسول اللہ کائناتِ عالم کے محبوب اور میرے محبوب ہیں اِس لیے اِسی ذات کی محبت کو دل میں جاگزیں کرو۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ (پارہ ۱۱، سورۃ ۹، آیت ۱۰۰) اِس جذبہ محبت و ایثار سے میں راضی ہوں گا۔ اِس جذبہ محبت کے صلے میں میں اسے بے شمار انعامات و تجلیات سے نوازوں گا کہ وہ مجھ سے خوش ہو گا۔

اور پھر اَطِیْعُوا اللّٰهَ — وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۔رسُول تو تمہیں میرے ہی احکام کا حکم دیتا ہے۔ مگر اس کا اپنی ذات سے حکم دینا مسلم ہے کہ تم اسی کے حکم کے مطابق میرے حکم کی تعمیل کرو — جب تک تم رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت نہ کرو میری اطاعت تک

پہنچ نہیں سکتے اس لیے حکم کے ساتھ تم پر رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی اصل عمل ہے ــــ اس کے بعد رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اُمَّۃً وَّسَطًا۔ اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حکم دیتے ہیں۔ ان کا اپنا کوئی حکم اس میں شامل نہیں لیکن یہ بھی تو حکم دیتے ہیں کہ اللہ اور رسُولؐ کی اطاعت کرو۔ یہ بھی حکم میں شمار ہوتا ہے۔ انہیں میں نے اولی الامر کا خطاب دیا ہے۔ ان کا حکم بھی مانو۔ یہ اِس لیے کہ ہر زمانہ میں ان کا وجود موجود ہوگا ــــ انسانی خاصیتیں ــــ خیالات ــــ جسمانی ہئیتیں بدلتی رہتی ہیں۔ اِن کیفیتوں کے مطابق تمہیں اصلاح کی ضرورت ہوگی یہ میرے ولی "دوست" کہلاتے ہیں۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ

(پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۵۷)

یہ اللہ و رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبول و محبُوب ہیں۔ ان کی اطاعت تم پر واجب ہے لہذا ان ہی کی اطاعت میں تمہیں اللہ اور رسُول سے محبت کے آداب میسّر آسکتے ہیں۔ ان سے حُب قائم کرو ــــ ان کی اطاعت کرو۔ ان سے ہدایت و معرفت حاصل کرو۔ لہذا بغیر اولی الامر ولی کی اطاعت و راہنمائی کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی حُب کامل نہیں ہو سکتی نہ اللہ کی حُب کامل ہوسکتی ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ کہ طریقت و شریعت بغیر اولیاء کاملین کے اطاعت و محبّت کے کامل نہیں ہوسکتی ہے۔ نہ کوئی حصولِ حق میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ حصولِ حق ہر مرد۔ اور ہر عورت کے لیے فرض ہے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ جب ولی اکمل سے عہد کرو تو فیصلہ کرو کہ ہم کو اپنی جان و مال اور ہر شے کی محبت سے دستبردار ہونا ہے۔ پھر عہد کرو پُورا۔ کہ ولی اکمل سے سوائے معرفتِ حقیقی دُنیا کی کسی شے کی توقع نہ رکھو ــــ نہ طلب باقی رکھو ــــ حضور فرماتے ہیں کہ ولی سے نسبت کے بعد ولی کی محبت رکھو۔ محبت و نسبت و قرب قائم رکھو۔

اصُولِ طریقت

اصولِ طریقت میں ابتدائی پرہیز یہ ہے۔ (۱) کم کھانا (۲) کم کلام (۳) کم نیند۔
پھر تلاوت قرآن اس پرہیز سے مشاہدہ کلام پاک حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد تصور
یکسوئی اپنا دائمی شعار بناؤ۔ اِس سے تمہیں اسرارِ الٰہی کی معرفت حاصل ہو گی۔ طریقت میں
بہتر طریقہ حصولِ معرفت اولی الامر کے لیے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ انور کا تصور
ہے اور "الناس" — طالبانِ حق کے لیے اولی الامر۔ اولیائے کاملین کا تصور ضروری ہے
بغیر اس تصور کے معرفتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم۔ معرفتِ الٰہی کے اور کوئی راہ نہیں۔ حضور
فرماتے ہیں۔ بغیر اولی الامر کی صفت کے نہ کسی شخص کو عالم۔ یا عالم اُمت کہلانے کا حق ہے
نہ ولی ہونے کا دعویٰ کرنے کا حق ہے۔ جو شخص بغیر صفتِ ولایت فقر کا دعویٰ کرے۔ وہ
خود کو دھوکہ دیتا ہے۔ اور مخلوق کی گمراہی کا ذمّہ دار ہے — کسی شخص کو اپنے علم پر
فخر نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ علم بغیر مشاہدہ حقیقی کامل نہیں — کسی شخص کے لیے
ولایت کا دعویٰ جائز نہیں۔ ولایت کے دعویٰ سے مراد۔ کہ اسے معرفتِ ذاتِ الٰہی۔ اور
معرفتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہے — حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا جو شخص ہم پر جھوٹ بولے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لہٰذا طالبِ حق کے لیے لازم ہے کہ
وہ معرفت کے لیے حقیقی عالم اُمت اور ولی اکمل سے بیعت کرے — ہاں ولی کی شناخت
ضروری ہے — اس شناخت کا آسان طریقہ یہ ہے — اس کے دعوے کے ثبوت میں
اس کے مریدوں میں ولی مکمل ہونا ضروری ہیں — ولی مکمل سے مراد وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ
کا دیدار عطا ہو اگر یہ نہیں تو اس کے مریدوں میں ولی کامل ضرور ہوں ولی کامل سے مراد
جسے اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب
ہو — اس کے سوا عالم ناسوت میں اکتالیس منزلوں میں بھی انوار کے مشاہدات ہوتے ہیں
مگر یہ مقامات ولایت کے مدارج میں شامل نہیں ہیں۔ اِن مقامات میں بے شمار نورانی کیفیات و
عجائبات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ کیفیات ماورئی ادراک اور ما فوق العقل تصور کیے جاتے

ہیں۔ بعض اوقات ان مقامات میں ایک شخص کو مافوق الفطرت کرامات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن ایسا شخص ولی کہلانے کا حقدار نہیں لہذا ایسے شخص سے نسبت رکھنا یا بیعت کرنا لازم نہیں۔ ایسے لوگ تزکیہ و مجاہدہ کرتے ہیں اور یہ مقامات حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ ان کو ولی اکمل سے بیعت نہیں ہوتی ہے یا اگر ہو بھی تو یہ لوگ اصولِ طریقت کے مطابق اپنا عہد پورا نہیں کرتے۔ اِن کے دلوں میں حصولِ دُنیا کی خواہش باقی رہتی ہے۔ اِس لیے انہیں مقامات ولایت۔ زیارتِ رسُول یا اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ اِس لیے ایسے لوگ ولایت کے زمرہ میں نہیں آتے ہیں نہ ان کی بیعت جائز ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ خالی علم۔ قرآن و حدیث پر عبور۔ ترجمہ تفسیر اور دیگر علوم پر عبور و کمال حاصل کرنا کوئی درجہ ولایت نہیں جب تک کہ قرآنی اصول کے تابع ــــ تزکیہ و مجاہدہ اور صاف اور خالص نیت پر حقیقی مشاہدہ ــــ عالم ملکوت نہ ہو کیونکہ عالمِ ملکوت میں اوّل اجلاسِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلّم میں زیارتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم حاصل ہوتی ہے۔ بغیر راہنمائی ولی اکمل بغیر توجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ایک عالم اجل بھی شیطان سے دھوکہ کھا سکتا ہے ــــ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلِیْ۔

شیطان ہماری شکل بنا کر مومن کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اِس لیے کہ اس ناری قوت میں ہماری شکل بنانے کی طاقت نہیں۔ البتہ عالمِ ناسُوت میں ایسی تجلیات پائی جاتی ہیں۔ جو اگر کسی کے مشاہدہ میں آئیں تو وہ لاعلمی کے باعث ایسی کیفیات کو اللہ کا نور سمجھ کر۔ غلط تصور باندھ لیتا ہے۔ عالم ناسوت ناری عالم سے تعبیر ہے چونکہ شیطان ناری ہے لہذا ایسے انوار کی شکل بنا کر انسان کے دل میں غلط تاویلات ڈال کر گمراہ کر سکتا ہے ــــ لیکن جب انسان عالم ملکوت میں داخل ہو تو درود شریف پڑھتے وقت اور پیر اکمل کی راہنمائی میں اس کے قلب پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم طاری ہوتا ہے ــــ ایسے قلب پر نہ شیطان اثر انداز ہو سکتا ہے۔ نہ اللہ کا مصنوعی نور بنا کر گمراہ کر سکتا ہے۔ اِس لیے عالم کیلئے ۔ مشاہدہ اجلاسِ

محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ ورنہ اِس کا علم اس کے لیے حجاب اکبر بن جاتا ہے۔ ایسے ناسوتی کراماتی فقیر کی نسبت اور بیعت لازم نہیں۔ ان آداب کو طریقت میں آدابِ مرشدی میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

آدابِ مُرشدی

جیساکہ آدابِ طریقت میں ولی اکمل کی خصوصیات بیان ہوئیں ایک ولی اکمل مرشد کے لیے ان صفات کا حامل ہونا ضروری ہے — اور جہاں تک ایک طالب حق — اور ولی اکمل پیر و مرشد کا تعلق ہے — کہ ولی اکمل کے لیے حضور محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کامل نمونہ۔ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ہونا ضروری ہے۔

ولی کے لیے۔ اولی الامر کی حیثیت میں صاحبِ علم ہونا ضروری ہے کیونکہ فقیری بغیر علم بے زینت لباس کے مانند ہوتی ہے۔ اِسی طرح علم بغیر فقیری بے بصر سوار کے مانند ہوتا ہے۔ ولی کے لیے اکلِ حلال — اپنے ہاتھ سے کمایا ہُوا رزق حاصل کرنا لازمی ہے۔ بغیر حلال روزی قلب منور نہیں ہو سکتا۔ قلب منور نہ ہو تو نہ عقل کامل ہو سکتی ہے۔ نہ حقیقت کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ ولی کے لیے اخلاقِ حسنہ کا مجسمہ ہونا نہایت ضروری ہے — ولی کشادہ دل اور کشادہ رو بھی ہونا چاہیئے تاکہ ہر شخص ولی کی شخصیت سے متاثر ہو کر حق کی طرف آمادہ ہو۔ ترش روئی انسان میں بجائے قبولیت کے نفرت کا جذبہ پیدا کرتی ہے جس کی وجہ سے انسان حق سے دُور ہو جاتا ہے۔ ولی اپنے مریدوں سے خلوص اور شفقت سے پیش آئے — جب کہ مرید اسے ہر شے سے عزیز رکھتا ہے — اسی طرح ولی بھی اپنے مرید کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آئے۔ کیونکہ مادی رشتہ سے روحانی رشتہ قریب اور پائیدار ہوتا ہے — ولی کے لیے ایک مسنون وصف کا ہونا لازم ہے وہ یہ کہ وہ اپنے مرید کے خیر و شر میں برابر کا شریک رہے — اور مشکل وقت میں ظاہری و باطنی حیثیت میں اپنے مریدوں کا معاون اور مددگار ثابت ہو — اِسی پر اکتفا نہیں بلکہ ہر مخلوقِ انسانی کے لیے اس کے دل میں جذبہ ایثار قربانی موجود ہو — ولی کے لیے دست دراز

کرنا جائز نہیں بلکہ اس قدر خود کفیل ہو کہ وہ زکوٰۃ وصدقات سے محتاجوں کی امداد کرے۔

اپنے نادار۔ اور غریب مریدوں سے باخبر رہے کہ۔ان کی ضرورتوں کی فراہمی میں دلچسپی اور معاونت ایک ولی کا فریضہ ہے۔ کیونکہ مرید اپنے آپ کو تمام خواہشات ترک کرکے حصولِ حق کی خاطر بیع کرکے اپنے پیر کی رضا کا تابع رہتا ہے۔ لہٰذا ولی اپنی اولاد کی طرح اپنے مریدوں کی آسائش وآرام کا خیال رکھے۔ ولی کے لیے لازم ہے کہ وہ اجراء طریقت میں کشادہ دل ــــ اور وسیع فیض رسانی کا حامل ہو ــــ اپنے مرید کی کوتاہی پر غضبناک نہ ہو بلکہ درگزر سے کام لے تاکہ مرید اس کی تربیت وطور طریق سے اس قدر متاثر ہو کہ وہ اپنا ظاہر وباطن اس کے سامنے رکھے۔ ولی اپنے غریب اور امیر مریدوں پر یکساں نظر رکھے بلکہ عملی اعتبار سے مراتب کے لحاظ سے ــــ غریب کی عزت افزائی کرے تاکہ اس شخص میں عملی جدوجہد کا جذبہ پیدا ہو اور امیر کو صرف ظاہری برتری پر بیجا فخر کرنے کا موقع نہ ملے۔ اس میں عجز اور فروتنی کی خو پیدا ہو ــــ ولی کے اوصاف میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے مریدوں کی احوال پُرسی کے لیے جائے تو امیر کے مقابلہ میں غریب مرید کے پاس قیام کرے اور غریب کی دعوت کو اوّلیت دے ــــ لازم ہے کہ جب پیر کسی غریب کے گھر مہمان ہو ــــ ہر غریب وامیر اس کے مہمان ہوں گے۔ ایسی صورت میں پیر کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی ذات سے تحائف لے کر جائے۔ اپنی گرہ سے مرید کی مدد روپیہ وغیرہ سے کرے تاکہ مرید پر پیر اور مہمانوں کی مہمانداری کا گراں بوجھ نہ پڑے۔

اِسی طرح ہر مرید اپنے پیر بھائی کے لیے جذبہ محبت وہمدردی پیدا کرے اس کی امداد کا احساس پیدا ہو۔ پیر کے لیے لازم ہے جب کوئی مرید دعوت دے تو اپنی خدمات کے اہتمام میں مرید پر تکلفات کا زیادہ بوجھ نہ ڈالے بلکہ جو کچھ مرید سے میسّر ہو اسے بخوشی قبول کرے۔ ایسے موقع پر مرید کی استطاعت کے مطابق تعداد میں مریدوں کو دعوت میں شریک کرے تاکہ ضرورت سے زیادہ مہمانداری کا بوجھ محسوس کرکے دل تنگ نہ ہو کیونکہ فراوانی اور استعداد سے باہر تکلفات سے نفرت اور دُوری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

پیر کے لیے لازم ہے کہ وُہ اپنے مرید کی ہر جائز اور مناسب استدعا کو خندہ روئی سے

قبول کرے۔ جائز استدعا پر مرید کی مدد کرے اور اگر ناقابلِ قبول استدعا ہو تو پیر کیلئے لازم ہے کہ وہ حسن و خوبی کے ساتھ مرید کو سمجھا کر اس سے باز رکھے۔ بیعت کے بعد مرید اپنے پیر کا محتاج ہو جاتا ہے۔ اس لیے پیر اپنے مرید کی احتیاج کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اِس لیے حصولِ معرفت میں مرید کی اصلاح کے لیے فکر رکھے ___ اور اس کی ہر قدم پر کامیابی کے لیے اپنی پوری قوت صرف کرے تاکہ ہر مرید کامیابی سے ہمکنار ہو ___ یہ تب ہی ہوسکتا ہے، جب ولی اکمل ولایت کی جملہ خصوصیات سے متصف ہو ___ ورنہ اگر ولی کو ولی اکمل کا درجہ حاصل نہیں تو کسی شخص کی اس کے مقصد حقیقی معرفتِ الٰہی کی ذمہ داری قبول نہ کرے۔ ورنہ ایسے شخص کو روزِ حشر میں۔ اللہ کے محاسبہ پر ذلت و رسوائی کا سامنا ہوگا۔ اور ایک محروم مقصد کے گناہوں کا بار اس کے سر ہوگا۔ ان آداب پیری کا ایک داعیِ طریقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ خود آداب مرشدی کے متعلق خیال فرماتے۔ آپ کسی مرید پر ضرورت سے زیادہ بار نہ ڈالتے۔ آپ نے کسی کے آگے کوئی فرمائش نہ کی نہ کسی مرید سے کسی امداد یا خدمت کا خیال فرمایا۔ شہر سے اپنی ضرورت کی اشیاء اپنی گرہ سے خرید کر لے جاتے بلکہ کسی شے کے خریدنے میں کسی مرید کو بازار جانے کے لیے زحمت نہ دی۔ حضور کی طبیعت حد درجہ اعتدال پسند تھی ___ آپ اپنی آمد پر کسی خاص اہتمام میں تکلف برتنا پسند نہ فرماتے۔ حضور شہر تشریف لاتے تو پہلے محمد حنیف صاحب کے گھر قیام فرماتے اور اس قیام پر شہر کے مرید اسی جگہ حاضری دیتے۔ اور دنوں یہاں مجلس رہتی۔ محمد حنیف صاحب اور ان کی والدہ حد درجہ مہمان نواز اور حضور کے عقیدت مند تھے۔ صبح و شام جتنے مہمان گھر میں موجود ہوں ۔سب کے لیے کھانا بھیجا جاتا۔ حضور کی تشریف آوری پر کشادہ دلی سے مہمانداری کرتے۔ حضور تمام مہمانوں میں مل کر کھانا کھاتے۔ آپ اپنے لیے علیحدہ کھانا پسند نہ فرماتے۔ حضور قبلہ عالم اپنے کسی مرید کے مہمان ہوتے تو شدت سے تنبیہ فرماتے کہ کسی قسم کی فراوانی یا تکلف نہ کیا جائے۔ بلکہ حسب معمول جو کچھ گھر میں موجود ہوتا بخوشی تناول فرماتے ___ بارہا ایسا ہُوا کہ حضور رات کو ہمارے ہاں تشریف لائے۔ اور ہم (ڈاکٹر محمد رمضان)

نے ان کے کھانے کا انتظام کرنا چاہا مگر حضور نے منع فرمایا اور کہا تکلف کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر صاحب! چائے کی ایک پیالی اور جو کچھ روٹی گھر میں موجود ہو کافی ہے اور بے تکلف کھانے پر بے حد مسرت کا اظہار فرماتے۔ حضور قبلہ عالم کا شہر تشریف لانا محض اپنے مریدوں کی خیر و عافیت دریافت کرنا اور ان کی مہموں میں ان کی راہنمائی کرنا ہوتا۔ جب بھی حضور اپنے گھر سے کسی جگہ جاتے تو اپنی گرہ سے سفر خرچ ادا کرتے اور واپس جاتے تو کسی سے کوئی مطالبہ نہ کرتے اور اس توقع سے بے نیاز تھے کہ کوئی مرید کچھ نذرانہ پیش کرے۔ حضور قبلہ پر اللہ کا فضل اس قدر تھا کہ ان کو کسی قسم کی محتاجی نہ تھی۔ اپنے اور تمام کنبہ کے اخراجات زمینداری کر کے پورا کرتے۔ خورد و نوش کا تصرف غلہ سے ہوتا۔ زائد غلہ حاجت مندوں اور مسکینوں اور اپنے عزیزوں کو بھیج دیتے۔ کسی بھی جگہ یہ ثابت نہیں کہ آپ کسی مرید سے کچھ لینے یا حاصل کرنے جاتے یا کچھ فرمائش کرتے۔ یا کسی مرید کے گھر اس خیال سے جائیں کہ

نظرِ شان برانیکہ آید مرغ کے
تا نیا شد خالی از حلوئے شبے

کسی نے اگر از روئے محبت تکلف کیا تو قبول فرمایا کسی نے سادہ غذا سے نوازا تو زیادہ مسرت کا اظہار کیا۔

اہلِ حدیث حضرات کے سوال کا جواب

حضور کی شہرت سری نگر میں عام ہو چکی تھی۔ لوگ جوق در جوق آپ کی ملاقات کے لیے آتے تھے۔ ایک دن چند اہلِ حدیث حضرات بھی تشریف فرما ہوئے۔ جن میں میرے ایک دوست خواجہ غلام محمد خان ڈپٹی ڈائریکٹر سپلائز پیش پیش تھے۔ انہوں نے انتظام کیا تھا۔۔۔ عصر کی نماز کے بعد ہم ان کے مکان واقع ڈل گیٹ پر چلے گئے۔ گفتگو ہو رہی تھی کہ ان میں سے ایک صاحب نے حیاۃ النبیؐ اور حیاۃ الاولیاء کے لیے سوال پوچھا۔ اور کہنے لگے کہ آپ لوگ مشرکانہ فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے بعد کون زندہ رہ سکتا ہے۔ حضور نے فرمایا آپ لوگوں کی عقلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

اِسی لیے سمجھتے نہیں۔ حضور کا فرمان واضح ہے کہ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیکھا جانا۔ احادیث اور صحابہ کی خوابوں سے بھی ثابت ہے ـــــ یہ حدیث صحابہؓ کو سنائی گئی۔ یہ خطاب صحابہ سے ہُوا ـــــ تو ظاہر ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جب کہ صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح و شام دیکھتے تھے۔ لیکن آپ کو خواب میں بھی دیکھا جاتا تھا ـــــ اور اسی خواب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاگتی حالت میں بھی دیکھے گا۔ اِس سے مراد ـــــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاگتی حالت میں دیکھنے کا اشارہ بالمشاہدہ ہے۔ نیز یہ حدیث صرف صحابہ کے لیے مخصوص نہیں۔ بلکہ آئندہ اُمت کے لیے بھی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خواب میں دیکھنا ثابت ہے۔ اور اسی طرح بجائے نیند میں دیکھنے کے جاگتی حالت میں دیکھنا رُوحانی مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر ایک ولی نیند میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لے تو جاگتی حالت میں دیکھنا بھی لازم ہوتا ہے۔ یہی کیفیت مشاہدہ رُوحانی سے موسوم ہے۔ جو ولی کو حاصل ہوتا ہے۔ ولی کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب اور جاگتی حالت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ لہٰذا یہ ممکن ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی زمانہ میں مشاہدہ کرے۔ اس کیلئے کسی بھی کیفیت کا مشاہدہ کرنا ممکن ہے۔ یہ کیفیت زندگی میں وارد ہوتی ہے۔ جو روح سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا ایک ولی کی رُوحانی حیثیت برزخ میں قائم رہتی ہے۔ اِس لیے ولی زندگی اور موت کے بعد یکساں حالت میں مشاہدہ کر سکتا ہے۔ ہمارا سلسلہ طریقت سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں ایسے ہی ولی کو قربِ الٰہی کا مقام حاصل ہوتا ہے اور ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے۔ کہ سلسلہ کی نسبت سے زیارتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ کے لیے بھی ہمارا دعویٰ قائم ہے ـــــ اگر کوئی شخص آزمائش چاہتا ہے ـــــ تو آزمائشاً بھی اسے دکھا سکتے ہیں۔ حالانکہ اس زیارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے محبت و عقیدت و احترام شرط ہوتا ہے ـــــ آپ بغیر محبت و عقیدت کے بھی چاہیں آپ میں سے جو چاہے اُسے دکھا دیں گے۔ اہلِ حدیث حضرات نے حضور سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر

بحث چھیڑی تو حضور نے فرمایا کہ موت کے بعد قبر میں حساب پر یقین اہل حدیث کے لیے بھی لازم ہے ۔۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ قبر میں ہر انسان سے حساب ہوتا ہے۔ اگر آپ اس حدیث پر یقین رکھتے ہیں تو یہی یقین آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حیات ہونے کی دلیل ہے۔
یہ واضح ہے۔ کہ حساب صرف امت یا صحابہ کے لیے خاص نہیں بلکہ انسان ۔۔۔ یا بشر کے لیے ہے ۔ انسان ۔۔۔ اور بشر تو حضرت آدم علیہ السّلام سے شروع ہوتا ہے ۔۔۔ تو ظاہر ہُوا ۔ کہ حضرت آدم علیہ السّلام اور بنی آدم سے بھی سوال ہو گا ۔ جو آدم سے لیکر قیامت تک کے آخری انسان تک ہو گا ۔۔۔ پھر آپ سے سوال ہے ۔ جیسا آپ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بشر ہیں نور نہیں ۔ تو بشر کی حیثیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے بھی سوال ہو گا ۔۔۔ مَا تَقُوْلُ لِهٰذَا الرَّجُلِ ؟ یہ رجل تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں ۔ تو آپ سے کیا سوال ہو گا ؟ دین تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کا ہے جس کے متعلق سوال ہو گا ۔ مَا دِیْنُكَ کیا دین والے سے سوال ہو گا کہ "آپ کا دین کیا ہے" ۔۔۔ اگر آپ اس سوال سے مستثنیٰ ہیں ۔ تو پہچان لیجئے کہ آپ کی حیثیت کیا ہے ۔ جہاں بشری حیثیت میں تمام انبیاء ۔ آدم ۔ نوح ۔ ابراہیم ۔ اسحاق ۔ اسماعیل ۔ یعقوب ۔ یوسف ۔ داؤد ۔ سلیمان ۔ عیسٰی علیہم السّلام سے سوال ہو گا ؟ کیا انبیاء سے یہی سوال ہو گا ؟ کہ مَنْ دِیْنُكَ ۔ وہ بھی کہیں گے اَلْاِسْلَامُ دِیْنِیْ ۔۔۔ وہ دین کون سا ہو گا ؟ ان کا دین یا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا دین ۔۔۔ اگر ان کا دین ہو گا تو ایسا سوال صاحب دین سے کرنا مبالغہ و بے معنی ہے ۔
سوائے اس کے اگر امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دین سے متعلق سوال ہو گا تو لازم ہے ہر انسان خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ظہور سے قبل ہو ۔ یا بعد ۔ سوال دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق ہو گا ۔۔۔ جو ہر نبی قبول کرے گا ۔۔۔ اس دین کی نشاندہی کرے گا ۔ اور ہر نبی اپنی امت کو بتائے گا ۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۔ یعنی توراۃ اور انجیل کی شکل میں درحقیقت دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کا اجراء ہوتا رہا ۔ ہوتا رہے گا ۔۔۔ ایسی ہستی جو ازلی ابدی ہے ۔ اس کے لیے "حیات" ہونے میں کیا شک ہے ؟ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی

ذاتِ اقدس کو ہر انسان نے پہچان کر جواب دینا ہے۔ ھٰذَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یہ امر حدیث کے خلاف ہو گا۔ اگر ہر اُمّت کو اس کے نبی کے متعلق پوچھا جائے گا۔ وہ کہے گا۔ ھٰذَا نُوْحٌ ۔ ھٰذَا اِبْرَاھِیْمُ۔ مُوْسٰی وَعِیْسٰی۔ یہ امر حدیث کے خلاف ہے۔ اِس حقیقت کو سمجھنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضرو ناظر ہونا یا حیات النبی ہونے میں شک کرنا حقیقت سے لاعلمی اور روگردانی تصوّر ہو گی ——حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ عالم ہونے کی حیثیت میں قرآن پڑھو۔ اس کی حقانیت کو سمجھو یہ کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خود اللہ تعالیٰ نے نازل کی ۔ اور اسے نُوْرٌ مُّبِیْنٌ کہا گیا۔ پھر احادیث کا بغور مطالعہ کرو —— مگر جان لو تم خود اپنی ذات سے علم حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک تمہیں ایک عالم قرآن عربی کے معانی۔ تفسیر نہ بتائے۔ اور بغیر تقلید کے علم حاصل نہیں ہو سکتا —— عالم تم سے کہے (الف) پڑھو تم الف پڑھنے میں ایک عالم کی شخصیت تسلیم کر کے "الف" پڑھتے ہو —— کیا الف کے الف ہونے کیلئے ۔ آپ اپنی ذات سے الف پڑھتے ہو —— ؟ —— یا استاد سے دلیل مانگتے ہو کہ الف کے الف ہونے کی کیا دلیل ہے؟ مگر بغیر دلیل الف پڑھتے ہو —— قبول کرتے ہو —— عالم تمہیں لا کے معنی عجمی زبان میں "نہیں" کہتا ہے۔ تم بغیر "دلیل" نہیں کے معنی قبول کر لیتے ہو —— کیا تم شخصیت کو دلیل نہیں لیتے کہ یہ شخص جو معنی کرتا ہے صحیح کرتا ہے؟ جب تم علم حاصل کرنے میں ایک شخص کی تقلید میں اس کے علم کو حق سمجھتے ہو تو پھر اس کے سوائے تقلید کسے کہتے ہیں —— ؟۔ قرآن نے حقیقت تسلیم کرنے کے لیے —— ہدایت پانے کے لیے اللہ کو تسلیم کرنے کے لیے جب حکم تسلیم کا دیا تو تم اِس تقلید سے انکار کیوں کرتے ہو۔ قرآن نے ابتدائی باب میں پہلے تقلید کا حکم دیا۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ۔

اِس کتاب میں۔ شک نہیں۔ کہ یہ راہ دکھاتی ہے۔ متقیوں کو۔ جو بغیر دلیل مانگے ایک امین و صادق شخصیت کے قول کو بغیر دلیل۔ بغیر حجت تسلیم کرے۔ جو کچھ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کہتا ہے بغیر تحقیق و ثبوت ہم تسلیم ویقین رکھتے ہیں۔ تو اس میں نہ اپنی ذات سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے ــــ بغیر شخصیت کے۔ ایک شخصیت کے قول و فعل پر ــــ بلا تحقیق ــــ بلا ثبوت ــــ بلا دلیل۔ ان باتوں پر یقین کرنا ــــ جو کسی طرح نہ مشاہدے میں آیا ہے ــــ نہ علم میں ــــ تقلید سے تعبیر ہے۔ اِس سے ثابت ہے کہ تم قرآن و حدیث کے سمجھنے میں اس کی تقلید کرو جو تمہیں قرآنی علم کا بالمشاہدہ ادراک کرائے ــــ مگر شرط شخصیت کو بلا دلیل تسلیم کرنا ہے ــــ کیونکہ انسان میں کسی شخصیت کو کسی علم کو اپنی ذات ــــ یا ذاتی قوتِ علمی سے پہچاننا ممکن ہے۔ نہ اس کے پاس کوئی ذریعہ ہے۔ سوائے اس کے خود کو کسی عالم کے پیش کر کے اس کی تقلید کرے۔ اس کے بعد عالم کی شخصیت پرکھنے کا یہی اصول ہے۔ جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔ سچ کر دکھائے۔ اگر اس پہ ایمان ہے تو آئیں ہم دکھائیں گے۔

نورِ مرداں مشرق و مغرب گرفت
تو نہ بینی باش تو بے جان خشت

ایک موقع پر مَیں حضور قبلہ عالم کے ساتھ مدعو تھا۔ مَیں سگریٹ پی رہا تھا۔ کیونکہ حضور قبلہ عالم کی صحبت میں رہ کر آپ کے مرید سگریٹ نوشی کرتے رہتے۔ اہلِ حدیث حضرات بھی اس مجلس میں تھے انہیں میری سگریٹ نوشی پر نکتہ چینی کا موقع فراہم ہوا اور اعتراض کیا کہ ایک طرف آپ سگریٹ پی رہے ہیں دوسری طرف دُرود پڑھ رہے ہیں۔ یہ امر خلافِ شریعت ہے۔ اِس اعتراض کے جواب میں ۔ مَیں کچھ کہنے والا تھا کہ مسجد سے اذان ہوئی اور حضور نے نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ ہم نے ان کی امامت میں نماز ادا کی۔ مگر اہلحدیث حضرات نے نماز نہ پڑھی تو حضور نے ان سے جماعت کے ساتھ یا علیحدہ نماز نہ پڑھنے کا سبب پوچھا۔ ان حضرات نے جواباً کہا کہ آپ کے ساتھ عقائد کا اختلاف ہے اس لیے نماز نہ پڑھی مگر علیحدہ بھی نہ پڑھنے کے لیے ان کے پاس کوئی بھی جواب نہ ملا۔ بلکہ ٹالنے کی غرض سے کہا کہ وضو نہ تھا اس لیے نماز نہ پڑھی۔ حضور نے کہا ایک طرف آپ توحید کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور حدیث پر عمل کرنے والے ظاہر کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہ حال ہے کہ فرض ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہو ــــ ظاہر ہوا کہ تمہارا علم محض بحث و مناظرہ کے لیے

ہے۔ عمل کے لیے نہیں۔ انہوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے مجھ پر حملہ کیا کہ ڈاکٹر صاحب بھی شریعت کے خلاف حقہ تمباکو نوشی کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی بغیر وضو نماز پڑھی۔ ان کے اعتراض پر میں کچھ کہنے والا تھا کہ حضور نے انہیں ان کے اعتراض پر ہی ملامت کی تم لوگ خود کو متقی کہتے ہو ـــ مگر جانتے نہیں کہ مومن ہمیشہ تقویٰ میں رہتا ہے۔ مومن کے لیے ہر وقت با وضو ہونا شرط ہے۔ ڈاکٹر صاحب وضو میں تھے اس لیے انہیں وضو کی ضرورت نہ تھی ـــ باقی رہا ـــ تمباکو نوشی یہ اعتراض۔ برائے اعتراض ہے ـــ آپ کا علم محدود ہے ـــ کتابیں پڑھیں اور گزشتہ علماء کے فیصلوں کی طرف بھی دیکھیں۔ اِسی سلسلہ میں فتاویٰ شامی سے باب صُلْحِ بَیْنَ الْاَخْوَانِ فِیْ اَبَاحِیَتِ الدُّخَانِ کا فتویٰ پیش فرمایا کہ شام میں تمام عالمِ اسلام کے چیدہ علماء وفقہا کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تقریباً چالیس ہزار علماء نے شرکت کی۔ مسئلہ زیرِ بحث یہ تھا کہ آیا دھوئیں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ـــ بعض کا خیال تھا کہ دھوئیں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ دھوئیں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اِس بحث میں کئی دن غور ہوتا رہا۔ بالآخر فیصلہ اس نکتہ پر ہوا کہ کھانا پکانے اور دیگر ضروریاتِ زندگی میں آگ ضروری جزو ہے۔ جس سے انسان دھوئیں میں گھرا رہتا ہے۔ اگر دھوئیں سے پرہیز کیا جائے ـ تو روزمرہ زندگی میں دقتیں پیش آئیں گی۔ اس لیے طے پایا کہ دھواں بذاتِ خود جسمانی حالت کو تقویت نہیں دیتا۔ نہ ہی دھوئیں میں کوئی قباحت ہے۔ اس لیے دھوئیں سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ـــ علاوہ ازیں جہاں تک تمباکو نوشی میں دھوئیں کی قباحت کو سمجھا جاتا ہے۔ اِس دھوئیں میں کوئی مکروہ یا نجس مادہ نہیں جس وجہ سے اس کے استعمال سے آدابِ شریعت میں بے اَدبی ہوتی ہو اور طریقت میں بھی تمباکو پینے سے کچھ فرق نہیں آتا جب کہ طریقت میں نور سے رُوح کا تعلق ہوتا ہے۔ یعنی طریقت میں مشاہدات یا عمل رُوح سے تعلق رکھتے ہیں جس پر دھوئیں سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اِس وجہ سے شریعت و طریقت میں تمباکو نوشی سے کوئی خلل یا بے ادبی واقع نہیں ہوتی۔ دراصل یہ فروعی کیفیتیں ہیں جو بنیادی حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ان کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ کیفیتیں چونکہ بنیادی نہیں اس لیے ان کے جائز و

ناجائز ہونے کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث سے ثابت نہیں سوائے اس کے کہ یہ مسائل فقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ فقہ میں علمائے اُمّت کا فیصلہ مسلم ہے۔ علمائے امت صاحب القا، متقی اور صاحبِ فہم ہوتے ہیں اس لیے ان کے فیصلے حقیقت سے مطابقت رکھتے ہیں جن میں کسی قسم کے فتنہ یا گمراہی کا احتمال نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِتَّقُوْا مِنْ فَرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ

ڈرو مومن کی فراست سے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ فراستِ مومن میں القائے نوری ہوتا ہے اس لیے اس کے فیصلے مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں۔

الغرض ان دلائل کے بعد اہلِ حدیث حضرات کو سوائے فرار کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ کی صورت میں قرآن کا تمام علم اور متشابہات کیفیات کا علم حاصل کرنا — انسان کے لیے فرض اور ضروری ہے — یہی علم قرآن و حدیث سے موسوم ہے — یہی علم — علم ہے — جو وراثتِ انبیاء کی صورت میں علمائے امت کو تفویض ہوتا ہے۔ اسی علم کا اجرا علمائے امت نے کرنا ہے۔

بلاشبہ حضور قبلہ عالم ان جملہ خصوصیات کے حامل علماء امت میں سے تھے۔ آپ نے حقِ وراثت ادا کیا — آپ نے مخلوقِ خدا کو کما حقہٗ اللہ کے دین سے ظاہری و باطنی صورت میں آگاہ فرمایا۔ اور اس امر کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کے مریدوں میں سے کثرت سے لوگ اس علم سے مستفیض ہوئے اور یہ فیض آئندہ بھی جاری رہے گا — ہاں — یہ سُنّتِ الٰہی ہے — انسان ایک وقت ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے — پھر نبی مبعوث ہوتا ہے — اس کے ذریعہ انسان کو ہدایت کا راستہ فراہم ہو جاتا ہے — پھر آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا پر تشریف لائے۔ آپ نے اس علم کو رہتی دُنیا تک باقی رہنے کا سامان فراہم کر دیا کہ آپ کی اُمّت کسی زمانہ میں ہدایت سے محروم نہ ہوگی۔ ہر زمانہ میں علمائے اُمّت کا وجود موجود رہے گا۔ مگر سنتُ اللہ کے مطابق یہ سلسلہ حیات و موت کا جاری رہے گا — ایک آئے گا ایک جائے گا — اسی طرح وقت کے ساتھ

امت کے اولیاء بھی جاتے رہیں گے مگر ان کی ہدایت دو طرح سے باقی رہے گی ——
ایک ولی اپنی ذات سے عالم برزخ میں اسی طرح باقی رہے گا جس طرح عالم دنیا میں
تھا —— دُوسری صُورت ایک ولی کے تابعین میں ولی موجود ہوں گے ۔ حضور قبلہ عالم
کے مریدوں میں مخصوص ہستیاں ۔ جن میں جناب ارسلان خان مرحوم ۔ ایک اولوالعزم ہستی تھے۔
آپ کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہُوا —— مگر وقت آیا ۔ کہ آپ بھی دُنیا سے رخصت ہو گئے۔
راقم ایک دن محمد الیاس خان صاحب کے ساتھ قصبہ سوپور جا رہا تھا ۔ بس پر سوار
ہوتے ہی ارسلان خان صاحب سامنے ظاہر ہوئے —— اور فرمایا ۔ میں گھر میں تمہارا انتظار کر
رہا ہوں ۔ وہ مجھ سے بے حد اُنس رکھتے تھے ۔ میں نے الیاس صاحب سے کیفیت بیان
کی کہ خان صاحب مجھے بلا رہے ہیں ۔ لہٰذا ہم ہندواڑہ ان کے گھر چلے گئے ۔ وہاں پہنچے
تو ارسلان خان سے بلانے کا سبب پوچھا ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہُوئے کہنے لگے
ڈاکٹر صاحب آپ کی ڈیوٹی جموں میں لگی ہے ۔ آپ جموں جائیں گے ۔ مگر میں واپسی پر آپ
سے نہ مل سکوں گا ۔ میرا وقت قریب آچکا ہے ۔ میں رختِ سفر باندھ چکا ہوں ۔ خیال آیا
کہ آخری ملاقات آپ سے ہو جائے اس لیے آپ کو بلایا تھا ۔ دل پر غم کا بوجھ ہُوا مگر اس
ہستی کا سفر عام سفر تو نہیں تھا ۔ یہ تو ایک ایسی جگہ جا رہے تھے جہاں ایک مومن راحت و
سکون حاصل کرتا ہے ۔ یہ موقع غم و خوشی کی ملی جُلی کیفیت کا تاثر دیتا ہے خیر ہمارے دلوں
میں بھی ایسا ہی غم و خوشی فراق و وصال کا ملا جُلا تاثر تھا ۔ کچھ دیر دلی تمناؤں کو سیراب
کر کے ہم جُدا ہوئے آہ! یہ بھی ایک سماں ہوتا ہے ۔

فرق است میانِ آں کہ یارش در بر
با آنکہ دو چشم انتظارش بر در

فرق ہے اس کے درمیان کہ ایک کا محبوب اس کے پاس ہو ۔ اِس کے مقابلہ میں ایک
کی آنکھیں انتظار میں دروازہ کی طرف لگی ہیں —— میں رخصت ہو کر گھر واپس آیا ۔
جناب قبلہ سخی صاحب کی وفات کے بعد حضور قبلہ عالم تقریباً بارہ سال بقیدِ حیات
رہے ۔ یہ زمانہ انتہائی پُر آشوب رہا ۔ دُنیا میں ہر طرف فتنہ رہا —— خطۂ زمین پر انسان

پراگندگی کے عالم میں مایوسی کا شکار تھا ـــــ دین سے لگاؤ ـــــ حقیقت کی تلاش انسان کے لیے ناممکن ہو رہی تھی۔ اِس عالم میں بھی حضور قبلہ عالم نے اجرائے دین اور اجرائے طریقت کا فریضہ اپنے نحیف کاندھوں پر اٹھائے رکھا ـــــ اِس زمانہ میں کٹھن سعی وجدّ و جہد جاری رکھی۔ اسی سعی و جہد کے نتیجہ میں وادئ کشمیر کے دُور دراز علاقوں تک آپ نے سلسلہ اویسیہ کو وسعت دی۔

تصوّرِ پیر

واضح ہو کہ طریقت میں تصوّر ایک خاص عمل ہے ـــــ تصوّر سے مراد روح (رُوح حیوانی) کے ذریعہ کسی ماورار۔ حواس و عقل کیفیت سے رُوحانی رابطہ کر کے ـــــ اس کی غیر جسمانی ـــــ رُوحانی ـــــ ہیئت کا مشاہدہ کرنا ـــــ اِس عمل کو "مراقبہ" سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک عام سی بات ہے کہ (آنکھ) حواس کے احاطہ میں نہ آنے والی کسی کیفیت کو علم کے احاطہ میں لانے کے لیے ـــــ اس کیفیت کا تصوّر کیا جاتا ہے ـــــ کہ اس کیفیت کی ہیئت کیسی ہے۔ اور جب ایسی کیفیت حواس کے احاطہ میں نہ ہو تو رُوح کے ذریعہ اس کیفیت کی ہیئت کا ادراک کیا جائے ـــــ ظاہر ہُوا کہ تصوّر سے کسی کیفیت کی ہیئت کا رُوح کے ذریعہ علم و ادراک حاصل کیا جاتا ہے۔ مثلاً آئینہ کے ذریعہ آفتاب کے وجود کا ادراک و مشاہدہ ـــــ یہ عمل بھی انسانی ادراک کا رُوحانی ذریعہ ہے ـــــ جو ذریعہ انسان کو اِس کی تخلیقی ترکیب میں میسّر آتا ہے ـــــ اِس ترکیب کی روشنی میں تصوّرِ پیر کی اہمیت کو سمجھا جا سکتا ہے ـــــ اس ترکیب کی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث سے دلیل مل سکتی ہے۔

مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

جس نے ہمیں نیند میں دیکھا۔ عنقریب وہ ہمیں جاگتی حالت میں بھی دیکھے گا۔ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ نیند میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ ظاہری طور دیکھنا "آنکھ" سے ہوتا ہے مگر نیند میں آنکھ سے دیکھنا ساقط ہو جاتا ہے ـــــ اس کے باوجود بغیر آنکھ نیند میں دیکھا جاتا ہے۔ طبعی اصُول کے

تابع (جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا) حواس صرف کیفیت کی ہئیت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں ــــ دیکھنے یا علم حاصل کرنے کا اصل ذریعہ ــــ دماغ ــــ اور دماغ میں رُوح ــــ رُوح حیوانی ہے ــــ اور جب حواس معطل ہو جائیں تو رُوح کا بذاتِ خود ادراک کرنا جاری رہتا ہے۔ یہی رُوح فِی الْمَنَامِ ــــ نیند میں دیکھتی ہے۔ اِس امر کی دلیل خود حدیث کے دوسرے حصّہ سے ہوتی ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کو نیند کی حالت میں دیکھا جاتا ہے ــــ یہ دیکھنا رُوح سے ہے ــــ اس کی ایک علیحدہ ترکیب ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بشری ہیئت بستر یا دولت کدہ پر ہوتی ہے مگر انسان آپ کو بلا تعین مقام و زمانہ ہر مقام پر دیکھتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے۔ نیند میں دیکھا جانے والا وجود ــــ حضور کا رُوحانی وجود ہے ــــ یہ وجُود رُوح رحمانی کے ذریعہ جیسے آنکھ کسی ہیئت کا عکس حاصل کر کے رُوحِ حیوانی تک پہنچاتی ہے۔ یہ دیکھنا رُوحِ رحمانی کے ذریعہ ایک رُوحانی وجود کا عکس رُوحِ حیوانی تک پہنچانا ــــ رَاٰی فِی الْمَنَامِ کی ترکیب میں آتا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے رُوحانی وجُود کا رُوح کے ذریعہ مشاہدہ کرنا ــــ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ ــــ یعنی جاگتی حالت میں دیکھنا ــــ طبّی اصُول کے تابع جاگتی حالت میں آنکھ سے دیکھنا لازم ہے مگر اس مقام پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابہ سے خطاب فرماتے ہیں جو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہر وقت آنکھ سے دیکھتے رہتے ہیں ایسی صورت میں صحابہ کے لیے آنکھ سے دیکھنے کا اشارہ بر محل نہیں ہو سکتا جب کہ وہ ہر وقت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھتے رہتے ہیں۔ لہٰذا فِی الْیَقْظَۃِ۔ کا اشارہ رُوحانی حیثیت میں دیکھنے پر دلالت کرتا ہے ــــ یہ دیکھنا رُوحانی طور پر ایسا ہے جیسا نیند میں رُوحانی طور دیکھا جاتا ہے۔ یعنی جس قوت (رُوح) سے نیند میں دیکھا جاتا ہے جب کہ آنکھ کا عمل ساقط ہوتا ہے جاگتی حالت میں بھی آنکھ کے عمل کو ساقط کر کے (یعنی آنکھ بند کر کے) رُوح کے ذریعہ دیکھا جاتا ہے ــــ اس حال میں کہ عقل بیدار ہوتی ہے ــــ

مراد دونوں حالتوں "نیند اور بیداری" میں دیکھنا ایک ہی طرح "رُوح سے رُوحانی وجُود دیکھنا" کا ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کو جاگتی

حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوحانی وجود کو جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں بشری حیثیت میں موجود بھی ہیں ـــــ دیکھا جاتا ہے ـــــ اِس دیکھنے کی ترکیب یا دیکھنے کا عمل تصور سے ہوتا ہے ـــــ یعنی انسان جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی خواہش کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ـــــ آنکھیں بند کرکے رُوحانی طور پر تصور کرتا ہے تو جس شخص کی رُوحِ حیوانی ـــــ قوی و مزکی (پاکیزہ) ہو تو اس کی رُوح رحمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح سے ـــــ رابطہ کرتی ہے ـــــ تو رُوح رحمانی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح سے اتصال (قرب) ہوجاتا ہے۔ اِس اتصال سے رُوح رحمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا عکس حاصل کرکے رُوح حیوانی تک پہنچاتی ہے ـــــ اِس رابطہ کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوجاتی ہے ـــــ یہ عمل تصور کے ذریعہ ہی سے پورا ہوتا ہے۔

اِس حیثیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوحانی وجود ـــــ اور اس رُوحانی وجود کا مشاہدہ و ادراک ہوجاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رُوحانی وجود اجلاسِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم میں تخت پر جلوہ فگن ہوتا ہے۔ اِس طرح اجلاسِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم میں زیارتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوجاتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ رُوحانی حیثیت میں رُوح کا مقام و مکان خاص ہوتا ہے جہاں رُوح قیام رکھتی ہے ـــــ یہ مقام و مکان ـــــ مرتبہ سے موسوم ہوتا ہے ـــــ اِسی طریق پر ـــــ صراطِ مستقیم ـــــ صراط اللہ ـ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں زمین سے لے کر آسمان اور آسمان سے لے کر عرش تک۔ اور عرش سے لے کر عالمِ جبروت لاہوت کے مقامات کی رُوحانی (نورانی) ہیئتیں متعین ہیں ـــــ ان ہی ہیئتوں کا تصوّر کرکے رُوح کے ذریعہ مشاہدہ کیا جاتا ہے ـــــ اِس حال میں کہ رُوحِ رحمانی ـــــ ان مقامات کی سیر میں ان مقامات تک پہنچتی ہے ـــــ یہ مقامات مراتب سے تعبیر ہیں ـــــ جہاں رُوحِ رحمانی پہنچ کر اپنا مرتبہ حاصل کرتی ہے ـــــ یہ عمل تصور سے قائم ہوتا ہے ـــــ تصوّر کی ترکیب مراقبہ سے ہوتی ہے ـــــ یعنی طالب آنکھیں بند کرکے ذہن میں ایک رُوحانی تصوّر کرکے اس مقام سے رُوحانی رابطہ حاصل کرتا ہے۔

طریقت کے اصول کے مطابق صراطِ مستقیم ـــــ اللہ کا راستہ ـــــ مقاماتِ عالمِ ملکوت ـ عالمِ جبروت ـ عالمِ لاہوت ـــــ نورانی مقامات تک مراتب کی رسائی ـــــ اور ان کا مشاہدہ ـــــ ولی اکمل کے ذریعہ ہی مقرر ہے ـــــ جیسا کہ قرآنی آیات سے اس کی دلیل ثابت ہے ـ اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ـ اللہ تعالیٰ نے معرفت صراط اللہ ـ اسرارِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی کا ایک خاص طریق مقرر کیا کہ یہ راستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی راہنمائی کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے ـــــ اِس کا طریق یہی ہے کہ اُمَّۃً وَّسَطًا صراطِ مستقیم میں جانے کے لیے ـــــ آپ کی راہنمائی میں ـــــ اوّل تصوّر کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مقدس سے رابطہ کریں گے ـ جب عالمِ باطن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی ہیئت (فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ) کا جاگتی حالت میں اجلاسِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم میں رابطہ ہُوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اپنے ہمراہ اپنی پیروی میں انہیں عالمِ جبروت ـ لاہوت میں ساتھ لے جا کر مقام پر پہنچائیں گے ـــــ مقام پر پہنچنے کے ساتھ انہیں ان عالموں کا مشاہدہ ہوگا یہاں تک کہ اسرارِ الٰہی کی سیر میں ذاتِ الٰہی تک رسائی اور معرفت و مشاہدہ حاصل ہوگا ـ ظاہر ہُوا کہ معرفتِ الٰہی آناً فاناً نہیں ہو سکتی ـ بلکہ اوّل اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ـ کے ارشاد کے مطابق معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے تصوّرِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لازم اور ضروری ہے ـــــ بغیر اس عمل کے ـ بغیر اس تصوّر کے مشاہدہ اسرارِ الٰہی و معرفتِ الٰہی ممکن نہیں ہو سکتی ـ لہٰذا اسی ضابطہ پر طریقت و معرفت کا اصول مرتب ہوتا ہے ـ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ اہلِ ایمان میں اُمَّۃً وَّسَطًا کو ایسی حیثیت میں معرفت عطا کر کے اُمَّۃً وَّسَطًا اکمل بناتے ہیں ـ یہی اکملین اِسی ترتیب کے ساتھ باقی اُمّت کو مشاہدہ و مراتب میں پہنچنے کیلئے لَتَھْدِیْ ـــــ پہنچانے کا عمل پورا کریں گے ـ لہٰذا اسی طریق پر ایک طالبِ حق کو ولی اکمل کی راہنمائی حاصل کرنا اسی قرآنی ارشاد کے مطابق لازم ہے اور راہنمائی حاصل کرنے کیلئے جیسے اُمَّۃً وَّسَطًا تصوّرِ رسُول اللہؐ کرتے ہیں ـ طالبِ حق کے لیے تصوّرِ ولی اکمل کرنا لازمی ہے ـ بغیر تصوّرِ ولی اکمل ـ دربارِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی ممکن نہیں وہ اس لیے کہ ولی اکمل کو اجلاسِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی ہوتی ہے ـ بہ الفاظِ دیگر ولی اکمل کی رُوح اجلاسِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ

حاصل کیسے ہوتی ہے اور جب ولی اکمل کے رُوحانی وجُود کا تصوّر کیا جائے تو اس تصور میں ولی اکمل کی رُوح کے مشاہدہ کے ساتھ مکان و مقام۔ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح طالبِ حق۔ جس قدر۔ تزکیہ و مجاہدہ ــــ اور حُب میں کامل ہو ولی اکمل طالبِ حق کو اس کی استطاعت کے مطابق۔ دوئم اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ عرش۔ تحت الثریٰ اور عالمِ بالا کے مراتب میں ساتھ لے جاکر مکان و مقام کا مرتبہ دیتا ہے اور اسے مشاہدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ یہاں تک مراتب کی سیر میں اسرارِ الٰہی کا مشاہدہ کرا کے ذاتِ الٰہی کے نُور تک مرتبہ دے کر ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ و معرفت عطا کرتا ہے۔ یہی طریق۔ طریقت میں معرفتِ الٰہی کا ہے۔ جس کی ابتدا تصورِ ولی اکمل سے ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ مراتب کی سیر اور مشاہدہ میں رُوح رحمانی کی مراتب تک رسائی لازم ہوتی ہے ــــ یعنی رُوح رحمانی جس قدر مزکی و قوی ہو اسی قدر اس کا مراتب میں عرُوج ہوتا ہے اس سے مراد۔ نوری مراتب میں رُوح رحمانی تب تک داخل نہیں ہو سکتی جب تک کہ خود رُوحِ رحمانی کی حیثیت نورانی کیفیت و ہیئت کے مطابق نہ ہو ــــ مثال کے طور پر رُوح رحمانی تب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود کا مشاہدہ نہیں کر سکتی جب تک کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے اتصال نہ ہو ــــ اتصال سے مراد نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی رُوح کو ضم کرنا۔ اِس کیفیت کو "فنا" کہا جاتا ہے۔ بغیر فنا کسی کیفیت تک رسائی نہیں ہو سکتی ــــ نہ مشاہدہ ہو سکتا ہے اور جب رُوح کو فنا حاصل ہو گئی تو اس کی ہیئت وہی ہو جاتی ہے جو اس وجود کی ہے جس میں اسے فنا حاصل ہوئی ــــ اِس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود میں اتصال و فنا میں طالب کی رُوح فنا فی الرسُول ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم محسوس ہوتی ہے۔ اِس مقام پر جب ولی اکمل کی رُوح کا تصوّر کیا تو ابتدائی تصور میں ولی اکمل کی رُوح سے رابطہ کرنے سے ولی اکمل کی رُوح سے اتصال ہو جاتا ہے۔ اِس اتصال میں طالب کی رُوح ولی اکمل کی رُوح میں ضم ہو کر ــــ فنا ہو جاتی ہے۔ اِس فنا کی کیفیت کو طالب فنا فی الولی (جسے عجمی اصطلاح میں فنا فی الشیخ کہا جاتا ہے) کی ہیئت

میں محسوس کرتا ہے اور جب فنافی الولی کی حیثیت میں قرب واتصال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح رحمانی میں قوت آجاتی ہے تو اس مقام پر طالب ولی کو فنافی الرسول کی ہیئت میں محسوس و مشاہدہ کرتا ہے اسی فنا سے طالب حق فنائے ولی۔ فنافی الرسُول کی ہیئت میں خود کی نفی کرکے ــــ فنا کی حیثیت میں مراتب کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ یہی عرفان کی کیفیت روح رحمانی کی ہیئت کا عکس قلب کے ذریعہ رُوح حیواتی پر آکر طالب کو اسرار الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ میں خود ان مراتب میں پہنچا اور اُن کی ہیئتوں کو "رُعیٰ" دیکھتا ہوں یہاں تک کہ اسی ترتیب فنا کے ساتھ فنافی الشیخ ــــ فنافی الرسول کی ہیئت میں طالب اللہ کی ذات تک اتصال کرتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اصُولِ طریقت کے مطابق ــ طالبِ حق بغیر فنافی الشیخ ـ فنافی الرسول ـ ذاتِ الٰہی تک رسائی حاصل کرسکتا ہے ـ نہ اتصال ہوسکتا ہے۔ فنافی الرسُول میں طالب کی اپنی ہیئت ضم ہوکر رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئت اختیار کر جاتی ہے لہذا ظاہر ہُوا کہ بغیر فنائے رسُول ــــ بغیر رسولی ہیئت حاصل کیے قربِ ذاتِ الٰہی یا وصال ذاتِ الٰہی نہیں ہوسکتا۔ اس حیثیت میں طالب کی اپنی حیثیت باقی نہیں رہتی بلکہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ضم ہوکر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئت ہوجاتی ہے تو ظاہر ہُوا کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اللہ کی ذات سے اتصال ہوتا ہے ــــ بہ الفاظ دیگر یہ وصال طالب کا وصال نہیں بلکہ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوتا ہے۔ اِس مقام پر جب طالب اپنے پیر اکمل کی رُوح کو دیکھتا ہے تو مشاہدہ میں طالب کو اپنے پیر کی رُوح فنافی اللہ کے مقام پر ــــ فنا کی حیثیت میں ــــ نورِ الٰہی میں ضم ــــ نورُ الٰہی میں محسوس ہوتی ہے لازم ہے۔ کہ جب طالبِ حق پیر اکمل کو فنا کی حالت میں اللہ کی ذات میں گم پاتا ہے تو اسے وہاں خود اللہ ہی کی ذات محسوس ہوتی ہے ــــ تو اللہ کی ذات کے لیے اس پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے ــــ یہاں ایک نکتہ کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ طالب حق مراقبہ و تصوّر کی صورت میں اپنے پیر اکمل کے بشری وجود کو مرکز تصوّر بنالیتا ہے اور اسی تصوّر میں جب طالب مراتب کی سیر میں پیر اکمل کو فنافی الرسول میں دیکھتا ہے۔ تو اس وقت وہ ولی اکمل کی تعظیم ـ حبِّ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت میں کرتا ہے اور جب مراتب کی سیر

میں ذاتِ الٰہی تک پہنچ کر ولی اکمل کا تصوّر ساتھ رکھتا ہے تو ولی اکمل اسے فنا فی اللہ کی حیثیت میں ـــــ خود ذاتِ الٰہی کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ یہاں خود ولی ذاتِ الٰہی کی ہیئت نہیں بنتا بلکہ اِس کی رُوح نورِ الٰہی میں ضم ہوجاتی ہے۔ ہاں! یہاں ایک نکتہ پیدا ہوجاتا ہے کہ ولی اکمل کی بشری ناری ہیئت اپنے مقام پر موجود باقی ہوتی ہے۔ صرف رُوح رحمانی وصال و فنا حاصل کرتی ہے۔ مراتب میں ولی اکمل کا بشری وجود نہ تصور میں آتا ہے نہ مراتب میں۔ اِسی طرح ابتدائی قدم پر ولی اکمل کا ناری وجود ولی اکمل کی شکل میں تصوّر میں آتا ہے۔ لیکن یہ وجود عالمِ ناسُوت میں آتا ہے ـــــ یہ وجود بھی اپنی جگہ قائم رہتا ہے ـــــ عالم ملکوت میں ولی اکمل کی رُوح رحمانی کا مشاہدہ ہوتا ہے ـــــ ایک طالب اگرچہ پیر اکمل کے وجُود بشری کو ہی مرکز تصوّر بنا لیتا ہے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اس کے تصور میں ولی کی رُوح رحمانی آتی ہے جو ایک مقام پر فنا فی الرسول کی حیثیت میں مشاہدہ میں آتی ہے اور ایک مقام پر فنا فی اللہ کی حیثیت میں مشاہدہ میں آتی ہے اور جب فنا فی اللہ کی حیثیت میں ذاتِ الٰہی کا دیدار ـــــ فنائے شیخ کے ذریعہ ہی حاصل ہُوا تو اس وقت فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے ارشاد کے مطابق ولی اکمل کے بشری وجود کی حیثیت مسجد الحرام کی مثال بن جاتی ہے کہ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ۔ طالب معرفتِ الٰہی کے حصُول میں ولی اکمل کی رُوح سے اتصال میں تصوّرِ پیر کرتا ہے تو نیت اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کی ہی رکھتا ہے مگر اس کا طریق مسجد الحرام کی طرف وَجْهَكَ کا تعیّن سامنے آتا ہے۔ ظاہر ہے اس عمل میں مسجد الحرام کو سجدہ نہیں بلکہ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کو سجدہ ہے اور جہاں تک فنا فی اللہ میں پیر اکمل کا مقام ہے وہاں شیخ کو سجدہ[1] نہیں بلکہ ذاتِ الٰہی کو سجدہ ہوتا ہے اور ان تمام مراتب و مشاہدات

---

[1] اس لیے اولیاء اللہ الکاملینؒ نماز میں تصورِ پیر کو جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ اکملین زمانہ قطب الاقطاب۔ غوث وقت کعبہ سے افضل ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ حج کے موقع پر جب کعبۃ اللہ کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں۔ تو بے ساختہ زبان مُبارک سے فرماتے ہیں اے کعبہ تو افضل ہے اور ہمارا قبلہ ہے۔ مگر قلب مومن سے افضل نہیں۔

حاصل کرنے کے لیے ابتدائی طریق کی خاطر اصولِ طریقت میں تصوّرِ پیر کی یہی حیثیت ہے جو از رُوئے شریعت جائز اور حقیقی اصُول ہے جس پر شرک کا کسی مقام پر تصور نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس مقام پر ــــ مشاہدۂ باطنی میں ــــ پیرِ اکمل کی رُوح سے رابطہ ہو کر ــــ اس کی رُوحِ رحمانی کو فنائے ذات کی حالت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

حضورؒ کے اوصافِ حمیدہ

واضح ہو کہ حضور قبلہ عالمؒ باوجود عالم اجل ولی اکمل ہونے کے سادہ زندگی گزارنے کے عادی تھے آپ کے لیے کوئی خاص حجرہ متعین نہ تھا کہ مرید آپ کی شخصیت سے مرعوب ہو کر باہر خاموش منتظر رہتے ــــ نہیں ــــ بلکہ آپ کی مجلس عام تھی جس میں ہر اعلیٰ و ادنیٰ ایک ہی حیثیت میں آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اور حضور خود مریدوں کی مجلس میں تشریف رکھتے۔ ہر شخص آپ سے والہانہ محبت رکھتا۔ آپ آدابِ طریقت اور آدابِ مجلس میں آزاد تھے۔ آپ عام آدمی کی حیثیت میں اپنے مریدوں میں گھل مل کر بیٹھتے ــــ آپ کی مجلس میں ہر طرح کی گفتگو میں خواہ وہ دُنیا سے متعلق ہو ــــ یا دین سے ــــ فروعی گفتگو ہو یا ادبی ہو۔ ہر شخص کلام کرنے میں بے تکلف رہتا ــــ حضور کسی شخص کے بے محل کلام پر اظہارِ ناراضگی نہ فرماتے۔ اِسی وجہ سے ہر شخص آزادانہ۔ بلا تکلف آپ سے ہمکلام ہوتا۔ آپ کا کلام سادہ اور آسان ہوتا کلام اگرچہ بظاہر سادہ ہوتا مگر ایک ایک لفظ تدبّر۔ رموز و حکمت سے لبریز ہوتا۔ کسی بھی فرد بشر کو آپ کا کلام سمجھنے میں دقت نہ ہوتی۔ چہ جائیکہ کوئی عالم کے علاوہ اَن پڑھ ہی کیوں نہ ہوتا۔ یقین جانیئے ــ اپنے محبوب مریدوں میں آپ کا مزاحیہ کلام بھی عشق و مستی کے مسحور کن رموز سے بھرپور سبق ہوتا۔ حضور مثنوی مولانا روم سے اشعار بیان فرماتے۔ اِن اشعار میں عشق مجازی کے اشعار کی تفسیر میں حقیقت کے آثار بیان فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ انسان ان آثار کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ دورانِ وعظ سیف الملوک کے اشعار بھی دہراتے جن میں عشق و محبت کے لطائف بیان فرماتے ــــ سیف الملوک کے اشعار پڑھتے وقت آپ پر مستی کی کیفیت طاری ہوتی۔ اکثر دیکھنے میں آیا

کہ آپ اندرونِ خانہ تنہائی میں سیف الملوک کے اشعار گایا کرتے۔ اور آپ پر سرور کی کیفیت طاری ہوتی ۔ بلاشبہ آپ مجسمہ محبت تھے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے آپ کو والہانہ عشق تھا ۔ اسی لیے آپ کو محبوبیت کا مقام حاصل تھا ۔

حضور قبلہ عالمؒ دینوی نمائش کی آلائشوں سے پاک تھے ۔ آپ کا سینہ مبارک ہر کدورت سے پاک تھا ۔ آپ نے عطائے فیض باطنی میں کبھی بخل سے کام نہ لیا ۔ آپکے دشمن بھی ۔ آپکے فیض سے مستفید ہوتے رہے ۔ آپنے کسی امیر کبیر مالدار یا کسی اعلےٰ عہدے پر مامور شخصیت کی عظمت و سطوت کو کبھی خاطر میں نہ لایا ۔ کہ کسی بڑے آدمی کو سلسلہ میں داخل کرنے میں پہل کی ہو ۔ اس نظریہ سے کہ ایسے شخص کے سلسلہ میں داخل ہونے سے سلسلہ کی بڑھائی یا صداقت ثابت ہو ! اس وجہ سے کسی امیر دولت مند یا اعلیٰ شخصیت کی دعوت قبول نہ فرماتے جب تک وہ خود حضور کی مجلس میں حاضر ہو کر ۔ شریعت کی تابعداری اور طریقت میں شمولیت کر کے دین پر کامل طور پابند نہ ہوتا ۔ اس امر میں ذاتی فخر یا کبر و نخوت کو دخل نہ تھا ۔ آپ کو اپنی برتری یا بزرگی کا ذرہ بھر بھی گماں نہ ہوتا ۔ آپ کسی امیر یا اعلیٰ عہدیدار کی بے جا تعریف یا چاپلوسی میں شریک ہونا پسند نہ فرماتے ۔ اس کے برعکس جب کوئی اعلیٰ شخصیت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تو اس کی حیثیت کے مطابق اسکی پذیرائی فرماتے ۔ اس کے منصب کے مطابق اس کی عزت افزائی میں ۔ پہل کر کے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرتے ۔ اور کشادہ دلی سے پیش آتے ۔ اس کے مقام کا پورا خیال رکھتے ۔ دورانِ تکلم ۔ آداب کو ملحوظ رکھتے ۔ مخاطب کی طرف لفظ "آپ" سے کلام فرماتے ۔ ایسے شخص کے لیے مہمانداری کے آداب کا پورا خیال رکھتے ۔ اور طبیعت اور حیثیت کے مطابق حسبِ استطاعت اس کی دعوت کرتے ۔ اس امر میں آپ کا یہ نظریہ نہ تھا کہ ایسے شخص سے اپنی عزت افزائی یا کسی قسم کا حصول مقصود ہو کیونکہ آپ اپنے مریدوں میں کسی بھی اعلیٰ و ادنیٰ شخص سے کسی قسم کی امداد حاصل کرنے کے روادار نہ رہے ۔ آپ نے کسی مقتدر شخص سے اپنی کسی غرض کو پورا کرنے کا کبھی تصور ہی نہ کیا ۔ بلکہ اکثر اپنی طرف سے اپنے مریدوں کی مدد کرنے کا جذبہ رکھا ۔ حضور قبلہ عالم نے

اپنے مریدوں کی مہانداری میں فرقِ مراتب کا کبھی خیال نہ فرمایا۔ البتہ کسی شخص کی طبیعت کے مدِنظر اس کی خدمت و عزّت افزائی فرماتے رہے۔ البتہ سلسلہ میں داخل ہوئے مریدوں میں۔ ان کی حُب کے زیرِ نظر۔ اپنائیت میں تکلفات سے کام نہ لیا۔ یہ فرق اسی حد تک قائم رکھا۔ جب ایک اعلیٰ حیثیت کا فرد۔ خود ادنیٰ حیثیت میں خود کو پیش کرے۔ تو اس وقت تکلفات سے کام نہ لیا۔ یہ امر کسی شخص کی حُب اور جذبہ یکسانیت اور اس کے دین کے معاملہ میں دلچسپی اور جہد پر موقوف ہوتا۔ کہ ایک اعلیٰ حیثیت کا مالک ـــــ جذبہ حُب کے تحت محب بن کر پیش ہوتا ـــــ لیکن یہ بات ضرور تھی کہ کسی اعلیٰ حیثیت کے مالک فرد کے مقام کا خیال فرما کر اس کی عزّت افزائی فرماتے یہاں تک کہ رخصت کے وقت اس کے جوتے سامنے رکھنے میں بھی عار نہ فرماتے اور اس کو الوداع کہنے کے لیے ساتھ ساتھ تشریف لے جاتے۔ اس کا سامان خود اٹھا کر لے جاتے اِس میں آپ کو سُبکی کا احساس نہ ہوتا ـــــ اِس کردار سے متاثر ہو کر ہر متکبر انسان میں بھی عجز و انکساری کا جذبہ پیدا ہوتا تو وہ اپنی شان بھُول کر حضور کے قدم چومنے لگ جاتا۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے نزدیک کسی اعلیٰ شخصیت کا حضور کی خدمت میں حاضر ہونا محض حصولِ حق کے لیے ہوتا ـــــ آپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر ہر انسان حق کی طلب میں مخلص ہوتا ـــــ آپ سے فیض کا طلبگار ہوتا ـــــ اور اس کی خودی عجز میں بدل کر حقیقی عزّت حاصل ہوتی۔ پھر آپ کی مجلس میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تخصیص یکسر مٹ جاتی ـــــ اور ہر اعلیٰ اور ادنیٰ میں ایک دوسرے کی محبت و عزت و احترام کا جذبہ کامل ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ یہ کردار کسی شخص کے فیض یاب ہونے میں نسخہ کیمیا کا اثر رکھتا تھا۔

حضور قبلہ عالمؒ کے مرید آپ کی محبت و شفقت اور لاانتہا نوازشات پر۔ دل و جان سے آپ پر اپنی جانیں قربان کرنے پر آمادہ رہتے۔ مگر حضور نے کبھی اپنی مہموں میں اپنے مریدوں پر بوجھ نہ ڈالا۔ آپ صاحبِ تدبر و فہم تھے۔ آپ نے اپنی روحانی قوت کو مشکل سے مشکل وقت میں امورِ دنیوی کی انجام دہی میں کبھی استعمال نہ کیا۔ بلکہ ایسے مواقع پر اپنے تدبر و فہم سے ہر کام انجام دیا ـــــ بجائے اپنے لیے مریدوں سے امداد حاصل کرنے

کے خود مریدوں کی مشکلات میں ان کی مدد فرماتے ۔ آپ کرامات کا استعمال اپنی خود نمائی کے لیے نہ کرتے بلکہ اپنے مریدوں کی مشکلات میں شریک رہ کر عملی تدابیر تلاش کر کے مشکل پر قابو پانے کی کوشش کرتے ۔ آپ ایک رفیق کی حیثیت سے میلوں دُور سفر کر کے اپنے مریدوں کے گھر جا کر خبر گیری کرتے اور یہ سفر اپنے ذاتی خرچ پر کرتے کسی سے نہ لیتے نہ لینے کا خیال تھا۔ متعدد بار دیکھا گیا کہ اپنے مریدوں کے ہمراہ سفر کرتے تو زادِ راہ اپنی ذات سے ادا کرنے میں کوشاں رہتے ۔ غرض جس پہلو سے دیکھا جائے۔ آپ صفات انسانی اور شفقت کا معطر مجسمہ تھے ـــــ بلاشبہ ایک باپرہیز مومن اور باکمال ولی اکمل ہونے کے باوجود کسی کو اپنی فضیلت کا احساس نہ ہونے دیتے ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ گھر ہو یا سفر آپ کی سادہ زندگی میں یہ سمجھنا مشکل ہوتا کہ آپ کی ذات گرامی اس زمانہ کی عظیم ترین ہستیوں میں ایک منفرد اور ایک مخصوص شخصیت ہے ـــــ ایسی شخصیت کو دیکھ کر باور کرنا مشکل ہو جاتا کہ آیا سادہ لوح انسان کیا معرفتِ الٰہی میں فنا و بقا کا مقام حاصل کیے ہوئے ہے؟ بعض لوگ آپ کی شخصیت کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتے کہ اس شخص سے فیض حاصل ہونا باور نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ وہ حضور کی مجلس میں بیٹھ کر آپ کے کلام پر حکمت و رموز سے متاثر ہوتے۔ یہ کیفیت بالعموم حیرانگی کا باعث بنتی ۔

حضور قبلہ عالمؒ فیض طریقت عطا کرنے میں مثل سمندر ۔ فیاض تھے آپ کسی شخص کی لاتعلقی یا بے ادبی خاطر میں نہ لاتے ۔ خواہ کوئی آدمی آپ کی حیثیت کو نہ سمجھ کر آزمائش کے طور ہی آپ سے فیض کا طلب گار ہوتا۔ تو اس کی ناشائستہ حرکت آپ کو فیض عطا کرنے سے باز نہ رکھتی۔ حضور کشادہ دلی سے ایسے لوگوں پر مہربان ہو کر انہیں فیض عطا کر کے ۔ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل کر کے زیارتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف کرا دیتے ۔ یہ ان کی محبوبیت کی خصوصیت تھی ۔ کہ اجلاس محمدی میں حضور قبلہ عالم کے پیش کردہ شخص کی پذیرائی ہوتی ۔ اور اس کے نقائص کو سامنے نہ لایا جاتا ۔ اور وہ حضوری ہو جاتا ـــــ یہی وجہ تھی ۔ کہ بعض لاعلم لوگ حضور قبلہ عالم کے مریدوں کی ہیئت کذائی دیکھ کر شبہ میں پڑ جاتے ۔ کہ خلافِ شریعت آداب کے ہوتے ہوتے ۔ ایک داڑھی مونچھ مونڈھا ـــــ انگریزی لباس پہنے ۔

عام آدمی۔ بغیر تزکیہ۔ بغیر آدابِ شریعت کا حضوری اجلاس محمّدی صلی اللہ علیہ وسلّم ہونے اور حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کا دعویٰ کرنا کسی طرح بھی قابلِ یقین نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ خصوصیت۔ صرف قبلہ عالم کی محبوبیت اور آپ کے اوصافِ حمیدہ کا اسوۂ حسنہ حضور محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق ہونے کے باعث تھا۔

سُبحان اللہ ــــ حضور قبلہ عالم اگرچہ مغربی علوم میں "درک" نہیں رکھتے تھے مگر آپ کو علم لدنی عطا ہوا تھا۔ آپ جملہ علوم کی حقیقت سے آگاہ تھے کیونکہ آپ تمام اسرار و آثار تخلیقی سے بامشاہدہ آگاہی رکھتے تھے۔ ہر نوع کا علم آپ کے قلب مُبارک پر القا ہوتا تھا۔ آپ کے بیان میں آتے ہوئے رموز میں ہر نوع کے علم کی دلیل ملتی تھی۔ خواہ مشرقی علم ہو۔ یا مغربی۔ یونانی ہو یا عربی۔ آپ کے دلائل ہر علم سے تائید حاصل کرتے تھے۔ آپ محض درویش ہی نہ تھے۔ بلکہ ہمہ صفت موصوف تھے۔ آپ امور دنیوی میں ہر کاروبار میں فہیم و مدبر تھے اپنے کام انجام دینے میں آپ کو اپنی ذات پر کامل بھروسہ تھا۔ آپ زمیندار تھے خود ہل چلا کر روزی کماتے تھے ــــ کسی بھی موقع پر آپ نے اپنی عالمانہ حیثیت کا احساس نہ کیا۔ گھر کا تمام کاروبار خود کرتے۔ آپ نے ادنیٰ سے ادنیٰ کام انجام دینے میں کبھی عار نہ کیا ــــ آپ اپنے مریدوں کو بھی تلقین فرماتے کہ اپنے جتنے بھی کام ہوں خود تکمیل کیے جائیں کسی پر اپنی ضرورتوں کا بوجھ نہ ڈالو ــــ حصُولِ دُنیا کے لیے فقیری استعمال نہ کرو ــــ دُنیا کو عقل و تدبر سے پورا کرو اور عبادت کو آخرت کے لیے وقف کرو۔ کیونکہ عبادت کا صلہ دُنیاوی حاجتوں کے مقابلہ میں عظیم نفع کا حامل ہے۔

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ط (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۶۱)

کیا تم تبدیل کرتے ہو ادنیٰ درجہ کی چیزوں پر اعلیٰ درجہ کے سرمایہ کو ــــ یعنی عبادت کا اجر عظیم ــ دُنیا کی ادنیٰ چیزوں کے حصُول پر بدلنا نہیں چاہیئے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ دُنیاوی مشکلات میں کبھی رُوحانی قوت (کرامات) استعمال نہ کرتے ــــ سوائے ایسی صورت کے کہ جب ظاہری اسباب سے کام انجام پذیر ہونا مشکل ہو جاتا وہ بھی اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ اپنے محبّوں کی مشکلات حل کرنے کے لیے۔ قدرتی طور عمل میں آجاتا۔ ورنہ اپنے مریدوں

کی مشکلات میں خود شریک ہوکر تدبر سے کام لے کر مشکلات حل کرتے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ ـــ جب کسی مرید پر مشکل وقت آتا تو فوراً اُس کی مدد کو پہنچ جاتے ـــ پھر جو بھی صورت مناسب ہوتی عمل فرماتے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے اپنی عملی زندگی میں مشکلات کا سامنا کیا اور دُنیا کی ہر تکلیف کو برداشت کیا۔ آپ نے اجرائے قرآن و سُنت اور اجرائے طریقت کے لیے اپنی ذات کو وقف کر رکھا تھا اس کے ساتھ ہی آپ امور دینوی میں بھی مشغول رہتے۔ آپ کورا ہبانہ زندگی سے نفرت تھی اور مریدوں کو بھی تلقین فرماتے کہ فقیری کے ساتھ دنیا دار بنے رہو۔ یہ سالکانہ طریق فقر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ـــ سالک کی یہ صفت ہے ـــ کہ ایک طرف وہ مشاہدہ ذات میں مشغول ہو اور دوسری طرف وہ کسی شے کی خرید کرنے میں دوکاندار سے دام کرتے وقت صحیح لین دین کے دوران عرق ریز ہو تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ وہ تن آسان ہے اور اس کی ہیئت فقر عیاں نہ ہو۔

بعض اوقات آپ عبادات (مراقبہ درود شریف) کے مقابلہ دُنیا داری پر زیادہ زور دیتے۔ بلکہ اگر کسی مرید میں گوشہ نشینی کی خو محسوس کی تو اسے قبض میں ڈال کر مشاہدہ بند کر دیتے یا دُنیاوی مشاغل میں مصروف کر دیتے تاکہ طالب خود بخود دُنیا کی طرف مائل ہو اس طرح طالب دُنیا سے لاتعلقی کی خو بدل کر طبیعت کو اعتدال پر لے آتا۔

حضور فقیری میں ظاہری نمائش کے اظہار کو پسند نہ فرماتے کہ فقیر وہ ہے جس کے سینہ میں علم اتنا پوشیدہ ہو کہ دوسرا پہچان نہ سکے ـــ نہ فقیر اپنے فقر کے ظاہر کرنے میں ایسی ہیئت اختیار کرے جس سے فقیری نمایاں محسوس کی جائے حضور اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں۔

اَنَا الْحَسَنِیُّ وَالْمُخْدَعُ مَقَامِیْ
وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ

ہم ذریت امام حسن علیہ السّلام سے ہیں اور ہمارا مقام مخدع ہے۔ اور ہمارا قدم تمام صاحبِ معرفت اولیاء کی گردن پر ہے۔ مُخْدَع۔ وہ مقام ہے۔ جہاں فوج اپنا

سامان حرب چھپا کر رکھے تاکہ دشمن اِس کا سراغ نہ پا سکے۔ اِسی طرح فقیر کا ایک مقام ہے۔ کہ وہ اپنے علم و عمل کو گنجینۂ قلب میں (لاانتہا وسعت سے) اِس حد تک چھپالے۔ کہ شیطان اِس کے قلب میں جھانک کر نہ سراغ لگا سکے۔ یعنی ایک دلی۔ ذاتِ الٰہی کے وجود لاانتہا میں مقام بقا حاصل کرے جہاں شیطان اُس کے علم و عمل پر ضرب لگانے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ اور ظاہراً اس کے گنجینۂ قلب میں اسقدر وسعت ہو۔ کہ اس کی ذاتی حرکات و سکنات سے فقر "مترشح" نہ ہو۔ کہ ذاتِ الٰہی کی تجلّیات اس کے گنجینۂ قلب میں اس طرح سما جائیں۔ کہ اس پر دیدارِ الٰہی میں نہ "حال" طاری ہو —— نہ وجدانی حالت میں اس کے عقل و شعور سے اس کا اظہار ہوتا ہو —— حضور قبلہ عالم اِس کیفیت کی مثال حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک واقعہ سے دیتے ہیں —— فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب بسطامی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں فروکش تھے۔ کہ ایک شخص آپ کو تلاش کرتے کرتے مسجد میں آیا۔ اور حضرت موصوف سے فیض کا طلب گار ہوا —— آپ نے فرمایا۔ ابھی میں اس قابل نہیں ہوں کہ تمہیں فیض دے سکوں کیونکہ ابھی میرا فقر محفوظ نہیں —— ممکن ہے۔ کسی وقت میرا علم ضائع ہو تو تمہیں بھی میری راہنمائی میسّر نہ ہو سکے گی۔ اس شخص نے جواب دیا۔ کہ آپ وقت کے اولیاء میں شمار ہیں —— اور مشہورِ زمانہ ہیں۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہی امر میری عدم کاملیت کا ثبوت ہے۔ کہ میرے علم سے ہر شخص آگاہ ہے اور فقیر اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کا علم شیطان کی زد سے باہر "مقامِ مخدع" میں نہ ہو۔ کیونکہ ایسی حالت میں شیطان میرے علم پر ضرب لگا سکتا ہے۔ چونکہ میرا علم ابھی خطرے کی زد میں ہے —— اِس لیے جب تک مجھے میرے علم کی حفاظت کی ضمانت نہ ہو میں تمہیں فیض دینے کے لیے تیار نہیں۔ مجھے تو ابھی ہر شخص جانتا ہے۔

حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں فقر میں ظاہری نمائش یا اپنے علم پر فخر کرنا اپنے آپ کو شیطان کی زد میں لانے کے مترادف ہے —— اس لیے اپنے گنجینۂ قلب کو صبر و صلوٰۃ سے وسعت دو کہ اس میں سے علم کا ایک قطرہ بھی اُچھل کر باہر نہ آئے۔ اور اپنے ظاہری لباس سے بھی فقیرانہ ہیئت کا مظاہرہ نہ ہو اور تقویٰ اور عمل بھی اس طرح کیا جائے کہ غیر اس کو

دکھاوا یا خود نمائی سے تعبیر نہ کرے۔ بلکہ فقیر کی ہیئت سے انکساری ٹپکتی ہو۔ حضورعالی مقام محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت تھی کہ آپ کو مقام فنا اور بقا حاصل تھا لیکن آپ کے ظاہر سے فقیرانہ علامت محسوس نہ کی گئی ـــ اِس خصوصیت سے آپ کے مُریدوں سے بھی فقیرانہ ہیئت نمایاں نہ ہو سکتی تھی۔ ایک شخص اپنے مراتب میں کامل اکمل ہونے کے باوجود ایک عام انسان کی حیثیت کا محسوس ہوتا۔ کوئی بھی شخص یہ باور کرنے پر آمادہ نہ ہوتا کہ یہ شخص بھی حضوری ہے اور ہر شخص ایک دُنیادار کی حیثیت میں۔ ملازمت مزدوری کرتا ـــ اور اپنے دینوی معاملات میں عام آدمی کی طرح تدبیر و فہم سے کام لیتا ـــ تاوقتیکہ اِس طریق سے فقر میں کسی کرامات یا کمال کا اظہار نہ ہوتا۔ یعنی قبلہ عالم کے مریدوں میں عام ایسے مرید پائے جاتے جو کسی شخص کو ایک توجہ سے حضوری کر کے اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل کرتے جس سے باطن میں کسی مرید کے کمال و مراتب کا علم ہو جاتا یہ امر واقع ہے کہ حضور قبلہ عالمؒ کو آپ کی ذاتی ہیئت میں ان کے کمال علم اور مرتبہ فنا و بقا کی پہچان کرنا کسی طرح بھی ممکن نہ ہوتا۔ جب تک کہ آپ کی مجلس و صحبت سے آپ کے مواعظ حسنہ اور آپ کے راہنمایانہ عمل سے آپ کی ولایت کا مظاہرہ نہ ہوتا ـــ فی زمانہ۔ جاہل بے عمل فقرار کی مبالغہ آمیز نمائش سے انہیں فنا فی اللہ کا درجہ دے کر خلافِ شریعت افعال کو اصلِ فقر تصور کر کے ان کی پُوجا کی جاتی ہے اور دُنیا ان کے آستانوں پر ٹوٹ پڑتی ہے ـــ مگر ان کی تلاش ـــ ان کی طلب۔ بے مقصد اور لغو تصوّر کی جاتی ہے ـــ کہ لوگ چالاکی زمانہ سازی سے لاعلم لوگوں کو من گھڑت عقائد ـــ اور چرب زبانی سے اپنا گرویدہ بنا کر بیعت کر کے اپنا مطیع بنا کر ان سے مال و زر حاصل کر کے بلند و بالا عمارتیں۔ اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ بناتے ہیں اور وہی مرید جو اپنی پونجی ان نام نہاد فقرار کی عیش و عشرت کے لیے پیش کرتے ہیں ـــ دیوانگی کا مقام ہے کہ وہی مرید اِن نام نہاد فقرار سے دولت دینوی اور دینوی مرادیں پانے کے لیے ان کے آگے سجدہ کرتے ہیں جب کہ ان کے ذہنوں میں تلاشِ حق کا قطعی تصوّر نہیں ہوتا۔ حضور فرماتے ہیں ایسے ظاہری نمائش والے فقرار جو قیمتی موٹر کاروں میں مرید کے گھروں پر دھاوا

بولتے ہیں کہ وڑوں کی جائیدادوں کے مالک اپنی فقیری کا سکہ اس قدر جماتے ہیں کہ کسی شخص کو ان کے کردار پر انگلی اٹھانے کی جرآت نہیں پڑتی ۔ بلکہ ایسے لوگوں کو اس حال میں بھی صاحبِ کمال ولی فنافی اللہ یقین کر کے سر آنکھوں پر بٹھا کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔ ایسے سنگدل۔ بے خوف انسان اپنے کردار پر نظر ڈالنے کی کوشش نہیں کرتے کہ اس طرزِ عمل سے لاکھوں بندگانِ خدا کو گمراہی کے اندھیروں میں ڈال کر ان کی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ جس کے لیے یومِ حشر ایسے نام نہاد فقراء کو ذلت و رسوائی کا سامنا ایک اٹل فیصلہ ہو گا۔ اور انہیں اللہ کے نزدیک تمام مخلوق کی گمراہی کے لیے جواب دینا ہو گا لہذا خیال رکھو کہ آدابِ مرشدی میں ایسا کردار شریعت و طریقت میں بجائے حصول مقصد کی ناکامی اور نامرادی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مرشد کے لیے لازم ہے کہ جب تک کہ اس کا عمل شریعت و طریقت پر قرآنی ضابطہ کے مطابق نہ ہو مخلوقِ خدا کو گمراہ کرنیکا سبب نہ بنے۔

آدابِ مریدی

حضور قبلہ عالمؒ اپنے مریدوں کو آدابِ مریدی سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک طالبِ حق کے لیے۔ قرآن و سنت اور اولی الامر کے فقہ کی روشنی میں معرفت حاصل کرنا ضروری ہے ۔ بغیر شریعت کی اتباع کے طریقت حاصل ہونا۔ ایک مرید کے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے ضروری ہے۔ ایک طالبِ حق۔ ایک عالم امت۔ حاملِ قرآن۔ اور حاملِ اسوۂ حسنہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بہ تحقیق رجوع کرے۔ اس کے برعکس اگر ایک مدعی ولایت مردہ زندہ کرے ۔ اور وہ شریعت کا پابند نہ ہو ۔ اس کا عمل استدراجی ۔ شیطانی تصور ہوتا ہے اس کی اتباع کسی طرح بھی جائز نہیں ۔ ہاں آدابِ طریقت میں ۔ ایک ولی اکمل کی نسبت ضروری ہے ۔ اور نسبت کے بعد جب کہ ولی اکمل کی شخصیت مسلم ہو ۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے قرآنی اصول کے مطابق اسے بلا دلیل بلا آزمائش تسلیم کرنا لازمی ہے ۔ کیونکہ کوئی شخص اپنی ذات سے علم حاصل نہیں کر سکتا۔ کسی شخص کے پاس ولی کی شناخت کے لیے کوئی کسوٹی نہیں ۔ سوائے

اس کے۔ کہ عالم اُمت اولی الامر کی صفت پر اس کا کردار۔ اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہو۔۔۔ اور وہ قرآن و حدیث و ذاتی فقہ و اجتہاد میں بحد کمال عبور رکھتا ہو۔۔۔ اس کی نشاندہی اس کے کردار اور عمل سے ثابت ہو۔ دوسرے ایک مدعی ولایت کے مریدوں میں بھی صاحب شریعت اور ولی کامل کثرت سے پائے جاتے ہوں۔ اس کی تبلیغ نتیجہ خیز ہو کہ غافل۔۔۔ بے عمل انسان۔۔۔ مجسمہ شرافت اور متقی ہوں۔ اور اس کی تعلیم اور اجرائے دین سے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی معنوں میں وسعت و فروغ حاصل ہو۔ اگر کثرت سے نہیں تو بھی اس کے تابعین میں۔ اتباع شریعت۔ تزکیہ۔ مجاہدہ اور حسنِ اخلاق کا حقیقی مظاہرہ ہو۔۔۔ ایک مرید طالب حق کیلئے کسی مدعی ولایت کی طرف رجوع کرنے کے لیے اِن خصوصیات کے ہوتے ہوئے بلا دلیل ولی اکمل کو تسلیم کرنا لازمی ہے۔۔۔ رجوع۔۔۔ اور تسلیم کے بعد۔۔۔ ایک حقیقی مقصد کو مدِّنظر رکھنا ضروری ہے۔۔۔ وہ یہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ کہ تسلیم کے بعد ایک ولی سے نسبت قائم کرنے میں۔۔۔ اب کسی شک و شبہ لاریب۔ کو دل میں گنجائش نہ دے۔۔۔ اور پھر اپنا ایک مقصد متعین کرے۔ وہ تقویٰ کو اپنی زندگی میں اپنے لیے ایک عمل خاص کر دے۔ کہ انسان وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ انسان کیلئے اللہ کی عبادت لازم ہے۔۔۔ وہ اس لئے کہ انسان اپنی زندگی میں بغیر عمل۔۔۔ عملِ نیک و بد۔ ایک لمحہ خالی نہیں رہ سکتا۔۔۔ وہ اسلئے کہ اس دُنیا میں عمل پر ہی اس کے خیر و شر راحت و عذاب کا دارو مدار ہے۔۔۔ اگر نیک عمل نہ کیا جائے تو اس کے لیے دُنیا میں ہر قدم پر خسران نقصان و مصیبت اور بے چینی پیدا ہو گی۔۔۔ اور آخرت میں اِسے شدید عذاب و پریشانی میں مبتلا ہونا ہوگا۔۔۔ انسان اپنی زندگی میں پہلے قدم پر اس کا احساس اور شدید احساس کرے تو اس پر اپنے اعمال شر میں آخرت میں عذاب پانے کا خوف طاری ہوگا۔۔۔ اِس تاثر کو مدِّنظر رکھ کر انسان ایک حقیقی عالم اُمت۔۔۔ ولی اکمل کی راہنمائی کا طلب گار ہوتا ہے۔۔۔ کہ وہ عملِ خیر کے جذبہ کے تحت ایک ولی اکمل کی نسبت و راہنمائی کے لیے ایک مقصد لے کر اُٹھتا ہے اور پھر قرآن کے اِس ارشاد میں وسعت ہے کہ انسان کو ازلی طور مشاہدہ اسرارِ الٰہی۔۔۔ معرفتِ الٰہی حاصل کرنا۔ واجب ہے۔ ایسی صورت میں اس کے مقصد میں معرفتِ الٰہی حاصل کرنا ایک اہم مقصد قرار دیا جاتا ہے۔۔۔ ایسے ہی شخص

کو طالبِ حق کہا جاتا ہے۔ ھُدًی سے بھی یہی مراد ہے کہ ایک طالب کو اسکے مطلوب و مقصود تک پہنچنا۔ یا پہنچانا ـــــ اس مقصد کی تکمیل ایک ولی اکمل سے ہی ہو سکتی ہے۔ یہ مقصد واضح اور خاص مقصد ہے۔ جس کے لیے ایک مرید طالبِ حق کسی ولی اکمل کی راہنمائی کا طلب گار ہوتا ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے قرآن نے آداب و شرائط مقرر کیے۔ اور وہ ہیں احکامِ الٰہی کی کامل پابندی ـــــ اور حصولِ معرفت میں طریق قرآن و رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حسنِ اخلاق ـــــ ارکانِ شریعت پر خالصتاً عمل اور زائد عبادت پر دوام جو ایک عالم اُمت ـــــ اولی الامر ـــــ ولی اکمل کی اتباع میں ممکن ہو سکتا ہے۔ ایک مرید کے لیے لازم ہے کہ وہ اسی مقصدِ خاص کو لے کر ایک ولی اکمل کی نسبت حاصل کرے۔ اِس نسبت کے حاصل کرنے میں قرآن نے ایک اہم شرط لازم رکھی ہے وہ ہے

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا ـ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ ـ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ـــــ

ایک "وعدہ" ـــــ دوسرا "عہد" ـــــ تیسرا "بیع" (بیعت)۔ چوتھا خصوصی عمل اَحَبَّ۔ اللہ۔ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولی الامر ـ ولی اکمل سے "حُب" کرنا ـــــ انہی چار خصوصیات کا ایک طالبِ حق میں پایا جانا ـــــ اہم شرائط میں شامل ہے ـــــ کہ طالبِ حق اپنے مقصد کا تعیّن کر کے ایک ولی اکمل سے وعدہ کرتا ہے کہ میں قرآن و سُنّت اور اولی الامر کے حکم کے مطابق عمل کروں گا ـــــ اِس کے لیے وہ اپنے پیر اکمل کے ہاتھ پر عہد کرتا ہے کہ میں قرآن و سنّت و فقہ پر اپنی زندگی میں عمل کے سوا اپنے لیے نہ کوئی اور عمل اختیار کروں گا۔ نہ ماسوئی کی طلب قلب میں قائم کروں گا۔ اِس کیلئے ضروری ہے کہ اس حکم کی اتباع میں کاملاً ولی اکمل کے حکم کی پیروی کرے ـــــ اس حال میں کہ جو کچھ ولی اکمل حکم کرے اُسے پورا کرنے میں۔ پوری قوت صرف کرے۔ اس کیلئے ضروری ہے۔ کہ ولی اکمل کے احکام پورا کرنے میں۔ اپنے ارادے اور اختیار پر ولی اکمل کے حکم اور مرضی کو مقدم سمجھے۔ اور اپنے اختیارات ساقط کر دے۔ یہ صورت۔ اپنے آپ کو ولی اکمل کی سپردگی میں۔ اپنے اختیارات سے دستبردار ہو کر۔ اپنے آپ کو حصُولِ مقصد کیلئے من کل الوجود ولی اکمل کے سپرد کرنا۔ بیع سے تعبیر ہوتا ہے ـــــ یہی بیع۔ عہد۔ اور وعدہ پورا کرنے کا خصوصی عمل ہے ـــــ

اور جب ایک طالبِ حق اپنے آپ کو ولی اکمل کے ہاتھ پر بیع کرے تو اس کے لیے لازم ہے کہ پھر اس کے ذہن میں سوائے ولی اکمل کی اتباع کے اور کوئی تصوّر ماسویٰ کا قائم نہ ہو۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ ایک ولی اکمل کی بیعت پر یہ تصوّر اور عقیدہ قائم کرنا ضروری ہے کہ میرا تمام خیر و شر ولی اکمل کے ہاتھ میں ہے ـــ اور ولی اکمل کو ـ بالحقیقت ولی اکمل سمجھ کر اسے فنا و بقا کے مقام پر اکمل تصوّر کرتے ہوئے یقین کامل کے ساتھ اس پر اعتمادؔ[1] و بھروسہ کرتے ہوئے اپنے مقصد کی کامیابی ـــ اتباع میں کسی قسم کا شک و شبہ دل میں نہ رکھے۔ طالبِ حق کے لیے۔ یہ تصوّر ـــ یہ عقیدہ حصُول مقصد میں اہم مقام رکھتا ہے ـــ اور جب تک یہ تصوّر کامل نہ ہو۔ نہ وعدہ کامل ہو سکتا ہے اور نہ عہد پُورا ہو سکتا ہے ـــ نہ بیعت مستحکم ہو سکتی ہے ـــ مرید صادق کے لیے ضروری ہے کہ وُہ عالم اُمّت ولی اکمل سے قرآن و حدیث و فقہ (وحی جلی ـ وحی خفی ـ تفہیم وحی جلی و خفی) کا علم حاصل کرے۔ اور اس کے علاوہ قرآنی ارشاد کے مطابق زائد عبادت ـــ رات جاگنا ـــ روزہ رکھنا ـــ راتوں میں نماز و تلاوت پہ مداومت کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ معرفتِ الٰہی میں اُن ارکان پر شدت سے عمل کے ذریعہ معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ اِس کے علاوہ عالمِ اُمّت ولی اکمل کی خصوصیت میں وَ يُزَكِّيهِمْ ـ تزکیہ نفس کے لیے ولی اکمل سے رُوحانی توجّہ حاصل کرنا۔ اہم اور خصوصی عمل ہے۔ بغیر توجّہ کے یا تزکیہ کے انسانی رُوح کو مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ ولی اکمل کی صحبت میں زیادہ وقت صرف کرکے ولی سے توجّہ حاصل کرے تاکہ طالب حق کو شریعت پر عمل ـــ اور جو عمل ولی اکمل ایک طالبِ حق کے لیے ـــ ذاتی فِقہ و اجتہاد سے مقرر کرتا ہے اِس عمل کے نتیجہ کا مشاہدہ حاصل ہو۔ اِس عمل میں مشاہدہ اسرارِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی حاصل ہونا یقینی ہوتا ہے ـــ لہٰذا حصُولِ مشاہدہ کے لیے ولی اکمل سے نسبت اور طویل صحبت اور توجّہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ طویل صحبت اور توجّہ میں طالب حق کو ایک خاص تصوّر حاصل

---

[1] حُسنِ نیت: پیر پر یقین رکھنے۔ اور بیعت کرنے میں حُسنِ نیت ہو۔

ہوتا ہے۔ طویل مدت صحبت میں رہنے سے پیر اکمل کا تصور (تصورِ خیالی) ذہن میں جاگزیں ہو جاتا ہے اور جب طالب حق تلاشِ حق میں۔ قلب کو حقیقت ۔ صراطِ مستقیم کی طرف یکسو کرتا ہے ۔ تو قربِ پیر کی وجہ سے اس کے ذہن میں پہلے تصورِ پیر آتا ہے ۔ یہ تصورِ پیر ظاہراً پیر کا ظاہری وجود تصورِ خیالی کی شکل میں سامنے آجاتا ہے لیکن اِس عمل کو رُوح کے ذریعہ استعمال کیا جاتا ہے ۔ ظاہری آنکھ بند ہونے سے طالب کے ذہن پر تصورِ پیر اُبھرتا ہے ۔ اس کی ہیئت رُوحانی ہوتی ہے ۔ اِس طرح رُوح کی رُوح سے نسبت ہو جاتی ہے ـــــ اِسی رُوحی نسبت سے طالب کی رُوح پر ولی کی رُوحانی نسبت سے قرب و وصال ہو جاتا ہے ۔ اِس وصال سے پیر کی رُوحانی قوت طالب کی رُوح میں سما کر اسے نوری تقویت پہنچاتی ہے ۔ یہی کیفیت "توجہ" سے تعبیر ہوتی ہے لازم ہے ـــــ جب طالب نے ایک ولی اکمل کی نسبت میں تصورِ پیر کو لازم سمجھا ۔ تو یہ عمل جستجو پیدا کرتا ہے ۔ یہ جستجو طلب پیدا کرتی ہے ۔ طلب میں حُب کا عمل پیدا ہو جاتا ہے ۔ جس چیز کی طلب کی جائے وہی شے محبوب بن جاتی ہے ۔ اِسی عمل سے اَحَبَّ ۔ حُب کی تعمیل و تکمیل ہو جاتی ہے ۔ اِس حُب کا خاصا ہے ۔ کہ حصولِ معرفت کے پہلے قدم پر پیر اکمل کی حُب ہی مقصد بن کر رہ جاتی ہے ـ یہ عمل مبالغہ نہیں بلکہ قرآنی ارشاد میں حُب کا خاصا ـــــ اور حُب کی تاثیر یہی ہے کہ طالبِ حق کے لیے ابتدا اً اولی الامر ـــــ ولی اکمل کی حُب لازم ہے ـــــ اور جب کہ طالب اپنے آپ کو بیع اور اتباع کے لیے وقف کرتا ہے ۔ تو سوائے اِس کے نہیں کہ طالب اولی الامر ولی اکمل کی حُب میں ۔ ولی اکمل کی حُب کو ہی مقدم کرتا ہے ۔ ولی اکمل کی صفت فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول ہوتی ہے ۔ یعنی ولی اکمل کی رُوح نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور نورِ الٰہی سے وصال رکھتی ہے ۔ لہٰذا ۔ فنائے رسُول ۔ اور فنائے ذاتِ الٰہی میں یہ آسان ذریعہ ہے ۔ کہ ولی اکمل کی رُوح میں فنا حاصل کر کے فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ تک پہنچ جائے ۔ یہی طریق مشاہدہ اسرارِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی کا ہے جس سے ایک مرید طالبِ حق کے مقصد کی تکمیل ہو سکتی ہے ۔ یہ اصول ایک ولی اکمل کی راہنمائی ـــــ وعدہ ـــــ عہد ـــــ بیعت ـــــ حُب میں روحانی حیثیت میں معرفتِ حاصل

کرنے کا ہے ــــ اس کے علاوہ طالبِ حق کے لیے۔ ایک زندہ ولی کی صحبت کرنا ضروری ہے۔تاکہ اس عالم اُمّت سے حصول معرفت میں۔ آداب وعلم قرآنی وحدیث وفقہ کا علم وعمل حاصل کیا جائے۔ بغیر اس ذریعہ کے معرفت حاصل ہونے میں کامیابی قطعی ناممکن ہے جب تک ایک ولی اکمل سے قرآن وحدیث وفقہ کا علم اور اس پر صحیح طریقہ پر عمل کرنا سیکھا نہ جائے۔ معرفت رُوحانی حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں فقیری بغیر علم کے بے زینت لباس اور علم بغیر مشاہدہ (فقیری) بے بصر سوار ہے۔ اِس لیے طالب حق مرید کے لیے ایک زندہ عالم ولی اکمل کی صحبت حاصل کرنا لازمی ہے۔ اِس حال میں بھی ایک ولی اکمل سے وعدہ ــــ عہد ــــ بیع ــــ حُبّ ظاہری طور ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا ظاہری طور پر ولی اکمل سے حُبّ کرنا اصل طریقت ہے۔ اِس حُبّ میں ظاہری عمل وفعل استعمال ہوتا ہے۔ وہ عمل جسمانی حیثیت میں ولی اکمل سے محبّت وعزت احترام اور باہمی رابطہ وتعلق لازم ہے ــــ مرید صادق کے لیے لازم ہے ــــ کہ جب ایک شخصیت کو ولی اکمل کی حیثیت میں کامل راہنما ــــ فنا فی اللہ۔ بقا باللہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ اس حال میں کہ اپنے آپ کو اس پر بیع کر دیا تو اپنے پیر اکمل کے مقابلہ میں کسی دوسری شخصیت کو فوقیت دے نہ اس کی طرف تکمیل مقصد کے لیے رجوع کرے۔ یہ امر۔ خلاف عہد۔ خلاف بیعت ہوگا۔ اگر ایسا کیا یعنی یکے بعد دیگرے ولی اکمل سے رجوع کرے تو لازمی ہے کہ اس کے دل میں شکوک بھی پیدا ہوں گے اور کسی خاص لائحہ عمل کا حامل نہ ہوگا اور پیش از پیش ایسا نظام طریقت کے خلاف ہے بلکہ یہ شیوہ "یقین" کے خلاف ہے۔ طالبِ حق کے لیے کسی طرح بھی کسی دوسرے ولی سے حصول فیض میں استفادہ کرنے کی گنجائش ہے نہ اصولی طور ایسا کرنا جائز ہے۔ طالب حق کے لیے یہ یقین پختہ کرنا ضروری ہے کہ اپنے حصول فیض معرفت میں اپنے پیر کامل پر بھروسہ کرکے کسی دوسرے ولی سے توجّہ حاصل کرنا لازم نہیں جب کہ پیر اکمل ایک طالب کے مقصدِ کلی کی تکمیل کی بیع کے ذریعہ ذمہ داری لے چکا ہو۔ اور وہ اس کا اہل بھی ہو۔ تو پھر کسی کی طرف رجوع کرنا ــــ شک وریب کے مترادف ہوگا۔ جو عقیدہ یکسر ناقص ہوگا۔ طالبِ حق کے لیے لازم ہے۔ کہ از رُوئے قرآن وحدیث حصولِ حق میں

پیرِ اکمل سے اپنے ماں باپ ۔ اولاد ۔ عزیزو اقارب اور ہر شے سے زیادہ محبت لازم رکھے ۔ یہی حُب کا جذبہ تصوّرِ پیر کو کامل بنا کر مشاہدۂ حقیقی کا ضامن ہوتا ہے ۔۔ ایسی صورت میں ظاہری طور ۔ پیر کی حُب کو اپنی ہر خواہش پر مقدم سمجھا جائے یہاں تک کہ حصول معرفت و مشاہدہ میں ۔ ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ طالبِ حق حُبِ پیر میں ۔ وصالِ پیر کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے ۔ یہ عمل بھی مقصدِ حقیقی معرفتِ الٰہی کا بہتر ذریعہ قرار دیا جاتا ہے ۔ اِس جذبہ سے فنائے پیر حاصل ہو کر معرفتِ حقیقی حاصل کرنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے ۔ طالبِ حق ۔۔ مریدِ صادق کو پیر کی خوشنودی میں بغیر محنت و مجاہدہ ، مراتب معرفت حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ولی اکمل کی صفت میں یہ خصوصیت شامل ہے ۔ کہ ایک مریدِ صادق کی حُب کو دیکھ کر ۔ اسے اپنی مرضی و اختیار سے مراتبِ اعلیٰ میں لے جاتا ہے ۔ لہٰذا لازم ہُوا ۔ کہ حصُولِ معرفت میں مرید کے لیے خوشنودیٔ پیر حاصل کرنا معرفت و مراتب حاصل کرنے کا بہتر ذریعہ ہوتا ہے ۔۔ ایسا عقیدہ نہ خلافتِ شریعت ہے ۔ نہ اس سے شرک لازم آتا ہے ۔

اصولِ طریقت میں ایک طالبِ حق کے لیے ۔۔ وصالِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم ۔۔ فنائے محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم ۔۔ وصالِ الٰہی ۔۔ فنائے الٰہی اصل مقصد قرار دیا گیا ہے ۔۔ اِس مقصد کی تکمیل کو عمل ۔۔ شریعت پر عمل ۔۔ زائد عبادت کی محنت ۔۔ فاقہ ۔۔ شب بیداری کے کٹھن عمل پر منحصر کیا گیا اسے ایمان سے تعبیر دیا گیا ۔ لیکن جہاں تک حُب کا تعلق ہے یہ عمل ایمان سے افضل قرار دیا گیا کہ بغیر حُب ایمان کامل نہیں ہو سکتا ۔ ثابت ہُوا کہ حصولِ معرفت میں حُب کو تقدم و تفوق حاصل ہے ۔ ایمان ۔۔ عمل ہے ۔ اور حُب ایک لطیف قلبی جذبہ ہے ۔ جس کا اظہار عمل سے نہیں ہوتا ۔۔ بلکہ واصلانِ حق نے ۔ حُب کو ایک لطیف قلبی وجدانی درد سے تعبیر دیا ہے ۔ کسی انگریز محقق نے اِس حُب کو ایک لطیف انداز میں پیش کیا ہے ۔

(LOVE IS THE PAINFUL PLEASURE AND THE PLEASANT PAIN)

(محبت ایک پُر درد سرور ہے اور پُر سرور درد)

اِس جذبہ کے تحت ایک طالب صرف اپنے محبوب کو پسند کرتا ہے۔ یہاں "حُب" کیلئے ایک محبوب کا تصوّر قائم ہوتا ہے۔ اِس تصوّر میں ذاتِ الٰہی اور ذاتِ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا تصوّر پایا جاتا ہے۔ محبوب وہ ہے جو حسین ہو اور اسی حسن پر اُسے چاہا جائے ـــ اور معشوق و عشق میں حُب اور محبوب کے مقابلہ میں فرق ہے۔ معشوق اور عشق میں عجمی تصوّر ہے۔ عشق کا تعلق ذہن سے ہوتا ہے۔ یہ مجازی اثر رکھتا ہے۔ اِس اثر کے تحت معشوق کو اس کے حُسن پر چاہا نہیں جاتا بلکہ عاشق جسے پسند کرے۔ یہ کسی مجازی معشوق کے لیے خواہ وہ حسین نہ ہو پسند کرکے اس کے تصوّر میں کھو جائے۔ یہ ناقص حُب ہے۔ حُب اللہ و رسُول اللہ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ محبوب حقیقی کے لیے ـــ جیسا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ اللہ حسین ہے۔ اور حسن کو پسند کرتا ہے اللہ خود حسین ہے ـــ کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنَا اَعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْحُبَّ۔

اللہ ایک مخفی نور[1] تھا۔ اسے خواہش ہوئی کہ مَیں پہچانا جاؤں تو پہچان میں جمال پر ہی پہچان کی جاتی ہے تو اس نے "حُب" کو پیدا کیا ـــ ایک مجسّم درد کو پیدا کیا ـــ یہ مجسّم درد ـــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس تھی۔ جیسا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نور کو حُب کی شکل میں سب سے پہلے خلق کیا۔ یہی مجسّم دَرد ہے جو محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صفت میں پیدا ہُوا۔ اِس مجسّم دَرد نے درد (حُب) سے ہی اللہ کی ذات کو اس کے جمال میں پہچانا ـــ تو اللہ اِس دَرد مجسّم کی حُب پر راضی ہُوا۔ اور اس درد مجسّم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پہچان کیلئے جیسا کہ اللہ نے اپنی پہچان کی خواہش کی ہے ـــ کائنات کو خلق کیا یہ دردِ مجسّم ـــ حُب ـــ مجسّم حُب ہے ـــ جس کی صفت "جمال" ہے ـــ محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صاحب جمال ذات اقدس ہے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حُب کے ساتھ محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو شریک کیا۔ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ یہ پہچان صرف حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی

---

[1] مخفی سے مراد۔ ازل میں اللہ کی ذات کے سوا اس کو پہچاننے والا کوئی موجود نہ تھا۔

حُب کے باعث ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہ اظہارِ "رضا" و خوشنودی کی مظہر تھی ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جمال سے جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیا ۔ یہ جمال بھی جَمِیْلٌ الشَّیۡئُ ہے ۔ اور یُحِبُّ الْجَمَالَ ۔ خود جمیل ہے اور جمال پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ۔۔۔ اِس دردِ مجسّم ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درد ۔۔۔ حُب کے لیے پیدا کیا ۔۔۔ اِسی حُب سے حمد کی تکمیل ہُوئی ۔۔۔ اور مخلوق میں جو جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے حُب کرتا ہے ۔۔۔ اسے رضاءِ الٰہی ۔۔۔ رضاءِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتی ہے ۔ یہ ایک درد ہے جو ایک مجسّم درد سے پیدا ہوتا ہے ۔ جو مخلوق کے دلوں میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں موجزن ہوتا ہے ۔۔۔ اِسی حُب مخلوق میں حُب کرنے والا ۔ محبُوب ہو جاتا ہے ۔ اسے رضاءِ الٰہی ۔۔۔ رضائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتی ہے ۔ یہی عمل قرب و وصال الٰہی اور قرب و وصال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل ضامن ہے ۔۔۔ یہی عمل معرفتِ الٰہی کا ضامن ہے ۔ جس میں ایک لطیف درد کا تاثر ہوتا ہے ۔۔۔ یہ درد مدہوشی ۔۔۔ سرور ۔۔۔ انہماک و استغراق پیدا کرتا ہے ۔ یہی صفت معرفتِ الٰہی میں اصل عمل ہے ۔۔۔ جس میں باقی عمل کو دخل نہیں ۔۔۔ ہاں ! شریعت و طریقت کے عمل میں محنت ہے ۔۔۔ مگر اس محنت میں ایک "غرض" ۔۔۔ معرفتِ الٰہی کا جذبہ پنہاں ہے مگر حُب میں غرض نہیں ۔۔۔ اس میں اپنی جان ۔ ماں باپ ۔ اولاد ۔ کی قربانی بلا غرض مقصُود ہوتی ہے ۔۔۔ جب یہ حُب طالبِ حق کے قلب میں پیدا ہوتی ہے ۔ وہ اپنی ہر خواہش ۔ ہر غرض ۔ ہر مقصد سے بے نیاز ہو جاتا ہے ۔ کہ تجھ سے تیرے لیے محبت کرتا ہوں ۔ ہاں ! اس میں بھی وصالِ الٰہی کی غرض پنہاں ہے ۔ مگر اس مقام سے بالاتر ایک اور مقام ہے ؎

آ اور دیکھ محویّت بے خُودی مری
تجھ سے بھی بے نیاز ہُوا جا رہا ہُوں مَیں

طالبِ حق ۔ جمالِ الٰہی ۔۔۔ جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار میں ۔۔۔ ایک لطیف دَرد پاتا ہے ۔ وُہی درد اس کا مقصُود بن جاتا ہے ۔۔۔ ہاں یہ درد ۔ وصال کا طلب گار نہیں ۔۔۔ بلکہ فراق کا طلب گار ہوتا ہے ۔۔۔ جب فراق کا درد قلب میں موجزن

ہُوا تو وصال کی تمنّا باقی نہیں رہتی — دل میں لذّتِ دردِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلّم — دل میں ناسُور کی طرح زخم ڈال دیتا ہے۔ جس سے درد بہہ بہہ کر نکلتا ہے۔ یہی محبت کا ناسور حقیقی طالبانِ حق کی عبادت ہے۔ جس میں کسی خواہش کا وجود باقی نہیں رہتا۔ یہ درد کل کی نفی کر دیتا ہے۔ اپنی نفی کر دیتا ہے۔

عجب دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز و استخواں سوزد

(اس درد کی تفصیل کا کوئی طالبِ حق متحمل نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس کا بیان کرنا مغز و استخوان سوزنی ہے۔ جس کا میں (راوی محمّد نور الدین) متحمل نہیں۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں حصولِ حق میں بے غرض محبّت حاصل کرو — تو تمہارے وجود کی نفی ہو گی۔ بغیر نفیٔ ذات معرفت حاصل نہیں۔ مرید کے لیے لازم ہے کہ پیر اکمل کی حُب میں بے غرض حُب استعمال کرئے۔ تو پھر نہ اپنے ارادہ سے کسی شئے کی طلب و جستجو باقی رہے گی — نہ عہد — اور بیع میں نقص واقع ہونے کا احتمال ہو گا — تمہاری نسبت پیر ابد تک قائم رہے گی۔ یہی نسبت تمہاری کامیابی کے لیے کافی ہو گی — ہاں پھر میں اس امر کا اعادہ کرتا ہوں کہ پیر اکمل سے ظاہری طور حُب استعمال کرو — پیر کی ذات کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے پر مستعد رہو — پیر سے ظاہری نسبت میں مرید کے لیے لازم ہے کہ پیر کے لیے اپنی خدمات وقف کر دے۔ پیر کی ضرورت کے لیے اپنی ذات سے محنت — خدمت — قربانی پیش کرو — جانو پیر اپنے مریدوں کے پاس اپنی غرض کے لیے نہیں آتا بلکہ اسے اپنے مریدوں سے محبّت ہوتی ہے۔ وہ اپنے مریدوں کا غم اپنا غم سمجھتا ہے۔ وہ بار بار اپنے مریدوں کی خبر گیری اور ان کی احوال پُرسی کے لیے آتا ہے۔ ایسی حالت میں آدابِ مریدی ہیں۔ مرید کے لیے لازم ہے۔ کہ جب پیر کسی مرید کے گھر وارد ہو۔ تو اپنے تمام کاروبار سے دست کش ہو کر پیر کی صحبت و خدمت میں ہر لمحہ اپنے آپ کو وقف کر دے — مرید کے لیے لازم ہے۔ کہ ظاہری طور پیر کی طبیعت کو پہچانے — اس کی پسند و ناپسند کا خیال رکھے۔ جو امر — جو شے پیر کی ناپسندیدہ ہو اس سے گریز کرے۔

مبادا۔ پیر کی طبیعت مکدر ہو۔ اسے ذہنی یا رُوحانی تکلیف ہو۔۔۔ پیر کی طبیعت کے مطابق اس کی غذا۔ رہائش اور خاطر خواہ مدارت کا حسبِ پسند انتظام کیا جائے۔ جو چیز پیر کو پسند ہو وہی شے کھانے پینے میں پیش کرے۔ آدابِ پیری کے مطابق پیر اپنے مرید کی اخلاقاً ہر پسندیدہ و ناپسندیدہ دعوت قبول کر لیتا ہے ۔۔۔ لیکن ایسا نہ ہو ۔۔۔ اپنی طرف سے وہی شے پیش کی جائے جس سے اسے تکلیف اُٹھانا نہ پڑے۔ مرید کے لیے لازم ہے کہ از رُوئے محبّت پیر کے پاؤں دبائے ۔۔۔ رات سوتے وقت خواہ تمام رات جاگنا پڑے پیر کو سلانے میں آرام اور آسانی مہیا کرے۔ یہ عمل بھی عبادت اور حُبّ میں شامل ہے ۔۔۔ پیر کی گھریلو ضروریات کا کھوج لگانا چاہیئے اور پیر کی ضرورتوں کے حصُول میں اس کا معاون بننا چاہیئے۔ ہر طرح سے پیر کی خدمت اور اس کے کاموں میں معاونت کر کے پیر کے لیے حصُولِ سامان دینوی میں مدد کرنی چاہیئے۔ یہ ضابطے حقیقتاً ایک مرید میں پیر اکمل کے ساتھ حُبّ کا جذبہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ایسی خدمت سے پیر کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ یہی خوشنودی ایک طالب صادق کے لیے بلند مراتب کے حصول کے لیے ضامن بن جاتی ہے اور مرید بلا محنت و مجاہدہ معرفتِ الٰہی کے مراتب میں کامیابی حاصل کرتا ہے ۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ ولی اکمل اپنے مرید کو ایک آن میں معرفتِ الٰہی میں مکمل بلکہ اکمل کر دیتا ہے۔ اس مرتبہ کو حاصل کرنے کا بہتر ذریعہ پیر سے بے غرض حُبّ اور خدمت اصل عمل ہے ۔۔۔ جب کہ پیر اکمل ایک آن میں مرید کو مراتب عطا کر سکتا ہے تو مرید کے لیے لازم ہے کہ پیر کے آگے نہ دینوی معاملات میں نہ حصولِ معرفت میں اپنی طرف سے مطالبہ کرے۔ کیونکہ یہ امر عہد اور بیع کے خلاف ہے ایسا کرنا ۔۔۔ مشاہدات میں طوالت پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ مرید کیلئے لازم ہے کہ حصول معرفت میں اپنی خواہش کو داخل نہ کرے بلکہ پیر کی مرضی پر قانع ہو کر صبر و تحمل سے کام لے۔ اس طرح قلب میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور مشاہدات کھل جاتے ہیں ۔۔۔ مرید کو اپنے پیر کے آداب میں محتاط رہنا چاہیئے ۔۔۔ مبادا مرید کی کوئی حرکت پیر کو ناگوار گزرے۔ ایسی حالت میں۔ اگر پیر سے اظہار غضب ہُوا تو دل میں رنج محسوس نہ کرے۔۔۔

نہ خود رنجیدہ ہو۔ محبوب کو منانے کے لیے ہر جتن کیا جاتا ہے ۔ اس کی حرکت سے رنجیدہ ہونا خلافِ حُب ہے ۔ جانو پیر کا غضب بھی رحمت اور کامیابی کا اثر رکھتا ہے ۔ پیر کے غضب میں بھی توجہ ہوتی ہے جس توجّہ سے مشاہدہ بھی کھل جاتا ہے ۔ مراتب بھی مل جاتے ہیں ۔ حضور قبلہ عالم کی خصوصیت میں ایسے واقعات پیش آتے دیکھے جن میں آپ کے غضب سے کئی گستاخ کھل گئے اور ان کو فوراً مشاہدہ حضوری حاصل ہُوا ۔ آپ کے غصّہ سے مرید کا مشاہدہ اجلاس محمّدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کھُل جاتا ہے ۔ اس سلسلہ میں حضور کے مریدوں میں سے ایک اور مرید ڈاکٹر غلام محمّد علاقہ بند کا قصّہ بیان کیا جاتا ہے ۔

جناب عبدالکریم زرگر صاحب کے لڑکے کی شادی میں بہرام پُورہ میں حضور قبلہ عالم اور بہت سے مرید مدعو تھے ۔ جن میں قبلہ سخی صاحب ۔ محمد لطیف صاحب ایڈووکیٹ ۔ ماسٹر غلام محمّد ۔ جناب ارسلان خان صاحب ۔ ڈاکٹر عبدالحفیظ ۔ ڈاکٹر غلام محمّد علاقہ بند ۔ جوان دنوں سوپور سول ہسپتال میں متعین تھے ۔ یہ خاکسار (نورُالدین) اور بہت سے مرید مدعو تھے ۔ حضور قبلہ عالم باہر گھومنے کے لیے تشریف لے گئے ۔ ہم سب مرید حضور کے ساتھ تھے ۔ اثناء راہ ڈاکٹر غلام محمّد ارسلان خان سے مذاق کرتے رہے ۔ ڈاکٹر صاحب ارسلان خان کو ایک سادہ دیہاتی سمجھ کر کچھ حقارت کا اثر اپنی گفتگو میں رکھتے تھے ۔ ڈاکٹر صاحب جناب ارسلان خان صاحب کو حقارت سے "گوجر" کہہ کر مذاق کرتے رہے ۔ یہ طرزِ کلام ارسلان خان کو بُرا محسوس ہُوا ۔۔۔ اس دوران حضور ارسلان خان کی طرف دیکھ رہے تھے ۔ ڈاکٹر صاحب کے طنز پر ارسلان خان پر غصّہ طاری ہونے لگا ۔ احتمال تھا کہ اگر ارسلان خان صاحب ڈاکٹر کی طرف نظر اُٹھاتے تو کوئی حادثہ رونما ہو جاتا مگر حضور کا ادب انہیں مانع ہُوا ۔ یہ کیفیت ڈاکٹر صاحب نہ پہچان سکے اور مذاق کرتے رہے ۔ حضور نے حالت کی نوعیت سمجھی ۔ اور ڈاکٹر صاحب کو سختی سے جھاڑ دیا ۔ اور شدید غضب کا اظہار فرمایا ۔ ڈاکٹر صاحب حضور کو غضبناک دیکھ کر سہم گئے ۔ اور دل میں رنج بھی محسوس کیا ۔ ہم سب مرید اپنی اپنی جگہ سہم گئے ۔ مَیں نے غلطی سے حضور سے سفارش کرنے کی جُرأت کی کہ حضور اسے

معاف فرما دیں۔ میرا یہ عرض کرنا تھا۔ کہ قبلہ سخی صاحب۔ مجھ پر غضبناک ہو گئے۔ اور سختی سے مجھے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ میں بے خبر تھا۔ میں خود بھی ڈر گیا۔۔اب سب پر خاموشی طاری ہو گئی۔ حضور غضبناک حالت میں واپس خواجہ صاحب کے گھر تشریف لائے۔ تھوڑی دیر میں شدّت کی کیفیت اعتدال میں بدل گئی۔ اور حضور سے غضب کے آثار ختم ہو گئے۔ تو آپ نے۔آدابِ طریقت پر وعظ فرمایا۔۔

آپ نے فرمایا۔کہ طریقت میں امیر و غریب کی تخصیص نہیں۔طریقت کے زمرہ میں ہر شخص یکساں حیثیت رکھتا ہے۔بلکہ ایک غریب فرد مراتب کے لحاظ سے امیر سے برتر ہوتا ہے۔کسی شخص کے لباس اور ظاہری ہیئت مراتب کی کسوٹی نہیں۔ایک شخص کے قربِ پیر اور مراتب کو صحیح طور پر پہچان کر اس کی عزّت کرو۔آپس کی دنیاوی اور ظاہری ہیئت کی بنا پر ایک دُوسرے کی تحقیر کرنا یا اعلیٰ اَدنیٰ کا اندازہ کرنا شریعت و طریقت میں سخت منع ہے۔ڈاکٹر غلام محمد کی طرف متوجہ ہُوئے اور بتایا کہ تمہیں تاریخِ اسلام اور اولیاء کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ طریقت میں مراتب ظاہری شان و شوکت سے نہیں بلکہ صفائی قلب اور حُب سے ملا کرتے ہیں۔اِس حقیر گوجر کی جلالی توجّہ تمہیں خراب کر دیتی اس سے معافی مانگ لو۔ڈاکٹر صاحب سمجھدار تھے۔ارسلان خان صاحب سے معافی مانگ لی اور حضور کے قدموں میں سر رکھ کر رونے لگے۔حضورؒ کو ڈاکٹر کی یہ ادا پسند آئی۔ ڈاکٹر سے خوش ہو گئے۔ڈاکٹر کو گلے سے لگایا۔۔اور فرمایا۔۔ ڈاکٹر ہم تم سے خوش ہوئے۔۔جاؤ! اب تم بڑے ڈاکٹر بنو گے۔اور فقیر بھی بنو گے۔۔ اِس جلالی فرمان کا ہم نے بچشمِ خود اثر دیکھا۔ فی الواقع ڈاکٹر ایک اعلیٰ عہدے پر ترقی کر گئے۔اور حضور سے عقیدت میں کامل ہو کر انہیں فیض بھی عطا ہُوا۔ لہٰذا لازم ہُوا کہ پیر کے غضب پر رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ مُحب کے لیے جائز نہیں کہ اپنے محبوب کی وقتی ناراضگی پر کبیدہ خاطر ہو۔یہ امر حُب کے سراسر خلاف ہے اور نامکمل مُحب کی علامت ہے۔

کیونکہ یہ صفت غرور کی علامت ہوتی ہے جو طالب کے لیے فتنہ کا سبب بنتی ہے۔ جہاں تک پیر سے صحبت رکھنے کا تعلق ہے۔ ظاہری طور پر بھی آداب مریدی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ پیر کی صحبت میں رہ کر پیر کی موجودگی میں ماسوا کا تصور دل میں باقی نہ رکھنا چاہیئے نہ کسی شئے کی طرف توجہ دینا چاہیئے۔ پیر کی صحبت میں رہنے کا مقصد ــــ پیر سے معرفت کا علم حاصل کرنا۔ معرفت و قرب کے آداب سمجھنا ــــ اور توجہ حاصل کرنا ہے ــــ یہ عمل وَيُزَكِّيهِمْ کے زمرہ میں آتا ہے کہ پیر ظاہری طور پاکیزگی کا طریق ــــ علم سے سکھاتا ہے ــــ اور پیر کی صحبت و قرب میں "توجہ" کا اثر ہوتا ہے ــــ پیر کا مرید کو بار بار دیکھنا توجہ کا اثر رکھتا ہے کہ پیر کے قلب سے مرید کے قلب پر نوری توجہ پڑتی رہتی ہے۔ جس سے قلب منور ہو کر لاانتہا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ یہ عمل روحانی ہوتا ہے جو وَيُزَكِّيهِمْ کے رُوحانی عمل میں شامل ہے ــــ پیر سے مستقل صحبت کا ایک خصوصی اثر یہ بھی ہے۔ کہ صحبتِ پیر سے حُب کو تقویت ملتی ہے اور تصور کامل ہو جاتا ہے تصور پیر کامل ہُوا ــــ تو حقیقی مشاہدہ ــــ مشاہدہ اجلاسِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم حاصل ہو جاتا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ بعض حالتوں میں پیر پر جذبی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ یعنی بعض اوقات۔ کلام وعظ میں جب پیر اسرار الٰہی۔ معرفت الٰہی کے آثار بیان کرتا ہو۔ تو جذبی حالت میں وہ ان مراتب میں سیر بھی کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ خاص موقع ہوتا ہے۔ کہ جو مرید پیر کی نظر میں مقبول ہو۔ اور پیر کی صحبت میں رہ کر خدمت گزاری میں مصروف ہو۔ پیر کے ذہن میں اس کا تصور رہتا ہے۔ مراتب کی سیر میں پیر مرید کو ساتھ رکھتا ہے۔ ایسے موقع پر پیر خوشنودی کے جذبہ میں مرید کو بغیر محنت اُونچے مراتب پر فائز کر دیتا ہے۔ لہٰذا مرید کے لیے لازم ہے کہ حتی الامکان پیر کی صحبت حاصل کرے اور اپنی خدمت گزاری سے پیر کے قلب و ذہن میں جگہ حاصل کرے ــــ یہی صحبت ــــ یہی خدمت ــــ یہی حُب ــــ طریقت کی اصل ہے۔ جس سے مرید کو بلا مجاہدہ مراتب و عرفان نصیب ہوتا ہے۔ لہٰذا مرید کے لیے لازم ہے کہ پیر کی صحبت کے لیے (یہ ضروری نہیں کہ پیر ہی مرید کے گھر آئے) مرید اکثر پیر کے آستانہ پر حاضری دینے جایا کرے اور پیر کی صحبت اختیار کرے اور پیر کی صحبت سے توجہ حاصل کرتا رہے۔

آدابِ مریدی میں خدمتِ پیر کے چند آداب

خدمت و صحبت پیر میں مرید کے لیے لازم ہے۔ کہ جب پیر کے آستانہ پر حاضر ہو۔ تو اپنے ساتھ تحفہ کے طور ضروری کار آمد چیزیں لے جائے جن میں اشیائے خوردنی۔ یا لباس کے لیے کپڑا۔ وغیرہ تاکہ پیر کو مرید کے لیے مہمانداری میں دِقت کا سامنا نہ ہو۔ اِس کے علاوہ پیر کے ذاتی مصرف کے لیے تحائف لے کر جائے۔ یہ سُنّت کے مطابق ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لوگ تحائف پیش کرتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم انہیں قبول فرماتے۔ مرید کے لیے لازم ہے۔ کہ پیر کے آستانہ پر حاضر ہو کر۔ بحیثیت مہمان نہ رہے بلکہ خادم کی حیثیت میں پیر کے گھریلو کام کاج میں مستعد ہو جائے۔ گھر کے چھوٹے چھوٹے ضروری کام انجام دے۔ گھر کا جھاڑو دے۔ کپڑے دھوئے۔ جُوتے مرمت کرے۔ پانی بھر دے۔ کھانا پکانے میں خادم کا کام انجام دے۔ اس طرح پیر کو مرید کی آمد پر زیادہ زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ چند دن قیام کی صورت میں پیر کی صحبت میں رہ کر پاؤں دبائے اور ہر طرح پیر کی خدمات انجام دے۔ مرید ہر حال میں خادم ہوتا ہے لہذا اسکی خدمت کا بہتر مقام پیر کے گھر میں خادم کی حیثیت میں خدمت انجام دینا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ طریقت میں ہر اعلیٰ و ادنیٰ یکساں درجہ رکھتا ہے جیسا ادنیٰ مرید کے لیے پیر کی خدمت لازم ہے۔ اِسی طرح اعلیٰ عہدہ و نسب کے حامل مرید کے لیے بھی یہی مقام ہے۔ اِس کے لیے بھی یہ خدمت لازم ہے۔ کسی اعلےٰ شخصیت کو پیر کے سامنے اپنی حیثیت کا احساس کرنا۔ کبر و نخوت کی علامت ہے۔ فقیر کے لیے اپنی "انا" کا احساس مراتب و مشاہدہ میں محرومی کا سبب بنتا ہے۔ مرید بیع کی صورت میں خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔ "غلام" کی حیثیت رکھتا ہے۔ غلام کے لیے اپنی ذاتی "انا" کا احساس اسے غلامی اور بیع سے خارج کر دیتا ہے۔ لازم ہے کہ اگر پیر گھر میں آئے تو اپنے عزیز و اقارب یا اولاد۔ یا ملازم کو پیر کی خدمت کے لیے مامور نہ کرے۔ بلکہ خود پیر کی خدمت کرے۔ اپنے بغیر کسی ادنیٰ درجہ کے ملازم۔ یا اور کسی افراد کنبہ سے پیر کی خدمت کرانا۔ اور خود بیٹھے رہنا۔ پیر کے احترام میں

فرق ڈالنے کے مترادف ہے۔ اِس لیے پیر کی خدمت کا جذبہ کامل ہونا چاہیئے۔ پیر کی خدمت میں اگر جماعت کی صورت میں حاضر ہونا ہو ـــــ تو لازم ہے۔ تعداد کے مطابق اپنی ضرورت کی اشیاء اور قیام کی دوسری ضروریات ساتھ لے جائیں ـــــ تاکہ کثیر افراد کی خدمت کے لیے پیر کو تکلیف یا الجھن کا سامنا کرنا نہ پڑے ـــــ بلکہ ایسے مواقع پر ہر کام خود کرنا چاہیئے ـــــ اور قیام کے دوران پیر خانہ سے فاصلہ پر قیام رکھنا چاہیئے۔ یہ انتظام کرنا مریدوں کے لیے ضروری ہے۔ تاکہ پیر کی خلوت میں فرق نہ آئے اور پیر کو علیحدگی میں رہتے ہوئے۔ اپنی ذاتی مصروفیات پوری کرنے کا موقع میسّر ہو۔ اور پیر کو مریدوں کی صحبت میں رہ کر اپنے کام کاج اور اندرون خانہ لوازمات میں خلل واقع نہ ہو ـــــ لازم ہے کہ پیر کی مصروفیات کا اندازہ کیا جائے۔ اخلاقاً پیر کو اپنے محبوں کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں پیر کو اپنے کام کاج چھوڑنے پڑتے ہیں۔ اس لیے دُور فاصلہ پر رہنے سے پیر صحبت سے علیحدہ ہو کر فراغت حاصل کر سکتا ہے۔ پیر اگر زیادہ مصروف ہو۔ تو لازم ہے۔ کہ پیر کے آستانہ پر زیادہ دیر قیام نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ خود اس ادب کی نشاندہی کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ

(پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت ۵۳)

اے ایمان والو مت داخل ہو نبی کے گھر میں رکھلے بندوں) مگر اس وقت کہ اجازت دی جائے تمہیں کھانے کے لیے۔ بغیر انتظار کیے ہوئے اس کی تیاری کا ـــــ اور لیکن جب تم کو بلایا جائے پس داخل ہو۔ پس جب تم کھا چکو تو اُٹھ کر چلے جاؤ ـــــ اور نہ رغبت رکھو باتیں کرنے کی۔ بیشک تمہاری یہ حرکت تکلیف دہ ہوتی ہے نبی کے لیے لیکن وہ تمہیں گھر سے باہر نکل جانے کے لیے خود کہنے سے شرم کرتے ہیں۔ مگر اللہ تم سے حق کہنے سے

نہیں شرماتا۔

اِس آیت میں صحابہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کھلے بندوں داخل ہوکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت میں خلل انداز ہونے سے یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق حسنہ صحابہ کو اُٹھ کر جانے کا حکم دینے سے مانع ہوتا ہے۔ مبادا ان کے دلوں کو چوٹ لگے کہ وہ تو حبِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کے تحت قربِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متمنی ہوتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت کا اندازہ ہے کہ صحابہ کا زیادہ دیر بیٹھنے سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون میں فرق آتا ہے۔ اِس حال میں نبی کو ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ یہ چیز اللہ کو پسند نہیں اسلئے مومنوں کو نبی کی صحبت میں زیادہ دیر قیام کرنے سے منع کیا ـــــ قائم مقام۔ نائبِ رسُول۔ اولی الامر کی بھی یہی حیثیت ہوتی ہے۔ مرید اگرچہ جذبہ حُب کے تحت پیر کا قرب وصحبت حاصل کرنے کیلئے آتے ہیں۔ لیکن یہ امر واقع ہے کہ مرید کے زیادہ دیر پیر کے گھر قیام میں پیر کو بھی اخلاقاً مرید کی دلجوئی کے لیے اِس کے پاس بیٹھنا پڑتا ہے ـــ اصولاً یہ بات معیوب ہے کہ پیر مرید کی دلجوئی کے لیے ضرورت سے زیادہ وقت اس کے پاس بیٹھے۔ اس طرح پیر کو بھی ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ اس لیے جب بھی پیر کے گھر حاضر ہونا ہو تو اوّلاً پیر کے آستانہ سے دُور قیام رکھا جائے تاکہ پیر کو مرید کی صحبت میں سارا وقت بیٹھنے کی زحمت نہ ہو بلکہ جب دل چاہا۔ جب موقع مناسب ہو پیر چند لمحات مریدوں میں قیام کرکے اپنے گھر جائے اس طرح پیر کو ذہنی کوفت نہ ہوگی ـــ اور مرید کو مقابلتاً زیادہ دیر پیر کی صحبت میں رہنا نصیب ہوگا۔ ورنہ اگر پیر کے گھر ہی رہنا پڑے تو قیام میں جلدی کرنی چاہیئے یا دوسری صورت یہ ہے۔ کہ پیر کے گھریلو کام کاج میں۔ گھر کا کام خود کرتا رہے۔ بحیثیت خدمت گار کے پیر کی خدمت کرتا رہے۔ اور اپنی ذات کے لیے کسی ضرورت میں پیر پر بوجھ نہ ڈالے ـــ یہ آداب پیر و مرید کے درمیان حقیقی حُب کا جذبہ پیدا ہونے کا ذریعہ ہیں جس سے مرید پیر کی حُب میں ـــ عہد ـــ وعدہ ـــ بیعت کی تکمیل میں کامیاب رہتا ہے۔ اور خوشنودیٔ پیر حاصل کرکے اپنے مقصدِ حقیقی معرفتِ الٰہی میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

ہمہ اوست و ہمہ دراوست کی تفصیل

اس کارگاہِ حیات میں خالق ومخلوق کا ایک اٹل اور فطری نظام قائم ہے ۔
جس میں دو ہیئتیں محسوس کی جاتی ہیں ـــــ ایک خالق ـــــ اور دوسری مخلوق ـــ خالق سے مراد ـــ ایک ازلی ـــ مستقل اور لامحدود ۔ غیر فانی وجود ـ جس کی ہیئت کا تصور "اَحَدْ" میں قائم ہوتا ہے ـــــ احد سے مراد ایک لامحدود ذات ـــ جس کے مقابل کسی دوسرے وجود کا وجود موجود ہونا ممکن نہیں ـــ اس کی لامحدودیت کے ـ زمان ومکان کا کوئی تعین نہیں ـ نہ ہی کوئی ـ ابتداء و انتہا ہو سکتی ہے ـــــ بہ اعتبارِ کیفیت یہ وجود یکسر نوری وجود کہلاتا ہے ـــ احد کی حیثیت میں ـ اس کے مقابل کسی دوسرے وجود کا پایا جانا ممکن نہیں ـــ جب کہ لامحدود ہیئت کے اعتبار سے ـ کسی دوسرے وجود کے لیے ـ زمان ومکان کی ـ اس نورِ ازلی سے سوا ـ گنجائش نہیں ـــ لیکن نورِ ازلی سے سوا کائنات میں نار ـ اور خاک کی ہیئت میں کیفیتیں محسوس کی جاتی ہیں ـ جب کہ فطری طور ان کے وجود کے لیے ـ مکان میسّر نہیں ہو سکتا ـــ تو ان دو کیفیتوں کا وجود ـ اور ظہور کیسے ہُوا ؟ ـ اور ان کے لیے مکان (مقام و جگہ) کیسے میسّر آیا ؟ ـ اسی تحقیق و فکر میں ہمہ اوست اور ہمہ دراوست کا مسئلہ سامنے آتا ہے ـــ کہ بنیادی وجود ـــ نورِ ازلی ـ نورِ لامحدود ـــ احد کے سوا ـ کسی وجود کا تصوّر مستقل نہیں جسے "لا" سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــ اور بغیر ذات جو وجود بھی قائم ہے ـ ـــ اس کا خالق خود ـ ذاتِ احد ہے ـ اس اعتبار سے ـ احد ـ خالق ہے ـ اور ماسوا ـ اَحَدْ ـ مخلوق کہلاتی ہے ـــ اور مخلوق کا وجود خارجی نہیں ـ بلکہ احد کے وجود سے ہی پیدا ہُوا ـــ اس کے سوا مخلوق کے وجود کی کوئی تاویل ممکن نہیں ہو سکتی ـــ ایسی صورت میں ـ جب کہ مخلوق کا وجود ممکن نہیں ـ تو ظاہر ہے کہ مخلوقی وجود ـــ ہمہ اوست سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــ اور جب کہ مخلوق کے لیے زمان ومکان میسّر نہیں ہو سکتا تو اس کا مکاں (مقام) ہمہ دراوست سے تعبیر دیا گیا ـــــ اِس کیفیت کے فکر و تحقیق میں ـ قرآنی آیت کی روشنی میں ـــ حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا "فکر" سے تعبیر ہے ـــ

فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ۔

پھرو زمین میں پس دیکھو مخلوق کی تخلیق کی ابتدا۔ کیسے ہوئی۔

تخلیق کی ابتدا سے لے کر انتہا تک تحقیق میں ـــ مخلوق کے بنیادی وجود (اسباب و علّت) ـــ تخلیقی ترکیب و ترتیب اور۔ زمان و مکان کا علم ہوگا ـــ

حضور قبلہ عالم خالق و مخلوق کے وجود پر تحقیق کو "فکر" سے تعبیر دیتے ہیں "فکر" ذہنی بھی ہوتا ہے۔ اور قلبی بھی ـــ فرماتے ہیں ـــ ذہنی فکر یہ ہے۔ کہ

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ وَ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

تحقیق پیدائش کائنات (آسمان و زمین) میں خالق و مخلوق۔ اور تخلیق میں خالقیت اور مخلوقیت کے آثار مل سکتے ہیں۔ جو اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ـــ بصر۔ یعنی حواس و عقل کی تحقیق سے علم میں آسکتے ہیں ـــ وہ ہے ۔ اشیائے کائنات میں ۔ سائنسی تحقیق کے ذریعہ ـــ ہر شے کے مرکبات و اجزاء کا تجزیہ کر کے ۔ رُوح و جسم کی تخلیق اور اس کے اصل بنیادی وجود کا کھوج لگانا ـــ یا علم حاصل کرنا ـــ دوسرے قلبی فکر یہ ہے۔ کہ رُوحانی حیثیت میں ـــ اشیاء کائنات کے وجودوں کے بنیادی وجودوں کا مشاہدہ کرنا۔ یا علم حاصل کرنا ـــ پہلی نوع ـــ حواس و عقل سے تحقیق محدود اندازہ میں ہوتی ہے ۔ جہاں تک ان کی رسائی ہے ـــ کہ حواس و عقل سوائے۔ مادی اشیاء کی تحقیق کے۔ غیر مادی۔ روحانی۔ یا نوری کیفیتوں کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے دوسری نوع قلبی فکر ـــ یا رُوح کے ذریعہ ـــ رُوحانی یا نوری کیفیتوں کا بالمشاہدہ ادراک کرنا ـــ قلبی یا رُوحانی تحقیق کی وسعت وہاں تک ہے۔ جہاں تک نوری وجود (عالم بالا کے نورانی مراحل و منازل) موجود ہے ـــ نوری وجود ـــ زمین سے لے کر آسمان ۔ اور آسمان سے لے کر ماوریٰ ۔ عالم ملکوت ـــ جبروت ـــ لاہوت تا نورِ الٰہی وسعت پذیر ہیں ان کیفیتوں کی تحقیق میں۔ روحانی طور تحقیق و مشاہدہ ـــ فکر سے تعبیر ہے ـــ جہاں تک ۔ خالق و مخلوق کے تصوّر کا تعلق ہے۔ اس میں "نور" اور "ظلمت" کے دو تصوّر پائے جاتے ہیں۔ نورِ الٰہی سے زمین کی ادنیٰ درجہ کی کیفیت کا قرآن نے اس آیت میں تصوّر دیا ـــ

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

اللہ مومنوں کو دوست بناتا ہے۔ اور اندھیرے سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اس آیت میں وجودِ کائنات کے ظلمات (اندھیرا) اور نور کے دو تصورات دیئے گئے ہیں۔ نور ازل سے ہے اور ظلمات۔ نور کی آخری تنزلی ہیئت۔ زمین سے متصور ہے ـــــ انسان صاحبِ فکر کا مقام ـــــ زمین میں ہے۔ جو ظلمات سے تشبیہ ہے۔ لہذا انسان نے۔ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ـــــ اور وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ ـــــ اشیاء کا اراضی۔ ظلماتی۔ اور اپنی ذات سے تحقیق و فکر کی ابتدا کرتی ہے ـــــ اسی لیے حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ کہ "فکر" ـــــ باطل ـــــ ظلمت سے ـــــ حق۔ نورِ ازلی۔ کی طرف رجوع کرنے کا نام یعنی "جز (مخلوق) میں "کل"۔ (نورِ ازلی) کا مشاہدہ کرنا کہ مخلوق کا وجود خارجی نہیں ہو سکتا۔ جب کہ نورِ ازلی ـــــ احد سے تعبیر ہے تو لازم ہے۔ کہ ہر وجود کا بنیادی وجود ـــــ نورِ احد ہی ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا ـــــ فکر ذہنی بھی ہوتا ہے۔ اسے استدلالی بھی کہا جاتا ہے استدلالی سے مراد ـــــ عینی مشاہدہ کے ساتھ (حواس و عقل کے ذریعہ سائنسی تحقیق سے) کیفیات کے تجزیہ میں۔ اشیاء کے مرکبات اور ان کے بنیادی وجود کا علم حاصل کرنا۔ یہ طریق قابلِ تسلیم ہے۔ کہ اس طریقہ سے اشیاء کی ہیئتیں عین الیقین کی حد میں آتی ہیں ـــــ جو طریق ایک علم کی صورت اختیار کرتا ہے۔ جو سائنسی محققین کے علم کی اساس مبنی ہے۔ لیکن یہ تحقیق و علم۔ نامکمل ہے۔ بسبب اس کے کہ اس تحقیق سے اشیاء کائنات کی بنیادی علت کا ادراک و احاطہ نہیں ہو سکتا سوائے۔ غیر مادی۔ روحانی ہیئتوں کا تصور۔ اسی علمی اساس پر "قیاسی" یا وہمی تصور حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تصور۔ وہمی ہونے کے باعث اصل قرار نہیں دیا جا سکتا جب کہ ان ماورائی ادراک کیفیتوں کے وجود کا کسی طور نہ عین الیقین۔ کی صورت میں نہ علم الیقین کی صورت میں مشاہدہ ثابت ہوتا ہے۔ لہذا فکر میں یہ تحقیق و علم ازلی وجود کے تسلیم میں ناقص ـــــ بلکہ کسی حد تک گمراہی کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ اس حال میں۔ کہ قیاس و وہم کسی کیفیت کی اصل ماہیئت کا علم حاصل کرنے میں کامل نہیں۔ بلکہ ناقص قرار دیا جاتا ہے۔ دوسرا طریق ذہنی فکر کا یہ بھی ہے۔ کہ تحقیق محض۔ تخیل۔ (تخیلات کی جولانی پر) پر ہوتی ہے۔

حس میں کیفیات کا وہمی تصور پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم الشمس (سورج) کی تحقیق میں سورج کے وجود کا احاطہ۔ بغیر عینی مشاہدہ خیالی۔ یا عقلی طور کریں۔ تو ہم اِنَّ فِی خَلۡقِ الۡاَرۡضِ میں۔ زمین پر تحقیق کریں۔ تو زمین کی ابتدائے ناری تک ہماری فکر پہنچ جاتی ہے ـــ اور زمین اور سورج کے تعلق میں۔ روشنی ـ تپش دن رات کے وجود کا سورج سے نسبت ہونا ـــ زمین کا سورج کی کشش میں محصور رہنا ہمیں یہ باور کراتا ہے۔ کہ زمین کی علت سورج ہی ہو سکتی ہے۔ اور زمین کی جملہ صفات پر ہم سورج کی ہیئت وصفت کا تعین کر سکتے ہیں۔ لیکن سورج کی اصلی ہیئت۔ پر ذہنی فکر سے (عینی مشاہدہ کے ذریعہ) احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا زمین کی صفات کے مطابق ہم سورج کی ان خاصیات کا جو عینی مشاہدہ میں نہیں آ سکتیں ایک قیاسی تصور قائم کر لیتے ہیں ـــ قیاس۔ عقل کے ساتھ محدود ہے۔ وہمی تصور میں غلط تصورات کا پایا جانا یقینی ہے۔ لہٰذا۔ ایسی تحقیق میں حاصل کیا ہوا علم ۔استدلالی یا قیاسی علم تعبیر دیا جاتا ہے۔ جو اپنے علم میں غلط تصورات پیش کر کے گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا۔ تفکر استدلالی۔ ناقص علامت تعبیر دی جاتی ہے۔ اس فکر میں کیفیات کے تصورات میں جو تاثرات پیدا ہوتے ہیں ـــ ان میں حیرت (تعجب) کا تاثر پایا جاتا ہے۔ یعنی ایسے فکر میں۔ کائنات کے وجود میں۔ عجائبات کے حیرت انگیز تصور میں۔ انسانی ذہن پر وجدان پیدا ہوتا ـــ اس کی بنیاد وہم و قیاس پر ہوتی ہے۔ ایسی حیرت۔ حیرت مجازی کہلاتی ہے یعنی بلا مشاہدہ کسی کیفیت کی تحقیق میں۔ تعجب خیز ترتیب و آثار کے تصور میں انسانی ذہن پر وجدانی کیفیت کا طاری ہونا۔ جس کی حقیقت مسلم نہ ہو۔ ناقص اور گمراہ کن قرار دی جاتی ہے۔ کہ اس تصور میں انسان حقیقت حق کی اصل تک نہ پہنچ سکتا ہے۔ نہ اصل (بنیادی وجود) کا حقیقی تصور حاصل ہو سکتا ہے ـــ ہاں اصل فکر یہ ہے۔ کہ باطل (ظلمت) سے نکل کر ـــ حق (نور ازلی) کی سمت۔ صحیح راہنمائی حاصل ہو۔ اور اس راہ کی حقیقی ہیئتوں۔ کیفیتوں۔ ان کے بنیادی وجود بَدَا کا حقیقی تصور حاصل ہو ـــ اس طریق کو "فکر حقیقی" سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہ فکر فکر قلبی ـــ یا مشاہدہ روحانی سے حاصل ہوتا

ہے ۔۔۔ اِس فکر کے حامل اولیاء۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ مومنوں میں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا دوست رکھ کر ۔قلبی ۔رُوحانی مشاہدہ کے ساتھ۔ نورانی اسرار و آثار کا مشاہدہ دے کر مخلوق اور خالق کا حقیقی تصوّر عطا کرتا ہے۔ چنانچہ ایسے محققین اولیاء نے مشاہدہ حقیقی کے ساتھ۔ کائنات کی تخلیق میں خالق و مخلوق پر فکر کر کے ایک خاص تصور پیش کیا ۔جسے "ہمہ اوست" کہا گیا۔ جس میں ایک خالق کے وجود کو اس کی ذات اور صفات کے ساتھ تصوّر میں لایا ۔۔۔ جسے اَحَدْ "کل" سے موسوم کیا گیا۔ اِس کے سوا۔ مخلوق کی تحقیق میں۔ اس کے بُنیادی وجود میں۔اسی کُل کا مشاہدہ کر کے "لا" کا تصوّر دیا اور اس کی تخلیقی ترکیب کو پا کر۔ کائناتِ مخلوقی کے وجود کو۔ اس کے زمان و مکان کو "ہمہ در اوست" سے تعبیر دیا۔ حضور قبلہ عالم ان دو کیفیتوں پر اپنے منظوم اشعار میں۔ ایک حقیقی تصوّر پیش کرتے ہیں۔

دو طریقہ داں فنا فِی اللہ را
بشنو تفصیل ہر یکے را ماجرا
اوّل "ہمہ اُوست" نزدِ صُوفیا
از برائے حل شدن مسئلہ فنا
دوئم "ہمہ در اُوست" از اصلِ فقر
اندر اصطلاحِ صوفیا کلمہ مقر
یعنی ہمہ اُوست اینکہ کُل جہاں
عدم ہست ہر جا وجُود اُو عیاں
یعنی ہر ذرّہ ہر چیز ہر اشیاءَ
گشتہ فانی در وجُود اللہ بقا
معنی ہمہ در اُوست ایں کہ کُل جہاں
عدم گشتہ در وجُود اللہ نہاں
ایں ہمہ عالم شد محو و فنا

دَر وجُودِ ذات اُو دائم بقار

دَر نتیجہ ہر دو معنی یَک شدند

گرچہ از الفاظ ظاہر دو بودند

حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں۔کہ خالق ومخلوق میں ــ خالق نورِازلی ہے ــ یہ نورازلی ــ ابدی ــ دائماً ــ قائماً ــ فرداً ــ وتراً ــ حیًا ایک مستقل نور ہے ــ جسے اللہ کے تصور میں پایا جاتا ہے۔

یعنی اللہ کے معنی جس کی ذات پر فکر کیا جائے۔ تو اس کی ازلی۔ابتدا پانے میں ــ زمان و مکان کی لامحدودیت میں پرواز کرنے میں۔عقلی ــ شعوری ــ رُوحانی حیثیت میں۔انسانی شعور کے پر پرواز غیر معینہ مدّت تک پرواز ــ کے تصور میں حیرت و درماندگی میں پڑجاتے ہیں۔ تو زبان سے اِلٰہ کی آواز نکلتی ہے۔جہاں علم وشعور کے پَر پرواز کرکے تھک کر حیرت میں پڑجاتے ہیں ــ لہذا اس کی ذات پر فکر لاحاصل اوراس ذات کے تصور میں کوئی مستقل تصور قائم کرنا ممکن نہیں۔لہذا اس کی ذات پر فکر میں کوئی تصور قائم کرنا ــ یا اس ذات کی کامل پہچان معرفت کا دعویٰ باطل ہے سوائے اس کے کہ اس کی صفات پر فکر کیا جائے ــ اس کی صفات میں مخلوق کی تخلیق کے آثار و اسرار۔یعنی اس کی خالقیت کے کرشمات کا مشاہدہ اور ان کی پہچان ہی کے لیے معرفت (پہچان) وتحقیق محدود ہوتی ہے ــ البتہ اس لامحدود تصور میں اللہ کی ذات کے لیے ایک ہی تصور قائم ہوتا ہے ــ وہ اَحَدٌ ہے ــ احد سے مراد اس وسیع ولامحدود ذات کے سوا کسی دوسرے وجود کا ہونا قطعاً ممکن نہیں۔اس حال میں۔کہ کسی دوسرے وجود کیلئے۔ نہ خارجی مواد MATERIAL موجود ہوسکتا ہے ــ نہ زمان ومکان کہ کسی دوسرے وجود کے قیام کی ماسوائے اللہ کوئی مقام ہو۔جہاں اس کا قرار وقیام ممکن ہو ــ ایسی حالت میں کسی غیر اللہ کا تصور۔اللہ کی ذات کے مقابلہ میں۔قائم ہونا ــ یا قائم کرنا شرک کے مترادف ہو تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ــ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اللہ کے مانند ذات وصفات میں پانا ــ یا تصور میں لانا ــ

ظلمت ۔ گمراہی اور خسران و نامرادی ہے ـــــ لیکن ماسویٰ اللہ بہر حال ایک وجود۔ موجود بھی ہے ۔ جسے کائنات کے تصور میں محسوس کیا جاتا ہے تو عقلمندی کا تقاضا ہے۔ کہ احد کی حیثیت میں ۔ اس وجود کے لیے ۔ نہ خارجی مواد MATERIAL کا میسّر ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے ۔ نہ اس وجود کے قیام کے لیے احد سے خالی کوئی مقام ہو سکتا ہے جہاں اس وجود کا قرار ہو ـــ تو سوائے اس کے نہیں ۔ کہ اس وجود کو بھی اللہ کی ذات سے نسبت دیا جائے ـــــ ہاں اِس وجُود کے تصوّر میں ۔ یہ کیفیت عیاں ہے ۔ کہ ذات احد کی موجودگی میں ۔ یہ ثانوی وجود ۔ (ذاتِ الہٰی سے سوا ۔ دوسرا مخلوقی نور محدود ۔ اللہ کے نُور کی جُز ہی ہو گا ـــــ محدود ہیئت کے تصوّر میں اس وجود کو ” مخلوق “ کہا جاتا ہے ـــــ مخلوق سے مراد ـــــ محدود ـــــ اور غیر مستقل اس حال میں کہ ماضی میں اس کا مستقل وجود نہ تھا ـــــ اور محدودیت کے اعتبار سے یہ وجود مستقبل میں ۔ پھر عدم ہونے کی خاصیت رکھتا ۔ جیسا کہ ماضی میں عدم تھا ـــ ایسی صورت میں غیر اللہ وجود کی نہ اپنی کوئی خارجی حیثیت قائم ہوتی ہے ـــــ نہ اس کا کوئی ذاتی مستقل وجود تصوّر میں آتا ہے ۔ اِس تصور میں یہ وجود ” لا “ کی صفت سے متصف ہوتا ہے ۔ کہ اس کا اپنا کوئی وجُود نہیں ـــــ اِس تصوّر کے ساتھ ۔ کہ یہ وجود بھی اللہ کا وجود تصوّر کیا جاتا ہے ۔ لہٰذا مخلوقی وجود کی نفی کے تصوّر میں ہی ۔ ” ہمہ اوست “ کا تصوّر پختہ ہو جاتا ہے ۔ کہ کائنات میں جو موجود ہے ۔ وہ سب اللہ کی ذات ہے ۔ لیکن مخلوقی حیثیت کے اعتبار سے ۔ جب کہ ایک غیر مستقل وجُود کا تصوّر سامنے آتا ہے ۔ تو لازمی طور ۔ غیر مستقل وجود کو ـــــ غیر مستقل حیثیت میں ۔ ایک علیحدہ وجود کی حیثیت میں بھی ـــ اللہ کے تصوّر میں لانا شرک سے تعبیر ہے ۔ جب تک کہ اس وجود کی وجودی حیثیت کو ” عدم “ تصور نہ کیا جائے ـــــ سو ـــــ اس وجود کے عدم کا طریق یہی ہے ۔ کہ اسے اللہ کی ذات میں ” فنا “ ضم کیا جائے ـــــ ظاہر ہوا ـــــ کہ فنا کے تصور سے ہی مخلوقی وجود کو ” عدم “ ـــــ اور ہمہ اوست کے تصوّر میں ۔ لا (اس وجود کی اپنی حیثیت کچھ نہیں) کہا جاتا ہے ۔ جس کے متعلق قرآن تصوّر دیتا ہے ۔ لَآ اِلٰہَ ۔ اِلَّا اللہ ۔ اللہ کے سوا ۔ کوئی دوسرا وجُود کسی حال میں موجود نہیں ہو سکتا ۔ اور یہ جو ثانوی وجُود مخلوقی ہے ۔ اس کا بھی اپنا مستقل وجُود نہیں ۔ بلکہ

یعنی ہر ذرّہ ہر چیز ہر اشیاء
گشتہ فانی در وجود اللہ بقا

مخلوقِ کائنات کے وجود کا ہر ذرّہ۔ اپنی کوئی مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ نہ اس کے لیے کوئی خارجی مواد (MATERIAL) موجود ہو سکتا ہے۔ اس وجود کا ہر ذرّہ نورِ الٰہی سے ہی بنا ہے۔ اس تصور کو قائم کرنے کے لیے۔ ہر شے کائنات کو واپس اپنی علت میں ضم کرنے کے تصورات کے ساتھ "عدم" کیا جاتا ہے۔ تو مخلوق کے ہر ذرہ کو جب اس تصور سے دیکھا جائے۔ تو ہر شے میں اللہ کا نور ہی نظر آتا ہے۔ اس طرح مخلوقی ہیئت کا تصور یکسر معدوم ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت ہمہ اوست سے تعبیر ہے۔ اب ضروری ہے۔ کہ اللہ کی ذات کے تصور کے ساتھ اس کو خالق کی حیثیت میں تصور میں لایا جائے۔ اور مخلوقی وجود کے وجود میں آنے کی اس ترتیب و ترکیب کو پہچانا جائے جس کے متعلق قرآن نے اشارہ دیا۔ کہ

فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ۔

کہ اس مخلوق وجود کی۔ ابتدا کیسے ہوتی ہے۔ اس کا بنیادی وجود کیا ہے ــــ اس کا MATERIAL کیا ہے۔ کہاں سے آیا ہے ــ کیسے تخلیق ہوا ــ اس کی تخلیقی ترکیب کیا ہے ــــ اور اللہ کے نور سے اگر بنا تو ان اشیاء میں اللہ کے نور کو کیسے پہچانا جاتا ہے۔ جب کہ اس مخلوقی وجود کی اپنی ایک علیٰحدہ حیثیت بھی ہے۔ جو غیر اللہ قرار دی جاتی ہے۔ اس فکر کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت ہمہ اوست کی ہے۔ یعنی سوائے اس کے کچھ نہیں۔ جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی ذات ــ اللہ کا نور ہے ــ اِس حیثیت میں اللہ کا تصور۔ اس کی تسلیم کے ساتھ۔ کہ بہر حال اللہ کی ذات کو تسلیم کرنا ضروری ہوا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ[1]

---

[1] یعنی قبل از تحقیق۔ بلا دلیل اللہ کی ذات کو تسلیم کر کے۔ اس کی ذات سے ہی۔ تحقیق کی ابتدا کرنا۔

دوسری صورت تحقیق کی ابتدا۔ وَ فِیْ اَنْفُسِکُمْ[1]۔ اپنی ذات کی پہچان کر کے اللہ کی ذات تک پہنچنا۔ وَ فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔

چونکہ مستقل تصور اَللہُ اَحَدٌ ہی کا کل کی حیثیت میں پایا جانا ثابت ہے۔ اسلیے۔ پہلے اللہ کی ذات سے ہی فکر کی ابتدا ہوتی ہے — احد کی حیثیت میں کسی دوسرے وجود کے لیے نہ مادہ MATERIAL میسر ہونا ممکن ہے — نہ احد سے خالی کوئی مکان ہوسکتا ہے۔ جہاں کسی دوسرے کا قیام و قرار ممکن ہو۔ تو اس کی فطری طور پر یہی صورت ہوگی کہ اس مخلوق نور کو چونکہ احد سے سوا کوئی مکان میسر نہیں، تو اس کا احد سے علیحدہ مکان میں قرار نہیں ہوگا۔ لہذا اس نور کی حیثیت نور احد میں ہی ایک نقطہ یا مرکز کی صورت میں ہوگی۔ بنیادی طور پر یہ نور — نور احد ہے۔

اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۶ آیت ۸۲)

جب اللہ ارادہ کرتا ہے کسی شے کے ہونے کا۔ تو وہ "کُن" (ہوجا) کے حکم سے اس شے کا وجود ظاہر کرتا ہے۔ اللہ نے چاہا کہ کائنات بنے۔ تو اس تدبیر کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو "حُب" کو پیدا کیا — دوسری حدیث میں فرمایا اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ۔ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور مخلوق کیا۔ تو اس تخلیق کی ترکیب یہ ہوگی۔ کہ نورِ الہٰی کے وجود سے "جُز کی حیثیت میں" — ایک نور پیدا ہوا — یہ مخلوق نور۔ چونکہ احد سے سوا کوئی مکان میسر نہیں۔ تو اس نور کا احد سے علیحدہ مکان میں قرار نہیں ہوگا لہذا۔ اس نور کی حیثیت۔ نورِ احد میں ہی۔ ایک نقطہ یا مرکز کی صورت میں ہوگی۔ بنیادی طور پہ نور — نورِ احد ہی ہوگا۔ مگر مخلوقی حیثیت میں۔ نور مخلوقی غیر اللہ تصور ہوگا۔ اس نور کا بنیادی وجود نورِ الہٰی ہی ہوگا۔ بہ الفاظِ دیگر یہ وجود بھی نورِ الہٰی سے موسوم ہوگا — مگر مخلوقی حیثیت میں یہ نور "جز" قرار دیا جائے گا۔ ظاہر ہے جز

---

[1] وَ فِیْ اَنْفُسِکُمْ بغیر تسلیم ذاتِ الہٰی تحقیق کی ابتدا۔ اپنے وجود اور زمین کی مخلوق میں ان کی بنیادی علتوں کو پہچان کر۔ کائنات کی بدا (ابتدا) تک پہنچ کر پہچان کرنا۔

کوکل کی صفت سے تصور میں نہیں لایا جا سکتا۔ کہ اسے اللہ کی ذات تصور کیا جائے۔ بلکہ تخلیقی اعتبار سے۔ یہ نور صفاتِ الٰہی میں تصور کیا جائے گا ۔ نورِ الٰہی ہونے کی حیثیت میں ــــ یہ وجود۔ نہ خارجی مادہ سے بنا ــ کہ نورِ الٰہی کا شریک تصور کیا جائے ۔ اور خود بخود اس کے مکان کا تعین بھی ہوگیا۔ کہ اب اس کے مکان کی ضرورت باقی نہ رہی ــ اِس حیثیت میں ماسویٰ اللہ ــ وجود ــ نہ اللہ پکارا جائے گا۔ اس کی حیثیت مستقل قرار دی جائے گی ــ اس اعتبار سے یہ وجود۔ فانی تصور کیا جائے گا ــ اِس حیثیت میں۔ کہ اللہ اس کی مخلوقی حیثیت عدم کر کے اسے پھر اپنی ذات میں ضم کر دے ۔ اس فکر سے جز میں کل کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ کہ جز میں بھی اسی کا نور موجود ہے ــــ اِس جزوی وجود (ایک نور سے دوسرا نور) سے ہی۔ باقی غیر اللہ وجود ترتیب دیئے جاتے ہیں ــــ کہ اسی وجود سے ایک دوسرا وجود تخلیق ہوتا ہے ــ پہلے وجود کی تخلیق میں۔ یہ کیفیت بھی نمایاں ہے۔ کہ جز کا وجود پیدا ہونے سے کل میں نہ کوئی فرق آتا ہے ــ کیونکہ وہ لامحدود ہے ــ نہ کل کا وجود جز میں منتشر ہوتا ہے ــ بلکہ اس وجود کی ہیئت۔ سالم اور باقی رہتی ہے۔ اور جز کا وجود بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اِسی طرح۔ جزوی وجود کی حیثیت بھی یہی ہے۔ کہ جزوی نور سے ایک دوسرا وجود پیدا ہونے پر اس کی اپنی ہیئت بھی۔ سالم باقی رہتی ہے اور اس سے جز کی حیثیت میں ایک اور وجود پیدا ہو جاتا ہے ۔ اِس مقام پہ ایک اور تصور قائم ہوتا ہے۔ کہ مخلوقی وجود سے پیدا ہوئے وجود میں اگرچہ اس کا بنیادی وجود نورِ اللہ سے ہی ہے تاہم اس دوسرے وجود کا بنیادی وجود۔ نورِ اوّل نورِ مخلوقی قرار دیا جاتا ہے۔ کہ اب آئندہ یہی تصور قائم ہوگا کہ ہر وجود کا بنیادی وجود۔ نورِ اوّل مخلوقی نور ہے۔ اسی طرح باوجودیکہ ہر وجود کی بنیاد نورِ الٰہی پر ہے۔ مگر تخلیقی ترکیب میں۔ ہر وجود کا بنیادی وجود نورِ اوّل قرار دینے کی صورت میں جز میں کل کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اِسی ترتیب سے کائنات کا ہر نوری وجود جز کی حیثیت میں۔ اپنی جزوی ہیئت کے مطابق پیدا ہوتا ہے ــــ اور ہر جز سے اس کی ایک جز پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ سلسلہ آسمان ــ تک اسی ترتیب سے چلا آتا ہے ــ لہٰذا ان تمام وجودوں کا بنیادی وجود نورِ اوّل (مخلوقی) قرار دیا جائے گا۔ آسمان نوری وجود

ہیں۔ اور آسمان کی آخری جز۔ آسمانِ دُنیا کہلاتا ہے ــــ یہ نوری ہیئت کی آخری جز کہلاتا ہے۔
اس کے بعد آسمان دُنیا میں دوسری نوری جز پیدا ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اسلیے اس
آسمان کی جز ناری ہیئت میں پیدا ہوتی ہے ــــ ان نوری ہیئتوں کی پیدائشی ترتیب میں یہ
کیفیت پائی جاتی ہے۔ کہ ہر جز سے علت کی صورت میں اس کے مرکز میں ایک جز پیدا ہوتی ہے ــــ
اور ہر جز نوری سے اس کا معلول بھی نوری خاصیت یا جنس کا حامل ہوگا ہر جز اپنی پیدائش میں ایک
علت کی معلول ہوتی ہے۔ اور یہی معلول اپنے وجود سے دوسری جز پیدا کرکے اپنی جز کی علت بن
جاتا ہے ــــ آسمانِ دُنیا نوری وجود کی آخری جز کی حیثیت میں جب علت کی حیثیت اختیار کرتی ہے۔
تو یہاں پیدائشی ترتیب بدل جاتی ہے۔ یعنی یہ نوری جز جب علت کی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ تو اسکے
مرکز میں جب کہ اس میں نوری جنس پیدا کرنے کی گنجائش نہیں ــــ تو اس سے کثیر تعداد میں ناری وجود
(سیارے) پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور فطری تخلیق کے مطابق ــــ ہر ناری وجود سے جز کی حیثیت میں۔ ناری
اجزا۔ ان کے مرکز میں ظاہر نہیں ہوتے۔ بلکہ وجود سے باہر (آسمان دُنیا کی فضا میں)
منتشر ہو کر معلق ہو جاتے ہیں ــــ اِس طرح کثیر تعداد ناری وجودوں سے کثیر تعداد
اجزا نکل کر آسمان کی فضا میں منتشر حالت میں معلق ہو جاتے ہیں۔ اور اس مقام پر یہ کیفیت
بھی پائی جاتی ہے۔ ہر جز۔ ہر معلول۔ اپنی علت کی گرفت (کشش) میں محصور ہو کر اپنی علت کے
گرد طواف کرتی ہے۔ ان ہی ناری وجودوں میں۔ آسمان دنیا میں ایک سیارہ سُورج سے موسوم ہوتا ہے۔
اس سُورج کی پیدائشی ترتیب یہ ہے۔ کہ آسمان دُنیا کے پہلے سیارے کی پیدائش کے
بعد۔ اس سیارے سے ایک اور سیارہ پیدا ہوتا ہے ــــ یا کثیر سیارے پیدا ہوتے ہیں۔
جو سب آسمان اوّل کی گرفت (کشش) میں محصور ہیں ــــ اور ہر سیارے سے سلسلہ وار
ایک سے دوسرا سیارہ پیدا ہوتا ہے اور ہر سیارہ ــــ یا سیارے اپنی علت کی گرفت
میں محصور اپنی اپنی علت کے گرد طواف کرتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح الشمس (سورج)
تک چلا آتا ہے۔ کہ سُورج بھی کسی سیارے سے پیدا ہو کر فضا میں معلق ہوتا ہے ــــ اور اپنی
علت میں محصور رہ کر اس کے گرد طواف کرتا ہے۔ اسی طرح۔ کہ ہر سیارہ اپنی علت کے گرد محصور
طواف کرتا ہے ــــ اور اس معروف سیارہ سُورج سے بھی اسی طرح فطری تخلیق کے تابع۔

سیارے نکل کر منتشر ہوکر۔ سورج کی گرفت میں محصور سورج کے گرد طواف کرتے ہیں۔۔۔ یہ سب سیارے آسمان کی فضا میں معلق تصور کیے جاتے ہیں ۔ ان سیاروں میں۔ جو سورج سے پیدا ہوئے۔ ایک سیارہ زمین (الارض) کے نام سے معروف ہے۔ جو آسمان کی فضا میں۔۔۔ سورج کی گرفت (کشش) میں محصور طواف کرتی ہے۔۔۔ زمین سورج کی جز کہلاتی ہے۔۔۔ زمین میں۔ اگرچہ ہمہ اوست کے تصور کے مطابق بنیادی وجود نوری ہے۔ مگر زمین کی جنس یا بنیادی وجود ناری ہیئت میں محسوس ہوتا ہے۔ اس طرح یا وجود ہمہ اوست کی صفت میں شامل ہونے کے زمین (یا ہر سیارہ) ناری جنس کے اعتبار سے مخلوق اور غیر اللہ تصور کیا جائے گا۔۔۔

کائنات کی تخلیق میں یہی ترتیب مسلسل جاری ہے۔ اور جاری رہے گی۔ جہاں تک وجودوں میں اجزا پیدا کرنے کی گنجائش ہے۔ ناری وجودوں سے ناری اجزا خارج ہوتے رہیں گے۔ اور جہاں گنجائش باقی نہ رہے گی۔ وجودوں سے اجزا خارج ہونا بند ہوجائے گا۔ یا آئندہ اجزا کی ہیئت بدل جائیگی۔ جیسے۔ نور سے نوری اجزا پیدا ہوتے رہے۔ جب آسمان دُنیا کا وجود پیدا ہُوا۔ تو اس وجود سے۔ پیدا ہوئے اجزا کی ہیئت ناری ہیئت میں بدل گئی۔ اسی طرح۔ ناری وجُود میں جب ناری وجود کی گنجائش باقی نہ رہی۔ تو ناری وجود کی جز خاکی ہیئت میں بدل جائے گی۔ یہی حیثیت ناری سیارہ زمین کی ہے۔ کہ جب تک اس ناری سیارہ میں ناری وجودوں کی گنجائش تھی اس سے سیارے۔ چاند۔ اور چند سیارے پیدا ہوکر زمین کی گرفت میں محصور فضائے آسمانی میں معلق زمین کے گرد طواف کرتے رہیں گے۔ اور جب زمین ناری میں ناری وجود پیدا ہونے کی گنجائش۔ نہ رہی۔۔۔ تو اس سے خاکی وجود پیدا ہوں گے۔ اس مقام پر زمین کی اپنی ہیئت میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ کہ ناری وجود خارج ہونے کی صورت میں ۔ اس کی اپنی ہیئت تنزل پذیر ہوکر خاکی ہیئت میں تبدیل ہوجاتی ہے ۔ اور آئندہ فطری تخلیق کے تابع اس خاکی وجود میں خاکی اجزا پیدا ہوں گے۔۔۔ جو اسی وجود میں قرار کریں گے ۔ یہ وجود ۔۔ ہوا ۔ پانی ۔۔۔ ذرات زمینی ۔۔۔ اجزا کی صورت میں ۔۔۔ جمادات ۔۔ نباتات ۔۔ حیوانات کہلاتے ہیں۔۔۔ ان ہی وجودوں میں۔ انسان ایک ذرہ کی حیثیت میں ارتقا کرکے۔

بشری شکل اختیار کر جاتا ہے۔

اب اس تخلیقی ترکیب و ترتیب میں۔ اس کیفیت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ کہ جب کائناتِ مخلوقی کے وجود کی ابتدا۔ نورِ الٰہی سے ہوتی ہے (بُدا) ___ تو ہر شے کائنات میں۔ اس کے ہر جز میں۔ اصل نورِ الٰہی ہی ہوگا ___ اس کے سوا - ہر تخلیق میں۔ اس کی پیدائش میں۔ اس کے مادہ MATERIAL میں نہ کسی قسم کی تبدیلی آئے گی - نہ کسی خارجی مادہ کی اس میں ملاوٹ ہوگی - ایسی صورت میں ___ ہر شے نورِ الٰہی تصور ہوگی ___ البتہ ذاتی حیثیت میں ___ یہ اشیائے کائنات۔ اگرچہ ان میں نورِ الٰہی موجود ہے۔ اللہ کی صفت سے تصور میں نہیں لائی جائیں گی۔ اسلیے کہ ان کیفیات کے وجود لامحدود نہیں - بلکہ محدود فانی ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ جز کی حیثیت کل کے مقابلہ میں رکھتی ہیں ___ اور یہ فہم میں لانا ضروری ہے کہ تخلیقی حیثیت میں یہ وجود نورِ الٰہی تصور کیے جائیں گے۔ لیکن کائنات کی مخلوقی ہیئت میں جزوی اعتبار سے۔ اللہ کے مقابلہ میں اپنی ایک علیحدہ حیثیت بھی ہوگی۔ مگر جزوی حیثیت ہونے کی وجہ سے۔ یہ وجود کم تر اللہ کے مقابلہ میں محدود - فانی ___ برابر کی شریک کا درجہ نہیں رکھتا۔ اس لیے اس کے وجود پیدا ہونے سے۔ ہمہ اوست کی حیثیت میں۔ اس کائنات کا اپنا کوئی خارجی وجود نہیں۔ تو اسے عدم تصور کیا جائے گا۔ اور مخلوقی حیثیت میں ہمہ اُوست کے تصور کے ساتھ ہی اس کا ایک علیحدہ وجود بھی تسلیم کیا جائے گا۔ یہ تمام تفصیل "ہمہ اُوست" کی اصل کیفیت پر دلالت کرتی ہے۔ کہ کائنات کا ہر وجود ہمہ اوست بھی ہے مگر جزوی حیثیت میں غیر اللہ۔

ہمہ ز او ست درحقیقت کائنات کی تخلیق کی ایک ترتیب کا تصور ہے۔ کہ جب کائنات کے لیے۔ خارج سے نہ مواد میسر ہوتا ہے۔ نہ خارج میں اس کا مقام میسر ہوتا ہے۔ تو اس کا وجود۔ اللہ کے وجودِ لامحدود میں ظاہر ہو کر۔ ایک نقطہ اور مرکز کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اس لیے کہ اوّل ذاتِ الٰہی کے سوا خارج میں کوئی مکان (مقام) میسر نہیں۔ اور اگر کوئی صورت خارج میں مقیم ہونے کی ہو۔ تو اس سے لامحدود کی حد کا تصور پیدا ہوگا جو کہ ذاتِ الٰہی کے لیے "نقص" کا تصور پیدا کرتا ہے ___ جب کہ ذاتِ الٰہی

مُنَزَّۃٌ عَنِ النَّقْصِ ہے۔ دوسرے یہ کہ ذاتِ الٰہی کے لامحدود ہونے کی صورت میں۔ اگر خارج میں کوئی مقام مقرر بھی ہو تو وہ مقام بھی لامحدود ہیئت میں مرکز کی صورت ہی اختیار کرتا ہے ــــ لہٰذا سوائے اس کے نہیں۔ کہ کائنات کی تخلیق کی جو بھی صورت ہو۔ اس کا مقام سوائے نقطہ اور مرکز کے دوسری کوئی ترتیب فطری طور ممکن نہیں ــــ اس حیثیت میں کائنات کا وجود۔ ذاتِ الٰہی کے وجود کے اندر مخلوق ہونا تصور کیا جائے گا۔ جیسا قرآن اس کی شہادت میں ایک تصور پیش کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ (پارہ اوّل سورۃ ۲ آیت ۱۱۵)

اللہ تعالےٰ کائنات پر ہر جہت سے احاطہ کئے ہے۔ یعنی کائنات اللہ کے پیٹ میں سمائی ہے ــــ اور اسی ترتیب پر جب کہ خارج میں کسی وجود کے لیے مقام میسر نہیں۔ تو ترتیب یہی ہو گی۔ کہ آئندہ۔ اللہ کے وجود میں پیدا ہوئے وجودِ مخلوق (نورِ ابتدائی۔ یا نورِ اوّل) سے پیدا ہوا معلول دوسرا وجود بھی۔ خارج میں پیدا نہیں ہوگا بلکہ نورِ اوّل کے مرکز میں نقطہ کی حیثیت میں۔ "اس کے پیٹ میں" پیدا ہوگا اسی حیثیت میں ہر وجود نورِ اوّل سے لے کر آسمانِ دُنیا تک ہر وجود مرکز (پیٹ) کی حیثیت میں (اندر) پیدا ہوگا۔ اس ترتیب کے متعلق بھی قرآن نے ایک تصور پیش کیا ــــ

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۵۵)

اللہ کی کرسی نے آسمانوں اور زمین (بمعہ تمام سیاروں کے) کو اپنے مرکز (پیٹ) میں سما رکھا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۞ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۞ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۞

(پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۱۵ تا ۱۱۷)

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کی اس آیت میں مکمل تفصیل اور فطرت اللہ کا پورا تصور اور ترتیب دی گئی ہے۔

مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہے۔پس جس طرف تم منہ کرو۔اسی طرف اللہ موجود ہے کیونکہ اللہ نے کائنات پر ہر جہت سے احاطہ کر رکھا ہے۔اور عیسائی لوگ یا دوسرے لوگ بناتے اللہ کے اولاد۔یا جس طرح بنی اسرائیل عقیدہ رکھتے ہیں کہ ملائکہ اللہ کے بیٹے یا بیٹیاں ہیں۔وہ تو اس جننے سے پاک ہے۔بلکہ اسی کے واسطے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ابتدا کرنے والا ہے زمین و آسمان کا جب ابتدا کرتا ہے کسی شے کو۔تو حکم دیتا ہے۔کہ ہو جا۔پس وہ ہو جاتی ہے۔

ان آیات میں کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی ابتدائی تخلیقی ترتیب اور ترکیب کا پورا نقشہ اور کیفیت پیش کی گئی ہے۔ وَ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ سے مراد اللہ مشرق اور مغرب میں موجود ہے۔یا مشرق و مغرب سب اللہ کے نور سے ہے۔پس جس طرف بھی تم دیکھو ادھر اللہ موجود ہے۔ادھر اللہ ہی کو پاؤ گے۔کیونکہ اس نے کائنات کو پیٹ میں سما رکھا ہے۔اور بیرون ہر جہت سے کائنات پر احاطہ کیے ہے۔اللہ کی پیدائشی ترتیب میں ایسا نہیں۔کہ اسے کوئی جتا ہو۔بلکہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ۔نہ اس سے کوئی جنا۔نہ وہ کسی سے جنا۔اس ذات کی پیدائش کی کوئی اور علت نہیں جس سے وہ پیدا ہوا۔وہ پاک ہے۔جننے سے اور ازلی ابدی۔احد ہے۔بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔اسی کے نور سے بنا ہے۔کائنات کی ہر شے اسی کی نوری کشش (قبضۂ قدرت) میں پابند و محصور ہے۔بدیع ہے۔آسمانوں اور زمین کا بنیادی وجود اسی کا نور ہے اور جب اس نے چاہا کہ میں کائنات بناؤں۔کسی شے کے بنانے کا ارادہ کرے۔تو حکم (امر) کرتا ہے۔اس کا امر کیسے ہوتا ہے؟ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ۔ یعنی نہیں ہمارا امر حکم مگر ایک بار۔اس امر کی ترکیب کیا ہے؟۔جیسے کن انکھیوں سے کسی شے کی طرف (آنکھ سے) اشارہ کرنا۔پس سوائے اس کے نہیں کہ وہ کہتا ہے (امر کی طرح) ہو جا۔پس وہ شے ہو جاتی ہے۔ان آیات میں بدیع کے تصور میں۔کائنات کی ابتدائی تخلیق شامل ہے۔کہ وہ کائنات کا مبدا و منبع ہے۔اسی کے نور سے کائنات بنی ہے۔تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے امر کیا نوری حیثیت میں صرف كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ

توجہ کی تو نورِ اوّل پیدا کیا اور اسی نور سے کائنات بنائی۔ اِس اعتبار سے اللہ کائنات پر واسع ہوُا۔۔۔ تو ظاہر ہے جس طرح بھی دیکھو ادھر اللہ موجود ہوگا۔ حدیث اس امر کی تائید کرتی ہے۔

وَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّکُمْ دَلَّیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ السُّفْلٰی لَھَبَطَ عَلَی اللّٰہِ (مشکوٰۃ)

قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جان ہے۔ (کہ یہ ایک حقیقت ہے) اگر تم ایک ڈول زمین سے نچلی سمت پھینکو تو وہ ڈول اللہ پر اترے گا۔۔۔ یہ عربی اصطلاح قریش کا استعارہ ہے کہ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ اللہ اوپر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر تم زمین کے مشرق و مغرب شمال و جنوب (اوپر نیچے) دیکھو فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ہے۔ اللہ ہر طرف موجود ہے۔ اِسی کیفیت کو وَاسِعٌ کے تصور میں پیش کیا گیا بدیع کا حقیقی تصور یہی ہے کہ اسی کے نور سے ہر شے کائنات کی تخلیقی ابتدا ہوتی ہے۔ اس ترتیب میں کہ تمام کائنات اللہ کے نور میں نقطہ و مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔۔۔ اور کائنات کی تخلیق کی ابتدا نورِ الٰہی سے ہی ہوتی ہے۔

یعنی تخلیقی ترتیب میں۔ جب۔ ابھی آسمانوں کا وجود ظاہر نہ ہوُا تھا۔ تو ایک نوری وجود تھا۔ اسی نوری وجود کے مرکز میں ایک نور (اس نور کا معلول) پیدا ہوا۔ اسی ترتیب پر نوری وجود پیدا ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ہر نوری وجود میں ایک نوری عالم (وجود) مرکز میں پیدا ہوُا۔ اور آخر میں ایک نوری وجود کرسی کے نام سے ظاہر ہوُا جس کے مرکز میں ایک نور پیدا ہوُا۔ یہ نور سات آسمانوں کا مرکب تھا۔ اس نور کو ساتواں آسمان کہا جاتا ہے۔ اِسی ساتویں آسمان سے اس کا معلول۔ مرکز میں پیدا ہوُا۔ اسے چھٹا آسمان

---

[1] اس بارے میں مزید معلومات کے لیے "منازلِ فقر" کی تشریح ملاحظہ فرمایئے۔ تخلیقِ کائنات کے باب میں اس پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ اور نقشوں سے وضاحت کی گئی ہے کہ آسمان ایک دوسرے کے اردگرد کس طرح تخلیق کیے گئے ہیں۔

کہا گیا۔ چھٹے آسمان کے مرکز میں پانچواں آسمان پیدا ہوا۔ اِسی طرح ہر آسمان مرکز میں (پیٹ میں) پیدا ہوتا رہا۔ اور آسمان دُنیا (آسمان اوّل) دوسرے آسمان کے پیٹ میں پیدا ہوا۔ آسمان اوّل۔ آسمان دُنیا کہلاتا ہے۔ تو اس آسمان کے متعلق قرآن نے ایک تصور دیا۔

وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۔ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۵)

البتہ ہم نے سجایا آسمان دُنیا کو چراغوں سے۔ یعنی آسمانِ دُنیا کے پیٹ میں ستارے (ناری ہیئت میں) پیدا ہوئے — اس تخلیقی ترکیب میں — جب کہ ایک وجود — مرکز کی صورت میں معلول حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ تو فطری تخلیق کے تابع ہر معلول کی علت ایک دائرے کے تصور میں آتی ہے۔ کہ اس نے اپنے معلول پر ہر جہت سے احاطہ کیا ہوتا ہے۔ اس طرح ہر وجود کی بازگشت ایسی ترتیب سے تصور میں لائی جائے۔ تو اس کی ابتدا کا تصور اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ کا تصور محقق ہو جاتا ہے۔ اِس تخلیق میں تخلیقی ترتیب میں ہمہ در اوست کا تصور۔ واضح اور محقق ہو جاتا ہے۔ اِسی ترتیب سے کائنات کو ہمہ در اوست تعبیر دیا جاتا ہے — اب اس کے بعد۔ دوسری صورت فکر کی ہے جس کی ابتدا۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ سے ہوتی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٥

تحقیق۔ پیدائشِ کائنات میں۔ اس کی وجودی ہیئت MATERIAL ۔ اسکی تخلیقی ترکیب میں۔ حواس و عقل سے بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ اِس کے لیے تم اپنی ذات پر فکر کرو تو تمہیں کائنات کی تخلیقی ترکیب و ترتیب۔ اس کی حقیقی ہیئت کا تصور — عالم خاکی — عالم ناری — عالم نوری۔ یا ذاتِ الٰہی ہو کر تمہیں اللہ کی ذات کا حقیقی تصور حاصل ہو سکتا ہے — وہ یہ کہ

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت ۳۰)

اللہ کی ذات کا تصور — اس کی تخلیقی ترتیب کا تصور۔ تمہیں اپنی ذات پر عقلی طور بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک انسان سالم الوجود ہے — نور — نار — خاک کا مرکب

ہے ــ حکمت کی رُو سے ــ سائنسی تحقیق سے ۔ انسان لاتعداد ذرات کا مجموعہ ہے ــ ہر ذرہ اس کا جاندار ۔ رُوح و جسم کا مرکب ہے ــ اِس ترکیب کا عقلِ سلیم سے تصوّر کیا جائے تو معلوم ہوگا ۔ کہ ایک انسان ایک طرف واحد الشخص ہے ۔ یعنی ایک روح و جسم کا مرقع نظر آتا ہے ۔ مگر اس کی جسمانی ہیئت پر فکر کیا جائے ۔ تو معلوم ہوگا کہ اس مرقع میں لاتعداد ــ جاندار ۔ رُوح و جسم کے وجود پائے جاتے ہیں ۔ جو بجائے خود ایک رُوح و جسم کا وجود رکھتے ہیں ــ ان ہی وجودوں کے مرکب سے ایک جاندار ۔ رُوح و جسم کا انسانی وجود محسوس کیا جاتا ہے ۔ یہ انسان کی ذاتی شخصیت کی ہیئت ہے ۔ اب دوسرے مقام پر اسی انسان سے دُوسرا انسان پیدا ہوتا ہے ــ یہ انسان خارجی وجود نہیں رکھتا ۔ بلکہ ان ہی انسانی ذرات میں سے ایک ذرہ[لہ] ہے ۔ جن ذرات سے انسان کا جسم مرکب ہے ــ یہ ذرہ ان تمام خاصیات کا حامل ہے جو خاصیتیں انسان میں پائی جاتی ہیں ۔ یہی ذرہ ۔ عورت کے رحم میں مختلف مراحل سے گزر کر اسی انسانی شکل میں پیدا ہوتا ہے ۔ تو ظاہر ہُوا ۔ کہ انسان محض ایک انسان نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کا مجموعہ ہے ــ یہ ذرّہ پیدائش کے ساتھ انسان کہلاتا ۔ جس کی ہیئت و ساخت بعینہٖ باپ کی ہیئت و ساخت کے مشابہ ہوتی ہے ــ یعنی "زید" ایک انسان ہے ۔ اِس کے وجُود سے پیدا ہُوا وجود "بکر" ــ بیٹا کہلاتا ہے ــ ظاہر ہے جب دوسرا انسان بھی باپ کی صفت و ہیئت میں پیدا ہُوا تو اسے بھی زید کہا جا سکتا ہے ۔ مگر ــ نہیں ۔ اسے بیٹا ــ یا بکر کہا جاتا ہے ــ کیونکہ یہ باپ کی جز سے پیدا ہوتا ہے ــ حالانکہ اپنی جسمانی ارتقاء و تکمیل پر باپ اور بیٹے کے وجود میں ایک ذرّہ کا فرق نہیں ۔ اِس حال میں ۔ کہ بیٹے کا وجُود بھی ۔ باپ کے برابر ایسے ہی لاتعداد ذرات کا مجموعہ ہے ۔ لیکن تخلیقی ترتیب کے مطابق چونکہ یہ جز سے پیدا ہُوا ــ بیٹے کو باپ کے تصور پر پکارا نہیں جاتا ــ یہی کیفیت جیسا کہ ہمہ اوست میں

[لہ] مادہ منویہ جو لاکھوں ذرّات پر مشتمل ہے ۔ اسی مادہ کا ایک ذرّہ ۔ جو دوسرے انسان کے وجود کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے ۔

کائنات کی تخلیق میں ابتدائی پیدائش میں ترتیب بیان کی گئی۔ ایک ہی تصور پاتے ہیں یعنی بیٹے کے وجود میں بنیادی مادہ MATERIAL ۔باپ کا ہی موجود ہے۔اور یہی خاص ترتیب پیدائش کی مقرر ہے۔باوجود ایک ہی وجودی کیفیت ہونے کے جزوی حیثیت میں۔باپ اور بیٹے کا الگ الگ تصور قائم ہوتا ہے ـــــ فِطْرَتَ[1] اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ط

وَ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ میں انسانی جسمانی مرکبات کی طرف بھی اشارہ ہے ـــــ کہ تمہارے وجود میں نور ـــــ نار ـــــ خاک تین کیفیتیں ہیں ـــــ اور کائنات کے وجود میں بھی یہی تین کیفیتیں نور ـــــ نار ـــــ خاک یعنی۔عالم نوری تا آسمان۔آسمانِ دُنیا کی مخلوق ناری سیارے۔اور زمینِ خاکی۔ زمین خاکی نور و نار کی تنزلی ANALYSED کیفیت ہے۔ زمین کا وجود خارجی نہیں بلکہ نور و نار کا معلول ہے ـــــ وَ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ سے ابتدا کی جائے۔تو ہمیں کائنات کی تخلیق میں ہر علت کی طرف بازگشت کرنا ہو گی۔یعنی ہر علت کی ابتدائی ہیئت کا تصور قائم کرنا ہو گا ـــــ اِس حال میں۔کہ اس سے اس کے معلول کا ظہور نہیں ہوا ـــــ یا اس کا معلول ابھی اس کے وجود میں موجود ہے۔جو ابھی ظاہر نہیں ہوا۔

ظاہر ہے۔زمین کی ہر شئے زمین کے اجزا سے پیدا ہوئی ـــــ اور انسان بھی زمین کے اجزا سے پیدا ہوا ـــــ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ بشر مٹی سے بنا ـــــ انسان زمین کا معلول ہے۔تصور کرو ـــــ جب انسان موجود نہ تھا۔تو اس کا وجود زمین میں (ذرّہ کی ہیئت میں) موجود تھا۔ اس مقام پہ انسان عدم تصور ہوتا ہے ـــــ اور پھر ہر شے کی علت کی ہیئت کا اندازہ اس کے معلول سے لگایا جاتا ہے۔جو صفت معلول میں ہے۔وہ خارجی صفت نہیں۔ بلکہ اس کی علت کی خاصیت و صفت ہے ـــــ لہذا۔ہر علت کی ذات و صفات کی دلیل اس کے معلول کی خاصیت و صفت پر محقق ہو جاتی ہے ـــــ انسان۔بولتا ہے۔سُنتا ہے۔ دیکھتا ہے۔ فہم رکھتا ہے۔ یہ صفات خارجی نہیں۔بلکہ اس ذرّہ میں یہ

---

[1] اللہ کی ذات اور اس کی تخلیق سے مخلوق کے پیدا ہونے کی مثال۔ باپ سے بیٹا ہونے کی مثال کے مانند ہے۔

صفات موجود ہیں۔ جو باپ کے نطفہ میں پایا جاتا ہے ـــــ ظاہر ہوا جو صفات معلول
میں جزوی حیثیت میں پائی جاتی ہیں ان کا بدرجہ اولیٰ نطفہ میں ہونا لازمی ہے ـــ بیٹے کی
صفت پر ہی باپ کی صفات کا تصور قائم کیا جاتا ہے ـــــ انسان زمین کی پیداوار (معلول)
ہے۔ لہذا لازم ہوا۔ انسان کی ہر خاصیت زمین کی خاصیت سے جزوی حیثیت میں منتقل
ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ تسلیم کرنا ہر حال میں ضروری ہے۔ کہ معلول کی تمام صفات (جو
زمین سے پیدا ہوئیں) کا کل کی حیثیت میں زمین میں پایا جانا فطری تخلیق کے عین مطابق ہے۔
کہ زمین میں۔ بولنے ـــ سننے ـــ دیکھنے۔ فہم و ارادہ حرکت کی خاصیت پائی جاتی ہے ـــ
ان ہی خصوصیات کے ساتھ ہر وجود کے بنیادی وجود کے تصور میں ـــــ ہر معلول کی بازگشت
میں ہر علت کا تصور کیا جائے۔ تو ہر علت کے معلول کو عدم تصور کیا جائے۔ تو یہ معلولی وجود
عدم ہو کر اپنی علت میں سمایا نظر آتا ہے ـــــ معلول کے عدم تصور کرنے سے معلول خود
اپنی علت کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ اس ترتیب و تصوّر کو "فنا" سے تعبیر دیا جاتا ہے۔
کہ کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلیٰ اَصْلِہٖ یعنی ہر معلولی ہیئت۔ اپنی علت سے علیحدہ ہونے کے
ایک مدت قائم رہنے کے بعد فطری طور ہیئت بدلنے کی خاصیت رکھتی ہے۔ یہ ہیئت
بدلنے کی خاصیت "فنا" کہلاتی ہے۔ فنا کی صورت میں ہر معلول کے وجود کا اعادہ اس
کی علت میں ہو جاتا ہے۔ یعنی ہر معلول اپنی علت میں واپس سما جاتا ہے ـــ جو اس کی
اصل ہوتی ہے ـــ مثال کے طور۔ کہ انسان نور ـــ نار ـــ خاک کا مرکب ہے۔ نور اس
وجود میں اضافی کیفیت ہے۔ کیونکہ یہ زمین کی جز خاکی جنس سے نہیں ـــ نہ انسان کی
تخلیقی ترکیب میں شامل ہے بلکہ ارادۂ الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ اس نوری قوت کو
نوری وجود کی جز نے کر انسان میں نفخ کرتا ہے اس کے ماسویٰ۔ زمین ناری ہے
ـــ اس کی جز ناری ہے ـــ اور پھر ایک مقام پر زمین خاکی ہوتی ہے ـــ تو اس
کی جز خاکی ہیئت میں پائی جاتی ہے۔ یہی دو اجزا انسانی جسم میں پائے جاتے ہیں
یہ دو اجزا انسان کو اپنی علت (زمین) سے ورثہ میں ملتے ہیں۔ ایک مدت زمین پر قیام
کے بعد انسان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ تو اس کے وجود کی بازگشت اس کی علت میں

ہو جاتی ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝

(پارہ ۱۶ سورۃ ۲۰ آیت ۵۵)

وہ اللہ ہے جس نے تمہیں زمین سے نکالا ـــ اور پھر تمہاری بازگشت اسی زمین میں ہو گی ـــ یعنی انسان کی ناری رُوح ناری زمین کی ناری ہیئت میں سما جائے گی ـ خاکی جسم زمین کی مٹی میں سما جائے گا ـ

یہی کیفیت فنا سے تعبیر ہے ـ اسی لیے موت کو فنا سے موسوم کیا جاتا ہے ـ کہ کائنات کے ہر وجود کے لیے فطری تخلیق کے تابع دوام نہیں ـ بلکہ ایک دن اسے فنا ہونا ہے ـ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ـ کائنات کی ہر شے ہر وجود کے لیے ہیئت تبدیل کرنا مقرر ہے ـ فضائے آسمانی کے ناری سیاروں کے لیے بھی ـــ اور زمین کے لیے بھی ـ اور زمین کی مخلوق کیلئے بھی اس فنا کیلئے ـ ہر نوری ـ ناری ـ خاکی ہیئتوں کےلیے ـ ان کی قوتوں کے مطابق جلد یا بدیر فنا لازمی ہے ـــ اسی طرح انسانی وجود ـ جب موجود نہ تھا تو یہ اپنی علت زمین کی ہیئت میں موجود تھا ـ زمین سے علیحدہ ہونے پر یہ متحرک ـــ علیحدہ ہیئت میں محسوس ہُوا ـــ اس کیفیت کو "حیات" سے تعبیر دیا گیا ـــ اور ایک وقت زمین پر قائم رہنے کے بعد انسان پر موت طاری ہوگی تو یہ اپنی جسمانی ہیئت تبدیل (فنا) کر کے اپنی علت زمین میں سما جائے گا ـ اور ابتدا کی طرح پھر زمین میں سما کر زمین کی ہیئت میں محسوس ہوگا ـــ اسی کیفیت کی طرف حضور قبلہ عالمؒ کا اشارہ ہے ـ کہ ؎

معنی ہمہ در اوست ایں کہ کل جہاں
عدم گشتہ در وجود اللہ نہاں

یعنی ہر وجود کی خاصیت کا فنا ہو کر اپنی اصل میں لوٹ جانا ہے ـ اور جس طرح ابتدا میں ہر معلول اپنی علت میں ـــ علت سے ہی محسوس کیا جاتا تھا ـ اِسی طرح فنا کے بعد ـ اس کی بازگشت اپنی علت میں ہو کر اپنی پہلی حالت و ہیئت میں محسوس ہوگا ـ اس حال میں کہ اِس کا معلولی وجود "عدم" محسوس گا ـ ظاہر ہُوا کہ فطری تخلیق کا خاصہ ہے ـ کہ ہر شے اپنی

بازگشت (واپسی) میں عدم ہو کر یکسر مٹ نہیں جاتی۔ بلکہ اپنی ابتدائی علت (اصل) میں سما جاتی ہے ۔۔ اس حال میں کہ اس "عدم" میں ۔ وہ اپنی علت کی صفت میں محسوس ہوتی ہے ۔۔ یہ عمل اسکے (معلول کا علت میں سما جانا اور باقی رہنا) "ارتقاء" سے تعبیر ہوتا ہے کہ ہر ہیئت تحلیل ہو کر اپنی علت میں سما کر وہی ہیئت اختیار کرتی ہے ۔۔ جو اسکی علت کی صفت ہے اور ہر جنس اپنی جنس میں ہی مل جاتی ہے ۔۔

قرآن نے کائنات کی بناوٹ پر تحقیق و فکر سے ۔ خالق و مخلوق ۔ اور تخلیقی ترکیب و ترتیب کا حقیقی تصور پانے کے لیے واضح اشارہ دیا ۔ وَ فِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ۔ یقین رکھنے والوں کے لیے ۔ زمین کی اشیاء پر تحقیق و فکر کرنے سے ۔۔ کائنات کی اصلی ہیئت ۔۔ اور ہیئت ترکیبی ۔۔ ہیئتِ مخلوقی ۔۔ وجودی خاصیت ۔ اور بدأ ۔ ابتدا کہ اس کا وجود ۔ کس ہیئت سے بنا ۔۔ کس طرح بنا ۔۔ ابتدا سے انتہا تک تخلیقی تسلسل کا راستہ اور سمت معلوم ہو جاتی ہے ۔۔ اس لیے وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ سے ابتدا کی جائے تو معلوم ہوگا ۔ کہ انسان زمین کی جز ۔۔ معلول ۔۔ ہے انسانی صفات تمام زمین سے ورثہ میں آتی ہیں ۔۔ انسان کا بولنا ۔۔ سننا ۔۔ دیکھنا ۔ فہم و ارادہ ۔ کی صفات اس وقت تک نہیں ہو سکتیں ۔ جب تک کہ ان صفات کا زمین میں پایا جانا محقق نہ ہو ۔۔ ایک بیج میں درخت کی تمام صفات ۔ تنا ۔۔ شاخیں ۔۔ پتے ۔ پھول اور میوہ ۔ یہ سب صفات بنیادی طور بیج میں پائی جائیں تو درخت کی ہیئت میں ان کا ظہور ہوگا ۔۔ اور جو شے بیج میں موجود نہ ہو ۔ وہ درخت میں ظاہر نہیں ۔ لہذا ۔ درخت کے اجزا بیج کی معلول کہلاتے ہیں ۔ گویا ۔۔ درخت کے ظہور میں جملہ صفات پر ہی ۔ بیج کی صفت کا تصور حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ اس حال میں کہ بظاہر بیج کے وجود میں ۔ یہ کیفیتیں دیکھی یا محسوس نہیں کی جا سکتیں ۔ اس کے باوجود ۔ بیج کے معلول کو دیکھ کر ۔ ان دیکھی حالت میں ۔ بیج کی صفت تسلیم کرنا لازمی ہوگا ۔ اس کے بعد ۔ زمین اشیاء ۔ ارضی کی علت قرار دی جاتی ہے ۔ اور اس کی معلول ہیئتوں پر ہی ۔ زمین کو ان تمام صفات (یعنی مرکب و مجموعہ) کا حامل قرار دیا جاتا ہے ۔ جو زمین کی معلول میں ظاہر ہیں ۔۔ خصوصاً انسان میں ۔ کہ اس میں قوت کلام (بولنا) قوتِ بصر (دیکھنا) قوتِ سمع (سننا) قوت عقلی و شعوری (فہم) حرکت و ارادہ ۔۔ ان سب صفات کا انسان کی علت میں پایا جانا لازمی ہے ۔۔

اس حال میں۔ کہ مانند بیج ۔ اگرچہ اس میں معلولی صفات محسوس نہیں ہوتیں لیکن ان کا ہونا مسلمہ ہے ــــ
زمین خود مستقل نہیں ــ بلکہ سورج کی معلول ہے ۔ سورج یکسر ناری ہیئت رکھتا ہے ــ ناری ہیئت
میں اسکی اپنی ناری صفات بھی موجود ہیں ۔ جو خاکی وجود میں پائی نہیں جاتیں ۔ سوائے اسکے زمین
کی معلولی حیثیت میں زمین میں ۔ جو خاصیتیں پائی جاتی ہیں ۔ علت کے اعتبار سے وہ سب ناری
سورج کی ہی صفات ہیں ۔ جو زمین کو معلول کی حیثیت میں ــــ سورج سے ورثہ میں ملتی ہیں ــ لہذا
سورج کی صفات کا تعین زمین کی صفات کے تصور میں کیا جاتا ہے ــ کہ سورج میں بھی قوت کلام ۔
قوت سمع ۔ قوت بصر ۔ فہم ۔ ارادہ حرکت پایا جانا یقینی ہے ۔ کیونکہ یہ صفات اگر سورج میں نہ ہوں ۔
تو نہ زمین میں اور نہ ہی انسان میں ان صفات کا پایا جانا ممکن ہو سکتا ہے ــ اس طرح سورج کی صفات
کا تصور زمین اور انسان سے ہی حاصل کیا جاتا ہے ــــ سورج بھی مستقل نہیں ۔ یہ بھی
کسی سورج کا معلول ہے ــ لہذا ۔ اس سورج کا جو ہمارے ادراک سے ماوراء ہے ۔
اس کی خاصیت وصفت کا تصور ہمیں سورج کی صفت پر ہی مل سکتا ہے ۔ یہاں یہ خیال
رکھنا ضروری ہے ۔ کہ ہر معلول اپنی علت کی جز ہوتی ہے ۔ جز کے اعتبار سے ۔ ہر علت ۔ اپنے
معلول کی صفات ۔ اور وجودی ہیئت میں معلول سے ــ وسیع و قوی ہوگی ــ مثال کے طور ۔
سورج سے کثیر تعداد سیارے ۔ اور زمین ۔ جز کی حیثیت میں الگ ہوئے ــ ہر معلول میں ۔ جزوی
حیثیت میں ایک قوت وصفت پائی جاتی ہے ۔ اس کے مقابلے میں سورج کل کی حیثیت
رکھتا ہے ۔ اس لیے تمام سیاروں کے مقابلہ میں سورج کی قوت و وسعت ۔ اس کے معلول
سے وسیع و قوی ہونا محقق و مسلم ہوگا ۔ اور ان سیاروں کی بازگشت میں ۔ جب ان تمام
سیاروں کو ابتدا میں ۔ جب کہ ان کا وجود ابھی ظاہر نہ ہوا تھا ۔ عدم ۔ کی حالت میں ۔ ان تمام
سیاروں کے مجموعہ کے ساتھ ۔ وسیع و قوی تصور کیا جائے گا ۔ اور ان تمام سیاروں کی
انتہا پر ان کے عدم کے تصور میں ۔ ہر سیارہ کو سورج کے تصور میں دیکھا جائے گا ۔ اس حال
میں کہ ان سیاروں کا وجود سورج میں موجود ــ یا سورج میں فنا تصور کیا جائے ــ اس
کے بعد کائنات کی تخلیق میں ۔ ہر وجود کی ابتدائی ہیئت کا تصور ۔ ہر علت کا تصور ــ اس
کے معلول کے مجموعہ کے مطابق مسلم ہوگا ــ یعنی ۔ تمام سیارے آسمان دنیا کی معلول ہیں

زمین بھی آسمان دنیا کے معلول میں شامل ہے ۔ زمین کی تحقیق پر ہم نے یہ جان لیا کہ انسان کی صفات کے مشاہدہ میں ۔ قوتِ کلام ۔ سمع ۔ بصر ۔ فہم ارادہ ۔ زمین کی خصوصیات میں شامل ہیں ۔ لہذا علت کے اعتبار سے سورج میں بھی ۔۔۔ ناری ہیئت کے مطابق ان قوتوں[1] کا بدرجہ اولیٰ پایا جانا یقینی ہوگا ۔ اس کے ساتھ ہی آسمان کی وسعتوں میں ناری قوتوں کی تحقیق و فکر میں ۔ ان کی جملہ خصوصیات کو سامنے رکھنا ضروری ہے جو عقلی طور بھی انسانی تحقیق میں آسکتی ہیں ۔۔ وہ یہ کہ آسمان دُنیا کے معلول سیاروں میں چند خاص کیفیتوں کو نظر میں لانا ۔۔ یعنی فطری تخلیق کے مطابق اشیاءِ کائنات میں ۔۔۔ نور ۔۔۔ نار ۔ خاک کی ہیئتیں مسلم و محقق ہیں ۔ ان کیفیتوں کی تحقیق میں تین کیفیتیں تصور میں آتی ہیں ۔۔۔۔ ایک ہر وجود کا حجم (طول و عرض) ۔۔۔۔ تپش (جیسے سیاروں کی گرمی) ۔۔۔ روشنی (جیسے سورج کی روشنی) ۔۔۔ سورج کے وجود میں ۔ وسعت (حجم) ۔۔ روشنی ۔۔ تپش ۔۔۔ اس کے ساتھ ۔ قوت سماع ۔ بصر ۔ کلام ۔ فہم ۔ ارادہ بھی ثابت ہے ۔ آئندہ تحقیق میں ہر وجود (علت) میں ان کا تصور قائم رکھنا ضروری ہے ۔۔۔

آسمانِ دُنیا کے سیاروں میں ۔ آسمان سے قریب سیاروں کی ہیئتِ وجودی (جسمانی) مقام کے لحاظ سے انتہائی وسیع ہے ۔ جیسا کہ محققینِ مغرب کی تحقیق میں سورج کے قریبی سیاروں کا علم ہو چکا ہے ۔ کہ فضائے آسمانی میں ایسے سیارے موجود ہیں ۔ جو معروف ۔ زمینی سورج سے ۔ حجم ۔ تپش ۔ روشنی میں ۔ اربوں درجہ قوی و وسیع ہیں ۔ اسی طرح اِن سورجوں ۔۔۔ سیاروں سے ماوریٰ ۔ سیارے بھی ۔ حجم ۔ تپش ۔۔۔ روشنی میں قوت لا انتہا درجہ رکھتے ہیں ۔ اور یہ سب سیارے آسمان دنیا کے اندر پائے جاتے ہیں ۔ یہ امر بھی محققینِ مغرب کی تحقیق سے ثابت ہے ۔ کہ ایک سیارے سے دوسرے سیارے کے درمیان کروڑوں اربوں میل کا

---

[1] ہمہ اوست میں ۔ بَدَءُ الْخَلْقِ میں ۔ ہر تخلیق کی ہر خصوصیت و صفات کا ساتھ ساتھ تصور قائم و شامل رکھنا ضروری ہے ۔ ورنہ بغیر ان خصوصیات کی شمولیت کے انسانی فکر ۔ گمراہی اور غلط فہمی اور غلط نظریات کا شکار ہوگا ۔

فاصلہ پایا جاتا ہے ـــــ سیاروں کی ان صفات و خصوصیات پر آسمانِ دُنیا کا تصور حاصل ہوگا۔ کہ آسمان دنیا کے اندر ناری فضا کی وسعت کا کوئی تصوّر قائم نہیں ہو سکتا۔ جہاں زمین سے قریبی سیاروں کا اتنا غیر محدود فاصلہ تصور میں آتا ہے ـ وہاں زمین سے دُور ـــ آسمان دُنیا کی نوری ہیئت کی وسعت بھی لامحدود میں شمار ہو سکتی ہے ـــ جہاں میلوں کے فاصلہ کا تعین انسانی تصور سے باہر ہے ـ اب ان سیاروں کی اپنی علت میں بازگشت پر جب آسمانِ دنیا کی ابتدائی ہیئت کا اس حال میں تصور کیا جائے ـ کہ ابھی آسمان دُنیا سے یہ سیارے معلول نہیں ہوئے ـــ تو آسمان دنیا کے لیے تپش ـ روشنی اور حجم (طول و عرض) کا تصور غیر معین ہو گا ـــ یعنی لامحدود وسعت ـــ لامحدود تپش ـ لامحدود روشنی ـــ اس حال میں کہ یہ تمام سیارے "عدم" تصور ہوتے ہیں۔ لیکن آسمان دُنیا کی علت میں ان کا وجود موجود ہے ـ یہی کیفیت سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کی تخلیقی ترتیب کی ہے کہ ہر آسمان اندر (وسیع کے تصور میں) وسعتِ تپش ـــ روشنی میں ـ لاانتہا کا درجہ رکھتا ہے۔ جس کا تصور ذہن میں آنا ممکن نہیں۔ سوائے اس کے کہ ان قوتوں کا ایک موہوم تصور قائم کیا جائے ـــ اِسی تصور پر وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کا ـــ زمین سیاروں ـــ ان کے درمیانی فاصلوں ـ حجم تپش ـــ روشنی (نور) کے مطابق سات آسمانوں پر احاطہ کیے ہوئے نوری وجود کا ہوگا ـــ کرسی پر عرش کا احاطہ ـــ عرش پر سدرۃ المنتہیٰ کا احاطہ ـــ سدرۃ المنتہیٰ پر ـ اس کی علت کا احاطہ ـــ اسی طرح عالم بالا کے نوری وجودوں کا احاطہ ـ یہ سلسلہ برابر اس مقام تک پہنچتا ہے جہاں ان نوری وجودوں کی بازگشت پر ـ وہ نوری وجود آتا ہے ـ جو ہمہ اوست کی تحقیق و فکر میں ـــ ذاتِ الٰہی ـ نورِ الٰہی کے وجود سے پیدا ہوُا ـ نورِ ابتدائی نورِ اوّل کا مقام ہے ـــ اور اس نوری وجُود کی ہیئت کا تصور ـ اِسی ہمہ از اوست کی ترتیب کے مطابق ـــ وسیع وسعت (طول و عرض) ـــ وسیع تپش ـــ وسیع روشنی ـ جو قطعی لامحدود لاانتہا کا درجہ رکھتا ہے ـ یہ نور مخلوق وجودوں کی علتِ اوّل قرار دی جاتی ہے ـ اِس حال میں کہ ـ اگر تمام مخلوقی وجودوں کو نورِ الٰہی کا معلول تصور کیا جائے ـ تو اصولی طور پر علت نورِ احد میں شمار ہو کہ اللہ کی صفت سے متصف ہوتی ہے ـ لیکن یہ ہیئتیں ـ محدود ـــ کہ ہر ہیئت ـ علت و معلول کی

صورت میں ایک حد رکھتی ہے ــــ غیر مستقل و فانی ہیں۔ کہ اپنی مستقل ہیئت نہیں رکھتیں اور فانی صورت میں اپنی علتوں کی طرف رجوع کرنے کی خاصیت رکھتی ہیں۔ اس لیے ان کا غیراللہ ہونا لازمی ہے۔ اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے۔ کہ اللہ کے بعد اللہ کے نور سے پیدا ہوئی مخلوقِ ہیئت سے ان کی نسبت قرار دے کر۔ نورِ ابتدائی کو ان تمام وجودوں کی علت قرار دیا جائے۔ اِس طرح ایک طرف ان کے بنیادی وجود کو ہمہ اوست کے تصور میں دیکھا جائے گا۔ مگر معلولی حیثیت میں وجودِ مخلوق قرار دے کر غیراللہ قرار دیئے جائیں گے ــــ اور اس مقام پر نورِ اوّل پر علت و معلول کا سلسلہ ختم ہو کر ایک ہی تصور باقی رہتا ہے۔ کہ نورِ ابتدائی علتِ کائنات ہے۔ اور اس کی وسعت ــ تپش ــ روشنی ــ لاانتہا کا درجہ رکھتی ہے۔ البتہ معلول حیثیت میں اس نور کی بھی مخلوقی حیثیت کے اعتبار سے ایک حد ہے۔ لہٰذا اس نور کی بھی ایک علت باقی ہے ــ ہاں اس مقام پر یہ تصور شامل رکھنا ضروری ہے۔ کہ آسمانوں میں بھی "زمین کی صفت کے اعتبار سے" قوتِ کلام ــ قوتِ بصر ــ دیکھنا ــ سننا ــ فہم ــ ارادہ پایا جاتا ہے جس کی خود قرآن سے شہادت ملتی ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ[1] فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ[2] ۝

(پارہ ۲۴ سورۃ ۴۱ آیت ۱۱)

---

[1] وَهِيَ دُخَانٌ۔ آسمان کے متعلق "دھواں" کا تصور دیا گیا۔ یہ تصور تمثیلی ہے کیونکہ۔ اصل دھواں مادی "ارضی" کیفیت ہے۔ اور آسمان یکسر نوری کیفیت ہے۔ نوری کیفیت مادی "دھواں" سے متصف ہونا ــــ یا تصور کرنا خلافِ فطرت ہے۔ جبکہ آسمان یکسر نور ہے ــــ وَهِيَ دُخَانٌ سے مراد۔ ایک نوری فضا۔ جو تمثیلی تصور میں ــــ دھویں کی مانند فضا تصور میں لائی جا سکتی ہے۔ ورنہ درحقیقت آسمان دھویں کے تصور میں نہیں لایا جا سکتا۔

[2] اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ تم دونوں "آسمان" ــــ اور "زمین"۔ اس مقام پر۔ آسمان کے مقابلہ میں زمین کی حیثیت دونوں میں ــــ دو کی ہے ــ مگر آسمان کل کی حیثیت رکھتا ہے ــ جبکہ آسمان سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کا مجموعہ تصور ہوتا ہے اور زمین۔ آسمان اوّل کے اجزا (تمام ستاروں) میں جز کی حیثیت رکھتی ہے ــــ زمین کو آسمانوں کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت دینا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر متوجہ ہوا آسمان کی طرف۔ اور وہ دھوئیں کی فضا کی مانند (ایک نوری دھواں) تھا۔ پس کہا میں نے آسمانوں اور زمین سے میری طرف آؤ۔ خواہ رضا سے خواہ جبر سے ۔ کہا انہوں نے ہم آتے ہیں مطیع ہو کر۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پر حکم جاری کیا۔ کہ میرے سامنے محکوم ہو کر حاضر ہو جاؤ۔ تو انہوں نے کہا۔ ہم محکوم ہو کر تیرے آگے سر بسجود ہوتے ہیں۔

اِس آیت میں اللہ کا کلام آسمانوں کا سننا۔ جواب دینا (بولنا)۔ دیکھنا ۔ فہم ۔ ارادہ ثابت ہے ۔ دوسری آیت میں بھی اس امر کی واضح شہادت ملتی ہے ۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۔ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۔

دوسری آیت اس سے بھی واضح ہے ۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۔
قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج

اِن آیات میں۔ اللہ کا کلام سُننا ۔ ملائکہ (نوری آسمانوں کی ہیئت) کا "کلام کرنا"۔ قَالُوْا ۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ ۔ "کلام سننا" اَتَجْعَلُ فِيْهَا ۔ "دیکھنا" ۔ يُفْسِدُ فِيْهَا ۔ "فہم"۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔ ارادہ اختیار ۔ یہ صفات نوری وجود کی ہی تصور کی جاتی ہیں ۔ اس کے ساتھ ناری وجود میں ان صفات کی شہادت ناری قوت کے اظہار سے ثابت ہوتی ہیں ۔ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۔ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۔ اَبٰى ۔ شیطان ناری وجود کی پیداوار ہے ۔ ناری وجود پر حکم ہوا ۔ کہ فَسَجَدُوْا ۔ یہ ناری وجود کا سننا ہے ۔ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۔ یہ قوتِ کلام ۔ دیکھنا ۔ اور فہم رکھنے سے تعلق رکھتا ہے ۔ ظاہر ہے ۔ علت کے اعتبار سے ان قوتوں کا وجود ۔ عالم نوری سے ہی ورثہ میں آیا ۔ لہٰذا ہر مقام پر ہر عالم نوری میں یہ صفات پایا جانا یقینی ہوگا ۔ اور ابتدا پر ۔ نورِ اوّل میں جو کائنات کی علتِ اولیٰ ہے ۔ اس میں بدرجہ اولیٰ ان صفات کا حامل ہونا یقینی ہے ۔ جیسے بیج میں درخت کی صفات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹۵)

اس تصور کے ساتھ ہے ۔ کہ باقی سیاروں کے مقابلہ میں زمین کی اطاعت محض انسانی تخلیق کی خصوصیت اور اس کی اطاعت کی خصوصیت کے تصور میں مخصوص کی جاتی ہے ۔

۔علتِ اولیٰ ۔نور ابتدائی ۔خود نور احد کی معلول ہے ۔ اور فطری تخلیق کے تابع ہر معلول کیلئے علت کا وجود ثابت ہونا ضروری ہے ۔ علتِ اولیٰ کے لیے بھی بحیثیت معلول ایک علت کا ہونا ضروری ہے۔ لہذا اس معلول کے لیے ایک علت کا لازمی تصور قائم ہو جاتا ہے ۔ یہ علت جو نور ابتدائی کی علت تصور کی جاتی ہے ۔ اس کی صفات پر اس علت کی ہیئت کے تصور میں بھی۔ ان خصوصیات کو سامنے رکھنا ہے۔ کہ اس علت میں۔ قوت سمع ۔ قوتِ بصر۔ جسے قرآن نے سَمِیۡعٌ بَصِیۡرٌ کی صفت میں ذکر کیا۔

لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ وَھُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۱۰۴)

اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ نہ اس کا تصور عقلی حیثیت میں پایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ لَطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ۔ وہ نورِ محض ہے۔ نورِ محض لطیف ہیئت میں ادراک میں نہیں آ سکتا۔ وَھُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ۔ وہ اپنی نوری ہیئت کے اعتبار سے کائنات کی ہر شے کا ادراک رکھتا ہے ۔ اِس حال میں۔ کہ وہ مثل انسان۔ مادی آنکھ ۔ مادی کان ۔ مادی زبان ۔ مادی ذہن ۔ سے منزہ ہے۔ کیونکہ ان قویٰ کا ہونا ۔ مادی ہیئت سے متعلق ہے۔ اسکے مقابل۔ ملائکہ سے بھی بغیر ان قویٰ کے ۔نوری حیثیت میں۔ قوتِ کلام ۔ سمع ۔ بصر۔ فہم و ارادہ۔ کا اظہار ہوتا ہے ۔ اِسی طرح اس علت سے بھی ان صفات کا اظہار ہوتا ہے۔ کہ اِس علت میں قوتِ فہم و ارادہ کائنات کے مقابلہ میں بدرجہ اولیٰ پایا جانا لازمی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس علت کی ہیئت میں وسیع وسعت (حجم۔ طول و عرض) ۔ وسیع تپش ۔ وسیع روشنی اس حد تک وسیع کہ اگر اس وجود میں اس کی حد پانے کے لیے پرواز کی جائے ۔ تو اس قدر لامحدود وسعت اختیار کر جاتی ہے ۔ کہ غیر معین زمانہ تک اس میں پرواز کی جائے تو اس کی حد سامنے نہیں آتی ۔ لامحدود زمانہ تک بازگشت کی جائے ۔ تو اس کی حد میں کہ کب سے تھا۔ کوئی حد تصور میں نہیں آتی ۔ لازم ہے کہ فطری تخلیق کے اعتبار سے ۔ اس علت کی پیدائش کی حد کا علت کا ایک تصور قائم ہونا چاہیئے۔ لیکن اِس علت میں ارادہ و فہم کا تصور ۔ سامنے رکھا جائے ۔ تو ان قوتوں کے استعمال کی صورت میں یہ علت اپنے ارادہ و فہم کو استعمال کرنے کا حق رکھتی ہے ۔ کہ اس علت کا اپنا ارادہ استعمال ہُوا ۔ کہ میں پہچانا جاؤں۔

میں اپنی ذات سے ایک معلول پیدا کروں جیسا کہ ہمہ اوست کی ابتدا میں تفصیل پیش کی گئی۔ تو اس مقام پر جب اس علت کا ارادہ وفہم استعمال ہُوا۔ تو یہی علت۔ نور اوّل ۔ اور کائنات کے وجودوں کی خالق تصور کی جائے گی۔ اس حال میں کہ یہ علت اتنی وسیع تصوّر کی جاتی ہے۔ کہ اس علت کی حد کا کوئی تصوّر قائم ہوتا ہے۔ نہ اس کی حد سامنے آتی ہے۔ اس علت کو علت لامحدود قرار دیا جاتا ہے۔ اور جہاں تک اس وجود کی تحقیق وفکر میں۔ فکر کی پرواز کو کوئی حد نہیں ملتی۔ تو انسانی فکر حیرت و درماندگی میں پڑ جاتی ہے۔ اسی حیرت و درماندگی کے تاثر کو عربی میں اللہ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کے معنی۔ یہ کہ جس ذات کی تحقیق و فکر میں غور کیا جائے ۔ کہ "زمان" (وقت۔ زمانہ) کے تصوّر میں کب سے تھا مکان (وسعت) کے تصوّر میں کتنا وسیع ہے۔ اور جب اس کے زمان و مکان میں کسی مقام پر ذہن قرار نہیں کرتا۔ تو غیر معین زمان و مکان میں انسانی ذہن بے بس ہو کر حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ نسلِ انسانی میں۔ ہر قوم کے محققین نے اس علت کے لیے یہی تاثر پایا۔ تو ہر زبان نے۔ اس علت کو۔ الہ۔ ولہ۔ الہیات۔ لہ اور اللہ کی صفت سے پکارا۔ جس کے معنی حیرت و درماندگی میں ڈالنے والا۔ یہی وہ ذات ہے۔ جو علتِ اُولیٰ کا بنیادی نور (وجود) ہے اور اسی ابتدائی نور سے تمام کائنات کا وجود۔ مخلوق اور فانی بنا ۔ اس ترتیب میں۔ یہ کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ بنیادی حیثیت میں۔ ہر شے کا بنیادی وجود اسکے ہر اجزا میں اللہ کا نور ہے۔ اس لیے کائنات کے تصور میں ہمہ اوست کا تصور پایا جاتا ہے۔ لیکن کائنات۔ اللہ نہیں بن سکتی کہ کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ اسلیے اس کائنات کے وجود میں اس کے بنیادی وجود میں نورِ ابتدائی کو بنیادی وجود قرار دے کر۔ اسی نور کی پہچان کی جاتی ہے۔ تو ظاہر ہوتا ہے کہ مخلوقی ترتیب "ہمہ از اوست" پر فکر کرنے سے۔ کائنات کی ہر شے کے وجود میں۔ نورِ اوّل ۔ نورِ ابتدائی ۔ نورِ مخلوقی کا وجود ہی نظر آتا ہے ۔ اور یہی نور ہر معلول میں پہچانا جاتا ہے ۔ اس پہچان کو عربی میں حمدؐ سے تعبیر دیا جاتا ہے اور جب کائنات کی ہر شے میں بنیادی وجود نورِ اوّل پہچانا گیا۔ تو اس نور کو عربی اصطلاح میں مُحمّدؐ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ جب تک نورِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلّم کو کائنات کی ہر شے کے وجود

میں تصور میں نہ لایا جائے۔ ہمہ اوست کے تصور میں ہر شے کو اللہ کے تصور میں لانا لازم ہوگا ــــ جو کہ شرک کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ اللہ کے نور کے مقابلہ میں کائنات کے وجود کو مخلوق حیثیت میں ایک علیحدہ ہیئت متصور کیا جاتا ہے۔ لہذا اس نقص کو مٹانے کا یہی ذریعہ ہے۔ کہ اس کائنات کو علیحدہ حیثیت دے کر اسے نورِ اوّل ـ نورِ محمدیؐ سے نسبت دے کر یہ نقص ختم ہو جاتا ہے۔ کہ باوجود نورِ الٰہی بنیادی وجود ہونے کے ـ ارادہ الٰہی ــ اور منصوبہ الٰہی میں ـ یہ ترتیب مقرر ہے۔ کہ نورِ اول سے کائنات کی ہر شے کا وجود موجود ہو۔ تو ایسی صورت میں جب کائنات کے وجود کو اس کی بازگشت میں ـ عدم کیا جاتے۔ تو اس مقام پر ہر شے کی نفی لا ہو جاتی ہے ــ تو باقی (بقا) محمدؐ کا وجود تصور میں آتا ہے۔ اس مقام اس تخلیقی ترتیب کے تصور میں۔ کائنات کے لیے بجائے ہمہ اوست کے ہمہ محمدؐ کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کائنات کی فطری تخلیقی ترتیب میں کائنات کی ہر شے کے بنیادی مرکب میں نورِ اوّل (نورِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی پہچان ہوتی ہے۔ اسی طرح جب نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس کی بازگشت میں ـ نورِ الٰہی میں فنا کیا جائے۔ تو یہ نور فنا فی اللہ ہو کر۔ نورِ الٰہی کے تصور میں آتا ہے ــ البتہ ابتدائی مقام پر جہاں کائنات کو محمّد کے نور میں فنا و عدم کیا جائے ـ تو اللہ سے سوا۔ محمّد باقی رہ جاتا ہے ــ تو اس ترتیب سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کائنات کے عدم سے محمّد کے وجود (نورِ اوّل) کا اثبات ہو جاتا ہے۔ یعنی کائنات کے لیے محمّد کے نور میں فنا ہونا مقرر ہے ــ اور خود محمّد کیلئے ہی فنا فی اللہ ہونا مقرر ہے۔ اس حال میں کہ کل کائنات محمّد کے نور میں فنا پا کر محمّد کی ہیئت اختیار کر جاتی ہے۔ اسی حیثیت میں کائنات کے فنا فی اللہ ہونے کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ لہذا ہمہ اوست اور ہمہ در اوست کے نتیجہ میں جو تصور قائم ہوتا ہے۔ وہ کائنات کے عدم تصور ہونے کی صورت میں صرف لا۔ اللہ احد کے سوا کسی وجود کا کوئی مستقل وجود متصور نہیں ــ صرف اِللہ ہی ہے ــ اور جو دوسرا وجود ایک علیحدہ حیثیت میں (کائنات کی شکل میں) پایا جاتا ہے ــ اِلَّا اللّٰہُ ــ اللہ کے سوا ــ وہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ اللہ کے نور سے پیدا کی گئی جز نور محمدی ہے۔ جس کے متعلق حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وَخَلَقَ کُلَّھُمْ مِنْ

نُورِی ۔سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو بنایا۔۔۔ وہ میرا نور ہے۔۔۔ اور بنایا تمام مخلوق کو میرے نور سے ۔اور یہی نور کائنات کے تمام وجودوں کی علت قرار دی جاتی ہے۔جو محمّد کی صُورت میں کائنات کے ہر وجود کا بنیادی وجود ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے سوا کسی اور وجود کا تصور باقی نہیں رہتا ۔۔۔ اللہ خالق ۔اور محمّد مخلوق اس کے سوا کچھ نہیں ''لا''

رُوحانی اور مادی محقق میں فرق

حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں۔۔۔ کہ فکر دو طرح سے ہے ۔ایک عقلی استدلالی ۔۔۔ اِس کی تفصیل ہمہ در اوست میں وضاحت سے بیان کی گئی۔ دوسری قلبی یا روحانی ۔۔۔ عقلی محققین اسی عقلی ترتیب سے کائنات اور اللہ کا ایک موہوم تصور قائم کرتے ہیں ۔۔۔ لیکن عقل ۔آنکھ ۔کان کی محتاج ہے ۔۔۔ کہ بغیر آنکھ کے عقل سے علم حاصل نہیں ہوسکتا۔آنکھ کا ادراک محدود ہے ۔۔۔ اسلیے عالم نورانی کی کیفیات کا حقیقی تصور پا نہیں سکتی ۔۔۔ کہ ان کیفیتوں کی اصل ماہیئت کیا ہے ۔سوائے اسکے روحانی حیثیت میں ان کیفیتوں کا عین الیقین ۔اور حق الیقین کی حد تک ادراک و علم حاصل کیا جائے ۔۔۔ یہی طریق ہے۔ جسے طریقت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔کہ دلی رُوحانی قوت سے ان تمام کیفیتوں کا ادراک و علم حاصل کرتا ہے۔اس کی ترکیب یہ ہے جیسا کہ بیان ہوا ۔کہ کائنات تین کیفیتوں سے مرکب ہے ۔پہلی ازلی کیفیت نور۔۔۔ دوسری نور کی تنزلی (منقسم ANALYSED) کیفیت نار ۔۔ تیسری نار کی تنزلی کیفیت خاک ۔ان ہی تین کیفیتوں سے انسانی وجود مرکب ہے ۔۔ نور (رُوح رحمانی) نار (روحِ حیوانی) خاک (جسم) ۔۔۔ جسم کی وسعتِ علمی عالم خاکی تک ہے ۔۔ روح حیوانی کی رسائی اور وسعتِ علمی ۔عالم ناری کے تمام سیاروں تک ہے ۔۔۔ روح رحمانی کی رسائی اور وسعت علمی ۔۔ عالم نوری ۔(نور ابتدائی) تک وسیع ہے ۔۔۔ انسان جسمانی حیثیت میں حواس و عقل سے عالم خاکی تک ادراک کرسکتا ہے ۔۔۔ رُوح حیوانی ۔۔۔ روحانی حیثیت میں اپنی صفتِ ناری کے مطابق ۔تمام سیاروں میں پرواز کر کے ان کے وجود کا علم حاصل کرسکتی ہے ۔۔۔ اور روح رحمانی ۔روحانی حیثیت میں ۔اپنی صفت نوری کے مطابق ۔۔ تمام

عالمِ نوری کا ادراک کر سکتی ہے ۔۔۔ اِس ادراک کا طریق "فنا" کے ذریعہ ہوتا ہے ۔یعنی ہیئت تبدیل کرنا ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ انسان آج سے چار کروڑ سال ماضی بعید کی کیفیت کا ادراک کرنا چاہتا ہے تو رُوح حیوانی کے ذریعہ اس زمانہ کا تصور کیا تو اس کے مشاہدہ میں اس زمانہ کی تمام کیفیت کہ زمین کی ہیئت کیسی تھی ۔ اس پر کیا کیفیتیں پہاڑ، درخت، دریا، حیوانات، جمادات وغیرہ موجود تھیں ۔اِن سب کیفیتوں کا ادراک عین الیقین کی طرح مشاہدہ میں آتا ہے ۔یہ مشاہدہ ناری رُوح (رُوح حیوانی) کے ذریعہ (جس کا مخزن دماغ ہے) ہوتا ہے کہ رُوح کا فضائے ایثری (ETHER) کی ان کیفیات کا احاطہ ہو جاتا ہے ۔جو اس زمانہ کی کیفیت قوت ایثر میں محفوظ ہیں ۔۔۔ تو اس زمانہ کی تمام کیفیت اِسی ہیئت میں مشاہدہ میں آ کر ماضی بعید کے واقعات و کیفیات کا علم و مشاہدہ ہو جاتا ہے ۔اِسی طرح انسان فضائے آسمانی کے اس سُورج کا ادراک حاصل کرنا چاہتا ہے ۔جو اس سُورج کی علت اربوں میل دُور فاصلہ پر ہے تو اس کے تصور کے ساتھ ۔رُوحِ حیوانی کا (ایثر کے ذریعہ) اس سُورج سے رابطہ ہو جاتا ہے ۔اس وقت انسانی ذہن پر اس سُورج کا عکس آ جاتا ہے ۔اس حالت میں ۔ رُوح ناری اس سورج کی ہر کیفیت مشاہدہ عین الیقین کی صورت میں ۔رنگ و ہیئت ۔ وسعت ۔تپش ۔روشنی کا مشاہدہ کر کے اِس سیارہ کی اصل ماہیئت کا علم حاصل کر لیتی ہے۔

یہی فرق مادی محقق اور رُوحانی محقق کا ہے ۔کہ مادی محقق کے پاس سوائے مادی ذریعہ حواس و عقل کے اور کوئی ذریعہ قابلِ استعمال نہیں ۔عقلی طور وہ اس کا احساس کرتا ہے ۔علم الہیئت و ابجد کے ذریعہ وہ بھی اس سُورج کے وجود کا احساس کرتا ہے ۔ لیکن آنکھوں سے دیکھے بغیر اس ہیئت کا حقیقی تصور عین الیقین کی صورت میں نہیں کر سکتا ۔ ایک شخص سنتا ہے ۔کہ آسمان میں ایک سیارہ ہے۔ مگر اسکے پاس سیارے کے وجود کو تسلیم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ۔جب تک کہ اس وجود کو آنکھوں سے نہ دیکھے ۔ولی روحانی حیثیت میں ۔ رُوح کے ذریعہ اس وجود کو اس کی تمام صفات کے ساتھ مشاہدہ کر لیتا ہے۔ یہی کیفیت رُوح رحمانی کی ہے ۔کہ رُوح حیوانی عالمِ ناری (سیاروں) سے ماورا ہی ۔عالمِ نوری آسمانوں تک رسائی

حاصل نہیں کر سکتی۔ اس عالم نوری کا ادراک رُوح رحمانی سے ہوتا ہے ۔ انسان آسمانِ اوّل۔ یا ہفتم کی کیفیت جاننا چاہتا ہے۔ تو وہ اس آسمان کا تصور کرتا ہے تصور سے ایثر (ETHER) ایثر نوری) کے ذریعہ رُوح کا ساتویں آسمان سے رابطہ ہو جاتا ہے۔ تو انسانی قلب پر ساتویں آسمان کا وجود منعکس ہو جاتا ہے۔ تو اس رُوح کے ذریعہ عین الیقین کی صورت میں ساتویں آسمان کی نوری ہیئت ۔ اس میں مخلوق ملائکہ اور جو کچھ اسرار اس میں ہیں مشاہدے میں آتے ہیں۔ یہ ایک صورت رُوح سے (ایثر کے ذریعہ) رابطہ رکھنے سے کیفیات نوری۔ ناری۔ خاکی کا علم حاصل کرنے کا ہے۔ دوسری صورت۔ رُوح کا "عروج"۔ یعنی ان قوتوں تک رسائی پا کر (بغیر ایثری ذریعہ کے) ان کے وجود کا احساس کرنا۔ اِس طریق میں "فنا" کا طریق استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور قبلہ عالم فنا کے متعلق فرماتے ہیں۔

چیست معنی "فنا" نزدِ ولی
محو شدن صفتِ اُو جلی خفی
یعنی ہمہ اوصاف کہ دارد بشر
محو شدہ ظاہر آید چوں حشر
کہ وہ ہمہ اوصافِ بشری را فنا
از اوصافِ ذاتِ حق باحق پناہ

اصولِ طریقت میں فنا سے مراد۔ رُوح کا اپنی جنس سے رابطہ و اتصال کر کے۔ اپنی جنس میں ضم ہونا ۔ اِس حال میں کہ رُوح کا وجود اِسی جنس سے پیدا ہُوا ۔ مثال کے طور۔ رُوح حیوانی ۔ ناری سیاروں کی جنس سے معلول ہوئی اور اب انسان ۔ تصور و رابطہ سے ناری ہیئت (مثال آفتاب) سے اتصال کرتا ہے ۔ کہ اپنی باز گشت میں (تزکیہ نفس سے) آفتاب میں ضم ہو کر آفتاب کی (ابتدائی) ہیئت اختیار کر جاتا ہے۔ لہذا مَنْ عَرَفَ

لہ یہ جاننا ضروری ہے کہ اِس طریقِ مشاہدہ میں رُوحِ رحمانی۔ مقامِ قلب میں رہ کر دُور سے قوتِ ایثری کے ذریعہ آسمانی ایثر (نوری ایثر) سے رابطہ قائم کر کے عکس حاصل کرتی ہے۔

نفسہٗ کے ارشاد کے مطابق۔ ایک شاہد کو اپنا وجود آفتاب میں ضم ہوا بذاتہٖ آفتاب محسوس ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ آفتاب کی تمام ہیئت پر اسے ادراک ہو جاتا ہے۔ کہ آفتاب کی ہیئت کیا ہے۔ اس کا مرکب کیا ہے۔ اس مرکب میں کون سے اجزا پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح آفتاب کا وجود پانے کی حیثیت میں انسان۔ آفتاب کی علت کا تصور کر کے اس آفتاب سے رابطہ کرتا ہے۔ تو (تزکیہ نفس سے) وہ علتِ آفتاب سے اتصال کر کے اس آفتاب میں ضم ہو جاتا ہے۔ اس تصور میں۔ کہ اپنی روح حیوانی کو عدم تصور کرتا ہے اور اسی جسم[1] میں محسوس کرتا ہے جس میں وہ ضم ہوا۔ اس ترتیب کو فنا فی النار یا فنا فی الشمس سے تشبیہ دیا جا سکتا ہے۔ اور اس فنا کی حد آسمانِ دُنیا کے ستاروں تک محدود ہے۔ البتہ رُوحِ حیوانی ــ حقیقتاً ــ نوری آسمان کی درجہ بدرجہ معلول ہے ــ کیونکہ ہر معلول اپنے پیشتر وجود (علت) کی پیداوار ہوتا ہے ــ نار نور کی پیداوار ہے۔ اس مقام پر جہاں آسمان اوّل کا تصورِ ابتدائی کیا جائے۔ تو لازمی طور آسمانِ دُنیا سے پیدا ہوئے ہر کیفیت کا وجود اس میں سمایا ہوتا ہے۔ جو درجہ بدرجہ اپنے وقت اور مقام پر پیدا ہوتا ہے ــ مثال کے طور حال کا ایک بیج ــ ماضی کے اس بیج (ذرہ) کا معلول ہے۔ جس زمینی ذرہ سے اس بیج کی ابتدا ہوئی۔ گویا اگر اس ابتدائی بیج میں حال کے بیج کا مواد موجود نہ ہوتا۔ تو اس بیج کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حال کے بیج میں ایک ہزار سال مستقبل زمانہ کی مدت تک پھیلنے کی قوت پائی جاتی ہے تو مستقبل زمانہ کی مدت کا بیج۔ حال کے بیج میں موجود ہو۔ تو پیدا ہوگا۔ اگر نہیں ہو ــ تو اس وقت بیج کا وجود ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ ماضی کے وجود میں۔ حال و مستقبل کا جس قدر وجود موجود ہو۔ وہی وجود اپنے زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں ــ اس لیے آسمانِ دُنیا میں جس قدر سیاروں کا وجود موجود ہوا انہیں وجودوں کے مطابق سیارے پیدا ہوں گے۔ ظاہر ہوا۔ ماضی میں تمام سیاروں۔ آفتاب۔ زمین کا وجود

---

[1] گویا انسان اپنی بازگشت علت میں سما کر علت بن کر اپنے وجود کو ہی پہچانتا ہے ــ اپنے وجود کی فنا سے ــ خود کو پہچانتا ہے۔

آسمانِ دُنیا میں موجود ہونا ثابت ہے۔ اور زمین میں انسان کے وجود کا ہونا بھی ثابت ہُوا۔ جو اپنے وقت پر زمین میں ظہور کرتا ہے — اب انسان (رُوحِ حیوانی) اپنی علتوں۔ زمین۔ آفتاب۔ ابتدائی علتوں کے آفتابوں سے فنا ہو کر اپنی بازگشت میں — آسمانِ دُنیا تک رسائی پا کر اس میں ضم ہو کر — خود کو عدم کر کے آسمان کی ہیئت میں محسوس کرتا ہے۔ یہ کیفیت اسے مشاہدہ کی صورت میں محسوس ہوتی ہے — جیسا کہ بیان ہُوا ناری وجود کی حد ناری سیاروں تک ہے۔ لیکن۔ اس رُوح میں چونکہ بنیادی طور ناری رُوح کا بنیادی وجود نوری علتوں سے چلا آتا ہے۔ اس لیے اس رُوح (رُوحِ حیوانی۔ ناری) کی استطاعت میں یہ خاصیت ہے۔ کہ اگر اسے انتہائی تزکیہ حاصل ہو تو یہ ناری ہیئت سے نوری ہیئتوں میں انتقال کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ لیکن یہ امر انسانی قوت سے محال ہے۔ کہ وہ اس قدر شدید تزکیہ نفس کا متحمل ہو۔ اس لیے فطری طور۔ ناری حدود سے ماورائی۔ انسان رُوحِ رحمانی کو استعمال کرتا ہے۔ رُوحِ رحمانی بھی فطری تخلیق کے تابع نوری جنس کی پیداوار ہے۔ انسان کے لیے یہ آسان ہے۔ کہ وہ رُوحِ رحمانی کے ذریعہ نوری آسمان سے تصور و رابطہ کر کے۔ تزکیہ نفس سے۔ نوری آسمان سے اتصال کر کے اِس میں ضم ہو جائے۔ اس مقام پر خود کو عدم تصور کر کے۔ آسمان کی ہیئت میں محسوس کرتا ہے۔ کہ "میں آسمان ہوں" "اَنَا السَّمَآءُ"۔ اسی ترتیب سے رُوحِ رحمانی اپنی بازگشت میں علت در علت۔ سَبْعَ سَمٰوٰتِ۔ کُرسی — عرش — سدرۃ المنتہیٰ — عالم بالا کی نوری ہیئتوں کے تصور و رابطہ سے اتصال کر کے خود کو عدم کر کے ہر ہیئت میں۔ سَبْعَ سَمٰوٰتِ۔ کُرسی۔ عرش۔ سدرۃ المنتہیٰ۔ عالم بالا کی کیفیتوں میں انتقال کرتی۔ اپنی بازگشت میں۔ نورِ اوّل سے تصوّر و رابطہ کے ذریعہ اتصال کر کے اس نور میں "فنا" حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اِس فنا میں انسان ہر مقام کے فنا میں۔ ہر مقام کی ذاتی ہیئت۔ اس کی صفات پیدائشی ترتیب کا عرفان کر لیتا ہے۔ تو اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ان تمام علتوں۔ نوری۔ ناری۔ وجودوں کی بنیاد علت نورِ ابتدائی ہے۔ اور وہ ان نوری ہیئتوں کے تمام اسرار و آثار کا "فنا" کی صورت میں حق الیقین کی حد تک علم و ادراک حاصل کر لیتا ہے۔ اِس کیفیت کو بھی۔ عرفان و معرفت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

لیکن رُوح حیوانی کے ذریعہ ایسی فنا حاصل کرنا۔ انسانی طاقت و تزکیہ سے باہر ہے۔
سوائے ایک ذات کے۔ وہ خود حضور محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس ہے جنہیں
جسمانی طور معراج فنا، معرفت الٰہی حاصل ہوئی۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی۔ اور حضور نے جسم سے
ذاتِ الٰہی میں فنا حاصل کی۔ بقیہ مخلوق یہ فنا روح رحمانی کے ذریعہ حاصل کرتی ہے۔ چونکہ
یہ کائنات نورِ ابتدائی سے بنی ہیں۔ اور ہر وجود میں اسی بنیادی نور کو پہچانا
جاتا ہے۔ اِس لیے اس تحقیق و فکر میں حقیقت محمدی کا عرفان ہوتا ہے حقیقت
محمدی کے عرفان میں رُوح رحمانی کے نورِ محمدیؐ میں فنا حاصل ہونے سے۔ انسان۔ خود کو
عدم کر کے۔ نورِ محمدی کی فنا میں۔ خود کو اِسی نور سے متصف پاتا ہے۔ تو خود کو محمدؐ
کی صورت میں محسوس کرتا ہے۔ تو یہ کیفیت انا محمد رسول اللہ کے تاثر میں حاصل
ہوتی ہے اور نورِ محمدی کی علت کے تصور میں ـــ جانو ـــ انسان محمد کی حیثیت میں
تصور و رابطہ کرتا ہے۔ اور اس اتصال میں رُوح رحمانی۔ نورِ محمدی کی ہیئت حاصل
کر کے نورِ الٰہی میں فنا حاصل کرتی ہے ـ لہٰذا ـــ لازم ہے۔ کہ جب تک رُوح محمدی
کی فنا حاصل نہ ہو۔ کوئی رُوح فنا الٰہی حاصل نہیں کر سکتی۔ اور جب نورِ الٰہی میں فنا
ہوئی۔ تو یہ رُوح خود کو اللہ کے نور کی حیثیت میں محسوس کرتی ہے۔ اس مقام پر کل کائنات
کو عدم قرار دے کر کائنات کی نفی ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں انسان خود کو۔
اِنِّیْ اَنَا اللہُ کے تصور میں محسوس کرتا ہے۔ اور ان تمام صفات سے متصف
ہو جاتا ہے۔ جو صفاتِ الٰہی۔ اللہ میں موجود ہیں ـ یہی صورت ہے۔ جہاں
فنا فی اللہ ہو کر۔ اللہ کی لامحدودیت کا حقیقی تصور پاتا ہے ـ اِسی۔ فنا سے ہمہ اوست
اور ہمہ در اوست کی ترتیب کا عرفان ہو جاتا ہے۔ ہمہ اوست میں۔ جب کہ ہر شے
کائنات کے وجود میں نورِ الٰہی بنیادی وجود ہی اصل ہے۔ اگر ہمہ در اوست کی ترتیب میں

---

[1] اَنَا مُحَمَّدؐ۔ اس فنا کو طریقت میں فنا فی الرسول سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

إِذَآ أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ کی ترتیب میں ۔ نور ابتدائی کا تصور شامل نہ رکھا گیا ۔ تو ہر شے کائنات کو خدا کے تصور میں لا کر ۔ مخلوق کے لیے سجدہ واجب ہونا قرار دیا جاتا ہے ۔ لیکن حقیقتاً یہ تصور شرک قرار دیا جا سکتا ہے ۔ کہ مخلوق خالق کی صفت میں لائق سجدہ نہیں ہو سکتی ـــ اور نورِ اوّل کو مخلوقی حیثیت میں کائنات کی علت قرار دیا جائے ۔ تو با وجود بنیادی نور ـــ نورِ الٰہی ہونے کے کائنات کی حیثیت مخلوقی ثابت ہوتی ہے ۔ جس کے لیے ـــ خالق یا سجدہ کا تصور باقی نہیں رہتا ـــ ثابت ہوا ۔ ہمہ اوست کی تحقیق میں ۔ اللہ کے ساتھ محمدؐ کا وجود ۔ بعد از اللہ تسلیم کرنا لازمی ہے ـــ اور جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور شامل نہ کیا گیا ـــ ہر محقق کی فکر کا نتیجہ شرک پر منتج ہوگا ۔

نظریہ ڈارون و نظریہ آواگون کا رد اور مسئلہ وحدت الوجود

اس مسئلہ ہمہ اوست میں انسان کی ذاتی تحقیق میں مغربی علم کا نظریہ کہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ ہیئت کہلاتا ہے ۔ قرآنی دلائل سے غلط ثابت ہوتا ہے ۔ بلکہ مغربی علم (علم الہیت و سائنس) کی رو سے بھی یہ نظریہ غلط ثابت ہوتا ہے ۔ جب کہ علم الہیت کے محققین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے ۔ جمادات ۔ نباتات ۔ حیوانات اور جملہ حشرات الارض کے ہر وجود کے لیے ایک منفرد ذرّہ (روح ۔ وجود) مخصوص ہوتا ہے ۔ یعنی ہر وجود ایک منفرد ذرہ سے ہی اپنی ایک منفرد ہیئت اختیار کرتے ہوئے اپنی آخری جسمانی ہیئت پر قرار کرتا ہے ۔ اِس انتقالِ ہیئت میں ۔ یہ ایک ہیئت سے دوسری ہیئت اختیار کرنے کی فطری طور خاصیت نہیں رکھتا کہ چیونٹی سے مکڑی بن جائے ـــ یا بلّی سے شیر بن جائے ـــ یا گدھے سے گھوڑا بن جائے ـــ یا کتے سے بندر بن جائے ـــ یا بندر سے بن مانس بن جائے ـــ یا جیسا کہ ڈارون (DARWIN) کا نظریہ ہے ۔ کہ انسان بن مانس کی ترقی یافتہ ہیئت ہے ۔ بن مانس سے انسان بننے یہ نظریہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے ـــ کیونکہ ہر ذرہ بنیادی حیثیت میں اپنی ایک منفرد ہیئت اور شکل وصورت رکھتا ہے ۔ اِسی ذرہ کی ہیئت پر اس کا جسمانی وجود ظاہر ہوتا ہے اور ہر وجود کے لیے ازلی طور ایک ذرہ مخصوص ہوتا ہے ۔ یہ ذرہ "روح"

کی حیثیت رکھتا ہے — یہی رُوح مٹی کے ذرات میں مل کر جسمانی شکل اختیار کرتی ہے جیسا کہ مغربی محققین کی تحقیق سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے۔ کہ کائنات نوری۔ناری۔ خاکی ہر قوت درحقیقت ناری۔ نوری۔ خاکی ذرات کا مجموعہ ہے۔ اور ہر ذرہ کی اپنی ایک علیحدہ اور منفرد حیثیت۔ ہیئت۔ شکل وصورت ہوتی ہے۔ جو نہ ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت رکھتی ہے نہ ایک ذرہ دوسرے ذرہ میں انتقال کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔ اِس طرح نظریہ ڈاروِن کے مطابق — انسان کی پیدائشی حیثیت یہ ہے کہ انسان کے لیے بھی ایک ذرّہ مخصوص ہے — یہ ذرّہ حقیقتاً انسانی رُوح سے موسوم ہے یہی ذرہ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ میں انسانی ہیئت اختیار کرجاتا ہے۔ البتہ انسانی ذرہ اپنی ابتدائی ہیئت سے لے کر بشری شکل اختیار کرنے تک ذرہ سے لے کر انسانی ہیئت تک ارتقاء کرنے میں مختلف ہیئتوں میں محسوس ہوتا ہے — اِس کے مقابل بن مانس بھی ایک ذرہ سے لے کر بن مانس کی ہیئت تک جسمانی ارتقاء وانتقال میں سے گزرتا — یہاں تک کہ بن مانس کی ہیئت پر قرار کرتا ہے — اس فطری ترتیب پیدائش میں۔ دونوں وجود ایک ہی ہیئت میں عُروج کرتے ہیں۔ اس وجہ سے۔ بن مانس اور انسان کے وجود میں صرف شکل وصورت میں مماثلت محسوس ہوتی ہے۔ مگر ہر ذرہ کے منفرد ہونے کی حیثیت میں۔ دونوں وجودوں میں۔ وجودی مماثلت نہیں ہوسکتی۔ ہم شکل ہونے کی صورت میں بن مانس کی اپنی حیوانی صفت انسانی وجُود کے برابر نہیں۔ بلکہ بن مانس کا اپنا۔ علیحدہ وجود ہے اور انسان کا اپنا الگ وجود — بن مانس کے ذرّہ کی اپنی ہیئت کے مطابق اس کا ارتقاء بن مانس کی ہیئت۔ شکل وصورت پر ختم ہوجاتا ہے اور اسی شکل وصورت میں اگرچہ انسان بن مانس کے مشابہ محسوس ہوتا ہے۔ مگر اس کا جسم انسانی ہوتا ہے۔ جو انسانی شکل بشری تک عروج کرکے مکمل ہوجاتا ہے۔ اِسی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے۔ ڈاروِن عقل ٹھوکر کھا گیا کہ اس نے شکلی مماثلت پر یہ دھوکہ کھایا۔ کہ بن مانس کی ترقی۔ اس کے آخری وجود پر باقی رہ کر انسانی ہیئت اختیار کرجاتی ہے۔ حالانکہ فطری تخلیق کے تابع بن مانس کا ذرہ منفرد حیثیت میں بن مانس کی شکل پر ظہور کرکے اپنی ہیئت کی تکمیل کرتا ہے۔ اس میں انسانی ہیئت میں انتقال کرنے کی خاصیت موجود نہیں ہوتی۔

ہمہ اوست کے نظریہ میں ہندو فلسفہ کا مسئلہ بھی۔ان کے نزدیک ایک نظریہ رکھتا ہے۔کہ کائنات کی ہر شے میں بنیادی وجود اللہ کا نور ہے۔ اس لیے ہر شے کی پوجا (سجدہ) جائز ہوسکتی ہے۔ اس کا سبب بھی یہی ہے۔ کہ کائنات کی ابتدائی تخلیق کے علم پر احاطہ نہ کیا گیا۔کہ کائنات کی بنیادی علت۔ نور ابتدائی۔ نور اول۔ قرار دی جاتی ہے۔ اس تخلیقی عمل میں۔ نور اول۔ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور شامل نہ رکھا گیا۔جو کائنات کی تخلیق کا بنیادی نقطہ ہے۔اس لیے ان کا عمل شرک قرار دیا جاتا ہے۔اسی بنیادی ٹھوکر پر۔۔۔ انسانی تخلیق کی ابتدائی ترکیب کا علم نہ ہونے کے سبب۔جبکہ ان کے نزدیک ہر وجود کے لیے اس کی پیدائش پر ایک روح پھونکی جاتی ہے۔۔۔جو اپنے عمل کے مطابق دوبارہ حیوانی شکل میں ظہور کرتا ہے۔۔۔ نظریہ آواگون پیدا کیا گیا۔۔۔ اس کی تصدیق میں ہندو فلسفہ اسلامی نظریہ تخلیق آدم میں علماء اسلام کے نظریہ آدم سے حمایت حاصل کرتا ہے۔کہ بعض علماء اسلام کے نزدیک انسانی جسم پتلے کی شکل میں بنایا گیا اور اس میں جسم کی تکمیل کے بعد روح پھونکی گئی۔اس تائید کی روشنی میں۔ہندو فلسفہ کا نظریہ یہ ہے۔کہ ایک انسان کی روح۔دوسرے انسان یا حیوان اپنے عمل کے مطابق۔عروج و تنزل کی صورت میں حلول کر کے نئی صورت میں پیدا ہوتا ہے یا جنم لیتا ہے۔حالانکہ تخلیق کے مطابق یا قرآنی نظریہ تخلیق کے مطابق یہ نظریہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔جب کہ فطری طور پر ہر حیوان کے لیے اپنا ایک منفرد وجود۔۔۔ روح و جسم مخصوص ہے۔تو ایسی صورت میں۔نہ کوئی ایسی روح ہوسکتی ہے۔جس کے لیے کسی دوسرے۔ حیوان یا انسان میں حلول کرنے کی گنجائش ہو۔نہ کوئی جسم ہوسکتا ہے جس کے لیے خارج سے کسی روح کے حلول ہونے کی گنجائش ہو۔ اصولی طور۔۔۔ ہر وجود کی عملی زندگی میں اس کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قانون فطری کے مطابق۔۔۔ ہر وجود حیوانی۔ناری ذرہ (روح) سے اپنے وجود کو عروج کر کے اپنی جسمانی ہیئت میں مکمل ہو جاتا ہے۔۔۔ اس کی عملی زندگی اس کے آخری وجود پر ختم ہو کر ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔۔۔ لہذا۔ہر حیوان کا جسم اپنی اصل مٹی میں جذب ہو جاتا ہے۔اور اس کی روح۔چونکہ زمین کی ناری ہیئت کی جزء ہوتی ہے۔لہذا۔یہ روح بھی اپنی اصل میں جذب

ہو جاتی ہے۔ ایسا نہیں کہ یہ رُوح کسی اور جسم میں منتقل ہو کر نیا جسم اختیار کرے۔ علم الہیت کی رُو سے یہ ثابت ہوتا ہے زمین کی ناری ہیئت ایثر (ETHER) کے مشابہ ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر۔ ہر حیوان کی رُوح ایثری قوت کی جزو ہے۔ اس لیے ہر حیوان کی رُوح اپنی اصل ایثری وجود میں تحلیل ہو کر سما جاتی ہے۔ اور انسان کی رُوح بھی زمین کی صلصالی قوت ایثری سے مشابہ ہے۔ یہ ناری ہیئت ہے اس لیے انسان کی رُوح اپنی جنس ایثر (برج) میں داخل ہوتی ہے۔ ایثری قوت کی وسعت ناری۔ نوری قوت تک وسیع ہے۔ بہ الفاظ دیگر ایثر۔ ایک کائناتی قوت[1] ہے جو عالم نوری میں نوری ایثر سے موسوم ہے۔ ناری عالم میں ناری ایثر سے موسوم ہے۔ اور خاکی (ارضی) عالم میں ارضی ایثر سے تعبیر ہے۔ اسی ناری ایثر کی ایک اعلیٰ جز انسانی رُوح کے لیے مخصوص کی گئی۔ جو انسانی رُوح

---

[1] اس ایثر کے متعلق قرآن نے واضح بیان پیش کیا۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت ۸۵) اہلِ تورات "یہود" اہلِ انجیل "نصاریٰ" آپ سے رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اس غرض سے کہ نبی اور رسول کے لیے انہیں بطور دلیل روح کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ ایسا نہیں۔ اگر آپ انہیں روح کی حقیقت سے آگاہ بھی کر دیں تو یہ اس حال میں بھی آپ پر ایمان نہ لائیں گے اور یہ ضروری نہیں کہ رُوح کی حقیقت سمجھنا یا بتانا نبوت یا رسالت کی دلیل سمجھا جائے۔ جب تک کہ آپ کی ذاتی شخصیت پر بغیر دلیل (اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کی صورت میں) ایمان نہ لائیں۔ ان کے لیے اتنا بتانا کافی ہے۔ ہر رُوح (نوری۔ ناری) میرے رب کے حکم سے بنی ہے کہ ہمہ اوست کی ترتیب کے مطابق تخلیقی ترکیب میں ہر وجود (نوری۔ نوری ذرات کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح ناری وجود بھی ناری ذرات کا مجموعہ اور مرکب ہے۔ انہی ذرات میں اللہ اپنے ارادہ و حکم سے بعض نا۔ ی ذرات کو مخصوص وجودوں کی ہیئت میں منتخب کر کے ایک علیحدہ ہیئت دیتا ہے۔ جیسے ملائکہ اور جنات وغیرہ۔ یہ وجود بھی روح سے موسوم ہے۔ جیسے ملائکہ کو قرآن نے روح سے تشبیہ دیا۔ اور جو علم تمہیں انبیاء و محققین سے روح کے متعلق ملا ہے تم اس علم پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے تعبیر ہے ۔ اسی ایثر کے تصور میں۔عالم نوری کی ابتدا نورِ الٰہی سے ہوتی ہے ۔ نورِ الٰہی کو ایشر کے تمثیلی تصور میں ہندو فلسفہ میں ایشور کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔ دراصل ہندو فلسفہ میں ایشور کا تصور اسی ایثر کے تصور سے قائم کیا گیا ۔ لہذا یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ ہر رُوح اپنی اصل کی طرف رجوع کر کے اپنی اصل میں ضم ہو جاتی ہے ۔ انسان کی دو روحیں ــــ روح رحمانی ۔ نوری وجود کی جز ہے ـــــ ناری رُوح (روح حیوانی) ناری وجود کی جز ہے ۔اور جب کہ انسان کے لیے عبادت کی صورت میں اس کا ایک خصوصی عمل مقرر کیا گیا ہے ۔ جیسا اس کے عمل سے اس کی رُوح عروج پاتی ہے ۔ اس کے عمل کے مطابق ناری رُوح اپنے عرُوج میں ناری وجود میں اعلیٰ وادنیٰ مقام پاتی ہے ۔ نیک عمل ہو تو اسکی وسعت نوری وجود تک ہوتی ہے ۔ اِس مقام کو شریعت اسلامی عَلیٰ عَلِیّیِنَ سے موسوم کرتی ہے ۔ بداعمال ہوں ۔ تو اس کی ناری رُوح تنزل پذیر ہو کر خاکی ایثر (جس ایثر میں حیوانوں کی رُوح جذب ہوتی ہے) ۔ میں اندھیرے میں مقید ہو جاتی ہے ـــــ اس مقام کو شرعی اصطلاح میں سِجّیِنْ" کہا جاتا ہے ـــــ یہ ایک فطری عمل ہے کہ انسان اپنی دنیوی زندگی میں جو نتیجہ حاصل کرتا ہے اِسی نتیجہ کے مطابق عالم ایثری میں اس کا مقام ہوتا ہے اور انسانی زندگی میں اس کے عمل کا ایک تعین ہے کہ وہ ایک بار دنیوی زندگی میں رُوح و جسم کے اتصال سے عمل کر کے اپنی موت پر ایک متعین مقام حاصل کرتا ہے جس کے بعد اس کی عملی زندگی ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد اس کی عملی زندگی کو دوبارہ عمل کا موقع نہیں ملتا ۔ اس لیے ہر انسانی زندگی اپنے عمل کے مطابق ۔ نور و ظلمت میں مقام حاصل کر کے اپنے مقام میں پابند و مقید ہو جاتی ہے ۔ اس مقام کو عالمِ برزخ سے موسوم کیا جاتا ہے حقیقتاً عالم برزخ عالم ارضی کا ناری مقام (وجود) ہے ۔ ہر انسان کی رُوح اسی ناری وجود کی جز ہوتی ہے ۔ بعد موت ہر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰۹)

دلیلِ نبوت چاہتے ہو ۔ یہ تمہارا علم خود محدود ہے ۔ تمہیں خود رُوح کے متعلق کُلی علم حاصل نہیں ۔ اِس محدود علم پر نبی کی نبوت کی دلیل لینا بے معنی ہے ۔ تم رُوح کی حقیقت سے ابھی کاملاً آگاہ نہیں ہو ۔

انسان کی روح عالم ظاہری سے منتقل ہو کر اسی عالم میں جذب (داخل) ہو جاتی ہے۔ اور پھر کسی رُوح کو کسی مقام پر حاضر ہونے کا اختیار یا قدرت نہیں۔ (جیسا کہ محققین مغرب حاضراتِ ارواح کا کھیل کھیلتے ہیں) نہ کسی وجود میں (ہندو نظریہ آواگون کے عقیدہ کے تحت) حلول ہونے کا موقع آتا ہے۔ اِس حال میں کہ ہر وجود کے لیے اپنی ایک منفرد رُوح پہلے ہی موجود ہوتی ہے جس رُوح سے اس وجود کی تخلیق (پیدائش) ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ہندو عقیدہ۔ آواگون۔ ایک غلط نظریہ ہے۔ جبکہ فطری تخلیقی عمل کے مطابق کسی رُوح کے لیے کسی وجود میں داخل یا حلول ہونے کی گنجائش نہیں اور جب گنجائش نہیں۔ تو آواگون کا نظریہ خود بخود رد ہو جاتا ہے ـــ لہذا ـــ سوائے اس کے نہیں کہ ہمہ اوست کے تصور میں ہمہ در اوست کی ترتیب میں ـــ نور الٰہی بہ اعتبار لامحدود۔ احد ہونے کے اشیاء کائنات میں منتشر نہیں ہو سکتا۔ کہ سالم وجود منتشر ہو ـــ ایسی صورت میں ہمہ اوست کے تصور میں اللہ کی ایک جز کا کائنات کی صورت میں تقسیم (ANALYSE) ہونا مقصود ہوتا ہے۔ اِس جز کو مخلوقی جز کے تصور میں کائنات کی ہر شے میں پہچانا جاتا ہے۔ لہذا جب تک کائنات کے بنیادی وجود میں نور محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نہ پہچانا جائے کائنات کی تحقیق و فکر میں معرفتِ الٰہی ـــ حاصل نہیں ہو سکتی۔ بغیر اس حقیقی تصور کے ہر تحقیق بجائے حق حاصل ہونے کے شرک و گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔

ان فرمودات میں حضور قبلہ عالم ـ حضرت محمد امین صاحب اویسی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی اساس اگرچہ قرآنی دلائل پر موقوف ہے۔ لیکن حضور قبلہ عالم کی علمی حیثیت صرف قرآنی دلائل تک محدود نہیں (اگرچہ قرآنی دلائل ہر علم پر غالب حیثیت رکھتے ہیں) گو حضور قبلہ عالم کو مغربی علوم سے مَس نہیں تھا ـــ خواہ وہ مشرقی علوم ہوں۔ یا مغربی یونانی علوم ہوں یا عربی علوم ـ علم منطق ہو یا فلسفہ ـ علم الہیت ہو یا سائنسی علم ـ آپ کے دلائل کو ہر علم سے تائید حاصل تھی ـ حضور قبلہ عالم نے قرآنی نظریات کی دلیل کے ساتھ ہر علم کے اصل نظریات سے ہر کیفیت کے لیے دلائل پیش کیے ہیں کہ حضور کو علم لدنی (روحانی) عطا ہُوا تھا۔ کائنات کے وجود میں اس کی تحقیق و فکر میں باطنی طور پر ـــ روحانی مشاہدہ کے

ساتھ ہر کیفیت کا علم و ادراک حاصل تھا ۔۔۔ کہ آپ بالمشاہدہ عین الیقین ۔۔۔ حق الیقین کی حد تک ہر کیفیت کی اصل حقیقت اور اس کے جملہ اجزا سے آگاہ تھے ۔ کیونکہ آپ ولی اکمل کا مرتبہ رکھتے تھے ۔ آپ کو معرفتِ الٰہی میں " فنا " کے ساتھ ۔ کائنات کے تمام اسرار و آثار کا مشاہدہ حاصل تھا ۔ جو ولی ۔ اور ولایت کی اصل حقیقت ہے ۔ لیکن اس حال میں بھی وَ الْعِجْزُ فَخْرِیْ ۔ کا دعویٰ تھا ۔ کہ آپ نے ذاتی طور اپنی کسی علو مرتبت یا خصوصیت کا اظہار نہ فرمایا ۔ نہ اس خصوصیت کو اپنی ذاتی شخصیت کے لیے استعمال کیا ۔ آپ نے باوجود ولی اکمل ہونے کے ایک سادہ انسان جیسی زندگی گزاری ۔ اپنی تبلیغ میں سوائے اس کے کہ آپ سے ہزاروں طالبانِ حق نے حضوری اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور معرفتِ الٰہی میں اکمل درجہ حاصل کیا ۔ آپ نے اپنی ذاتی زندگی میں حصول دنیا میں ایک دُنیا دار کی حیثیت میں فہم و تدبّر سے کام لیا اور ہر کاروبار میں ذاتی تدبر و عقل کو استعمال کیا بلکہ اپنے مریدوں کو بھی یہی تلقین فرماتے رہے کہ عبادتوں کو دارِ آخرت کیلئے وقف کرو ۔۔۔ اسے حصول دُنیا کے لیے خرچ نہ کرو ۔ جیسا کہ قرآن اس امر کی ہدایت کرتا ہے ۔

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ط (پارہ اوّل سورۃ ۲ آیت ۶۱)

عبادتوں کا اجر لامحدود اور عظیم بدل ہے ۔ دُنیا فانی ۔ قلیل اور ادنیٰ ہے ۔ حقیقتاً عبادات کا اجر یوم حشر پر موقوف ہے ۔ اسلیے اعلیٰ جنس کو ادنیٰ جنس حاصل کرنے پر خرچ نہ کرو ۔ یہ صرف بھی تَبْذِیْرًا (فضول خرچی) میں شمار ہوتا ہے ۔۔۔ آپ تلقین فرماتے اللہ تعالیٰ نے حصول دُنیا کے لیے دنیا میں آسانی کی خاطر حواس و عقل عطا کیے ہیں ۔ انسان اِن ہی قوتوں سے اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ۔

وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَ فْـئِدَ ۃَ ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۹)

کی خصوصیت بیان کرنے میں یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ یہ قوتیں حصول دُنیا میں آسانی اور کامیابی کے لیے عطا کی گئی ہیں ۔ اس لیے حصول دُنیا میں فہم و تدبّر سے کام لیا کرو ۔

حضور قبلہ عالم " خالی درویش ہی نہ تھے ۔ بلکہ دنیوی حیثیت میں بھی ۔ وسیع فہم و تدبر کے مالک تھے ۔ آپ اپنے مریدوں کی مشکلات میں ۔ بہ نفسِ نفیس شریک ہو کر بجائے کرامات

سے مشکلات حل کرنے کے۔فہم و تدبر سے ان کے مسائل حل کرنے میں مدد فرماتے ۔
آپ نے دُنیا میں رہ کر دُنیا کی ہر تکلیف کو گوارا کیا۔ اور صبر و استقلال سے برداشت کیا۔
اِس تصور کے ساتھ کہ ہر خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے ۔اللہ پر توکل ایمان کی رُوح ہے۔
توکل کا تقاضا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کیا جائے۔
اور اس پر صبر کیا جائے ۔ حضور قبلہ عالمؒ "صبر" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ہر مشکل میں
انسان اضطراب و بے چینی کا شکار ہوتا ہے۔" صبر" کی صورت میں یہ تصور کرنا بہتر ہے ۔کہ یہ
مشکل رضائے الٰہی کے تابع ہے۔اس کی طرف سے ڈالی گئی آزمائش نتیجتاً ایک بہتر مستقبل
کی ضمانت ہوتی ہے۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ

ہر تکلیف میں ایک بہتر مستقبل کی بشارت خود قرآن دیتا ہے ۔صبر یہ ہے ۔ کہ ہر مصیبت
پر دل کو اضطراب و بے چینی کے اثرات سے متاثر نہ ہونے دے۔ اِس کا ایک نتیجہ یہ ہے۔
کہ انسان ذہنی پریشانی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور ہر مشکل پر قابو پانے کے لیے عقل و تدبیر
سے کام لینے کے لیے عقل و خرد بجائے خود الجھن میں گرفتار ہونے کے بہتر تدبیر۔ بہتر نتیجہ
حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اصل نتیجہ اللہ تعالیٰ ایسے صابر کو شر سے نکال کر
دین و دُنیا کی خیر کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

حضور قبلہ عالمؒ نے ۔دُنیا کی ہر تکلیف کو برداشت کیا۔اور بطریقِ احسن امور دنیوی کی
انجام دہی میں جدو جہد کرتے رہے۔ ایک طرف اجرائے شریعت و طریقت میں ہر لمحہ
اصلاحِ انسانی میں جانفشانی سے جدو جہد کرتے رہے ۔دوسری طرف اپنی اور مخلوق خدا
کی خیر و فلاح میں برابر شریک ہو کر محنت اٹھاتے رہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا کو انسانیت کی مظلومی اور تنزل پر شدید دکھ
ہوتا تھا۔حضور حد درجہ حساس قلب رکھتے تھے۔آپ حالات زمانہ کے مطابق انسانیت
کی گمراہی و ذلّت پر تاسف فرماتے کہ انسان جان بوجھ کر گمراہی کی طرف جا رہا ہے اس وجہ سے
آپ کی عمر کا دور آپ کے لیے پُر مشقت اور فکر مند احساس کا دور رہا۔یہ زمانہ آپ کیلئے

بے حد محنت و مشقت کا دور تھا ــــ جس کے نتیجہ میں آپ قبل از وقت ۔ضعف و نقاہت کا شکار ہو گئے ۔ ذہنی مشقت کی وجہ سے ۔آپ حادثہ کا شکار ہو گئے ــ آپ کے دماغ کی رگ پھٹ گئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بشارت دی تھی کہ رگ پھٹنے سے فالج نہیں گرے گا۔ مسلسل چار یوم کے علاج کے بعد آپ اُٹھ بیٹھے اور جنگل کی طرف سیر کے لیے چلے گئے ۔ ہمارے اصرار کے باوجود آپ نے بستر پہ جانا منظور نہیں کیا اور روزمرہ کام میں لگ گئے ۔ جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ مگر اس تکلیف کا اثر آپ کی آخری عمر تک موجود رہا۔

حضور کی فطری خصوصیات کے مدِّنظر۔ اللہ نے آپ کو قائم مقام نائبِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم منتخب کر کے ایک اہم اور خصوصی منصب آپ کے سپرد کیا۔ وہ منصب حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے ظہور کے متعلق تمام انتظام کی تکمیل آپ کے سپرد کی گئی۔ حضور قبلہ عالم نے اس منصب کو بطریق احسن پورا کیا۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے ظہور کے بیان میں ذکر ہوا۔ اور وقت آیا کہ اس منصب کی تکمیل کامل ہو گئی۔ حضور کا مشن مکمل ہو گیا ــ اور اس مشن کی نشاندہی آپ کے مریدوں کے مشاہدہ میں لائی گئی۔ــ اور یہ مشن (منصوبہ) قرآنی آیت کے اشارہ کے مطابق اپنی تکمیل کو پہنچا ــ

اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ اور اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۙ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ

ایک طرف حضور قبلہ عالمؒ کے سلسلہ اویسیہ امینیہ میں ۔مشرق و مغرب کے طالبان حق داخل ہو کر بامراد ہو گئے ۔ دوسری طرف ظہور مہدی علیہ السّلام کے منصوبہ کی باطنی طور پر تکمیل ہو گئی ــ ظاہر تھا ــ یہ تکمیل آپ کی اپنے محبتوں کے لیے جدائی کا پیغام لائی تھی ۔ اور حضور رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے دو مہینے پہلے اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ اب میری عمر کے صرف دو مہینے باقی رہ گئے ہیں۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اگر اپنی دُعا کے نتیجہ میں اپنی قبر کا مدینہ منورہ میں میری ہمسائیگی میں ہونا منظور ہے تو دو مہینے کے اندر مدینہ منورہ پہنچ جاؤ۔ مگر مریدوں کی محبت اِس ارادے میں آڑے آئی۔ اور قبلہ عالم فِدَاہُ اُمّیِ وَ اَبِیۡ ۔حضرت مولانا الحاج محمّد امین کشمیری ۔قریشی۔ اویسی قادری۔

نقشبندی۔ قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ مورخہ ۱۷ ذی الحج ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۶۸ء کو رات کو ۹ بج کر ۵۵ منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اِس شر کے زمانہ میں حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ والاصفات ایک روشن ستارہ کی مانند حق کی راہنمائی کرتی رہی۔ یہ شرف طریق اویسیہ کو حاصل ہے کہ آپ کی ذات سے دُعائے اویسیہ کی قبولیت کے اظہار میں اس شر و فساد کے زمانہ میں عوام الناس کو ہدایات و معرفت حق کا سامان میسّر آتا رہا۔ ہزاروں لوگ ان سے ہدایت کا راستہ پانے میں کامیاب ہو گئے۔

اس کامل اکمل ولی۔ صاحب تدبر و فہم مجاہد نے اپنی تربیتِ ظاہری باطنی سے۔ ایسی کامل اکمل جماعت[1] ترتیب دے کر مخلوقِ خدا کی راہنمائی کے لیے چھوڑ دی۔ جس کا سلسلہ دعائے اویسی۔ اور مقامِ محمودؐ کی تکمیل میں قیامت تک مسلسل چلتا رہے گا سلسلہ اویسیہ تاقیامت روشن طریقہ پر قائم رہے گا۔ اور ہر زمانہ میں۔ طالبانِ حق کو اس سلسلہ کا فیض میسّر آتا رہے گا۔ بلاشبہ آپ کی وفات مخلوقِ خدا کے لیے باعثِ غم و اندوہ ثابت ہوئی۔ حضور قبلہ عالمؒ کی وفات کی اندوہناک خبر سُن کر مفتی رشید الدین صاحب نے بچشمِ پُرنم فرمایا۔

"افسوس طہارت و تقویٰ کا سورج ڈوب گیا"

---

[1] ایسی ہی جماعت کا ایک فرد حاجی غلام رسول ملک تحصیل بھدرواہ کشمیر کے ایک دُور دراز علاقے میں سلسلہ اویسیہ کی خدمت انجام لانے کے لیے حضور نے خود اپنے دستِ مبارک سے منتخب کیا۔ ماسٹر غلام رسول ملک صاحب نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا۔ جب ۱۵ سال گزرنے کے بعد خواب میں دیکھی ہوئی بزرگ ہستی سامنے آئی تو اپنے آپ کو ان کے حضور میں فروخت کر دیا۔ بھدرواہ کے دُور دراز جنگلوں میں سلسلہ اویسیہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور لوگوں کو راہ حق سے روشناس کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو زیادہ ہمت عطا کرے۔ آمین

پروفیسر محمد طیب صاحب صدیقی ایم-اے-ایم-او-ایل نے حضور کی تاریخ وفات کو ان اشعار میں نظم کیا۔

آن اویسی امینِ حق آگاہ
قطب الاقطاب بود والا جاہ
نائب حضرت رسولِ امین
ہادیئے گمرہانِ نامۂ سیاہ
رُوحِ پاکش بسوئے عرش پرید
در حریمِ وصال زد خرگاہ
ہژدہم بُد زماہ ذی حج
بست احرام کعبۃ اللہ
فکر کردم زِ سالِ رحلتِ او
ہاتف از دل کشیدہ نالۂ آہ
گفت ضیغم بجوزِ زیبِ شرع
عرش پرواز بود طالب ثراہ

۱۷ ذی الحج ۱۳۸۸ھ بمطابق ۱۷ مارچ ۱۹۶۸ء

—— تمّت بالخیر ——

بسم الله الرحمن الرحيم　　سند الفارغ من منازل العرفان

اللهم نحمدك كما ترضى ونصلي على حبيبك وآله كما يرضى وبعد فان اخي في الدين

محمد امين نور الله ضميره قد اشتغل سندي وعند محج مرشدي ووالدي واستاذي

الفاضل الثاني العالم رباني القطب الزمان يعني محمد نور الزمان قدس سره

العزيز الرحمن برحمة الزمان فقد شكر الله سعيه من منازل العرفان والكمالات

النبوة وحقيقة المحمديه ومن جميع منازل الولايه ومن الاصول والاظلال

والشيون واصول الاصول فقد وصل الى الاحدية المجردة فقد اجزته لتلقين الناس

من جميع الطرق خصوصا من الطريقة الاويسيه والقادريه والقلندريه واوصيه

بتقوى الله تعالى والاتباع الرسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في السر والعلانيه وان يكثر الصلوة

على النبي صلى الله عليه وآله وسلم اللهم اجعله شمسا بازغة في الدين والدنيا والآخرة

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله على حبيبه محمد وآله وسلم

انا الافقر

فخر الزمان نقشبند مجدد

— ۱۶م —

سلسلۂ عالیہ اویسیہ کے
مجموعہ کُتب کا ایک مختصر تعارف

نورُالعرفان

جناب الحاج مولوی محمدؐ امین صاحبؒ اویسی کشمیری قطب الاقطاب کی
سوانح عمری

اِس کتاب میں ایک ولیِ اکمل صاحبِ طریقت ہستی کے کمالاتِ ملکوتی اور آپ کی ذاتی سیرت میں اسوۂ حسنہ (اوصافِ حمیدہ) کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس کا مطالعہ اہلِ طریقت سے سوا، عام حیثیت میں عام عقلِ انسانی کے لیے بھی حصولِ مقصدِ حقیقی میں کار آمد ہو سکتی ہے۔ اِس لیے اِس کتاب کے مطالعہ کے لیے ہر مکتبِ فکر کی شخصیت کو دعوت دی جاتی ہے۔ کہ یہ کتاب ہر نوعِ فکر کے لیے راہنما اصُولِ طریقِ عمل اور راہِ عمل کی نشاندہی کرتے میں عالمگیر عملی مواد پیش کرتی ہے۔

منازِلِ فقر
مع
شرح

من تصنیف: اعلیٰحضرتؒ مولائی مُرشدی الحاج محمدؐ امین صاحبؒ اویسی کشمیری قطب الاقطاب

رسالہ "منازلِ فقر" طالبانِ راہِ معرفت اور بالخصوص غلامانِ سلسلہ حلقۂ اویسیہ عالیہ بغرضِ "ضبطِ منازل" شائع کیا گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص کا قرآن کی رُوحانیت کی طرف رجُوع ہو، اور وُہ اِسی طریق و عمل کے تحت قرآن و حدیث کا مطالعہ کرے۔ چونکہ اِس طریق کا تعلق مُتشابہات سے ہے، اور منازلِ فقر بھی متشابہات میں شمار ہیں، اِس لیے یہ رسالہ "منازلِ فقر" طالبانِ راہِ طریقت کے لیے خصوصی طور پر ایک کسوٹی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کہ منازلِ فقر کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص ولایت کے دعویدار میں اِن خصوصیات کو تلاش کرے کہ ایسا ولی ان منازل کو طے کر کے مقامِ فناء قربِ الٰہی اِس حد تک پا چکا ہے کہ اُسے ولی اکمل کا درجہ حاصل ہو۔

تاریخ طریقت و حقیقتِ تصوّف

عطیہ قلم جناب محمدّ نورالدین صاحبؒ اویسی امینی کشمیری

سلسلہ اویسیہ کی نسبت سے اِس کتاب میں طریقت اور تصوّف کی ابتدا، طریقت کا حقیقی مفہوم، طریقت سے متعلق علم و عمل، طریقِ عمل اور طریقت میں مشاہدہ کے عمل کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص کے لیے طریقت کے بُنیادی تصوّر کو زیرِ نظر رکھ کر حقیقتِ تصوّف کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

راہِ حقیقت

تصنیف و تالیف: جناب محمدّ نورالدین صاحبؒ اویسی امینی کشمیری

کائنات کے نظامِ تخلیق میں جو اشیائے کائنات کی تخلیق میں آثارِ مشاہدے میں آتے ہیں۔ اِن اشیاء کی تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک منظم نظام کے تحت یہ کائنات ازل سے ابد تک بنائی ہے۔
اِس کتاب میں اِن حقائق کو پیش کیا گیا ہے جو انسانی زندگی میں مقصدِ تخلیق۔ واضح ہے جس "مقصد" پر کائنات کی تخلیق ہوئی ہے۔

عِلم العرفان

تصنیف و تالیف: جناب محمدّ نورالدین صاحبؒ اویسی امینی کشمیری

اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ الٰہی کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تک۔ ازل سے۔ ابد تک ایک مستحکم علم کی صورت میں انبیاء کے ذریعہ مخلوقِ انسانی کی فلاح و نجات کے لیے پیش کیا خصوصاً محمدّ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے تمام مخلوقِ ارضی پر کائنات کی سب سے عظیم کتابِ الٰہی "قرآن" کی شکل میں پیش کیا۔
اِس کتاب میں علم حاصل کرنے کے ذرائع حواسِ خمسہ اور ان کے افعال۔ دماغ کے حصص تخلیقِ آدم۔ شریعت و طریقت۔ نتیجۂ اعمال طریقت۔ علم کی کیفیات تصوّرِ انسانی وجود تمثیلی اور اس کی اقسام۔ رُوحِ رحمانی۔ اولیاء اللہ کے مدارج۔ طریقت کے معتبر سلسلے اور کئی دیگر مضامین پر قرآنی علم کی روشنی میں مفصل بحث کی گئی ہے۔

تاریخ خلافتِ اسلامی

تصنیف و تالیف: جناب محمد نور الدین صاحبؒ اویسی امینی کشمیری

قرآنی تاریخ سے خلافتِ اسلامی کی ابتداء۔ اس قرآنی حوالہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ یہ حقیقت واضح ہے کہ اللہ تعالےٰ نے منصوبہ ازلی کے مطابق زمین میں حضرت آدمؑ (اور ان کی ذریت) کو خلیفہ کی صفت پر پیدا کیا۔ کہ آدم کی پیدائش کا بُنیادی مقصد تسبیح و عبادت سے۔ تخلیقِ کائنات کے اسرار سے آگاہ ہونا ہے جس میں معرفتِ الٰہی حاصل کرنا بھی لازمی امر ہے اللہ تعالیٰ کے منصوبہ الٰہی میں تھا کہ دُنیا پر ایک ایسی اولوالعزم ہستی کا ظہور ہو۔ جن کا الدین الاسلام۔ اسلامی لائحہ عمل شریعتِ اسلامی تمام دُنیا۔ کائنات ارضی پر غالب ہو کر۔ انسان کو اس کی عظمت "خلیفہ" کی عظمت کا نشانِ راہ۔ قیامت تک میسّر ہو۔ وہ ذات حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ جن کی خلافت عظمیٰ کی تفصیل۔ خلافتِ اسلامی میں بیان کی گئی ہے۔

سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

پیش کردہ: جناب محمد نور الدین صاحبؒ اویسی امینی کشمیری

سیرت سے مراد کسی شے میں اس کی ظاہری باطنی خوبیوں اور ذاتی کمالات کا پایا جانا۔ اور نبی۔ النبی سے اشارہ مخصوص ذات کی طرف ہے۔ یعنی ایک نبی کی سیرت یا ایک نبی میں اس کے ذاتی صفاتی کمالات کا تذکرہ۔

اس کتاب میں اللہ۔ خالق اور مخلوق کی تحقیق میں کائنات کے آثار و اسرار میں صفات و خصوصیات کے مشاہدہ و علم کو بنیاد بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس۔ قرآنی مفہوم پر۔ سیرت۔ سیرت النبی (ترتیب دی گئی ہے۔

روح البیان

پیش کردہ: جناب محمد نورالدین صاحب اویسی امینی کشمیری

اس کتاب میں اہلِ ذوق حضرات کی دلچسپی کے پیشِ نظر چند متفرق مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔ علم القرآن و حدیث کی روشنی میں درج ذیل مضامین پر مدلّل بحث کی گئی ہے۔
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اصولِ تصوّف۔ موت و حیات۔ پاکستان کا مطلب کیا۔
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ مشاہدہ۔

فتنہ مرزائیت
(ایک تجزیہ)

تحریر: جناب محمد نورالدین صاحب اویسی امینی کشمیری

یہ مختصر سا مقالہ اہلِ علم و دانش حضرات کے لیے اس تاریک دور میں انمول موتی کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مقالہ میں قرآن و حدیث سے دلائل پیش کر کے علم نبوّت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے جس سے اُمّتِ مسلمہ میں پیدا شدہ غلط تصوّرات کو مٹانے کی احسن کوشش کی گئی ہے۔ جو حضرات اپنے ذہن کو پہلے سے پیدا شدہ تصوّرات سے پاک کر کے اس مقالہ کو مطالعہ میں لائیں گے۔ اِن شاء اللہ ان کے لیے مسئلہ علم النبوت کو فہم میں لانا بے حد آسان ہو گا۔ علمائے اسلام کے لیے دعوتِ فکر ہے۔

ملنے کا پتہ: شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ اویسیہ
3404۔ لنک روڈ ایبٹ آباد (ہزارہ) پاکستان
جھنگ روڈ۔ چنیوٹ۔ پاکستان